

الفيل الاكبر

و ترجمه معانی و تفسیر
إلى اللغة الأردية

مِنَ السَّمَاوَاتِ فِي ذَلِكَ لَآيَةً لِّكُلِّ عَبْدٍ مُّنِيبٍ ۝

وَلَقَدْ آتَيْنَا دَاوُدَ مِنَّا فَضْلًا ۖ يُجِبَالٌ آوِيٌّ مَّعَهُ وَالطَّلِيَّةُ
وَالنَّكَالَةُ الْحُدَيْدُ ۝

إِنْ أَعْمَلْ سُلَيْمٌ وَقَدَرْنَا فِي السَّمَاءِ وَاعْمَلُوا صَالِحًا

آسمان کے ٹکڑے گرا دیں،^(۱) یقیناً اس میں پوری دلیل ہے
ہر اس بندے کے لیے جو (دل سے) متوجہ ہو۔ (۹)
اور ہم نے داود پر اپنا فضل کیا،^(۲) اے پہاڑو! اس کے ساتھ
رغبت سے تسبیح پڑھا کرو اور پرندوں کو بھی^(۳) (یہی حکم
ہے) اور ہم نے اس کے لیے لوہا نرم کر دیا۔^(۴) (۱۰)
کہ تو پوری پوری زرہیں بنا^(۵) اور جوڑوں میں اندازہ
رکھ^(۶) تم سب نیک کام کیا کرو۔^(۷) (یقین مانو) کہ میں

(۱) یعنی یہ آیت دو باتوں پر مشتمل ہے، ایک اللہ کے کمال قدرت کا بیان جو ابھی مذکور ہوا، دوسری کفار کے لیے
تنبیہ و تمذید کہ جو اللہ آسمان و زمین کی تخلیق پر اس طرح قادر ہے کہ ان پر اور ان کے مابین ہر چیز پر اس کا تصرف
اور غلبہ ہے، وہ جب چاہے ان پر اپنا عذاب بھیج کر ان کو تباہ کر سکتا ہے۔ زمین میں دھنسا کر بھی، جس طرح قارون کو
دھنسا یا آسمان کے ٹکڑے گرا کر، جس طرح اصحاب الایکہ کو ہلاک کیا گیا۔

(۲) یعنی نبوت کے ساتھ بادشاہت اور کئی امتیازی خوبیوں سے نوازا۔

(۳) ان میں سے ایک حسن صوت کی نعمت تھی، جب وہ اللہ کی تسبیح پڑھتے تو پتھر کے ٹھوس پہاڑ بھی تسبیح خوانی میں مصروف ہو
جاتے، اڑتے پرندے ٹھہر جاتے اور زمزمہ خواں ہو جاتے اُویٰ یعنی تسبیح دہراؤ۔ یعنی پہاڑوں اور پرندوں کو ہم نے
کما، چنانچہ یہ بھی داود علیہ السلام کے ساتھ مصروف تسبیح ہو جاتے وَالطَّلِيَّةُ كَاعْطَفَ يَاجِبَالُ کے محل پر ہے۔ اس لیے کہ جِبَالُ
تقدیر منصوب ہے۔ اصل عبارت اس طرح ہے نَادَيْنَا الْجِبَالَ وَالطَّلِيَّةَ (ہم نے پہاڑوں اور پرندوں کو پکارا) یا پھر اس کا
عطف فَضْلًا پر ہے اور معنی ہوں گے وَسَخَّرْنَا لَهُ الطَّلِيَّةَ (اور ہم نے پرندے ان کے تابع کر دیے)۔ (فتح القدیر)

(۴) یعنی لوہے کو آگ میں تپانے اور تھوڑی سی کو لٹے بغیر، اسے موم، گوندھے ہوئے آٹے اور گیلی مٹی کی طرح،
جس طرح چاہتے موڑ لیتے، بٹ لیتے اور جو چاہتے بنا لیتے۔

(۵) سَابِغَاتٌ محذوف موصوف کی صفت ہے دُرُوعًا سَابِغَاتٌ یعنی لمبی پوری لمبی زرہیں، جو لڑنے والے کے پورے جسم
کو صحیح طریقے سے ڈھانک لیں اور اسے دشمن کے وار سے محفوظ رکھیں۔

(۶) تاکہ چھوٹی بڑی نہ ہوں، یا سخت یا نرم نہ ہوں یعنی کڑیوں کے جوڑنے میں کیل اتنے باریک نہ ہوں کہ جوڑ حرکت
کرتے رہیں اور ان میں قرار و ثبات نہ آئے اور نہ اتنے موٹے ہوں کہ اسے توڑ ہی ڈالیں یا جس سے حلقہ تنگ ہو
جائے اور اسے پہنانا نہ جاسکے۔ یہ زرہ بانی کی صنعت کے بارے میں حضرت داود علیہ السلام کو ہدایات دی گئیں۔

(۷) یعنی ان نعمتوں کے بدلے میں عمل صالح کا اہتمام کرو تاکہ میرا عملی شکر بھی ہوتا رہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ جس

إِنِّي بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرٌ ⑪

وَلَسَلِمِينَ الَّذِينَ عَذُّوا هَاشِرَهُ وَرَوَّاحَ هَاشِرَهُ وَاسْلَمْنَا لَهُ
عَيْنَ الْقَطْرِ وَمَنْ يَحْمِلُ يَدَيْهِ بِإِذْنِ رَبِّهِ وَمَنْ
يَزِغْ مِنْهُمْ عَنْ أَمْرِنَا نُنْزِلْهُ مِنْ عَذَابِ السَّعِيرِ ⑫

يَعْمَلُونَ لَهُ مَا يَشَاءُ مِنْ مَحَارِبَ وَمَتَائِثَ وَجَنَّاتٍ كَالْجَوَابِ
وَعُدُورٍ يُسَيَّرُ بِهَا عَمَلُوا آلَ دَاوُدَ شُكْرًا وَقِيلَ لَهُمْ

تمہارے اعمال دیکھ رہا ہوں۔ (۱۱)

اور ہم نے سلیمان کے لیے ہوا کو مسخر کر دیا کہ صبح کی منزل اس کی مہینہ بھر کی ہوتی تھی اور شام کی منزل بھی (۱) اور ہم نے ان کے لیے تانبے کا چشمہ بہا دیا۔ (۲) اور اس کے رب کے حکم سے بعض جنات اس کی ماتحتی میں اس کے سامنے کام کرتے تھے اور ان میں سے جو بھی ہمارے حکم سے سر تابی کرے ہم اسے بھڑکتی ہوئی آگ کے عذاب کا مزہ چکھائیں گے۔ (۳) (۱۳)

جو کچھ سلیمان چاہتے وہ جنات تیار کر دیتے مثلاً قلعے اور مجستے اور حوضوں کے برابر لگن اور چولہوں پر جلی ہوئی مضبوط دگیں، (۳) اے آل داود اس کے شکریہ میں نیک

کو اللہ تعالیٰ دنیوی نعمتوں سے سرفراز فرمائے، اسے اسی حساب سے اللہ کا شکر بھی ادا کرنا چاہیے اور شکر میں بنیادی چیز یہی ہے کہ منعم کو راضی رکھنے کی بھرپور سعی کی جائے یعنی اس کی اطاعت کی جائے۔ اور نافرمانی سے بچا جائے۔

(۱) یعنی حضرت سلیمان علیہ السلام مع اعیان سلطنت اور لشکر، تخت پر بیٹھ جاتے، اور جدھر آپ کا حکم ہوتا ہوا نہیں اسے اتنی رفتار سے لے جاتیں کہ ایک مہینے جتنی مسافت، صبح سے دوپہر تک کی ایک منزل میں طے ہو جاتی اور پھر اسی طرح دوپہر سے رات تک، ایک مہینے جتنی مسافت طے ہو جاتی۔ اس طرح ایک دن میں دو مہینوں کی مسافت طے ہو جاتی۔

(۲) یعنی جس طرح حضرت داؤد علیہ السلام کے لیے لوہا نرم کر دیا گیا تھا، حضرت سلیمان علیہ السلام کے لیے تانبے کا چشمہ ہم نے جاری کر دیا تاکہ تانبے کی دھات سے وہ جو چاہیں، بنائیں۔

(۳) اکثر مفسرین کے نزدیک یہ سزا قیامت والے دن دی جائے گی۔ لیکن بعض کے نزدیک یہ دنیوی سزا ہے، وہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ایک فرشتہ مقرر فرما دیا تھا جس کے ہاتھ میں آگ کا سونٹا ہوتا تھا۔ جو جن حضرت سلیمان علیہ السلام کے حکم سے سر تابی کرتا، فرشتہ وہ سونٹا اسے مارتا، جس سے وہ جل کر بھسم ہو جاتا۔ (فتح القدیر)

(۴) مَحَارِبَ، مَحَارِبَ کی جمع ہے، بلند جگہ یا اچھی عمارت، مطلب ہے بلند محلات، عالی شان عمارتیں یا مساجد و معابد تَمَائِثَ، تَمَائِثَ کی جمع ہے، تصویر۔ یہ تصویریں غیر حیوان چیزوں کی ہوتی تھیں، بعض کہتے ہیں کہ انبیاء و صلحا کی تصاویر مسجدوں میں بنائی جاتی تھیں تاکہ انہیں دیکھ کر لوگ بھی عبادت کریں۔ یہ معنی اس صورت میں صحیح ہے جب تسلیم کیا جائے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کی شریعت میں تصویر سازی کی اجازت تھی۔ جو صحیح نہیں۔ تاہم اسلام میں تو

عِبَادِي الشُّكُورُ ①

عمل کرو، میرے بندوں میں سے شکر گزار بندے کم ہی ہوتے ہیں۔ (۱۳)

پھر جب ہم نے ان پر موت کا حکم بھیج دیا تو ان کی خبر جنت کو کسی نے نہ دی سوائے گھن کے کیڑے کے جو ان کی عصا کو کھا رہا تھا۔ پس جب (سلیمان) گر پڑے اس وقت جنوں نے جان لیا کہ اگر وہ غیب دان ہوتے تو اس ذلت کے عذاب میں مبتلا نہ رہتے۔^(۱) (۱۴)

قوم سب کے لیے اپنی بستیوں میں (قدرت الہی کی) نشانی تھی^(۲) ان کے دائیں بائیں دو باغ تھے^(۳) (ہم نے ان

فَلَمَّا أَفْضَيْنَا عَلَيْهِ الْمَوْتَ مَا دَلَّهُمْ عَلَىٰ مَوْتِهِ إِلَّا دَابَّةُ الْأَرْضِ تَأْكُلُ مِنْسَاتَهُ فَلَمَّا أَخَذَتْ بَيْنَتِي الْجَنِّ أَن كُوكُلُوا يَعْلَمُونَ الْغَيْبَ مَا لَبِئُوا فِي الْعَذَابِ الْمُهِينِ ②

لَقَدْ كَانَ لِسَبَإٍ فِي مَسْكِنِهِمْ آيَةٌ جَنَّتَانِ عَنْ يَمِينٍ وَشِمَالٍ ۚ

نمائت تختی کے ساتھ اس کی ممانعت ہے۔ جَفَانٌ، جَفَنَةُ کی جمع ہے، لکن جَوَاب، جَابِيَةُ کی جمع ہے، حوض، جس میں پانی جمع کیا جاتا ہے۔ یعنی حوض جتنے بڑے بڑے لکن، قُدُور و کیس، رَاسِيَات جی ہوئیں۔ کہا جاتا ہے کہ یہ دیکھیں پہاڑوں کو تراش کر بنائی جاتی تھیں۔ جنہیں ظاہر ہے اٹھا کر ادھر ادھر نہیں لے جایا جاسکتا تھا، اس میں بیک وقت ہزاروں افراد کا کھانا پک جاتا تھا۔ یہ سارے کام جنت کرتے تھے۔

(۱) حضرت سلیمان علیہ السلام کے زمانے میں جنت کے بارے میں مشہور ہو گیا تھا کہ یہ غیب کی باتیں جانتے ہیں، اللہ تعالیٰ نے حضرت سلیمان علیہ السلام کی موت کے ذریعے سے اس عقیدے کو فساد کو واضح کر دیا۔

(۲) سَبَّأ، وہی قوم تھی، جس کی ملکہ سب مشہور ہے جو حضرت سلیمان علیہ السلام کے زمانے میں مسلمان ہو گئی تھی۔ قوم ہی کے نام پر ملک کا نام بھی سب تھا، آج کل یمن کے نام سے یہ علاقہ معروف ہے۔ یہ بڑا خوش حال ملک تھا، یہ ملک بری و بحری تجارت میں بھی ممتاز تھا اور زراعت و باغبانی میں بھی نمایاں۔ اور یہ دونوں ہی چیزیں کسی ملک اور قوم کی خوش حالی کا باعث ہوتی ہیں۔ اسی مال و دولت کی فراوانی کو یہاں قدرت الہی کی نشانی سے تعبیر کیا گیا ہے۔

(۳) کہتے ہیں کہ شہر کے دونوں طرف پہاڑ تھے، جن سے چشموں اور نالوں کا پانی بہہ بہہ کر شہر میں آتا تھا، ان کے حکمرانوں نے پہاڑوں کے درمیان پٹے تعمیر کر دیئے اور ان کے ساتھ باغات لگا دیئے گئے، جس سے پانی کا رخ بھی متعین ہو گیا اور باغوں کو بھی سیرابی کا ایک قدرتی ذریعہ میسر آگیا۔ انہی باغات کو، دائیں بائیں دو باغوں، سے تعبیر کیا گیا ہے۔ بعض کہتے ہیں، جَنَّتَيْنِ سے دو باغ نہیں، بلکہ دائیں بائیں کی دو جنتیں مراد ہیں اور مطلب باغوں کی کثرت ہے کہ جدھر نظر اٹھا کر دیکھیں، باغات، ہریالی اور شادابی ہی نظر آتی تھی۔ (فتح القدیر)

کو حکم دیا تھا کہ) اپنے رب کی دی ہوئی روزی کھاؤ^(۱)
اور اس کا شکر ادا کرو،^(۲) یہ عمدہ شر^(۳) اور وہ بخشے والا
رب ہے۔^(۴) (۱۵)

لیکن انہوں نے روگردانی کی تو ہم نے ان پر زور کے
سیلاب (کاپانی) بھیج دیا اور ہم نے ان کے (ہرے بھرے)
بانگوں کے بدلے دو (ایسے) باغ دیئے جو بد مزہ میوؤں
والے اور (بکثرت) جھاؤ اور کچھ پیری کے درختوں والے
تھے۔^(۵) (۱۶)

ہم نے ان کی ناشکری کا یہ بدلہ انہیں دیا۔ ہم (ایسی) سخت
سزا بڑے بڑے ناشکروں ہی کو دیتے ہیں۔ (۱۷)

اور ہم نے ان کے اور ان بستیوں کے درمیان جن میں
ہم نے برکت دے رکھی تھی چند بستیاں اور (آباد) رکھی

كُلُوا مِنْ رِزْقِ رَبِّكُمْ وَاشْكُرُوا لَهُ بَلَدًا طَيِّبَةً وَرَبِّ
عَفُورٌ ۝

فَاَعْرِضُوا فَاَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ سَيْلَ الْعَرِمِ وَبَدَّلْنَاهُمْ
جَنَّتَيْنِ ذَوَاتِ اُكْلٍ حَظِطٍ وَاَنْثِلَ وَشَقَىٰ مَنْ سَدَّ كَلِيلِ ۝

ذٰلِكَ جَزَيْنَهُمْ بِمَا كَفَرُوا وَهَلْ نُجْزِي الْاَلَكُفُورَ ۝

وَجَعَلْنَا بَيْنَهُمُ الْوَادِيَيْنِ الْغُرَىٰ الَّتِي بَرَكْنَا فِيْهَا فَاُثْرَىٰ طَاهِرَةً

(۱) یہ ان کے پیغمبروں کے ذریعے سے کھلوا یا گیا مطلب ان نعمتوں کا بیان ہے، جن سے ان کو نوازا گیا تھا۔

(۲) یعنی منعم و محسن کی اطاعت کرو اور اس کی نافرمانی سے اجتناب۔

(۳) یعنی بانگوں کی کثرت اور پھلوں کی فراوانی کی وجہ سے یہ شر عمدہ ہے۔ کہتے ہیں کہ آب و ہوا کی عمدگی کی وجہ سے یہ
شر کمھی، مچھر اور اس قسم کے دیگر موذی جانوروں سے بھی پاک تھا، واللہ اعلم۔

(۴) یعنی اگر تم رب کا شکر کرتے رہو گے تو وہ تمہارے گناہ بھی معاف فرما دے گا۔ اس کا مطلب یہ بھی ہوا کہ انسان
توبہ کرتے رہیں تو پھر گناہ ہلاکت عام اور سلب انعام کا سبب نہیں بنتے، بلکہ اللہ تعالیٰ عفو و درگزر سے کام لیتا ہے۔

(۵) یعنی انہوں نے پہاڑوں کے درمیان پشتے اور بند تعمیر کر کے پانی کی جو رکاوٹ کی تھی اور اسے زراعت و باغبانی کے
کام میں لاتے تھے، ہم نے تند و تیز سیلاب کے ذریعے سے ان بندوں اور پشتوں کو توڑ ڈالا اور شاداب اور پھل دار بانگوں
کو ایسے بانگوں سے بدل دیا جن میں صرف قدرتی جھاڑ جھکاڑ ہوتے ہیں، جن میں اول تو کوئی پھل لگتا ہی نہیں اور کسی
میں لگتا بھی ہے تو سخت کڑوا، کسلا اور بد مزہ جنہیں کوئی کھا ہی نہیں سکتا۔ البتہ کچھ پیری کے درخت تھے جن میں بھی
کانٹے زیادہ اور بیر کم تھے عَرَمٌ، عَرَمَةٌ کی جمع ہے، پشت یا بند۔ یعنی ایسا زور کاپانی بھیجا جس نے اس بند میں شکاف ڈال دیا
اور پانی شہر میں بھی آگیا، جس سے ان کے مکانات ڈوب گئے اور بانگوں کو بھی اجاڑ کر ویران کر دیا۔ یہ بند سد مارب کے
نام سے مشہور ہے۔

تھیں جو برسرِ راہ ظاہر تھیں،^(۱) اور ان میں چلنے کی منزلیں مقرر کر دی تھیں^(۲) ان میں راتوں اور دنوں کو بہ امن و امان چلتے پھرتے رہو۔^(۳) (۱۸)

لیکن انہوں نے پھر کہا کہ اے ہمارے پروردگار! ہمارے سفر دور دراز کر دے^(۴) چونکہ خود انہوں نے اپنے ہاتھوں اپنا برا کیا اس لیے ہم نے انہیں (گزشتہ) فسانوں کی صورت میں کر دیا^(۵) اور ان کے ٹکڑے ٹکڑے اڑا دیئے،^(۶) بلاشبہ ہر ایک صبر و شکر کرنے والے کے لیے

وَقَدَرْنَا فِيهَا السَّيْرَ وَيُؤْوِي فِيهَا إِلَيْكَ وَإِنَّمَا آمِنِينَ ۝۱۸

فَقَالُوا رَبَّنَا بَعِدْ بَيْنَ أَسْفَارِنَا وَظَلَمُوا أَنْفُسَهُمْ فَجَعَلْنَاهُمْ أَحَادِيثَ وَمَزَّقْنَاهُمْ كُلَّ مُمَرِّقٍ إِنَّ فِي ذَلِكَ لَآيَاتٍ لِّكُلِّ صَبَّارٍ شَكُورٍ ۝۱۹

(۱) برکت والی بستیوں سے مراد شام کی بستیاں ہیں۔ یعنی ہم نے ملک سبا (بحمن) اور شام کے درمیان لب سزک بستیاں آباد کی ہوئی تھیں، بعض نے ظاہرۃ کے معنی مَتَوَاصِلَةً، ایک دوسرے سے پوسٹ اور مسلسل کے کیے ہیں۔ مفسرین نے ان بستیوں کی تعداد ۴ ہزار سات سو بتلائی ہے۔ یہ ان کی تجارتی شاہراہ تھی جو مسلسل آباد تھی، جس کی وجہ سے ایک تو ان کے کھانے پینے اور آرام کرنے کے لیے زادراہ ساتھ لینے کی ضرورت نہیں پڑتی تھی۔ دوسرے، ویرانی کی وجہ سے لوٹ مار اور قتل و غارت کا جو اندیشہ ہوتا ہے، وہ نہیں ہوتا تھا۔

(۲) یعنی ایک آبادی سے دوسری آبادی کا فاصلہ متعین اور معلوم تھا، اور اس کے حساب سے وہ بہ آسانی اپنا سفر طے کر لیتے تھے۔ مثلاً صبح سفر کا آغاز کرتے تو دوپہر تک کسی آبادی اور قریے تک پہنچ جاتے، وہاں کھاپی کر قیلولہ کرتے اور پھر سرگرم سفر ہو جاتے تو رات کو کسی آبادی میں جا پہنچتے۔

(۳) یہ ہر قسم کے خطرے سے محفوظ اور زادراہ کی مشقت سے بے نیاز ہونے کا بیان ہے کہ رات اور دن کی جس گھڑی میں تم سفر کرنا چاہو، کرو، نہ جان و مال کا کوئی اندیشہ نہ راستے کے لیے سامان سفر ساتھ لینے کی ضرورت۔

(۴) یعنی جس طرح لوگ سفر کی صعوبتوں، خطرات اور موسم کی شدتوں کا تذکرہ کرتے ہیں، ہمارے سفر بھی اسی طرح دور دور کر دے، مسلسل آبادیوں کے بجائے درمیان میں سنسان ویران جنگلات اور صحراؤں سے ہمیں گزرنا پڑے، گرمیوں میں دھوپ کی شدت اور سردیوں میں سختی ہو انہیں ہمیں پریشان کریں اور راستے میں بھوک اور پیاس اور موسم کی سختیوں سے بچنے کے لیے ہمیں زادراہ کا بھی انتظام کرنا پڑے۔ ان کی یہ دعا اسی طرح کی ہے، جیسے بنی اسرائیل نے من و سلویٰ اور دیگر سہولتوں کے مقابلے میں دالوں اور سبزیوں وغیرہ کا مطالبہ کیا تھا۔ یا پھر زبان حال سے ان کی یہ دعا تھی۔

(۵) یعنی انہیں اس طرح تپید کیا کہ ان کی ہلاکت کا قصہ زبان زدِ خلأقی ہو گیا۔ اور مجلسوں اور محفلوں کا موضوع گفتگو بن گیا۔

(۶) یعنی انہیں متفرق اور منتشر کر دیا، چنانچہ سبائیں آباد مشہور قبیلے مختلف جگہوں پر جا آباد ہوئے، کوئی ٹیڑب و مکہ آگیا،

اس (ماجرے) میں بہت سی عبرتیں ہیں۔ (۱۹)
اور شیطان نے ان کے بارے میں اپنا گمان سچا کر دکھایا یہ
لوگ سب کے سب اس کے تابع دار بن گئے سوائے
مومنوں کی ایک جماعت کے۔ (۲۰)

شیطان کا ان پر کوئی زور (اور دباؤ) نہ تھا مگر اس لیے کہ
ہم ان لوگوں کو جو آخرت پر ایمان رکھتے ہیں ظاہر کر دیں
ان لوگوں میں سے جو اس سے شک میں ہیں۔ اور آپ کا
رب (ہر چیز پر نگہبان ہے۔ (۲۱)

کہہ دیجئے! کہ اللہ کے سوا جن جن کا تمہیں گمان ہے
(سب) کو پکار لو،^(۱) نہ ان میں سے کسی کو آسمانوں اور
زمینوں میں سے ایک ذرہ کا اختیار ہے^(۲) نہ ان کا ان
میں کوئی حصہ ہے^(۳) نہ ان میں سے کوئی اللہ کا مددگار
ہے۔^(۴) (۲۲)

شفاعت (سفارش) بھی اس کے پاس کچھ نفع نہیں دیتی
بجز ان کے جن کے لیے اجازت ہو جائے۔^(۵) یہاں تک
کہ جب ان کے دلوں سے گھبراہٹ دور کر دی جاتی ہے

وَلَقَدْ صَدَقَ عَلَيْهِمْ اِبْنُ سُلَيْمَانَ مَا كُنْتُمْ تُوعَدُونَ ۝۱۹
مِنْ الْمُؤْمِنِينَ ۝۲۰

وَمَا كَانَ لَهُ عَلَيْهِمْ مِنْ سُلْطٰنٍ اِلَّا لِنَعْلَمَ مَنْ يُؤْمِنُ
بِالْآخِرَةِ ۚ وَهُمْ مِمَّا فِي سُلْطٰنٍ ۚ وَرَبُّكَ عَلٰى كُلِّ
شَيْءٍ حَفِيظٌ ۝۲۱

قُلِ ادْعُوا الَّذِيْنَ رَعَوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ لَا يَمْلِكُوْنَ شَيْئًا
ذَرِّوْهُ فِى السَّمٰوٰتِ وَلَا فِى الْاَرْضِ وَمَا لَهُمْ فِيْهَا مِنْ شَرْكَ
وَمَا لَهُ مِنْهُمْ مِنْ ظٰلِمٍ ۝۲۲

وَلَا تَنْفَعُ الشَّفَاعَةُ عِنْدَهُ اِلَّا لِمَنْ اِذِنَ لَهُ ۚ حَتّٰى اِذَا فُزِعَ
عَنْ قُلُوْبِهِمْ قَالُوْا مَاذَا قَالَ رَبُّكُمْ قَالُوْا الْحَقُّ ۚ وَهُوَ الْعَلِیُّ

کوئی شام کے علاقے میں چلا گیا کوئی کہیں اور کوئی کہیں۔

(۱) یعنی معبود ہونے کا۔ یہاں زَعَمْتُمْ کے دو مفعول محذوف ہیں۔ زَعَمْتُمُوْهُمْ اِلَٰهَةً، یعنی جن جن کو تم معبود گمان کرتے ہو۔

(۲) یعنی انہیں نہ خیر پر کوئی اختیار ہے نہ شر پر۔ کسی کو فائدہ پہنچانے کی قدرت ہے، نہ نقصان سے بچانے کی۔ آسمان و زمین کا ذکر عموم کے لیے ہے، کیوں کہ تمام خارجی موجودات کے لیے یہی ظرف ہیں۔

(۳) نہ پیدائش میں، نہ ملکیت میں اور نہ تصرف میں۔

(۴) جو کسی معاملے میں بھی اللہ کی مدد کرتا ہو، بلکہ اللہ تعالیٰ ہی بلا شرکت غیرے تمام اختیارات کا مالک ہے اور کسی کے تعاون کے بغیر ہی سارے کام کرتا ہے۔

(۵) ”جن کے لیے اجازت ہو جائے“ کا مطلب ہے انبیاء اور ملائکہ وغیرہ یعنی یہی سفارش کر سکیں گے، کوئی اور نہیں۔ اس لیے کہ کسی اور کی سفارش فائدے مند ہی ہوگی، نہ انہیں اجازت ہی ہوگی۔ دوسرا مطلب ہے، مستحقین شفاعت۔

تو پوچھتے ہیں تمہارے پروردگار نے کیا فرمایا؟ جواب دیتے ہیں کہ حق فرمایا ^(۱) اور وہ بلند و بالا اور بہت بڑا ہے۔ (۲۳)

پوچھئے کہ تمہیں آسمانوں اور زمین سے روزی کون پہنچاتا ہے؟ (خود) جواب دیجئے! کہ اللہ تعالیٰ۔ (سنو) ہم یا تم۔ یا تو یقیناً ہدایت پر ہیں یا کھلی گمراہی میں ہیں؟ (۲۴)

کہہ دیجئے! کہ ہمارے کیے ہوئے گناہوں کی بابت تم سے کوئی سوال نہ کیا جائے گا نہ تمہارے اعمال کی باز پرس ہم سے کی جائے گی۔ (۲۵)

انہیں خبر دے دیجئے کہ ہم سب کو ہمارا رب جمع کر کے پھر ہم میں سچے فیصلے کر دے گا۔ ^(۲۶) وہ فیصلے چکانے والا

الْكَبِيرُ ۝

فَلْ مَنْ يَرْزُقُكُمْ مِنَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ قُلِ اللَّهُ وَإِنَّا أَوْفِيَٰكُمْ لَعَلْ هُدًى آؤفِي صَلَٰفِٰلِٰمِیْنِ ۝

فَلْ لَا تَسْأَلُوْنَ عَمَّا أَجْمَعُوا لَا تَسْأَلُوْا عَمَّا تَعْلَمُوْنَ ۝

فَلْ يَجْمَعْ بَيْنَنَا رَبَّنَا ثُمَّ يَفْضَلْ بَيْنَنَا بِالْحَقِّ وَهُوَ الْفَتَّاحُ الْعَلِیْمُ ۝

یعنی انبیاء علیہم السلام و ملائکہ اور صالحین صرف انہی کے حق میں سفارش کر سکیں گے جو مستحقین شفاعت ہوں گے کیوں کہ اللہ کی طرف سے انہی کے حق میں سفارش کرنے کی اجازت ہوگی، کسی اور کے لیے نہیں۔ (فتح القدیر) مطلب یہ ہوا کہ انبیاء علیہم السلام، ملائکہ اور صالحین کے علاوہ وہاں کوئی سفارش نہیں کر سکے گا اور یہ حضرات بھی سفارش اہل ایمان گناہ گاروں کے لیے ہی کر سکیں گے، کافر و مشرک اور اللہ کے باغیوں کے لیے نہیں۔ قرآن کریم نے دوسرے مقام پر ان دونوں نکتوں کی وضاحت فرمادی ہے۔ ﴿مَنْ ذَا الَّذِي يَشْفَعُ عِنْدَ الرَّبِّ إِلَّا بِإِذْنِهِ﴾ (البقرة: ۲۵۵) اور ﴿وَلَا يَشْفَعُونَ إِلَّا لِمَنِ ارْتَضَى﴾ (الانبیاء: ۲۸)

(۱) اس کی مختلف تفسیریں کی گئی ہیں۔ ابن جریر اور ابن کثیر نے حدیث کی روشنی میں اس کی یہ تفسیر بیان کی ہے کہ جب اللہ تعالیٰ کسی امر کی بابت کلام (وحی) فرماتا ہے تو آسمان پر موجود فرشتے ہیبت اور خوف سے کانپ اٹھتے ہیں اور ان پر بے ہوشی کی سی کیفیت طاری ہو جاتی ہے۔ ہوش آنے پر وہ پوچھتے ہیں تو عرش بردار فرشتے دوسرے فرشتوں کو، اور وہ اپنے سے نیچے والے فرشتوں کو بتلاتے ہیں اور اس طرح خبر پہلے آسمان کے فرشتوں تک پہنچ جاتی ہے۔ (ابن کثیر) فزع میں سلب ناخذ ہے یعنی جب گھبراہٹ دور کر دی جاتی ہے۔

(۲) ظاہر بات ہے گمراہی پر وہی ہو گا جو ایسی چیزوں کو معبود سمجھتا ہے جن کا آسمان و زمین سے روزی پہنچانے میں کوئی حصہ نہیں ہے، نہ وہ بارش برسا سکتے ہیں، نہ کچھ اگا سکتے ہیں۔ اس لیے حق پر یقیناً اہل توحید ہی ہیں، نہ کہ دونوں۔

(۳) یعنی اس کے مطابق جزا دے گا، نیکوں کو جنت میں اور بدوں کو جہنم میں داخل فرمائے گا۔

قُلْ أَرُونِي الَّذِينَ أَفَعَنْتُمْ بِهِ شُرَكَاءَ كَذَّابِينَ هُوَ اللَّهُ
الْعَزِيزُ الْعَلِيمُ ۝۹۰

وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا كَافَّةً لِّلثَلَاثِ بَشِيرًا وَنَذِيرًا وَلَٰكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ
لَا يَعْلَمُونَ ۝۹۱

وَيَقُولُونَ مَتَىٰ هَٰذَا الْوَعْدُ إِنَّا كُنَّا صَادِقِينَ ۝۹۲

ہے اور انا۔ (۲۶)

کہہ دیجئے! کہ اچھا مجھے بھی تو انہیں دکھا دو جنہیں تم اللہ
کا شریک ٹھہرا کر اس کے ساتھ ملا رہے ہو، ایسا ہرگز
نہیں،^(۱) بلکہ وہی اللہ ہے غالب باحکمت۔ (۲۷)

ہم نے آپ کو تمام لوگوں کے لیے خوشخبریاں سنانے والا
اور ڈرانے والا بنا کر بھیجا ہے ہاں مگر (یہ صحیح ہے) کہ
لوگوں کی اکثریت بے علم ہے۔ (۲۸)^(۲)

پوچھتے ہیں کہ وہ وعدہ ہے کب؟ سچے ہو تو بتا دو۔ (۲۹)^(۳)

(۱) یعنی اس کا کوئی نظیر ہے نہ ہم سر، بلکہ وہ ہر چیز پر غالب ہے اور اس کے ہر کام اور قول میں حکمت ہے۔

(۲) اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے ایک تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت عامہ کا بیان فرمایا ہے کہ آپ ﷺ کو
پوری نسل انسانیت کا بادی اور رہنما بنا کر بھیجا گیا ہے۔ دوسرا، یہ بیان فرمایا کہ اکثر لوگ آپ ﷺ کی خواہش اور
کوشش کے باوجود ایمان سے محروم رہیں گے۔ ان دونوں باتوں کی وضاحت اور بھی دوسرے مقامات پر فرمائی ہے۔ مثلاً
آپ ﷺ کی رسالت کے ضمن میں فرمایا، ﴿قُلْ يٰٓأَيُّهَا النَّاسُ إِنِّي رَسُولُ اللَّهِ إِلَيْكُمْ جَمِيعًا﴾ (الأعراف: ۱۵۸) ﴿تَبَرَّكَ
الَّذِي يُنَزِّلُ الْقُرْآنَ عَلَىٰ عَبْدِهِ لِيُثَبِّتَ لِلنَّاسِ لِحُكْمِهِمْ ذِكْرًا﴾ (سورۃ الفرقان: ۱۰) ایک حدیث میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ”مجھے
پانچ چیزیں ایسی دی گئی ہیں جو مجھ سے پہلے کسی نبی کو نہیں دی گئیں۔ ۱- مینے کی مسافت پر دشمن کے دل میں میری دھاک
بٹھانے سے میری مدد فرمائی گئی ہے۔ ۲- تمام روئے زمین میرے لیے مسجد اور پاک ہے، جہاں بھی نماز کا وقت آجائے،
میری امت وہاں نماز ادا کر دے۔ ۳- مال غنیمت میرے لیے حلال کر دیا گیا، جو مجھ سے قبل کسی کے لیے حلال نہیں تھا۔
۴- مجھے شفاعت کا حق دیا گیا ہے۔ ۵- پہلے نبی صرف اپنی قوم کی طرف بھیجا جاتا تھا، مجھے کائنات کے تمام انسانوں کے لیے
نبی بنا کر بھیجا گیا ہے۔ (صحیح بخاری، کتاب التیمم۔ صحیح مسلم، کتاب المساجد) ایک اور حدیث میں
فرمایا یُعْتَبَرُ إِلَى الْأَخْمَرِ وَالْأَسْوَدِ (صحیح مسلم، کتاب المساجد) احمر و اسود سے مراد بعض نے جن وانس اور
بعض نے عرب و عجم لیے ہیں۔ امام ابن کثیر فرماتے ہیں، دونوں ہی معنی صحیح ہیں۔ اسی طرح اکثریت کی بے علمی اور گمراہی
کی وضاحت فرمائی۔ ﴿وَمَا أَكْثَرُ النَّاسِ وَلَوْ حَرَصْتَ بِمُؤْمِنِينَ﴾ (سورۃ یوسف: ۱۰۳) ”آپ ﷺ کی خواہش کے باوجود
اکثر لوگ ایمان نہیں لائیں گے“ ﴿وَأَن طُغِيَ أَكْثَرُ مَنْ فِي الْاَرْضِ بِضُلُوكَ عَنْ سَيِّدِ الْاَلَمِ﴾ (سورۃ الأنعام: ۱۱۶) ”اگر آپ
اہل زمین کی اکثریت کے پیچھے چلیں گے تو وہ آپ کو گمراہ کر دیں گے“ جس کا مطلب یہی ہوا کہ اکثریت گمراہوں کی ہے۔
(۳) یہ بطور استہزاء کے پوچھتے تھے کیوں کہ اس کا وقوع ان کے نزدیک مستبعد اور ناممکن تھا۔

قُلْ لَكُمْ مَبَادِئُ يَوْمٍ لَا تَسْتَأْذِنُونَ عَنْهُ سَاعَةً
وَلَا تَسْتَعْتَمُونَ ﴿۳۰﴾

جواب دیجئے کہ وعدے کا دن ٹھیک معین ہے جس
سے ایک ساعت نہ تم پیچھے ہٹ سکتے ہو نہ آگے
بڑھ سکتے ہو۔ (۳۰) ^(۱)

اور کافروں نے کہا کہ ہم ہرگز نہ تو اس قرآن کو مانیں نہ
اس سے پہلے کی کتابوں کو! اے دیکھنے والے کاش کہ
تو ان ظالموں کو اس وقت دیکھتا جبکہ یہ اپنے رب کے
سامنے کھڑے ہوئے ایک دوسرے کو الزام دے رہے
ہوں گے (۳) کمزور لوگ بڑے لوگوں سے کہیں گے (۴)
اگر تم نہ ہوتے تو ہم تو مومن ہوتے۔ (۵) (۳۱)

یہ بڑے لوگ ان کمزوروں کو جواب دیں گے کہ کیا
تمہارے پاس ہدایت آپکنے کے بعد ہم نے تمہیں اس
سے روکا تھا؟ (نہیں) بلکہ تم (خود) ہی مجرم تھے۔ (۶) (۳۲)

وَقَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا لَنْ نُؤْمِنَ بِهَذَا الْقُرْآنِ وَلَا بِالَّذِي
بَيْنَ يَدَيْهِ وَلَا تَرَىٰ إِذَا الظَّالِمُونَ مَوْقُوفُونَ عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْجَعُونَ
بَعْضُهُمْ إِلَىٰ بَعْضٍ لِّلْقَوْلِ يَقُولُ الَّذِينَ اسْتَضَعِفُوا لِّلَّذِينَ
اسْتَكْبَرُوا الْوَلَا أَنْتُمْ لَكُنَّا مُؤْمِنِينَ ﴿۳۱﴾

قَالَ الَّذِينَ اسْتَكْبَرُوا لِّلَّذِينَ اسْتَضَعِفُوا أَتَعْصِيُوا أَمْرًا
صَدَدْنَاكُمْ عَنِ الْهُدَىٰ بَعْدَ إِذْ جَاءَكُمْ لَعَلَّكُمْ تُعْجَمُونَ ﴿۳۲﴾

(۱) یعنی اللہ نے قیامت کا ایک دن مقرر کر رکھا ہے جس کا علم صرف اسی کو ہے، تاہم جب وہ وقت موعود آجائے گا تو
ایک ساعت بھی آگے، پیچھے نہیں ہوگا۔ ﴿إِنْ أَجَلُ اللَّهِ إِذَا جَاءَهُ لَا يُؤَخَّرُ﴾ (نوح: ۳)

(۲) جیسے تورات، زبور اور انجیل وغیرہ، بعض نے بَيْنَ يَدَيْهِ سے مراد دار آخرت لیا ہے۔ اس میں کافروں کے عناد و
طغیان کا بیان ہے کہ وہ تمام تردلائل کے باوجود قرآن کریم اور دار آخرت پر ایمان لانے سے گریزاں ہیں۔

(۳) یعنی دنیا میں یہ کفر و شرک میں ایک دوسرے کے ساتھی اور اس ناطے سے ایک دوسرے سے محبت کرنے والے
تھے، لیکن آخرت میں یہ ایک دوسرے کے دشمن اور ایک دوسرے کو مورد الزام بنائیں گے۔

(۴) یعنی دنیا میں یہ لوگ، جو سوچے سمجھے بغیر، روش عام پر چلنے والے ہوتے ہیں، اپنے ان لیڈروں سے کہیں گے جن
کے وہ دنیا میں پیروکار بنے رہے تھے۔

(۵) یعنی تم ہی نے ہمیں پیغمبروں اور داعیان حق کے پیچھے چلنے سے روک رکھا تھا، اگر تم اس طرح نہ کرتے تو ہم یقیناً
ایمان والے ہوتے۔

(۶) یعنی ہمارے پاس کون سی طاقت تھی کہ ہم تمہیں ہدایت کے راستے سے روکتے، تم نے خود ہی اس پر غور نہیں کیا
اور اپنی خواہشات کی وجہ سے ہی اسے قبول کرنے سے گریزاں رہے، اور آج مجرم ہمیں بنا رہے ہو؟ حالانکہ سب کچھ
تم نے خود ہی اپنی مرضی سے کیا، اس لیے مجرم بھی تم خود ہی ہو نہ کہ ہم۔

(اس کے جواب میں) یہ کمزور لوگ ان منکبوں سے کہیں گے، (نہیں نہیں) بلکہ دن رات کمزور فریب سے ہمیں اللہ کے ساتھ کفر کرنے اور اس کے شریک مقرر کرنے کا تمہارا حکم دینا ہماری بے ایمانی کا باعث ہوا،^(۱) اور عذاب کو دیکھتے ہی سب کے سب دل میں پشیمان ہو رہے ہوں گے،^(۲) اور کافروں کی گردنوں میں ہم طوق ڈال دیں گے^(۳) انہیں صرف ان کے کیے کرائے اعمال کا بدلہ دیا جائے گا۔^(۴) (۳۳)

اور ہم نے تو جس بستی میں جو بھی آگاہ کرنے والا بھیجا وہاں کے خوشحال لوگوں نے یہی کہا کہ جس چیز کے ساتھ تم بھیجے گئے ہو ہم اس کے ساتھ کفر کرنے^(۵) والے ہیں۔ (۳۴)

وَقَالَ الَّذِينَ اسْتَضَعُوا الَّذِينَ اسْتَكْبَرُوا بَنِي مَكَّةَ الْيَمَانِ وَالْهَمْلَاءُ تَأْمُرُونَنَا أَنْ نَكْفُرَ بِاللَّهِ وَنَجْعَلَ لَهُ أَنْدَادًا ۚ وَأَسْرُوا النَّدَامَةَ لِلنَّارِ أَوِ الْعَذَابِ وَجَعَلْنَا الْأَغْلَلَ فِي آعْنَاقِ الَّذِينَ كَفَرُوا وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ۝۴۰

وَمَا أَرْسَلْنَا فِي قَرْيَةٍ مِنْ نَذِيرٍ إِلَّا قَالَ مُتْرَفُوهَا إِنَّا بِمَا أُرْسِلْتُمْ بِهِ كَافِرُونَ ۝۴۱

(۱) یعنی ہم مجرم تو تبتہ ہوئے، جب ہم اپنی مرضی سے پیغمبروں کی تکذیب کرتے، جب کہ واقعہ یہ ہے کہ تم رات دن ہمیں گمراہ کرنے پر اور اللہ کے ساتھ کفر کرنے اور اس کا شریک ٹھہرانے پر آمادہ کرتے رہے، جس سے بالآخر ہم تمہارے پیچھے لگ کر ایمان سے محروم رہے۔

(۲) یعنی ایک دوسرے پر الزام تراشی تو کریں گے لیکن دل میں دونوں ہی فریق اپنے اپنے کفر پر شرمندہ ہوں گے۔ لیکن شامت اعدا کی وجہ سے ظاہر کرنے سے گریز کریں گے۔

(۳) یعنی ایسی زنجیریں جو ان کے ہاتھوں کو ان کی گردنوں کے ساتھ باندھیں گی۔

(۴) یعنی دونوں کو ان کے عملوں کی سزا ملے گی، لیڈروں کو ان کے مطابق، اور ان کے پیچھے چلنے والوں کو ان کے مطابق، جیسے دوسرے مقام پر فرمایا ﴿لِكُلِّ ضَعْفٍ وَلَكِنْ لَا تَعْلَمُونَ﴾ (الأعراف: ۳۸) یعنی ”ہر ایک کو دگنا عذاب ہو گا۔“

(۵) یہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دی جا رہی ہے کہ ککے کے رؤساء اور چودھری آپ ﷺ پر ایمان نہیں لا رہے ہیں اور آپ ﷺ کو ایذا نہیں پہنچا رہے ہیں تو یہ کوئی نئی بات نہیں ہے۔ ہر دور کے اکثر خوش حال لوگوں نے پیغمبروں کی تکذیب ہی کی ہے اور ہر پیغمبر پر ایمان لانے والے پہلے پہل معاشرے کے غریب اور نادار قسم کے لوگ ہی ہوتے تھے۔ جیسے حضرت نوح علیہ السلام کی قوم نے اپنے پیغمبر سے کہا، ﴿أَتُؤْمِنُ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ أَذِلَّةَ الَّذِينَ الْأَوَّلِينَ﴾ (الشعراء: ۱۱۱) ”کیا ہم تجھ پر ایمان لائیں جب کہ تیرے پیروکار کینے لوگ ہیں“ — ﴿وَمَا تَرْسُلُكَ إِلَّا الَّذِينَ هُمْ أَرَادُوا أَنْ يَبْكَوِيَ الْوَأْيَ﴾ (ہود: ۲۷) دوسرے پیغمبروں کو بھی ان کی قوموں نے یہی کہا، ملاحظہ ہو۔ سورۃ الأعراف: ۷۵۔ الانعام: ۵۳۔ ۱۳۳۔

اور کہا ہم مال و اولاد میں بہت بڑھے ہوئے ہیں یہ نہیں ہو سکتا کہ ہم عذاب دیئے جائیں۔^(۱) (۳۵)
 کہہ دیجئے! کہ میرا رب جس کے لیے چاہے روزی کشادہ کر دیتا ہے اور تنگ بھی کر دیتا ہے،^(۲) لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے۔ (۳۶)

اور تمہارے مال اور اولاد ایسے نہیں کہ تمہیں ہمارے پاس (مرتبوں سے) قریب کر دیں^(۳) ہاں جو ایمان لائیں اور نیک عمل کریں^(۴) ان کے لیے ان کے اعمال کا دوہرا اجر ہے^(۵) اور وہ نڈر و بے خوف ہو کر بالا خانوں میں رہیں گے۔ (۳۷)

وَقَالُوا خُذْ أَمْوَالَنَا وَأَوْلَادَنَا وَمَا نَحْنُ بِمُعَذِّبِينَ ۝
 قُلْ إِنَّ رَبِّي يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَشَاءُ وَيَقْدِرُ وَلَكِنَّ أَكْثَر النَّاسِ لَا يَعْلَمُونَ ۝

وَمَا أَمْوَالُكُمْ وَلَا أَوْلَادُكُمْ بِالْغِيَةِ تُقَرَّبُ بِكُمْ عِنْدَنَا زُلْفَىٰ ۝
 إِلَّا مَنِ آمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا قَدْ لَيْكَ لَهُمْ جَزَاءُ الضَّعْفِ
 بِمَا عَمِلُوا وَهُمْ فِي الْغُرُفَاتِ آمِنُونَ ۝

سورہ بنی اسرائیل ۱۶ وغیرہ۔ مُتَرَفُّونَ کے معنی ہیں، 'اصحاب ثروت و ریاست۔

(۱) یعنی جب اللہ نے ہمیں دنیا میں مال و اولاد کی کثرت سے نوازا ہے، تو قیامت بھی اگر برپا ہوئی تو ہمیں عذاب نہیں ہو گا۔ گویا انہوں نے دار آخرت کو بھی دنیا پر قیاس کیا کہ جس طرح دنیا میں کافر و مومن سب کو اللہ کی نعمتیں مل رہی ہیں، آخرت میں بھی اسی طرح ہو گا، حالانکہ آخرت تو دار الجزا ہے، وہاں تو دنیا میں کیے گئے عملوں کی جزا ملتی ہے، اچھے عملوں کی جزا اچھی اور برے عملوں کی بری۔ جب کہ دنیا دار الامتحان ہے، یہاں اللہ تعالیٰ بطور آزمائش سب کو دنیاوی نعمتوں سے سرفراز فرماتا ہے۔ یا انہوں نے دنیاوی مال و اسباب کی فراوانی کو رضائے الہی کا مظہر سمجھا، حالانکہ ایسا بھی نہیں ہے۔ اگر ایسا ہوتا تو اللہ تعالیٰ اپنے فرماں بردار بندوں کو سب سے زیادہ مال و اولاد سے نوازتا۔

(۲) اس میں کفار کے مذکورہ مغالطے اور شبہ کا ازالہ کیا جا رہا ہے کہ رزق کی کشادگی اور تنگی اللہ کی رضا یا عدم رضا کی مظہر نہیں ہے بلکہ اس کا تعلق اللہ کی حکمت و مشیت سے ہے۔ اس لیے وہ مال اس کو بھی دیتا ہے جس کو وہ پسند کرتا ہے اور اس کو بھی جس کو ناپسند کرتا ہے اور جس کو چاہتا ہے غنی کرتا ہے، جس کو چاہتا ہے فقیر رکھتا ہے۔

(۳) یعنی یہ مال اس بات کی دلیل نہیں ہے کہ ہمیں تم سے محبت ہے اور ہماری بارگاہ میں تمہیں خاص مقام حاصل ہے۔

(۴) یعنی ہماری محبت اور قرب حاصل کرنے کا ذریعہ تو صرف ایمان اور عمل صالح ہے جس طرح حدیث میں فرمایا "اللہ تعالیٰ تمہاری شکلیں اور تمہارے مال نہیں دیکھتا، وہ تو تمہارے دلوں اور عملوں کو دیکھتا ہے۔" (صحیح مسلم)

کتاب البر: باب تحریم ظلم المسلم

(۵) بلکہ کئی کئی گنا، ایک نیکی کا اجر کم از کم دس گنا مزید سات سو گنا بلکہ اس سے زیادہ تک۔

اور جو لوگ ہماری آیتوں کے مقابلہ کی تگ و دو میں لگے رہتے ہیں یہی ہیں جو عذاب میں پکڑ کر حاضر رکھے جائیں گے۔ (۳۸)

کہہ دیجئے! کہ میرا رب اپنے بندوں میں جس کے لیے چاہے روزی کشادہ کرتا ہے اور جس کے لیے چاہے تنگ کر دیتا^(۱) ہے، تم جو کچھ بھی اللہ کی راہ میں خرچ کرو گے اللہ اس کا (پورا پورا) بدلہ دے گا^(۲) اور وہ سب سے بہتر روزی دینے والا ہے۔ (۳۹)

اور ان سب کو اللہ اس دن جمع کر کے فرشتوں سے دریافت فرمائے گا کہ یہ لوگ تمہاری عبادت کرتے تھے۔ (۴۰)

وَالَّذِينَ يَسْعَوْنَ فِي آلِهِم مَّا يُغْنِي عَنْهُمْ وَالَّذِينَ فِي الْعَذَابِ مُخَضَّرُونَ ﴿۳۸﴾

قُلْ إِنْ رِزْقِي يَسْطُرُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَشَاءُ مِنْ عِبَادِهِ وَيَقْدِرْ لَهُ وَمَا أَنْفَقْتُمْ مِنْ شَيْءٍ فَهُوَ يُخْلِفُهُ وَهُوَ خَيْرُ الْوَارِثِينَ ﴿۳۹﴾

وَيَوْمَ نَبْخِثُ هَمَّهُمْ جَمِيعًا ثُمَّ نَقُولُ لِلْمَلَكَةِ أَهْلُ لَوْلَا إِيَّاكُمْ كَانُوا يَعْبُدُونَ ﴿۴۰﴾

(۱) پس وہ کبھی کافر کو بھی خوب مال دیتا ہے، لیکن کس لیے؟ استدراج کے طور پر، اور کبھی مومن کو تنگ دست رکھتا ہے، کس لیے؟ اس کے اجر و ثواب میں اضافے کے لیے۔ اس لیے مجرد مال کی فراوانی اس کی رضائی اور اس کی کمی، اس کی ناراضی کی دلیل نہیں ہے۔ یہ تکرار بطور تاکید کے ہے۔

(۲) إِنْخِلَافَ کے معنی ہیں، عوض اور بدلہ دینا۔ یہ بدلہ دنیا میں بھی ممکن ہے اور آخرت میں تو یقینی ہے۔ حدیث قدسی میں آتا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ أَنْفَقْ أَنْفَقْ عَلَيْكَ (صحیح بخاری، سورۃ ہود) ”تو خرچ کر، میں تجھ پر خرچ کروں گا“ (یعنی بدلہ دوں گا) دو فرشتے ہر روز اعلان کرتے ہیں، ایک کہتا ہے ”اللَّهُمَّ! أَعْطِ مُنْسِكًا تَلَفًا“ (یا اللہ نہ خرچ کرنے والے کے مال کو ضائع کر دے) دو سرا کہتا ہے، ”اللَّهُمَّ! أَعْطِ مُنْفِقًا خَلَفًا“ (اے اللہ! خرچ کرنے والے کو بدلہ عطا فرما)۔ (البخاری، کتاب الزکوٰۃ، باب فَاَمَّا مَنْ أَعْطَى وَاتَّقَى)

(۳) کیونکہ ایک بندہ اگر کسی کو کچھ دیتا ہے تو اس کا یہ دینا اللہ تعالیٰ کی توفیق و تیسیر اور اس کی تقدیر سے ہی ہے۔ حقیقت میں دینے والا اس کا رازق نہیں ہے، جس طرح بچوں کا باپ، بچوں کا، یا بادشاہ اپنے لشکر کا کفیل کہلاتا ہے حالانکہ امیر اور مامور بچے اور بڑے سب کا رازق حقیقت میں اللہ تعالیٰ ہی ہے جو سب کا خالق بھی ہے۔ اس لیے جو شخص اللہ کے دیئے ہوئے مال میں سے کسی کو کچھ دیتا ہے تو وہ ایسے مال میں تصرف کرتا ہے جو اللہ ہی نے اسے دیا ہے، پس درحقیقت رازق بھی اللہ ہی ہوا۔ تاہم یہ اس کا مزید فضل و کرم ہے کہ اس کے دیئے ہوئے مال میں اس کی مرضی کے مطابق تصرف (خرچ کرنے) پر وہ اجر و ثواب بھی عطا فرماتا ہے۔

(۴) یہ مشرکین کو ذلیل و خوار کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ فرشتوں سے پوچھے گا، جیسے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے

وہ کہیں گے تیری ذات پاک ہے اور ہمارا ولی تو تو ہے نہ کہ یہ ^(۱) بلکہ یہ لوگ جنوں کی عبادت کرتے تھے، ^(۲) ان میں کے اکثر کا نہی پر ایمان تھا۔ (۳۱)
پس آج تم میں سے کوئی (بھی) کسی کے لیے (بھی کسی قسم کے) نفع نقصان کا مالک نہ ہو گا۔ ^(۳) اور ہم ظالموں ^(۴) سے کہہ دیں گے کہ اس آگ کا عذاب چکھو جسے تم جھٹلاتے رہے۔ (۳۲)

اور جب ان کے سامنے ہماری صاف صاف آیتیں پڑھی جاتی ہیں تو کہتے ہیں کہ یہ ایسا شخص ہے ^(۵) جو تمہیں تمہارے باپ دادا کے معبودوں سے روک دینا چاہتا ہے

قَالُوا سُبْحٰنَكَ اَنْتَ وَلِيْنَا مَنْ دُوْنِهِمْ يَلْكَانُوا يَعْبُدُوْنَ
الْحَيَّ اَكْثَرُهُمْ يَوْمَ مُؤْمِنُوْنَ ۝

قَالِيَوْمَ لَا يَمْلِكُ بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ نَفْعًا وَلَا ضَرًّا وَنَقُولُ
لِلَّذِيْنَ ظَلَمُوْا دُوْنًا عَذَابٍ اَلَّا تَرَ الْيَوْمَ كُنْتُمْ بِهَا تُكَذِّبُوْنَ ۝

وَإِذَا شِئِلْنَا عَلَيْهِمُ الْبَلَاءَ بَيَّنَّتْ قَالُوْا مَا هٰذَا اِلَّا كَذِبٌ
يُؤْتٰى اَنْ يَّصْدَكُمْ عَنْمَا كَانَ اٰبَاؤُكُمْ وَعَالُوْا مَا هٰذَا

میں آتا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان سے بھی پوچھے گا ”کیا تو نے لوگوں سے کہا تھا کہ مجھے اور میری ماں (مریم) کو اللہ کے سوا‘ معبود بنا لیتا؟“ (المائدہ-۱۱۶) حضرت عیسیٰ علیہ السلام فرمائیں گے ”یا اللہ تو پاک ہے، جس کا مجھے حق نہیں تھا، وہ بات میں کیوں کر کہہ سکتا تھا؟“ اسی طرح اللہ تعالیٰ فرشتوں سے بھی پوچھے گا، جیسا کہ سورۃ الفرقان (آیت-۱۷) میں بھی گزرا۔ کہ کیا یہ تمہارے کہنے پر تمہاری عبادت کرتے تھے؟

(۱) یعنی فرشتے بھی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی طرح اللہ تعالیٰ کی پاکیزگی بیان کر کے اظہار براءت کریں گے اور کہیں گے کہ ہم تو تیرے بندے ہیں اور تو ہمارا ولی ہے، ہمارا ان سے کیا تعلق؟

(۲) جن سے مراد شیاطین ہیں۔ یعنی یہ اصل میں شیطانوں کے پجاری ہیں کیونکہ وہی ان کو بتوں کی عبادت پر لگاتے اور انہیں گمراہ کرتے تھے۔ جس طرح دوسرے مقام پر فرمایا ﴿اِنْ يَّذْخُرُوْنَ مِنْ دُوْنِہٖ اِلَّا اِذْنًا ۚ وَاِنْ يَّذْخُرُوْنَ اِلَّا سَيْطٰنًا مَّرْیُوْنًا﴾

(النساء-۱۱۷)

(۳) یعنی دنیا میں تم یہ سمجھ کر ان کی عبادت کرتے تھے کہ یہ تمہیں فائدہ پہنچائیں گے، تمہاری سفارش کریں گے اور اللہ کے عذاب سے تمہیں نجات دلوائیں گے۔ جیسے آج بھی پیر پرستوں اور قبر پرستوں کا حال ہے لیکن، آج دیکھ لو کہ یہ لوگ کسی بات پر قادر نہیں۔

(۴) ظالموں سے مراد، غیر اللہ کے پجاری ہیں، کیونکہ شرک ظلم عظیم ہے اور مشرکین سب سے بڑے ظالم۔

(۵) شخص سے مراد، حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ باپ دادا کا دین، ان کے نزدیک صحیح تھا، اس لیے انہوں نے آپ ﷺ کا ”جرم“ یہ بیان کیا کہ یہ تمہیں ان معبودوں سے روکنا چاہتا ہے جن کی تمہارے آبا عبادت کرتے رہے۔

(اس کے سوا کوئی بات نہیں) اور کہتے ہیں کہ یہ تو گھڑا ہوا جھوٹ ہے ^(۱) اور حق ان کے پاس آچکا پھر بھی کافر یہی کہتے رہے کہ یہ تو کھلا ہوا جادو ہے۔ ^(۲) (۴۳)

اور ان (مکہ والوں) کو نہ تو ہم نے کتابیں دے رکھی ہیں جنہیں یہ پڑھتے ہوں نہ ان کے پاس آپ سے پہلے کوئی آگاہ کرنے والا آیا۔ ^(۳) (۴۴)

اور ان سے پہلے کے لوگوں نے بھی ہماری باتوں کو جھٹلایا تھا اور انہیں ہم نے جو دے رکھا تھا یہ تو اس کے دسویں حصے کو بھی نہیں پہنچے، پس انہوں نے میرے رسولوں کو جھٹلایا، (پھر دیکھ کہ) میرا عذاب کیسا (سخت) تھا۔ ^(۴) (۴۵) کہہ دیجئے! کہ میں تمہیں صرف ایک ہی بات کی نصیحت کرتا ہوں کہ تم اللہ کے واسطے (ضد چھوڑ کر) دودو مل کر یا تنہا تنہا کھڑے ہو کر سوچو تو سہی، تمہارے اس رفیق کو کوئی جنون نہیں، ^(۵) وہ تو تمہیں ایک بڑے (سخت)

الْاَفَاكُ مُتَعَرِّى وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لِلْحَقِّ لَمَّا جَاءَهُمْ اِنَّ هٰذَا اِلٰهٌ صُرْتُيْنِ ۝۶۱

وَمَا اَتَيْنٰهُمْ مِنْ كُتُبٍ يَدْرُسُوْنَهَا وَمَا اَرْسَلْنَا اِلَيْهِمْ مِّنْكَ مِنْ تَنْذِيْرٍ ۝۶۲

وَكَذَّبَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ وَبَالَغُوْا مَعْشَرَ مَا اَتَيْنٰهُمْ فَاَلَّا يَرْسِلُوْا سُبْحٰنَ فَكَيْفَ كَانَ نَكِيْرٌ ۝۶۳

قُلْ اِنَّمَا اَعِظُكُمْ بِوَاحِدَةٍ اَنْ تَقُوْا مَوَالِدَ مِثْلِيْ وَفَرَادٰى شَعْرٍ سَتَعْلَمُوْا اَصْلَ صَاحِبِكُمْ مِنْ جَنَاتٍ اِنْ هُوَ اِلَّا نَذِيْرٌ لَّكُمْ بَيْنَ يَدَيْ عَذَابٍ شَدِيْدٍ ۝۶۴

(۱) اس دوسرے ہذا سے مراد قرآن کریم ہے، اسے انہوں نے تراشا ہوا ہستان یا گھڑا ہوا جھوٹ قرار دیا۔

(۲) قرآن کو پہلے گھڑا ہوا جھوٹ کہا اور یہاں کھلا جادو۔ پہلے کا تعلق قرآن کے مضموم و مطالب سے ہے اور دوسرے کا تعلق قرآن کے معجزانہ نظم و اسلوب اور اعجاز و بلاغت سے۔ (فتح القدیر)

(۳) اس لیے وہ آرزو کرتے تھے کہ ان کے پاس بھی کوئی پیغمبر آئے اور کوئی صحیفہ آسمانی نازل ہو۔ لیکن جب یہ چیزیں آئیں تو انکار کر دیا۔

(۴) یہ کفار مکہ کو تنبیہ کی جا رہی ہے کہ تم نے تکذیب و انکار کا جو راستہ اختیار کیا ہے، وہ نہایت خطرناک ہے۔ تم سے پچھلی امتیں بھی، اس راستے پر چل کر تباہ و برباد ہو چکی ہیں۔ حالانکہ یہ امتیں مال و دولت، قوت و طاقت اور عمروں کے لحاظ سے تم سے بڑھ کر تھیں، تم تو ان کے دسویں حصے کو بھی نہیں پہنچتے۔ لیکن اس کے باوجود وہ اللہ کے عذاب سے نہیں بچ سکیں۔ اسی مضمون کو سورہ احقاف کی آیت ۲۶ میں بیان فرمایا گیا ہے۔

(۵) یعنی میں تمہیں تمہارے موجودہ طرز عمل سے ڈراتا اور ایک ہی بات کی نصیحت کرتا ہوں اور وہ یہ کہ تم ضد، اور اتانیت چھوڑ کر صرف اللہ کے لیے ایک ایک دودو ہو کر میری بابت سوچو کہ میری زندگی تمہارے اندر گزری ہے اور

قُلْ مَا سَأَلْتُكُمْ مِنْ أَجْرٍ فَهُوَ لَكُمْ إِنَّ أَجْرِيَ إِلَّا عَلَى اللَّهِ
وَهُوَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ شَهِيدٌ ﴿۳۶﴾

قُلْ إِنَّ رَبِّي يَقْذِرُ بِالْحَقِّ عِلْمَ الْغُيُوبِ ﴿۳۷﴾

قُلْ جَاءَ النُّحُومَ وَمَا يُبْدِي الْأَبْطَالُ وَمَا يُعِندُ ﴿۳۸﴾

عذاب کے آنے سے پہلے ڈرانے والا ہے۔^(۱) (۳۶)
کہہ دیجئے! کہ جو بدلہ میں تم سے مانگوں وہ تمہارے لیے
ہے^(۲) میرا بدلہ تو اللہ تعالیٰ ہی کے ذمے ہے۔ وہ ہر چیز
سے باخبر (اور مطلع) ہے۔ (۳۷)
کہہ دیجئے! کہ میرا رب حق (سچی وحی) نازل فرماتا ہے وہ^(۳)
ہر غیب کا جاننے والا ہے۔ (۳۸)
کہہ دیجئے! کہ حق آپ کا باطل نہ تو پہلے کچھ کر سکا ہے اور
نہ کر سکے گا۔^(۴) (۳۹)

اب بھی جو دعوت میں تمہیں دے رہا ہوں کیا اس میں کوئی ایسی بات ہے کہ جس سے اس بات کی نشاندہی ہو کہ میرے
اندر دیوالگی ہے؟ تم اگر عصیت اور خواہش نفس سے بالا ہو کر سوچو گے تو یقیناً تم سمجھ جاؤ گے کہ تمہارے رفیق کے
اندر کوئی دیوالگی نہیں ہے۔

(۱) یعنی وہ تو صرف تمہاری ہدایت کے لیے آیا ہے تاکہ تم اس عذاب شدید سے بچ جاؤ جو ہدایت کا راستہ نہ اپنانے کی
وجہ سے تمہیں بھگتنا پڑے گا۔ حدیث میں آتا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ایک دن صفا پھاڑی پر چڑھ گئے اور فرمایا
”یا صباہ“ جسے سن کر قریش جمع ہو گئے، آپ ﷺ نے فرمایا ”بتلاؤ“ اگر میں تمہیں خبر دوں کہ دشمن صبح یا شام کو تم پر
حملہ آور ہونے والا ہے، تو کیا تم میری تصدیق کرو گے؟“ انہوں نے کہا ”کیوں نہیں“ آپ ﷺ نے فرمایا ”تو پھر سن لو
کہ میں تمہیں سخت عذاب آنے سے پہلے ڈراتا ہوں“ یہ سن کر ابولسب نے کہا تَبَا لَكَ! اَلِهَذَا جَمَعْتَنَا“ تیرے لیے
ہلاکت ہو، کیا اس لیے تو نے ہمیں جمع کیا تھا؟“ جس پر اللہ تعالیٰ نے سورہ بَنَاتِ يَدَا اَيُّيْ لَهْپ نازل فرمائی۔ (صحیح
بخاری، تفسیر سورہ سبأ)

(۲) اس میں اپنی بے غرضی اور دنیا کے مال و متاع سے بے رغبتی کا مزید اظہار فرما دیا تاکہ ان کے دلوں میں اگر یہ شک و
شبہ پیدا ہو کہ اس دعوئے نبوت سے اس کا مقصد کس دنیا کمنا تو نہیں، تو وہ دور ہو جائے۔

(۳) قَذَفَ کے معنی، تیر اندازی اور خشت باری کے بھی ہیں اور کلام کرنے کے بھی۔ یہاں اس کے دوسرے معنی ہی
ہیں یعنی وہ حق کے ساتھ گفتگو فرماتا، اپنے رسولوں پر وحی نازل فرماتا اور ان کے ذریعے سے لوگوں کے لیے حق واضح
فرماتا ہے۔ جس طرح دوسرے مقام پر فرمایا ﴿يُلْقِي الْخُوفَ مِنَ آمْرِ عَلَى مَنْ يَشَاءُ مِنْ عِبَادِهِ﴾ ﴿المؤمن ۱۵﴾ یعنی ”اپنے
بندوں میں سے جس کو چاہتا ہے، فرشتے کے ذریعے سے اپنی وحی سے نوازتا ہے۔“

(۴) حق سے مراد قرآن اور باطل سے مراد کفر و شرک ہے۔ مطلب ہے اللہ کی طرف سے اللہ کا دین اور اس کا قرآن

کہہ دیجئے کہ اگر میں بہک جاؤں تو میرے بسکنے (کا وبال) مجھ پر ہی ہے اور اگر میں راہ ہدایت پر ہوں تو بہ سبب اس وحی کے جو میرا پروردگار مجھے کرتا^(۱) ہے وہ بڑا ہی سننے والا اور بہت ہی قریب ہے۔ (۵۰)^(۲)

اور اگر آپ (وہ وقت) ملاحظہ کریں جبکہ یہ کفار گھبرائے پھریں گے پھر نکل بھاگنے کی کوئی صورت نہ ہوگی^(۳) اور قریب کی جگہ سے گرفتار کر لیے جائیں گے۔ (۵۱)
اس وقت کہیں گے کہ ہم اس قرآن پر ایمان لائے لیکن اس قدر دور جگہ سے (مطلوبہ چیز) کیسے ہاتھ آسکتی ہے۔ (۵۲)

قُلْ إِنْ صَلَّيْتُ فَأَنَا مَاضٍ عَلَى نَفْسِي وَإِنْ اهْتَدَيْتُ فِيمَا يُحِبُّ إِلَيَّ رَبِّي إِنَّهُ سَمِيعٌ قَرِيبٌ ۝

وَلَوْ تَرَىٰ إِذْ يَفْعَلُونَ فَلَفُوتٌ ۖ وَآخِذُوا مِنْ مَّكَانٍ قَرِيبٍ ۝

وَقَالُوا آمَنَّا بِهِ وَأَنَّىٰ لَهُمُ التَّنَادُشُ مِنْ مَّكَانٍ بَعِيدٍ ۝

آگیا ہے، جس سے باطل مضحل اور ختم ہو گیا ہے، اب وہ سرائٹھانے کے قابل نہیں رہا، جس طرح فرمایا ﴿يَنْتَفِذُ بِالنَّفْسِ عَلَى الْبَاطِلِ قَبِيلٌ مَعَهُ قَآذٍ أَهْوَاهُ﴾ ﴿سورة الانبياء: ۱۸﴾ حدیث میں آتا ہے کہ جس دن مکہ فتح ہوا، نبی ﷺ خانہ کعبہ میں داخل ہوئے، چاروں طرف بت نصب تھے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کمان کی نوک سے ان بتوں کو مارتے جاتے اور یہ آیت اور سورۃ بنی اسرائیل کی آیت ﴿وَقُلْ جَاءَ الْحَقُّ وَزَفَقَ الْبَاطِلُ﴾ پڑھتے جاتے تھے۔ (صحیح بخاری، کتاب الجہاد، باب إزالۃ الأصنام من حول الکعبۃ)

(۱) یعنی بھلائی سب اللہ کی طرف سے ہے، اور اللہ تعالیٰ نے جو وحی اور حق مبین نازل فرمایا ہے، اس میں رشد و ہدایت ہے، صحیح راستہ لوگوں کو اسی سے ملتا ہے۔ پس جو گمراہ ہوتا ہے، تو اس میں انسان کی اپنی ہی کوتاہی اور ہوائے نفس کا دخل ہوتا ہے۔ اس لیے اس کا وبال بھی اس پر ہو گا۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ جب کسی سائل کے جواب میں اپنی طرف سے کچھ بیان فرماتے تو ساتھ کہتے، «أَقُولُ فِيهَا بَرَأْنِي؛ فَإِنْ يَكُنْ صَوَابًا فَمِنْ اللَّهِ، وَإِنْ يَكُنْ خَطَأً فَمِنْهُ وَمِنْ الشَّيْطَانِ، وَاللَّهُ وَرَسُولُهُ بَرِيئَانِ مِنْهُ» (ابن کثیر)

(۲) جس طرح حدیث میں فرمایا اِنَّكُمْ لَا تَدْعُونَ اَصَمًّا وَلَا غَائِبًا، اِنَّمَا تَدْعُونَ سَمِيعًا قَرِيبًا مُجِيبًا» (بخاری، کتاب الدعاء، باب الدعاء إذا علا عقبۃ، ”تم بھری اور غائب ذات کو نہیں پکار رہے ہو بلکہ اس کو پکار رہے ہو جو سننے والا، قریب اور قبول کرنے والا ہے۔“

(۳) فَلَا فَوْتَ کہیں بھاگ نہیں سکیں گے؟ کیونکہ وہ اللہ کی گرفت میں ہوں گے، یہ میدان محشر کا بیان ہے۔

(۴) تَنَادُشٌ کے معنی تناول یعنی پکڑنے کے ہیں یعنی اب آخرت میں انہیں ایمان کس طرح حاصل ہو سکتا ہے جب کہ دنیا میں اس سے گریز کرتے رہے گویا آخرت ایمان کے لیے، دنیا کے مقابلے میں دور کی جگہ ہے، جس طرح دور سے

وَقَدْ كَفَرُوا بِهِ مِنْ قَبْلُ وَيَسْخَرُونَ بِالْعَبِيدِ
مِنْ مَكَانٍ بَعِيدٍ ۝

وَجِيلَ بَيْنَهُمْ وَبَيْنَ مَا يَشْتَهُونَ كَمَا فُعِلَ بِأَشْيَاعِهِمْ مِنْ قَبْلُ
إِنَّهُمْ كَانُوا فِي شَرِّ مُرْسَلٍ ۝

اس سے پہلے تو انہوں نے اس سے کفر کیا تھا، اور دور
دراز سے بن دیکھے ہی بھینکتے رہے۔^(۱) (۵۳)
ان کی چاہتوں اور ان کے درمیان پردہ حائل کر دیا گیا^(۲)
جیسے کہ اس سے پہلے بھی ان جیسوں کے ساتھ کیا گیا،^(۳)
وہ بھی (انہی کی طرح) شک و تردد میں (پڑے ہوئے)
تھے۔^(۴) (۵۴)

سورۃ فاطر کی ہے اور اس میں چینٹائیس آیتیں ہیں اور
پانچ رکوع ہیں۔

شروع کرتا ہوں اللہ تعالیٰ کے نام سے جو بڑا مہربان
نہایت رحم والا ہے۔

اس اللہ کے لیے تمام تعریفیں سزاوار ہیں جو (ابتداءً)
آسمانوں اور زمین کا پیدا کرنے والا^(۵) اور دو دو تین تین
چار چار پروں والے فرشتوں کو اپنا پیغمبر (قاصد) بنانے



بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

الْحَمْدُ لِلَّهِ فَاطِرِ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ جَاعِلِ الْمَلَكَةِ رُسُلًا
أُولَىٰ أَخْبَرَةٍ مَثْنَىٰ وَتِلْكَ رُزْنٌ يُنْزِلُ فِي الْخَلْقِ مَا يَشَاءُ اللَّهُ

کسی چیز کو پکڑنا ممکن نہیں، آخرت میں ایمان لانے کی منجائش نہیں۔

(۱) یعنی اپنے گمان سے کہتے رہے کہ قیامت اور حساب کتاب نہیں۔ یا قرآن کے بارے میں کہتے رہے کہ یہ جادو گھڑا
ہوا جھوٹ اور پہلوں کی کمائیاں ہیں یا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں کہتے رہے کہ یہ جادو گر ہے، کاہن ہے، شاعر
ہے یا مجنون ہے۔ جب کہ کسی بات کی بھی کوئی دلیل ان کے پاس نہیں تھی۔

(۲) یعنی آخرت میں وہ چاہیں گے کہ ان کا ایمان قبول کر لیا جائے، عذاب سے ان کی نجات ہو جائے، لیکن ان کے
درمیان اور ان کی اس خواہش کے درمیان پردہ حائل کر دیا یعنی اس خواہش کو رد کر دیا جائے گا۔

(۳) یعنی پچھلی امتوں کا ایمان بھی اس وقت قبول نہیں کیا گیا جب وہ عذاب کے معانے کے بعد ایمان لائیں۔

(۴) اس لیے اب معانہ عذاب کے بعد ان کا ایمان بھی کس طرح قبول ہو سکتا ہے؟ حضرت قتادہ فرماتے ہیں ”ریب و
شک سے بچو، جو شک کی حالت میں فوت ہو گا“ اسی حالت میں اٹھے گا اور جو یقین پر مرے گا، قیامت والے دن یقین پر
ہی اٹھے گا۔“ (ابن کثیر)

(۵) فاطر کے معنی ہیں مخترع، پہلے پہل ایجاد کرنے والا، یہ اشارہ ہے اللہ کی قدرت کی طرف کہ اس نے آسمان و زمین
پہلے پہل بغیر نمونے کے بنائے، تو اس کے لیے دوبارہ انسانوں کو پیدا کرنا کون سا مشکل ہے؟

عَلَىٰ مَن يَتَّقِ ۝۱

والا ہے، 'مخلوق میں جو چاہے زیادتی کرتا ہے' (۲) اللہ تعالیٰ یقیناً ہر چیز پر قادر ہے۔ (۱)

اللہ تعالیٰ جو رحمت لوگوں کے لیے کھول دے سو اس کا کوئی بند کرنے والا نہیں اور جس کو بند کر دے سو اس کے بعد اس کا کوئی جاری کرنے والا نہیں (۳) اور وہی غالب حکمت والا ہے۔ (۲)

لوگو! تم پر جو انعام اللہ تعالیٰ نے کیے ہیں انہیں یاد کرو۔ کیا اللہ کے سوا اور کوئی بھی خالق ہے جو تمہیں آسمان و زمین سے روزی پہنچائے؟ اس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ پس تم کہاں لٹے جاتے ہو؟ (۳) (۴)

اور اگر یہ آپ کو جھٹلائیں تو آپ سے پہلے کے تمام رسول بھی جھٹلائے جا چکے ہیں۔ تمام کام اللہ ہی کی طرف لوٹائے جاتے ہیں۔ (۵) (۴)

يَا أَيُّهَا النَّاسُ اذْكُرُوا نِعْمَتَ اللَّهِ عَلَيْكُمْ هَلْ مِنْ خَالِقٍ غَيْرِ اللَّهِ يَرْزُقُكُمْ مِنَ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ قَاتِلُوا تُفَكُونُ ۝۲

طَلَّ عَلَيْكُمُ بَوْدُ عَدُوِّكُمْ وَلَبَّيْتُ رُسُلَ رَبِّكَ تَوَالَى اللَّهُ مُرْجِعُ الْأُمُورِ ۝۳

(۱) مراد جبرائیل، میکائیل، اسرافیل اور عزرائیل فرشتے ہیں جن کو اللہ تعالیٰ انبیاء کی طرف یا مختلف مہمات پر قاصد بنا کر بھیجتا ہے۔ ان میں سے کسی کے دو، کسی کے تین اور کسی کے چار پر ہیں، جن کے ذریعے سے وہ زمین پر آتے اور زمین سے آسمان پر جاتے ہیں۔

(۲) یعنی بعض فرشتوں کے اس سے بھی زیادہ پر ہیں، جیسے حدیث میں آتا ہے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، میں نے معراج کی رات جبرائیل علیہ السلام کو اصلی صورت میں دیکھا، اس کے چھ سو پر تھے (صحیح بخاری، تفسیر سورۃ النجم، باب، فکان قاب قوسین أو أدنى) بعض نے اس کو عام رکھا ہے، جس میں آنکھ، چہرہ، ناک اور منہ ہر چیز کا حسن داخل ہے۔

(۳) ان ہی نعمتوں میں سے ارسال اور انزال کتب بھی ہے۔ یعنی ہر چیز کا دینے والا بھی وہی ہے، اور واپس لینے یا روک لینے والا بھی وہی۔ اس کے سوا نہ کوئی معطی اور منعم ہے اور نہ مانع و قابض۔ جس طرح نبی صلی اللہ علیہ وسلم فرمایا کرتے تھے۔ «اللَّهُمَّ! لَا مَانِعَ لِمَا أَعْطَيْتَ وَلَا مُعْطِيٍّ لِمَا مَنَعْتَ».

(۴) یعنی اس بیان و وضاحت کے بعد بھی تم غیر اللہ کی عبادت کرتے ہو؟ تُوْذَكُونُ اگر اُنْكَ سے ہو تو معنی ہوں گے پھرنا، تم کہاں پھرے جاتے ہو؟ اور اگر اِنْكَ سے ہو تو معنی ہیں جھوٹ، جو ج سے پھرنے کا نام ہے۔ مطلب ہے کہ تمہارے اندر توحید اور آخرت کا انکار کہاں سے آگیا، جب کہ تم مانتے ہو کہ تمہارا خالق اور رازق اللہ ہے۔ (فتح القدیر)

(۵) اس میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی ہے کہ آپ ﷺ کو جھٹلا کر یہ کہاں جائیں گے؟ بالآخر تمام معاملات کا فیصلہ

يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّ وَعْدَ اللَّهِ حَقٌّ فَلَا تَغُرُّوكُمُ الْحَيَاةُ
الدُّنْيَا وَلَا يَغُرُّوكُم بِاللَّهِ الْغُرُورُ ۝

إِنَّ الشَّيْطَانَ لَكُمْ عَدُوٌّ فَاتَّخِذُوهُ عَدُوًّا لَكُمْ ۚ إِنَّ الشَّيْطَانَ لِيَكُونُ
مِنْ أَصْحَابِ السَّعِيرِ ۝

الَّذِينَ كَفَرُوا لَهُمْ عَذَابٌ شَدِيدٌ ۚ وَالَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا
الصَّالِحَاتِ لَهُمْ مَغْفِرَةٌ وَأَجْرٌ كَبِيرٌ ۝

أَمَّا زَيْنٌ لَهُ سُوءُ عَقَلٍ فَرَأَاهُ حَسَنًا ۖ قَالَ إِنَّ اللَّهَ يَفْضِلُ مَنْ يَشَاءُ

لوگو! اللہ تعالیٰ کا وعدہ سچا ہے ^(۱) تمہیں زندگی دنیا
دھوکے میں نہ ڈالے، ^(۲) اور نہ دھوکے باز شیطان
تمہیں غفلت میں ڈالے۔ ^(۳) (۵)

یاد رکھو! شیطان تمہارا دشمن ہے، تم اسے دشمن
جانو ^(۴) وہ تو اپنے گروہ کو صرف اس لیے ہی بلاتا ہے کہ
وہ سب جہنم واصل ہو جائیں۔ (۶)

جو لوگ کافر ہوئے ان کے لیے سخت سزا ہے اور جو لوگ
ایمان لائے اور نیک اعمال کیے ان کے لیے بخشش ہے
اور (بہت بڑا اجر ہے)۔ (۷)

کیا پس وہ شخص جس کے لیے اس کے برے اعمال مزین
کر دیئے گئے ہیں پس وہ انہیں اچھا سمجھتا ^(۸) ہے (کیا وہ

تو ہمیں ہی کرنا ہے۔ جس طرح کچھلی امتوں نے اپنے پیغمبروں کو جھٹھلایا، تو انہیں سوائے بربادی کے کیا ملا؟ اس لیے یہ بھی
اگر باز نہ آئے، تو ان کو بھی ہلاک کرنا ہمارے لیے مشکل نہیں ہے۔

(۱) کہ قیامت برپا ہوگی اور نیک و بد کو ان کے عملوں کی جزا و سزا دی جائے گی۔

(۲) یعنی آخرت کی ان نعمتوں سے غافل نہ کر دے جو اللہ تعالیٰ نے اپنے نیک بندوں اور رسولوں کے پیروکاروں کے
لیے تیار کر رکھی ہیں۔ پس اس دنیا کی عارضی لذتوں میں کھو کر آخرت کی دائمی راحتوں کو نظر انداز نہ کرو۔

(۳) یعنی اس کے داؤ اور فریب سے بچ کر رہو، اس لیے کہ وہ بہت دھوکے باز ہے اور اس کا مقصد ہی تمہیں دھوکے
میں مبتلا کر کے اور رکھ کے جنت سے محروم کرنا ہے۔ یہی الفاظ سورہ لقمان ۳۳ میں بھی گزر چکے ہیں۔

(۴) یعنی اس سے سخت عداوت رکھو، اس کے دجل و فریب اور جھٹکنڈوں سے بچو، جس طرح دشمن سے بچاؤ کے لیے
انسان کرتا ہے۔ دوسرے مقام پر اسی مضمون کو اس طرح ادا کیا گیا ہے۔ ﴿ اَتَمْتَعُونَ لَهُ وَيُؤْتِيَهُنَّ الْوَلَدَ مِنْ ذُنُوبِهِمْ وَلَهُمْ

عَذَابٌ أَلِيمٌ ۝۵۰﴾ «الکھف»۔ ”کیا تم اس شیطان اور اس کی ذریت کو، مجھے چھوڑ کر، اپنا دوست بناتے
ہو؟ حالانکہ وہ تمہارے دشمن ہیں۔ ظالموں کے لیے برا بدلہ ہے۔“

(۵) یہاں بھی اللہ تعالیٰ نے دیگر مقامات کی طرح ایمان کے ساتھ، عمل صالح کو بیان کر کے اس کی اہمیت کو واضح کر دیا
ہے تاکہ اہل ایمان عمل صالح سے کسی وقت بھی غفلت نہ برتیں، کہ مغفرت اور اجر کبیر کا وعدہ اس ایمان پر ہی ہے جس
کے ساتھ عمل صالح ہو گا۔

(۶) جس طرح کفار و فجار ہیں، وہ کفر و شرک اور فسق و فجور کرتے ہیں اور سمجھتے یہ ہیں کہ وہ اچھا کر رہے ہیں۔ پس ایسا

ہدایت یافتہ شخص (جیسا ہے) 'یقین مانو کہ اللہ جسے چاہے گمراہ کرتا ہے اور جسے چاہے راہ راست دکھاتا ہے۔^(۱)
پس آپ کو ان پر غم کھا کھا کر اپنی جان ہلاکت میں نہ ڈالنی چاہیے،^(۲) یہ جو کچھ کر رہے ہیں اس سے یقیناً اللہ تعالیٰ بخوبی واقف ہے۔^(۳) (۸)

اور اللہ ہی ہوائیں چلاتا ہے جو بادلوں کو اٹھاتی ہیں پھر ہم بادلوں کو خشک زمین کی طرف لے جاتے ہیں اور اس سے اس زمین کو اس کی موت کے بعد زندہ کر دیتے ہیں۔ اسی طرح دوبارہ جی اٹھنا (بھی) ہے۔^(۴) (۹)
جو شخص عزت حاصل کرنا چاہتا ہو تو اللہ تعالیٰ ہی کی ساری عزت ہے،^(۵) تمام تر ستھرے کلمات اسی کی طرف چڑھتے

وَيَهْدِي مَنْ يَشَاءُ فَلَا تَذْهَبْ عَنْكَ عَلَيْهِمْ حَرَجٌ إِنِّي اللَّهُ عَلِيمٌ بِمَا يَصْنَعُونَ ۝

وَاللَّهُ الَّذِي أَرْسَلَ الرِّيحَ فَثِيرُهَا حَابًا فَاسْتَفْتَنَاهُ إِلَى بَلَدٍ مَيِّتٍ فَأَحْيَيْنَاهُ الْآرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا أَكْذَابُكَ النَّشُورُ ۝

مَنْ كَانَ يُرِيدُ الْعِزَّةَ فَلِلَّهِ الْعِزَّةُ جَمِيعًا إِلَيْهِ يَصْعَدُ الْكَلْبُ الْكَلْبُ

شخص، جس کو اللہ نے گمراہ کر دیا ہو، اس کے بچاؤ کے لیے آپ کے پاس کوئی حیلہ ہے؟ یا یہ اس شخص کے برابر ہے جسے اللہ نے ہدایت سے نوازا ہے؟ جواب نفی میں ہی ہے، نہیں یقیناً نہیں۔

(۱) اللہ تعالیٰ اپنے عدل کی رو سے، اپنی سنت کے مطابق اس کو گمراہ کرتا ہے جو مسلسل اپنے کرتوتوں سے اپنے کو اس کا مستحق ٹھہرا چکنا ہے اور ہدایت اپنے فضل و کرم سے اسے دیتا ہے جو اس کا طالب ہوتا ہے۔

(۲) کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ہر کام حکمت پر اور علم تام پر مبنی ہے، اس لیے کسی کی گمراہی پر اتنا افسوس نہ کریں کہ اپنی جان کو خطرے میں ڈال لیں۔

(۳) یعنی اس سے ان کا کوئی قول یا فعل مخفی نہیں، مطلب یہ ہے کہ اللہ کا ان کے ساتھ معاملہ ایک علیم و خیر اور ایک حکیم کی طرح کا ہے۔ عام بادشاہوں کی طرح کا نہیں ہے جو اپنے اختیارات کا اہل ٹپ استعمال کرتے ہیں، کبھی سلام کرنے سے بھی ناراض ہو جاتے ہیں اور کبھی دشنام پر ہی خلعتوں سے نواز دیتے ہیں۔

(۴) یعنی جس طرح بادلوں سے بارش برسا کر خشک (مرده) زمین کو ہم شاداب (زندہ) کر دیتے ہیں، اسی طریقے سے قیامت والے دن تمام مردہ انسانوں کو بھی ہم زندہ کر دیں گے۔ حدیث میں آتا ہے کہ ”انسان کا سارا جسم بوسیدہ ہو جاتا ہے، صرف ریڑھ کی ہڈی کا ایک چھوٹا سا حصہ محفوظ رہتا ہے، اسی سے اس کی دوبارہ تخلیق و ترکیب ہو گی۔“ - «كُلُّ جَسَدٍ ابْنِ آدَمَ يَبْلَى، إِلَّا عَجَبَ الذَّنْبِ، مِنْهُ خُلِقَ، وَمِنْهُ يُرْكَبُ» (البخاری، تفسیر سورة عم۔ مسلم، کتاب الفتن، باب ما بین النفس خفتین)

(۵) یعنی جو چاہتا ہے کہ اسے دنیا اور آخرت میں عزت ملے، تو وہ اللہ کی اطاعت کرے، اس سے اسے یہ مقصود حاصل

ہیں اور نیک عمل ان کو بلند کرتا ہے،^(۳) جو لوگ برائیوں کے داؤں گھات میں لگے رہتے ہیں ان کے لیے سخت تر عذاب ہے اور ان کا یہ کمر برباد ہو جائے گا۔^(۴)

لوگو! اللہ تعالیٰ نے تمہیں مٹی سے پھر نطفہ سے پیدا کیا ہے،^(۵) پھر تمہیں جوڑے جوڑے (مرد و عورت) بنا دیا ہے، عورتوں کا حاملہ ہونا اور بچوں کا تولد ہونا سب اس کے علم سے ہی ہے،^(۶) اور جو بڑی عمر والا عمر دیا جائے

وَالْعَمَلُ الصَّالِحُ يَرْفَعُهُ وَالَّذِينَ يَمْكُرُونَ النَّيَّاتِ
لَهُمْ عَذَابٌ شَدِيدٌ وَمَلَأُوا آلَافَهُمْ يَبْزُورُ ۝

وَاللَّهُ خَلَقَكُمْ مِنْ تُرَابٍ ثُمَّ مِنْ نُطْفَةٍ ثُمَّ جَعَلَكُمْ أَزْوَاجًا
وَالَّذِينَ مِنْ أَثْنَىٰ وَالْأَنْصَعُ إِلَّا لِبُيُوتِهِمْ وَمَا يَعْتَرِضُ مِنْ مَعْصَرٍ
وَلَا يَنْقُصُ مِنْ عُمُرِهِمْ إِلَّا فِي كِتَابٍ ذَٰلِكَ عَلَى اللَّهِ يَسِيرٌ ۝

ہو جائے گا۔ اس لیے کہ دنیا و آخرت کا مالک اللہ ہی ہے، ساری عزتیں اسی کے پاس ہیں وہ جس کو عزت دے، وہی عزیز ہو گا، جس کو وہ ذلیل کر دے، اسے دنیا کی کوئی طاقت عزت نہیں دے سکتی۔ دوسرے مقام پر فرمایا۔ ﴿الَّذِينَ يَمْكُرُونَ النَّيَّاتِ﴾

(۱) اَلْكَفَرُ، کَلِمَةُ کی جمع ہے، سحرے کلمات سے مراد اللہ کی تسبیح و تحمید، تلاوت، امر بالمعروف و نہی عن المنکر ہے۔ چڑھتے ہیں کا مطلب، قبول کرنا ہے۔ یا فرشتوں کا انہیں لے کر آسمانوں پر چڑھنا ہے تاکہ اللہ ان کی جزا دے۔

(۲) يَرْفَعُهُ، میں ضمیر کا مرجع کون ہے؟ بعض کہتے اَلْكَفَرُ الطَّيِّبُ ہے۔ یعنی عمل صالح کلمات طیبات کو اللہ کی طرف بلند کرتا ہے۔ یعنی محض زبان سے اللہ کا ذکر (تسبیح و تحمید) کچھ نہیں، جب تک اس کے ساتھ عمل صالح یعنی احکام و فرائض کی ادائیگی بھی نہ ہو۔ بعض کہتے ہیں يَرْفَعُهُ میں فاعل کی ضمیر اللہ کی طرف راجع ہے۔ مطلب ہے کہ اللہ تعالیٰ عمل صالح کو کلمات طیبات پر بلند فرماتا ہے اس لیے کہ عمل صالح سے ہی اس بات کا تحقق ہوتا ہے کہ اس کا مرتکب فی الواقع اللہ کی تسبیح و تحمید میں مخلص ہے (فتح القدیر) گویا قول، عمل کے بغیر، اللہ کے ہاں بے حیثیت ہے۔

(۳) خفیہ طریقے سے کسی کو نقصان پہنچانے کی تدبیر کو مکر کہتے ہیں کفر و شرک کا ارتکاب بھی مکر ہے کہ اس طرح اللہ کے راستہ کو نقصان پہنچایا جاتا ہے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف قتل وغیرہ کی جو سازشیں کفار مکہ کرتے رہے، وہ بھی مکر ہے، ریا کاری بھی مکر ہے۔ یہاں یہ لفظ عام ہے، مکر کی تمام صورتوں کو شامل ہے۔

(۴) یعنی ان کا مکر بھی برباد ہو گا اور اس کا وبال بھی انہی پر پڑے گا جو اس کا ارتکاب کرتے ہیں، جیسے فرمایا۔ ﴿وَلَا يَجِئُكَ اَلْمَكْرُ النَّجِيُّ اِلَّا بِأَمْرٍ﴾ — (طہر: ۳۲)

(۵) یعنی تمہارے باپ آدم علیہ السلام کو مٹی سے اور پھر اس کے بعد تمہاری نسل کو قائم رکھنے کے لیے انسان کی تخلیق کو نطفہ سے وابستہ کر دیا، جو مرد کی پشت سے نکل کر عورت کے رحم میں جاتا ہے۔

(۶) یعنی اس سے کوئی چیز مخفی نہیں، حتیٰ کہ زمین پر گرنے والے پتے کو اور زمین کی تاریکیوں میں نشوونما پانے والے

اور جس کسی کی عمر گھٹے وہ سب کتاب میں لکھا ہوا ہے۔^(۱) اللہ تعالیٰ پر یہ بات بالکل آسان ہے۔ (۱۱)

اور برابر نہیں دو دریا یہ میٹھا ہے پیاس بجھاتا پینے میں خوشگوار اور یہ دوسرا کھاری ہے کڑوا، تم ان دونوں میں سے تازہ گوشت کھاتے ہو اور وہ زیورات نکالتے ہو جنہیں تم پہنتے ہو۔ اور آپ دیکھتے ہیں کہ بڑی بڑی کشتیاں پانی کو چیرنے پھاڑنے^(۲) والی ان دریاؤں میں ہیں تاکہ تم اس کا فضل ڈھونڈو اور تاکہ تم اس کا شکر کرو۔ (۱۲)

وہ رات کودن میں اور دن کورات میں داخل کرتا ہے اور آفتاب و ماہتاب کو اسی نے کام میں لگا دیا ہے۔ ہر ایک میعاد معین پر چل رہا ہے۔ یہی ہے اللہ^(۳) تم سب کا پالنے والا اسی کی سلطنت ہے۔ جنہیں تم اس کے سوا پکار رہے ہو وہ تو کججوہر کی گھٹلی کے چھلکے کے بھی مالک نہیں۔ (۱۳)

وَمَا يَتَّبِعُ الْبَحْرُ مِنْ هَذَا عَذَابٍ إِلَّا فِي سَائِغٍ شَرَابِهِ
وَهَذَا مِلْحٌ أُجَاجٌ وَمَنْ يَلْجَأُ لِحِمَائِهِمْ إِذْ قُتِلَ فَرَجُونَ
حَلِيقَةٍ تَلْبِسُونَهَا وَيَتَرَى الْفَلَكُ فِيهِمْ مَوَازِيرَ لَمَّعَتُوا مِنْ
فَضْلِهِ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ ﴿۱۱﴾

يُولِجُ اللَّيْلُ فِي النَّهَارِ وَيُؤَلِّجُ النَّهَارُ فِي اللَّيْلِ وَسَخَّرَ الشَّمْسَ
وَالْقَمَرَ كُلٌّ يَجْرِي لِأَجَلٍ مُّسَمًّى ذَلِكُمُ اللَّهُ رَبُّكُمْ لَهُ الْمُلْكُ
وَالَّذِينَ تَدْعُونَ مِنْ دُونِهِ مَا يَمْلِكُونَ مِنْ قِطْعٍ ﴿۱۲﴾

نبیؐ کو بھی وہ جانتا ہے۔ (الانعام: ۵۹)

(۱) اس کا مطلب یہ ہے کہ عمر کی طوالت اور اس کی تقصیر (کم ہونا) اللہ کی تقدیر و قضا سے ہے۔ علاوہ ازیں اس کے اسباب بھی ہیں جس سے عمر لمبی یا چھوٹی ہوتی ہے، طوالت کے اسباب میں صلہ رحمی وغیرہ ہے، جیسا کہ احادیث میں ہے اور تقصیر کے اسباب میں کثرت سے معاصی کا ارتکاب ہے۔ مثلاً کسی آدمی کی عمر ۷۰ سال ہے لیکن کبھی اسباب زیادت کی وجہ سے اللہ اس میں اضافہ فرمادیتا ہے اور کبھی اس میں کمی کردیتا ہے جب وہ اسباب نقصان اختیار کرتا ہے۔ اور یہ سب کچھ اس نے لوح محفوظ میں لکھا ہوا ہے۔ اس لیے عمر میں یہ کمی بیشی ﴿فَلَمَّا جَاءَ أَجَلُهُمْ لَا يَسْتَأْذِنُونَ سَاعَةً وَلَا يَسْتَقْدِمُونَ﴾ کے منافی نہیں ہے۔ اس کی تائید اللہ کے اس قول سے بھی ہوتی ہے ﴿يَسْمِعُ اللَّهُ مَا يُخْفَىٰ وَيُخْفَىٰ وَيُخْفَىٰ وَيُخْفَىٰ وَيُخْفَىٰ﴾ (سورۃ الرعد: ۳۹) ”جو چاہتا ہے، مٹاتا اور ثبت کرتا ہے اور اس کے پاس لوح محفوظ ہے۔“ (فتح القدیر)

(۲) مواخر: وہ کشتیاں جو آتے جاتے پانی کو چیرتی ہوئی گزرتی ہیں، آیت میں بیان کردہ دو سری چیزوں کی وضاحت سورۃ الفرقان میں گزر چکی ہے۔

(۳) یعنی مذکورہ تمام افعال کا فاعل ہے۔

(۴) یعنی اتنی حقیر چیز کے بھی مالک نہیں، نہ اسے پیدا کرنے پر ہی قادر ہیں۔ قِطْعٍ: اس جھلی کو کہتے ہیں جو کججوہر اور

اگر تم انہیں پکارو تو وہ تمہاری پکار سنتے ہی نہیں^(۱) اور اگر (بافرض) سن بھی لیں تو فریاد سی نہیں کریں گے،^(۲) بلکہ قیامت کے دن تمہارے اس شرک کا صاف انکار کر جائیں گے۔^(۳) آپ کو کوئی بھی حق تعالیٰ جیسا خبردار خبریں نہ دے گا۔^(۴) (۱۳)

اے لوگو! تم اللہ کے محتاج ہو^(۵) اور اللہ بے نیاز^(۶) خویوں والا ہے۔^(۷) (۱۵)

اگر وہ چاہے تو تم کو فنا کر دے اور ایک نئی مخلوق پیدا کر دے۔^(۸) (۱۶)

اور یہ بات اللہ کو کچھ مشکل نہیں۔ (۱۷)

لَنْ تَدْعُوهُمْ لَاسْمَعُوا دَعَاءَكُمْ وَلَوْ سَمِعُوا مَا اسْتَجَابُوا لَكُمْ وَيَوْمَ الْقِيَامَةِ يَكْفُرُونَ بَشِرْ كُفْرًا وَلَا تَيْتَبْتُمْ مِنْهُمْ حَبِيرًا ۝

يَا أَيُّهَا النَّاسُ أَنْتُمُ الْفُقَرَاءُ إِلَى اللَّهِ وَاللَّهُ هُوَ الْغَنِيُّ الْغَنِيُّ ۝

إِنْ يَشَاءُ يُدْهِبْكُمْ وَيَأْتِ بِخَلْقٍ جَدِيدٍ ۝

وَسَاذِلِكَ عَلَى اللَّهِ بِعَزِيزٍ ۝

اس کی گھٹلی کے درمیان ہوتی ہے۔ یہ پتلا سا جھلکا گھٹلی پر لفافے کی طرح چڑھا ہوا ہوتا ہے۔

(۱) یعنی اگر تم انہیں مصائب میں پکارو تو وہ تمہاری پکار سنتے ہی نہیں ہیں، کیونکہ وہ جمادات ہیں یا منوں مٹی کے نیچے مدفون۔

(۲) یعنی اگر بالفرض وہ سن بھی لیں تو بے فائدہ، اس لیے کہ وہ تمہاری التجاؤں کے مطابق تمہارا کام نہیں کر سکتے۔

(۳) اور کہیں گے ﴿مَّا كُنْتُمْ إِلَّا نَاعِبُونَ﴾ ﴿یونس: ۲۸﴾ ”تم ہماری عبادت نہیں کرتے تھے۔“ ﴿إِنْ كُنْتُمْ لَعَنْتُمْ عَبَادَتَكُمْ

لَعَفِيلُونَ﴾ ﴿یونس: ۲۹﴾ ”ہم تو تمہاری عبادت سے بے خبر تھے۔“ اس آیت سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ جن کی اللہ کے

سوا عبادت کی جاتی ہے، وہ سب پتھر کی مورتیاں ہی نہیں ہوں گی، بلکہ ان میں عاقل (ملائکہ، جن، شیاطین اور صالحین)

بھی ہوں گے۔ تب ہی تو یہ انکار کریں گے۔ اور یہ بھی معلوم ہوا کہ ان کی حاجت براری کے لیے پکارنا شرک ہے۔

(۴) اس لیے کہ اس جیسا کامل علم کسی کے پاس بھی نہیں ہے۔ وہی تمام امور کی کنہ اور حقیقت سے پوری طرح باخبر

ہے جس میں ان پکارے جانے والوں کی بے اختیاری، پکار کو نہ سنا اور قیامت کے دن اس کا انکار کرنا بھی شامل ہے۔

(۵) ناس کا لفظ عام ہے جس میں عوام و خواص، حتیٰ کہ انبیاء علیہم السلام و صلحاسب آجاتے ہیں۔ اللہ کے در کے سب ہی

محتاج ہیں۔ لیکن اللہ کسی کا محتاج نہیں۔

(۶) وہ اتنا بے نیاز ہے کہ سب لوگ اگر اس کے نافرمان ہو جائیں تو اس سے اس کی سلطنت میں کوئی کمی اور سب اس

کے اطاعت گزار بن جائیں، تو اس سے اس کی قوت میں زیادتی نہیں ہوگی۔ بلکہ نافرمانی سے انسانوں کا اپنا ہی نقصان ہے

اور اس کی عبادت و اطاعت سے انسانوں کا اپنا ہی فائدہ ہے۔

(۷) یعنی محمود ہے اپنی نعمتوں کی وجہ سے۔ پس ہر نعمت، جو اس نے بندوں پر کی ہے، اس پر وہ حمد و شکر کا مستحق ہے۔

(۸) یہ بھی اس کی شان بے نیازی ہی کی ایک مثال ہے کہ اگر وہ چاہے تو تمہیں فنا کے گھاٹ اتار کے تمہاری جگہ ایک

کوئی بھی بوجھ اٹھانے والا دوسرے کا بوجھ نہیں اٹھائے گا،^(۱) اگر کوئی گراں بار دوسرے کو اپنا بوجھ اٹھانے کے لیے بلائے گا تو وہ اس میں سے کچھ بھی نہ اٹھائے گا گو قربت دار ہی ہو۔^(۲) تو صرف انہی کو آگاہ کر سکتا ہے جو غائبانہ طور پر اپنے رب سے ڈرتے ہیں اور نمازوں کی پابندی کرتے ہیں^(۳) اور جو بھی پاک ہو جائے وہ اپنے ہی نفع کے لیے پاک ہو گا۔^(۴) کوٹنا اللہ ہی کی طرف ہے۔ (۱۸)

اور اندھا اور آنکھوں والا برابر نہیں۔ (۱۹)

اور نہ تاریکی اور روشنی۔^(۵) (۲۰)

اور نہ چھاؤں اور نہ دھوپ۔^(۶) (۲۱)

وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِزْرَ أُخْرَىٰ ۚ وَإِن تَدْعُ مُثْقَلَةٌ إِلَىٰ جُنْدٍهَا
لَأَيُّمِلُ مِنْهُ مُنَىٰ ۚ وَلَوْ كَانَ ذَا قُرْبَىٰ ۚ إِنَّمَا تُنذِرُ
الَّذِينَ يَخْشَوْنَ رَبَّهُم بِالْغَيْبِ ۚ وَأَقَامُوا الصَّلَاةَ
وَمِنْ تَزَكَّىٰ فَإِنَّمَا يَتَزَكَّىٰ لِنَفْسِهِ ۚ وَإِلَى اللَّهِ الْمَصِيرُ ۝

وَمَا يَسْتَوِي الْأَعْمَىٰ وَالْبَصِيرُ ۝

وَلَا الظُّلُمَاتُ وَلَا النُّورُ ۝

وَلَا الظُّلُمَاتُ وَلَا النُّورُ ۝

نئی مخلوق پیدا کر دے، جو اس کی اطاعت گزار ہو، اس کی نافرمانی نہیں یا یہ مطلب ہے کہ ایک نئی مخلوق اور نیا عالم پیدا کر دے جس سے تم نا آشنا ہو۔

(۱) ہاں جس نے دوسروں کو گمراہ کیا ہو گا، وہ اپنے گناہوں کے بوجھ کے ساتھ ان کے گناہوں کا بوجھ بھی اٹھائے گا، جیسا کہ آیت ﴿وَيَحْمِلُنَّ أَثْقَالَهُمْ وَأَثْقَالًا مَّعَهُمْ﴾ (العنکبوت-۱۳) اور حدیث مِّنْ سَنٍّ سُنَّةٌ سَيِّئَةٌ كَانَ عَلَيْهِ وَزْرُهَا وَوَزْرٌ مِّنْ عَمَلٍ بِهَا مِنْ بَعْدِهِ (صحیح مسلم، کتاب الزکوٰۃ، باب الحث علی الصدقة...) سے واضح ہے لیکن یہ دوسروں کا بوجھ بھی درحقیقت ان کا اپنا ہی بوجھ ہے کہ ان ہی نے ان دوسروں کو گمراہ کیا تھا۔

(۲) مُثْقَلَةٌ، آہی: نَفْسٌ مُثْقَلَةٌ ایسا شخص جو گناہوں کے بوجھ سے لدا ہو گا، وہ اپنا بوجھ اٹھانے کے لیے اپنے رشتے دار کو بھی بلائے گا تو وہ آمادہ نہیں ہو گا۔

(۳) یعنی تیرے انذار و تبلیغ کا فائدہ انہی لوگوں کو ہو سکتا ہے، گویا تو انہی کو ڈراتا ہے، ان کو نہیں جن کو انذار سے کوئی فائدہ نہیں ہوتا۔ جس طرح دوسرے مقام پر فرمایا، ﴿إِنَّمَا أَنْتَ مُنذِرٌ مَّنْ يَخْشَاهَا﴾ (النساء-۳۵) اور ﴿إِنَّمَا تُنذِرُ مَنِ اتَّبَعَ الذِّكْرَ وَخَشِيَ الرَّحْمَنَ الْغَيْبَ﴾ (یٰس-۱۱)

(۴) تَطَهَّرٌ اور تَزَكَّى کے معنی ہیں شرک اور فواحش کی آلودگیوں سے پاک ہونا۔

(۵) اندھے سے مراد کافراور آنکھوں والا سے مومن، اندھیروں سے باطل اور روشنی سے حق مراد ہے۔ باطل کی بے شمار انواع ہیں، اس لیے اس کے لیے جمع کا اور حق چونکہ متعدد نہیں، ایک ہے، اس لیے اس کے لیے واحد کا صیغہ استعمال کیا۔

(۶) یہ ثواب و عقاب یا جنت و دوزخ کی تمثیل ہے۔

اور زندے اور مردے برابر نہیں ہو سکتے،^(۱) اللہ تعالیٰ جس کو چاہتا ہے سادیتا ہے،^(۲) اور آپ ان لوگوں کو نہیں سنا سکتے جو قبروں میں ہیں۔^(۳) (۲۲)
آپ تو صرف ڈرانے والے ہیں۔^(۴) (۲۳)
ہم نے ہی آپ کو حق دے کر خوشخبری سنانے والا اور ڈر سنانے والا بنا کر بھیجا ہے اور کوئی امت ایسی نہیں ہوئی جس میں کوئی ڈر سنانے والا نہ گزرا ہو۔ (۲۴)
اور اگر یہ لوگ آپ کو جھٹلا دیں تو جو لوگ ان سے پہلے ہو گزرے ہیں انہوں نے بھی جھٹلایا تھا ان کے پاس بھی ان کے پیغمبر معجزے اور صحیفے اور روشن کتابیں لے کر آئے تھے۔^(۵) (۲۵)

پھر میں نے ان کافروں کو پکڑ لیا سو میرا عذاب کیسا ہوا۔^(۶) (۲۶)
کیا آپ نے اس بات پر نظر نہیں کی کہ اللہ تعالیٰ نے

وَمَا يَسْتَوِي الْكَافِرُ وَلَا الْآمَنُ إِنَّ اللَّهَ يُنْزِلُ مَنْ يَشَاءُ
وَمَا أَنْتَ بِمُسْمِعٍ مَنْ فِي الْقُبُورِ ۝

إِنْ أَنْتَ إِلَّا نَذِيرٌ ۝

إِنَّا أَرْسَلْنَاكَ بِالْحَقِّ بَشِيرًا وَنَذِيرًا وَإِنْ مِنْ أُمَّةٍ
إِلاَّ خَلَا فِيهَا نَذِيرٌ ۝

وَإِنْ يَكْذِبُوا فَعَذَابُ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ جَاءَهُمْ
رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنَاتِ وَالْزُّبُرِ وَالْكِتَابِ الْمُنِيرِ ۝

ثُمَّ أَخَذْتُ الَّذِينَ كَفَرُوا فَكَيْفَ كَانَ نَكِيرِ ۝

أَلَمْ تَرَ أَنَّ اللَّهَ أَنْزَلَ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً فَأَخْرَجْنَا بِهِ

(۱) اُحْيَاء سے مومن اور اَمَوَات سے کافریا علما اور جاہل یا عقل مند اور غیر عقل مند مراد ہیں۔

(۲) یعنی جسے اللہ ہدایت سے نوازنے والا ہوتا ہے اور جنت اس کے لیے مقدر ہوتی ہے اسے حجت و دلیل سننے اور پھر اسے قبول کرنے کی توفیق دے دیتا ہے۔

(۳) یعنی جس طرح قبروں میں مردہ اشخاص کو کوئی بات نہیں سنائی جاسکتی، اسی طرح جن کے دلوں کو کفر نے موت سے ہمسار کر دیا ہے، اے پیغمبر ﷺ تو انہیں حق کی بات نہیں سنا سکتا۔ مطلب یہ ہوا کہ جس طرح مرنے اور قبر میں دفن ہونے کے بعد مردہ کوئی فائدہ نہیں اٹھا سکتا، اسی طرح کافر و مشرک جن کی قسمت میں بد بختی لکھی ہے، دعوت و تبلیغ سے انہیں فائدہ نہیں ہوتا۔

(۴) یعنی آپ ﷺ کا کام صرف دعوت و تبلیغ ہے۔ ہدایت اور ضلالت یہ اللہ کے اختیار میں ہے۔

(۵) تاکہ کوئی قوم یہ نہ کہہ سکے کہ ہمیں تو ایمان و کفر کا پتہ ہی نہیں، اس لیے کہ ہمارے پاس کوئی پیغمبر ہی نہیں آیا۔

بنابرین اللہ نے ہر امت میں نبی بھیجا، جس طرح دوسرے مقام پر بھی فرمایا ﴿وَلَقَدْ مَكَّنَّا لَهُ﴾ (الرعد-۷) ﴿وَلَقَدْ بَعَثْنَا فِي كُلِّ أُمَّةٍ رَسُولًا﴾ (الانبیاء-۲۱)

(۶) یعنی کیسے سخت عذاب کے ساتھ میں نے ان کی گرفت کی اور انہیں تباہ و برباد کر دیا۔

آسمان سے پانی اتارا پھر ہم نے اس کے ذریعہ سے مختلف رنگتوں کے پھل نکالے^(۱) اور پہاڑوں کے مختلف حصے ہیں سفید اور سرخ کہ ان کی بھی رنگتیں مختلف ہیں اور بہت گہرے سیاہ۔^(۲) (۲۷)

اور اسی طرح آدمیوں اور جانوروں اور چوپایوں میں بھی بعض ایسے ہیں کہ ان کی رنگتیں مختلف ہیں،^(۳) اللہ سے اس کے وہی بندے ڈرتے ہیں جو علم رکھتے ہیں^(۴) واقعی اللہ تعالیٰ زبردست بڑا بخشنے والا ہے۔^(۵) (۲۸)

جو لوگ کتاب اللہ کی تلاوت کرتے ہیں^(۶) اور نماز کی پابندی رکھتے ہیں^(۷) اور جو کچھ ہم نے ان کو عطا فرمایا ہے

ثُمَّ رَبِّ مَخْتَلِفًا أَلْوَانَهَا وَمِنْ الْجِبَالِ جُدَدٌ بَيْضٌ وَحُمْرٌ مُخْتَلِفٌ أَلْوَانُهَا وَغَرَابِيبُ سُودٌ ۝

وَمِنَ النَّاسِ وَالنَّوَابِ وَالْأَنْعَامِ مُخْتَلِفٌ أَلْوَانُهُ كَذَلِكَ إِنَّمَا يَخْشَى اللَّهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمَاءُ ۚ إِنَّ اللَّهَ عَزِيزٌ عَلِيمٌ ۝

إِنَّ الَّذِينَ يَتْلُونَ كِتَابَ اللَّهِ وَأَقَامُوا الصَّلَاةَ وَآتَوْا مِمَّا رَزَقْنَاهُمْ سِرًّا وَعَلَانِيَةً يَرْجُونَ

(۱) یعنی جس طرح مومن اور کافر، صالح اور فاسد دونوں قسم کے لوگ ہیں، اسی طرح دیگر مخلوقات میں بھی تفاوت اور اختلاف ہے۔ مثلاً پھلوں کے رنگ بھی مختلف ہیں اور ذائقے، لذت اور خوشبو میں بھی ایک دوسرے سے مختلف۔ حتیٰ کہ ایک ایک پھل کے بھی کئی کئی رنگ اور ذائقے ہیں جیسے کھجور ہے، انگور ہے، سیب ہے اور دیگر بعض پھل ہیں۔

(۲) اسی طرح پہاڑ اور اس کے حصے یا راستے اور خطوط مختلف رنگوں کے ہیں، سفید، سرخ اور بہت گہرے سیاہ، جُدَدُ جُدَّةٌ کی جمع ہے، راستہ یا لکیر، غَرَابِيبُ، غَرَبِيبٌ کی جمع اور سُودٌ، أَسْوَدٌ (سیاہ) کی جمع ہے۔ جب سیاہ رنگ کے گہرے پن کو ظاہر کرنا ہو تو اسود کے ساتھ غریب کا لفظ استعمال کیا جاتا ہے۔ اسود غریب، جس کے معنی ہوتے ہیں، بہت گہرا سیاہ۔ (۳) یعنی انسان اور جانور بھی سفید، سرخ، سیاہ اور زرد رنگ کے ہوتے ہیں۔

(۴) یعنی اللہ کی ان قدرتوں اور اس کے کمال صنای کو وہی جان اور سمجھ سکتے ہیں جو علم رکھنے والے ہیں، اس علم سے مراد کتاب و سنت اور اسرار الہیہ کا علم ہے اور جتنی انہیں رب کی معرفت حاصل ہوتی ہے۔ اتنا ہی وہ رب سے ڈرتے ہیں، گویا جن کے اندر خشیت الہی نہیں ہے، سمجھ لو کہ علم صحیح سے بھی وہ محروم ہیں سفیان ثوری فرماتے ہیں کہ علما کی تین قسمیں ہیں۔ عالم باللہ اور عالم بامر اللہ، یہ وہ ہے جو اللہ سے ڈرتا اور اس کے حدود و فرائض کو جانتا ہے۔ دوسرا صرف عالم باللہ، جو اللہ سے تو ڈرتا ہے لیکن اس کے حدود و فرائض سے بے علم ہے۔ تیسرا، صرف عالم بامر اللہ، جو حدود و فرائض سے باخبر ہے لیکن خشیت الہی سے عاری ہے (ابن کثیر)

(۵) یہ رب سے ڈرنے کی علت ہے کہ وہ اس بات پر قادر ہے کہ نافرمان کو سزا دے اور توبہ کرنے والے کے گناہ معاف فرما دے۔

(۶) کتاب اللہ سے مراد قرآن کریم ہے ”تلاوت کرتے ہیں“ یعنی پابندی سے اس کا اہتمام کرتے ہیں۔

(۷) اقامت صلوٰۃ کا مطلب ہوتا ہے، نماز کی اس طرح ادائیگی جو مطلوب ہے، یعنی وقت کی پابندی، اعتدال ارکان اور

تَجَارَةً لَّنْ تَبُورَ ۝

اس میں سے پوشیدہ اور علانیہ خرچ کرتے ہیں^(۱) وہ ایسی تجارت کے امیدوار ہیں جو کبھی خسارہ میں نہ ہوگی۔^(۲) (۲۹) تاکہ ان کو ان کی اجرتیں پوری دے اور ان کو اپنے فضل سے اور زیادہ دے^(۳) بیشک وہ بڑا بخشنے والا قدر دان ہے۔^(۴) (۳۰)

اور یہ کتاب جو ہم نے آپ کے پاس وحی کے طور پر بھیجی ہے یہ بالکل ٹھیک^(۵) ہے جو کہ اپنے سے پہلی کتابوں کی بھی تصدیق کرتی ہے۔^(۶) اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کی پوری خبر رکھنے والا خوب دیکھنے والا ہے۔^(۷) (۳۱) پھر ہم نے ان لوگوں کو (اس) کتاب^(۸) کا وارث بنایا جن کو

لِيُؤْتِيَهُمْ أَجْرَهُمْ وَيَزِيدَهُمْ مِنْ فَضْلِهِ إِنَّهُ غَفُورٌ شَكُورٌ ۝

وَالَّذِي أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ مِنَ الْكِتَابِ هُوَ الْحَقُّ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ إِنَّ اللَّهَ بِمَا دِهَ لَٰجِبٌ بَصِيرٌ ۝

ثُمَّ أَوْرَثْنَا الْكِتَابَ الَّذِينَ اصْطَفَيْنَا مِنْ عِبَادِنَا

خشوع و خضوع کے اہتمام کے ساتھ پڑھنا۔

(۱) یعنی رات دن، علانیہ اور پوشیدہ دونوں طریقوں سے حسب ضرورت خرچ کرتے ہیں، بعض کے نزدیک پوشیدہ سے نفلی صدقہ اور علانیہ سے صدقہ واجبہ (زکوٰۃ) مراد ہے۔

(۲) یعنی ایسے لوگوں کا اجر اللہ کے ہاں یقینی ہے، جس میں مندرے اور کمی کا امکان نہیں۔

(۳) لِيُؤْتِيَهُمْ، متعلق ہے۔ لَّنْ تَبُورَ کے، یعنی یہ تجارت مندرے سے اس لیے محفوظ ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کے اعمال صالحہ پر پورا اجر عطا فرمائے گا۔ یا پھر فعل محذوف کے متعلق ہے کہ وہ یہ نیک اعمال اس لیے کرتے ہیں یا اللہ نے انہیں ان کی طرف ہدایت کی تاکہ وہ انہیں اجر دے۔

(۴) یہ تَوْفِیۃ اور زیادت کی علت ہے کہ وہ اپنے مومن بندوں کے گناہ معاف کرنے والا ہے بشرطیکہ خلوص دل سے وہ توبہ کریں، ان کے جذبہ اطاعت و عمل صالح کا قدر دان ہے، اسی لیے وہ صرف اجر ہی نہیں دے گا بلکہ اپنے فضل و کرم سے مزید بھی دے گا۔

(۵) یعنی جس پر تیرے لیے اور تیری امت کے لیے عمل کرنا ضروری ہے۔

(۶) تورات اور انجیل وغیرہ کی۔ یہ اس بات کی دلیل ہے کہ قرآن کریم اس اللہ کا نازل کردہ ہے جس نے پچھلی کتابیں نازل کی تھیں، جب ہی تو دونوں ایک دوسرے کی تائید و تصدیق کرتی ہیں۔

(۷) یہ اس کے علم و خبر ہی کا نتیجہ ہے کہ اس نے نئی کتاب نازل فرمادی، کیونکہ وہ جانتا ہے، پچھلی کتابیں تحریف و تغیر کا شکار ہو گئی ہیں اور اب وہ ہدایت کے قابل نہیں رہی ہیں۔

(۸) کتاب سے قرآن اور پنے ہوئے بندوں سے مراد امت محمدیہ ہے۔ یعنی اس قرآن کا وارث ہم نے امت محمدیہ کو

ہم نے اپنے بندوں میں سے پسند فرمایا۔ پھر بعضے تو ان میں اپنی جانوں پر ظلم کرنے والے ہیں^(۱) اور بعضے ان میں متوسط درجے کے ہیں^(۲) اور بعضے ان میں اللہ کی توفیق سے نیکیوں میں ترقی کیے چلے جاتے ہیں۔^(۳) یہ بڑا فضل ہے۔^(۴) (۳۲)

وہ باغات میں ہمیشہ رہنے کے جن میں یہ لوگ داخل ہوں گے سونے^(۵) کے کنگن اور موتی پہنائے جاویں گے۔ اور پوشاک ان کی وہاں ریشم کی ہوگی۔^(۶) (۳۳)

اور کہیں گے کہ اللہ کالا کلاک لاکھ شکر ہے جس نے ہم سے غم

فَمِنْهُمْ ظَالِمٌ لِّنَفْسِهِ وَمِنْهُمْ مُقْتَصِدٌ وَمِنْهُمْ سَابِقٌ بِالْخَيْرَاتِ يُرَادُّنَ اللَّهُ ذَلِكَ هُوَ الْفَضْلُ الْكَبِيرُ ﴿۳۱﴾

جَعَلْتُ عَذِينَ يَدْخُلُونَهَا يَحْلُونَ فِيهَا مِنْ أَسَاوِرَ مِنْ ذَهَبٍ وَلُؤْلُؤًا وَلِبَاسُهُمْ فِيهَا حَرِيرٌ ﴿۳۲﴾

وَقَالُوا الْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي أَذْهَبَ عَنَّا الْحَزْنَ إِنَّ رَبَّنَا

بنایا ہے جسے ہم نے دوسری امتوں کے مقابلے میں چن لیا اور اسے شرف و فضل سے نوازا۔ یہ تقریباً وہی مفہوم ہے جو آیت ﴿وَكَذَلِكَ جَعَلْنَا لَكُمْ لُؤْلُؤًا وَلِبَاسًا عَلَى الْكَافِرِينَ﴾ (البقرة ۱۱۳) کا ہے۔

(۱) امت محمدیہ کی تین قسمیں بیان فرمائیں۔ یہ پہلی قسم ہے، جس سے مراد ایسے لوگ ہیں جو بعض فرائض میں کوتاہی اور بعض محرمات کا ارتکاب کر لیتے ہیں یا بعض کے نزدیک وہ ہیں جو صغائر کا ارتکاب کرتے ہیں۔ انہیں اپنے نفس پر ظلم کرنے والا اس لیے کہا کہ وہ اپنی کچھ کوتاہیوں کی وجہ سے اپنے کو اس اعلیٰ درجے سے محروم کر لیں گے جو باقی دو قسموں کو حاصل ہوں گے۔

(۲) یہ دوسری قسم ہے۔ یعنی ملے جلے عمل کرتے ہیں یا بعض کے نزدیک وہ ہیں جو فرائض کے پابند، محرمات کے تارک تو ہیں لیکن کبھی مستحبات کا ترک اور بعض محرمات کا ارتکاب بھی ان سے ہو جاتا ہے یا وہ ہیں جو نیک تو ہیں لیکن پیش پیش نہیں ہیں۔

(۳) یہ وہ ہیں جو دین کے معاملے میں پچھلے دونوں سے سبقت کرنے والے ہیں۔

(۴) یعنی کتاب کا وارث کرنا اور شرف و فضل میں ممتاز (مصطفیٰ) کرنا۔

(۵) بعض کہتے ہیں کہ جنت میں صرف سابقین جائیں گے، لیکن یہ صحیح نہیں۔ قرآن کا سیاق اس امر کا متقاضی ہے کہ تینوں قسمیں جنتی ہیں۔ یہ الگ بات ہے کہ سابقین بغیر حساب کتاب کے اور مقتصدین آسان حساب کے بعد اور ظالمین شفاعت سے یا سزا بھگتنے کے بعد جنت میں جائیں گے۔ جیسا کہ احادیث سے واضح ہے۔ محمد بن حنفیہ کا قول ہے ”یہ امت مرحومہ ہے، ظالم یعنی گناہگار کی مغفرت ہو جائے گی، مقتصد، اللہ کے ہاں جنت میں ہو گا اور سابق بالخیرات درجات عالیہ پر فائز ہو گا۔“ (ابن کثیر)

(۶) حدیث میں آتا ہے کہ ”ریشم اور دیباچ دنیا میں مت پہنو“ اس لیے کہ جو اسے دنیا میں پہنے گا، وہ اسے آخرت میں نہیں پہنے گا۔“ (صحیح بخاری، وصحیح مسلم، کتاب اللباس)

لَغْفُورٌ شَكُورٌ ﴿٣٣﴾

إِلَّا الَّذِي أَحْكَمَ دَارَ الْمَقَامَةِ مِنْ فَضْلِهِ ۚ لَا يَسْتَأْذِنُ فِيهَا
نَصَبٌ وَلَا يَسْتَأْذِنُ فِيهَا الْعُتْبُ ۝ (٣٩)

وَالَّذِينَ كَفَرُوا لَهُمْ نَارُ جَهَنَّمَ لَا يُقْضَىٰ عَلَيْهِمْ فِيمَوتُوا
وَلَا يُخَفَّفُ عَنْهُمْ مِنْ عَذَابِهَا كَذَلِكَ نَجْزِي
كُلَّ كَافِرٍ ۖ (٣٤)

وَهُمْ يَصْطَرِّحُونَ فِيهَا رَبَّنَا أَخْرِجْنَا نَعْمَلْ صَالِحًا
غَيْرَ الَّذِي كُنَّا نَعْمَلُ ۖ أَوَلَمْ نُعَمِّرْكُم مَّا يَتَذَكَّرُ فِيهِ
مَنْ تَذَكَّرَ ۚ وَجَاءَكُمُ الذِّكْرُ ۖ فَذُوقُوا هَذَا لِلْمُتْلِفِينَ ۝

إِنَّ اللَّهَ عَلِيمُ غَيْبِ السَّمُوتِ وَالْأَرْضِ إِنَّهُ عَلِيمُ بِذَاتِ

دور کیا۔ بیشک ہمارا پروردگار بڑا بخشنے والا بڑا قدردان ہے۔ (۳۴)

جس نے ہم کو اپنے فضل سے ہمیشہ رہنے کے مقام میں لا
اتارا جہاں نہ ہم کو کوئی تکلیف پہنچے گی اور نہ ہم کو کوئی
خستگی پہنچے گی۔ (۳۵)

اور جو لوگ کافر ہیں انکے لیے دوزخ کی آگ ہے نہ تو انکی قضای آئے گی کہ مر ہی جائیں اور نہ دوزخ کا عذاب ہی ان سے ملکا کیا جائے گا۔ ہم کافر کو ایسی ہی سزا دیتے ہیں۔ (۳۶)

اور وہ لوگ اس میں چلائیں گے کہ اے ہمارے پروردگار! ہم کو نکال لے ہم اچھے کام کریں گے برخلاف ان کاموں کے جو کیا کرتے تھے،^(۱) (اللہ کے گا) کیا ہم نے تم کو اتنی عمر نہ دی تھی کہ جس کو سمجھنا ہوتا^(۲) وہ سمجھ سکتا اور تمہارے پاس ڈرانے والا بھی پہنچتا،^(۳) سومرہ چکھو کہ (ایسے) غالموں کا کوئی مددگار نہیں۔ (۷۳)

بیشک اللہ تعالیٰ جاننے والا ہے آسمانوں اور زمین کی

(۱) یعنی غیروں کی بجائے تیری عبادت اور معصیت کی بجائے اطاعت کریں گے۔

(۲) اس سے مراد کتنی عمر ہے؟ مفسرین نے مختلف عرصے بیان کی ہیں۔ بعض نے بعض احادیث سے استدلال کرتے ہوئے کہا ہے کہ ۶۰ سال کی عمر مراد ہے۔ (ابن کثیر) لیکن ہمارے خیال میں عمر کی تعیین صحیح نہیں، اس لیے کہ عرصے مختلف ہوتی ہیں، کوئی جوانی میں، کوئی کمولت میں اور کوئی بوہاپے میں فوت ہوتا ہے، پھر یہ ادوار بھی لمبے گزراں کی طرح مختصر نہیں ہوتے، بلکہ ہر دور خاصا ممتد (لمبا) ہوتا ہے۔ مثلاً جوانی کا دور، بلوغت سے کمولت تک اور کمولت کا دور شیخوخت بوہاپے تک اور بوہاپے کا دور موت تک رہتا ہے۔ کسی کو سوچ بچار، نصیحت خیزی اور اثر پذیر ی کے لیے چند سال، کسی کو اس سے زیادہ اور کسی کو اس سے بھی زیادہ سال ملتے ہیں اور سب سے یہ سوال کرنا صحیح ہو گا کہ ہم نے تجھے اتنی عمر دی تھی کہ اگر تو حق کو سمجھنا چاہتا تو سمجھ سکتا تھا، پھر تو نے حق کو سمجھنے اور اسے اختیار کرنے کی کوشش کیوں نہیں کی؟

(۳) اس سے مراد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ یعنی یاد دہانی اور فصیحت کے لیے پیغمبر ﷺ اور اس کے منبر و محراب کے وارث علما و دعاتِ تیرے پاس آئے، لیکن تو نے انہی عقل و فہم سے کام لیا نہ داعیانِ حق کی باتوں کی طرف دھیان کیا۔

الضُّمُورِ ۞

پوشیدہ چیزوں کا،^(۱) بیشک وہی جاننے والا ہے سینوں کی باتوں کا۔^(۲) (۳۸)

وہی ایسا ہے جس نے تم کو زمین میں آباد کیا، سو جو شخص کفر کرے گا اس کے کفر کا وبال اسی پر پڑے گا۔ اور کافروں کے لیے ان کا کفر ان کے پروردگار کے نزدیک ناراضی ہی بڑھنے کا باعث ہوتا ہے، اور کافروں کے لیے ان کا کفر خسارہ ہی بڑھنے کا باعث ہوتا ہے۔^(۳) (۳۹)

آپ کہیں! کہ تم اپنے قرارداد شریکوں کا حال تو بتلاؤ جن کو تم اللہ کے سوا پوجا کرتے ہو۔ یعنی مجھ کو یہ بتلاؤ کہ انہوں نے زمین میں سے کون سا (جزو) بنایا ہے یا ان کا آسمانوں میں کچھ سا جھا ہے یا ہم نے ان کو کوئی کتاب دی ہے کہ یہ اس کی دلیل پر قائم ہوں،^(۴) بلکہ یہ ظالم ایک دوسرے سے نرے دھوکے کی باتوں کا وعدہ کرتے آتے ہیں۔^(۵) (۴۰)

هُوَ الَّذِي جَعَلَكُمْ خَلَائِفَ فِي الْأَرْضِ فَمَنْ كَفَرَ فَعَلَيْهِ كُفْرُهُ وَلَا يَزِيدُ الْكَافِرِينَ كُفْرُهُمْ إِلَّا مَقْتًا وَلَا يَزِيدُ الْكَافِرِينَ كُفْرُهُمْ إِلَّا عُتَا ۞

قُلْ أَرَأَيْتُمْ شُرَكَاءَ الَّذِينَ تَدْعُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ أَرُونِي مَاذَا خَلَقُوا مِنَ الْأَرْضِ أَمْ لَهُمْ شِرْكٌ فِي السَّمَوَاتِ أَمْ أُنِزِلَتْ لَهُمْ كُتُبًا فَهُمْ عَلَى بَيِّنَةٍ وَمَنْ يَقُولُ إِلَّا ظُلْمٌ أَعْمُومٌ بَعْضُهُمْ بَعْضًا إِلَّا غُرُورًا ۞

(۱) یہاں یہ بیان کرنے سے یہ مقصد بھی ہو سکتا ہے کہ تم دوبارہ دنیا میں جانے کی آرزو کر رہے ہو اور دعویٰ کر رہے ہو کہ اب نافرمانی کی جگہ اطاعت اور شرک کی جگہ توحید اختیار کرو گے۔ لیکن ہمیں علم ہے کہ تم ایسا نہیں کرو گے۔ تمہیں اگر دنیا میں دوبارہ بھیج بھی دیا جائے، تو تم وہی کچھ کرو گے جو پہلے کرتے رہے ہو۔ جیسے دوسرے مقام پر اللہ نے فرمایا ﴿وَلَوْ رَدُّوا لَعَادُوا لَمَّا هُوَ أَهْنُ﴾ (الأنعام: ۲۸) ”اگر انہیں دوبارہ دنیا میں بھیج دیا جائے تو وہی کام کریں گے جن سے انہیں منع کیا گیا تھا۔“

(۲) یہ بچپلی بات کی تعلیل ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ کو آسمان اور زمین کی پوشیدہ باتوں کا علم کیوں نہ ہو، جب کہ وہ سینوں کی باتوں اور رازوں سے بھی واقف ہے جو سب سے زیادہ مخفی ہوتے ہیں۔

(۳) یعنی اللہ کے ہاں کفر کوئی فائدہ نہیں پہنچائے گا، بلکہ اس سے اللہ کے غضب اور ناراضی میں بھی اضافہ ہو گا اور انسان کے اپنے نفس کا خسارہ بھی زیادہ۔

(۴) یعنی ہم نے ان پر کوئی کتاب نازل کی ہو، جس میں یہ درج ہو کہ میرے بھی کچھ شریک ہیں جو آسمان و زمین کی تخلیق میں حصے دار اور شریک ہیں۔

(۵) یعنی ان میں سے کوئی بات بھی نہیں ہے۔ بلکہ یہ آپس میں ہی ایک دوسرے کو گمراہ کرتے آئے ہیں۔ ان کے لیڈر

اور ان کفار نے بڑی زور دار قسم کھائی تھی کہ اگر ان کے پاس کوئی ڈرانے والا آئے تو وہ ہر ایک امت سے زیادہ ہدایت قبول کرنے والے ہوں۔^(۳) پھر جب ان

وَأَقْسَمُوا بِاللَّهِ جَهْدَ أَيْمَانِهِمْ لَئِنْ جَاءَهُمْ نَذِيرٌ
لَيَكُونُنَّ أَهْدَىٰ مِنْ أَهْدَى الْأُمَمِ فَلَمَّا جَاءَهُمْ نَذِيرٌ

اور پیر کہتے تھے کہ یہ مجبوراً انہیں نفع پہنچائیں گے، انہیں اللہ کے قریب کر دیں گے اور ان کی شفاعت کریں گے۔ یا یہ باتیں شیاطین مشرکین سے کہتے تھے۔ یا اس سے وہ وعدہ مراد ہے جس کا نظارہ ایک دوسرے کے سامنے کرتے تھے کہ وہ مسلمانوں پر غالب آئیں گے جس سے ان کو اپنے کفر پر جبرے رہنے کا حوصلہ ملتا تھا۔

(۱) كَرَاهَةً اَنْ تَزُولَا لِتَاَلَا تَزُولَا یہ اللہ تعالیٰ کے کمال قدرت و صنعت کا بیان ہے۔ بعض نے کہا، مطلب یہ ہے کہ ان کے شرک کا ارتقا ہے کہ آسمان و زمین اپنی حالت پر برقرار نہ رہیں بلکہ ٹوٹ پھوٹ کا شکار ہو جائیں۔ جیسے آیت — ﴿كَذَٰلِكَ الصَّمْتُ يَفْقَهُنَّ مِنْهُ وَتَنبَشُّ فِي الْأَرْضِ وَخَالِ الْجِبَالِ هَكَذَا * اَنْ حَذَّوْلًا لِّعَمَلِكُنَّ لَكُنَا﴾ (مریم۔ ۹۱-۹۰) کا مفہوم ہے۔

(۲) یعنی یہ اللہ کے کمال قدرت کے ساتھ اس کی کمال مہربانی بھی ہے کہ وہ آسمان و زمین کو تھامے ہوئے ہے اور انہیں اپنی جگہ سے ہلنے اور ڈولنے نہیں دیتا ہے، ورنہ پلک جھپکتے میں دنیا کا نظام تباہ ہو جائے۔ کیونکہ اگر وہ انہیں تھامے نہ رکھے اور انہیں اپنی جگہ سے پھیر دے تو اللہ کے سوا کوئی ایسی ہستی نہیں ہے جو ان کو تھام لے اِنْ اَنْسَكْهُمَا فِيْ اَنْفَاثِهِ۔ اللہ نے اپنے اس احسان اور نشانی کا تذکرہ دوسرے مقامات پر بھی فرمایا ہے مثلاً ﴿ وَيَسُبِّحُ السَّمَاءُ اَنْ تَنْفَعَكَ اَلْاَرْضُ اِلَّا بِرِزْقِهِ ﴾ (الحج- ۶۵) اور ﴿ وَمِنْ اٰيَاتِهِ اَنْ يَنْفَعَهُ السَّمَاءُ وَالْاَرْضُ بِمَا رَزَقَتْ ﴾ (الروم- ۳۵) ”اسی نے آسمان کو زمین پر گرنے سے روکا ہوا ہے، مگر جب اس کا حکم ہو گا۔“ ”اس کی نشانیوں میں سے ہے کہ آسمان و زمین اس کے حکم سے قائم ہیں۔“

(۳) اتنی قدرتوں کے باوجود وہ حلیم ہے۔ اپنے بندوں کو دیکھتا ہے کہ وہ کفر و شرک اور نافرمانی کر رہے ہیں، پھر بھی وہ ان کی گرفت میں جلدی نہیں کرتا، بلکہ ڈھیل دیتا ہے اور غفور بھی ہے، کوئی تائب ہو کر اس کی بارگاہ میں جھک جاتا ہے، تو یہ استغفار و ندامت کا اظہار کرتا ہے تو وہ معاف فرما دیتا ہے۔

(۴) اس میں اللہ تعالیٰ بیان فرما رہا ہے کہ بعثت محمدی سے قبل یہ مشرکین عرب قسمیں کھا کھا کر کہتے تھے کہ اگر ہماری طرف کوئی رسول آیا، تو ہم اس کا خیر مقدم کریں گے اور اس پر ایمان لانے میں ایک مثالی کردار ادا کریں گے۔ یہ مضمون دیگر مقامات پر بھی بیان کیا گیا ہے۔ مثلاً سورۃ الأنعام: ۱۵۶-۱۵۷۔ الصافات: ۱۶۷-۱۷۰)

مَا أَزَادَهُمُ إِلَّا نُفُورًا ﴿٦﴾

کے پاس ایک پیغمبر آپہنچے ^(۱) تو بس ان کی نفرت ہی میں اضافہ ہوا۔ (۳۲)

دنیا میں اپنے کو بڑا سمجھنے کی وجہ سے ^(۲) اور ان کی بری تدبیروں کی وجہ سے ^(۳) اور بری تدبیروں کا وبال ان تدبیر والوں ہی پر پڑتا ہے ^(۴) سو کیا یہ اسی دستور کے منتظر ہیں جو اگلے لوگوں کے ساتھ ہوتا رہا ^(۵) ہے۔ سو آپ اللہ کے دستور کو کبھی بدلتا ہوا نہ پائیں گے ^(۶) اور آپ اللہ کے دستور کو کبھی منتقل ہوتا ہوا نہ پائیں گے۔ ^(۷) (۳۳)

اور کیا یہ لوگ زمین میں چلے پھرے نہیں جس میں دیکھتے بھالتے کہ جو لوگ ان سے پہلے ہو گزرے ہیں ان کا انجام کیا ہوا؟ حالانکہ وہ قوت میں ان سے بڑھے ہوئے تھے، اور اللہ ایسا نہیں ہے کہ کوئی چیز اس کو ہرا دے نہ آسمانوں میں اور نہ زمین میں۔ وہ بڑے علم والا، بڑی

لَا يَسْتَكْبِرُ فِي الْأَرْضِ وَمَكْرَ السَّيِّئِ وَلَا يَجِئُ الْمَكْرُ السَّيِّئِ إِلَّا يَأْخُذُ بِهِ فَنَحْنُ يُنظَرُونَ إِلَّا سَنُتِلَّ الْأَوَّلِينَ فَنَكُنَّ تَجِدَ لِسَبِّ اللَّهِ تَبْدِيلًا وَلَكِنْ نَجِدُ لِسَبِّ اللَّهِ تَحْوِيلًا ﴿٧﴾

أَوَلَمْ يَسِيرُوا فِي الْأَرْضِ فَيَنْظُرُوا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ وَكَانُوا أَشَدَّ مِنْهُمْ قُوَّةً وَمَا كَانَ اللَّهُ لِيُعْجِزَهُ مِنْ شَيْءٍ فِي السَّمَوَاتِ وَلَا فِي الْأَرْضِ إِنَّكَ كَانَ عَلِيمًا قَدِيرًا ﴿٨﴾

(۱) یعنی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم ان کے پاس نبی بن کر آگئے جن کے لیے وہ تمنا کرتے تھے۔

(۲) یعنی آپ ﷺ کی نبوت پر ایمان لانے کے بجائے انکار و مخالفت کا راستہ محض استکبار اور سرکشی کی وجہ سے اختیار کیا۔

(۳) اور بری تدبیر یعنی حیلہ، دھوکہ اور عمل قبیح کی وجہ سے کیا۔

(۴) یعنی لوگ کمزور حیلہ کرتے ہیں لیکن یہ نہیں جانتے کہ بری تدبیر کا انجام برا ہی ہوتا ہے اور اس کا وبال بالآخر کمزور حیلہ کرنے والوں پر ہی پڑتا ہے۔

(۵) یعنی کیا یہ اپنے کفر و شرک، رسول ﷺ کی مخالفت اور مومنوں کو ایذا نہیں پہنچانے پر مصر رہ کر اس بات کے منتظر ہیں کہ انہیں بھی اس طرح ہلاک کیا جائے، جس طرح پچھلی قومیں ہلاکت سے دوچار ہوئیں؟

(۶) بلکہ یہ اسی طرح جاری ہے اور ہر مکتب (جھلانے والے) کا مقدر ہلاکت ہے یا بدلنے کا مطلب یہ ہے کہ کوئی شخص اللہ کے عذاب کو رحمت سے بدلنے پر قادر نہیں ہے۔

(۷) یعنی کوئی اللہ کے عذاب کو دور کرنے والا یا اس کا رخ پھیرنے والا نہیں ہے یعنی جس قوم کو اللہ عذاب سے دوچار کرنا چاہے، کوئی اس کا رخ کسی اور قوم کی طرف پھیر دے، کسی میں یہ طاقت نہیں ہے۔ مطلب اس سنت اللہ کی وضاحت سے مشرکین عرب کو ڈرانا ہے کہ ابھی بھی وقت ہے، وہ کفر و شرک چھوڑ کر ایمان لے آئیں، ورنہ وہ اس سنت الہی سے بچ نہیں سکتے، دیر سویر اس کی زد میں آکر رہیں گے، کوئی اس قانون الہی کو بدلنے پر قادر ہے اور نہ عذاب الہی کو پھیرنے پر۔

قدرت والا ہے۔ (۳۴)

اور اگر اللہ تعالیٰ لوگوں پر ان کے اعمال کے سبب داروگیر فرمانے لگتا تو روئے زمین پر ایک جاندار کو نہ چھوڑتا،^(۱) لیکن اللہ تعالیٰ ان کو ایک میعاد معین تک مہلت دے رہا ہے، سو جب ان کی وہ میعاد آپہنچے گی اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو آپ دیکھ لے گا۔^(۲) (۳۵)

سورہ یٰسین کی ہے اور اس میں تراسی آیتیں اور
پانچ رکوع ہیں۔

شروع کرتا ہوں اللہ تعالیٰ کے نام سے جو بڑا مہربان
نہایت رحم والا ہے۔

یٰسین^(۳) (۱) قسم ہے قرآن باحکمت کی۔^(۵) (۲)

وَلَوْ يُؤَاخِذُ اللَّهُ النَّاسَ بِمَا كَسَبُوا مَا تَرَكَ عَلَى ظَهْرٍهَا
مِنْ دَآئِبَةٍ وَآلِئِكَ يُؤَخِّرُهُمْ إِلَىٰ أَجَلٍ مُّسَمًّى
فَإِذَا جَاءَ أَجَلُهُمْ فَإِنَّ اللَّهَ كَانَ بِعِبَادِهِ بَصِيرًا ۝



بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

يٰۤاَيُّهَا ۝ وَالْقُرْآنِ الْحَكِيمِ ۝

(۱) انسانوں کو تو ان کے گناہوں کی پاداش میں اور جانوروں کو انسانوں کی نحوست کی وجہ سے۔ یا مطلب ہے کہ تمام اہل زمین کو ہلاک کر دیتا، انسانوں کو بھی اور جن جانوروں اور روزیوں کے وہ مالک ہیں، ان کو بھی۔ یا مطلب ہے کہ آسمان سے بارشوں کا سلسلہ منقطع فرما دیتا، جس سے زمین پر چلنے والے سب دابتہ مر جاتے۔
(۲) یہ میعاد معین دنیا میں بھی ہو سکتی ہے اور یوم قیامت تو ہے ہی۔

(۳) یعنی اس دن ان کا محاسبہ کرے گا اور ہر شخص کو اس کے عملوں کا پورا بدلہ دے گا۔ اہل ایمان و اطاعت کو اجر و ثواب اور اہل کفر و معصیت کو عتاب و عقاب۔ اس میں مومنوں کے لیے تسلی ہے اور کافروں کے لیے وعید۔
☆ سورہ یٰسین کے فضائل میں بہت سی روایات مشہور ہیں۔ مثلاً یہ کہ قرآن کا دل ہے، اسے قریب المرگ شخص پر پڑھو، وغیرہ۔ لیکن سند کے لحاظ سے کوئی روایت بھی درجہ صحت کو نہیں پہنچتی۔ بعض بالکل موضوع ہیں یا پھر ضعیف ہیں۔ قلب قرآن والی روایت کو شیخ الہبانی نے موضوع قرار دیا ہے۔ (الضعیفہ - حدیث نمبر ۱۶۹)

(۴) بعض نے اس کے معنی یا رجل یا انسان کے کیے ہیں۔ بعض نے اسے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے نام اور بعض نے اسے اللہ کے اسمائے حسنیٰ میں سے بتلایا ہے۔ لیکن یہ سب اقوال بلا دلیل ہیں۔ یہ بھی ان حروف مقطعات میں سے ہی ہے۔ جن کا معنی و مفہوم اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔

(۵) یا قرآن محکم کی، جو نظم و معنی کے لحاظ سے محکم یعنی پختہ ہے۔ واؤ قسم کے لیے ہے۔ آگے جواب قسم ہے۔

إِنَّكَ لَمِنَ الْمُسْلِمِينَ ۝

عَلَىٰ وَطِئَتِ مَنَابِقِهِ ۝

تَنْزِيلَ الْعَزِيزِ الرَّحِيمِ ۝

لِشَنْذِ رَقُومًا أَتَدْرَأُ أَبَاؤُهُمْ فَهُمْ غَافِلُونَ ۝

لَقَدْ حَقَّ الْقَوْلُ عَلَىٰ أَكْثَرِهِمْ فَهُمْ لَا يُؤْمِنُونَ ۝

کہ بے شک آپ پیغمبروں میں سے ہیں۔^(۱)

سیدھے راستے پر ہیں۔^(۲)

یہ قرآن اللہ زبردست مہربان کی طرف سے نازل کیا گیا ہے۔^(۳)

تاکہ آپ ایسے لوگوں کو ڈرائیں جن کے باپ دادے نہیں ڈرائے گئے تھے، سو (اسی وجہ سے) یہ غافل ہیں۔^(۴)

ان میں سے اکثر لوگوں پر بات ثابت ہو چکی ہے سو یہ لوگ ایمان نہ لائیں گے۔^(۵)

(۱) مشرکین نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت میں شک کرتے تھے، اس لیے آپ ﷺ کی رسالت کا انکار کرتے اور کہتے تھے ﴿لَسْتَ مُسْلِمًا﴾ (العنکبوت: ۲۳) ”تو تو پیغمبر ہی نہیں ہے۔“ اللہ نے ان کے جواب میں قرآن حکیم کی قسم کھا کر کہا کہ آپ ﷺ یقیناً اس کے پیغمبروں میں سے ہیں۔ اس میں آپ ﷺ کے شرف و فضل و اظہار ہے۔ اللہ تعالیٰ نے کسی رسول کی رسالت کے لئے قسم نہیں کھائی یہ بھی آپ ﷺ کے امتیازات اور خصائص میں سے ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کی رسالت کے اثبات کے لیے قسم کھائی۔ صلی اللہ علیہ وسلم۔

(۲) یہ إِنَّكَ کی دوسری خبر ہے۔ یعنی آپ ﷺ ان پیغمبروں کے راستے پر ہیں جو پہلے گزر چکے ہیں۔ یا ایسے راستے پر ہیں جو سیدھا اور مطلوب منزل (جنت) تک پہنچانے والا ہے۔

(۳) یعنی اس اللہ کی طرف سے نازل کردہ ہے جو عزیز ہے یعنی اس کا انکار اور اس کے رسول کی تکذیب کرنے والے سے انتقام لینے پر قادر ہے رحیم ہے یعنی جو اس پر ایمان لائے گا اور اس کا بندہ بن کر رہے گا، اس کے لیے نہایت مہربان ہے۔

(۴) یعنی آپ ﷺ کو رسول اس لیے بنایا ہے اور یہ کتاب اس لیے نازل کی ہے تاکہ آپ ﷺ اس قوم کو ڈرائیں جن میں آپ ﷺ سے پہلے کوئی ڈرانے والا نہیں آیا، اس لیے ایک مدت سے یہ لوگ دین حق سے بے خبر ہیں۔ یہ مضمون پہلے بھی کئی جگہ گزر چکا ہے کہ عربوں میں حضرت اسماعیل علیہ السلام کے بعد، نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے براہ راست کوئی نبی نہیں آیا۔ یہاں بھی اسی چیز کو بیان کیا گیا ہے۔

(۵) جیسے ابو جہل، عتبہ، شیبہ وغیرہ۔ بات ثابت ہوئے کا مطلب، اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے کہ ”میں جنم کو جنوں اور انسانوں سے بھردوں گا۔“ (الم السجدہ: ۱۳) شیطان سے بھی خطاب کرتے ہوئے اللہ نے فرمایا تھا ”میں جنم کو تجھ سے اور تیرے پیروکاروں سے بھردوں گا۔“ (ص: ۸۳) یعنی ان لوگوں نے شیطان کے پیچھے لگ کر اپنے آپ کو جنم کا مستحق قرار دے لیا، کیونکہ اللہ نے تو ان کو اختیار و حریت ارادہ سے نوازا تھا، لیکن انہوں نے اس کا استعمال غلط کیا اور یوں جنم کا بندہ بن گئے۔ یہ نہیں کہ اللہ نے جبراً ان کو ایمان سے محروم رکھا کیونکہ جبر کی صورت میں تو وہ عذاب کے مستحق ہی قرار نہ پاتے۔

إِنَّا جَعَلْنَا فِي آغْصَانِهِمْ أَغْلَافًا مِّمَّى إِلَى الْأَذْقَانِ
فَهُمْ مُقْمَحُونَ ⑩

وَجَعَلْنَا مِنْ بَيْنِ أَيْدِيهِمْ سَدًّا وَمِنْ خَلْفِهِمْ سَدًّا
فَأَعْيَيْنَهُمْ فَهُمْ لَا يَبْصُرُونَ ⑪

وَسَوَاءٌ عَلَيْهِمْ ءَأَنذَرْتَهُمْ أَمْ لَمْ تُنذِرْهُمْ لَا يُؤْمِنُونَ ⑫

إِنَّمَا تُنذِرُ مَنِ اتَّبَعَ الذِّكْرَ وَخَوَّى الرَّحْمَنَ يَا عِيسَى
قَبِّسْ لَهُ بِمَعْرِفَةٍ وَأَجْزَلْ كَرِيمٌ ⑬

إِنَّا نَحْنُ نُحْيِي الْمَوْتَىٰ وَنَكْتُبُ مَا قَدَّمُوا وَآثَارَهُمْ

ہم نے انکی گردنوں میں طوق ڈال دیئے ہیں پھر وہ ٹھوڑیوں
تک ہیں، جس سے انکے سراپر کوالٹ گئے ہیں۔ (۸)
اور ہم نے ایک آثران کے سامنے کردی اور ایک آثران
کے پیچھے کردی، (۹) جس سے ہم نے ان کو ڈھانک دیا (۳) سو
وہ نہیں دیکھ سکتے۔ (۹)

اور آپ ان کو ڈرائیں یا نہ ڈرائیں دونوں برابر ہیں، یہ
ایمان نہیں لائیں گے۔ (۱۰) (۱۰)

بس آپ تو صرف ایسے شخص کو ڈرا سکتے ہیں (۵) جو
نصیحت پر چلے اور رحمن سے بے دیکھے ڈرے، سو آپ
اس کو مغفرت اور باوقار اجر کی خوش خبریاں سنا دیجئے۔ (۱۱)
بیشک ہم مردوں کو زندہ کریں گے، (۱۲) اور ہم لکھتے جاتے
ہیں وہ اعمال بھی جن کو لوگ آگے بھیجتے ہیں (۴) اور ان

(۱) جس کی وجہ سے وہ ادھر ادھر دیکھ سکتے ہیں، نہ سر جھکا سکتے ہیں، بلکہ وہ سراپر اٹھائے اور نگاہیں نیچی کیے ہوئے ہیں۔ یہ ان
کے عدم قبول حق کی اور عدم انفاق کی تمثیل ہے۔ یہ بھی ممکن ہے کہ یہ ان کی سزائے جنم کی کیفیت کا بیان ہو۔ (السر التفسیر)
(۲) یعنی دنیا کی زندگی ان کے لیے مزین کر دی گئی، یہ گویا ان کے سامنے کی آڑ ہے، جس کی وجہ سے وہ لہذا دنیا کے
علاوہ کچھ نہیں دیکھتے اور یہی چیز ان کے درمیان مانع اور حجاب ہے اور آخرت کا تصور ان کے ذہنوں میں
ناممکن الوقوع کر دیا گیا، یہ گویا ان کے پیچھے کی آڑ ہے جس کی وجہ سے وہ توبہ کرتے ہیں نہ نصیحت حاصل کرتے ہیں،
کیونکہ آخرت کا کوئی خوف ہی ان کے دلوں میں نہیں ہے۔

(۳) یا ان کی آنکھوں کو ڈھانک دیا یعنی رسول ﷺ سے عداوت اور اس کی دعوت حق سے نفرت نے ان کی آنکھوں
پر پٹی باندھ دی یا انہیں اندھا کر دیا ہے جس سے وہ دیکھ نہیں سکتے۔ یہ ان کے حال کی دوسری تمثیل ہے۔
(۴) یعنی جو اپنے کرتوتوں کی وجہ سے گمراہی کے اس مقام پر پہنچ جائیں، ان کے لیے انذار بے فائدہ رہتا ہے۔
(۵) یعنی انذار سے صرف اس کو فائدہ پہنچتا ہے۔

(۶) یعنی قیامت والے دن۔ یہاں احیائے موتی کے ذکر سے یہ اشارہ کرنا بھی مقصود ہے کہ اللہ تعالیٰ کافروں میں سے جس کا
دل چاہتا ہے، زندہ کر دیتا ہے جو کفر و ضلالت کی وجہ سے مردہ ہو چکے ہوتے ہیں۔ پس وہ ہدایت اور ایمان کو اپنا لیتے ہیں۔
(۷) مَا قَدَّمُوا سے وہ اعمال مراد ہیں جو انسان خود اپنی زندگی میں کرتا ہے اور آثَارُہُمْ سے وہ اعمال جن کے عملی نمونے (۱) اچھے

إِذْ أَرْسَلْنَا إِلَيْهِمُ اثْنَيْنِ فَكَذَّبُوهُمَا فَعَزَّزْنَا بِثَالِثٍ

(۲) تاکہ اہل مکہ یہ سمجھ لیں کہ آپ کوئی انوکھے رسول نہیں ہیں، بلکہ رسالت و نبوت کا یہ سلسلہ قدیم سے چلا آ رہا ہے۔

فَقَالُوا إِنَّا إِلَهُكُمْ مُرْسَلُونَ ﴿۱۷﴾

قَالُوا مَا أَنْتُمْ إِلَّا بَشَرٌ مِثْلُنَا ۖ وَمَا أَنْزَلَ الرَّحْمَنُ

مِنْ شَيْءٍ ۚ إِنْ أَنْتُمْ إِلَّا كَذِبُونَ ﴿۱۸﴾

قَالُوا رَبُّنَا يَعْلَمُ إِنَّا إِلَهُكُمْ لَمُرسَلُونَ ﴿۱۹﴾

وَمَا عَلَيْكَ إِلَّا الْبَلَاغُ الْمُبِينُ ﴿۲۰﴾

قَالُوا إِنَّا نَطْغُرُ نَأْيَكُمْ لَيْسَ كَمْ تَنْتَهُوا لَرَجَبِكُمْ

وَلَيْسَتْكُمْ مِمَّا عَذَابَ الْآلِئِمْ ﴿۲۱﴾

قَالُوا طَائِفُكُمْ مَعَكُمْ أَهِنْ ذُكُوتُمْ بَيْنَ أَنْتُمْ

قَوْمٌ مُسْرِفُونَ ﴿۲۲﴾

وَجَاءَ مِنْ أَقْصَا الْمَدِينَةِ رَجُلٌ يَسْعَىٰ قَالَ يَاقَوْمِ

اتَّبِعُوا الرِّسَالِينَ ﴿۲۳﴾

اتَّبِعُوا مَنْ لَا يَسْئَلُكُمْ أَجْرًا وَهُمْ مُهْتَدُونَ ﴿۲۴﴾

نے کہا کہ ہم تمہارے پاس بھیجے گئے ہیں۔ (۱۳)

ان لوگوں نے کہا کہ تم تو ہماری طرح معمولی آدمی ہو اور

رحمن نے کوئی چیز نازل نہیں کی۔ تم نہ راجھوت بولتے ہو۔ (۱۵)

ان (رسولوں) نے کہا ہمارا پروردگار جانتا ہے کہ بیشک ہم

تمہارے پاس بھیجے گئے ہیں۔ (۱۶)

اور ہمارے ذمہ تو صرف واضح طور پر پہنچا دینا ہے۔ (۱۷)

انہوں نے کہا کہ ہم تو تم کو منحوس سمجھتے ہیں۔ (۱۸) اگر تم

باز نہ آئے تو ہم تمہارے تمام کام تمام کر دیں گے

اور تم کو ہماری طرف سے سخت تکلیف پہنچے گی۔ (۱۸)

ان رسولوں نے کہا کہ تمہاری نحوست تمہارے ساتھ ہی

لگی ہوئی (۳) ہے، کیا اس کو نحوست سمجھتے ہو کہ تم کو نصیحت

کی جائے بلکہ تم حد سے نکل جانے والے لوگ ہو۔ (۱۹)

اور ایک شخص (اس) شہر کے آخری حصے سے دوڑتا ہوا آیا

کنے لگا کہ اے میری قوم! ان رسولوں کی راہ پر چلو (۲۰)

ایسے لوگوں کی راہ پر چلو جو تم سے کوئی معاوضہ نہیں

مانگتے اور وہ راہ راست پر ہیں۔ (۲۱)

(۱) یہ تین رسول کون تھے؟ مفسرین نے ان کے مختلف نام بیان کیے ہیں، لیکن نام مستند ذریعے سے ثابت نہیں ہیں۔

بعض مفسرین کا خیال ہے کہ یہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے فرستادہ تھے، جو انہوں نے اللہ کے حکم سے ایک بستی میں

تبلیغ و دعوت کے لیے بھیجے تھے۔ بستی کا نام انطاکیہ تھا۔

(۲) ممکن ہے کچھ لوگ ایمان لے آئے ہوں اور ان کی وجہ سے قوم دو گروہوں میں بٹ گئی ہو، جس کو انہوں نے رسولوں کی

نَعُوذُ بِاللّٰهِ نحوست قرار دیا۔ یا بارش کا سلسلہ موقوف رہا ہو، تو وہ سمجھے ہوں کہ یہ ان رسولوں کی نحوست ہے۔ نَعُوذُ بِاللّٰهِ

مِنْ ذَلِكَ، جیسے آج کل بھی بد نما اور دین و شریعت سے بے بہرہ لوگ، اہل ایمان و تقویٰ کو یہی ”منحوس“ سمجھتے ہیں۔

(۳) یعنی وہ تو تمہارے اپنے اعمال بد کا نتیجہ ہے جو تمہارے ساتھ ہی ہے نہ کہ ہمارے ساتھ۔

(۴) یہ شخص مسلمان تھا، جب اسے پتہ چلا کہ قوم پیغمبروں کی دعوت کو نہیں اپناتی ہے، تو اس نے اگر رسولوں کی

حمایت اور ان کے اتباع کی ترغیب دی۔

اور مجھے کیا ہو گیا ہے کہ میں اس کی عبادت نہ کروں جس نے مجھے پیدا کیا اور تم سب اسی کی طرف لوٹائے جاؤ گے۔^(۱) (۲۲)

کیا میں اسے چھوڑ کر ایسوں کو معبود بناؤں کہ اگر (اللہ) رحمن مجھے کوئی نقصان پہنچانا چاہے تو ان کی سفارش مجھے کچھ بھی نفع نہ پہنچا سکے اور نہ وہ مجھے بچا سکیں۔^(۲) (۲۳)
پھر تو میں یقیناً کھلی گمراہی میں ہوں۔^(۳) (۲۴)
میری سنو! میں تو (سچے دل سے) تم سب کے رب پر ایمان لا چکا۔^(۴) (۲۵)

(اس سے) کہا گیا کہ جنت میں چلا جا، کتنے لگا کاش! میری قوم کو بھی علم ہو جاتا۔ (۲۶)
کہ مجھے میرے رب نے بخش دیا اور مجھے باعزت لوگوں

وَمَا لِي لَا أَعْبُدُ الَّذِي فَطَرَنِي وَإِلَيْهِ تُرْجَعُونَ ﴿۲۲﴾

أَتَأْتِيَ إِذَا تِلْكَ تِلْكَ الْغَنَىٰ إِنَّ يَوْمَ الْفَتْخَانِ عَلَيَّ شَفَاعَتُهُمْ شَيْئًا وَلَا يَنْفَعُونِي ﴿۲۳﴾

إِنِّي إِذْ أَتَيْتُ ضَلِيلٌ مُّبِينٌ ﴿۲۴﴾

إِنِّي آمَنْتُ بِرَبِّكُمْ فَاسْمِعُونِي ﴿۲۵﴾

فَقِيلَ ادْخُلِ الْجَنَّةَ قَالَ لَئِن لَّبِيتُ فَوَئِي يَظُنُّونَ ﴿۲۶﴾

بِمَا عَفَىٰ رَبِّي وَجَعَلَنِي مِنَ الْمُكْرِمِينَ ﴿۲۷﴾

(۱) اپنے مسلک توحید کی وضاحت کی، جس سے مقصد اپنی قوم کی خیر خواہی اور ان کی صحیح رہنمائی ہے۔ یہ بھی ممکن ہے کہ اس کی قوم نے اس سے کہا ہو کہ کیا تو بھی اس معبود کی عبادت کرتا ہے، جس کی طرف یہ مرسلین ہمیں بلا رہے ہیں اور ہمارے معبودوں کو تو بھی چھوڑ بیٹھا ہے؟ جس کے جواب میں اس نے یہ کہا۔ مفسرین نے اس شخص کا نام حبیب نجار بتلایا ہے، واللہ اعلم۔

(۲) یہ ان معبودان باطلہ کی بے بسی کی وضاحت ہے جن کی عبادت اس کی قوم کرتی تھی اور شرک کی اس گمراہی سے نکلنے کے لیے رسول ان کی طرف بھیجے گئے تھے۔ نہ بچا سکیں کا مطلب ہے کہ اللہ اگر مجھے کوئی نقصان پہنچانا چاہے تو یہ بچا نہیں سکتے۔

(۳) یعنی اگر میں بھی تمہاری طرح، اللہ کو چھوڑ کر ایسے بے اختیار اور بے بس معبودوں کی عبادت شروع کر دوں، تو میں بھی کھلی گمراہی میں جا کروں گا۔ یا ضلال، یہاں خیران کے معنی میں ہے، یعنی یہ تو نہایت واضح خسارے کا سودا ہے۔

(۴) اس کی دعوت توحید اور اقرار توحید کے جواب میں قوم نے اسے قتل کرنا چاہا تو اس نے پیغمبروں سے خطاب کر کے یہ کہا، مقصد اپنے ایمان پر ان پیغمبروں کو گواہ بنانا تھا۔ یا اپنی قوم سے خطاب کر کے کہا جس سے مقصود دین حق پر اپنی صلابت اور استقامت کا اظہار تھا کہ تم جو چاہو کرو، لیکن اچھی طرح سن لو کہ میرا ایمان اسی رب پر ہے، جو تمہارا بھی رب ہے۔ کہتے ہیں کہ انہوں نے اس کو مار ڈالا اور کسی نے ان کو اس سے نہیں روکا۔ رَحِمَهُ اللَّهُ تَعَالٰی

میں سے کر دیا۔^(۱) (۲۷)

اس کے بعد ہم نے اس کی قوم پر آسمان سے کوئی لشکر نہ اتارا،^(۲) اور نہ اس طرح ہم اتارا کرتے ہیں۔^(۳) (۲۸)
وہ تو صرف ایک زور کی چیخ تھی کہ یکایک وہ سب کے سب بجھ بجھ گئے۔^(۴) (۲۹)

(ایسے) بندوں پر افسوس! کبھی بھی کوئی رسول ان کے پاس نہیں آیا جس کی ہنسی انہوں نے نہ اڑائی ہو۔ (۳۰)
کیا انہوں نے نہیں دیکھا کہ ان کے پہلے بہت سی قوموں کو ہم نے غارت کر دیا کہ وہ ان کی^(۵) طرف لوٹ کر نہیں آئیں گے۔ (۳۱)

اور نہیں ہے کوئی جماعت مگر یہ کہ وہ جمع ہو کر ہمارے

وَمَا أَرْسَلْنَا عَلَى قَوْمِهِ مِنْ بَعْدِهِ مِنْ جُنْدٍ مِّنَ السَّمَاءِ
وَمَا لَكُم مِّنْ آلِهَةٍ ۝

إِنْ كَانَتْ إِلَّا صِغَرَةٌ وَأَجْدَدُ فَأَذَاهُمُ خِمْدُونَ ۝

يَعْتَرِذُ عَلَى الْعِبَادِ مَا يَأْتِيهِمْ مِّنْ رَسُولٍ إِلَّا كَانُوا بِهِ
يَسْتَكْبِرُونَ ۝

أَلَمْ يَرَوْا كَمَا أَهْلَكْنَا قَبْلَهُم مِّنَ الْقُرُونِ أَنَّهُمْ إِلَيْهِمْ
لَا يَرْجِعُونَ ۝

وَأَنْ كُلًّا جَاءَ جَمِيعٌ لِّدِينِنَا فَهَضَمَرُونَ ۝

(۱) یعنی جس ایمان اور توحید کی وجہ سے مجھے رب نے بخش دیا، کاش میری قوم اس بات کو جان لے تاکہ وہ بھی ایمان و توحید کو اپنا کر اللہ کی مغفرت اور اس کی نعمتوں کی مستحق ہو جائے۔ اس طرح اس شخص نے مرنے کے بعد بھی اپنی قوم کی خیر خواہی کی۔ ایک مومن صادق کو ایسا ہی ہونا چاہیے کہ وہ ہر وقت لوگوں کی خیر خواہی ہی کرے، بد خواہی نہ کرے۔ ان کی صحیح رہنمائی کرے، گمراہ نہ کرے، بیشک لوگ اسے جو چاہے کہیں اور جس قسم کا سلوک چاہیں کریں، حتیٰ کہ اسے مار ڈالیں۔

(۲) یعنی حبیب نجار کے قتل کے بعد ہم نے ان کی ہلاکت کے لیے آسمان سے فرشتوں کا کوئی لشکر نہیں اتارا۔ یہ اس قوم کی تحقیر شان کی طرف اشارہ ہے۔

(۳) یعنی جس قوم کی ہلاکت کسی دوسرے طریقے سے لکھی جاتی ہے تو وہاں ہم فرشتے نازل بھی نہیں کرتے۔

(۴) کہتے ہیں کہ جبرائیل علیہ السلام نے ایک چیخ ماری، جس سے سب کے جسموں سے روحمیں نکل گئیں اور وہ بجھی آگ کی طرح ہو گئے۔ گویا زندگی، شعلہ فروزاں ہے اور موت، اس کا بجھ کر رکھ کا ڈھیر ہو جانا۔

(۵) حسرت و ندامت کا یہ اظہار خود اپنے نفسوں پر، قیامت والے دن، عذاب دیکھنے کے بعد کریں گے کہ کاش انہوں نے اللہ کے بارے میں کوتاہی نہ کی ہوتی یا اللہ تعالیٰ بندوں کے رویے پر افسوس کر رہا ہے کہ ان کے پاس جب بھی کوئی رسول آیا انہوں نے اس کے ساتھ استنزا ہی کیا۔

(۶) اس میں اہل مکہ کے لیے تنبیہ ہے کہ تمہذیب رسالت کی وجہ سے جس طرح کچھلی قومیں تباہ ہوئیں یہ بھی تباہ ہو سکتے ہیں۔

سامنے حاضری جائے گی۔^(۱) (۳۲)

اور ان کے لیے ایک نشانی^(۲) (خشک) زمین ہے جس کو ہم نے زندہ کر دیا اور اس سے غلہ نکالا جس میں سے وہ کھاتے ہیں۔ (۳۳)

اور ہم نے اس میں کھجوروں کے اور انگور کے باغات پیدا کر دیئے،^(۳) اور جن میں ہم نے چشمے بھی جاری کر دیئے ہیں۔ (۳۴)

تاکہ (لوگ) اس کے پھل کھائیں،^(۴) اور اس کو ان کے ہاتھوں نے نہیں بنایا۔^(۵) پھر کیوں شکر گزاری نہیں کرتے۔ (۳۵)

وہ پاک ذات ہے جس نے ہر چیز کے جوڑے پیدا کیے

وَأَيُّهَا لَكُمْ الْأَرْضُ الْمَيْتَةُ أَحْيَيْنَاهَا وَأَخْرَجْنَا مِنْهَا حَبًّا
فَيَنْهَ يَأْكُلُونَ ﴿٣٢﴾

وَجَعَلْنَا فِيهَا جَنَّاتٍ مِنْ نَحِيلٍ وَأَعْنَابٍ وَفَجْرْنَا فِيهَا هَاوِينَ
الْعُيُونِ ﴿٣٣﴾

لِيَأْكُلُوا مِنْ ثَمَرِهِ وَمَا عَمِلَتْهُ أَيْدِيهِمْ أَفَلَا يَشْكُرُونَ ﴿٣٤﴾

مُبْصِنُ الَّذِي خَلَقَ الْأَزْوَاجَ كُلَّهَا مِمَّا تُخْفِتُ الْأَرْضُ وَمِنْ

(۱) اس میں اِن نافیہ ہے اور لَمَّا 'اِلَّا کے معنی میں۔ مطلب یہ ہے کہ تمام لوگ گزشتہ بھی اور آئندہ آنے والے بھی سب اللہ کی بارگاہ میں حاضر ہوں گے جہاں ان کا حساب کتاب ہو گا۔

(۲) یعنی اللہ تعالیٰ کے وجود اس کی قدرت تامہ اور مردوں کو دوبارہ زندہ کرنے پر نشانی۔

(۳) یعنی مردہ زمین کو زندہ کر کے ہم اس سے ان کی خوراک کے لیے صرف غلہ ہی نہیں اگاتے بلکہ ان کے کام و دہن کی لذت کے لیے انواع و اقسام کے پھل بھی کثرت سے پیدا کرتے ہیں، یہاں صرف دو پھلوں کا ذکر اس لیے کیا ہے کہ یہ کثیر المنافع بھی ہیں اور عربوں کو مرغوب بھی، نیز ان کی پیداوار بھی عرب میں زیادہ ہے۔ پھر غلے کا ذکر پہلے کیا کیونکہ اس کی پیداوار بھی زیادہ ہے اور خوراک کی حیثیت سے اس کی اہمیت بھی مسلمہ۔ جب تک انسان روٹی یا چاول وغیرہ خوراک سے اپنا پیٹ نہیں بھرتا، محض پھل فروٹ سے اس کی غذائی ضرورت پوری نہیں ہوتی۔

(۴) یعنی بعض جگہ چشمے بھی جاری کرتے ہیں، جس کے پانی سے پیدا ہونے والے پھل لوگ کھائیں۔

(۵) امام ابن جریر کے نزدیک یہاں مانافیہ ہے یعنی غلوں اور پھلوں کی یہ پیداوار، اللہ تعالیٰ کی خاص رحمت ہے جو وہ اپنے بندوں پر کرتا ہے۔ اس میں ان کی سعی و محنت، کد و کاوش اور تصرف کا دخل نہیں ہے۔ پھر بھی یہ اللہ کی ان نعمتوں پر اس کا شکر کیوں نہیں کرتے؟ اور بعض کے نزدیک "ما موصولہ ہے جو اَلَّذِي کے معنی میں ہے یعنی تاکہ وہ اس کا پھل کھائیں اور ان چیزوں کو جن کو ان کے ہاتھوں نے بنایا۔ ہاتھوں کا عمل ہے، زمین کو ہموار کر کے بیج بونا، اسی طرح پھلوں کے کھانے کے مختلف طریقے ہیں، مثلاً انہیں نچوڑ کر ان کا رس پینا، مختلف فروٹوں کو ملا کر چاٹ بنانا، وغیرہ۔

أَنفُسِهِمْ وَمَا لَا يَحِلُّونَ ۝۳۶

خواہ وہ زمین کی اگلی ہوئی چیزیں ہوں، خواہ خود ان کے نفوس ہوں خواہ وہ (چیزیں) ہوں جنہیں یہ جانتے بھی نہیں۔^(۱) (۳۶)

وَالَّذِينَ هُمْ يُؤْتُونَكَ مِنْهُ لَنَأْكُلَنَّهُمْ ذُلًّا مِّنْهُمْ مَّنْظُورًا ۝۳۷

اور ان کے لیے ایک نشانی رات ہے جس سے ہم دن کو کھینچ دیتے ہیں تو وہ یکایک اندھیرے میں رہ جاتے ہیں۔^(۲) (۳۷)

وَالَّذِينَ هُمْ يُؤْتُونَكَ مِنْهُ لَنَأْكُلَنَّهُمْ ذُلًّا مِّنْهُمْ مَّنْظُورًا ۝۳۸

اور سورج کے لیے جو مقررہ راہ ہے وہ اسی پر چلتا رہتا ہے۔^(۳) یہ ہے مقرر کردہ غالب، با علم اللہ تعالیٰ کا۔ (۳۸)

وَالَّذِينَ هُمْ يُؤْتُونَكَ مِنْهُ لَنَأْكُلَنَّهُمْ ذُلًّا مِّنْهُمْ مَّنْظُورًا ۝۳۹

اور چاند کی ہم نے منزلیں مقرر کر رکھی ہیں،^(۴) یہاں تک

(۱) یعنی انسانوں کی طرح زمین کی ہر پیداوار میں بھی ہم نے نر اور مادہ دونوں پیدا کیے ہیں۔ علاوہ ازیں آسمانوں میں اور زمین کی گہرائیوں میں بھی جو چیزیں تم سے غائب ہیں، جن کا علم تم نہیں رکھتے، ان میں بھی زوجیت (نر اور مادہ) کا یہ نظام ہم نے رکھا ہے۔ پس تمام مخلوق جوڑا جوڑا ہے، نباتات میں بھی نر اور مادے کا یہی نظام ہے۔ حتیٰ کہ آخرت کی زندگی، دنیا کی زندگی کے لیے بمنزلہ زوج ہے اور یہ حیات آخرت کے لیے ایک عقلی دلیل بھی ہے۔ صرف ایک اللہ کی ذات ہے جو مخلوق کی اس صفت سے اور دیگر تمام کو تائیدوں سے پاک ہے۔ وہ وتر (فرد) ہے، زوج نہیں۔

(۲) یعنی اللہ کی قدرت کی ایک دلیل یہ بھی ہے کہ وہ دن کو رات سے الگ کر دیتا ہے، جس سے فوراً اندھیرا چھا جاتا ہے۔ سحیح کے معنی ہوتے ہیں جانور کی کھال کا اس کے جسم سے علیحدہ کرنا، جس سے اس کا گوشت ظاہر ہو جاتا ہے۔ اسی طرح اللہ دن کو رات سے الگ کر دیتا ہے۔ اظلم کے معنی ہیں، اندھیرے میں داخل ہونا۔ جیسے اصبَح اور اَمْسَی اور اَظْهَرَ کے معنی ہیں، صبح، شام اور ظہر کے وقت میں داخل ہونا۔

(۳) یعنی اپنے اس مدار (فلک) پر چلتا رہتا ہے، جو اللہ نے اس کے لیے مقرر کر دیا ہے، اسی سے اپنی سیر کا آغاز کرتا ہے اور وہیں پر ختم کرتا ہے۔ علاوہ ازیں اس سے ذرا ادھر ادھر نہیں ہوتا، کہ کسی دوسرے سیارے سے ٹکرا جائے۔ دوسرے معنی ہیں ”اپنے ٹھہرنے کی جگہ تک“ اور اس کا یہ مقام قرار عرش کے نیچے ہے، جیسا کہ حدیث میں ہے جو صفحہ ۹۱۶ پر گزر چکا ہے کہ سورج روزانہ غروب کے بعد عرش کے نیچے جا کر سجدہ کرتا ہے اور پھر وہاں سے طلوع ہونے کی اجازت طلب کرتا ہے (صحیح بخاری، تفسیر سورہ یٰسین) دونوں مفہوم کے اعتبار سے لِمُسْتَقَرٍّ میں لام، علت کے لیے ہے۔ اُنّی: لِأَجْلِ مُسْتَقَرٍّ لَهَا بعض کہتے ہیں کہ لام، الٰہی کے معنی میں ہے، پھر مستقر یوم قیامت ہو گا۔ یعنی سورج کا یہ چلنا قیامت کے دن تک ہے، قیامت والے دن اس کی حرکت ختم ہو جائے گی۔ یہ تینوں مفہوم اپنی اپنی جگہ صحیح ہیں۔ (۴) چاند کی ۲۸ منزلیں ہیں، روزانہ ایک منزل طے کرتا ہے، پھر دو راتیں غائب رہ کر تیسری رات کو نکل آتا ہے۔

کہ وہ لوٹ کر پرانی ٹہنی کی طرح ہو جاتا ہے۔^(۱) (۳۹)
 نہ آفتاب کی یہ مجال ہے کہ چاند کو پکڑے^(۲) اور نہ
 رات دن پر آگے بڑھ جانے والی ہے،^(۳) اور سب کے
 سب آسمان میں تیرتے پھرتے ہیں۔^(۴) (۴۰)
 اور ان کے لیے ایک نشانی (یہ بھی) ہے کہ ہم نے ان کی
 نسل کو بھری ہوئی کشتی میں سوار کیا۔^(۵) (۴۱)
 اور ان کے لیے اسی جیسی اور چیزیں پیدا کیں جن پر یہ
 سوار ہوتے ہیں۔^(۶) (۴۲)
 اور اگر ہم چاہتے تو انہیں ڈبو دیتے۔ پھر نہ تو کوئی ان کا

لَا الشَّمْسُ يَنْبَغِي لَهَا أَنْ تُدْرِكَ الْقَمَرَ وَلَا اللَّيْلُ سَابِقُ النَّهَارِ
 وَكُلٌّ فِي فَلَكٍ يَسْبَحُونَ ﴿۳۹﴾

وَأَنَّا لَهُمْ آكَامِلَتَا ذُرِّيَّتِهِمْ فِي الْفَلَكَ الْمَسْحُورِ ﴿۴۰﴾

وَخَلَقْنَا لَهُمْ مِن مِّثْلِهِ مَا يَرْكَبُونَ ﴿۴۱﴾

وَإِنْ نَشَاءُ نُغَيِّرْهُمْ فَلاَ عَصَٰةَ لَهُمْ وَلَهُمْ يَسْعَدُونَ ﴿۴۲﴾

(۱) یعنی جب آخری منزل پر پہنچتا ہے تو بالکل باریک اور چھوٹا ہو جاتا ہے جیسے کھجور کی پرانی ٹہنی ہو، جو سوکھ کر ٹیڑھی ہو جاتی ہے۔ چاند کی انہی گردشوں سے مکان ارض اپنے دنوں، مہینوں اور سالوں کا حساب اور اپنے اوقات عبادات کا تعین کرتے ہیں۔

(۲) یعنی سورج کے لیے یہ ممکن نہیں ہے کہ وہ چاند کو جا پکڑے جس سے اس کی روشنی ختم ہو جائے بلکہ دونوں کا اپنا اپنا راستہ اور الگ الگ حد ہے۔ سورج دن ہی کو اور چاند رات ہی کو طلوع ہوتا ہے اس کے برعکس کبھی نہیں ہوا، جو ایک مدبر کائنات کے وجود پر ایک بہت بڑی دلیل ہے۔

(۳) بلکہ یہ بھی ایک نظام میں بندھے ہوئے ہیں اور ایک دوسرے کے بعد آتے ہیں۔

(۴) کُلُّ سے سورج، چاند یا اس کے ساتھ دوسرے کو اکب مراد ہیں، سب اپنے اپنے مدار پر گھومتے ہیں، ان کا باہمی ٹکراؤ نہیں ہوتا۔

(۵) اس میں اللہ تعالیٰ اپنے اس احسان کا تذکرہ فرما رہا ہے کہ اس نے ہمارے لیے سمندر میں کشتیوں کا چلنا آسان فرما دیا، حتیٰ کہ تم اپنے ساتھ بھری ہوئی کشتیوں میں اپنے بچوں کو بھی لے جاتے ہو۔ دوسرے معنی یہ کیے گئے ہیں کہ ذُرِّيَّةٌ سے مقصود آباء ذریت ہیں۔ اور کشتی سے مراد کشتی نوح علیہ السلام ہے۔ یعنی سفینہ نوح علیہ السلام میں ان لوگوں کو بٹھایا جس سے بعد میں نسل انسانی چلی۔ گویا نسل انسانی کے آبا اس میں سوار تھے۔

(۶) اس سے مراد ایسی سواریاں ہیں جو کشتی کی طرح انسانوں اور سامان تجارت کو ایک جگہ سے دوسری جگہ لے جاتی ہیں، اس میں قیامت تک پیدا ہونے والی چیزیں آگئیں۔ جیسے ہوائی جہاز، بحری جہاز، ریلیں، بسیں، کاریں اور دیگر نقل و حمل کی اشیا۔

إِلَّا رَحْمَةً مِنَّا وَمَتَاعًا إِلَىٰ حِينٍ ﴿۳۳﴾

وَإِذَا قِيلَ لَهُمُ اتَّقُوا مَا بَيْنَ أَيْدِيكُمْ وَمَا خَلْفَكُمْ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُونَ ﴿۳۴﴾

وَمَا تَأْتِيهِمْ مِنْ آيَةٍ مِنْ آيَاتِ رَبِّهِمْ إِلَّا كَانُوا عَنْهَا مُعْرِضِينَ ﴿۳۵﴾

وَإِذَا قِيلَ لَهُمُ اتَّقُوا عِبَادَ اللَّهِ قَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا الَّذِينَ يَأْمُرُونَ أَتُطِيعُونَ أَوْ يُطِيعُونَ أَمْ لَا الْفِتْنَةُ أَكْبَرُ مِنَ الْقِتَالِ ﴿۳۶﴾

وَيَقُولُونَ مَتَىٰ هَذَا الْوَعْدُ إِن كُنْتُمْ صَادِقِينَ ﴿۳۷﴾

مَا يَنْظُرُونَ إِلَّا صَيْحَةً وَاحِدَةً تَأْخُذُهُمْ وَهُمْ يَخِصِّمُونَ ﴿۳۸﴾

فریاد رس ہو تانہ وہ بچائے جائیں۔ (۳۳)

لیکن ہم اپنی طرف سے رحمت کرتے ہیں اور ایک مدت

تک کے لیے انہیں فائدے دے رہے ہیں۔ (۳۴)

اور ان سے جب (کبھی) کہا جاتا ہے کہ اگلے پچھلے

(گناہوں) سے بچو تاکہ تم پر رحم کیا جائے۔ (۳۵)

اور ان کے پاس تو ان کے رب کی نشانیوں میں سے

کوئی نشانی ایسی نہیں آتی جس سے یہ بے رخی نہ

برتتے ہوں۔ (۳۶)

اور ان سے جب کہا جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے دیئے ہوئے

میں سے کچھ خرچ کرو،^(۳) تو یہ کفار ایمان والوں کو جواب

دیتے ہیں کہ ہم انہیں کیوں کھلائیں؟ جنہیں اگر اللہ تعالیٰ

چاہتا تو خود کھلا پلا دیتا،^(۳) تم تو ہو ہی کھلی گمراہی میں۔ (۳۷)

وہ کہتے ہیں کہ یہ وعدہ کب ہو گا، سچے ہو تو بتاؤ۔ (۳۸)

انہیں صرف ایک سخت چیخ کا انتظار ہے جو انہیں آپکڑے

گی اور یہ باہم لڑائی جھگڑے میں ہی ہوں گے۔ (۳۹)

(۱) یعنی توحید اور صداقت رسول کی جو نشانی بھی ان کے سامنے آتی ہے، اس میں یہ غور ہی نہیں کرتے کہ جس سے ان کو فائدہ ہو، ہر نشانی سے اعراض ان کا شیوہ ہے۔

(۲) یعنی غریا و مساکین اور ضرورت مندوں کو دو۔

(۳) یعنی اللہ چاہتا تو ان کو غریب ہی نہ کرتا، ہم ان کو دے کر اللہ کی مشیت کے خلاف کیوں کریں۔

(۴) یعنی یہ کہہ کر کہ، غریبا کی مدد کرو، کھلی غلطی کا مظاہرہ کر رہے ہو۔ یہ بات تو ان کی صحیح تھی کہ غربت و ناداری اللہ کی

مشیت ہی سے تھی، لیکن اس کو اللہ کے حکم سے اعراض کا جواز بنا لینا غلط تھا، آخر ان کی امداد کرنے کا حکم دینے والا بھی تو

اللہ ہی تھا، اس لیے اس کی رضا تو اسی میں ہے کہ غریبا و مساکین کی امداد کی جائے۔ اس لیے کہ مشیت اور چیز ہے اور رضا اور چیز۔ مشیت کا تعلق امور تکوینی سے ہے جس کے تحت جو کچھ بھی ہوتا ہے، اس کی حکمت و مصلحت اللہ کے سوا کوئی

نہیں جانتا، اور رضا کا تعلق امور تشریعی سے ہے، جن کو بجالانے کا ہمیں حکم دیا گیا ہے تاکہ ہمیں اس کی رضا حاصل ہو۔

(۵) یعنی لوگ بازاروں میں خرید و فروخت اور حسب عادت بحث و تکرار میں مصروف ہوں گے کہ اچانک صور پھونک

اس وقت نہ تو یہ وصیت کر سکیں گے اور نہ اپنے اہل کی طرف لوٹ سکیں گے۔ (۵۰)

تو تصور کر پھونکے جاتے ہی سب^(۱) کے سب اپنی قبروں سے اپنے پروردگار کی طرف (تیز تیز) چلنے لگیں گے۔ (۵۱)
کہیں گے ہائے ہائے! ہمیں ہماری خواب گاہوں سے کس نے اٹھا دیا۔^(۲) یہی ہے جس کا وعدہ رحمن نے دیا تھا اور رسولوں نے سچ سچ کہہ دیا تھا۔ (۵۲)

یہ نہیں ہے مگر ایک چیخ کہ یکایک سارے کے سارے ہمارے سامنے حاضر کر دیئے جائیں گے۔ (۵۳)
پس آج کسی شخص پر کچھ بھی ظلم نہ کیا جائے گا اور تمہیں نہیں بدلہ دیا جائے گا، مگر صرف ان ہی کاموں کا جو تم کیا کرتے تھے۔ (۵۴)

جنتی لوگ آج کے دن اپنے (دلچسپ) مشغلوں میں ہشاش بشاش ہیں۔^(۳) (۵۵)

وہ اور ان کی بیویاں سایوں میں مسہریوں پر تکیہ لگائے بیٹھے ہوں گے۔ (۵۶)

ان کے لیے جنت میں ہر قسم کے میوے ہوں گے اور بھی جو کچھ وہ طلب کریں۔ (۵۷)

فَلَا يَسْتَطِيعُونَ تَوْصِيَةً وَلَا إِلَىٰ أَهْلِهِمْ يَرْجِعُونَ ﴿٥٠﴾

وَيُفْعَرُ فِي الصُّورِ فَإِذَا هُمْ مِنَ الْأَجْدَاثِ إِلَىٰ أَنْفُسِهِمْ يَرْجِعُونَ ﴿٥١﴾

قَالُوا يَوَيْلَنَا مَنْ بَعَثَنَا مِنْ مَرْقَدِنَا هَذَا مَا وَعَدَ الرَّحْمَنُ وَصَدَقَ الْمُرْسَلُونَ ﴿٥٢﴾

إِنْ كَانَتْ إِلَّا صَيْحَةً وَاحِدَةً فَإِذَا هُمْ جَمِيعٌ لَدَيْنَا مُحْضَرُونَ ﴿٥٣﴾

قَالُوا لِمَ لَمْ نُنْظَمْ أَنْفُسُ شَيْئًا وَلَا نُخَيَّرُونَ إِلَّا مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ ﴿٥٤﴾

إِنَّ أَصْحَابَ الْجَنَّةِ الْيَوْمِ فِي شُغُلٍ فَاكِهُونَ ﴿٥٥﴾

هُمْ وَأَزْوَاجُهُمْ فِي ظِلِّ عَلَى الْأَرْشَادِ مُتَبَكِّوْنَ ﴿٥٦﴾

لَهُمْ فِيهَا مَا يَشَاءُونَ لَهَمَّ مَا بُدِئُوا بِهِمْ وَمَا يَدْرُسُونَ ﴿٥٧﴾

دیا جائے گا اور قیامت برپا ہو جائے گی یہ نفخہ اولیٰ ہو گا جسے نفخہ فرع بھی کہتے ہیں کہا جاتا ہے کہ اس کے بعد دو سرا نفخہ ہو گا۔ نَفْخَةُ الصَّعَقِ جس سے اللہ تعالیٰ کے سوا سب موت کی آغوش میں چلے جائیں گے۔

(۱) پہلے قول کی بنا پر یہ نفخہ ثانیہ اور دوسرے قول کی بنا پر یہ نفخہ ثانیہ ہو گا جسے نَفْخَةُ الْبُعْثِ وَالنُّشُورِ کہتے ہیں اس سے لوگ قبروں سے زندہ ہو کر اٹھ کھڑے ہوں گے۔ (ابن کثیر)

(۲) قبر کو خواب گاہ سے تعبیر کرنے کا مطلب یہ نہیں ہے کہ قبر میں ان کو عذاب نہیں ہو گا، بلکہ بعد میں جو ہو لاناک مناظر اور عذاب کی شدت دیکھیں گے اس کے مقابلے میں انہیں قبر کی زندگی ایک خواب ہی محسوس ہو گی۔

(۳) فَاكِهِونَ کے معنی ہیں فَرِحُونَ خوش، مسرت بکنار۔

مہمان پروردگار کی طرف سے انہیں ”سلام“ کہا جائے گا۔^(۱) (۵۸)

اے گناہ گارو! آج تم الگ ہو جاؤ۔^(۲) (۵۹)
اے اولاد آدم! کیا میں نے تم سے قول قرار نہیں لیا تھا کہ تم شیطان کی عبادت نہ کرنا،^(۳) وہ تو تمہارا کھلا دشمن ہے۔^(۴) (۶۰)

اور میری ہی عبادت کرنا۔^(۵) سیدھی راہ یہی ہے۔^(۶) (۶۱)
شیطان نے تو تم میں سے بہت ساری مخلوق کو بہکا دیا۔ کیا تم عقل نہیں رکھتے۔^(۷) (۶۲)

سَلَامٌ قَوْلًا مِّن رَّبِّكَ يُعِيبُ ۝

وَأَمَّا ذُو الْقَوْلِ إِنَّا اللَّهُ مُبْدِيُون ۝

أَلَمْ نَعْهَدْ إِلَيْكُمْ بَنِي آدَمَ أَنْ لَا تَعْبُدُوا الشَّيْطَانَ إِنَّهُ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِينٌ ۝

وَإِنْ اعْبُدُونِي هَذَا صِرَاطٌ مُسْتَقِيمٌ ۝

وَلَقَدْ أَضَلَّ مِنْكُمْ جِبِلًّا كَثِيرًا أَفَلَمْ تَكُونُوا تَعْقِلُونَ ۝

(۱) اللہ کا یہ سلام، فرشتے اہل جنت کو پہنچائیں گے۔ بعض کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ خود سلام سے نوازے گا۔

(۲) یعنی اہل ایمان سے الگ ہو کر کھڑے ہو۔ یعنی میدان محشر میں اہل ایمان و اطاعت اور اہل کفر و معصیت الگ الگ کر دیئے جائیں گے۔ جیسے دوسرے مقام پر فرمایا ﴿وَيَوْمَ نَقُومُ السَّاعَةَ يُؤْمِنُ يَتَزَكُّونَ﴾ (الرہوم: ۱۳) ﴿يَوْمَئِذٍ يَتَذَكَّرُونَ﴾ (الرہوم: ۳۳) آئی: یَصْبِرُونَ صِدْعَيْنِ فِرْقَتَيْنِ ”اس دن لوگ دو گروہوں میں بٹ جائیں گے۔“ دوسرا مطلب ہے کہ مجرمین ہی کو مختلف گروہوں میں الگ الگ کر دیا جائے گا۔ مثلاً یہودیوں کا گروہ، عیسائیوں کا گروہ، صابین اور مجوسیوں کا گروہ، زانیوں کا، شرابیوں کا گروہ وغیرہ وغیرہ۔

(۳) اس سے مراد عداوت ہے جو حضرت آدم علیہ السلام کی پشت سے نکلنے کے وقت لیا گیا تھا یا وہ وصیت ہے جو پیغمبروں کی زبان لوگوں کو کی جاتی رہی۔ اور بعض کے نزدیک وہ دلائل عقلیہ ہیں جو آسمان و زمین میں اللہ نے قائم کیے ہیں۔ (فتح القدیر)

(۴) یہ اس کی علت ہے کہ تمہیں شیطان کی عبادت اور اس کے وسوسے قبول کرنے سے اس لیے روک لیا گیا تھا کہ وہ تمہارا کھلا دشمن ہے اور اس نے تمہیں ہر طرح گمراہ کرنے کی قسم کھا رکھی ہے۔

(۵) یعنی یہ بھی عہد لیا تھا کہ تمہیں صرف میری ہی عبادت کرنی ہے، میری عبادت میں کسی کو شریک نہیں کرنا۔

(۶) یعنی صرف ایک اللہ کی عبادت کرنا، یہی وہ سیدھا راستہ ہے، جس کی طرف تمام انبیاء لوگوں کو بلا رہے اور یہی منزل مقصود یعنی جنت تک پہنچانے والا ہے۔

(۷) یعنی اتنی عقل بھی تمہارے اندر نہیں کہ شیطان تمہارا دشمن ہے، اس کی اطاعت نہیں کرنی چاہیے۔ اور میں تمہارا رب ہوں، میں ہی تمہیں روزی دیتا ہوں اور میں ہی تمہاری رات دن حفاظت کرتا ہوں لہذا تمہیں میری نافرمانی نہیں کرنی

هٰذِهِ جَهَنَّمُ الَّتِي كُنْتُمْ تُوعَدُونَ ﴿٦٣﴾

اَصْلَوْهَا الْيَوْمَ بِمَا كُنْتُمْ تَكْفُرُونَ ﴿٦٤﴾

الْيَوْمَ نَخْتِمُ عَلَىٰٓ اَفْوَاهِهِمْ وَنُخَلِّمُنَا اَيْدِيَهُمْ وَنَنفَعُهُمْ اَرْجُلَهُمْ

بِمَا كَانُوا يَكْسِبُونَ ﴿٦٥﴾

وَلَوْ نَشَاءُ لَطَمَسْنَا عَلَىٰٓ اَعْيُنِهِمْ فَاسْتَبَقُوا الصِّرَاطَ فَلاَ يَبْصُرُونَ ﴿٦٦﴾

وَلَوْ نَشَاءُ لَمَسَخْنَاهُمْ عَلَىٰ مَكَانَتِهِمْ فَمَا اسْتَطَاعُوا مُضِيًّا

وَاٰتِيًّا وَلاَ يَرْجِعُونَ ﴿٦٧﴾

وَمَنْ نُعِذْهُ نُؤْتِهِ فِي الْخَلْقِ اَفْلاَ يَعْلَمُونَ ﴿٦٨﴾

یہی وہ دوزخ ہے جس کا تمہیں وعدہ دیا جاتا تھا۔ (۶۳)

اپنے کفر کا بدلہ پانے کے لیے آج اس میں داخل ہو

جاؤ۔^(۱) (۶۴)

ہم آج کے دن ان کے منہ پر مہر لگا دیں گے اور ان

کے ہاتھ ہم سے باتیں کریں گے اور ان کے پاؤں

گواہی دیں گے، ان کاموں کی جو وہ کرتے^(۲)

تھے۔ (۶۵)

اگر ہم چاہتے تو ان کی آنکھیں بے نور کر دیتے پھر یہ

رستے کی طرف دوڑتے پھرتے لیکن انہیں کیسے دکھائی

دیتا؟^(۳) (۶۶)

اور اگر ہم چاہتے تو ان کی جگہ ہی پر ان کی صورتیں مسخ

کر دیتے پھر نہ وہ چل پھر سکتے اور نہ لوٹ سکتے۔^(۴) (۶۷)

اور جسے ہم بوڑھا کرتے ہیں اسے پیدا کنی حالت کی طرف

چاہیے۔ تم شیطان کی عداوت کو اور میرے حق عبادت کو نہ سمجھ کر نہایت بے عقلی اور نادانی کا مظاہرہ کر رہے ہو۔

(۱) یعنی اب اس بے عقلی کا نتیجہ بھگتو اور اپنے کفر کے سبب سے جہنم کی سختیوں کا مزہ چکھو۔

(۲) یہ مر لگانے کی ضرورت اس لیے پیش آئی کہ ابتداءً مشرکین قیامت والے دن بھی جھوٹ بولیں گے اور کہیں

گے ﴿وَاللّٰهُ رَیِّنًا لِّمَا كُنَّا مُشْرِكِیْنَ﴾ (الأنعام-۲۳) ”اللہ کی قسم“ جو ہمارا رب ہے، ہم مشرک نہیں تھے۔“ چنانچہ اللہ تعالیٰ

ان کے مومنوں پر مر لگا دے گا، جس سے وہ خود تو بولنے کی طاقت سے محروم ہو جائیں گے، البتہ اللہ تعالیٰ اعضائے

انسانی کو قوت گویائی عطا فرما دے گا، ہاتھ بولیں گے کہ ہم سے اس نے فلاں فلاں کام کیا تھا اور پاؤں اس پر گواہی دیں

گے۔ یوں گویا اقرار اور شہادت، دونوں مرحلے طے ہو جائیں گے۔ علاوہ ازیں ناطق کے مقابلے میں غیر ناطق چیزوں کا

بول کر گواہی دینا، حجت و استدلال میں زیادہ بلیغ ہے کہ اس میں ایک اعجازی شان پائی جاتی ہے۔ (فتح القدیر) اس مضمون کو

احادیث میں بھی بیان کیا گیا ہے۔ (ملاحظہ ہو صحیح مسلم، کتاب الزہد)

(۳) یعنی بینائی سے محرومی کے بعد انہیں راستہ کس طرح دکھائی دیتا؟ لیکن یہ تو ہمارا حلم و کرم ہے کہ ہم نے ایسا نہیں کیا۔

(۴) یعنی نہ آگے جاسکتے، نہ پیچھے لوٹ سکتے، بلکہ پتھر کی طرح ایک جگہ پڑے رہتے۔ مسخ کے معنی پیدائش میں تبدیلی کے

ہیں، یعنی انسان سے پتھر یا جانور کی شکل میں تبدیل کر دینا۔

پھر الٹ دیتے^(۱) ہیں کیا پھر بھی وہ نہیں سمجھتے۔^(۲) (۶۸)
 نہ تو ہم نے اس پیغمبر کو شعر سکھائے اور نہ یہ اس کے لائق
 ہے۔ وہ تو صرف نصیحت اور واضح قرآن ہے۔^(۳) (۶۹)

وَمَا عَلَّمْنَاهُ الشِّعْرَ وَمَا يَنْبَغِي لَهُ إِنْ هُوَ إِلَّا ذِكْرٌ وَقُرْآنٌ مُبِينٌ ﴿٦٨﴾

(۱) یعنی جس کو ہم لمبی عمر دیتے ہیں، اس کی پیدائش کو بدل کر برعکس حالت میں کر دیتے ہیں۔ یعنی جب وہ بچہ ہوتا ہے تو اس کی نشوونما جاری رہتی ہے اور اس کی عقلی اور بدنی قوتوں میں اضافہ ہوتا رہتا ہے حتیٰ کہ وہ جوانی اور کولت کو پہنچ جاتا ہے۔ اس کے بعد اس کے برعکس اس کے قوائے عقلیہ و بدنیہ میں ضعف و انحطاط کا عمل شروع ہو جاتا ہے، حتیٰ کہ وہ ایک بچے کی طرح ہو جاتا ہے۔

(۲) کہ جو اللہ اس طرح کر سکتا ہے، کیا وہ دوبارہ انسانوں کو زندہ کرنے پر قادر نہیں؟

(۳) مشرکین مکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی تکذیب کے لیے مختلف قسم کی باتیں کہتے رہتے تھے، ان میں ایک بات یہ بھی تھی کہ آپ شاعر ہیں اور یہ قرآن پاک آپ کی شاعرانہ تک بندی ہی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس کی نفی فرمائی۔ کہ آپ شاعر ہیں اور نہ قرآن شعری کلام کا مجموعہ ہے بلکہ یہ تو صرف نصیحت اور موعظت ہے۔ شاعری میں بالعموم مبالغہ، افراط و تفریط اور محض تخیلات کی ندرت کاری ہوتی ہے، یوں گویا اس کی بنیاد جھوٹ پر ہوتی ہے۔ علاوہ ازیں شاعر محض گفتار کے غازی ہوتے ہیں، کردار کے نہیں۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ہم نے نہ صرف یہ کہ اپنے پیغمبر کو شعر نہیں سکھلائے، نہ اشعار کی اس پروہی کی، بلکہ اس کے مزاج و طبیعت کو ایسا بنایا کہ شعر سے اس کو کوئی مناسبت ہی نہیں ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آپ ﷺ کبھی کسی کا شعر پڑھتے تو اکثر صحیح نہ پڑھ پاتے اور اس کا وزن ٹوٹ جاتا۔ جس کی مثالیں احادیث میں موجود ہیں۔ یہ احتیاط اس لیے کی گئی کہ مکررین پر اتمام حجت اور ان کے شبہات کا خاتمہ کر دیا جائے۔ اور وہ یہ نہ کہہ سکیں کہ یہ قرآن اس کی شاعرانہ تک بندی کا نتیجہ ہے، جس طرح آپ کی امیت بھی قطع شبہات کے لیے تھی تاکہ لوگ قرآن کی بابت یہ نہ کہہ سکیں کہ یہ تو اس نے فلاں سے سیکھ پڑھ کر اس کو مرتب کر لیا ہے۔ البتہ بعض مواقع پر آپ کی زبان مبارک سے ایسے الفاظ کا نکل جانا، جو دو مصرعوں کی طرح ہوتے اور شعری اوزان و بحر کے بھی مطابق ہوتے، آپ کے شاعر ہونے کی دلیل نہیں بن سکتے۔ کیونکہ ایسا آپ کے قصد و ارادہ کے بغیر ہوا اور ان کا شعری قالب میں ڈھل جانا ایک اتفاق تھا، جس طرح حنین والے دن آپ کی زبان پر بے اختیار یہ رجز جاری ہو گیا

أَنَا النَّبِيُّ لَا كَذِبَ - أَنَا ابْنُ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ .

ایک اور موقع پر آپ ﷺ کی انگلی زخمی ہو گئی تو آپ ﷺ نے فرمایا

هَلْ أَنْتَ إِلَّا إِضْبَعٌ دَمِيَّتْ

وَفِي سَبِيلِ اللَّهِ مَا لَقِيتِ

(صحیح بخاری و مسلم، کتاب الجہاد)

لِيُنْذِرَ مَنْ كَانَ حَيًّا وَيَجْعَلِ الْقَوْلَ عَلَى الْكَافِرِينَ ﴿٥٠﴾

اَوَلَمْ يَرَوْا اَنَّا خَلَقْنَا لَهُمْ مَا مِثْلَهُمْ فَجَاعَلْتُمُ آيِدِيَنَا اَعْنَاءَهُمْ فَهُمْ لَهَا مَلَائِكُونَ ﴿٥١﴾

وَذَلَّلْنَاهَا لَهُمْ فَمِنْهُمْ رَاكُودٌهُمْ وَمِنْهُمْ شَاكِرٌ ﴿٥٢﴾

وَلَهُمْ فِيهَا مَنَاقِبُ وَمَشَارِبٌ اَقْلَامٌ يَشْكُرُونَ ﴿٥٣﴾

وَالْعِزُّ وَالْاَمْنُ دُونَ اللّٰهِ اِلٰهَهُمْ لَعَالَهُمْ يَتَصَرَّوْنَ ﴿٥٤﴾

تاکہ وہ ہر اس شخص کو آگاہ کر دے جو زندہ ہے،^(۱) اور کافروں پر حجت ثابت ہو جائے۔^(۲) (۷۰)

کیا وہ نہیں دیکھتے کہ ہم نے اپنے ہاتھوں بنائی^(۳) ہوئی چیزوں میں سے ان کے لیے چوپائے^(۴) (بھی) پیدا کر دیئے، جن کے یہ مالک ہو گئے ہیں۔^(۵) (۷۱)

اور ان مویشیوں کو ہم نے ان کا تابع فرمان بنادیا ہے^(۶) جن میں سے بعض تو ان کی سواریاں ہیں اور بعض کا گوشت کھاتے ہیں۔ (۷۲)

انہیں ان سے اور بھی بہت سے فائدے ہیں،^(۷) اور پینے کی چیزیں۔ کیا پھر (بھی) یہ شکر ادا نہیں کریں گے؟ (۷۳)

اور وہ اللہ کے سوا دوسروں کو معبود بناتے ہیں تاکہ وہ مدد کئے جائیں۔^(۸) (۷۴)

(۱) یعنی جس کا دل صحیح ہے، حق کو قبول کرتا اور باطل سے انکار کرتا ہے۔

(۲) یعنی جو کفر پر مصر ہو، اس پر عذاب والی بات ثابت ہو جائے۔ لِيُنْذِرَ میں ضمیر کا مرجع قرآن ہے۔

(۳) اس سے غیروں کی شرکت کی نفی ہے، انکو ہم نے اپنے ہاتھوں سے بنایا ہے، کسی اور کا انکے بنانے میں حصہ نہیں ہے۔

(۴) اَنْعَام، نَعَم کی جمع ہے۔ اس سے مراد چوپائے یعنی اونٹ، گائے، بکری (اور بھیڑ، دنبہ) ہیں۔

(۵) یعنی جس طرح چاہتے ہیں ان میں تصرف کرتے ہیں، اگر ہم ان کے اندر وحشی پن رکھ دیتے (جیسا کہ بعض جانوروں میں ہے) تو یہ چوپائے ان سے دور بھاگتے اور وہ ان کی ملکیت اور قبضے میں ہی نہ آسکتے۔

(۶) یعنی ان جانوروں سے وہ جس طرح کا بھی فائدہ اٹھانا چاہتے ہیں، وہ انکار نہیں کرتے، حتیٰ کہ وہ انہیں ذبح بھی کر دیتے ہیں اور چھوٹے بچے بھی انہیں کھینچے پھرتے ہیں۔

(۷) یعنی سواری اور کھانے کے علاوہ بھی ان سے بہت سے فوائد حاصل کیے جاتے ہیں مثلاً ان کی اون اور بالوں سے کئی چیزیں بنتی ہیں، ان کی چربی سے تیل حاصل ہوتا ہے اور یہ بار برداری اور کھیتی باڑی کے بھی کام آتے ہیں۔

(۸) یہ ان کے کفرانِ نعت کا اظہار ہے کہ مذکورہ نعمتیں، جن سے یہ فائدہ اٹھاتے ہیں، سب اللہ کی پیدا کردہ ہیں۔ لیکن یہ بجائے اس کے کہ یہ اللہ کی ان نعمتوں پر اس کا شکر ادا کریں یعنی ان کی عبادت و اطاعت کریں، یہ غیروں سے امیدیں وابستہ کرتے اور انہیں معبود بناتے ہیں۔

لَا يَسْتَعِينُونَ تَعْمُرُهُمْ وَهُمْ لَهْمُ جُنْدٍ مُّخَضَّرُونَ ⑤

فَلَا يَخُذُكَ قَوْلُهُمْ اِنَّا نَعْلَمُ رَايَهُمْ وَيَا بَعْلَانُونَ ⑥

اَوَلَمْ يَرِ الْاِنْسَانُ اَنَّا خَلَقْنَاهُ مِنْ نُّطْفَةٍ وَاِذَا هُوَ حَصِيۡمٌ مُّبِينٌ ⑦

وَقَرَبَ لَنَا مَثَلًا وَّكَيْ خَلَقْنَاهُ قَالَتْ مَنْ يُّعِى الْعِظَامُ وَهِيَ رَوِيۡعٌ ⑧

مَنْ يُعْبِدُ الْاِلٰهَ اِنَّمَا هُوَ اَوَّلُ مَرَّةٍ وَهُوَ خَلْقٌ عَلِيمٌ ⑨

اِلَّا الَّذِي جَعَلَ لَكُم مِّنَ الشَّجَرِ الْاَخْضَرِ نَارًا اِذَا كَانَتْ تُورِيۡنُهُ

تُورِيۡنُونَ ⑩

اَوَلَيْسَ الَّذِي خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِقَدِيۡرٍ عَلٰۤى اَنْ يَّخْلُقَ

(حالانکہ) ان میں انکی مدد کی طاقت ہی نہیں، (لیکن) پھر بھی (مشرکین) ان کے لیے حاضریاں لشکر ہیں۔ (۷۵)

پس آپ کو ان کی بات غمناک نہ کرے، ہم ان کی پوشیدہ اور علانیہ سب باتوں کو (بخوبی) جانتے ہیں۔ (۷۶)
کیا انسان کو اتنا بھی معلوم نہیں کہ ہم نے اسے نطفے سے پیدا کیا ہے؟ پھر یکایک وہ صریح جھگڑا لو بن بیٹھا۔ (۷۷)

اور اس نے ہمارے لیے مثال بیان کی اور اپنی (اصل) پیدائش کو بھول گیا، کہنے لگا ان گلی سڑی ہڈیوں کو کون زندہ کر سکتا ہے؟ (۷۸)

آپ جواب دیجئے! کہ انہیں وہ زندہ کرے گا جس نے انہیں اول مرتبہ پیدا کیا ہے، (۲) جو سب طرح کی پیدائش کا بخوبی جاننے والا ہے۔ (۷۹)

وہی جس نے تمہارے لیے سبز درخت سے آگ پیدا کر دی جس سے تم یکایک آگ سلگاتے ہو۔ (۸۰) (۳)

جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا ہے کیا وہ ان

(۱) جُنْد سے مراد بتوں کے حمایتی اور ان کی طرف سے مدافعت کرنے والے، مُخَضَّرُونَ دنیا میں ان کے پاس حاضر ہونے والے۔ مطلب یہ ہے کہ یہ جن بتوں کو معبود سمجھتے ہیں، وہ ان کی مدد کیا کریں گے؟ وہ تو خود اپنی مدد کرنے سے بھی قاصر ہیں۔ انہیں کوئی برا کہے، ان کی مذمت کرے، تو یہی ان کی حمایت و مدافعت میں سرگرم ہوتے ہیں، نہ کہ خود ان کے وہ معبود۔

(۲) یعنی جو اللہ تعالیٰ انسان کو ایک حقیر نطفے سے پیدا کرتا ہے، وہ دوبارہ اس کو زندہ کرنے پر قادر نہیں ہے؟ اس کی قدرت احیائے موتی کا ایک واقعہ حدیث میں بیان کیا گیا ہے کہ ایک شخص نے مرتے وقت وصیت کی کہ مرنے کے بعد اسے جلا کر اس کی آدھی راکھ سمندر میں اور آدھی راکھ تیز ہوا والے دن خشکی میں اڑا دی جائے۔ اللہ تعالیٰ نے ساری راکھ جمع کر کے اسے زندہ فرمایا اور اس سے پوچھا تو نے ایسا کیوں کیا؟ اس نے کہا، تیرے خوف سے۔ چنانچہ اللہ نے اسے معاف فرمادیا۔ (صحیح بخاری، الأنسباء، والرفاق، باب الخوف من اللہ)

(۳) کہتے ہیں عرب میں دودرخت ہیں مرغ اور عفار۔ ان کی دو لکڑیاں آپس میں رگڑی جائیں تو آگ پیدا ہوتی ہے، سبز درخت سے آگ پیدا کرنے کے حوالے سے اسی طرف اشارہ مقصود ہے۔

وَمَا لِي ۲۳ وَهُوَ الْخَلْقُ الْعَلِيمُ ①

إِنَّمَا سَمِعْتُمْ لَوْلَا أَرَادَ سَمِعْتُمْ أَن يَقُولَ لَهُ كُنْ فَيَكُونُ ②

فَسُبْحَانَ الَّذِي بِيَدِهِ مَلَكُوتُ كُلِّ شَيْءٍ وَإِلَيْهِ تُرْجَعُونَ ③



بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ ④

وَالصَّفَاتِ صَفَا ⑤

فَالرَّحْمَتِ رَحِيمًا ⑥

فَالْغَلِيظِ ذِكْرًا ⑦

إِنَّ الْمَلَكُ لَوَاحِدٌ ⑧

جیسوں^(۱) کے پیدا کرنے پر قادر نہیں، بے شک قادر ہے۔ اور وہی تو پیدا کرنے والا دانا (بینا) ہے۔ (۸۱)

وہ جب کبھی کسی چیز کا ارادہ کرتا ہے اسے اتنا فرمادینا (کافی ہے) کہ ہو جا، وہ اسی وقت ہو جاتی ہے۔ (۸۲)^(۲)

پس پاک ہے وہ اللہ جس کے ہاتھ میں ہر چیز کی بادشاہت ہے اور جس کی طرف تم سب لوٹائے جاؤ گے۔ (۸۳)^(۳)

سورہ صافات کی ہے اور اس میں ایک سو بیاسی آیاتیں اور پانچ رکوع ہیں۔

شروع کرتا ہوں اللہ تعالیٰ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے۔

قسم ہے صف باندھنے والے (فرشتوں) کی۔ (۱)

پھر پوری طرح ڈانٹنے والوں کی۔ (۲)

پھر ذکر اللہ کی تلاوت کرنے والوں کی۔ (۳)

یقیناً تم سب کا معبود ایک ہی ہے۔ (۴)^(۵)

(۱) یعنی انسانوں جیسے۔ مطلب، انسانوں کا دوبارہ پیدا کرنا ہے جس طرح انہیں پہلی مرتبہ پیدا کیا۔ آسمان و زمین کی پیدائش سے انسانوں کو دوبارہ پیدا کرنے پر استدلال کیا ہے۔ جس طرح دوسرے مقام پر فرمایا ﴿لَخَلْقِ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ الْكَوْنِ خَلْقِ الْبَشَرِ﴾ (المؤمن-۵۷) ”آسمان و زمین کی پیدائش (لوگوں کے نزدیک) انسانوں کی پیدائش سے زیادہ مشکل کام ہے۔“ سورہ احقاف-۳۳ میں بھی یہ مضمون بیان کیا گیا ہے۔

(۲) یعنی اس کی شان تو یہ ہے، پھر اس کے لیے سب انسانوں کا زندہ کر دینا کون سا مشکل معاملہ ہے؟

(۳) ملک اور ملکوت دونوں کے ایک ہی معنی ہیں، بادشاہی، جیسے رَحْمَةُ اور رَحْمَتُ رَهْبَةٍ اور رَهْبَتُوت، جَبَرُوت اور جَبَرُوت وغیرہ ہیں۔ (ابن کثیر) بعض اس کو مبالغے کا صیغہ قرار دیتے ہیں۔ (فتح القدیر) یعنی مَلَكُوتُ مَلَكٌ کا مبالغہ ہے۔

(۴) یعنی یہ نہیں ہو گا کہ مٹی میں رل مل کر تمہارا وجود ہمیشہ کے لیے ختم ہو جائے، نہیں، بلکہ اسے دوبارہ وجود عطا کیا جائے گا۔ یہ بھی نہیں ہو گا کہ تم بھاگ کر کسی اور کے پاس پناہ طلب کر لو۔ تمہیں بہر حال اللہ ہی کی بارگاہ میں حاضر ہونا ہو گا، جہاں وہ مملوک کے مطابق اچھی یا بری جزا دے گا۔

(۵) صَفَاتٌ، رَاجِعَاتٌ، تَالِيَاتٌ فرشتوں کی صفات ہیں۔ آسمانوں پر اللہ کی عبادت کے لیے صف باندھنے والے، یا اللہ

آسمانوں اور زمین اور ان کے درمیان کی تمام چیزوں اور مشرقوں کا رب وہی ہے۔^(۱) (۵)

ہم نے آسمان دنیا کو ستاروں کی زینت سے آراستہ کیا۔ (۶)

اور حفاظت کی سرکش شیطان سے۔^(۲) (۷)

عالم بالا کے فرشتوں (کی باتوں) کو سننے کے لیے وہ کان بھی نہیں لگا سکتے، بلکہ ہر طرف سے وہ مارے جاتے ہیں۔ (۸)

بھگانے کے لیے اور ان کے لیے دائمی عذاب ہے۔ (۹)

مگر جو کوئی ایک آدھ بات اچک لے بھاگے تو (فوراً ہی)

اس کے پیچھے دھکتا ہوا شعلہ لگ جاتا ہے۔ (۱۰)

رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا رَبُّ الْمَسٰوٰی ۝

اِنَّا زَيَّنَّا السَّمَاءَ الدُّنْيَا بِزَيْنَةٍ لَّا تُلٰوْكَیْب ۝

وَحِفْظًا مِّنْ كُلِّ شَیْطٰنٍ تٰرِدٍ ۝

لَا یَسْمَعُوْنَ اِلٰی الْمَلٰٓئِکَہِ الْاَعْلٰی وَیَقَعُوْنَ مِنْ کُلِّ جَانِبٍ ۝

دُعُوْا اِلَیْہُمْ عَذَابٌ وَّٰلِیْبٌ ۝

اِلَّا مَنْ حَوٰطَ النُّطْفَةَ فَانْتَبَعْہُ وَہَا بَئِیْ نٰوَابِیْ ۝

کے حکم کے انتظار میں صف بستہ، وعظ و نصیحت کے ذریعے سے لوگوں کو ڈانٹنے والے یا بادلوں کو، جہاں اللہ کا حکم ہو، وہاں ہانک کر لے جانے والے۔ اللہ کے ذکریٰ قرآن کی تلاوت کرنے والے۔ ان فرشتوں کی قسم کھا کر اللہ تعالیٰ نے مضمون یہ بیان فرمایا کہ تمام انسانوں کا معبود ایک ہی ہے۔ متعدد نہیں، جیسا کہ مشرکین بنائے ہوئے ہیں۔ عرف عام میں قسم تاکید اور شک دور کرنے کے لیے کھائی جاتی ہے، اللہ تعالیٰ نے یہاں قسم اسی شک کو دور کرنے کے لیے کھائی ہے جو مشرکین اس کی وحدانیت والوہیت کے بارے میں پھیلاتے ہیں۔ علاوہ ازیں ہر چیز اللہ کی مخلوق اور مملوک ہے، اس لیے وہ جس چیز کو بھی گواہ بنا کر اس کی قسم کھائے، اس کے لیے جائز ہے۔ لیکن انسانوں کے لیے اللہ کے سوا کسی اور کی قسم کھانا بالکل ناجائز اور حرام ہے، کیونکہ قسم میں، جس کی قسم کھائی جاتی ہے، اسے گواہ بنانا مقصود ہوتا ہے۔ اور گواہ اللہ کے سوا کوئی نہیں بن سکتا، عالم الغیب صرف وہی ہے، اس کے سوا کوئی عالم الغیب نہیں۔

(۱) مطلب ہے مشارق و مغارب کا رب۔ جمع کا لفظ اس لیے استعمال کیا گیا ہے جیسا کہ، بعض کہتے ہیں کہ سال کے دنوں کی تعداد کے برابر مشرق و مغرب ہیں۔ سورج ہر روز ایک مشرق سے نکلتا اور ایک مغرب میں غروب ہوتا ہے اور سورہ رحمن میں مَشْرِیْقَیْنِ اور مَغْرِبَیْنِ، تنزیہ کے ساتھ ہیں یعنی دو مشرق اور دو مغرب۔ اس سے مراد وہ مشرقین اور مغربین ہیں جن سے سورج گرمی اور سردی میں طلوع و غروب ہوتا ہے یعنی ایک انتہائی آخری مشرق و مغرب اور دو سرا مختصراً قریب ترین مشرق و مغرب اور جہاں مشرق و مغرب کو مفرد ذکر کیا گیا ہے، اس سے مراد وہ جہت ہے جس سے سورج طلوع یا غروب ہوتا ہے (فتح القدیر)

(۲) یعنی آسمان دنیا پر، زینت کے علاوہ ستاروں کا دوسرا مقصد یہ ہے کہ سرکش شیاطین سے حفاظت ہو۔ چنانچہ شیطان آسمان پر کوئی بات سننے کے لیے جاتے ہیں تو ستارے ان پر ٹوٹ کر گر جاتے ہیں جس سے بالعموم شیطان جل جاتے ہیں۔ جیسا کہ اگلی

فَلْيَسْتَعِزُّهُمْ أَهْمُ أَسَدُ خَلْقًا أَمْ مَنْ خَلَقَنَا إِنَّا خَلَقْنَاهُمْ مِنْ
طِينٍ لَّازِبٍ ①

بَلْ عَجِبْتَ وَيَسْخَرُونَ ②

وَلَا تُدْرِكُوا الْآيَةَ كُذِّبَتْ ③

وَلَا تُرَاوِىةً يَسْتَخَرُونَ ④

وَكَاذِبِينَ هَذَا لَا يَصْرُفُكُمْ ⑤

مَلَأْنَا مِصْرًا وَلَمَّا نَزَلْنَا وَعَلَّمْنَا كِتَابَ الْعُرْوَةِ ⑥

أَوَابًا وَقَالُوا كَذِبُونَ ⑦

فَلْيَعْمُرُوا الْأَرْضَ دَحْرُونَ ⑧

ان کافروں سے پوچھو تو کہ آیا ان کا پیدا کرنا زیادہ دشوار ہے یا (ان کا) جنمیں ہم نے (ان کے علاوہ) پیدا کیا؟ (۱) ہم نے (انسانوں) کو لیس دار مٹی سے پیدا کیا ہے؟ (۲) (۳) بلکہ تو تعجب کر رہا ہے اور یہ مسخر اپن کر رہے ہیں۔ (۱۲) اور جب انہیں نصیحت کی جاتی ہے یہ نہیں مانتے۔ (۱۳) اور جب کسی معجزے کو دیکھتے ہیں تو مذاق اڑاتے ہیں۔ (۱۴)

اور کہتے ہیں کہ یہ تو بالکل کھلم کھلا جادو ہی ہے۔ (۱۵) کیا جب ہم مرجائیں گے اور خاک اور ہڈی ہو جائیں گے پھر کیا (بچ چکے) ہم اٹھائے جائیں گے؟ (۱۶) کیا ہم سے پہلے کے ہمارے باپ دادا بھی؟ (۱۷) آپ جواب دیجئے! کہ ہاں ہاں اور تم ذلیل (بھی) ہوؤ گے۔ (۱۸) (۵)

آیات اور احادیث سے واضح ہے۔ ستاروں کا ایک تیسرا مقصد رات کی تاریکیوں میں رہنمائی بھی ہے۔ جیسا کہ قرآن میں دوسرے مقام پر بیان فرمایا گیا ہے۔ ان مقاصد سے گانہ کے علاوہ ستاروں کا اور کوئی مقصد بیان نہیں کیا گیا ہے۔

(۱) یعنی ہم نے جو زمین، ملائکہ اور آسمان جیسی چیزیں بنائی ہیں جو اپنے حجم اور وسعت کے لحاظ سے نہایت انوکھی ہیں۔ کیا ان لوگوں کی پیدائش اور دوبارہ ان کو زندہ کرنا، ان چیزوں کی تخلیق سے زیادہ سخت اور مشکل ہے؟ یقیناً نہیں۔

(۲) یعنی ان کے باپ آدم علیہ السلام کو تو ہم نے مٹی سے پیدا کیا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ یہ انسان آخرت کی زندگی کو اتنا مستعد کیوں سمجھتے ہیں دراصل حالیکہ ان کی پیدائش ایک نہایت ہی حقیر اور کمزور چیز سے ہوئی ہے۔ جب کہ خلقت میں ان سے زیادہ قوی، عظیم اور کامل و اتم چیزوں کی پیدائش کا ان کو انکار نہیں۔ (فتح القدیر)

(۳) یعنی آپ کو تو منکرین آخرت کے انکار پر تعجب ہو رہا ہے کہ اس کے امکان بلکہ وجوب کے اتنے واضح دلائل کے باوجود وہ اسے مان کر نہیں دے رہے اور وہ آپ کے دعوائے قیامت کا مذاق اڑا رہے ہیں کہ یہ کیوں کر ممکن ہے؟

(۴) یعنی یہ ان کا شیوہ ہے کہ نصیحت قبول نہیں کرتے اور کوئی واضح دلیل یا معجزہ پیش کیا جائے تو استہزا کرتے اور انہیں جادو باور کراتے ہیں۔

(۵) جس طرح دوسرے مقام پر بھی فرمایا ﴿وَكُلُّ أُنثَىٰ ذَخِيرَةٍ﴾ (النمل۔ ۸۷) ”سب اس کی بارگاہ میں ذلیل ہو کر آئیں گے۔“ ﴿إِنَّ الَّذِينَ يَسْتَكْبِرُونَ عَنْ عِبَادَتِي سَيَدْخُلُونَ جَهَنَّمَ ذَخِيرِينَ﴾ — (المؤمن۔ ۶۰) ”جو لوگ میری عبادت سے

وَأَنفَاهِ زَجْرَةً وَلِجَنَّةٍ فَإِذَا هُمْ يَنْظُرُونَ ﴿۱۹﴾

وہ تو صرف ایک زور کی جھڑکی ہے ^(۱) کہ یکایک یہ دیکھنے لگیں گے۔ ^(۲) (۱۹)

اور کہیں گے کہ ہائے ہماری خرابی یہی جزا (سزا) کا دن ہے۔ (۲۰)

یہی فیصلہ کا دن ہے جسے تم جھٹلاتے رہے۔ ^(۳) (۲۱)
ظالموں کو ^(۴) اور ان کے ہمراہیوں کو ^(۵) اور (جن) جن کی وہ اللہ کے علاوہ پرستش کرتے تھے۔ ^(۶) (۲۲)

(ان سب کو) جمع کر کے انہیں دوزخ کی راہ دکھا دو۔ (۲۳)
اور انہیں ٹھہرا لو، ^(۷) (اس لیے) کہ ان سے (ضروری) سوال کیے جانے والے ہیں۔ (۲۴)

وَقَالُوا إِنَّا كُنَّا بَيْنَ يَدَيْهِ مُذَّبِحُونَ ﴿۲۰﴾

هَذَا يَوْمُ الْقَضَاءِ الَّذِي كُنْتُمْ بِهِ تُكَذِّبُونَ ﴿۲۱﴾
أَحْسِرُوا الَّذِينَ ظَلَمُوا وَأَزْوَاجَهُمْ وَمَا كَانُوا يَعْبُدُونَ ﴿۲۲﴾

مِنْ دُونِ اللَّهِ فَأَهْدُوهُمْ إِلَى صِرَاطِ الْجَنَّةِ ﴿۲۳﴾
وَقُضِّهِمْ أَهْلُ الْأَعْقَابِ ﴿۲۴﴾

انکار کرتے ہیں، عنقریب وہ جہنم میں ذلیل و خوار ہو کر داخل ہوں گے۔

(۱) یعنی وہ اللہ کے ایک ہی حکم اور اسرافیل علیہ السلام کی ایک ہی پھونک (نفخہ ثانیہ) سے قبروں سے زندہ ہو کر نکل کھڑے ہوں گے۔

(۲) یعنی ان کے سامنے قیامت کے ہولناک مناظر اور میدان محشر کی سختیاں ہوں گی جنہیں وہ دیکھیں گے۔ نفخہ یا چیخ کو زجرہ (ڈانٹ) سے تعبیر کیا، کیونکہ اس سے مقصود ڈانٹ ہی ہے۔

(۳) وَنِيلٌ کالْفُظْ ہلاکت کے موقع پر بولا جاتا ہے، یعنی معایض عذاب کے بعد انہیں اپنی ہلاکت صاف نظر آرہی ہوگی اور اس سے مقصود ندامت کا اظہار اور اپنی کوتاہیوں کا اعتراف ہے لیکن اس وقت ندامت اور اعتراف کا کوئی فائدہ نہیں ہوگا۔ اسی لیے ان کے جواب میں فرشتے اور اہل ایمان کہیں گے کہ یہ وہی فیصلے کا دن ہے جسے تم مانتے نہیں تھے۔ یہ بھی ممکن ہے کہ آپس میں ایک دوسرے کو کہیں گے۔

(۴) یعنی جنہوں نے کفر و شرک اور معاصی کا ارتکاب کیا۔ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے حکم ہوگا۔

(۵) اس سے مراد کفر و شرک اور تکذیب رسل کے ساتھی یا بعض کے نزدیک جنات و شیاطین ہیں۔ اور بعض کہتے ہیں کہ وہ بیویاں ہیں جو کفر و شرک میں ان کی ہمنوا تھیں۔

(۶) مَا، عام ہے، تمام معبودین کو چاہے، وہ مورتیاں ہوں یا اللہ کے نیک بندے، سب کو ان کی تذلیل کے لیے جمع کیا جائے گا۔ تاہم نیک لوگوں کو تو اللہ جہنم سے دور ہی رکھے گا، اور دوسرے معبودوں کو ان کے ساتھ ہی جہنم میں ڈال دیا جائے گا تاکہ وہ دیکھ لیں کہ یہ کسی کو نفع نقصان پہنچانے پر قادر نہیں ہیں۔

(۷) یہ حکم جہنم میں لے جانے سے قبل ہوگا، کیونکہ حساب کے بعد ہی وہ جہنم میں جائیں گے۔

تمہیں کیا ہو گیا ہے کہ (اس وقت) تم ایک دوسرے کی مدد نہیں کرتے۔ (۲۵)

بلکہ وہ (سب کے سب) آج فرمانبردار بن گئے۔ (۲۶)
وہ ایک دوسرے کی طرف متوجہ ہو کر سوال و جواب کرنے لگیں گے۔ (۲۷)

کہیں گے کہ تم تو ہمارے پاس ہماری دائیں طرف سے آتے تھے۔^(۱) (۲۸)

وہ جواب دیں گے کہ نہیں بلکہ تم ہی ایمان دار نہ تھے۔^(۲) (۲۹)

اور کچھ ہمارا زور تو تم پر تھا (ہی) نہیں۔ بلکہ تم (خود) سرکش لوگ تھے۔^(۳) (۳۰)

اب تو ہم (سب) پر ہمارے رب کی یہ بات ثابت ہو چکی کہ ہم (غذاب) پچھنے والے ہیں۔ (۳۱)
پس ہم نے تمہیں گمراہ کیا، تم خود بھی گمراہ ہی تھے۔^(۴) (۳۲)

مَا لَكُمْ لَا تَنصَرُونَ ﴿۲۵﴾

بَلْ هُمُ الْيَوْمَ مُسْتَعِينُونَ ﴿۲۶﴾

وَأَقْبَلَ بَعْضُهُمْ عَلَى بَعْضٍ يَتَسَاءَلُونَ ﴿۲۷﴾

قَالُوا لَكُمْ كُنْتُمْ تَدَّعَوْنََنَا إِلَىٰ عَذَابِ اللَّهِ نَاجِبُونَ ﴿۲۸﴾

قَالُوا بَلْ كُنْتُمْ مُدْعَوْنَ ﴿۲۹﴾

وَمَا كُنَّا لَكُمْ عَلَيْكُمْ مِنْ سُلْطَانٍ بَلْ كُنْتُمْ قَوْمًا ظَالِمِينَ ﴿۳۰﴾

فَحَقَّ عَلَيْنَا قَوْلُ رَبِّنَا إِنَّكَ لَفِي عَذَابٍ ﴿۳۱﴾

فَأَعْوَجْنَاكُمْ أَتَاكُمَا ظَالِمِينَ ﴿۳۲﴾

(۱) اس کا مطلب ہے کہ دین اور حق کے نام سے آتے تھے یعنی باور کراتے تھے کہ یہی اصل دین اور حق ہے۔ اور بعض کے نزدیک مطلب ہے، ہر طرف سے آتے تھے، وَالشَّمَالِ محذوف ہے۔ جس طرح شیطان نے کہا تھا ”میں ان کے آگے“ پیچھے سے، ان کے دائیں بائیں سے ہر طرف سے ان کے پاس آؤں گا اور انہیں گمراہ کروں گا (الأعراف-۱۷)

(۲) لیڈر کہیں گے کہ ایمان تم اپنی مرضی سے نہیں لائے اور آج ذمے دار ہمیں ٹھہرا رہے ہو؟

(۳) تابعین اور متبوعین کی یہ باہمی تکرار قرآن کریم میں کئی جگہ بیان کی گئی ہے۔ ان کی ایک دوسرے کو یہ ملامت عرصہ قیامت (میدان محشر) میں بھی ہوگی اور جہنم میں جانے کے بعد جہنم کے اندر بھی۔ ملاحظہ ہو۔ المؤمن-۷۷، ۷۸، ۷۹۔ سبا-۳۱، ۳۲۔ الأحزاب-۶۷، ۶۸۔ الأعراف-۳۸، ۳۹۔ وَغَيْرِهَا مِنَ الْآيَاتِ۔

(۴) یعنی جس بات کی پہلے، انہوں نے نفی کی، کہ ہمارا تم پر کون سا زور تھا کہ تمہیں گمراہ کرتے۔ اب اس کا یہاں اعتراف ہے کہ ہاں واقعی ہم نے تمہیں گمراہ کیا تھا۔ لیکن یہ اعتراف اس تنبیہ کے ساتھ کیا کہ ہمیں اس ضمن میں مورد طعن مت بناؤ، اس لیے کہ ہم خود بھی گمراہ ہی تھے، ہم نے تمہیں بھی اپنے جیسا ہی بنانا چاہا اور تم نے آسانی سے ہماری راہ اپنا لیا۔ جس طرح شیطان بھی اس روز کے گا۔ ﴿وَمَا كُنَّا لَكُمْ عَلَيْكُمْ مِنْ سُلْطَانٍ﴾ (الآن دَعَوْتُمْ فَاسْتَجَبْتُمْ لِي فَلَا تَلُمُونِي وَلَا تُلُومُوا أَنْفُسَكُمْ) (إبراهيم-۲۲)

يَا نَهْمُ يَوْمَ يَذِي الْعَذَابِ مُشْتَرِكُونَ ﴿۳۳﴾

سو اب آج کے دن تو (سب کے سب) عذاب میں شریک ہیں۔ (۳۳)

إِنَّا كَذَبْنَاكَ فَفَعَلْ بِالْمُجْرِمِينَ ﴿۳۴﴾

ہم گناہ گاروں کے ساتھ اسی طرح کیا کرتے ہیں۔ (۳۴)
یہ وہ (لوگ) ہیں کہ جب ان سے کہا جاتا ہے کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں تو یہ سرکشی کرتے تھے۔ (۳۵)

وَيَقُولُونَ إِنَّمَا نَزَّلْنَا الذِّكْرَ بِالْهِنْدِ وَإِنَّا نَظُنُّكَ كَاشِفَ الْعَذَابِ إِنَّا نَعْلَمُونَ ﴿۳۵﴾

اور کہتے تھے کہ کیا ہم اپنے معبودوں کو ایک دیوانے شاعر کی بات پر چھوڑ دیں؟ (۳۶)

بَلْ جَاءَ بِالْحَقِّ وَصَدَّقَ الْمُرْسَلِينَ ﴿۳۶﴾

(نہیں نہیں) بلکہ (نبی) تو حق (سچا دین) لائے ہیں اور سب رسولوں کو سچا جانتے ہیں۔ (۳۷)

إِنَّمَا كَذَّبُوهَا فَفَعَلْ بِالْعَذَابِ الْقَلِيمِ ﴿۳۷﴾

یقیناً تم دردناک عذاب (کا مزہ) چکھنے والے ہو۔ (۳۸)
تمہیں اسی کا بدلہ دیا جائے گا جو تم کرتے تھے۔ (۳۹)

وَمَا تَجْزُونَ إِلَّا مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ ﴿۳۸﴾

(۱) اس لیے کہ ان کا جرم بھی مشترک ہے، شرک، معصیت اور شروفساد ان سب کا وطیرہ تھا۔

(۲) یعنی ہر قسم کے گناہ گاروں کے ساتھ ہمارا یہی معاملہ ہے اور اب وہ سب ہمارا عذاب بھگتیں گے۔

(۳) یعنی دنیا میں، جب ان سے کہا جاتا تھا کہ جس طرح مسلمانوں نے یہ کلمہ پڑھ کر شرک و معصیت سے توبہ کر لی ہے، تم بھی یہ پڑھ لو، تاکہ تم دنیا میں بھی مسلمانوں کے قرو غضب سے بچ جاؤ اور آخرت میں بھی عذاب الہی سے تمہیں دوچار ہونا نہ پڑے، تو وہ تکبر کرتے اور انکار کرتے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے۔ أَمَرْتُ أَنْ أَقَاتِلَ النَّاسَ حَتَّى يَقُولُوا لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ، فَمَنْ قَالَ: لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ فَقَدْ عَصَمَ مَنِي مَالَهُ وَنَفْسَهُ، (متفق علیہ، مشکوٰۃ، کتاب الإیمان بحوالہ ابن کثیر) ”مجھے اس بات کا حکم دیا گیا ہے کہ میں اس وقت تک لوگوں سے قتال کروں جب تک وہ لا الہ الا اللہ کا اقرار نہ کر لیں۔ جس نے یہ اقرار کر لیا، اس نے اپنی جان اور مال کی حفاظت کر لی۔“

(۴) یعنی انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو شاعر اور مجنون کہا اور آپ کی دعوت کو جنون (دیوانگی) اور قرآن کو شعر سے تعبیر کیا اور کہا کہ ایک دیوانے کی دیوانگی پر ہم اپنے معبودوں کو کیوں چھوڑ دیں؟ حالانکہ یہ دیوانگی نہیں، فرزاگی تھی، شاعری نہیں، حقیقت تھی اور اس دعوت کے اپنانے میں ان کی ہلاکت نہیں، نجات تھی۔

(۵) یعنی تم ہمارے پیغمبر کو شاعر اور مجنون کہتے ہو، جب کہ واقعہ یہ ہے کہ وہ جو کچھ لایا اور پیش کر رہا ہے، وہ سچ ہے اور وہی چیز ہے جو اس سے قبل تمام انبیاء بھی پیش کرتے رہے ہیں۔ کیا یہ کام کسی دیوانے کا یا کسی شاعر کے تخیلات کا نتیجہ ہو سکتا ہے؟

(۶) یہ جہنمیوں کو اس وقت کہا جائے گا جب وہ کھڑے ایک دوسرے سے پوچھ رہے ہوں گے اور ساتھ ہی وضاحت کر

مگر اللہ تعالیٰ کے خالص برگزیدہ بندے۔^(۱) (۳۰)
 انہیں کے لیے مقررہ روزی ہے۔ (۳۱)
 (ہر طرح کے) میوے، اور وہ باعزت و اکرام ہونگے۔ (۳۲)
 نعمتوں والی جنتوں میں۔ (۳۳)
 تختوں پر ایک دوسرے کے سامنے (بیٹھے) ہوں گے۔ (۳۴)
 جاری شراب کے جام کا ان پر دور چل رہا ہو گا۔ (۳۵)^(۲)
 جو صاف شفاف اور پینے میں لذیذ ہو گی۔ (۳۶)^(۳)
 نہ اس سے درد سر ہو اور نہ اس کے پینے سے بہکیں۔ (۳۷)^(۴)
 اور ان کے پاس نیچی نظروں، بڑی بڑی آنکھوں والی
 (حوریں) ہوں گی۔ (۳۸)^(۵)
 ایسی جیسے چھپائے ہوئے انڈے۔ (۳۹)^(۶)
 (جنتی) ایک دوسرے کی طرف رخ کر کے پوچھیں
 گے۔ (۴۰)^(۷)

إِلَىٰ عِبَادِ اللَّهِ الْمُخْلَصِينَ ﴿۳۰﴾
 أُولَٰئِكَ لَمْ يَرَوْا مَعْلُومًا ﴿۳۱﴾
 فَوَإِنَّهُمْ لَكَاُمُونَ ﴿۳۲﴾
 فِي جَنَّاتِ النَّعِيمِ ﴿۳۳﴾
 عَلَىٰ سُرُرٍ مُّتَقَابِلِينَ ﴿۳۴﴾
 يُطَافُ عَلَيْهِمْ بِكُلِّ فَنٍّ مُّثَبِّتٍ ﴿۳۵﴾
 بَيْضَاءَ لَدَّةٍ لَّشْرِبِينَ ﴿۳۶﴾
 لَا فِيهَا غَوْلٌ وَلَا هُمْ عَنْهَا يُنْزَفُونَ ﴿۳۷﴾
 وَعَنْهُمْ قُودٌ الطَّرِيقِ عَيْنٌ ﴿۳۸﴾
 كَأَنَّهُنَّ بَيْضٌ لِّلْكَلْبِ ﴿۳۹﴾
 فَاقْبَلْ بَعْضُهُمْ عَلَىٰ بَعْضٍ يَتَسَاءَلُونَ ﴿۴۰﴾

دی جائے گی کہ یہ ظلم نہیں ہے بلکہ عین عدل ہے کیونکہ یہ سب تمہارے اپنے عملوں کا بدلہ ہے۔
 (۱) یعنی یہ عذاب سے محفوظ ہوں گے، ان کی کوتاہیوں سے بھی درگزر کر دیا جائے گا، اگر کچھ ہوں گی اور ایک ایک نیکی کا اجر انہیں کئی کئی گنا دیا جائے گا۔
 (۲) کائنات، شراب کے بھرے ہوئے جام کو اور قدرح خالی جام کو کہتے ہیں۔ مَعِينِ کے معنی ہیں۔ جاری چشمہ۔ مطلب یہ ہے کہ جاری چشمے کی طرح، جنت میں شراب ہر وقت میسر رہے گی۔
 (۳) دنیا میں شراب عام طور پر بد رنگ ہوتی ہے، جنت میں وہ جس طرح لذیذ ہو گی خوش رنگ بھی ہو گی۔
 (۴) یعنی دنیا کی شراب کی طرح اس میں تے، سردرد، بد مستی اور بہکنے کا اندیشہ نہیں ہو گا۔
 (۵) بڑی اور موٹی آنکھیں حسن کی علامت ہے یعنی حسین آنکھیں ہوں گی۔
 (۶) یعنی شتر مرغ اپنے پروں کے نیچے چھپائے ہوئے ہوں، جس کی وجہ سے وہ ہوا اور گرد و غبار سے محفوظ ہوں گے۔ کہتے ہیں شتر مرغ کے انڈے بہت خوش رنگ ہوتے ہیں، جو زردی مائل سفید ہوتے ہیں اور ایسا رنگ حسن و جمال کی دنیا میں سب سے عمدہ سمجھا جاتا ہے۔ اس لحاظ سے یہ تشبیہ، صرف سفیدی میں نہیں ہے بلکہ خوش رنگی اور حسن و رعنائی میں ہے۔
 (۷) جنتی، جنت میں ایک دوسرے کے ساتھ بیٹھے ہوئے، دنیا کے واقعات یاد کریں گے اور ایک دوسرے کو سنائیں گے۔

قَالَ قَائِلٌ مِنْهُمْ إِنِّي كَانَ لِي قَرِينٌ ﴿٥١﴾

يَقُولُ إِنَّكَ لَمِنَ الْمُصَدِّقِينَ ﴿٥٢﴾

إِذَا امْتَنَّا وَكُنَّا تُرَابًا وَوَعظُ مَاءٍ إِنَّا لَكَاذِبُونَ ﴿٥٣﴾

قَالَ هَلْ أَنْتُمْ مُظْلِمُونَ ﴿٥٤﴾

فَاظْلَمْ قِرَاءَةً فِي سَوَاءِ الْجَحِيمِ ﴿٥٥﴾

قَالَ تَاللَّهِ إِنْ كُنْتُ لَتَزِيدُنِي ﴿٥٦﴾

وَلَوْلَا نِعْمَةُ رَبِّي لَكُنْتُ مِنَ الْمُخْضَرِّينَ ﴿٥٧﴾

أَفَمَا حَضَّ بِهِنَّ ﴿٥٨﴾

الْأَمَوَاتِ الْأُولَىٰ وَآخِرُهَا بِمَعْدَنَيْنِ ﴿٥٩﴾

ان میں سے ایک کہنے والا کہے گا کہ میرا ایک ساتھی تھا۔ (۵۱)

جو (مجھ سے) کہا کرتا تھا کہ کیا تو (قیامت کے آنے کا) یقین کرنے والوں میں سے ہے؟ (۵۲)

کیا جب کہ ہم مر کر مٹی اور ہڈی ہو جائیں گے کیا اس وقت ہم جزا دیئے جانے والے ہیں؟ (۵۳)

کے گاتم چاہتے ہو کہ جھانک کر دیکھ لو؟ (۵۴)

جھانکتے ہی اسے پتوں بیچ جنم میں (جلتا ہوا) دیکھ گا۔ (۵۵)

کہے گا واللہ! قریب تھا کہ تو مجھے (بھی) برباد کر دے۔ (۵۶)

اگر میرے رب کا احسان نہ ہوتا تو میں بھی دوزخ میں حاضر کئے جانے والوں میں ہوتا۔ (۵۷)

کیا (یہ صحیح ہے) کہ ہم مرنے والے ہی نہیں؟ (۵۸)

بجز پہلی ایک موت کے، (۵۹) اور نہ ہم عذاب کیے جانے

(۱) یعنی یہ بات وہ استہزا اور مذاق کے طور پر کہا کرتا تھا، مقصد اس کا یہ تھا کہ یہ تو ناممکن ہے کیا ایسی ناممکن الوقوع بات پر تو یقین رکھتا ہے؟

(۲) یعنی ہمیں زندہ کر کے ہمارا حساب لیا جائے گا اور پھر اس کے مطابق جزا دی جائے گی؟

(۳) یعنی وہ جنتی، اپنے جنت کے ساتھیوں سے کہے گا کہ کیا تم پسند کرتے ہو کہ ذرا جنم میں جھانک کر دیکھیں، شاید مجھے یہ باتیں کہنے والا وہاں نظر آجائے تو تمہیں بتاؤں کہ یہ شخص تھا جو یہ باتیں کرتا تھا۔

(۴) یعنی جھانکنے پر اسے جنم کے وسط میں وہ شخص نظر آجائے گا اور اسے یہ جنتی کہے گا کہ مجھے بھی تو گمراہ کر کے ہلاکت میں ڈالنے لگا تھا، یہ تو مجھ پر اللہ کا احسان ہوا، ورنہ آج میں بھی تیرے ساتھ جنم میں ہوتا۔

(۵) جنیموں کا حشر دیکھ کر جنتی کے دل میں رشک کا جذبہ مزید بیدار ہو جائے گا اور کہے گا کہ ہمیں جو جنت کی زندگی اور اس کی نعمتیں ملی ہیں، کیا یہ دائمی نہیں؟ اور اب ہمیں موت آنے والی نہیں ہے؟ یہ استفہام تقریری ہے یعنی اب یہ زندگیاں دائمی ہیں، جنتی ہمیشہ جنت میں اور جنیمی ہمیشہ جنم میں رہیں گے، نہ انہیں موت آئے گی کہ جنم کے عذاب سے چھوٹ جائیں اور نہ ہمیں کہ جنت کی نعمتوں سے محروم ہو جائیں، جس طرح حدیث میں آتا ہے کہ موت کو ایک مینڈھے کی شکل میں جنت اور دوزخ کے درمیان لاکر ذبح کر دیا جائے گا کہ اب کسی کو موت نہیں آئے گی۔

(۶) جو دنیا میں آچکی اب ہمارے لیے موت ہے نہ عذاب۔

والے ہیں۔ (۵۹)

پھر تو (ظاہرات ہے کہ) یہ بڑی کامیابی ہے۔^(۱) (۶۰)
ایسی (کامیابی) کے لیے عمل کرنے والوں کو عمل کرنا
چاہیے۔^(۲) (۶۱)
کیا یہ ممہانی اچھی ہے یا سینڈھ (زقوم) کا درخت؟^(۳) (۶۲)
جسے ہم نے ظالموں کے لیے سخت آزمائش بنا رکھا
ہے۔^(۴) (۶۳)
بے شک وہ درخت جنم کی جڑ میں سے نکلتا ہے۔^(۵) (۶۴)
جسکے خوشے شیطانوں کے سروں جیسے ہوتے ہیں۔^(۶) (۶۵)
(جنمی) اسی درخت میں سے کھائیں گے اور اسی سے
پیٹ بھریں گے۔^(۷) (۶۶)

إِنَّ هَذَا لَهُ الْغَوْزُ الْعَظِيمُ ۝

لِيُثَلَّ هَذَا فَلَئِمَّ الْعَبِلُونَ ۝

أَذْلِكَ خَيْرٌ لَّكُمْ أَمْ شَجَرَةُ الزَّقُّومِ ۝

إِنَّا جَعَلْنَاهَا فِتْنَةً لِلظَّالِمِينَ ۝

إِنَّا شَجَرَةُ عُجْرٍ فِي أَصْلِ الْجَحِيمِ ۝

كُلُّهَا كَاذِبَةٌ وَسُوءُ الشَّيْطَانِ ۝

فَأَنَّهُمْ لَخَبِيرُونَ وَمَنَّا الْفُتُونُ وَمَنَّا الْبُطُونُ ۝

(۱) اس لیے کہ جنم سے بچ جانے اور جنت کی نعمتوں کا مستحق قرار پانا جانے سے بڑھ کر اور کیا کامیابی ہوگی؟

(۲) یعنی اس جیسی نعمت اور اس جیسے فضل عظیم ہی کے لیے محنت کرنے والوں کو محنت کرنی چاہیے، اس لیے کہ یہی سب سے نفع بخش تجارت ہے۔ نہ کہ دنیا کے لیے جو عارضی ہے۔ اور خسارے کا سودا ہے۔

(۳) زَقُّوم، تَرْقُوم سے مشتق ہے، جس کے معنی بدبودار اور کریہ چیز کے نکلنے کے ہیں۔ اس درخت کا پھل بھی کھانا اہل جنم کے لیے سخت ناگوار ہو گا۔ کیوں کہ یہ سخت بدبودار، کڑوا اور نہایت کریہ ہو گا۔ بعض کہتے ہیں کہ یہ دنیا کے درختوں میں سے ہے اور عربوں میں متعارف ہے، یہ قطرب درخت ہے جو تمامہ میں پایا جاتا ہے۔ اور بعض کہتے ہیں کہ یہ کوئی دنیاوی درخت نہیں ہے، اہل دنیا کے لیے یہ غیر معروف ہے۔ (فتح القدیر) لیکن پہلا قول زیادہ صحیح ہے۔ اور یہ وہی درخت ہے جسے اردو میں سینڈھ یا تھوہر کہتے ہیں۔

(۴) آزمائش، اس لیے کہ اس کا پھل کھانا بجائے خود ایک بہت بڑی آزمائش ہے۔ بعض نے اسے اس اعتبار سے آزمائش کہا کہ اس کے وجود کا انہوں نے انکار کیا کہ جنم میں جب ہر طرف آگ ہی آگ ہوگی تو وہاں درخت کس طرح موجود رہ سکتا ہے؟ یہاں ظالمین سے مراد وہ اہل جنم ہیں جن پر جنم واجب ہوگی۔

(۵) یعنی اس کی جڑ جنم کی گرائی میں ہوگی البتہ اس کی شاخیں ہر طرف پھیلی ہوئی ہوں گی۔

(۶) اسے شاعت و قباحت میں شیطانوں کے سروں سے تشبیہ دی، جس طرح اچھی چیز کے بارے میں کہتے ہیں گویا کہ وہ فرشتہ ہے۔

(۷) یہ انہیں نہایت کراہت سے کھانا پڑے گا جس سے ظاہرات ہے پیٹ بوجھل ہی ہوں گے۔

ثُمَّ إِنَّ لَهُمْ عَلَيْهَا لَشَوَابًا مِّنْ حَمِيمٍ ۝۴۹

ثُمَّ إِنَّ مَرْجِعَهُمْ لَإِلَى الْجَحِيمِ ۝۵۰

إِنَّهُمْ الْفَوَابِئُ هُمْ ضَالِّينَ ۝۵۱

فَهُمْ عَلَىٰ آثَرِهِمْ يُعْرَوُونَ ۝۵۲

وَلَقَدْ ضَلَّ قَبْلَهُمْ أَكْثَرُ الْأَوَّلِينَ ۝۵۳

وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا فِيهِمْ مُّنْذِرِينَ ۝۵۴

فَآخُذُوا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُنْذَرِينَ ۝۵۵

إِلَّا عِبَادَ اللَّهِ الْمُخْلَصِينَ ۝۵۶

وَلَقَدْ تَادِسْنَا نَوْحًا فَلْنَعْمَ الْمُجِيبُونَ ۝۵۷

پھر اس پر گرم جلتے جلتے پانی کی ملونی ہوگی۔^(۱) (۶۷)
پھر ان سب کا لوٹنا جہنم کی (آگ کے ڈھیر کی)
طرف ہو گا۔^(۲) (۶۸)

یقین مانو! کہ انہوں نے اپنے باپ دادا کو ہرکا ہوا پایا۔ (۶۹)
اور یہ انہی کے نشان قدم پر دوڑتے رہے۔^(۳) (۷۰)
ان سے پہلے بھی بہت سے اگلے بہک چکے ہیں۔^(۴) (۷۱)
جن میں ہم نے ڈرانے والے (رسول) بھیجے تھے۔^(۵) (۷۲)
اب تو دیکھ لے کہ جنہیں دھمکایا گیا تھا ان کا انجام کیسا
کچھ ہوا۔ (۷۳)

سوائے اللہ کے برگزیدہ بندوں کے۔^(۶) (۷۴)
اور ہمیں نوح (علیہ السلام) نے پکارا تو (دیکھ لو) ہم کیسے
اچھے دعا قبول کرنے والے ہیں۔^(۷) (۷۵)

(۱) یعنی کھانے کے بعد انہیں پانی کی طلب ہوگی تو کھوتا ہوا گرم پانی انہیں دیا جائے گا، جس کے پینے سے ان کی انتڑیاں
کٹ جائیں گی (سورہ محمد ۱۵)

(۲) یعنی زقوم کے کھانے اور گرم پانی کے پینے کے بعد انہیں دوبارہ جہنم میں پھینک دیا جائے گا۔
(۳) یہ جہنم کی مذکورہ سزاؤں کی علت ہے کہ اپنے باپ دادا کو گمراہی پر پانے کے باوجود یہ انہی کے نقش قدم پر چلتے
رہے اور دلیل و حجت کے مقابلے میں تقلید کو اپنائے رکھا، اِھْرَاعُ اِسْرَاعَ کے معنی میں ہے یعنی دوڑنا اور نہایت شوق
سے اور لپک کر پکڑنا اور اختیار کرنا۔

(۴) یعنی یہی گمراہ نہیں ہوئے، ان سے پہلے لوگ بھی اکثر گمراہی ہی کے راستے پر چلنے والے تھے۔
(۵) یعنی ان سے پہلے لوگوں میں۔ انہوں نے حق کا پیغام پہنچایا اور عدم قبول کی صورت میں انہیں اللہ کے عذاب سے
ڈرایا، لیکن ان پر کوئی اثر نہیں ہوا نتیجتاً انہیں تباہ کر دیا گیا، جیسا کہ اگلی آیت میں ان کے عبرت ناک انجام کی طرف
اشارہ فرمایا۔

(۶) یعنی عبرت ناک انجام سے صرف وہ محفوظ رہے جن کو اللہ نے ایمان و توحید کی توفیق سے نواز کر بچا لیا۔
مُخْلَصِينَ، وہ لوگ جو عذاب سے بچے رہے، مُنْذَرِينَ (تباہ ہونے والی قوموں) کے اجمالی ذکر کے بعد اب چند
مُنْذَرِينَ (بغیروں) کا ذکر کیا جا رہا ہے۔

(۷) یعنی ساڑھے نو سو سال کی تبلیغ کے باوجود جب قوم کی اکثریت نے ان کی تکذیب ہی کی اور انہوں نے محسوس کر لیا کہ

وَجَبَبْنَاهُ وَأَهْلَكَهُ مِنَ الْكَرْبِ الْعَظِيمِ ۝

وَجَعَلْنَا ذُرِّيَّتَهُ هُمُ الْبَاقِينَ ۝

وَتَوَكَّلْنَا عَلَى الْآخِرِينَ ۝

سَلِّمْ عَلَى نُوحٍ فِي الْعَالَمِينَ ۝

إِنَّكَ لَآتِيكَ الْبُحْرَى الْمَحْشِينَ ۝

إِنَّهُ مِنْ عِبَادِنَا الْمُؤْمِنِينَ ۝

ثُمَّ أَعْرَفْنَا الْآخِرِينَ ۝

وَلَا مِنْ شَيْعَتِهِ الَّذِينَ بُرْهِنُوا ۝

ہم نے اسے اور اس کے گھروالوں کو ^(۱) اس زبردست مصیبت سے بچالیا۔ (۷۶)

اور اس کی اولاد کو ہم نے باقی رہنے والی بنادی۔ ^(۲) (۷۷)

اور ہم نے اس کا (ذخیرہ) بچھلوں میں باقی رکھا۔ ^(۳) (۷۸)

نوح (علیہ السلام) پر تمام جہانوں میں سلام ہو۔ (۷۹)

ہم نیکی کرنے والوں کو اسی طرح بدلے دیتے ہیں۔ ^(۴) (۸۰)

وہ ہمارے ایمان دار بندوں میں سے تھا۔ (۸۱)

پھر ہم نے دوسروں کو ڈبو دیا۔ (۸۲)

اور اس (نوح علیہ السلام کی) تابعداری کرنے والوں میں

سے (ہی) ابراہیم (علیہ السلام بھی) تھے۔ ^(۵) (۸۳)

ایمان لانے کی کوئی امید نہیں ہے تو اپنے رب کو پکارا۔ ﴿فَدَعَا رَبَّهُ أَنِّي مَغْلُوبٌ فَاتَّخِذْ﴾ (سورۃ القمر ۱۰) ”یا اللہ میں مغلوب ہوں، میری مدد فرما“ چنانچہ ہم نے نوح علیہ السلام کی دعا قبول کی اور ان کی قوم کو طوفان بھیج کر ہلاک کر دیا۔

(۱) اہل سے مراد، حضرت نوح علیہ السلام پر ایمان لانے والے ہیں، جن میں ان کے گھر کے افراد بھی ہیں جو مومن تھے۔ بعض مفسرین نے ان کی کل تعداد ۸۰ بتلائی ہے۔ اس میں آپ کی بیوی اور ایک لڑکا شامل نہیں، جو مومن نہیں تھے، وہ بھی طوفان میں غرق ہو گئے۔ کرب عظیم (زبردست مصیبت) سے مراد وہی سیلاب عظیم ہے جس میں یہ قوم غرق ہوئی۔

(۲) اکثر مفسرین کے قول کے مطابق حضرت نوح علیہ السلام کے تین بیٹے تھے۔ حام، سام، یافث۔ انہی سے بعد کی نسل انسانی چلی۔ اسی لیے حضرت نوح علیہ السلام کو آدم ثانی بھی کہا جاتا ہے یعنی آدم علیہ السلام کی طرح، آدم علیہ السلام کے بعد یہ دوسرے ابوالبشر ہیں۔ سام کی نسل سے عرب، فارس، روم اور یود و نصاریٰ ہیں۔ حام کی نسل سے سوڈان (مشرق سے مغرب تک) یعنی سندھ، ہند، نوب، ننج، حبشہ، قبط اور بربر وغیرہم ہیں اور یافث کی نسل سے عقابہ، ترک، خزر اور یاجوج و ماجوج وغیرہم ہیں۔ (فتح القدیر) واللہ اعلم

(۳) یعنی قیامت تک آنے والے اہل ایمان میں ہم نے نوح علیہ السلام کا ذکر خیر باقی چھوڑ دیا ہے اور وہ سب نوح علیہ السلام پر سلام بھیجتے ہیں اور بھیجتے رہیں گے۔

(۴) یعنی جس طرح نوح علیہ السلام کی دعا قبول کر کے، ان کی ذریت کو باقی رکھ کے اور بچھلوں میں ان کا ذکر خیر باقی رکھ کے ہم نے نوح علیہ السلام کو عزت و تکریم بخشی۔ اسی طرح جو بھی اپنے اقوال و افعال میں محسن اور اس باب میں راسخ اور معروف ہوگا، اس کے ساتھ بھی ہم ایسا معاملہ کریں گے۔

(۵) شیعۃ کے معنی گروہ اور پیروکار کے ہیں۔ یعنی ابراہیم علیہ السلام بھی اہل دین و اہل توحید کے اسی گروہ سے ہیں

إِذْ جَاءَ رَبُّكَ بِقَلْبٍ سَلِيمٍ ۝
إِذْ قَالَ لِأَبِيهِ وَقَوْمِهِ مَاذَا تَعْبُدُونَ ۝

جبکہ اپنے رب کے پاس بے عیب دل لائے۔ (۸۴)
انہوں نے اپنے باپ اور اپنی قوم سے کہا کہ تم کیا پوج رہے ہو؟ (۸۵)

أَفَنُكَلِّمُهُمُ اللَّهُ يُرِيدُونَ ۝

کیا تم اللہ کے سوا گھڑے ہوئے معبود چاہتے ہو؟ (۸۶)^(۱)

فَمَا ظَنُّكُمْ بِرَبِّ الْعَالَمِينَ ۝

تو یہ (بتلاؤ کہ) تم نے رب العالمین کو کیا سمجھ رکھا ہے؟ (۸۷)^(۲)

فَقَنَظَرُونَهُ فِي السَّجُورِ ۝

اب ابراہیم (علیہ السلام) نے ایک نگاہ ستاروں کی طرف اٹھائی۔ (۸۸)

فَقَالَ إِنِّي سَقِيمٌ ۝

اور کہا میں تو بیمار ہوں۔ (۸۹)^(۳)

فَتَوَكَّلْ أَعَنَّهُ مُدْبِرُونَ ۝

اس پر وہ سب اس سے منہ موڑے ہوئے واپس چلے گئے۔ (۹۰)

جن کو نوح علیہ السلام ہی کی طرح اثبات الی اللہ کی توفیق خاص نصیب ہوئی۔

(۱) یعنی اپنی طرف سے ہی جھوٹ گھڑ کے کہ یہ معبود ہیں، تم اللہ کو چھوڑ کر ان کی عبادت کرتے ہو، دراصل حالیکہ یہ پتھر اور مورتیاں ہیں۔

(۲) یعنی اتنی قبیح حرکت کرنے کے باوجود کیا وہ تم پر ناراض نہیں ہو گا اور تمہیں سزا نہیں دے گا۔

(۳) آسمان پر غور و فکر کے لیے دیکھا جیسا کہ بعض لوگ ایسا کرتے ہیں۔ یا اپنی قوم کے لوگوں کو مغالطے میں ڈالنے کے لیے ایسا کیا، جو کہ ستاروں کی گردش کو حادث زمانہ میں مؤثر مانتے تھے۔ یہ واقعہ اس وقت کا ہے کہ جب ان کی قوم کا وہ دن آیا، جسے وہ باہر جا کر بطور عید اور قومی تہوار منایا کرتی تھی۔ قوم نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو بھی ساتھ چلنے کی دعوت دی۔ لیکن ابراہیم علیہ السلام تنہائی اور موقع کی تلاش میں تھے، تاکہ ان کے بتوں کا تباہی بچا کر دے۔ چنانچہ انہوں نے یہ موقع غنیمت جانا کہ کل ساری قوم باہر میلے میں چلی جائے گی تو میں اپنا منصوبہ بروئے کار لے آؤں گا۔ اور کہہ دیا کہ میں بیمار ہوں یا آسمانوں کی گردش بتلاتی ہے کہ میں بیمار ہونے والا ہوں۔ یہ بات بالکل جھوٹی تو نہیں تھی، ہر انسان کچھ نہ کچھ بیمار ہوتا ہی ہے، علاوہ ازیں قوم کا شرک حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دل کا ایک مستقل روگ تھا، جسے دیکھ کر وہ کڑھتے رہتے تھے۔ یوں حضرت ابراہیم علیہ السلام نے تعریض اور توریہ کا اظہار فرمایا جو اگرچہ جھوٹ نہیں ہوتا لیکن مخاطب اس کے متبادر مفہوم سے مغالطے کا شکار ہو جاتا ہے۔ اس لیے حدیث ثلاث کذبات میں اسے جھوٹ سے تعبیر کیا گیا ہے، جیسا کہ اس کی ضروری تفصیل سورہ انبیاء ۶۳ میں گزر چکی ہے۔

قَرَأَ إِلَىٰ آلِهِم فَقَالَ أَلَا تَأْكُلُونَ ﴿٩١﴾

مَا لَهُمْ لَا يَتَنَفَّسُونَ ﴿٩٢﴾

قَرَأَ عَلَيْهِمْ صَوَابًا يَأْتِيهِمْ ﴿٩٣﴾

فَأَقْبَلُوا إِلَيْهِ يَزْفُونَ ﴿٩٤﴾

قَالَ أَتَعْبُدُونَ مَا تَحْمِلُونَ ﴿٩٥﴾

وَاللَّهُ خَلَقَكُمْ وَمَا تَعْمَلُونَ ﴿٩٦﴾

قَالُوا ابْنُوا لَهُ بُنْيَانًا فَأَلْفُوفُ فِي الْجَحِيمِ ﴿٩٧﴾

فَأَرَادُوا بِهِ كَيْدًا فَجَعَلْنَاهُمُ الْأَسْفَلِينَ ﴿٩٨﴾

آپ (چپ چپاتے) ان کے معبودوں کے پاس گئے اور فرمانے لگے تم کھاتے کیوں نہیں؟ (۹۱)

تمہیں کیا ہو گیا کہ بات تک نہیں کرتے ہو۔ (۹۲)

پھر تو (پوری قوت کے ساتھ) دائیں ہاتھ سے انہیں مارنے پر پل پڑے۔ (۹۳)

وہ (بت پرست) دوڑے بھاگے آپ کی طرف متوجہ (۹۴) ہوئے۔ (۹۵)

تو آپ نے فرمایا تم انہیں پوجتے ہو جنہیں (خود) تم تراشتے ہو۔ (۹۶)

حالانکہ تمہیں اور تمہاری بنائی ہوئی چیزوں کو اللہ ہی نے پیدا کیا ہے۔ (۹۷)

وہ کہنے لگے اس کے لیے ایک مکان بناؤ اور اس (دہکتی ہوئی) آگ میں اسے ڈال دو۔ (۹۸)

انہوں نے تو اس (ابراہیم علیہ السلام) کے ساتھ مکر کرنا

(۱) یعنی جو حلویات بطور تبرک وہاں پڑی ہوئی تھیں، وہ انہیں کھانے کے لیے پیش کیں، جو ظاہر بات ہے انہیں نہ کھانی تھیں نہ کھائیں بلکہ وہ جواب دینے پر بھی قادر نہ تھے، اس لیے جواب بھی نہیں دیا۔

(۲) رَاغ کے معنی ہیں، مَال، ذَهَب، أَفْبَل، یہ سب متقارب المعنی ہیں، ان کی طرف متوجہ ہوئے صَرْبٌ بِالْجَمِینِ کا مطلب ہے ان کو زور سے مار مار کر توڑ ڈالنا۔

(۳) یَزْفُونَ، یُسْرَعُونَ کے معنی میں ہے، دوڑتے ہوئے آئے۔ یعنی جب میلے سے آئے تو دیکھا کہ ان کے معبود ٹوٹے پھوٹے پڑے ہیں تو فوراً ان کا ذہن ابراہیم علیہ السلام کی طرف گیا، کہ یہ کام اسی نے کیا ہو گا، جیسا کہ سورۃ انبیاء میں تفصیل گزر چکی ہے چنانچہ انہیں پکار کر عوام کی عدالت میں لے آئے۔ وہاں حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اس بات کا موقع مل گیا کہ وہ ان پر ان کی بے عقلی اور ان کے معبودوں کی بے اختیاری واضح کریں۔

(۴) یعنی وہ مورتیاں اور تصویریں بھی جنہیں تم اپنے ہاتھوں سے بناتے اور انہیں معبود سمجھتے ہو، یا مطلق تمہارا عمل جو بھی تم کرتے ہو، ان کا خالق بھی اللہ ہے۔ اس سے واضح ہے کہ بندوں کے افعال کا خالق اللہ ہی ہے، جیسا کہ اہل سنت کا عقیدہ ہے۔

وَقَالَ إِنِّي ذَاهِبٌ إِلَىٰ رَبِّي سَيَهْدِيَنِي ۝۹۸

رَبِّ هَبْ لِي مِنَ الصَّالِحِينَ ۝۹۹

فَبَشِّرْنَاهُ بِمَا نَحْنُ حَلِيمُونَ ۝۱۰۰

فَلَمَّا بَلَغَ مَعَهُ السَّعْيَ قَالَ يَبْنَؤُا إِنِّي أَذَىٰ فِي الْمَوَاتَىٰ
أَذْجُكَ فَانْظُرْ مَاذَا تَرَىٰ قَالَ يَٰأَبَتِ افْعَلْ مَا تُؤْمَرُ
سَيَهْدِيَنِي إِنَّ شَاءَ اللَّهُ مِنَ الصَّادِقِينَ ۝۱۰۱

فَلَمَّا أَسْلَمَا وَتَلَا لِلْجَبِينِ ۝۱۰۲

چاہا لیکن ہم نے انہی کو نیچا کر دیا۔^(۱) (۹۸)

اور اس (ابراہیم علیہ السلام) نے کہا میں تو ہجرت کر کے اپنے پروردگار کی طرف جانے والا ہوں۔^(۲) وہ ضرور میری رہنمائی کرے گا۔ (۹۹)

اے میرے رب! مجھے نیک بخت اولاد عطا فرما۔ (۱۰۰)
تو ہم نے اسے ایک بردبار بچے کی بشارت دی۔^(۳) (۱۰۱)
پھر جب وہ (بچہ) اتنی عمر کو پہنچا کہ اس کے ساتھ چلے پھرے،^(۴) تو اس (ابراہیم علیہ السلام) نے کہا میرے پیارے بچے! میں خواب میں اپنے آپ کو تجھے ذبح کرتے ہوئے دیکھ رہا ہوں۔ اب تو بتا کہ تیری کیا رائے ہے؟^(۵)
بیٹے نے جواب دیا کہ ابا! جو حکم ہوا ہے اسے بجالائیے ان شاء اللہ آپ مجھے مبر کرنے والوں میں سے پائیں گے۔ (۱۰۲)
غرض جب دونوں مطیع ہو گئے اور اس نے (باپ نے) اس کو (بیٹے کو) پیشانی^(۶) کے بل گرا دیا۔ (۱۰۳)

(۱) یعنی آگ کو گلزار بنا کر ان کے مکروہیلے کو ناکام بنادیا، پس پاک ہے وہ ذات جو اپنے بندوں کی چارہ سازی فرماتا ہے، اور آزمائش کو عطائش اور شر کو خیر میں بدل دیتا ہے۔

(۲) حضرت ابراہیم علیہ السلام کا یہ واقعہ بابل (عراق) میں پیش آیا، بالآخر یہاں سے ہجرت کی اور شام چلے گئے اور وہاں جاکر اولاد کے لیے دعا کی (فتح القدیر)

(۳) حلیم کہہ کر اشارہ فرما دیا کہ بچہ بڑا ہو کر بردبار ہو گا۔

(۴) یعنی دو ڈھوپ کے لائق ہو گیا یا بلوغت کے قریب پہنچ گیا، بعض کہتے ہیں کہ اس وقت یہ بچہ ۱۳ سال کا تھا۔

(۵) پیغمبر کا خواب، وحی اور حکم الہی ہی ہوتا ہے۔ جس پر عمل ضروری ہوتا ہے۔ بیٹے سے مشورے کا مقصد یہ معلوم کرنا تھا کہ بیٹا بھی امتثال امر الہی کے لیے کس حد تک تیار ہے؟

(۶) ہر انسان کے منہ (چہرے) پر دو جنبین (دائیں اور بائیں) ہوتی ہیں اور درمیان میں پیشانی (جَبْهَةٌ) اس لیے لِلْجَبین کا زیادہ صحیح ترجمہ ”کروٹ پر“ ہے یعنی اس طرح کروٹ پر لٹالیا، جس طرح جانور کو ذبح کرتے وقت قبلہ رخ کروٹ پر لٹایا جاتا ہے۔ ”پیشانی یا منہ کے بل لٹانے کا“ ترجمہ اس لیے کیا جاتا ہے کہ

وَنَادَيْنَاهُ أَنْ يَا إِبْرَاهِيمَ ﴿۲۷﴾

فَإِذْ صَدَقَتْ الرَّؤْيَا كَذَلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِينَ ﴿۲۸﴾

إِنَّ هَذَا لَهُوَ الْبَلَاءُ الْكَبِيرُ ﴿۲۹﴾

وَكَذَلِكَ يَذِبحُ عَظِيمٌ ﴿۳۰﴾

وَوَكَّلْنَا عَلَيْهِ ابْنَ الْاِخْوَانِ ﴿۳۱﴾

سَلَامٌ عَلَىٰ إِبْرَاهِيمَ ﴿۳۲﴾

كَذَلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِينَ ﴿۳۳﴾

إِنَّهُ مِنْ عِبَادِنَا الْمُؤْمِنِينَ ﴿۳۴﴾

وَبَشِّرْنَاهُ بِالْحَقِّ إِنِّي مِّنَ الصَّادِقِينَ ﴿۳۵﴾

تو ہم نے آواز دی کہ اے ابراہیم! (۱۰۴)

یقیناً تو نے اپنے خواب کو سچا کر دکھایا، (۱) بیشک ہم نیکی

کرنے والوں کو اسی طرح جزا دیتے ہیں۔ (۱۰۵)

در حقیقت یہ کھلا امتحان تھا۔ (۲) (۱۰۶)

اور ہم نے ایک بڑا ذبیحہ اس کے فدیہ میں دے

دیا۔ (۳) (۱۰۷)

اور ہم نے ان کا ذکر خیر پچھلوں میں باقی رکھا۔ (۱۰۸)

ابراہیم (علیہ السلام) پر سلام ہو۔ (۱۰۹)

ہم نیکو کاروں کو اسی طرح بدلہ دیتے ہیں۔ (۱۱۰)

بیشک وہ ہمارے ایمان دار بندوں میں سے تھا۔ (۱۱۱)

اور ہم نے اس کو اسحاق (علیہ السلام) نبی کی بشارت دی

جو صالح لوگوں میں سے ہو گا۔ (۴) (۱۱۲)

مشہور ہے حضرت اسماعیل علیہ السلام نے وصیت کی کہ انہیں اس طرح لٹایا جائے کہ چہرہ سامنے نہ رہے جس سے پیار و شفقت کا جذبہ امر الہی پر غالب آنے کا امکان نہ رہے۔

(۱) یعنی دل کے پورے ارادے سے بچے کو ذبح کرنے کے لیے زمین پر لٹا دینے سے ہی تو نے اپنا خواب سچا کر دکھایا ہے، کیونکہ اس سے واضح ہو گیا کہ اللہ کے حکم کے مقابلے میں تجھے کوئی چیز بھی عزیز تر نہیں ہے، حتیٰ کہ اکلوتا بیٹا بھی۔

(۲) یعنی لاڈلے بیٹے کو ذبح کرنے کا حکم، یہ ایک بڑی آزمائش تھی جس میں تو سرخو رہا۔

(۳) یہ بڑا ذبیحہ ایک مینڈھا تھا جو اللہ تعالیٰ نے جنت سے حضرت جبرائیل علیہ السلام کے ذریعے سے بھیجا۔ (ابن کثیر) اسماعیل علیہ السلام کی جگہ اسے ذبح کیا گیا اور پھر اس سنت ابراہیمی کو قیامت تک قرب الہی کے حصول کا ایک ذریعہ اور عید الاضحیٰ کا سب سے پسندیدہ عمل قرار دے دیا گیا۔

(۴) حضرت ابراہیم علیہ السلام کے مذکورہ واقعے کے بعد اب ایک بیٹے اسحاق علیہ السلام کی اور اس کے نبی ہونے کی خوش خبری دینے سے معلوم ہوتا ہے کہ اس سے پہلے جس بیٹے کو ذبح کرنے کا حکم دیا گیا تھا، وہ اسماعیل علیہ السلام تھے۔ جو اس وقت ابراہیم علیہ السلام کے اکلوتے بیٹے تھے۔ اسحاق علیہ السلام کی ولادت ان کے بعد ہوئی ہے۔ مفسرین کے درمیان اس کی بابت اختلاف ہے کہ ذبح کون ہے، اسماعیل علیہ السلام یا اسحاق علیہ السلام؟ امام ابن جریر نے حضرت اسحاق علیہ السلام کو اور ابن کثیر اور اکثر مفسرین نے حضرت اسماعیل علیہ السلام کو ذبح قرار دیا ہے اور یہی بات صحیح ہے۔ امام شوکانی نے اس میں توقف اختیار کیا ہے۔ (تفصیل کے لیے دیکھئے تفسیر فتح القدیر اور تفسیر ابن کثیر)

اور ہم نے ابراہیم و اسحاق (علیہما السلام) پر برکتیں نازل فرمائیں،^(۱) اور ان دونوں کی اولاد میں بعضے تو نیک بخت ہیں اور بعض اپنے نفس پر صریح ظلم کرنے والے ہیں۔^(۲) (۱۱۳)

یقیناً ہم نے موسیٰ اور ہارون (علیہما السلام) پر بڑا احسان کیا۔^(۳) (۱۱۴)

اور انہیں اور ان کی قوم کو بہت بڑے دکھ درد سے نجات دے دی۔^(۴) (۱۱۵)

اور ان کی مدد کی تو تو بنی غالب رہے۔ (۱۱۶)

اور ہم نے انہیں (واضح اور) روشن کتاب دی۔ (۱۱۷)

اور انہیں سیدھے راستے پر قائم رکھا۔ (۱۱۸)

اور ہم نے ان دونوں کے لیے پیچھے آنے والوں میں یہ بات باقی رکھی۔ (۱۱۹)

کہ موسیٰ اور ہارون (علیہما السلام) پر سلام ہو۔ (۱۲۰)

وَلَكُمْ عَلَيْنَا وَعَلَىٰ اسْحٰقَ وَوَن ذُرِّيَّتِهِمَا مُبَارَكٌ وَّطَالِمٌ
لِّنَفْسِهِ مَبِئْنٌ ۝۱۱۳

وَلَقَدْ مَنَّا عَلَىٰ مُوسٰى وَهَارُونَ ۝۱۱۴

وَجَعَلْنَاهُمَا قَوْمَهُمَا مِنَ الذَّكَرِ الْعَظِيمِ ۝۱۱۵

وَلَقَدْ نَزَّلْنَاهُمَا مُبَارَكًا لِّغُلَامَيْنِ ۝۱۱۶

وَإِنِّيْنَاهُمَا الْكِتَابَ الشَّعْبَيْنِ ۝۱۱۷

وَهَدَيْنَاهُمَا صِرَاطَ الْمُسْتَقِيمِ ۝۱۱۸

وَتَرَكْنَا عَلَيْهِمَا فِي الْآخِرِينَ ۝۱۱۹

سَلَامٌ عَلَىٰ مُوسٰى وَهَارُونَ ۝۱۲۰

(۱) یعنی ان دونوں کی اولاد کو بہت پھیلایا اور انبیاء و رسل کی زیادہ تعداد انہی کی نسل سے ہوئی۔ حضرت اسحاق علیہ السلام کے بیٹے یعقوب علیہ السلام ہوئے، جن کے بارہ بیٹوں سے بنی اسرائیل کے ۱۲ قبیلے بنے اور ان سے بنی اسرائیل کی قوم بڑھی اور پھیلی اور اکثر انبیاء ان ہی میں سے ہوئے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دوسرے بیٹے اسماعیل علیہ السلام سے عربوں کی نسل چلی اور ان میں آخری پیغمبر حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہوئے۔

(۲) شرک و معصیت اور ظلم و فساد کا ارتکاب کر کے۔ خاندان ابراہیمی میں برکت کے باوجود نیک و بد کے ذکر سے اس طرف اشارہ کر دیا کہ خاندان اور آبا کی نسبت، اللہ کے ہاں کوئی حیثیت نہیں رکھتی۔ وہاں تو ایمان اور عمل صالح کی اہمیت ہے۔ یہود و نصاریٰ اگرچہ حضرت اسحاق علیہ السلام کی اولاد سے ہیں۔ اسی طرح مشرکین عرب حضرت اسماعیل علیہ السلام کی اولاد سے ہیں۔ لیکن ان کے جو اعمال ہیں وہ کھلی گمراہی یا شرک و معصیت پر مبنی ہیں۔ اس لیے یہ اونچی نسبتیں ان کے لیے عمل کا بدل نہیں ہو سکتیں۔

(۳) یعنی انہیں نبوت و رسالت اور دیگر انعامات سے نوازا۔

(۴) یعنی فرعون کی غلامی اور اس کے ظلم و استبداد سے۔

بے شک ہم نیک لوگوں کو اسی طرح بدلے دیا کرتے ہیں۔ (۱۲۱)

یقیناً یہ دونوں ہمارے مومن بندوں میں سے تھے۔ (۱۲۲)
بے شک الیاس (علیہ السلام) بھی پیغمبروں میں سے تھے۔ (۱) (۱۲۳)

جبکہ انہوں نے اپنی قوم سے فرمایا کہ تم اللہ سے ڈرتے نہیں ہو۔؟ (۲) (۱۲۴)

کیا تم بعل (نامی بت) کو پکارتے ہو؟ اور سب سے بہتر خالق کو چھوڑ دیتے ہو؟ (۱۲۵)

اللہ جو تمہارا اور تمہارے اگلے تمام باپ دادوں کا رب ہے۔ (۳) (۱۲۶)

لیکن قوم نے انہیں جھٹلایا، پس وہ ضرور (عذاب میں) حاضر رکھے جائیں گے، (۴) (۱۲۷)

سوائے اللہ تعالیٰ کے مخلص بندوں کے۔ (۱۲۸)
ہم نے (الیاس علیہ السلام) کا ذکر خیر پچھلوں میں بھی باقی رکھا۔ (۱۲۹)

کہ الیاس پر سلام ہو۔ (۵) (۱۳۰)

إِنَّا كَذَلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِينَ ﴿۱۲۱﴾

إِنَّمَا مِنْ عِبَادِنَا الْمُؤْمِنِينَ ﴿۱۲۲﴾

وَإِنَّا الْيَاسَ لَمِنَ الْمُرْسَلِينَ ﴿۱۲۳﴾

إِذْ قَالَ لِقَوْمِهِ أَلَا تَتَّقُونَ ﴿۱۲۴﴾

أَتَدْعُونَ بَعْلًا وَتَذَرُونَ أَحْسَنَ الْخَالِقِينَ ﴿۱۲۵﴾

اللَّهُ رَبُّكُمْ رَبُّ آبَائِكُمُ الْأَوَّلِينَ ﴿۱۲۶﴾

فَلَذِ بُوهُ فَإِنَّهُمْ مُخَضَّرُونَ ﴿۱۲۷﴾

إِلَّا عِبَادَ اللَّهِ الْمُخْلَصِينَ ﴿۱۲۸﴾

وَتَرَكْنَا عَلَيْهِ فِي الْآخِرِينَ ﴿۱۲۹﴾

سَلَامٌ عَلَىٰ إِبْرَاهِيمَ ﴿۱۳۰﴾

(۱) یہ حضرت ہارون علیہ السلام کی اولاد میں سے ایک اسرائیلی نبی تھے۔ یہ جس علاقے میں بھیجے گئے تھے اس کا نام بعلبک تھا، بعض کہتے ہیں اس جگہ کا نام سامرہ ہے جو فلسطین کا مغربی وسطی علاقہ ہے۔ یہاں کے لوگ بعل نامی بت کے پجاری تھے۔ (بعض کہتے ہیں یہ دیوی کا نام تھا)

(۲) یعنی اس کے عذاب اور گرفت سے کہ اسے چھوڑ کر تم غیر اللہ کی عبادت کرتے ہو۔

(۳) یعنی اس کی عبادت و پرستش کرتے ہو، اس کے نام کی نذر نیاز دیتے اور اس کو حاجت روا سمجھتے ہو، جو پتھر کی مورتی ہے اور جو ہر چیز کا خالق اور اگلوں پچھلوں سب کا رب ہے، اس کو تم نے فراموش کر رکھا ہے۔

(۴) یعنی توحید و ایمان سے انکار کی پاداش میں جہنم کی سزا بھگتیں گے۔

(۵) الیاسین، الیاس علیہ السلام ہی کا ایک تلفظ ہے، جیسے طور سینا کو طور سینین بھی کہتے ہیں۔ حضرت الیاس علیہ

إِنَّا كَذَلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِينَ ﴿۳۱﴾

إِنَّكَ مِنْ عِبَادِنَا الْمُؤْمِنِينَ ﴿۳۲﴾

وَلَقَدْ لَوْطَا لَيْمَ الْمُؤْسِلِينَ ﴿۳۳﴾

إِذْ جَعَلْنَاهُ وَأَهْلَهُ أَجْنَبِينَ ﴿۳۴﴾

إِلَّا نَجْزِيَنِ فِي الْعَذَابِ ﴿۳۵﴾

لَمْ دَعَرْنَا الْأَعْرَابَ ﴿۳۶﴾

وَلَا لَكُمْ تَسْتَأْذِنُونَ عَلَيْهِمْ مُصْهِرِينَ ﴿۳۷﴾

وَبِالْأَيْكُلِ أَفَلَا تَعْقِلُونَ ﴿۳۸﴾

وَلَقَدْ يُؤْتَى لَيْمَ الْمُؤْسِلِينَ ﴿۳۹﴾

ہم نیکی کرنے والوں کو اسی طرح بدلہ دیتے ہیں۔ (۱۳۱)
 بیشک وہ ہمارے ایمان دار بندوں میں سے تھے۔ (۱۳۲)^(۱)
 بیشک لوط (علیہ السلام بھی) پیغمبروں میں سے تھے۔ (۱۳۳)
 ہم نے انہیں اور ان کے گھر والوں کو سب کو نجات
 دی۔ (۱۳۴)

بجز اس بڑھیا کے جو پیچھے رہ جانے والوں میں رہ
 گئی۔ (۱۳۵)^(۲)

پھر ہم نے اوروں کو ہلاک کر دیا۔ (۱۳۶)
 اور تم تو صبح ہونے پر ان کی بستیوں کے پاس سے گزرتے
 ہو۔ (۱۳۷)

اور رات کو بھی، کیا پھر بھی نہیں سمجھتے؟ (۱۳۸)^(۳)
 اور بلاشبہ یونس (علیہ السلام) نبیوں میں سے تھے۔ (۱۳۹)

السلام کو دوسری کتابوں میں ”ایلیا“ بھی کہا گیا ہے۔

(۱) قرآن نے نبیوں اور رسولوں کا ذکر کر کے، ان کے لیے اکثر جگہ یہ الفاظ استعمال کیے ہیں کہ وہ ہمارے مومن بندوں میں سے تھا۔ جس سے دو مقصد ہیں۔ ایک ان کے اخلاق و کردار کی رفعت کا اظہار جو ایمان کا لازمی جز ہے۔ تاکہ ان لوگوں کی تردید ہو جائے جو بہت سے پیغمبروں کے بارے میں اخلاقی کمزوریوں کا اثبات کرتے ہیں، جیسے تورات و انجیل کے موجودہ نسخوں میں متعدد پیغمبروں کے بارے میں ایسے من گھڑت قصے کہانیاں درج ہیں۔ دوسرا مقصد ان لوگوں کی تردید ہے جو بعض انبیاء کی شان میں غلو کر کے ان کے اندر الہی صفات و اختیارات ثابت کرتے ہیں۔ یعنی وہ پیغمبر ضرور تھے لیکن تھے بہر حال اللہ کے بندے اور اس کے غلام نہ کہ الہ یا اس کے جز یا اس کے شریک۔

(۲) اس سے مراد حضرت لوط علیہ السلام کی بیوی ہے جو کافرہ تھی، یہ اہل ایمان کے ساتھ اس بستی سے باہر نہیں گئی تھی، کیونکہ اسے اپنی قوم کے ساتھ ہلاک ہونا تھا، چنانچہ وہ بھی ہلاک کر دی گئی۔

(۳) یہ اہل مکہ سے خطاب ہے جو تجارتی سفر میں ان تباہ شدہ علاقوں سے آتے جاتے، گزرتے تھے۔ ان کو کہا جا رہا ہے کہ تم صبح کے وقت بھی اور رات کے وقت بھی ان بستیوں سے گزرتے ہو، جہاں اب مردار بکھیرا ہے، جو دیکھنے میں بھی نہایت کریہ ہے اور سخت متعفن اور بدبودار۔ کیا تم انہیں دیکھ کر یہ بات نہیں سمجھتے کہ تکذیب رسل کی وجہ سے ان کا یہ بد انجام ہوا، تو تمہاری اس روش کا انجام بھی اس سے مختلف کیوں کر ہو گا؟ جب تم بھی وہی کام کر رہے ہو، جو انہوں نے کیا تو پھر تم اللہ کے عذاب سے کیوں کر محفوظ رہو گے؟

إِذْ أَبَقَ إِلَى الْفُلْكِ الْمَشْحُونِ ۝

فَسَاهَمَ فَكَانَ مِنَ الْمُدْحَضِينَ ۝

فَالْتَمَتَهُ الْحَوْتُ وَهُوَ مُلِيمٌ ۝

فَكَوَلَّا أَنَّهُ كَانَ مِنَ الْمَسْجُونِ ۝

لَكَيْتَ فِي بَطْنِهِ إِلَى يَوْمِ يُبْعَثُونَ ۝

فَبَدَّلَ لَهُ بِالْعَرَاءِ وَهُوَ سَقِيمٌ ۝

جب بھاگ کر پہنچے بھری کشتی پر۔ (۱۳۰)

پھر قرعہ اندازی ہوئی تو یہ مغلوب ہو گئے۔ (۱۳۱)

تو پھر انہیں مچھلی نے نگل لیا اور وہ خود اپنے آپ کو

ملا مت^(۱) کرنے لگ گئے۔ (۱۳۲)

پس اگر یہ پاکی بیان کرنے والوں میں سے نہ

ہوتے۔ (۱۳۳)

تو لوگوں کے اٹھائے جانے کے دن تک اس کے پیٹ

میں ہی رہتے۔^(۲) (۱۳۴)

پس انھیں ہم نے چٹیل میدان میں ڈال دیا اور وہ اس

وقت بیمار تھے۔^(۳) (۱۳۵)

(۱) حضرت یونس علیہ السلام عراق کے علاقے نینوی (موجودہ موصل) میں نبی بنا کر بھیجے گئے تھے، یہ آشوریوں کا پایہ تخت تھا، انہوں نے ایک لاکھ بنو اسرائیلیوں کو قیدی بنایا ہوا تھا، چنانچہ ان کی ہدایت و رہنمائی کے لیے اللہ تعالیٰ نے ان کی طرف حضرت یونس علیہ السلام کو بھیجا، لیکن یہ قوم آپ پر ایمان نہیں لائی۔ بالآخر اپنی قوم کو ڈرایا کہ غفریب تم عذاب الہی کی گرفت میں آ جاؤ گے۔ عذاب میں تاخیر ہوئی تو اللہ کی اجازت کے بغیر ہی اپنے طور پر وہاں سے نکل گئے اور سمندر پر جا کر ایک کشتی میں سوار ہو گئے۔ اپنے علاقے سے نکل کر جانے کو ایسے لفظ سے تعبیر کیا جس طرح ایک غلام اپنے آقا سے بھاگ کر چلا جاتا ہے۔ کیونکہ آپ بھی اللہ کی اجازت کے بغیر ہی اپنی قوم کو چھوڑ کر چلے گئے تھے۔ کشتی سواروں اور سامانوں سے بھری ہوئی تھی۔ کشتی سمندر کی موجوں میں گھر گئی اور کھڑی ہو گئی۔ چنانچہ اس کا وزن کم کرنے کے لیے ایک آدھ آدمی کو کشتی سے سمندر میں پھینکنے کی تجویز سامنے آئی تاکہ کشتی میں سوار دیگر انسانوں کی جانیں بچ جائیں۔ لیکن یہ قربانی دینے کے لیے کوئی تیار نہیں تھا۔ اس لیے قرعہ اندازی کرنی پڑی، جس میں حضرت یونس علیہ السلام کا نام آیا۔ اور وہ مغلوبین میں سے ہو گئے، یعنی طوعاً و کرہاً اپنے کو بھاگے ہوئے غلام کی طرح سمندر کی موجوں کے سپرد کرنا پڑا۔ ادھر اللہ تعالیٰ نے مچھلی کو حکم دیا کہ وہ انہیں ثابت نگل لے اور یوں حضرت یونس علیہ السلام اللہ کے حکم سے مچھلی کے پیٹ میں چلے گئے۔

(۲) یعنی توبہ و استغفار اور اللہ کی تسبیح بیان نہ کرتے، (جیسا کہ انہوں نے ﴿لَا إِلَهَ إِلَّا أَنْتَ سُبْحَنَكَ إِنِّي كُنْتُ مِنَ الظَّالِمِينَ﴾ الانبیاء۔ ۸۷) کو قیامت تک وہ مچھلی کے پیٹ میں ہی رہتے۔

(۳) جیسے ولادت کے وقت بچہ یا جانور کا چوزہ ہوتا ہے، مفصل، کمزور اور ناتواں۔

وَأَبْتَنَّا عَلَيْهِ شَجَرَةً مِّنْ يَّفْطِينٍ ﴿۳۹﴾

وَأَرْسَلْنَاهُ إِلَىٰ مَائِدَةِ الْإِلَهِ أَوْزَعِيْدُونَ ﴿۴۰﴾

فَأَمْنُوا بِمَنْعَتِهِمْ إِلَىٰ حِينٍ ﴿۴۱﴾

فَأَسْتَفْهِمُ الرِّبَاكَ الْبَنَاتُ وَلَهُمُ الْبَنُونَ ﴿۴۲﴾

أَمْ خَلَقْنَا الْمَلَائِكَةَ إِنَاثًا وَهُمْ شَاهِدُونَ ﴿۴۳﴾

أَلَا إِنَّهُمْ مِّنْ إِفْكِهِمْ لَيَقُولُونَ ﴿۴۴﴾

وَلَعَدَّ اللَّهُ وَآلَهُمْ لَكُذِبُونَ ﴿۴۵﴾

أَصْطَفَى الْبَنَاتِ عَلَى الْبَنِينَ ﴿۴۶﴾

مَا لَهُمْ سِيفٌ مِّمَّنْهُمْ ﴿۴۷﴾

أَفَلَا تَذَكَّرُونَ ﴿۴۸﴾

اور ان پر سایہ کرنے والا ایک بیل دار درخت ^(۱) ہم نے
اگادیا۔ (۱۳۶)

اور ہم نے انھیں ایک لاکھ بلکہ اور زیادہ آدمیوں کی
طرف بھیجا۔ (۱۳۷)

پس وہ ایمان لائے، ^(۲) اور ہم نے انہیں ایک زمانہ تک
عیش و عشرت دی۔ (۱۳۸)

ان سے دریافت کیجئے! کہ کیا آپ کے رب کی تو بیٹیاں
ہیں اور ان کے بیٹے ہیں؟ (۱۳۹)

یا یہ اس وقت موجود تھے جبکہ ہم نے فرشتوں کو مومن
پیدا کیا۔ ^(۳) (۱۴۰)

آگاہ رہو! کہ یہ لوگ صرف اپنی افترا پر دازی سے کہہ
رہے ہیں۔ (۱۴۱)

کہ اللہ تعالیٰ کی اولاد ہے۔ یقیناً یہ محض جھوٹے ہیں۔ (۱۴۲)

کیا اللہ تعالیٰ نے اپنے لیے بیٹیوں کو بیٹوں پر ترجیح
دی۔ ^(۴) (۱۴۳)

تمہیں کیا ہو گیا ہے کیسے حکم لگاتے پھرتے ہو؟ (۱۴۴)

کیا تم اس قدر بھی نہیں سمجھتے؟ ^(۵) (۱۴۵)

(۱) یَفْطِينُ ہر اس بیل کو کہتے ہیں جو اپنے تئیں پرکھڑی نہیں ہوتی، جیسے لوکی، مکدو وغیرہ کی بیل۔ یعنی اس چٹیل میدان
میں جہاں کوئی درخت تھا نہ عمارت۔ ایک سایہ دار بیل اگا کر ہم نے ان کی حفاظت فرمائی۔

(۲) ان کے ایمان لانے کی کیفیت کا بیان سورہ یونس ۹۸ میں گزر چکا ہے۔

(۳) یعنی فرشتوں کو جو یہ اللہ کی بیٹیاں قرار دیتے ہیں تو کیا جب ہم نے فرشتے پیدا کیے تھے، یہ اس وقت وہاں موجود تھے
اور انہوں نے فرشتوں کے اندر عورتوں والی خصوصیات کا مشاہدہ کیا تھا۔

(۴) جب کہ یہ خود اپنے لیے بیٹیاں نہیں، بیٹے پسند کرتے ہیں۔

(۵) کہ اگر اللہ کی اولاد ہوتی تو ذکر ہوتی، جس کو تم بھی پسند کرتے اور بہتر سمجھتے ہو، نہ کہ بیٹیاں، جو تمہاری نظروں میں
کمتر اور حقیر ہیں۔

أَمَلَكُمْ سُلْطٰنٌ مُّبِيْنٌ ۝۵۱

فَآتٰوْا بَكِيْمًا اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ۝۵۲

وَجَعَلُوْا اٰيٰتِهٖ وَبَيِّنٰتِ الْجَنَّةِ كَسْبًا ۚ وَلَقَدْ عَلِمَتْ الْاٰنَةُ
اِنَّهُمْ لَمُحْضَرُوْنَ ۝۵۳

سُبْحٰنَ اللّٰهِ عَمَّا يُصِفُوْنَ ۝۵۴

اِلَّا عِبَادَ اللّٰهِ الْمُخَصِّيْنَ ۝۵۵

فَاَتَاكُمْ وَمَا تَعْبُدُوْنَ ۝۵۶

مَا اَنْتُمْ عَلَيْهِ بِفٰتِنِيْنَ ۝۵۷

اِلَّا مَنْ هُوَ صٰلِحٌ مُّجْتَمِعٌ ۝۵۸

وَمٰلًا اِلَّا لَهُ مَقٰمًا مَّعْلُوْمٌ ۝۵۹

یا تمہارے پاس اس کی کوئی صاف دلیل ہے۔ (۱۵۶)

تو جاؤ اگر سچے ہو تو اپنی ہی کتاب لے آؤ۔^(۱) (۱۵۷)

اور ان لوگوں نے تو اللہ کے اور جنات کے درمیان بھی
قربابت داری ٹھہرائی^(۲) ہے، اور حالانکہ خود جنات کو
معلوم ہے کہ وہ (اس عقیدہ کے لوگ عذاب کے
سامنے) پیش کیے جائیں گے۔^(۳) (۱۵۸)

جو کچھ یہ (اللہ کے بارے میں) بیان کر رہے ہیں اس سے
اللہ تعالیٰ بالکل پاک ہے۔ (۱۵۹)

سوائے! اللہ کے مخلص بندوں کے۔^(۴) (۱۶۰)

یقین مانو کہ تم سب اور تمہارے معبودان (باطل)۔ (۱۶۱)

کسی ایک کو بھی بکا نہیں سکتے۔ (۱۶۲)

بجز اس کے جو جنسی ہی ہے۔^(۵) (۱۶۳)

(فرشتوں کا قول ہے کہ) ہم میں سے تو ہر ایک کی جگہ

(۱) یعنی عقل تو اس عقیدے کی صحت کو تسلیم نہیں کرتی کہ اللہ کی اولاد ہے اور وہ بھی مؤنث، چلو کوئی نقلی دلیل ہی دکھا
دو، کوئی کتاب جو اللہ نے اتاری ہو، اس میں اللہ کی اولاد کا اعتراف یا حوالہ ہو؟

(۲) یہ اشارہ ہے مشرکین کے اس عقیدے کی طرف کہ اللہ نے جنات کے ساتھ رشتہ ازدواج قائم کیا، جس سے لڑکیاں پیدا
ہوئیں۔ یہی بنات اللہ، فرشتے ہیں۔ یوں اللہ تعالیٰ اور جنوں کے درمیان قربابت داری (سسرالی رشتہ) قائم ہو گیا۔

(۳) حالانکہ یہ بات کیوں کر صحیح ہو سکتی ہے؟ اگر ایسا ہو تا تو اللہ تعالیٰ جنات کو عذاب میں کیوں ڈالتا؟ کیا وہ اپنی قربابت
داری کا لحاظ نہ کرتا؟ اور اگر ایسا نہیں ہے بلکہ خود جنات بھی جانتے ہیں کہ انہیں عقاب و عذاب الہی بھگتنے کے لیے
ضرور جنم میں جانا ہو گا تو پھر اللہ اور جنوں کے درمیان قربابت داری کس طرح ہو سکتی ہے؟

(۴) یعنی یہ اللہ کے بارے میں ایسی باتیں نہیں کہتے جن سے وہ پاک ہے۔ یہ مشرکین ہی کا شیوہ ہے۔ یا یہ مطلب ہے کہ
جنم میں جنات اور مشرکین ہی حاضر کیے جائیں گے، اللہ کے مخلص (بچے ہوئے) بندے نہیں۔ ان کے لیے تو اللہ نے
جنت تیار کر رکھی ہے۔ اس صورت میں یہ لَمُحْضَرُوْنَ سے اشتباہ ہے اور تسبیح جملہ معترضہ ہے۔

(۵) یعنی تم اور تمہارے معبودان باطلہ کسی کو گمراہ کرنے پر قادر نہیں ہیں، سوائے ان کے جو اللہ کے علم میں پہلے ہی
جنسی ہیں۔ اور اسی وجہ سے وہ کفر و شرک پر مصر ہیں۔

مقرر ہے۔^(۱) (۱۶۳)

اور ہم تو (بندگی الہی میں) صف بستہ کھڑے ہیں۔ (۱۶۵)

اور اس کی تسبیح بیان کر رہے ہیں۔^(۲) (۱۶۶)

کفار تو کہا کرتے تھے۔ (۱۶۷)

کہ اگر ہمارے سامنے اگلے لوگوں کا ذکر ہوتا۔ (۱۶۸)

تو ہم بھی اللہ کے چیدہ بندے بن جاتے۔^(۳) (۱۶۹)

لیکن پھر اس قرآن کے ساتھ کفر کر گئے،^(۴) پس اب

عنقریب جان لیں گے۔^(۵) (۱۷۰)

اور البتہ ہمارا وعدہ پہلے ہی اپنے رسولوں کے لیے صادر

ہو چکا ہے۔ (۱۷۱)

کہ یقیناً وہ ہی مدد کیے جائیں گے۔ (۱۷۲)

اور ہمارا ہی لشکر غالب (اور برتر) رہے گا۔^(۶) (۱۷۳)

اب آپ کچھ دنوں تک ان سے منہ پھیر لیجئے۔^(۷) (۱۷۴)

اور انہیں دیکھتے رہئے،^(۸) اور یہ بھی آگے چل کر دیکھ

وَاِنَّا لَنَحْنُ الصَّافُّونَ ﴿۱۶۵﴾

وَاِنَّا لَنَحْنُ الْمُسَبِّحُونَ ﴿۱۶۶﴾

وَاِنَّا كَاٰلُ الْيَقُوٰثِ ﴿۱۶۷﴾

لَا اَنَّا عِنْدَ تَاٰذِ الْاَكْثَرِیْنَ ﴿۱۶۸﴾

لَنَكْلَعِبَادَ اللّٰهِ الْخٰصِّیْنَ ﴿۱۶۹﴾

فَكُفِّرُوْا بِهٖمْ مَّصُوْفٌ یَّعْلَمُوْنَ ﴿۱۷۰﴾

وَلَقَدْ سَبَقَتْ كَلِمَتُنَا لِجَاٰدِکَ الْمُرْسَلِیْنَ ﴿۱۷۱﴾

اِنَّمَا لَہُمْ الْمَنصُورُونَ ﴿۱۷۲﴾

وَاِنَّا جُنْدٌ لَّہُمْ الْغٰلِبُونَ ﴿۱۷۳﴾

فَقَوَّلْ عَنۡہُمْ حَتّٰی جِئُوْا ﴿۱۷۴﴾

وَاَبْعِزۡہُمْ نَفْسًا یَّجِیۡرُونَ ﴿۱۷۵﴾

(۱) یعنی اللہ کی عبادت کے لیے۔ یہ فرشتوں کا قول ہے۔

(۲) مطلب یہ ہے کہ فرشتے بھی اللہ کی مخلوق اور اس کے خاص بندے ہیں جو ہر وقت اللہ کی عبادت میں اور اس کی تسبیح و تقدیس میں مصروف رہتے ہیں، نہ کہ وہ اللہ کی بیٹیاں ہیں جیسا کہ مشرکین کہتے ہیں۔

(۳) ذکر سے مراد کوئی کتاب الہی یا پیغمبر ہے۔ یعنی یہ کفار نزول قرآن سے پہلے کہا کرتے تھے کہ ہمارے پاس بھی کوئی آسمانی کتاب ہوتی، جس طرح پہلے لوگوں پر تورات وغیرہ نازل ہوئیں۔ یا کوئی ہادی اور منذر ہمیں وعظ و نصیحت کرنے والا ہوتا تو ہم بھی اللہ کے خالص بندے بن جاتے۔

(۴) یعنی ان کی آرزو کے مطابق جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہادی بن کر آگئے، قرآن مجید بھی نازل کر دیا گیا تو ان پر ایمان لانے کے بجائے، ان کا انکار کر دیا۔

(۵) یہ تمہید و وعید ہے کہ اس تکذیب کا انجام عنقریب ان کو معلوم ہو جائے گا۔

(۶) جیسے دوسرے مقام پر فرمایا، ﴿كَتَبَ اللّٰهُ لَکُمۡلِکَ تِلْکَ اَنۡ تَاۡدُوۡنَہٗ﴾ (المجادلة: ۲۱)

(۷) یعنی ان کی باتوں اور ایذاؤں پر صبر کیجئے۔

(۸) کہ کب ان پر اللہ کا عذاب آتا ہے؟

لیں گے۔ (۱۷۵)

کیا یہ ہمارے عذاب کی جلدی چار ہے؟ (۱۷۶)
سنو! جب ہمارا عذاب ان کے میدان میں اتر آئے گا اس
وقت ان کی جن کو متنبہ کر دیا گیا تھا^(۱) بڑی بری صبح ہو
گی۔ (۱۷۷)

آپ کچھ وقت تک ان کا خیال چھوڑ دیجئے۔ (۱۷۸)
اور دیکھتے رہیں یہ بھی ابھی ابھی دیکھ لیں گے۔ (۱۷۹)^(۲)
پاک ہے آپ کا رب جو بہت بڑی عزت والا ہے ہر اس
چیز سے (جو مشرک) بیان کرتے ہیں۔ (۱۸۰)^(۳)
پیغمبروں پر سلام ہے۔ (۱۸۱)^(۴)
اور سب طرح کی تعریف اللہ کے لیے ہے جو سارے
جہان کا رب ہے۔ (۱۸۲)^(۵)

أَفَعِدَّائِيَائَتَعَجِّلُونَ ﴿۱۷۵﴾

فَإِذَا نَزَلَ بِسَاحَتِهِمْ فَسَاءَ صَبَاحُ الْمُنْذَرِينَ ﴿۱۷۶﴾

وَقَوْلُ عَنَّا هُمْ حَلَّىٰ جَنِّ ﴿۱۷۸﴾

وَأَبْصَرَ سَوْفَ يَصِيرُونَ ﴿۱۷۹﴾

سُبْحَنَ رَبِّكَ رَبِّ الْعِزَّةِ عَمَّا يَصِفُونَ ﴿۱۸۰﴾

وَسَلَامٌ عَلَى الْمُرْسَلِينَ ﴿۱۸۱﴾

وَالْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ ﴿۱۸۲﴾

- (۱) مسلمان جب خیبر پر حملہ کرنے گئے، تو یودی انہیں دیکھ کر گھبرا گئے، جس پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اللہ اکبر کہہ کر فرمایا تھا۔ «خَرَبْتُ خَيْبَرَ، إِنَّا إِذَا نَزَلْنَا بِسَاحَةِ قَوْمِ فَسَاءَ صَبَاحُ الْمُنْذَرِينَ» (صحیح بخاری، کتاب الصلاة، باب ما يذكر في الفخذ، مسلم، کتاب الجہاد باب غزوة خیبر)
- (۲) یہ بطور تاکید دوبارہ فرمایا۔ یا پہلے جملے سے مراد دنیا کا وہ عذاب ہے جو اہل مکہ پر بدر و احد اور دیگر جنگوں میں مسلمانوں کے ہاتھوں کافروں کے قتل و سلب کی صورت میں آیا۔ اور دوسرے جملے میں اس عذاب کا ذکر ہے جس سے یہ کفار و مشرکین آخرت میں دوچار ہوں گے۔
- (۳) اس میں عیوب و نقائص سے اللہ کے پاکیزہ ہونے کا بیان ہے جو مشرکین اللہ کے لیے بیان کرتے ہیں، مثلاً اس کی اولاد ہے، یا اس کا کوئی شریک ہے۔ یہ کہ تاہمیاں بندوں کے اندر ہیں اور اولاد یا شریکوں کے ضرورت مند بھی وہی ہیں، اللہ ان سب باتوں سے بہت بلند اور پاک ہے۔ کیونکہ وہ کسی کا محتاج ہی نہیں ہے کہ اسے اولاد کی یا کسی شریک کی ضرورت پیش آئے۔
- (۴) کہ انہوں نے اللہ کا پیغام اہل دنیا کی طرف پہنچایا، جس پر یقیناً وہ سلام و تبریک کے مستحق ہیں۔
- (۵) یہ بندوں کو سمجھایا جا رہا ہے کہ اللہ نے تم پر احسان کیا ہے، پیغمبر بھیجے، کتابیں نازل کیں اور پیغمبروں نے تمہیں اللہ کا پیغام پہنچایا، اس لیے تم اللہ کا شکر ادا کرو۔ بعض کہتے ہیں کہ کافروں کو ہلاک کر کے اہل ایمان اور پیغمبروں کو بچایا، اس پر شکر الہی کرو۔ حمد کے معنی ہیں بہ قصد تعظیم ثناء جمیل، ذکر خیر اور عظمت شان بیان کرنا۔

سورہ ص کی ہے اور اس میں اٹھای آیتیں اور
پانچ رکوع ہیں۔

سُورَةُ ص

شروع کرتا ہوں اللہ تعالیٰ کے نام سے جو بڑا مہربان
نہایت رحم والا ہے۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

ص! اس نصیحت والے قرآن کی قسم۔^(۱)
بلکہ کفار غرور و مخالفت میں پڑے ہوئے ہیں۔^(۲)
ہم نے ان سے پہلے بھی بہت سی امتوں کو تباہ کر ڈالا^(۳)
انہوں نے ہر چند جھج پکار کی لیکن وہ وقت چھٹکارے کا نہ
تھا۔^(۴)

اور کافروں کو اس بات پر تعجب ہوا کہ ان ہی میں سے
ایک انہیں ڈرانے والا آگیا^(۵) اور کہنے لگے کہ یہ تو
جادوگر اور جھوٹا ہے۔^(۶)

ص وَالْقُرْآنِ ذِي الذِّكْرِ

بَلِ الَّذِينَ كَفَرُوا فِي رِجْزٍ وَشِقَاقٍ

كَمْ أَهْلَكْنَا مِنْ قَبْلِهِمْ مِنْ قَرْنٍ فَنَادَ ذَا لِكُنَّا مِنْ أَهْلِ مَنَاقِبٍ

وَعَجِبُوا أَنْ جَاءَهُمْ مُنْذِرٌ مِنْهُمْ وَقَالَ الْكَافِرُونَ هَذَا سَاحِرٌ
كَذَّابٌ

(۱) جس میں تمہارے لیے ہر قسم کی نصیحت اور ایسی باتیں ہیں، جن سے تمہاری دنیا بھی سنور جائے اور آخرت بھی۔
بعض نے ذی الذکر کا ترجمہ شان اور مرتبت والا، کیے ہیں۔ امام ابن کثیر فرماتے ہیں۔ دونوں معنی صحیح ہیں۔ اس لیے کہ
قرآن عظمت شان کا حامل بھی ہے اور اہل ایمان و تقویٰ کے لیے نصیحت اور درس عبرت بھی۔ اس قسم کا جواب
محذوف ہے کہ بات اس طرح نہیں ہے جس طرح کفار مکہ کہتے ہیں کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ساحر، شاعر یا کاذب ہیں۔
بلکہ وہ اللہ کے سچے رسول ہیں جن پر یہ ذی شان قرآن نازل ہوا۔

(۲) یعنی یہ قرآن تو یقیناً شک سے پاک اور ان کے لیے نصیحت ہے جو اس سے عبرت حاصل کریں البتہ ان کافروں کو
اس سے فائدہ اس لیے نہیں پہنچ رہا ہے کہ ان کے دماغوں میں استکبار اور غرور ہے اور دلوں میں مخالفت و عناد۔ عزت
کے معنی ہوتے ہیں، حق کے مقابلے میں اکرنا۔

(۳) جو ان سے زیادہ مضبوط اور قوت والے تھے لیکن کفر و تکذیب کی وجہ سے برے انجام سے دوچار ہوئے۔

(۴) یعنی انہوں نے عذاب دیکھ کر مدد کے لیے پکارا اور توبہ پر آمادگی کا اظہار کیا لیکن وہ وقت توبہ کا تھا نہ فرار کا۔ اس
لیے نہ ان کا ایمان نافع ہوا اور نہ وہ بھاگ کر عذاب سے بچ سکے لَآت، لَاہی ہے جس میں ت کا اضافہ ہے جیسے ذم کو
ذمّہ بھی بولتے ہیں مَنَاص، نَاص یَنُوصُ کا مصدر ہے، جس کے معنی بھاگنے اور پیچھے ہٹنے کے ہیں۔

(۵) یعنی انہی کی طرح کا ایک انسان رسول کس طرح بن گیا۔

اجْعَلِ اللَّهُ لَهُمْ آيَةً وَاجْعَلْ لِي آيَةً ۚ هَذَا الَّذِي يُعَذِّبُ ۝

وَأَنطَلَقَ الْمَلَائِكَةُ مِنْ أَشْوَاقٍ وَاصْبِرْ عَلَىٰ إِلَٰهَيْكَ هَٰذَا
لَقَدْ يَنبَإُكَ ۝

مَا سَمِعْنَا بِهَٰذَا فِي الْمَلَكَةِ الْآخِرَةِ ۚ إِنَّ هَٰذَا لَأَلَّا
أُخْبَلَا ۝

أَنزَلَ عَلَيْهِ الذِّكْرَ مِنْ بَيْنِنَا لَبِئْسَ مَا فِي صُفْحٍ تَن
ذُكِّرُوا بِهِ لَبِئْسَ مَا تَدْعُو وَعَذَابٌ ۝

کیا اس نے اتنے سارے معبودوں کا ایک ہی معبود کر دیا
واقعی یہ بہت ہی عجیب بات ہے۔^(۱) (۵)

ان کے سردار یہ کہتے ہوئے چلے کہ چلو جی اور اپنے
معبودوں پر جے رہو،^(۲) یقیناً اس بات میں تو کوئی غرض
ہے۔^(۳) (۶)

ہم نے تو یہ بات پچھلے دین میں بھی نہیں سنی،^(۴) کچھ
نہیں یہ تو صرف گھڑت ہے۔^(۵) (۷)

کیا ہم سب میں سے اسی پر کلام الہی نازل کیا گیا ہے؟^(۶)
در اصل یہ لوگ میری وحی کی طرف سے شک میں
ہیں،^(۷) بلکہ (صحیح یہ ہے کہ) انہوں نے اب تک میرا
عذاب چکھا ہی نہیں۔^(۸) (۸)

(۱) یعنی ایک ہی اللہ ساری کائنات کا نظام چلانے والا ہے، اس کا کوئی شریک نہیں ہے، اسی طرح عبادت اور نذر و نیاز کا
مستحق بھی صرف وہی ایک ہے؟ یہ ان کے لیے تعجب انگیز بات تھی۔

(۲) یعنی اپنے دین پر جے رہو اور بتوں کی عبادت کرتے رہو، محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی بات پر کان مت دھرو!

(۳) یعنی یہ ہمیں ہمارے معبودوں سے چھڑا کر دراصل ہمیں اپنے پیچھے لگانا اور اپنی قیادت و سیادت منوانا چاہتا ہے۔

(۴) پچھلے دین سے مراد یا تو ان کا ہی دین قریش ہے، یا پھر دین نصاریٰ۔ یعنی یہ جس توحید کی دعوت دے رہا ہے، اس کی
بات تو ہم نے کسی بھی دین میں نہیں سنا۔

(۵) یعنی یہ توحید صرف اس کی اپنی من گھڑت ہے، ورنہ عیسائیت میں بھی اللہ کے ساتھ دوسروں کو الوہیت میں شریک
تسلیم کیا گیا ہے۔

(۶) یعنی مکے میں بڑے بڑے چودھری اور رئیس ہیں، اگر اللہ کسی کو نبی بنانا ہی چاہتا تو ان میں سے کسی کو بناتا۔ ان سب کو
چھوڑ کر وحی و رسالت کے لیے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کا انتخاب بھی عجیب ہے؟ یہ گویا انہوں نے اللہ کے انتخاب میں کیڑے
نکالے۔ سچ ہے خوتے بد راہمان بسیار۔ دوسرے مقام پر بھی یہ مضمون بیان کیا گیا ہے۔ مثلاً سورۃ زخرف - ۳۱-۳۲۔

(۷) یعنی ان کا انکار اس لیے نہیں ہے کہ انہیں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت کا علم نہیں ہے یا آپ کی سلامت
عقل سے انہیں انکار ہے بلکہ یہ اس وحی کے بارے میں ہی ریب و شک میں مبتلا ہیں جو آپ پر نازل ہوئی، جس میں
سب سے نمایاں توحید کی دعوت ہے۔

(۸) کیونکہ عذاب کا مزہ کچھ لیتے تو اتنی واضح چیز کی تکذیب نہ کرتے۔ اور جب یہ اس تکذیب کا واقعی مزہ چکھیں گے تو

یا کیا ان کے پاس تیرے زبردست فیاض رب کی رحمت کے خزانے ہیں۔^(۱) (۹)

یا کیا آسمان وزمین اور ان کے درمیان کی ہر چیز کی بادشاہت ان ہی کی ہے، تو پھر یہ رسیاں تان کر چڑھ جائیں۔^(۲) (۱۰)
یہ بھی (بڑے بڑے) لشکروں میں سے شکست پایا ہوا (چھوٹا سا) لشکر ہے۔^(۳) (۱۱)

ان سے پہلے بھی قوم نوح اور عاد اور میمون والے فرعون^(۴) نے جھٹلایا تھا۔ (۱۲)

اور ثمود نے اور قوم لوط نے اور ایکہ کے رہنے والوں^(۵) نے بھی، یہی (بڑے) لشکر تھے۔ (۱۳)

أَمْ عِنْدَهُمْ خَزَائِنُ رَحْمَةِ رَبِّكَ الْعَزِيزِ الْوَهَّابِ ۝۹

أَمْ لَهُمْ مَثَلُ الثَّالُوتِ وَالْأَنْصَارِ وَمَا بَيْنَهُمَا فَكَيْفَ تَقُولُوا
فِي الْكِتَابِ ۝۱۰

جُنْدًا هَٰؤُلَاءِ مَهْزُومٌ مِّنَ الْأَحْزَابِ ۝۱۱

كَذَّبَتْ قَبْلَهُمْ قَوْمُ نُوحٍ وَعَادٌ وَفِرْعَوْنُ ذُو الْأَوْتَادِ ۝۱۲

وَتَمُودُ وَقَوْمُ لُوطٍ وَأَصْحَابُ لَيْكَةِ أُولَٰئِكَ الْأَحْزَابُ ۝۱۳

وہ وقت ایسا ہو گا کہ پھر نہ تصدیق کام آئے گی، نہ ایمان ہی فائدہ دے گا۔

(۱) کہ یہ جس کو چاہیں دیں اور جس کو چاہیں نہ دیں، انہی خزانوں میں نبوت بھی ہے۔ اور اگر ایسا نہیں ہے، بلکہ رب کے خزانوں کا مالک وہی وہاب ہے جو بہت دینے والا ہے، تو پھر انہیں نبوت محمدی سے انکار کیوں ہے؟ جسے اس نوازنے والے رب نے اپنی رحمت خاص سے نوازا ہے۔

(۲) یعنی آسمان پر چڑھ کر اس وحی کا سلسلہ منقطع کر دیں جو محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) پر نازل ہوتی ہے۔ اسباب، سبب کی جمع ہے۔ اس کے لغوی معنی ہر اس چیز کے ہیں جس کے ذریعے سے مطلوب تک پہنچا جائے، چاہے وہ کوئی سی بھی چیز ہو۔ اس لیے اس کے مختلف معنی کیے گئے ہیں۔ رسیوں کے علاوہ ایک ترجمہ دروازے کا بھی کیا گیا ہے، جن سے فرشتے زمین پر اترتے ہیں۔ یعنی میڑھیوں کے ذریعے سے آسمان کے دروازوں تک پہنچ جائیں اور وحی بند کر دیں۔ (فتح القدیر)

(۳) جُنْدٌ، مبتدا محذوف، ہُنَّ کی خبر ہے اور ما بطور تاکید تعظیم یا تحقیر کے لیے ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی مدد اور کفار کی شکست کا وعدہ ہے۔ یعنی کفار کا یہ لشکر جو باطل کے لشکروں میں سے ایک لشکر ہے، بڑا ہے۔ یا حقیر، اس کی قطعاً پروا نہ کریں نہ اس سے خوف کھائیں، شکست اس کا مقدر ہے۔ هُنَالِكَ مکان بعید کی طرف اشارہ ہے جو جنگ بدر اور یوم فتح مکہ کی طرف بھی ہو سکتا ہے۔ جہاں کافر عبرت ناک شکست سے دوچار ہوئے۔

(۴) فرعون کو میمون والا اس لیے کہا کہ وہ ظالم جب کسی پر غضب ناک ہوتا تو اس کے ہاتھوں، پیروں اور سر میں میخیں گاڑ دیتا، یا اس سے مقصد بطور استعارہ اس کی قوت و شوکت اور مضبوط حکومت کا اظہار ہے یعنی میمون سے جس طرح کسی چیز کو مضبوط کر دیا جاتا ہے، اس کا لشکر جرار اور اس کے پیروکار بھی اس کی سلطنت کی قوت و استحکام کا باعث تھے۔

(۵) أَصْحَابُ الْأَيْكَةِ کے لیے دیکھئے سورہ شعراء ۶۱-۷۶ کا حاشیہ۔

إِنْ كُلُّ الْإِنْسَانِ لِرَبِّهِ الْفَاسِقُ ۝

وَمَا يَنْظُرُهُمْ إِلَّا صِغَرَةٌ وَاجِدَةً مَّا لَهُمَّا

مِنْ قَوْلٍ ۝

وَقَالُوا رَبَّنَا عَجِّلْ لَنَا قِطْعَانَا بَلْ يَوْمِ الْحِسَابِ ۝

إِصْبِرْ عَلَىٰ مَا يَقُولُونَ وَلَا تُنْكِرْ بَدَلًا ۝

الْأَيُّهَا أَتَا ۝

إِنَّا سَخَّرْنَا الْجِبَالَ مَعَهُ يُسَبِّحْنَ بِالْعَمِيِّ وَالْإِنشَارِ ۝

وَالطَّيْرِ مَخْمُورَةً كُلٌّ لَّكَ آدَابٌ ۝

ان میں سے ایک بھی ایسا نہ تھا جس نے رسولوں کی

تکذیب نہ کی ہو پس میری سزا ان پر ثابت ہو گئی۔ (۱۳)

انہیں صرف ایک چیخ کا انتظار^(۱) ہے جس میں کوئی توقف

(اور ڈھیل) نہیں ہے۔^(۲) (۱۵)

اور انہوں نے کہا کہ اے ہمارے رب! ہماری سرنوشت

تو ہمیں روز حساب سے پہلے ہی دے دے۔^(۳) (۱۶)

آپ ان کی باتوں پر صبر کریں اور ہمارے بندے داود

(علیہ السلام) کو یاد کریں جو بڑی قوت والا تھا،^(۴) یقیناً وہ

بہت رجوع کرنے والا تھا۔ (۱۷)

ہم نے پہاڑوں کو اس کے تابع کر رکھا تھا کہ اس کے

ساتھ شام کو اور صبح کو تسبیح خوانی کریں۔ (۱۸)

اور پرندوں کو بھی جمع ہو کر سب کے سب اس کے زیر

(۱) یعنی صور پھونکنے کا جس سے قیامت برپا ہو جائے گی۔

(۲) دودھ دوہنے والا ایک مرتبہ کچھ دودھ وہ کر کے کو اونٹنی یا گائے بھینس کے پاس چھوڑ دیتا ہے تاکہ اس کے دودھ

پینے سے تھنوں میں دودھ اتر آئے، چنانچہ تھوڑی دیر بعد بچے کو زبردستی پیچھے ہٹا کر خود دودھ دوہنا شروع کر دیتا ہے۔ یہ

دو مرتبہ دودھ دوہنے کے درمیان کا جو وقفہ ہے، یہ فواق کہلاتا ہے۔ یعنی صور پھونکنے کے بعد اتنا وقفہ بھی نہیں ملے گا،

بلکہ صور پھونکنے کی دیر ہوگی کہ قیامت کا زلزلہ برپا ہو جائے گا۔

(۳) قِطْعُ کے معنی ہیں، حصہ، مراد یہاں نامہ عمل یا سرنوشت ہے۔ یعنی ہمارے نامہ اعمال کے مطابق ہمارے حصے میں

اچھی یا بری سزا بھی ہے، یوم حساب کے آنے سے پہلے ہی ہمیں دنیا میں دے دے۔ یہ یَسْتَعْجِلُونَكَ بِالْعَذَابِ

والی بات ہی ہے۔ یہ وقوع قیامت کو ناممکن سمجھتے ہوئے انہوں نے استعجال اور تسخیر کے طور پر کہا۔

(۴) یہ اُنْدُ، یَنْدُ (ہاتھ) کی جمع نہیں ہے۔ بلکہ یہ اَذْ یَنْدُ کا مصدر اُنْدُ ہے، قوت و شدت۔ اسی سے تائید بمعنی تقویت

ہے۔ اس قوت سے مراد دینی قوت و صلابت ہے، جس طرح حدیث میں آتا ہے ”اللہ کو سب سے زیادہ محبوب نماز، داود

علیہ السلام کی نماز اور سب سے زیادہ محبوب روزے، داود علیہ السلام کے روزے ہیں، وہ نصف رات سوتے، پھر اٹھ کر

رات کا تہائی حصہ قیام کرتے اور پھر اس کے چھ حصے میں سو جاتے۔ ایک دن روزہ رکھتے اور ایک دن نافہ کرتے اور

جنگ میں فرار نہ ہوتے، (صحیح بخاری، کتاب الانبیاء، باب و آتینا داود زبوراً، و مسلم، کتاب الصیام، باب

النہی عن صوم الدھر)

فرمان رہتے۔^(۱۹)

اور ہم نے اس کی سلطنت کو مضبوط کر دیا تھا^(۲۰) اور اسے حکمت دی تھی^(۲۱) اور بات کا فیصلہ کرنا۔^(۲۲) اور کیا تجھے جھگڑا کرنے والوں کی (بھی) خبر ملی؟ جبکہ وہ دیوار پھاند کر محراب میں آگئے۔^(۲۳)

جب یہ (حضرت) داود (علیہ السلام) کے پاس پہنچے، پس یہ ان سے ڈر گئے،^(۲۴) انہوں نے کہا خوف نہ کیجئے! ہم دو فریق مقدمہ ہیں، ہم میں سے ایک نے دوسرے پر زیادتی کی ہے، پس آپ ہمارے درمیان حق کے ساتھ فیصلہ کر دیجئے اور نا انصافی نہ کیجئے اور ہمیں سیدھی راہ بتا دیجئے۔^(۲۵)

(سنیے) یہ میرا بھائی ہے^(۲۶) اس کے پاس نناوے دینیاں

وَشَدَدْنَا مُلْكَهُ وَأَتَيْنَاهُ الْحِكْمَةَ وَفَضَّلْنَا الْإِسْطَابَ ۝

وَهَلْ أَتَاكَ نَبَأُ الْخَصْمِ إِذْ تَسَوَّرُوا الْمِحْرَابَ ۝

إِذْ دَخَلُوا عَلَيَّ دَاوُدَ فَفَزِعَ مِنْهُمْ قَائِلُ الرَّعَفَةِ خَصْمَيْنِ بَيْنِي وَبَيْنَهُمَا نِزَاعٌ ۚ بَعْضُهُمَا عَلَيَّ فَاحْكُم بَيْنَنَا يَا حَكِيمٌ وَلَا تُشْطِطْ وَاهُونًا إِلَىٰ سَوَاءِ الصِّرَاطِ ۝

إِنَّ هَذَا أَخِي فَأَتَوْنِي وَتَجْعَلُونَ نَجْبَةً لِّي نَجْبَةً وَاحِدَةً ۖ

(۱) یعنی اشراق کے وقت اور آخر دن کو پہاڑ بھی داود علیہ السلام کے ساتھ مصروف تسبیح ہوتے اور اڑتے جانور بھی زبور کی قراءت سن کر ہوا ہی میں جمع ہو جاتے اور ان کے ساتھ اللہ کی تسبیح کرتے۔ محشورۃ کے معنی مجموعتہ ہیں۔

(۲) ہر طرح کے مادی اور روحانی اسباب کے ذریعے سے۔

(۳) یعنی نبوت، اصابت، رائے، قول سداد اور فعل صواب۔

(۴) یعنی مقدمات کے فیصلے کرنے کی صلاحیت، بصیرت و فہم اور استدلال و بیان کی قوت۔

(۵) میخربا سے مراد کمرہ ہے جس میں سب سے علیحدہ ہو کر یکسوئی کے ساتھ اللہ کی عبادت کرتے۔ دروازے پر پہرے دار ہوتے، تاکہ کوئی اندر آکر عبادت میں مغل نہ ہو۔ جھگڑا کرنے والے پیچھے سے دیوار پھاند کر اندر آگئے۔

(۶) ڈرنے کی وجہ صاف ظاہر ہے کہ ایک تو وہ دروازے کے بجائے عقب سے دیوار چڑھ کر اندر آئے۔ دوسرے انہوں نے اتنا بڑا اقدام کرتے ہوئے بادشاہ وقت سے کوئی خوف محسوس نہیں کیا۔ ظاہری اسباب کے مطابق خوف والی چیز سے خوف کھانا، انسان کا ایک طبعی تقاضا ہے۔ یہ منصب و کمال نبوت کے خلاف ہے نہ توحید کے منافی۔ توحید کے منافی غیر اللہ کا وہ خوف ہے جو مارائے اسباب ہو۔

(۷) آنے والوں نے تسلی دی کہ گھبرانے کی ضرورت نہیں ہے، ہمارے درمیان ایک جھگڑا ہے، ہم آپ سے فیصلہ کرانے آئے ہیں، آپ حق کے ساتھ فیصلہ بھی فرمائیں اور سیدھے راستے کی طرف ہماری رہنمائی بھی۔

(۸) بھائی سے مراد دینی بھائی یا شریک کار و بار یا دوست ہے۔ سب پر بھائی کا اطلاق صحیح ہے۔

قَالَ اَلْعَلِيَّيْنِهَا وَخَرَجَ فِي الْخُطَابِ (۳۱)

ہیں اور میرے پاس ایک ہی دینی ہے لیکن یہ مجھ سے کہہ رہا ہے کہ اپنی یہ ایک بھی مجھ ہی کو دے دے (۱) اور مجھ پر بات میں بڑی سختی برتا ہے۔ (۲۳)

قَالَ لَقَدْ عَلِمْتُكَ يُسْأَلُ نَعْبَتِكَ إِلَى نَعَايِهِ وَإِنْ كَثُرَ لَوْ أَنَّ الْخُلَطَاءَ لَيَنْتَعِي بَعْضُهُمْ عَلَى بَعْضٍ إِلَّا الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ وَلَقِيلَ لَهُمْ وَكُنْ دَاوُدُ أَكْبَرُ فَتَنَّهُ فَاَسْتَغْفَرَ رَبَّهُ وَخَرَّ رَاكِعًا وَأَنَابَ (۳۲)



آپ نے فرمایا! اس کا اپنی دنیوں کے ساتھ تیری ایک دینی ملا لینے کا سوال بیشک تیرے اوپر ایک ظلم ہے اور اکثر حصہ دار اور شریک (ایسے ہی ہوتے ہیں کہ) ایک دوسرے پر ظلم کرتے (۳) ہیں، سوائے ان کے جو ایمان لائے اور جنہوں نے نیک عمل کیے اور ایسے لوگ بہت ہی کم ہیں (۴) اور (حضرت) داود (علیہ السلام) سمجھ گئے کہ ہم نے انہیں آزمایا ہے، پھر تو اپنے رب سے استغفار کرنے لگے اور عاجزی کرتے ہوئے گر پڑے (۵) اور (پوری طرح) رجوع کیا۔ (۲۳)

فَقَعَزْنَا لَهُ ذَلِكَ وَإِنْ لَهُ عِنْدَنَا لَوْ لُغِي

پس ہم نے بھی ان کا وہ (قصور) معاف کر دیا، (۶) یقیناً وہ

(۱) یعنی یہ ایک دینی بھی میری دنیوں میں شامل کر دے تاکہ میں ہی اس کا بھی ضامن اور کفیل ہو جاؤں۔

(۲) دوسرا ترجمہ ہے ”اور یہ گفتگو میں مجھ پر غالب آگیا ہے“ یعنی جس طرح اس کے پاس مال زیادہ ہے، زبان کا بھی مجھ سے زیادہ تیز ہے اور اس تیزی و طراری کی وجہ سے لوگوں کو قائل کر لیتا ہے۔

(۳) یعنی انسانوں میں یہ کوتاہی عام ہے کہ ایک شریک دوسرے پر زیادتی کرتا ہے اور کوشش کرتا ہے کہ دوسرے کا حصہ بھی خود ہی ہڑپ کر جائے۔

(۴) البتہ اس اخلاقی کوتاہی سے اہل ایمان محفوظ ہیں، کیونکہ ان کے دلوں میں اللہ کا خوف ہوتا ہے اور عمل صالح کے وہ پابند ہوتے ہیں۔ اس لیے کسی پر زیادتی کرنا اور دوسروں کا مال ہڑپ کر جانے کی سعی کرنا، ان کے مزاج میں شامل نہیں ہوتا۔ وہ تو دینے والے ہوتے ہیں، لینے والے نہیں۔ تاہم ایسے بلند کردار لوگ تھوڑے ہی ہوتے ہیں۔

(۵) ﴿وَخَرَّ رَاكِعًا﴾ کا مطلب یہاں سجدے میں گر پڑنا ہے۔

(۶) حضرت داود علیہ السلام کا یہ کام کیا تھا جس پر انہیں کوتاہی کا اور توبہ و ندامت کے اظہار کا احساس ہوا، اور اللہ نے اسے معاف فرما دیا۔ قرآن کریم میں اس اجمال کی تفصیل نہیں ہے اور کسی مستند حدیث میں بھی اس کی بابت کوئی وضاحت نہیں ہے۔ اس لیے بعض مفسرین نے تو اسراہیلی روایات کو بنیاد بنا کر ایسی باتیں بھی لکھ دی ہیں، جو ایک نبی کی

وَحَسَنَ مَا يَ ۝

ہمارے نزدیک بڑے مرتبہ والے اور بہت اچھے ٹھکانے والے ہیں۔ (۲۵)

اے داؤد! ہم نے تمہیں زمین میں خلیفہ بنادیا تم لوگوں کے درمیان حق کے ساتھ فیصلے کرو اور اپنی نفسانی خواہش کی پیروی نہ کرو ورنہ وہ تمہیں اللہ کی راہ سے بھٹکا دے گی، یقیناً جو لوگ اللہ کی راہ سے بھٹک جاتے

يَا دَاوُدُ إِنَّا جَعَلْنَاكَ خَلِيفَةً فِي الْأَرْضِ فَاحْكُم بَيْنَ النَّاسِ بِالْحَقِّ وَلَا تَتَّبِعِ الْهَوَىٰ فَيُضِلَّكَ عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ إِنَّ الَّذِينَ يَضِلُّونَ عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ لَهُمْ عَذَابٌ شَدِيدٌ لِّمَا كَانُوا

شان سے فروتر ہیں۔ بعض مفسرین مثلاً ابن کثیر نے یہ موقف اختیار کیا کہ جب قرآن و حدیث اس معاملے میں خاموش ہیں تو ہمیں بھی اس کی تفصیلات کی کرید میں پڑنے کی ضرورت نہیں ہے۔ مفسرین کا ایک تیسرا گروہ ہے جو اس واقعے کی بعض جزئیات اور تفصیلات بیان کرتا ہے تاکہ قرآن کے اجمال کی کچھ توضیح ہو جائے۔ تاہم یہ کسی ایک بیان پر متفق نہیں ہیں۔ بعض کہتے ہیں کہ حضرت داؤد علیہ السلام نے ایک فوجی کو حکم دیا تھا کہ وہ اپنی بیوی کو طلاق دے دے اور یہ اس زمانے کے عرف میں معیوب بات نہیں تھی۔ حضرت داؤد علیہ السلام کو اس عورت کی خوبیوں اور کمالات کا علم ہوا تھا، جس کی بنا پر ان کے اندر یہ خواہش پیدا ہوئی کہ اس عورت کو تو ملکہ ہونا چاہیے نہ کہ ایک عام سی عورت۔ تاکہ اس کی خوبیوں اور کمالات سے پورا ملک فیض یاب ہو۔ یہ خواہش کتنے بھی اچھے جذبے کی بنیاد پر ہو، لیکن ایک تو متعدد بیویوں کی موجودگی میں یہ نامناسب سی بات لگتی ہے۔ دوسرے بادشاہ وقت کی طرف سے اس کے اظہار میں جبر کا پہلو بھی شامل ہو جاتا ہے۔ اس لیے حضرت داؤد علیہ السلام کو ایک تشلیلی واقعے سے اس کے نامناسب ہونے کا احساس دلایا گیا اور انہیں فی الواقع اس پر تنبیہ ہو گیا۔ بعض کہتے ہیں کہ آنے والے یہ دو شخص فرشتے تھے جو ایک فرضی مقدمہ لے کر حاضر ہوئے، حضرت داؤد علیہ السلام سے کو تاہی یہ ہوئی کہ مدعی کا بیان سن کر ہی اپنی رائے کا اظہار کر دیا اور مدعا علیہ کی بات سننے کی ضرورت ہی محسوس نہیں کی۔ اللہ تعالیٰ نے رفع درجات کے لیے اس آزمائش میں انہیں ڈالا، اس غلطی کا احساس ہوتے ہی وہ سمجھ گئے کہ یہ آزمائش تھی جو اللہ کی طرف سے ان پر آئی اور بارگاہ الہی میں جھک گئے۔ بعض کہتے ہیں کہ آنے والے فرشتے نہیں تھے، انسان ہی تھے اور یہ فرضی واقعہ نہیں، ایک حقیقی جھگڑا تھا، جس کے فیصلے کے لیے وہ آئے تھے اور اس طرح ان کے مبروتہ کا امتحان لیا گیا، کیونکہ اس واقعے میں ناگواری اور اشتعال طبع کے کئی پہلو تھے، ایک تو بلا اجازت دیوار پھاند کر آنا۔ دوسرے، عبادت کے مخصوص اوقات میں آکر خلل ہونا۔ تیسرے، ان کا طرز تکلم بھی آپ کی حاکمانہ شان سے فروتر تھا (کہ زیادتی نہ کرنا وغیرہ) لیکن اللہ نے آپ کو توفیق دی کہ مشتعل نہیں ہوئے اور کمال مبروتہ کا مظاہرہ کیا۔ لیکن دل میں جو طبعی ناگواری کا ہلکا سا احساس بھی پیدا ہوا، اس کو بھی اپنی کو تاہی پر محمول کیا، یعنی یہ اللہ کی طرف سے آزمائش تھی، اس لیے یہ طبعی انقباض بھی نہیں ہونا چاہیئے تھا، جس پر انہوں نے توبہ و استغفار کا اہتمام کیا۔ وَاللَّهُ أَعْلَمُ بِالصَّوَابِ .

يَوْمَ الْحِسَابِ ﴿٢٦﴾

ہیں ان کے لیے سخت عذاب ہے اس لیے کہ انہوں نے حساب کے دن کو بھلا دیا ہے۔ (۲۶)

اور ہم نے آسمان و زمین اور ان کے درمیان کی چیزوں کو ناحق پیدا نہیں کیا،^(۱) یہ گمان تو کافروں کا ہے سو کافروں کے لیے خرابی ہے آگ کی۔ (۲۷)

کیا ہم ان لوگوں کو جو ایمان لائے اور نیک عمل کیے ان کے برابر کر دیں گے جو (ہیشہ) زمین میں فساد مچاتے رہے، یا پرہیز گاروں کو بدکاروں جیسا کر دیں گے؟ (۲۸) یہ بابرکت کتاب ہے جسے ہم نے آپ کی طرف اس لیے نازل فرمایا ہے کہ لوگ اس کی آیتوں پر غور و فکر کریں اور عقلمند اس سے نصیحت حاصل کریں۔ (۲۹)

اور ہم نے داود کو سلیمان (نامی فرزند) عطا فرمایا، جو بڑا اچھا بندہ تھا اور بے حد رجوع کرنے والا تھا۔ (۳۰) جب ان کے سامنے شام کے وقت تیز رو خاصے گھوڑے پیش کیے گئے۔^(۲) (۳۱)

تو کہنے لگے میں نے اپنے پروردگار کی یاد پر ان گھوڑوں کی محبت کو ترجیح دی، یہاں تک کہ (آفتاب) چھپ گیا۔ (۳۲) ان (گھوڑوں) کو دوبارہ میرے سامنے لاؤ! پھر تو پنڈلیوں اور گردنوں پر ہاتھ پھیرنا شروع کر دیا۔^(۳) (۳۳)

وَمَا خَلَقْنَا السَّمَاءَ وَالْأَرْضَ وَمَابَيْنَهُمَا بَاطِلًا ذَلِكَ ظَنُّ الَّذِينَ كَفَرُوا أَهُمْ أَهْوَىٰ لِلَّذِينَ كَفَرُوا مِنَّا أَمْ يَكْفُرُونَ ﴿٢٧﴾

أَمْ يَجْعَلُ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ كَالْمُفْسِدِينَ فِي الْأَرْضِ أَمْ يَجْعَلُ الْمُتَّقِينَ كَالْفُجَّارِ ﴿٢٨﴾

كُنْزٌ أَتَزْلُمُهُ إِلَيْكَ مُبْرَكٌ لَّيْلًا نَّزَّلْنَاهُ عَلَىٰ نَبِيِّهِ وَلَيْتَ نَكُذَّبُ أُولَٰئِكَ لَئِيْلَ الْكَذَّابِ ﴿٢٩﴾

وَوَهَبْنَا لِدَاوُدَ وَسُلَيْمَانَ نِعَمَ الْعَبْدِ إِنَّهُ أَوَّابٌ ﴿٣٠﴾

إِذْ عَصَىٰ عَلَيْهِ بِالْعَصِيِّ الصُّفْهَانُ الْيَتِيمَانِ ﴿٣١﴾

فَقَالَ إِنِّي أَحْبَبْتُ حُبَّ الْخَيْلِ عَنْ ذِكْرِ رَبِّي حَتَّىٰ تَوَارَتْ بِالْحِجَابِ ﴿٣٢﴾

رَدُّوْهَا عَلَيَّ فطَفِقَ مَسْحًا بِالسُّوقِ وَالْأَعْتَابِ ﴿٣٣﴾

(۱) بلکہ ایک خاص مقصد کے لیے پیدا کیا ہے اور وہ یہ کہ میرے بندے میری عبادت کریں، جو ایسا کرے گا، میں اسے بہترین جزا سے نوازوں گا اور جو میری عبادت و اطاعت سے سرتابی کرے گا، اس کے لیے جہنم کا عذاب ہے۔

(۲) صَافِنَاتٌ، صَافِنٌ یا صَافِنَةٌ کی جمع ہے، وہ گھوڑے جو تین ٹانگوں پر کھڑے ہوں۔ جِیٹَاڈ جَوَاڈ کی جمع ہے جو تیز رو گھوڑے کو کہتے ہیں۔ یعنی حضرت سلیمان علیہ السلام نے بغرض جہاد جو گھوڑے پالے ہوئے تھے، وہ عمدہ اصل تیز رو گھوڑے حضرت سلیمان علیہ السلام پر معاینے کے لیے پیش کیے گئے۔ عَشِيٌّ، ظہر یا عصر سے لے کر آخر دن تک کے وقت کو کہتے ہیں، جسے ہم شام سے تعبیر کرتے ہیں۔

(۳) اس ترجمے کی رو سے أَحْبَبْتُ، بمعنی آئزٹ (ترجیح دینا) اور عَنْ بِمعنی عَلٰی ہے۔ اور تَوَارَتْ کا مرجع شَمْسٌ ہے جو

اور ہم نے سلیمان (علیہ السلام) کی آزمائش کی اور ان کے تخت پر ایک جسم ڈال دیا پھر ^(۱) اس نے رجوع کیا۔ (۳۳)

کہا کہ اے میرے رب! مجھے بخش دے اور مجھے ایسا ملک عطا فرما جو میرے سوا کسی (شخص) کے لائق نہ ہو، ^(۲) تو بڑا ہی

وَلَقَدْ فَتَنَّا سُلَيْمَانَ وَأَلْقَيْنَا عَلٰی كُرْسِيِّهٖ جَنَاحًا ۝
اٰكَاۡبَ ۝۳۳

قَالَ رَبِّ اغْنِنِيْ وَهَبْ لِيْ مُلْكًا لَا يَنْبَغِيْ لِاِحْدٍ مِّنْ
بَعْدِيْ اِنَّكَ اَنْتَ الْوَهَّابُ ۝۳۴

آیت میں پہلے مذکور نہیں ہے، لیکن قرینہ اس پر دال ہے۔ اس تفسیر کی رو سے اگلی آیت میں - ﴿مَسْحًا بِالْسَّيْفِ﴾ کا مفہوم - مطلب ہو گا کہ گھوڑوں کے معاینہ میں حضرت سلیمان علیہ السلام کی عصر کی نماز یا وظیفہ خاص رہ گیا جو اس وقت وہ کرتے تھے۔ جس پر انہیں سخت صدمہ ہوا اور کہنے لگے کہ میں گھوڑوں کی محبت میں اتنا وارفتہ اور گم ہو گیا کہ سورج پردہ مغرب میں چھپ گیا اور اللہ کی یاد، نماز یا وظیفہ سے غافل رہا۔ چنانچہ اس کی تلافی اور ازالے کے لیے انہوں نے سارے گھوڑے اللہ کی راہ میں قتل کر ڈالے۔ امام شوکانی اور ابن کثیر وغیرہ نے اس تفسیر کو ترجیح دی ہے۔ دیگر بعض مفسرین نے اس کی دوسری تفسیر کی ہے۔ اس کی رو سے عَنْ أَجَلٍ کے معنی میں ہے اُنّی: لِأَجْلِ ذِكْرِ رَبِّي، یعنی رب کی یاد کی وجہ سے میں ان گھوڑوں سے محبت رکھتا ہوں۔ یعنی اس کے ذریعے سے اللہ کی راہ میں جہاد ہوتا ہے۔ پھر ان گھوڑوں کو دوڑایا حتیٰ کہ وہ نظروں سے اوجھل ہو گئے۔ انہیں دوبارہ طلب کیا اور پیار و محبت سے ان کی پنڈلیوں اور گردنوں پر ہاتھ پھیرنا شروع کر دیا خیر، قرآن میں مال کے معنی میں استعمال ہوا ہے۔ یہاں یہ لفظ گھوڑوں کے لیے آیا ہے۔ تَوَارِثَ کا مرجع گھوڑے ہیں۔ امام ابن جریر طبری نے اس دوسری تفسیر کو ترجیح دی ہے اور یہی تفسیر متعدد وجوہ سے صحیح لگتی ہے۔ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ۔

(۱) یہ آزمائش کیا تھی، کرسی پر ڈالا گیا جسم کس چیز کا تھا؟ اور اس کا مطلب کیا ہے؟ اس کی بھی کوئی تفصیل قرآن کریم یا حدیث میں نہیں ملتی۔ البتہ بعض مفسرین نے صحیح حدیث سے ثابت ایک واقعے کو اس پر چسپاں کیا ہے اور وہ یہ ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے ایک مرتبہ کہا کہ میں آج کی رات اپنی تمام بیویوں سے (جن کی تعداد ۷۰ یا ۹۰ تھی) ہمبستری کروں گا تاکہ ان سے شاہ سوار پیدا ہوں جو اللہ کی راہ میں جہاد کریں۔ اور اس پر ان شاء اللہ نہیں کہا (یعنی صرف اپنی ہی تدبیر سارا اعتماد کیا) نتیجہ یہ ہوا کہ سوائے ایک بیوی کے کوئی بیوی حاملہ نہیں ہوئی۔ اور حاملہ بیوی نے بھی جو بچہ جنا، وہ ناقص یعنی آدھا تھا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر سلیمان علیہ السلام ان شاء اللہ کہہ لیتے تو سب سے مجاہد پیدا ہوتے۔ (صحیح بخاری، کتاب الأنبیاء، صحیح مسلم، کتاب الإیمان، باب الاستثناء، ان مفسرین کے خیال میں شاید ان شاء اللہ نہ کہنا یا صرف اپنی تدبیر پر اعتماد کرنا یہی فتنہ ہو، جس میں حضرت سلیمان علیہ السلام مبتلا ہوئے اور کرسی پر ڈالا جانے والا جسم یہی ناقص الخلق بچہ ہو۔ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ۔

(۲) یعنی شاہ سواروں کی فوج پیدا ہونے کی آرزو، تیری حکمت و مشیت کے تحت پوری نہیں ہوئی، لیکن اگر مجھے ایسی

دینے والا ہے۔ (۳۵)

پس ہم نے ہوا کو ان کے ماتحت کر دیا وہ آپ کے حکم سے جہاں آپ چاہتے نرمی سے پنچا دیا کرتی تھی۔ (۳۶)^(۱)

اور (طاقت ور) جنات کو بھی (ان کا ماتحت کر دیا) ہر عمارت بنانے والے کو اور غوطہ خور کو۔ (۳۷)

اور دوسرے جنات کو بھی جو زنجیروں میں جکڑے رہتے۔ (۳۸)^(۲)

یہ ہے ہمارا عطیہ اب تو احسان کر یا روک رکھ، کچھ حساب نہیں۔ (۳۹)^(۳)

ان کے لیے ہمارے پاس بڑا تقرب ہے اور بہت اچھا ٹھکانا ہے۔ (۴۰)^(۴)

اور ہمارے بندے ایوب (علیہ السلام) کا (بھی) ذکر کر، جبکہ اس نے اپنے رب کو پکارا کہ مجھے شیطان نے رنج اور دکھ پنچایا ہے (۴۱)^(۵)

فَسَخَّرْنَا لَهُ الرِّيحَ تَجْرِي بِأَمْرِهِ وَأَنْ أَمْسَلَ أَصَابَهُ ۝

وَالشَّيْطَانُ كُلُّ يَوْمٍ يَكْفُؤُاْ وَعِصَاصُ ۝

وَأَخْرَجْنَا مَقَرِّيْنِ يَتِي الْاَصْفَادِ ۝

هَذَا عَطَاؤُنَا فَامْنُنْ اَوْ اَمْسِكْ بِغَيْرِ حِسَابٍ ۝

وَإِنْ لَهُ عِنْدَنَا لَزُلْفَىٰ وَحُسْنُ مَآبٍ ۝

وَإِذْ نُرِيدُنَا أَتْيَ اِيُوبَ اِذْ نَادَىٰ رَبَّهُ اِنِّیْ مَسَّنٰی السَّيْطٰنُ

بِنُصْبٍ وَعَذَابٍ ۝

باختیار بادشاہت عطا کر دے کہ ویسی بادشاہت میرے سوا یا میرے بعد کسی کے پاس نہ ہو، تو پھر اولاد کی ضرورت ہی نہیں رہے گی۔ یہ دعا بھی اللہ کے دین کے غلبے کے لیے ہی تھی۔

(۱) یعنی ہم نے سلیمان علیہ السلام کی یہ دعا قبول کر لی اور ایسی بادشاہی عطا کی کہ جس میں ہوا بھی ان کے ماتحت تھی، یہاں ہوا کو نرمی سے چلنے والا بنایا ہے، جب کہ دوسرے مقام پر اسے تند و تیز کہا ہے، (الانبیاء-۸۱) جس کا مطلب یہ ہے کہ ہوا پیدائشی قوت کے لحاظ سے تند ہے۔ لیکن سلیمان علیہ السلام کے لیے اسے نرم کر دیا گیا، یا حسب ضرورت وہ کبھی تند ہوتی کبھی نرم، جس طرح حضرت سلیمان علیہ السلام چاہتے۔ (فتح القدیر)

(۲) جنات میں سے جو سرکش یا کافر ہوتے، انہیں بیڑیوں میں جکڑ دیا جاتا، تاکہ وہ اپنے کفر یا سرکشی کی وجہ سے سرتابی نہ کر سکیں۔

(۳) یعنی تیری دعا کے مطابق ہم نے تجھے عظیم بادشاہی سے نوازا دیا، اب انسانوں میں سے جس کو تو چاہے دے، جسے چاہے نہ دے، تجھ سے ہم حساب بھی نہیں لیں گے۔

(۴) یعنی دنیوی جاہ و مرتبت عطا کرنے کے باوجود آخرت میں بھی حضرت سلیمان علیہ السلام کو قرب خاص اور مقام خاص حاصل ہو گا۔

(۵) حضرت ایوب علیہ السلام کی بیماری اور اس میں ان کا صبر مشہور ہے۔ جس کے مطابق اللہ تعالیٰ نے اہل و مال کی

أُرْضُ بِرَحْمَتِكَ هَذَا مُغْتَسَلٌ بِلِذَّةٍ وَشَرَابٌ ۝

وَوَهَبْنَا لَهُ أَهْلَهُ وَمِنْهُمْ رَحْمَةً مِّنَّا وَذُرِّي

لِأُولَى الْأَلْبَابِ ۝

وَحَدَّثَنَا بِيَدِكَ ضَعْفًا فَاصْرَبْ بِهِ وَلَا تَحْذَنْتُ إِذَا وَجَدْتُهُ صَابِرًا

اپنا پاؤں مارو، یہ نہانے کا ٹھنڈا اور پینے کا پانی ہے۔^(۱) (۳۲)

اور ہم نے اسے اس کا پورا کنبہ عطا فرمایا بلکہ اتنا ہی اور بھی اسی کے ساتھ اپنی (خاص) رحمت سے،^(۲) اور عقلمندوں کی نصیحت کے لیے۔^(۳) (۳۳)

اور اپنے ہاتھ میں تنکوں کا ایک مٹھا (جھاڑو) لے کر مار دے اور قسم کا خلاف نہ کر،^(۴) سچ تو یہ ہے کہ ہم نے

تباہی اور بیماری کے ذریعے سے ان کی آزمائش کی، جس میں وہ کئی سال مبتلا رہے۔ حتیٰ کہ صرف ایک بیوی ان کے ساتھ رہ گئی جو صبح و شام ان کی خدمت بھی کرتی اور ان کو کہیں کام کاج کر کے بقدر کفاف رزق کا انتظام بھی کرتی۔ یہاں پر متعدد تفسیری روایات کا ذکر کیا جاتا ہے، مگر اس میں سے کتنا کچھ صحیح ہے اور کتنا نہیں، اسے معلوم کرنے کا کوئی مستند ذریعہ نہیں۔ نَصَب سے جسمانی تکالیف اور عذاب سے مالی ابتلا مراد ہے۔ اس کی نسبت شیطان کی طرف اس لیے کی گئی ہے دراصل حالیکہ سب کچھ کرنے والا صرف اللہ ہی ہے، کہ ممکن ہے شیطان کے وسوسے ہی کسی ایسے عمل کا سبب بنے ہوں جس پر یہ آزمائش آئی یا پھر بطور ادب کے ہے کہ خیر کو اللہ تعالیٰ کی طرف اور شر کو اپنی یا شیطان کی طرف منسوب کیا جاتا ہے۔

(۱) اللہ تعالیٰ نے حضرت ایوب علیہ السلام کی دعا قبول فرمائی اور ان سے کہا کہ زمین پر پیر مارو، جس سے ایک چشمہ جاری ہو گیا۔ اس کے پانی پینے سے اندرونی بیماریاں اور غسل کرنے سے ظاہری بیماریاں دور ہو گئیں۔ بعض کہتے ہیں کہ یہ دو چشمے تھے، ایک سے غسل فرمایا اور دوسرے سے پانی پیا۔ لیکن قرآن کے الفاظ سے پہلی بات کی تائید ہوتی ہے۔ یعنی ایک ہی چشمہ تھا۔

(۲) بعض کہتے ہیں کہ پہلا کنبہ جو بطور آزمائش ہلاک کر دیا گیا تھا، اسے زندہ کر دیا گیا اور اس کے مثل اور مزید کنبہ عطا کر دیا گیا۔ لیکن یہ بات کسی مستند ذریعے سے ثابت نہیں ہے۔ زیادہ صحیح بات یہی معلوم ہوتی ہے کہ اللہ نے پہلے سے زیادہ مال و اولاد سے انہیں نوازا دیا جو پہلے سے دو گنا تھا۔

(۳) یعنی ایوب علیہ السلام کو یہ سب کچھ ہم نے جو دوبارہ عطا کیا، تو اپنی رحمت خاص کے اظہار کے علاوہ اس کا دوسرا مقصد یہ ہے کہ اہل دانش اس سے نصیحت حاصل کریں اور وہ بھی ابتلا و شدائد پر اسی طرح صبر کریں جس طرح ایوب علیہ السلام نے کیا۔

(۴) بیماری کے ایام میں خدمت گزار بیوی کو کسی بات سے ناراض ہو کر حضرت ایوب علیہ السلام نے اسے سو کوڑے مارنے کی قسم کھالی تھی، صحت یاب ہونے کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ سو تنکوں والی جھاڑو لے کر ایک مرتبہ اسے مار

يَغْمُرُ الْعِمْدُ إِنَّهُ أَقَابُ ③

وَأَذْكُرُ عَبْدَنَا إِبْرَاهِيمَ وَابْنَهُ وَيَعْقُوبَ أُولَى الْأَيْدِي
وَالْأَبْصَارِ ⑤

إِنَّا أَخْلَصْنَاهُمْ بِخَالِصَةٍ ذُكِّرَى الْكَذَّارِ ⑥

وَأَنَّهُمْ عِنْدَ الْوَلِيِّ الْمُصْطَفَيْنَ الْأَخْيَارِ ⑦

وَأَذْكُرُ إِسْمَاعِيلَ وَابْنَهُ وَذَو الْكُفْلِ وَكُلَّ مَنِ الْأَخْيَارِ ⑧

هَذَا ذِكْرُ وَرَثَةِ الْمُتَّقِينَ لِحُسْنِ مَا بَ ⑨

اسے بڑا صابر بندہ پایا، وہ بڑا نیک بندہ تھا اور بڑی ہی
رغبت رکھنے والا۔ (۴۴)

ہمارے بندوں ابراہیم، اسحاق اور یعقوب (علیہم السلام) کا
بھی لوگوں سے ذکر کرو جو ہاتھوں اور آنکھوں والے^(۱)
تھے۔ (۴۵)

ہم نے انہیں ایک خاص بات یعنی آخرت کی یاد کے
ساتھ مخصوص کر دیا تھا۔^(۲) (۴۶)

یہ سب ہمارے نزدیک برگزیدہ اور بہترین لوگ
تھے۔ (۴۷)

اسماعیل، یسع اور ذوالکفل (علیہم السلام) کا بھی ذکر کر
دیجئے۔ یہ سب بہترین لوگ^(۳) تھے۔ (۴۸)

یہ نصیحت ہے اور یقین مانو کہ پرہیزگاروں کی بڑی اچھی
جگہ ہے۔ (۴۹)

دے، تیری قسم پوری ہو جائے گی۔ اس امر میں علما کا اختلاف ہے کہ یہ رعایت صرف حضرت ایوب علیہ السلام کے ساتھ
خاص ہے یا دوسرا کوئی شخص بھی اس طرح سو کوڑوں کی جگہ سو تنکوں والی جھاڑو مار کر حادث ہونے سے بچ سکتا ہے؟
بعض پہلی رائے کے قائل ہیں اور بعض کہتے ہیں کہ اگر نیت ضرب شدید کی نہ کی ہو تو اس طرح عمل کیا جاسکتا ہے۔
(فتح القدیر) ایک حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی ایک معذور کمزور زانی کو سو کوڑوں کی جگہ
سو تنکوں والی جھاڑو مار کر سزا دی۔ (مسند أحمد ۲۲۲/۱ ابن ماجہ، کتاب الحدود، باب الکبیر والمریض یجب
علیہ الحد، صحیحہ الألبانی، جس سے مخصوص صورتوں میں اس کا جواز ثابت ہوتا ہے۔

(۱) یعنی عبادت الہی اور نصرت دین میں بڑے قوی اور دینی و علمی بصیرت میں ممتاز تھے۔ بعض کہتے ہیں کہ یہ اُیْدِیٰ بمعنی
نِعَم ہے۔ یعنی یہ وہ لوگ ہیں جن پر اللہ تعالیٰ کا خاص انعام و احسان ہوا یا یہ لوگوں پر احسان کرنے والے تھے۔

(۲) یعنی ہم نے ان کو آخرت کی یاد کے لیے چن لیا تھا، چنانچہ آخرت ہر وقت ان کے سامنے رہتی تھی (آخرت کا ہر
وقت استحضار، یہ بھی اللہ کی ایک بڑی نعمت اور زہد و تقویٰ کی بنیاد ہے) یا وہ لوگوں کو آخرت اور اللہ کی طرف بلانے میں
کوشاں رہتے تھے۔

(۳) یسع علیہ السلام کہتے ہیں، حضرت الیاس علیہ السلام کے جانشین تھے، ال تعریف کے لیے ہے اور عجمی نام ہے،
ذوالکفل کے لیے دیکھئے سورۃ الانبیاء، آیت ۸۵ کا حاشیہ۔ أَخْيَارٌ، خَيْرٌ یا خَيْرٌ کی جمع ہے جیسے مَيِّتٌ کی جمع أَمْوَاتٌ ہے۔

جَدِّ عَدْنٍ مُفْتَحَةً لَّهُمُ الْبَابُ ۝

(یعنی بھینگی والی) جنتیں جن کے دروازے ان کے لیے کھلے ہوئے ہیں۔ (۵۰)

جن میں با فراغت تکیے لگائے بیٹھے ہوئے طرح طرح کے میوے اور قسم قسم کی شرابوں کی فراٹشیں کر رہے ہیں۔ (۵۱)

اور ان کے پاس نیچی نظروں والی ہم عمر حوریں ہوں گی۔ (۵۲) ^(۱)

یہ ہے جس کا وعدہ تم سے حساب کے دن کے لیے کیا جاتا تھا۔ (۵۳)

بیشک روزیاں (خاص) ہمارا عطیہ ہیں جن کا کبھی خاتمہ ہی نہیں۔ (۵۴) ^(۲)

یہ تو ہوئی جزا، ^(۳) (یاد رکھو کہ) سرکشوں کے لیے ^(۴) بڑی بری جگہ ہے۔ (۵۵)

دوزخ ہے جس میں وہ جائیں گے (آہ) کیا ہی برا بچھونا ہے۔ (۵۶)

یہ ہے، پس اسے پکھیں، گرم پانی اور پیپ۔ (۵۷) ^(۵)

مُنْكِبِينَ فِيهَا يَدْعُونَ فِيهَا بِكُمُهُ كَثِيرَةٌ وَشَرَابٌ ۝

وَعِنْدَهُمْ نَضْرَتُ الْمَطَرِ الْأَنْثَرِ ۝

هَذَا مِمَّا وُعدُوْنَ لِيَوْمِ الْحِسَابِ ۝

إِنَّ هَذَا لَرِزْقًا مَّا لَهُ مِنْ تَعَادٍ ۝

هَذَا وَرَائِيَ لِلظَّالِمِينَ لَشَرَّ مَا يَبْتَغُونَ ۝

جَهَنَّمَ يَصْلَوْنَهَا فَيَنْسِفُ إِلَيْهَا ۝

هَذَا فَلْيَذُوقُوْهُ حَبِيْرٌ وَعَسَاقٌ ۝

(۱) یعنی جن کی نگاہیں اپنے خاوندوں سے متجاوز نہیں ہوں گی اَنْتَرَابُ، تَنْزُبُ کی جمع ہے، ہم عمر یا لازوال حسن و جمال کی حامل۔ (فتح القدير)

(۲) رزق، بمعنی عطیہ ہے اور ہَذَا سے ہر قسم کی مذکور نعمتیں اور وہ اکرام و اعزاز مراد ہے جن سے اہل جنت بہرہ یاب ہوں گے۔ نفاذ کے معنی انتظام اور خاتمے کے ہیں۔ یہ نعمتیں بھی غیر فانی ہوں گی اور اعزاز و اکرام بھی دائمی۔

(۳) ہَذَا، مبتدا محذوف کی خبر ہے یعنی الْأَمْرُ هَذَا یا هَذَا مبتدا ہے، اس کی خبر محذوف ہے یعنی هَذَا كَمَا ذُكِرَ یعنی مذکور اہل خیر کا معاملہ ہوا۔ اس کے بعد اہل شر کا انجام بیان کیا جا رہا ہے۔

(۴) طَاغِينَ، جنہوں نے اللہ کے احکام سے سرکشی اور رسولوں کی تکذیب کی۔ يَصْلَوْنَ کے معنی ہیں يَدْخُلُوْنَ، داخل ہوں گے۔

(۵) حَبِيْرٌ وَعَسَاقٌ، ہَذَا کی خبر ہے یعنی هَذَا حَبِيْرٌ وَعَسَاقٌ فَلْيَذُوقُوْهُ یہ ہے گرم پانی اور پیپ، اسے پکھو۔

وَأَخْرَجَ مِنْ شَكْلِهِ أَزْوَاجًا ۝

هَذَا قَوْلٌ مُنْتَجَمٌ مَعْلُومٌ لَا مَرْجَبَ لَهُمْ إِذْ هُمْ صَالُوا النَّارَ ۝

قَالُوا بَلْ أَنْتُمْ لَأَمْزَاجٌ كُفْرًا أَنْتُمْ قَدْ مَاتُمْو لَنَا فَيَقْسُ الْقَوَارِ ۝

قَالُوا رَبَّنَا مَنْ كَذَّبَ لَنَا هَذَا فِرْدَوْهَ عَذَابًا يُضَعْفَانِ النَّارِ ۝

وَقَالُوا مَا لَنَا لَا تَرَى رَجُلًا لَنَا نَعُدُّ هُمْ مِنَ الْأَشْرَارِ ۝

اس کے علاوہ اور طرح طرح کے عذاب۔ (۵۸)

یہ ایک قوم ہے جو تمہارے ساتھ (آگ میں) جانے والی ہے، (۲) کوئی خوش آمدید ان کے لیے نہیں ہے (۳) یہی تو جہنم میں جانے والے ہیں۔ (۴) (۵۹)

وہ کہیں گے بلکہ تم ہی ہو جن کے لیے کوئی خوش آمدید نہیں ہے تم ہی نے تو اسے پہلے ہی سے ہمارے سامنے لا رکھا تھا، (۵) پس رہنے کی بڑی بری جگہ ہے۔ (۶۰)

وہ کہیں گے اے ہمارے رب! جس نے (کفری رسم) ہمارے لیے پہلے سے نکالی ہو (۱) اس کے حق میں جہنم کی دگنی سزا کر دے۔ (۲) (۷۱)

اور جہنمی کہیں گے کیا بات ہے کہ وہ لوگ ہمیں دکھائی نہیں

حَمِيمٌ، گرم کھولتا ہوا پانی، جو ان کی آنتوں کو کاٹ ڈالے گا۔ غَسَّاقٌ، جہنمیوں کی کھالوں سے جو پیپ اور گندالہو نکلے گا۔ یا سخت ٹھنڈا پانی، جس کا پینا نہایت مشکل ہو گا۔

(۱) شَكْلِهِ اس جیسے اَزْوَاجِ انواع و اقسام یعنی حیم و غساق جیسے اور بہت سی قسم کے دوسرے عذاب ہوں گے۔
(۲) جہنم کے دروازوں پر کھڑے فرشتے، ائمہ کفر اور پیشوایان ضلالت سے کہیں گے، جب پیروکار قسم کے کافر جہنم میں جائیں گے۔ یا ائمہ کفر و ضلالت آپس میں یہ بات، پیروکاروں کی طرف اشارہ کر کے کہیں گے۔

(۳) یہ لیڈر، جہنم میں داخل ہونے والے کافروں کے لیے، فرشتوں کے جواب میں یا آپس میں کہیں گے۔ رَحْبَةً معنی وسعت و فراخی کے ہیں۔ مرحبا یہ کَلِمَةُ تَرْحِيبٍ یعنی خیر مقدمی الفاظ ہیں جو آنے والے مہمان کے استقبال کے وقت کہے جاتے ہیں۔ لَا مَرْجَبًا اس کے برعکس ہے۔

(۴) یہ ان کا خیر مقدم نہ کرنے کی علت ہے۔ یعنی ان کے اور ہمارے مابین کوئی وجہ امتیاز نہیں ہے، یہ بھی ہماری طرح جہنم میں داخل ہو رہے ہیں اور جس طرح ہم عذاب کے مستحق ٹھہرے ہیں، یہ بھی عذاب جہنم کے مستحق قرار پائے ہیں۔

(۵) یعنی تم ہی کفر و ضلالت کے راستے کو ہمارے سامنے مزین کر کے پیش کرتے تھے، یوں گویا اس عذاب جہنم کے پیش کار تو تم ہی ہو۔ یہ پیروکار، اپنے مقتداؤں کو کہیں گے۔

(۶) یعنی جنہوں نے ہمیں کفر کی دعوت دی اور اسے حق و صواب باور کرایا۔ یا جنہوں نے ہمیں کفر کی طرف بلا کر ہمارے لیے یہ عذاب آگے بھیجا۔

(۷) یہ وہی بات ہے جسے اور بھی کئی مقامات پر بیان کیا گیا ہے۔ مثلاً سورة الأعراف، ۳۸، سورة الأخراب، ۶۸۔

أَخَذَ نَهْمُ عَصِيٍّ بِأَمْرٍ زَاغَتْ عَنْهُمْ الْأَبْصَارُ ۝

إِنَّ ذَلِكَ لَحَقٌّ تَخَافُهُ أَهْلُ النَّارِ ۝

قُلْ إِنَّمَا أَنَا مُنذِرٌ وَمَنْ يَلْمِزْ أَلْوَاكُمُ

الْوَحْدُ الْقَهَّارُ ۝

رَبِّ السَّمُوتِ وَالْأَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا الْعَزِيزُ الْغَفَّارُ ۝

قُلْ هُوَ يَبْذُرُ الْعِظِيمَ ۝

أَنْتُمْ عَنْهُ مُعْرِضُونَ ۝

مَا كَانَ لِي مِنْ عِلْمٍ بِالْمَلَائِكَةِ إِذْ يَخْتَصِمُونَ ۝

إِنْ يَشَاءُ إِلَىٰ إِلَهِكُمْ أَنَا نَذِيرٌ مُبِينٌ ۝

دیتے جنہیں ہم برے لوگوں میں شمار کرتے تھے۔ (۶۲)

کیا ہم نے ہی ان کا مذاق بنا رکھا تھا (۶۳) یا ہماری نگاہیں ان

سے ہٹ گئی ہیں۔ (۶۳)

یقین جانو کہ دو زخیوں کا یہ جھگڑا ضرور ہی ہو گا۔ (۶۴)

کہہ دیجئے! کہ میں تو صرف خبردار کرنے والا ہوں (۶۵)

بجز اللہ واحد غالب کے اور کوئی لائق عبادت نہیں۔ (۶۵)

جو پروردگار ہے آسمانوں کا اور زمین کا اور جو کچھ ان کے

درمیان ہے، وہ زبردست اور بڑا بخشنے والا ہے۔ (۶۶)

آپ کہہ دیجئے کہ یہ بہت بڑی خبر ہے۔ (۶۷)

جس سے تم بے پرواہ ہو رہے ہو۔ (۶۸)

مجھے ان بلند قدر فرشتوں کی (بات چیت کا) کوئی علم ہی

نہیں جبکہ وہ تکرار کر رہے تھے۔ (۶۹)

میری طرف فقط یہی وحی کی جاتی ہے کہ میں تو صاف

صاف آگاہ کر دینے والا ہوں۔ (۷۰)

(۱) اَشْرَازَ سے مراد فقراء مومنین ہیں۔ جیسے عمار، خباب، صہب، بلال و سلمان وغیرہم۔ رضی اللہ عنہم، انہیں رؤسائے مکہ ازراہ خبث ”برے لوگ“ کہتے تھے اور اب بھی اہل باطل حق پر چلنے والوں کو بنیاد پرست، دہشت گرد، انتہا پسند وغیرہ القاب سے نوازتے ہیں۔

(۲) یعنی دنیا میں، جہاں ہم غلطی پر تھے؟

(۳) یادہ بھی ہمارے ساتھ ہی ہمیں کیس ہیں، ہماری نظریں انہیں نہیں دیکھ پا رہی ہیں؟

(۴) یعنی آپس میں ان کی تکرار اور ایک دوسرے کو مورد طعن بنانا، ایک ایسی حقیقت ہے، جس میں تخلف نہیں ہو گا۔

(۵) یعنی جو تم گمان کرتے ہو، میں وہ نہیں ہوں بلکہ تمہیں اللہ کے عذاب اور اس کے عتاب سے ڈرانے والا ہوں۔

(۶) یعنی میں تمہیں جس عذاب اخروی سے ڈرا رہا اور توحید کی دعوت دے رہا ہوں یہ بڑی خبر ہے، جس سے اعراض و غفلت نہ برتو، بلکہ اس پر توجہ دینے اور سنجیدگی سے غور کرنے کی ضرورت ہے۔

(۷) ملا اعلیٰ سے مراد فرشتے ہیں، یعنی وہ کس بات پر بحث کر رہے ہیں؟ میں نہیں جانتا۔ ممکن ہے، اس اختصام (بحث و تکرار) سے مراد وہ گفتگو ہو جو تخلیق آدم علیہ السلام کے وقت ہوئی۔ جیسا کہ آگے اس کا ذکر آ رہا ہے۔

(۸) یعنی میری ذمہ داری یہی ہے کہ میں وہ فرائض و سنن تمہیں بتا دوں جن کے اختیار کرنے سے تم عذاب الہی سے

جبکہ آپ کے رب نے فرشتوں سے ارشاد فرمایا (۱) کہ میں مٹی سے انسان کو پیدا کرنے والا ہوں۔ (۷۱)
 سو جب میں اسے ٹھیک ٹھاک کر لوں (۳) اور اس میں اپنی روح پھونک دوں، (۴) تو تم سب اس کے سامنے سجدے میں گر پڑنا۔ (۵) (۷۲)
 چنانچہ تمام فرشتوں نے سجدہ کیا۔ (۶) (۷۳)

إِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ اِنِّیْ خَالِقٌ بَشَرًا مِّنْ طِیْنٍ ۝۱
 فَاِذَا سَوَّیْتُهُ وَكُنَّتُ فِیْهِ مِنْ نُّفُوْسٍ فَتَقُوْا لَہٗ لِیَحٰیدِیْنَ ۝۲
 فَسَجَدَ الْمَلٰٓئِكَةُ كُلُّہُمْ اٰمِعُوْنَ ۝۳

بچ جاؤ گے اور ان محرمات و معاصی کی وضاحت کر دوں جن کے اجتناب سے تم رضائے الہی کے اور بصورت دیگر اس کے غضب و عقاب کے مستحق قرار پاؤ گے۔ یہی وہ انداز ہے جس کی وحی میری طرف کی جاتی ہے۔

(۱) یہ قصہ اس سے قبل سورہ بقرہ، سورہ اعراف، سورہ حجر، سورہ بنی اسرائیل اور سورہ کہف میں بیان ہو چکا ہے۔ اب اسے یہاں بھی اجمالاً بیان کیا جا رہا ہے۔

(۲) یعنی ایک جسم، جنس بشر سے بنانے والا ہوں۔ انسان کو بشر زمین سے اس کی مباشرت کی وجہ سے کہا۔ یعنی زمین سے ہی اس کی ساری وابستگی ہے اور وہ سب کچھ اسی زمین پر کرتا ہے۔ یا اس لیے کہ وہ بادی البشر ہے۔ یعنی اس کا جسم یا چہرہ ظاہر ہے۔

(۳) یعنی اسے انسانی پیکر میں ڈھال لوں اور اس کے تمام اجزا درست اور برابر کر لوں۔

(۴) یعنی وہ روح، جس کا میں ہی مالک ہوں، میرے سوا اس کا کوئی اختیار نہیں رکھتا اور جس کے پھونکنے ہی یہ پیکر خاکی، زندگی، حرکت اور توانائی سے بہرہ یاب ہو جائے گا۔ انسان کے شرف و عظمت کے لیے یہی بات کافی ہے کہ اس میں وہ روح پھونکی گئی ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے اپنی روح قرار دیا ہے۔

(۵) یہ سجدہ تہیہ یا سجدہ تعظیم ہے، سجدہ عبادت نہیں۔ یہ تعظیمی سجدہ پہلے جائز تھا، اسی لیے اللہ نے آدم علیہ السلام کے لیے فرشتوں کو اس کا حکم دیا۔ اب اسلام میں تعظیمی سجدہ بھی کسی کے لیے جائز نہیں ہے۔ حدیث میں آتا ہے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، اگر یہ جائز ہو تا تو میں عورت کو حکم دیتا کہ وہ اپنے خاوند کو سجدہ کرے۔ (مشکوٰۃ، کتاب النکاح، باب عشرة النساء، بحوالہ ترمذی وقال الألبانی، وهو حدیث صحیح لشواہدہ)

(۶) یہ انسان کا دوسرا شرف ہے کہ اسے مہجود ملائک بنایا۔ یعنی فرشتے جیسی مقدس مخلوق نے اسے تعظیماً سجدہ کیا۔ کُلُّہُمْ سے ظاہر ہوتا ہے کہ ایک فرشتہ بھی سجدہ کرنے میں پیچھے نہیں رہا۔ اس کے بعد اَجْمَعُوْنَ کہہ کر یہ واضح کر دیا کہ سجدہ بھی سب نے بیک وقت ہی کیا۔ مختلف اوقات میں نہیں۔ بعض کہتے ہیں کہ یہ تاکید در تاکید تعظیم میں مباہلے کے لیے ہے۔ (فتح القدیر)

إِلَّا إِبْلِيسَ اسْتَكْبَرَ وَكَانَ مِنَ الْكَافِرِينَ ۝

قَالَ إِبْلِيسُ مَا مَنَعَكَ أَنْ تَسْجُدَ لِمَا خَلَقْتُ بِيدِي ۚ

اسْتَكْبَرْتَ أَفَرَأَيْتَ مِنْ الْعَالِينَ ۝

قَالَ أَنَا خَيْرٌ مِمَّنْ خَلَقْتَنِي مِنْ نَارٍ وَخَلَقْتَ

مِنْ طِينٍ ۝

قَالَ فَاخْرُجْ مِنْهَا فَإِنَّكَ رَجِيمٌ ۝

وَأَن عَنِكَ لَعْنَتِي إِلَى يَوْمِ الدِّينِ ۝

قَالَ رَبِّ فَأَنْظِرْنِي إِلَى يَوْمِ يُبْعَثُونَ ۝

قَالَ فَإِنَّكَ مِنَ الْمُنْظَرِينَ ۝

إِلَى يَوْمِ الْوَقْتِ الْمَعْلُومِ ۝

قَالَ فَبِعِزَّتِكَ لَأُغْوِيَنَّهُمْ أَجْمَعِينَ ۝

مگر ابلیس نے (نہ کیا) اس نے تکبر کیا ^(۱) اور وہ تھا کافروں میں سے۔ (۷۳)

(اللہ تعالیٰ نے) فرمایا اے ابلیس! تجھے اسے سجدہ کرنے سے کس چیز نے روکا جسے میں نے اپنے ہاتھوں سے پیدا کیا۔ ^(۲) کیا تو کچھ گھمنڈ میں آگیا ہے؟ یا تو بڑے درجے والوں میں سے ہے۔ (۷۵)

اس نے جواب دیا کہ میں اس سے بہتر ہوں، تو نے مجھے آگ سے بنایا، اور اسے مٹی سے بنایا ہے۔ ^(۳) (۷۶) ارشاد ہوا کہ تو یہاں سے نکل جا تو مردود ہوا۔ (۷۷) اور تجھ پر قیامت کے دن تک میری لعنت و پھنکار ہے۔ (۷۸) کہنے لگا میرے رب مجھے لوگوں کے اٹھ کھڑے ہونے کے دن تک مہلت دے۔ (۷۹)

(اللہ تعالیٰ نے) فرمایا تو مہلت والوں میں سے ہے۔ (۸۰) متعین وقت کے دن تک۔ (۸۱) کہنے لگا پھر تو تیری عزت کی قسم! میں ان سب کو یقیناً ہرکا

(۱) اگر ابلیس کو صفات ملائکہ سے متصف مانا جائے تو یہ اشتباہ متصل ہو گا یعنی ابلیس اس حکم سجدہ میں داخل ہو گا، بصورت دیگر یہ اشتباہ منقطع ہے یعنی وہ اس حکم میں داخل نہیں تھا لیکن آسمان پر رہنے کی وجہ سے اسے بھی حکم دیا گیا۔ مگر اس نے تکبر کی وجہ سے انکار کر دیا۔

(۲) یہ کان صائر کے معنی میں ہے یعنی اللہ تعالیٰ کے حکم کی مخالفت اور اس کی اطاعت سے استکبار کی وجہ سے وہ کافر ہو گیا۔ یا اللہ کے علم میں وہ کافر تھا۔

(۳) یہ بھی انسان کے شرف و عظمت کے اظہار ہی کے لیے فرمایا، ورنہ ہر چیز کا خالق اللہ ہی ہے۔

(۴) یعنی شیطان نے اپنے زعم فاسد میں یہ سمجھا کہ آگ کا عنصر مٹی کے عنصر سے بہتر ہے۔ حالانکہ یہ سب جو اہر متجانس (ہم جنس یا قریب قریب ایک درجے میں) ہیں۔ ان میں سے کسی کو، دوسرے پر شرف کسی عارض (خارجی سبب) ہی کی وجہ سے حاصل ہوتا ہے اور یہ عارض، آگ کے مقابلے میں، مٹی کے حصے میں آیا کہ اللہ نے اسی سے آدم علیہ السلام کو اپنے ہاتھوں سے بنایا، پھر اس میں اپنی روح پھونکی۔ اس لحاظ سے مٹی ہی کو آگ کے مقابلے میں شرف و عظمت حاصل ہے۔ علاوہ ازیں آگ کا کام جلا کر خاستہ کر دینا ہے، جب کہ مٹی اس کے برعکس انواع و اقسام کی پیداوار کا ماخذ ہے۔

دوں گ۔ (۸۲)

بجز تیرے ان بندوں کے جو چیدہ اور پسندیدہ ہوں۔ (۸۳)
 فرمایا سچ تو یہ ہے، اور میں سچ ہی کہا کرتا ہوں۔ (۸۴)
 کہ تجھ سے اور تیرے تمام ماننے والوں سے میں (بھی)
 جہنم کو بھر دوں گا۔ (۸۵)
 کہہ دیجئے کہ میں تم سے اس پر کوئی بدلہ طلب نہیں کرتا^(۱)
 اور نہ میں تکلف کرنے والوں میں سے ہوں۔^(۲) (۸۶)
 یہ تو تمام جہان والوں کے لیے سراسر نصیحت (و عبرت)
 ہے۔^(۳) (۸۷)
 یقیناً تم اس کی حقیقت کو کچھ ہی وقت کے بعد (صحیح طور
 پر) جان لو گے۔^(۴) (۸۸)

إِلَّا عِبَادًا مِنْهُمْ الْمُخْلِصِينَ ۝

قَالَ فَالْحَقُّ وَالْحَقُّ أَقُولُ ۝

لَا مَكْرَهَ فِيكُمْ مِنْكُمْ وَيَمْنًا بَعْدَ ذَلِكَ مِنْهُمْ أَجْمَعِينَ ۝

قُلْ مَا أَسْأَلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ أَجْرٍ وَمَا أَنَا مِنَ الْمُتَكَلِّفِينَ ۝

إِنْ هُوَ إِلَّا ذِكْرٌ لِلْعَالَمِينَ ۝

وَلَتَعْلَمُنَّ نَبَأَهُ بَعْدَ حِينٍ ۝

(۱) یعنی اس دعوت و تبلیغ سے میرا مقصد صرف امتثال امر الہی ہے، دنیا کمانا نہیں۔

(۲) یعنی اپنی طرف سے گھر کر اللہ کی طرف ایسی بات منسوب کر دوں جو اس نے نہ کہی ہو یا میں تمہیں ایسی بات کی طرف دعوت دوں جس کا حکم اللہ نے مجھے نہ دیا ہو۔ بلکہ کوئی کمی بیشی کیے بغیر میں اللہ کے احکام تم تک پہنچا رہا ہوں۔ حضرت عبد اللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے تھے، جس کو کسی بات کا علم نہ ہو، اس کی بابت اسے کہہ دینا چاہیے، اللہ اعلم یہ کتنا بھی علم ہی ہے، اس لیے کہ اللہ نے اپنے پیغمبر کو کہا، فرمادیجئے ﴿وَمَا أَنَا مِنَ الْمُتَكَلِّفِينَ﴾ (ابن کثیر) علاوہ ازیں اس سے عام معاملات زندگی میں بھی تکلف و تصنع سے اجتناب کا حکم معلوم ہوتا ہے۔ جیسے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا (ثُمَّ إِنَّا عَنِ التَّكْلِيفِ). (صحیح بخاری۔ نمبر ۷۲۹۳) ”ہمیں تکلف سے منع کیا گیا ہے“ حضرت سلیمان رضی اللہ عنہ کہتے ہیں (نَهَانَا رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنْ نَتَّكِلَ لِلضَّنْبِ). (صحیح الجامع الصغیر للالبانی ۹۸۷۱) ”ہمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ممان کے لیے تکلف کرنے سے منع فرمایا ہے۔“ اس سے معلوم ہوا کہ لباس، خوراک، رہائش اور دیگر معاملات میں تکلفات، جو آج کل معیار زندگی بلند کرنے کے عنوان سے، اصحاب حیثیت کا شعار اور وطن و بن چکا ہے، اسلامی تعلیمات کے خلاف ہے۔ اسلام میں سادگی اور بے تکلفی اختیار کرنے کی تلقین و ترغیب ہے۔

(۳) یعنی یہ قرآن، یا وحی یا وہ دعوت، جو میں پیش کر رہا ہوں، دنیا بھر کے انسانوں اور جنات کے لیے نصیحت ہے۔ بشرطیکہ کوئی اس سے نصیحت حاصل کرنے کا قصد کرے۔

(۴) یعنی قرآن نے جن چیزوں کو بیان کیا ہے، جو وعدے و وعید ذکر کیے ہیں، ان کی حقیقت و صداقت بہت جلد تمہارے سامنے

سورہ زمر کی ہے اور اس میں پچھتر آیتیں اور
آٹھ رکوع ہیں۔

سُورَةُ الزُّمَرِ

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

تَنْزِيلُ الْكِتَابِ مِنَ اللَّهِ الْعَزِيزِ الْحَكِيمِ ①

إِنَّا أَنْزَلْنَا إِلَيْكَ الْكِتَابَ بِالْحَقِّ فَاعْمَدُوا اللَّهَ عَصَا
لَهُ الدِّينَ ②

أَلَمْ يَكُنْ لَهُ الْبَنَاتُ عَلَى الْبَنَاتِ فَأَخَذَتْهُنَّ ذُؤَبِيَّ الْأُولَىٰ
مَا تَعْبُدُهُمْ إِلَّا لِيُغْنَيْنَهُنَّ مِنَ اللَّهِ وَلِيُنَّحِلْنَ فِيهِنَّ مَا اللَّهُ يَحْكُمُ

شروع کرتا ہوں اللہ تعالیٰ کے نام سے جو بڑا مہربان
نہایت رحم والا ہے۔

اس کتاب کا اتارنا اللہ تعالیٰ غالب با حکمت کی طرف سے
ہے۔ (۱)

یقیناً ہم نے اس کتاب کو آپ کی طرف حق کے ساتھ^(۱)
نازل فرمایا ہے پس آپ اللہ ہی کی عبادت کریں، اسی کے
لیے دین کو خالص کرتے ہوئے۔^(۲)

خبردار! اللہ تعالیٰ ہی کے لیے خالص عبادت کرنا ہے^(۳)
جن لوگوں نے اس کے سوا اولیا بنا رکھے ہیں (اور کہتے ہیں)
کہ ہم ان کی عبادت صرف اس لیے کرتے ہیں کہ یہ
(بزرگ) اللہ کی نزدیکی کے مرتبہ تک ہماری رسائی کرا

آجائے گی۔ چنانچہ اس کی صداقت یوم بدر کو واضح ہوئی، فتح مکہ کے دن ہوئی یا پھر موت کے وقت تو سب پر ہی واضح ہو جاتی ہے۔

☆ حدیث میں آتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہر رات سورہ بنی اسرائیل اور سورہ زمر کی تلاوت فرماتے
تھے۔ (صحیحہ الألبانی فی صحیح الترمذی)

(۱) یعنی اس میں توحید و رسالت، معاد اور احکام و فرائض کا جو اثبات کیا گیا ہے، وہ سب حق ہے اور انہی کے ماننے اور
اختیار کرنے میں انسان کی نجات ہے۔

(۲) دین کے معنی یہاں عبادت اور اطاعت کے ہیں اور اخلاص کا مطلب ہے صرف اللہ کی رضا کی نیت سے نیک عمل
کرنا۔ آیت، نیت کے وجوب اور اس کے اخلاص پر دلیل ہے۔ حدیث میں بھی اخلاص نیت کی اہمیت یہ کہہ کر واضح کر
دی گئی ہے کہ إِنَّمَا الْأَعْمَالُ بِالنِّيَّاتِ ”عملوں کا دار و مدار نیتوں پر ہے“ یعنی جو عمل خیر اللہ کی رضا کے لیے کیا جائے
گا، (بشرطیکہ وہ سنت کے مطابق ہو) وہ مقبول اور جس عمل میں کسی اور جذبے کی آمیزش ہوگی، وہ نامقبول ہوگا۔

(۳) یہ اسی اخلاص عبادت کی تاکید ہے جس کا حکم اس سے پہلی آیت میں ہے کہ عبادت و اطاعت صرف ایک اللہ ہی کا
حق ہے، نہ اس کی عبادت میں کسی کو شریک کرنا جائز ہے۔ نہ اطاعت ہی کا اس کے علاوہ کوئی حق دار ہے۔ البتہ رسول
ﷺ کی اطاعت کو چونکہ خود اللہ نے اپنی ہی اطاعت قرار دیا ہے اس لیے رسول ﷺ کی اطاعت اللہ ہی کی اطاعت

دیں،^(۱) یہ لوگ جس بارے میں اختلاف کر رہے ہیں اس کا (سچا) فیصلہ اللہ (خود) کرے گا۔^(۲) جھوٹے اور ناشکرے (لوگوں) کو اللہ تعالیٰ راہ نہیں دکھاتا۔^(۳)

اگر اللہ تعالیٰ کا ارادہ اولاد ہی کا ہو تا تو اپنی مخلوق میں سے جسے چاہتا چن لیتا۔ (لیکن) وہ تو پاک ہے، وہ^(۴) وہی اللہ تعالیٰ ہے یگانہ اور قوت والا۔^(۵)

نہایت اچھی تدبیر سے اس نے آسمانوں اور زمین کو بنایا وہ رات کو دن پر اور دن کو رات پر پلٹ دیتا ہے^(۵) اور

يَبْنِيهِمْ فِي مَآثِمِهِمْ يَخْتَفُونَ هَٰذَا إِنَّ اللَّهَ لَهُ عَدُوٌّ مُّنْ هُوَ كَذِبٌ كَذِبٌ ⑥

لَوْ أَرَادَ اللَّهُ أَنْ يَخْلُقَ وَلَدًا لَّاصْطَفَىٰ مِنْ بَنِي آدَمَ مَا يَشَاءُ سُبْحَنَهُ هُوَ اللَّهُ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ ⑦

خَلَقَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ بِالْحَقِّ يَكُونُ اللَّيْلُ عَلَى النَّهَارِ

ہے، کسی غیر کی نہیں۔ تاہم عبادت میں یہ بات بھی نہیں۔ اس لیے عبادت اللہ کے سوا، کسی بڑے سے بڑے رسول کی بھی جائز نہیں ہے۔ چہ جائیکہ عام افراد و اشخاص کی، جنہیں لوگوں نے اپنے طور پر خدائی اختیارات کا حامل قرار دے رکھا ہے۔ ﴿مَّا أَنْزَلَ اللَّهُ بِهَا مِنْ سُلْطَانٍ﴾ اللہ کی طرف سے اس پر کوئی دلیل نہیں ہے۔

(۱) اس سے واضح ہے کہ مشرکین مکہ اللہ تعالیٰ ہی کو خالق، رازق اور مدبر کائنات مانتے تھے۔ پھر وہ دوسروں کی عبادت کیوں کرتے تھے؟ اس کا جواب وہ یہ دیتے تھے جو قرآن نے یہاں نقل کیا ہے کہ شاید ان کے ذریعے سے ہمیں اللہ کا قرب حاصل ہو جائے یا اللہ کے ہاں یہ ہماری سفارش کر دیں۔ جیسے دوسرے مقام پر فرمایا۔ ﴿هُوَ إِلَهُكُمْ فَمَا تَعْبُدُونَ﴾ (یونس: ۱۸) ”یہ اللہ کے پاس ہمارے سفارشی ہیں۔“

(۲) کیوں کہ دنیا میں تو کوئی بھی یہ ماننے کے لیے تیار نہیں ہے کہ وہ شرک کا ارتکاب کر رہا ہے یا وہ حق پر نہیں ہے۔ قیامت والے دن اللہ تعالیٰ ہی فیصلہ فرمائے گا اور اس کے مطابق جزا و سزا دے گا۔

(۳) یہ جھوٹ ہی ہے کہ ان معبودان باطلہ کے ذریعے سے ان کی اللہ تک رسائی ہو جائے گی یا یہ ان کی سفارش کریں گے اور اللہ کو چھوڑ کر بے اختیار لوگوں کو معبود سمجھنا بھی بہت بڑی ناشکری ہے۔ ایسے جھوٹوں اور ناشکروں کو ہدایت کس طرح نصیب ہو سکتی ہے؟

(۴) یعنی پھر اس کی اولاد لڑکیاں ہی کیوں ہوتیں؟ جس طرح کہ مشرکین کا عقیدہ تھا۔ بلکہ وہ اپنی مخلوق میں سے جس کو پسند کرتا، وہ اس کی اولاد ہوتی، نہ کہ وہ جن کو وہ باور کراتے ہیں، لیکن وہ تو اس نقص سے ہی پاک ہے۔ (ابن کثیر)

(۵) تَنْوِينُ کے معنی ہیں ایک چیز کو دوسری چیز پر پلٹ دینا، رات کو دن پر پلٹ دینے کا مطلب، رات کا دن کو ڈھانپنا ہے۔ یہاں تک کہ اس کی روشنی ختم ہو جائے اور دن کو رات پر پلٹ دینے کا مطلب، دن کا رات کو ڈھانپنا ہے حتیٰ کہ اس کی تاریکی ختم ہو جائے۔ یہ وہی مطلب ہے جو ﴿يُفْثِي اللَّيْلَ الْقَهَّارَ﴾ (الأعراف: ۵۴) کا ہے۔

اس نے سورج چاند کو کام پر لگا رکھا ہے۔ ہر ایک مقررہ مدت تک چل رہا ہے یقین مانو کہ وہی زبردست اور گناہوں کا بخشنے والا ہے۔ (۵)

اس نے تم سب کو ایک ہی جان سے پیدا کیا ہے،^(۱) پھر اسی سے اس کا جوڑا پیدا کیا^(۲) اور تمہارے لیے چوپایوں میں سے (آٹھ ز و مادہ) اتارے^(۳) وہ تمہیں تمہاری ماؤں کے پیٹوں میں ایک بناوٹ کے بعد دوسری بناوٹ پر بناتا^(۴) ہے تین تین اندھیروں^(۵) میں، یہی اللہ تعالیٰ تمہارا رب ہے اسی کے لیے بادشاہت ہے، اس کے سوا کوئی معبود نہیں، پھر تم کہاں بہک رہے ہو۔^(۶)

اگر تم ناشکری کرو تو (یاد رکھو کہ) اللہ تعالیٰ تم (سب سے) بے نیاز ہے،^(۷) اور وہ اپنے بندوں کی ناشکری سے خوش

وَيَذَرُ الَّذِينَ عَلَى الْيَلِّ وَسُحَّرَ النَّسَمُ وَالْقَمَرُ كُلُّ يَوْمٍ
لِرَجَلٍ مُّسَمًّى ۖ آلَٰهُمُ الْعَزِيزُ الْعَفَّارُ ۝

خَلَقَكُمْ مِنْ نَفْسٍ وَاحِدَةٍ فَمُجَعَلٌ مِنْهَا وَجَعَلَ آتَاؤُكُمْ
مِنْ الْأَنْعَامِ كُنُيَّةً أَزْوَاجٍ يَخْلُقُكُمْ فِي بُطُونِ أُمَّهَاتِكُمْ خَلْقًا مِّنْ
بَعْدِ خَلْقٍ فِي ظَلَمَاتٍ ثَلَاثَ ذَلِكُمْ إِلَهُ رَبِّكُمْ لَهُ الْمُلْكُ لَا إِلَهَ إِلَّا
هُوَ قَاتِلُ نَصْرَتُونَ ۝

إِنْ تَكْفُرُوا فَإِنَّ اللَّهَ عَنَىٰ عَنْكُمْ وَلَا يَرْضَىٰ لِعِبَادِهِ الْكُفْرَ

(۱) یعنی حضرت آدم علیہ السلام سے، جن کو اللہ نے اپنے ہاتھ سے بنایا تھا اور اپنی طرف سے اس میں روح پھونکی تھی۔
(۲) یعنی حضرت حوا کو حضرت آدم علیہ السلام کی بانیں پبلی سے پیدا فرمایا اور یہ بھی اس کا کمال قدرت ہے کیونکہ حضرت حوا کے علاوہ کسی بھی عورت کی تخلیق، کسی آدمی کی پبلی سے نہیں ہوئی۔ یوں یہ تخلیق امر عادی کے خلاف اور اللہ کی قدرت کی نشانیوں میں سے ہے۔

(۳) یہ وہی چار قسم کے جانوروں کا بیان ہے بھیڑ، بکری، اونٹ، گائے، جو ز اور مادہ مل کر آٹھ ہو جاتے ہیں، جن کا ذکر سورۃ انعام، آیت ۱۴۳، ۱۴۴ میں گزر چکا ہے۔ اَنْزَلَ بِمَعْنَى خَلَقَ ہے یا ایک روایت کے مطابق، پہلے اللہ نے انہیں جنت میں پیدا فرمایا اور پھر انہیں نازل کیا، پس یہ انزال حقیقی ہو گا۔ یا اَنْزَلَ کا اطلاق مجازاً ہے اس لیے کہ یہ جانور چارے کے بغیر نہیں رہ سکتے اور چارہ کی روئیدگی کے لیے پانی ناگزیر ہے۔ جو آسمان سے ہی بارش کے ذریعے سے اترتا ہے۔ یوں گویا یہ چوپائے آسمان سے اتارے ہوئے ہیں، (فتح القدیر)

(۴) یعنی رحم مادر میں مختلف اطوار سے گزارتا ہے، پہلے نطفہ، پھر عَلَقَۃ، پھر مُضْغَۃ، پھر ہڈیوں کا ڈھانچہ، جس کے اوپر گوشت کا لباس۔ ان تمام مراحل سے گزرنے کے بعد انسان کامل تیار ہوتا ہے۔

(۵) ایک ماں کے پیٹ کا اندھیرا، دوسرا رحم مادر کا اندھیرا اور تیسرا شہد کا اندھیرا، وہ جہلی یا پردہ جس کے اندر بچہ پلٹا ہوا ہوتا ہے۔

(۶) یا کیوں تم حق سے باطل کی طرف اور ہدایت سے گمراہی کی طرف پھر رہے ہو؟

(۷) اس کی تشریح کے لیے دیکھئے سورۃ ابراہیم آیت ۸ کا حاشیہ۔

وَلَنْ تَشْكُرُوا يَرْضَهُ لَكُمْ وَلَا يُرِدُ الْإِذْنَ وَذَرَاخِرِي تَعَالَى
رَبِّكُمْ فَجَعَلَكُمْ قِيَتَكُمْ مِمَّا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ إِنَّهُ عَلَيْهِ يُدَاتِ
الضُّدُور ④

وَإِذَا مَسَّ الْإِنْسَانَ ضُرٌّ دَعَا رَبَّهُ مُنِيبًا إِلَيْهِ فَتُفْعَلْ أَذَاخَوْلَهُ
نِعْمَةً مِنْهُ لَيْسَ مَا كَانَ يَدْعُو إِلَيْهِ مِنْ قَبْلُ وَجَعَلَ لِلَّهِ
أَنْدَادًا لِيُضِلَّ عَنْ سَبِيلِهِ قُلْ تَمَتَّعْ بِكُلَّمَا كَلَّمْتُمْ وَلَقِيلًا
إِنَّكَ مِنَ أَصْحَابِ النَّارِ ⑤

أَمَنْ هُوَ قَالَتْ إِنَّكَ الْبَيْتُ سَاحِدًا أَوْ قَالِمًا يَجِدُرُ الْآخِرَةَ
وَيَرْجُو أَحْمَةً رَبِّهِ قُلْ هَلْ يَسْتَوِي الَّذِينَ يَعْلَمُونَ

نہیں اور اگر تم شکر کرو تو وہ اسے تمہارے لیے پسند کرے گا۔^(۱) اور کوئی کسی کا بوجھ نہیں اٹھاتا پھر تم سب کا لوٹنا تمہارے رب ہی کی طرف ہے۔ تمہیں وہ بتلا دے گا جو تم کرتے تھے۔ یقیناً وہ دلوں تک کی باتوں کا واقف ہے۔ (۷)

اور انسان کو جب کبھی کوئی تکلیف پہنچتی ہے تو وہ خوب رجوع ہو کر اپنے رب کو پکارتا ہے، پھر جب اللہ تعالیٰ اسے اپنے پاس سے نعمت عطا فرما دیتا ہے تو وہ اس سے پہلے جو دعا کرتا تھا اسے (بالکل) بھول جاتا ہے^(۲) اور اللہ تعالیٰ کے شریک مقرر کرنے لگتا ہے جس سے (اوروں کو بھی) اس کی راہ سے ہٹ جائے، آپ کہہ دیجئے! کہ اپنے کفر کا فائدہ کچھ دن اور اٹھالو، (آخر) تو دو ذبیحوں میں ہونے والا ہے۔ (۸)

بھلا جو شخص راتوں کے اوقات سجدے اور قیام کی حالت میں (عبادت میں) گزارتا ہو، آخرت سے ڈرتا ہو اور اپنے رب کی رحمت کی امید رکھتا^(۳) ہو، (اور جو اس

(۱) یعنی کفر اگرچہ انسان اللہ کی مشیت ہی سے کرتا ہے، کیوں کہ اس کی مشیت کے بغیر کوئی کام نہیں ہوتا نہ ہی ہو سکتا ہے۔ تاہم کفر کو اللہ تعالیٰ پسند نہیں فرماتا۔ اس کی رضا حاصل کرنے کا راستہ تو شکر ہی کا راستہ ہے نہ کہ کفر کا۔ یعنی اس کی مشیت اور چیز ہے اور اس کی رضا اور چیز ہے، جیسا کہ پہلے بھی اس نکتے کی وضاحت بعض مقامات پر کی جا چکی ہے۔ دیکھئے صفحہ ۱۰۹۔

(۲) یا اس تکلیف کو بھول جاتا ہے جس کو دور کرنے کے لیے وہ دوسروں کو چھوڑ کر، اللہ سے دعا کرتا تھا یا اس رب کو بھول جاتا ہے، جسے وہ پکارتا تھا اور اس کے سامنے تضرع کرتا تھا، اور پھر شرک میں مبتلا ہو جاتا ہے۔

(۳) مطلب یہ ہے کہ ایک یہ کافر و مشرک ہے جس کا یہ حال ہے جو ابھی مذکور ہوا اور دوسرا وہ شخص ہے جو تنگی اور خوشی میں، رات کی گھڑیاں اللہ کے سامنے عاجزی اور فرمان برداری کا اظہار کرتے ہوئے، سجدو قیام میں گزارتا ہے۔ آخرت کا خوف بھی اس کے دل میں ہے اور رب کی رحمت کا امیدوار بھی ہے۔ یعنی خوف و رجاء دونوں کیفیتوں سے وہ سرشار ہے، جو اصل ایمان ہے۔ کیا یہ دونوں برابر ہو سکتے ہیں؟ نہیں، یقیناً نہیں۔ خوف و رجاء کے بارے میں حدیث ہے،

وَالَّذِينَ لَا يَحْمِلُونَ إِثْمًا يَذْكُرُوا آلَاءَ الْبَرِّ ۝

قُلْ يُعْبَادُوا اللَّهَ انْتَهُوا زِكْرًا لِلَّذِينَ أَحْسَنُوا
فِي هَذِهِ الدُّنْيَا حَسَنَةً وَاللَّهُ وَاسِعٌ إِثْمًا يُؤْتِي
الضَّالِّينَ أَجْرَهُمْ بِغَيْرِ حِسَابٍ ۝

کے برعکس ہو برابر ہو سکتے ہیں) بتاؤ تو علم والے اور بے
علم کیا برابر کے ہیں؟^(۱) یقیناً فصیحیت وہی حاصل کرتے ہیں
جو عقلمند ہوں۔ (اپنے رب کی طرف سے)^(۲) (۹)

کہہ دو کہ اے میرے ایمان والے بندو! اپنے رب سے
ڈرتے رہو،^(۳) جو اس دنیا میں نیکی کرتے ہیں ان کے
لیے نیک بدلہ ہے^(۴) اور اللہ تعالیٰ کی زمین بہت کشادہ
ہے^(۵) صبر کرنے والوں ہی کو ان کا پورا پورا بے شمار اجر

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک شخص کے پاس گئے جب کہ اس پر سکرات
الموت کی کیفیت طاری تھی، آپ ﷺ نے اس سے پوچھا ”تو اپنے آپ کو کیسے پاتا ہے؟“ اس نے کہا ”میں اللہ سے
امید رکھتا ہوں اور اپنے گناہوں کی وجہ سے ڈرتا بھی ہوں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ”اس موقع پر جس
بندے کے دل میں یہ دونوں باتیں جمع ہو جائیں تو اللہ تعالیٰ اسے وہ چیز عطا فرمادیتا ہے جس کی وہ امید رکھتا ہے اور اس
سے اسے بچا لیتا ہے جس سے وہ ڈرتا ہے۔ (ترمذی۔ ابن ماجہ، کتاب الزہد، باب ذکر الموت والاستعداد لہ)

(۱) یعنی وہ جو جانتے ہیں کہ اللہ نے ثواب و عقاب کا جو وعدہ کیا ہے، وہ حق ہے اور وہ جو اس بات کو نہیں جانتے۔ یہ
دونوں برابر نہیں۔ ایک عالم ہے اور ایک جاہل۔ جس طرح علم و جبل میں فرق ہے، اسی طرح عالم و جاہل برابر نہیں۔ یہ
بھی ہو سکتا ہے کہ عالم و غیر عالم کی مثال سے یہ سمجھنا مقصود ہو کہ جس طرح یہ دونوں برابر نہیں، اللہ کا فرماں بردار اور
اس کا نافرمان، دونوں برابر نہیں۔ بعض نے اس کا مطلب یہ بیان کیا ہے کہ عالم سے مراد وہ شخص ہے جو علم کے مطابق
عمل بھی کرتا ہے۔ کیوں کہ وہی علم سے فائدہ حاصل کرنے والا ہے اور جو عمل نہیں کرتا وہ گویا ایسے ہی ہے کہ اسے علم
ہی نہیں ہے۔ اس اعتبار سے یہ عامل اور غیر عامل کی مثال ہے کہ یہ دونوں برابر نہیں۔

(۲) اور یہ اہل ایمان ہی ہیں، نہ کہ کفار۔ گو وہ اپنے آپ کو صاحب دانش و بصیرت ہی سمجھتے ہوں۔ لیکن جب وہ اپنی
عقل و دانش کو استعمال کر کے غور و تدبر ہی نہیں کرتے اور عبرت و نصیحت ہی حاصل نہیں کرتے تو ایسے ہی ہے گویا وہ
چوپایوں کی طرح عقل و دانش سے محروم ہیں۔

(۳) اس کی اطاعت کر کے، معاصی سے اجتناب کر کے اور عبادت و اطاعت کو اس کے لیے خالص کر کے۔

(۴) یہ تقویٰ کے فوائد ہیں۔ نیک بدلے سے مراد جنت اور اس کی ابدی نعمتیں ہیں۔ بعض فی ہذہ الدنیا کو حَسَنَةً
سے متعلق مان کر ترجمہ کرتے ہیں ”جو نیکی کرتے ہیں“ ان کے لیے دنیا میں نیک بدلہ ہے ”یعنی اللہ انہیں دنیا میں صحت و
عافیت، کامیابی اور غنیمت وغیرہ عطا فرماتا ہے۔ لیکن پہلا مفہوم ہی زیادہ صحیح ہے۔

(۵) یہ اشارہ ہے اس بات کی طرف کہ اگر اپنے وطن میں ایمان و تقویٰ پر عمل مشکل ہو، تو وہاں رہنا پسندیدہ نہیں، بلکہ

قُلْ إِنِّي أُمِرْتُ أَنْ أَعْبُدَ اللَّهَ مُخْلِصًا لَهُ الدِّينَ ۝

وَأُوتِيَ لَدَنْ أَوَّلِ الْمُسْلِمِينَ ۝

قُلْ إِنِّي أَخَافُ إِنْ عَصَيْتُ رَبِّي عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيمٍ ۝

قُلْ اللَّهُ أَعْبُدْ مُخْلِصًا لَهُ دِينِي ۝

فَاعْبُدْهُ وَاصْنُتْ لَهُ مَنَاسِكَ دُونَهُ قُلْ إِنَّ الْخَيْرَ مِمَّنْ يَدِينُ

خَيْرٌ وَأَنْفُسُهُمْ وَاهْدِهِمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ إِلَىٰ ذَٰلِكَ

هُوَ الْخَيْرُ مِنَ الْبَيْتِ ۝

لَهُمْ مَنَاسِكٌ مِّنْ دُونِهِمْ فَلْيَكُونُوا مِنَّا وَلَا يَكُونُوا

دیا جاتا ہے۔^(۱) (۱۰)

آپ کہہ دیجئے! کہ مجھے حکم دیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی اس طرح عبادت کروں کہ اسی کے لیے عبادت کو خالص

کر لوں۔ (۱۱)

اور مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں سب سے پہلا فرماں بردار

بن جاؤں۔^(۲) (۱۲)

کہہ دیجئے! کہ مجھے تو اپنے رب کی نافرمانی کرتے ہوئے بڑے دن کے عذاب کا خوف لگتا ہے۔ (۱۳)

کہہ دیجئے! کہ میں تو خالص کر کے صرف اپنے رب ہی کی عبادت کرتا ہوں۔ (۱۴)

تم اس کے سوا جس کی چاہو عبادت کرتے رہو کہہ دیجئے! کہ حقیقی زیاں کار وہ ہیں جو اپنے آپ کو اور اپنے اہل کو قیامت کے دن نقصان میں ڈال دیں گے، یاد رکھو

کہ کھلم کھلا نقصان یہی ہے۔ (۱۵)

انہیں نیچے اوپر سے آگ کے (شعلے مثل) ساتباں (کے)

وہاں سے ہجرت اختیار کر کے ایسے علاقے میں چلا جانا چاہیے جہاں انسان احکام الہی کے مطابق زندگی گزار سکے اور جہاں ایمان و تقویٰ کی راہ میں رکاوٹ نہ ہو۔

(۱) اسی طرح ایمان و تقویٰ کی راہ میں مشکلات بھی ناگزیر اور شہوات و لذات نفس کی قربانی بھی لازمی ہے، جس کے لیے صبر کی ضرورت ہے۔ اس لیے صابرین کی فضیلت بھی بیان کر دی گئی ہے کہ ان کو ان کے صبر کے بدلے میں اس طرح پورا پورا اجر دیا جائے گا کہ اسے حساب کے پیمانوں سے ناپنا ممکن ہی نہیں ہو گا۔ یعنی ان کا اجر غیر متناہی ہو گا کیوں کہ جس چیز کا حساب ممکن ہو، اس کی تو ایک حد ہوتی ہے اور جس کی کوئی حد اور انتہا نہ ہو، وہ وہی ہوتی ہے جس کو شمار کرنا ممکن نہ ہو۔ صبر کی یہ وہ عظیم فضیلت ہے جو ہر مسلمان کو حاصل کرنے کی کوشش کرنی چاہیے۔ اس لیے کہ جزع فرع اور بے صبری سے نازل شدہ مصیبت ٹل نہیں جاتی، جس خیر اور فائدے سے محرومی ہو گئی ہے، وہ حاصل نہیں ہو جاتا اور جو ناگوار صورت حال پیش آچکی ہوتی ہے، اس کا ازالہ ممکن نہیں۔ جب یہ بات ہے تو انسان صبر کر کے وہ اجر عظیم کیوں نہ حاصل کرے جو صابرین کے لیے اللہ تعالیٰ نے رکھا ہے۔

(۲) پہلا اس معنی میں کہ آبائی دین کی مخالفت کر کے توحید کی دعوت سب سے پہلے آپ ہی نے پیش کی۔

اللَّهُ بِهِ عِبَادَةُ يُمَادٍ فَالْعَوْنُ ۝

ڈھانک رہے ہوں گے۔ (۱) یہی (عذاب) ہے جن سے اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو ڈرا رہا ہے، (۲) اے میرے بندو! پس مجھ سے ڈرتے رہو۔ (۱۶)

اور جن لوگوں نے طاغوت کی عبادت سے پرہیز کیا اور (ہم تن) اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ رہے وہ خوش خبری کے مستحق ہیں، میرے بندوں کو خوشخبری سنا دیجئے۔ (۱۷) جو بات کو کان لگا کر سنتے ہیں۔ پھر جو بہترین بات ہو (۳) اس کی اتباع کرتے ہیں۔ یہی ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے ہدایت کی ہے اور یہی عقلمند بھی ہیں۔ (۱۸) (۳)

بھلا جس شخص پر عذاب کی بات ثابت ہو چکی ہے، (۵) تو کیا آپ اسے جو دوزخ میں ہے چھڑا سکتے ہیں۔ (۱۹) (۱۹)

ہاں وہ لوگ جو اپنے رب سے ڈرتے رہے ان کے لیے

وَالَّذِينَ اجْتَنَبُوا الطَّاغُوتَ أَنْ يَعْبُدُوهَا وَأَنَابُوا إِلَى اللَّهِ لَهُمُ الْبُخْرَىٰ فَتَبَرَّأْدُ ۝

الَّذِينَ يَتَّبِعُونَ الْقَوْلَ فَيَتَّبِعُونَ أَحْسَنَهُ أُولَٰئِكَ الَّذِينَ هَدَى اللَّهُ وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْوَالِدُونَ ۝

أَفَمَنْ سَخَىٰ عَلَيْهِ كَلِمَةُ الْعَذَابِ أَفَأَنْتَ تُؤْمِنُ فِي النَّارِ ۝

لَكِنَّ الَّذِينَ اتَّعَذَّبُوا لَهُمْ تَعَذُّبٌ مُّبِينٌ ۝

(۱) ظُلُلٌ، ظُلَّة کی جمع ہے، سایہ۔ یہاں اطباق النار مراد ہیں، یعنی ان کے اوپر نیچے آگ کے طبق ہوں گے، جو ان پر بھڑک رہے ہوں گے۔ (فتح القدیر)

(۲) یعنی یہی مذکور خسران مبین اور عذاب نلل ہے جس سے اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو ڈراتا ہے تاکہ وہ اطاعت الہی کا راستہ اختیار کر کے اس انجام بد سے بچ جائیں۔

(۳) أَحْسَنُ سے مراد حکم اور پختہ بات، یا مامورات میں سے سب سے اچھی بات، یا عزیمت و رخصت میں سے عزیمت یا عقوبت کے مقابلے میں عفو و درگزر اختیار کرتے ہیں۔

(۴) کیوں کہ انہوں نے اپنی عقل سے فائدہ اٹھایا ہے، جب کہ دوسروں نے اپنی عقلوں سے فائدہ نہیں اٹھایا۔

(۵) یعنی قضا و تقدیر کی رو سے اس کا استحقاق عذاب ثابت ہو چکا ہے، اس طرح کہ کفر و ظلم اور جرم و عدوان میں وہ اپنی انتہا کو پہنچ گیا، جہاں سے اس کی واپسی ممکن نہیں رہی۔ جیسے ابو جہل اور عاص بن وائل وغیرہ۔ اور گناہوں نے اس کو پوری طرح گھیر لیا اور وہ جنسی ہو گیا۔

(۶) نبی صلی اللہ علیہ وسلم چونکہ اس بات کی شدید خواہش رکھتے تھے کہ آپ کی قوم کے سب لوگ ایمان لے آئیں۔ اس میں اللہ تعالیٰ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دی اور آپ کو بتلایا کہ آپ کی خواہش اپنی جگہ بالکل صحیح اور بجا ہے لیکن جس پر اس کی تقدیر غالب آگئی اور اللہ کا کلمہ اس کے حق میں ثابت ہو گیا، اسے آپ جہنم کی آگ سے بچانے پر قادر نہیں ہیں۔

مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ وَعَدَلَهُ اللَّهُ لِيُخْلِفَ اللَّهُ الْأَبْعَادَ ⑤

بالا خانے ہیں جن کے اوپر بھی بنے بنائے بالا خانے ہیں^(۱)
(اور) ان کے نیچے نہریں بہہ رہی ہیں۔ رب کا وعدہ ہے^(۲)
اور وہ وعدہ خلافی نہیں کرتا۔ (۲۰)

کیا آپ نے نہیں دیکھا کہ اللہ تعالیٰ آسمان سے پانی اتارتا ہے اور اسے زمین کی سوتوں میں پھنچاتا^(۳) ہے، پھر اسی کے ذریعہ سے مختلف قسم کی کھیتیاں اگاتا^(۴) ہے پھر وہ خشک ہو جاتی ہیں اور آپ انہیں زرد رنگ دیکھتے ہیں پھر انہیں ریزہ ریزہ کر دیتا^(۵) ہے، اس میں عقل مندوں کے لیے بہت زیادہ نصیحت ہے۔^(۶) (۲۱)

الْقُرْآنَ اللَّهُ أَنْزَلَ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً فَسَلَكَهُ يَنَابِيعَ فِي الْأَرْضِ
لَمْ يُغَيِّرْ بِهِ زَرْعًا غَيْرَ الْوَاثَةِ لَمْ يَغَيِّرْ فَتَرَبُّهُ مُصْفًى ثُمَّ يَجْعَلُهُ
حُطَامًا إِنَّ فِي ذَلِكَ لَذِكْرًا لِّأُولِي الْأَلْبَابِ ⑥

(۱) اس کا مطلب ہے کہ جنت میں درجات ہوں گے، ایک کے اوپر ایک۔ جس طرح یہاں کثیر المنازل عمارتیں ہیں، جنت میں بھی درجات کے حساب سے ایک دوسرے کے اوپر بالا خانے ہوں گے، جن کے درمیان سے اہل جنت کی خواہش کے مطابق دودھ، شہد، پانی اور شراب کی نہریں چل رہی ہوں گی۔

(۲) جو اس نے اپنے مومن بندوں سے کیا ہے اور جو یقیناً پورا ہو گا کہ اللہ سے وعدہ خلافی ممکن نہیں۔

(۳) يَنَابِيعَ، يَنْبُوعُ کی جمع ہے، سوتے، چشمے، یعنی بارش کے ذریعے سے پانی آسمان سے اترتا ہے، پھر وہ زمین میں جذب ہو جاتا ہے اور پھر چشموں کی صورت میں نکلتا ہے یا تالابوں اور نہروں میں جمع ہو جاتا ہے۔
(۴) یعنی اس پانی سے، جو ایک ہوتا ہے، انواع و اقسام کی چیزیں پیدا فرماتا ہے، جن کا رنگ، ذائقہ، خوشبو ایک دوسرے سے مختلف ہوتی ہے۔

(۵) یعنی شادابی اور تروتازگی کے بعد وہ کھیتیاں سوکھ جاتی ہیں اور زرد ہو جاتی ہیں اور پھر ریزہ ریزہ ہو جاتی ہیں۔ جس طرح لکڑی کی شٹیاں خشک ہو کر ٹوٹ پھوٹ کا شکار ہو جاتی ہیں۔

(۶) یعنی اہل دانش اس سے سمجھ لیتے ہیں کہ دنیا کی مثال بھی اسی طرح ہے، وہ بھی بہت جلد زوال و فنا سے ہم کنار ہو جائے گی۔ اس کی رونق و بہجت، اس کی شادابی و زینت اور اس کی لذتیں اور آسائشیں عارضی ہیں، جن سے انسان کو دل نہیں لگانا چاہیے۔ بلکہ اس موت کی تیاری میں مشغول رہنا چاہیے جس کے بعد کی زندگی دائمی ہے، جسے زوال نہیں۔ بعض کہتے ہیں کہ یہ قرآن اور اہل ایمان کے سینوں کی مثال ہے اور مطلب ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آسمان سے قرآن اتارا، جسے وہ مومنوں کے دلوں میں داخل فرماتا ہے، پھر اس کے ذریعے سے دین باہر نکلتا ہے جو ایک دوسرے سے بہتر ہوتا ہے، پس مومن تو ایمان و یقین میں زیادہ ہو جاتا ہے اور جس کے دل میں روگ ہوتا ہے، وہ اس طرح خشک ہو جاتا ہے جس طرح کھیتی خشک ہو جاتی ہے۔ (فتح القدیر)

أَمَّنْ شَرَّ اللَّهِ صَدْرَهُ لِلْإِسْلَامِ فَهُوَ عَلَى نُورٍ مِّنْ دُونِهِ يُوقِنُ
لِلْغِيَةِ قُلُوبُهُمْ مِّنْ ذِكْرِ اللَّهِ أُولَٰئِكَ فِي ضَلَالٍ مُّبِينٍ ۝

کیا وہ شخص جس کا سینہ اللہ تعالیٰ نے اسلام کے لیے کھول دیا ہے پس وہ اپنے پروردگار کی طرف سے ایک نور پر ہے ^(۱) اور ہلاکی ہے ان پر جن کے دل یاد الہی سے (اثر نہیں لیتے بلکہ) سخت ہو گئے ہیں۔ یہ لوگ صریح گمراہی میں (بتلا) ہیں۔ (۲۲)

اللہ تعالیٰ نے بہترین کلام نازل فرمایا ہے جو ایسی کتاب ہے کہ آپس میں ملتی جلتی اور بار بار دہرائی ہوئی آیتوں کی ہے، ^(۲) جس سے ان لوگوں کے روگئے کھڑے ہو جاتے ہیں جو اپنے رب کا خوف رکھتے ہیں ^(۳) آخر میں ان کے جسم اور دل اللہ تعالیٰ کے ذکر کی طرف نرم ہو جاتے ہیں، ^(۴) یہ ہے اللہ تعالیٰ کی ہدایت جس کے ذریعہ جسے چاہے راہ راست پر لگا دیتا ہے۔ اور جسے اللہ تعالیٰ ہی راہ بھلا دے اس کا ہادی کوئی نہیں۔ (۲۳)

بھلا جو شخص قیامت کے دن کے بدترین عذاب کی سپر (ڈھال) اپنے منہ کو بنائے گا۔ (ایسے) ظالموں سے کہا

أَمَّنْ يَتَّبِعِي يَوْمَ الْعَذَابِ يَوْمَ الْقِيَمَةِ وَقِيلَ
لِلظَّالِمِينَ ذُوقُوا مَا كُنْتُمْ تَكْسِبُونَ ۝

(۱) یعنی جس کو قبول حق اور خیر کا راستہ اپنانے کی توفیق اللہ تعالیٰ کی طرف سے مل جائے پس وہ اس شرح صدر کی وجہ سے رب کی روشنی پر ہو، کیا یہ اس جیسا ہو سکتا ہے جس کا دل اسلام کے لئے سخت اور اس کا سینہ تنگ ہو اور وہ گمراہی کی تاریکیوں میں بھٹک رہا ہو۔

(۲) أَحْسَنُ الْحَدِيثِ سے مراد قرآن مجید ہے، ملتی جلتی کا مطلب، اس کے سارے حصے حسن کلام، اعجاز و بلاغت، صحت معانی وغیرہ خوبیوں میں ایک دوسرے سے ملتے ہیں۔ یا یہ بھی سابقہ کتب آسمانی سے ملتا ہے یعنی ان کے مشابہ ہے۔ مثانی، جس میں قصص و واقعات اور مواظظ و احکام کو بار بار دہرایا گیا ہے۔

(۳) کیونکہ وہ ان وعیدوں کو اور تخویف و تهدید کو سمجھتے ہیں جو نافرمانوں کے لیے اس میں ہے۔

(۴) یعنی جب اللہ کی رحمت اور اس کے لطف و کرم کی امید ان کے دلوں میں پیدا ہوتی ہے تو ان کے اندر سوز و گداز پیدا ہو جاتا ہے اور وہ اللہ کے ذکر میں مصروف ہو جاتے ہیں۔ حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اس میں اولیاء اللہ کی صفت بیان کی گئی ہے کہ اللہ کے خوف سے ان کے دل کانپ اٹھتے، ان کی آنکھوں سے آنسو رواں ہو جاتے ہیں اور ان کے دلوں کو اللہ کے ذکر سے اطمینان نصیب ہوتا ہے۔ یہ نہیں ہوتا کہ وہ مدہوش اور حواس باختہ ہو جائیں اور عقل و

كَذَّبَ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَآتَهُمُ الْعَذَابُ
مِنْ حَيْثُ لَا يَشْعُرُونَ ﴿٥٠﴾

فَآذَنَهُمُ اللَّهُ الْخُرُوبَ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَلَعَذَابُ الْآخِرَةِ
أَكْبَرُ كَوَيْلًا يُعْلَمُونَ ﴿٥١﴾

وَلَعَذَابُ رَبِّكَ لِلنَّاسِ فِي هَذَا الْقُرْآنِ مِنْ كُلِّ مَثَلٍ
لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُونَ ﴿٥٢﴾

قُرْآنًا عَرَبِيًّا غَيْرَ ذِي عِوَجٍ لَعَلَّهُمْ يَتَّقُونَ ﴿٥٣﴾

جائے گا کہ اپنے کیے کا (وبال) چکھو۔ (۲۳)

ان سے پہلے والوں نے بھی جھٹلایا، پھر ان پر وہاں سے
عذاب آپڑا جہاں سے ان کو خیال بھی نہ تھا۔ (۲۵)^(۱)
اور اللہ تعالیٰ نے انہیں زندگانی دنیا میں رسوائی کا مزہ
چکھایا (۳) اور ابھی آخرت کا تو بڑا بھاری عذاب ہے کاش
کہ یہ لوگ سمجھ لیں۔ (۲۶)

اور یقیناً ہم نے اس قرآن میں لوگوں کے لیے ہر قسم کی مثالیں
بیان کر دی ہیں کیا عجب کہ وہ نصیحت حاصل کر لیں۔ (۲۷)^(۲)
قرآن ہے عربی میں جس میں کوئی کجی نہیں ہو سکتا ہے
کہ وہ پرہیزگاری اختیار کر لیں۔ (۲۸)^(۵)

ہوش باقی نہ رہے، کیونکہ یہ بدعتیوں کی صفت ہے اور اس میں شیطان کا دخل ہوتا ہے۔ (ابن کثیر) جیسے آج بھی بدعتیوں
کی قوالی میں اس طرح کی شیطانی حرکتیں عام ہیں، جسے وہ ”جد و حال یا سکرو مستی“ سے تعبیر کرتے ہیں۔ امام ابن کثیر
فرماتے ہیں، اہل ایمان کا معاملہ اس بارے میں کافروں سے بوجہ مختلف ہے۔ ایک یہ کہ اہل ایمان کا سماع، قرآن کریم کی
تلاوت ہے، جب کہ کفار کا سماع، بے حیا مغنیات کی آوازوں میں گانا بجانا، سننا ہے۔ (جیسے اہل بدعت کا سماع مشرکانہ غلو پر
مبنی قوالیاں اور نعتیں ہیں) دوسرے، یہ کہ اہل ایمان قرآن سن کر ادب و خشیت سے رجا و محبت سے اور علم و فہم سے
رو پڑتے ہیں اور سجدہ ریز ہو جاتے ہیں۔ جب کہ کفار شور کرتے اور کھیل کود میں مصروف رہتے ہیں۔ تیسرے، اہل
ایمان سماع قرآن کے وقت ادب و تواضع اختیار کرتے ہیں، جیسے صحابہ کرام کی عادت مبارکہ تھی، جس سے ان کے
رونگٹے کھڑے ہو جاتے اور ان کے دل اللہ کی طرف جھک جاتے تھے (ابن کثیر)

(۱) یعنی کیا یہ شخص، اس شخص کے برابر ہو سکتا ہے جو قیامت والے دن بالکل بے خوف اور امن میں ہو گا؟ یعنی
محذوف عبارت لما کر اس کا یہ مفہوم ہو گا۔

(۲) اور انہیں ان عذابوں سے کوئی نہیں بچا سکا۔

(۳) یہ کفار مکہ کو تنبیہ ہے کہ گزشتہ قوموں نے پیغمبروں کو جھٹلایا، تو ان کا یہ حال ہوا، اور تم اشرف المرسل اور
افضل الناس کی تکذیب کر رہے ہو، تمہیں بھی اس تکذیب کے انجام سے ڈرنا چاہیے۔

(۴) یعنی لوگوں کو سمجھانے کے لیے ہر طرح کی مثالیں بیان کی ہیں تاکہ لوگوں کے ذہنوں میں باتیں بیٹھ جائیں اور وہ
نصیحت حاصل کریں۔

(۵) یعنی قرآن واضح عربی زبان میں ہے، جس میں کوئی کجی، انحراف اور التباس نہیں ہے تاکہ لوگ اس میں بیان کردہ

قَرَّبَ اللَّهُ مَثَلًا لِّرَجُلٍ فِيهِ شُرَكَاءُ مُتَشَاكِمُونَ وَرَجُلًا
سَلَّمَ الرَّجُلَ مَلَّ يَتَوَتَّى مَثَلًا لِّلْحَمْدِ لِلَّهِ تَبْلُ الْكُفْرُ
لَا يَعْلَمُونَ ۝

إِنَّا كَذَّبْنَا وَكُنَّا لَهُمْ قَبِيلًا ۝

ثُمَّ إِنَّا كُنَّا يَوْمَ الْقِيَامَةِ عِنْدَ رَبِّكَ تَخَفُفُونَ ۝

اللہ تعالیٰ مثال بیان فرما رہا ہے ایک وہ شخص جس میں بہت سے باہم ضد رکھنے والے ساجھی ہیں، اور دو سرا وہ شخص جو صرف ایک ہی کا غلام ہے، کیا یہ دونوں صفت میں یکساں ہیں،^(۱) اللہ تعالیٰ ہی کے لیے سب تعریف ہے۔ بات یہ ہے کہ ان میں سے اکثر لوگ سمجھتے نہیں۔^(۲) (۲۹)
یقیناً خود آپ کو بھی موت آئے گی اور یہ سب بھی مرنے والے ہیں۔ (۳۰)

پھر تم سب کے سب قیامت کے دن اپنے رب کے سامنے جھکرو گے۔^(۳) (۳۱)

وعیدوں سے ڈریں اور اس میں بیان کیے گئے وعدوں کا مصداق بننے کے لیے عمل کریں۔

(۱) اس میں مشرک (اللہ کا شریک ٹھہرانے والے) اور مخلص (صرف ایک اللہ کے لیے عبادت کرنے والے) کی مثال بیان کی گئی ہے۔ یعنی ایک غلام ہے جو کئی شخصوں کے درمیان مشترک ہے، چنانچہ وہ آپس میں جھگڑتے رہتے ہیں اور ایک غلام ہے جس کا مالک صرف ایک ہی شخص ہے، اس کی ملکیت میں اس کے ساتھ کوئی شریک نہیں ہے۔ کیا یہ دونوں غلام برابر ہو سکتے ہیں؟ نہیں، یقیناً نہیں۔ اسی طرح وہ مشرک جو اللہ کے ساتھ دوسرے معبودوں کی بھی عبادت کرتا ہے۔ اور وہ مخلص مومن جو صرف ایک اللہ کی عبادت کرتا ہے، اس کے ساتھ کسی کو شریک نہیں ٹھہراتا۔ برابر نہیں ہو سکتے۔

(۲) اس بات پر کہ اس نے حجت قائم کر دی۔

(۳) اسی لیے اللہ کے ساتھ شرک کا ارتکاب کرتے ہیں۔

(۴) یعنی اے پیغمبر! آپ بھی اور آپ کے مخالف بھی، سب موت سے ہم کنار ہو کر اس دنیا سے ہمارے پاس آخرت میں آئیں گے۔ دنیا میں تو توحید اور شرک کا فیصلہ تمہارے درمیان نہیں ہو سکا اور تم اس بارے میں جھگڑتے ہی رہے۔ لیکن یہاں میں اس کا فیصلہ کروں گا اور مخلص موحدین کو جنت میں اور مشرکین و جاحدین اور مکذبین کو جہنم میں داخل کروں گا۔ اس آیت سے بھی وفات النبی ﷺ کا اثبات ہوتا ہے، جس طرح کہ سورہ آل عمران کی آیت ۱۴۴ سے بھی ہوتا ہے اور انہی آیات سے استدلال کرتے ہوئے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے بھی لوگوں میں آپ ﷺ کی موت کا تحقق فرمایا تھا۔ اس لیے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بات یہ عقیدہ رکھنا کہ آپ کو برزخ میں بالکل اسی طرح زندگی حاصل ہے جس طرح دنیا میں حاصل تھی، قرآن کی نصوص کے خلاف ہے۔ آپ ﷺ پر بھی دیگر انسانوں ہی کی طرح موت طاری ہوئی، اسی لیے آپ کو دفن کیا گیا، قبر میں آپ کو برزخ کی زندگی تو یقیناً حاصل ہے، جس کی کیفیت کا ہمیں علم نہیں، لیکن دوبارہ قبر میں آپ کو دنیوی زندگی عطا نہیں کی گئی۔ صلی اللہ علیہ وسلم۔

اس سے بڑھ کر ظالم کون ہے جو اللہ تعالیٰ پر جھوٹ بولے؟^(۱) اور سچا دین جب اس کے پاس آئے تو اسے جھوٹا بتائے؟^(۲) کیا ایسے کفار کے لیے جہنم ٹھکانا نہیں ہے؟ (۳۲)

اور جو سچے دین کو لائے^(۳) اور جس نے اس کی تصدیق کی^(۴) یہی لوگ پارسائیں۔ (۳۳)

ان کے لیے ان کے رب کے پاس (ہر) وہ چیز ہے جو یہ چاہیں،^(۵) نیک لوگوں کا یہی بدلہ ہے۔ (۳۴)

تاکہ اللہ تعالیٰ ان سے ان کے برے عملوں کو دور کر دے اور جو نیک کام انہوں نے کیے ہیں ان کا اچھا بدلہ عطا

فَمَنْ أَظْلَمُ مِمَّنْ كَذَبَ عَلَى اللَّهِ وَكَذَبَ بِالْصِّدْقِ
إِذْ جَاءَهُ الْبَيِّنَاتُ فِي جَهَنَّمَ مَتَوًى لِلْكَافِرِينَ ۝

وَالَّذِي جَاءَ بِالصِّدْقِ وَصَدَّقَ بِهِ أُولَٰئِكَ
هُمُ الْمُتَّقُونَ ۝

لَهُمْ مَا يَشَاءُونَ عِنْدَ رَبِّهِمْ ذَلِكَ
جَزَاءُ الْمُحْسِنِينَ ۝

لِيُكَفِّرَ اللَّهُ عَنْهُمْ أَسْوَأَ الَّذِي عَمِلُوا وَيَجْزِيَهُمْ
أَجْرَهُمْ بِأَحْسَنِ الَّذِي كَانُوا يَعْمَلُونَ ۝

(۱) یعنی دعویٰ کرے کہ اللہ کی اولاد ہے یا اس کا شریک ہے یا اس کی بیوی ہے دراصل حالیکہ وہ ان سب چیزوں سے پاک ہے۔

(۲) جس میں توحید ہے، احکام و فرائض ہیں، عقیدہ بعث و نشور ہے، محرمات سے اجتناب ہے، مومنین کے لیے خوش خبری اور کافروں کے لیے وعیدیں ہیں۔ یہ دین و شریعت جو حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لے کر آئے، اسے وہ جھوٹا بتلائے۔

(۳) اس سے پیغمبر اسلام حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مراد ہیں جو سچا دین لے کر آئے۔ بعض کے نزدیک یہ عام ہے اور اس سے ہر وہ شخص مراد ہے جو توحید کی دعوت دیتا اور اللہ کی شریعت کی طرف لوگوں کی رہنمائی کرتا ہے۔

(۴) بعض اس سے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ مراد لیتے ہیں، جنہوں نے سب سے پہلے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تصدیق کی اور ان پر ایمان لائے۔ بعض نے اسے بھی عام رکھا ہے، جس میں سب مومن شامل ہیں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت پر ایمان رکھتے ہیں اور آپ کو سچا مانتے ہیں۔

(۵) یعنی اللہ تعالیٰ ان کے گناہ بھی معاف فرمادے گا، ان کے درجے بھی بلند فرمائے گا، کیونکہ ہر مسلمان کی اللہ سے یہی خواہش ہوتی ہے علاوہ ازیں جنت میں جانے کے بعد ہر مطلوب چیز بھی ملے گی۔

(۶) مُحْسِنِينَ کا ایک مفہوم تو یہ ہے جو نیکیاں کرنے والے ہیں۔ دوسرا، وہ جو اخلاص کے ساتھ اللہ کی عبادت کرتے ہیں، جیسے حدیث میں ”احسان“ کی تعریف کی گئی ہے، اَنْ تَعْبُدَ اللَّهَ كَأَنَّكَ تَرَاهُ، فَإِنْ لَمْ تَكُنْ تَرَاهُ فَلْيَأْنِ يَوْمَكَ ”تم اللہ کی عبادت اس طرح کرو گویا تم اسے دیکھ رہے ہو، اگر یہ تصور ممکن نہ ہو تو یہ ضرور ذہن میں رہے کہ وہ تمہیں دیکھ رہا ہے۔“ تیسرا، جو لوگوں کے ساتھ حسن سلوک اور اچھا برتاؤ کرتے ہیں۔ چوتھا، ہر نیک عمل کو اچھے طریقے سے خشوع و خضوع سے اور سنت نبوی ﷺ کے مطابق کرتے ہیں۔ کثرت کے بجائے اس میں ”حسن“ کا خیال رکھتے ہیں۔

فرمائے۔ (۳۵)

کیا اللہ تعالیٰ اپنے بندے کے لیے کافی نہیں؟^(۱) یہ لوگ آپ کو اللہ کے سوا اوروں سے ڈرا رہے ہیں اور جسے اللہ گمراہ کر دے اس کی رہنمائی کرنے والا کوئی نہیں۔^(۲) (۳۶)

اور جسے وہ ہدایت دے اسے کوئی گمراہ کرنے والا نہیں^(۳) کیا، اللہ تعالیٰ غالب اور بدلہ لینے والا نہیں ہے؟^(۴) (۳۷)

اگر آپ ان سے پوچھیں کہ آسمان و زمین کو کس نے پیدا کیا ہے؟ تو یقیناً وہ یہی جواب دیں گے کہ اللہ نے۔ آپ ان سے کہیں کہ اچھا یہ تو بتاؤ جنہیں تم اللہ کے سوا پکارتے ہو اگر اللہ تعالیٰ مجھے نقصان پہنچانا چاہے تو کیا یہ اس کے نقصان کو ہٹا سکتے ہیں؟ یا اللہ تعالیٰ مجھ پر مہربانی کا ارادہ کرے تو کیا یہ اس کی مہربانی کو روک سکتے ہیں؟ آپ کہہ دیں کہ اللہ مجھے کافی ہے،^(۵) تو کل کرنے والے اسی

أَلَيْسَ اللَّهُ بِكَافٍ عَبْدَهُ وَيُخَوِّتُكَ بِالَّذِينَ مِنْ دُونِهِ
وَمَنْ يُضِلِلِ اللَّهُ فَمَا لَهُ مِنْ هَادٍ ۝

وَمَنْ يُهْدِ اللَّهُ فَمَا لَهُ مِنْ مُضِلٍّ أَلَيْسَ اللَّهُ بِعَزِيزٍ
ذِي انْتِقَامٍ ۝

وَلَكِنْ سَأَلْتَهُمْ مَنْ خَلَقَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ لَيَعْلَمُنَّ
اللَّهُ قُلْ أَفَرَأَيْتُمْ مَا تَدْعُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ إِنْ
أَرَادَنِيَ اللَّهُ بِضُرٍّ هَلْ هُنَّ كَاشِفَاتُ ضُرِّيهِ أَوْ أَرَادَنِي
بِرَحْمَةٍ هَلْ هُنَّ مُمْسِكَتُ رَحْمَتِهِ قُلْ حَسْبِيَ اللَّهُ
عَلَيْهِ يَتَوَكَّلُ الْمُتَوَكِّلُونَ ۝

(۱) اس سے مراد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ بعض کے نزدیک یہ عام ہے، تمام انبیاء علیہم السلام اور مومنین اس میں شامل ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ آپ کو غیر اللہ سے ڈراتے ہیں۔ لیکن اللہ تعالیٰ جب آپ کا حامی و ناصر ہو تو آپ کا کوئی کچھ نہیں بگاڑ سکتا۔ وہ ان سب کے مقابلے میں آپ کو کافی ہے۔

(۲) جو اس گمراہی سے نکال کر ہدایت کے راستے پر لگا دے۔

(۳) جو اس کو ہدایت سے نکال کر گمراہی کے گڑھے میں ڈال دے۔ یعنی ہدایت اور گمراہی اللہ کے ہاتھ میں ہے، جس کو چاہے گمراہ کر دے اور جس کو چاہے ہدایت سے نوازے۔

(۴) کیوں نہیں، یقیناً ہے۔ اس لیے کہ اگر یہ لوگ کفر و عناد سے باز نہ آئے، تو یقیناً وہ اپنے دوستوں کی حمایت میں ان سے انتقام لے گا اور انہیں عبرت ناک انجام سے دوچار کرے گا۔

(۵) بعض کہتے ہیں کہ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مذکورہ سوال ان کے سامنے پیش کیا، تو انہوں نے کہا کہ واقعی وہ اللہ کی تقدیر کو نہیں ٹال سکتے، البتہ وہ سفارش کریں گے، جس پر یہ ٹکڑا نازل ہوا کہ مجھے تو میرے معاملات میں اللہ ہی کافی ہے۔

پر توکل کرتے ہیں۔^(۱) (۳۸)

کہہ دیجئے کہ اے میری قوم! تم اپنی جگہ پر عمل کیے جاؤ میں بھی عمل کر رہا ہوں،^(۲) ابھی ابھی تم جان لو گے۔ (۳۹)

کہ کس پر رسوا کرنے والا عذاب آتا ہے^(۳) اور کس پر دائمی مار اور ہیبت کی سزا ہوتی ہے۔^(۴) (۴۰)

آپ پر ہم نے حق کے ساتھ یہ کتاب لوگوں کے لیے نازل فرمائی ہے، پس جو شخص راہ راست پر آجائے اس کے اپنے لیے نفع ہے اور جو گمراہ ہو جائے اس کی گمراہی کا (دوبال) اسی پر ہے، آپ ان کے ذمہ دار نہیں۔^(۵) (۴۱)

قُلْ يَوْمَ اَعْمَلُوا عَلٰى مَكَانَتِكُمْ اِنَّىْ عَمَلٌ تَعْمَلُوْنَ ۝

مَنْ يَّاتِيْهِ عَذَابٌ يُخَوِّدُهٗ وَيَخْلُوعَلَيْهِ عَذَابٌ مُّعْتَمِدٌ ۝

اِنَّا اَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْكِتٰبَ لِلنَّاسِ بِالْحَقِّ فَمَنْ اِهْتَدٰى فَلِنَفْسِهٖ ۚ وَمَنْ ضَلَّ فَاِنَّمَا يَضِلُّ عَلَيْنَا ۚ وَمَا اَنْتَ عَلَيْهِمْ بِوَكِيْلٍ ۝

(۱) جب سب کچھ اسی کے اختیار میں ہے تو پھر دوسروں پر بھروسہ کرنے کا کیا فائدہ؟ اس لیے اہل ایمان صرف اس پر توکل کرتے ہیں، اس کے سوا کسی پر ان کا اعتماد نہیں۔

(۲) یعنی اگر تم میری اس دعوت کو حید کو قبول نہیں کرتے جس کے ساتھ اللہ نے مجھے بھیجا ہے، تو ٹھیک ہے، تمہاری مرضی، تم اپنی اس حالت پر قائم رہو جس پر تم ہو، میں اس حالت پر رہتا ہوں جس پر مجھے اللہ نے رکھا ہے۔

(۳) جس سے واضح ہو جائے گا کہ حق پر کون ہے اور باطل پر کون؟ اس سے مراد دنیا کا عذاب ہے جیسا کہ جنگ بدر میں ہوا۔ کافروں کے ستر آدمی قتل اور ستر ہی آدمی قید ہوئے۔ حتیٰ کہ فتح مکہ کے بعد غلبہ و یمن بھی مسلمانوں کو حاصل ہو گیا، جس کے بعد کافروں کے لیے سوائے ذلت و رسوائی کے کچھ باقی نہ رہا۔

(۴) اس سے مراد عذاب جہنم ہے جس میں کافر ہمیشہ جتلا رہیں گے۔

(۵) نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اہل مکہ کا کفر پر اصرار بڑا گراں گزرتا تھا، اس میں آپ ﷺ کو تسلی دی گئی ہے کہ آپ ﷺ کا کام صرف اس کتاب کو بیان کر دینا ہے جو ہم نے آپ ﷺ پر نازل کی ہے، ان کی ہدایت کے آپ ﷺ مکلف نہیں ہیں۔ اگر وہ ہدایت کا راستہ اپنائیں گے تو اس میں انہی کا فائدہ ہے اور اگر ایسا نہیں کریں گے تو خود ہی نقصان اٹھائیں گے۔ وکیل کے معنی مکلف اور ذمے دار کے ہیں۔ یعنی آپ ﷺ ان کی ہدایت کے ذمے دار نہیں ہیں۔ اگلی آیت میں اللہ تعالیٰ اپنی ایک قدرت بالغہ اور صنعت عجیبہ کا تذکرہ فرما رہا ہے جس کا مشاہدہ ہر روز انسان کرتا ہے اور وہ یہ ہے کہ جب وہ سو جاتا ہے تو اس کی روح اللہ کے حکم سے گویا نکل جاتی ہے، کیوں کہ اس کے احساس و ادراک کی قوت ختم ہو جاتی ہے۔ اور جب وہ بیدار ہوتا ہے تو روح اس میں گویا دوبارہ بھیج دی جاتی ہے، جس سے اس کے حواس بحال ہو جاتے ہیں۔ البتہ جس کی زندگی کے دن پورے ہو چکے ہوتے ہیں، اس کی روح واپس نہیں آتی اور وہ موت سے

اللہ ہی روحوں کو ان کی موت کے وقت ^(۱) اور جن کی موت نہیں آئی انہیں ان کی نیند کے وقت قبض کر لیتا ہے، ^(۲) پھر جن پر موت کا حکم لگ چکا ہے انہیں تو روک لیتا ہے ^(۳) اور دوسری (روحوں) کو ایک مقرر وقت تک کے لیے چھوڑ دیتا ہے۔ ^(۴) غور کرنے والوں کے لیے اس میں یقیناً بہت سی نشانیاں ہیں۔ ^(۵) (۳۲)

کیا ان لوگوں نے اللہ تعالیٰ کے سوا (اوروں کو) سفارشی مقرر کر رکھا ہے؟ آپ کہہ دیجئے! کہ گو وہ کچھ بھی اختیار نہ رکھتے ہوں اور نہ عقل رکھتے ہوں۔ ^(۶) (۳۳)

کہہ دیجئے! کہ تمام سفارش کا مختار اللہ ہی ہے۔ ^(۷) تمام آسمانوں اور زمین کا راج اسی کے لیے ہے تم سب اسی کی طرف پھیرے جاؤ گے۔ (۳۴)

اللَّهُ يَتَوَلَّى الْإِنْسَانَ حِينْ مَوْتِهَِا وَالَّتِي لَمْ تَمُتْ فِي مَنَامِهَا فَيُمْسِكُ الَّتِي قَضَىٰ عَلَيْهَا الْمَوْتَ وَيُرْسِلُ الْأُخْرَىٰ إِلَىٰ أَجَلٍ مُّسَمًّى إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَاتٍ لِّقَوْمٍ يَعْتَبِرُونَ ﴿۳۵﴾

أَمْ اتَّخَذُوا مِنْ دُونِ اللَّهِ شُعَاعًا قُلْ أَوْلُوا كَانُوا لَا يَمْلِكُونَ شَيْئًا وَلَا يَعْمَلُونَ ﴿۳۶﴾

قُلْ لِلَّهِ الشَّفَاعَةُ جَمِيعًا إِنَّ مَلِكُ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ ثُمَّ إِلَيْهِ تُرْجَعُونَ ﴿۳۷﴾

ہمکنار ہو جاتا ہے۔ اس کو بعض مفسرین نے وفات کبریٰ اور وفات صغریٰ سے بھی تعبیر کیا ہے۔

(۱) یہ وفات کبریٰ ہے کہ روح قبض کر لی جاتی ہے، واپس نہیں آتی۔

(۲) یعنی جن کی موت کا وقت ابھی نہیں آیا، تو سونے کے وقت ان کی روح بھی قبض کر کے انہیں وفات صغریٰ سے دوچار کر دیا جاتا ہے۔

(۳) یہ وہی وفات کبریٰ ہے، جس کا ابھی ذکر کیا گیا ہے کہ اس میں روح روک لی جاتی ہے۔

(۴) یعنی جب تک ان کا وقت موعود نہیں آتا، اس وقت تک کے لیے ان کی روحوں واپس ہوتی رہتی ہیں، یہ وفات صغریٰ ہے، یہی مضمون سورۃ الانعام ۶۰-۶۱ میں بیان کیا گیا ہے، تاہم وہاں وفات صغریٰ کا ذکر پہلے اور وفات کبریٰ کا بعد میں ہے۔ جب کہ یہاں اس کے برعکس ہے۔

(۵) یعنی یہ روح کا قبض اور اس کا ارسال اور توفی اور احیاء، اس میں اس بات کی دلیل ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے اور قیامت والے دن وہ مردوں کو بھی یقیناً زندہ فرمائے گا۔

(۶) یعنی شفاعت کا اختیار تو کچھ، انہیں تو شفاعت کے معنی و مفہوم کا بھی پتہ نہیں، کیوں کہ وہ پتھر ہیں یا بے خبر۔

(۷) یعنی شفاعت کی تمام اقسام کا مالک صرف اللہ ہی ہے، اس کی اجازت کے بغیر کوئی سفارش ہی نہیں کر سکے گا، پھر صرف ایک اللہ ہی کی عبادت کیوں نہ کی جائے تاکہ وہ راضی ہو جائے اور شفاعت کے لیے کوئی سہارا ڈھونڈھنے کی ضرورت ہی نہ رہے۔

جب اللہ اکیلے کا ذکر کیا جائے تو ان لوگوں کے دل نفرت کرنے لگتے ہیں ^(۱) جو آخرت کا یقین نہیں رکھتے اور جب اس کے سوا (اور کا) ذکر کیا جائے تو ان کے دل کھل کر خوش ہو جاتے ہیں۔ ^(۲) (۳۵)

آپ کہہ دیجئے! کہ اے اللہ! آسمانوں اور زمین کے پیدا کرنے والے، چھپے کھلے کے جاننے والے تو ہی اپنے بندوں میں ان امور کا فیصلہ فرمائے گا جن میں وہ الجھ رہے تھے۔ ^(۳) (۳۶)

اگر ظلم کرنے والوں کے پاس وہ سب کچھ ہو جو روئے زمین پر ہے اور اس کے ساتھ اتنا ہی ہو، تو بھی بدترین سزا کے بدلے میں قیامت کے دن یہ سب کچھ دے دیں، ^(۴) اور ان کے سامنے اللہ کی طرف سے وہ

وَاذْكُرْ اللَّهُ وَحْدَهُ شَمَّرَتْ قُلُوبُ الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِالْآخِرَةِ وَإِذَا ذُكِرَ الَّذِينَ مِنْ دُونِهِ إِذَاهُمْ يَسْتَبْشِرُونَ ﴿۳۵﴾

قُلِ اللَّهُمَّ فَاطِرَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ عَلِيمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ أَنْتَ تَحْكُمُ بَيْنَ عِبَادِكَ فِي مَا كَانُوا فِيهِ يَخْتَلِفُونَ ﴿۳۶﴾

وَلَوْ أَنَّ لِلَّذِينَ ظَلَمُوا مَا فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا مِثْلَهُ مَعَهُ لَافْتَدَوْا بِهِ مِنْ سُوءِ الْعَذَابِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَبَدَا لَهُمْ مِنَ اللَّهِ مَا لَمْ يَكُونُوا يَحْتَسِبُونَ ﴿۳۷﴾

(۱) یا کفر اور استکبار، یا انقباض محسوس کرتے ہیں، مطلب یہ ہے کہ مشرکین سے جب یہ کہا جائے کہ معبود صرف ایک ہی ہے تو ان کے دل یہ بات ماننے کے لیے تیار نہیں ہوتے۔

(۲) ہاں جب یہ کہا جائے کہ فلاں فلاں بھی معبود ہیں، یا وہ بھی آخر اللہ کے نیک بندے ہیں، وہ بھی کچھ اختیار رکھتے ہیں، وہ بھی مشکل کشائی اور حاجت روائی کر سکتے ہیں، تو پھر مشرکین بڑے خوش ہوتے ہیں۔ مخرفین کا یہی حال آج بھی ہے۔ جب ان سے کہا جائے کہ صرف ”یا اللہ مد“ کو، کیونکہ اس کے سوا کوئی مدد کرنے پر قادر نہیں ہے، تو سبخ پا ہو جاتے ہیں، یہ جملہ ان کے لیے سخت ناگوار ہوتا ہے۔ لیکن جب ”یا علی مد“ یا ”یا رسول اللہ مد“ کہا جائے، اسی طرح دیگر مردوں سے استمداد و استغاثہ کیا جائے مثلاً ”یا شیخ عبدالقادر شینا اللہ“ وغیرہ تو پھر ان کے دل کی کلیاں کھل اٹھتی ہیں۔ فَتَشَابَهَتْ قُلُوبُهُمْ۔

(۳) حدیث میں آتا ہے نبی صلی اللہ علیہ وسلم رات کو تہجد کی نماز کے آغاز میں یہ پڑھا کرتے تھے «اللَّهُمَّ اَرْبَّ جِبْرِيلَ وَمِيكَائِيلَ وَاسْرَافِيلَ، فَاطِرَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ، عَالِمَ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ، أَنْتَ تَحْكُمُ بَيْنَ عِبَادِكَ فِيمَا كَانُوا فِيهِ يَخْتَلِفُونَ، اهْدِنِي لِمَا اخْتَلَفَ فِيهِ مِنَ الْحَقِّ بِإِذْنِكَ، إِنَّكَ تَهْدِي مَنْ تَشَاءُ إِلَى صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ» (صحیح مسلم، کتاب، صلوة المسافرین باب الدعاء فی صلوة اللیل وقیامہ)

(۴) لیکن پھر بھی وہ قبول نہیں ہوگا، جیسا کہ دوسرے مقام پر وضاحت ہے ﴿فَلَنْ يُقْبَلَ مِنْ أَحَدِهِمْ مَسْئَلُ الْأَرْضِ ذَهَبًا وَلَوِ افْتَدَى بِهِ﴾ (آل عمران-۹۱) ”وہ زمین بھر سونا بھی بدلے میں دے دیں، تو وہ قبول نہیں کیا جائے گا۔“ اس لیے کہ

ظاہر ہو گا جس کا گمان بھی انہیں نہ تھا۔^(۱) (۴۷)
جو کچھ انہوں نے کیا تھا اس کی برائیاں ان پر کھل
پڑیں گی^(۲) اور جس کا وہ مذاق کرتے تھے وہ انہیں
آگھرے گا۔^(۳) (۴۸)

انسان کو جب کوئی تکلیف پہنچتی ہے تو ہمیں پکارنے لگتا
ہے،^(۴) پھر جب ہم اسے اپنی طرف سے کوئی نعمت عطا
فرمادیں تو کہنے لگتا ہے کہ اسے تو میں محض اپنے علم کی
وجہ سے دیا گیا ہوں،^(۵) بلکہ یہ آزمائش ہے^(۶) لیکن ان
میں سے اکثر لوگ بے علم ہیں۔^(۷) (۴۹)

ان سے اگلے بھی یہی بات کہہ چکے ہیں پس ان کی
کارروائی ان کے کچھ کام نہ آئی۔^(۸) (۵۰)
پھر ان کی تمام برائیاں^(۹) ان پر آپڑیں اور ان میں سے بھی

وَبَدَّاهُمْ سَيِّئَاتٍ مَا كَسَبُوا وَحَاقَ بِهِمْ مَا كَانُوا يَهِ
يَسْتَهْزِءُونَ ﴿۴۷﴾

وَإِذَا مَسَّ الْإِنْسَانَ ضُرٌّ دَعَانَا ثُمَّ إِذَا خَوَّلْنَاهُ نِعْمَةً
مِّنَّا قَالَ إِنَّمَا أُوتِيتُهُ عَلَىٰ عِلْمٍ بَلِ هِيَ فِتْنَةٌ
وَلَكِنَّ أَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُونَ ﴿۴۸﴾

قَدْ قَالَهَا الَّذِينَ مِن قَبْلِهِمْ فَمَا أَغْنَىٰ عَنْهُمْ
مَا كَانُوا يَكْسِبُونَ ﴿۴۹﴾

فَأَصَابَهُمْ سَيِّئَاتُ مَا كَسَبُوا وَالَّذِينَ ظَلَمُوا مِن

﴿وَلَا يَخْصِمُهَا عَذَابُ﴾ (البقرة-۳۸) ”وہاں معاوضہ قبول نہیں کیا جائے گا۔“

- (۱) یعنی عذاب کی شدت اور اس کی ہولناکیاں اور اس کی انواع و اقسام ایسی ہوں گی کہ کبھی ان کے گمان میں نہ آئی ہوں گی۔
- (۲) یعنی دنیا میں جن محارم و مآثم کا وہ ارتکاب کرتے رہے تھے، اس کی سزا ان کے سامنے آجائے گی۔
- (۳) وہ عذاب انہیں گھیر لے گا جسے وہ دنیا میں ناممکن سمجھتے تھے، اس لیے اس کا استہزا اڑایا کرتے تھے۔
- (۴) یہ انسان کا بے اعتبار جنس، ذکر ہے۔ یعنی انسانوں کی اکثریت کا یہ حال ہے کہ جب ان کو بیماری، فقر و فاقہ یا کوئی اور تکلیف پہنچتی ہے تو اس سے نجات پانے کے لیے اللہ سے دعائیں کرتا اور اس کے سامنے گڑگڑاتا ہے۔
- (۵) یعنی نعمت ملنے ہی سرکشی اور طغیان کا راستہ اختیار کر لیتا ہے اور کہتا ہے کہ اس میں اللہ کا کیا احسان؟ یہ تو میری اپنی دانائی کا نتیجہ ہے۔ یا جو علم و ہنر میرے پاس ہے، اس کی بدولت یہ نعمتیں حاصل ہوئی ہیں یا مجھے معلوم تھا کہ دنیا میں یہ چیزیں مجھے ملیں گی کیوں کہ اللہ کے ہاں میرا بہت مقام ہے۔
- (۶) یعنی بات وہ نہیں ہے جو تو سمجھ رہا یا بیان کر رہا ہے، بلکہ یہ نعمتیں تیرے لیے امتحان اور آزمائش ہیں کہ تو شکر کرتا ہے یا کفر؟
- (۷) اس بات سے کہ یہ اللہ کی طرف سے استدراج اور امتحان ہے۔
- (۸) جس طرح قارون نے بھی کہا تھا، لیکن بالآخر وہ اپنے خزانوں سمیت زمین میں دھنسا دیا گیا۔ فَمَا أَغْنَىٰ میں مَا استفہامیہ بھی ہو سکتا ہے اور نافیہ بھی۔ دونوں طرح معنی صحیح ہے۔
- (۹) برائیوں سے مراد ان کی برائیوں کی جزا ہے، ان کو مشاکلت کے اعتبار سے سینات کہا گیا ہے، ورنہ برائی کی جزا،

جو گناہ گار ہیں ان کی کی ہوئی برائیاں بھی اب ان پر آپڑیں گی یہ (ہمیں) ہرا دینے والے نہیں۔^(۱) (۵۱)
 کیا انہیں یہ معلوم نہیں کہ اللہ تعالیٰ جس کے لیے چاہے روزی کشادہ کر دیتا ہے اور تنگ (بھی) ایمان لانے والوں کے لیے اس میں (بڑی بڑی) نشانیاں ہیں۔^(۲) (۵۲)
 (میری جانب سے) کہہ دو کہ اے میرے بندو! جنوں نے اپنی جانوں پر زیادتی کی ہے تم اللہ کی رحمت سے ناامید نہ ہو جاؤ، بالیقین اللہ تعالیٰ سارے گناہوں کو بخش دیتا ہے، واقعی وہ بڑی بخشش بڑی رحمت والا ہے۔^(۳) (۵۳)

هَؤُلَاءِ سَيُصِيبُهُمْ سَيِّئَاتُ مَا كَسَبُوا وَبِأَنَّهُمْ مُّجْرِمُونَ ﴿٥١﴾
 أَوَلَمْ يَعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَشَاءُ وَيَقْدِرُ إِنَّ فِي ذَلِكَ لَآيَاتٍ لِّقَوْمٍ يُؤْمِنُونَ ﴿٥٢﴾
 كُلُّ لِيُعَذِّبَ الَّذِينَ آسَرُوا عَلَىٰ أَنْفُسِهِمْ لَآ تَقْتُلُوا مِنْ رَحْمَةِ اللَّهِ إِنَّ اللَّهَ يَغْفِرُ الذُّنُوبَ جَمِيعًا إِنَّهُ هُوَ الْغَفُورُ الرَّحِيمُ ﴿٥٣﴾

برائی نہیں ہے۔ جیسے ﴿وَحِزْأُسَيِّئَةٍ سَيِّئَةٍ مِّثْلُهَا﴾ میں ہے۔ (فتح القدیر)

(۱) یہ کفار مکہ کو تنبیہ ہے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا، یہ بھی گزشتہ قوموں کی طرح قحط، قتل و اسارت وغیرہ سے دوچار ہوئے، اللہ کی طرف سے آئے ہوئے ان عذابوں کو یہ روک نہیں سکے۔
 (۲) یعنی رزق کی کشادگی اور تنگی میں بھی اللہ کی توحید کے دلائل ہیں یعنی اس سے معلوم ہوتا ہے کہ کائنات میں صرف اسی کا حکم و تصرف چلتا ہے، اسی کی تدبیر مؤثر اور کارگر ہے، اسی لیے وہ جس کو چاہتا ہے، رزق فراواں سے نواز دیتا ہے اور جس کو چاہتا ہے فقرو تنگ دستی میں مبتلا کر دیتا ہے۔ اس کے ان فیصلوں میں، جو اس کی حکمت و مشیت پر مبنی ہوتے ہیں، کوئی دخل انداز ہو سکتا ہے نہ ان میں رد و بدل کر سکتا ہے۔ تاہم یہ نشانیاں صرف اہل ایمان ہی کے لیے ہیں کیوں کہ وہی ان پر غور و فکر کر کے ان سے فائدہ اٹھاتے اور اللہ کی مغفرت حاصل کرتے ہیں۔

(۳) اس آیت میں اللہ تعالیٰ کی مغفرت کی وسعت کا بیان ہے۔ اسراف کے معنی ہیں گناہوں کی کثرت اور اس میں افراط۔ ”اللہ کی رحمت سے ناامید نہ ہو“ کا مطلب ہے کہ ایمان لانے سے قبل یا توبہ و استغفار کا احساس پیدا ہونے سے پہلے کتنے بھی گناہ کیے ہوں، انسان یہ نہ سمجھے کہ میں تو بہت زیادہ گناہ گار ہوں، مجھے اللہ تعالیٰ کیونکر معاف کرے گا؟ بلکہ سچے دل سے اگر ایمان قبول کر لے گا یا توبہ النصوح کر لے گا تو اللہ تعالیٰ تمام گناہ معاف فرما دے گا۔ شان نزول کی روایت سے بھی یہی مفہوم ثابت ہوتا ہے۔ کچھ کافر و مشرک تھے جنہوں نے کثرت سے قتل اور زنا کاری کا ارتکاب کیا تھا، یہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کہا کہ آپ ﷺ کی دعوت، صحیح ہے لیکن ہم لوگ بہت زیادہ خطا کار ہیں، اگر ہم ایمان لے آئیں تو کیا وہ سب معاف ہو جائیں گے، جس پر اس آیت کا نزول ہوا۔ (صحیح بخاری، تفسیر سورہ زمر) اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ اللہ کی رحمت و مغفرت کی امید پر خوب گناہ کیے جاؤ، اس کے احکام و

تم (سب) اپنے پروردگار کی طرف جھک پڑو اور اس کی حکم برداری کیے جاؤ اس سے قبل کہ تمہارے پاس عذاب آجائے اور پھر تمہاری مدد نہ کی جائے۔ (۵۴)

اور بیروی کرو اس بہترین چیز کی جو تمہاری طرف تمہارے پروردگار کی طرف سے نازل کی گئی ہے، اس سے پہلے کہ تم پر اچانک عذاب آجائے اور تمہیں اطلاع بھی نہ ہو۔ (۵۵)

(ایسا نہ ہو کہ) کوئی شخص کسے ہائے افسوس! اس بات پر کہ میں نے اللہ تعالیٰ کے حق میں کوتاہی کی (۲) بلکہ میں تو مذاق اڑانے والوں میں ہی رہا۔ (۵۶)

یا کسے کہ اگر اللہ مجھے ہدایت کرتا تو میں بھی پارسالوگوں میں ہوتا۔ (۵۷)

وَأَنذِرُوا إِلَىٰ رَبِّكُمْ وَأَسْلُمُ إِلَيْهِ مِن قَبْلِ أَن يَأْتِيَكُمُ الْعَذَابُ ثُمَّ لَا تُنصَرُونَ ﴿٥٥﴾

وَأَنذِرُوا أَحْسَنَ مِمَّا نُنْزِلُ إِلَيْكُمْ مِنْ رَبِّكُمْ مِنْ قَبْلِ أَن يَأْتِيَكُمُ الْعَذَابُ بَغْتَةً وَأَنتُمْ لَا تَشْعُرُونَ ﴿٥٦﴾

أَن تَقُولَ نَفْسٌ يُعَذِّبُنِي عَلَىٰ مَا قَدْ كُنْتُ فِي جَنْبِ اللَّهِ وَإِن كُنْتُ لَمِنَ السَّخِرِينَ ﴿٥٧﴾

أَوْ تَقُولَ لَوْ أَنَّ اللَّهَ هَدَانِي لَكُنْتُ مِنَ الْمُتَّقِينَ ﴿٥٨﴾

فرائض کی مطلق پروا نہ کرو اور اس کے حدود اور ضابطوں کو بے دردی سے پامال کرو۔ اس طرح اس کے غضب و انتقام کو دعوت دے کر اس کی رحمت و مغفرت کی امید رکھنا نہایت نادانانہ مندی اور خام خیالی ہے۔ یہ تخم حنظل بو کر ثمرات و فواکہ کی امید رکھنے کے مترادف ہے۔ ایسے لوگوں کو یہ یاد رکھنا چاہیے کہ وہ جہاں اپنے بندوں کے لیے غُفُورٌ رَحِيمٌ ہے، وہاں وہ نافرمانوں کے لیے عَزِيزٌ ذُو انتقام بھی ہے۔ چنانچہ قرآن کریم میں متعدد جگہ ان دونوں پہلوؤں کو ساتھ ساتھ بیان کیا گیا، مثلاً ﴿يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اَتَاٰنَا الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ * وَاِنَّ عَذَابَ الْاَلْبَابِ لَشَدِيْدٌ﴾ (الحجر-۵۰، ۵۱) غالباً یہی وجہ ہے کہ یہاں آیت کا آغاز بِاِعْبَادِي (میرے بندوں) سے فرمایا، جس سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ جو ایمان لا کر یا سچی توبہ کر کے صحیح معنوں میں اس کا بندہ بن جائے گا، اس کے گناہ اگر سمندر کے جھاگ کے برابر بھی ہوں گے تو وہ معاف فرما دے گا، وہ اپنے بندوں کے لیے یقیناً غفور رحیم ہے۔ جیسے حدیث میں سو آدمیوں کے قاتل کے توبہ کا واقعہ ہے، (صحیح بخاری۔ کتاب الأنبياء۔ مسلم۔ کتاب التوبة۔ باب قبول توبة القتاتل وإن كفر قتلته)۔

(۱) یعنی عذاب آنے سے قبل توبہ اور عمل صالح کا اہتمام کر لو، کیوں کہ جب عذاب آئے گا تو اس کا تمہیں علم و شعور بھی نہیں ہوگا، اس سے مراد دنیوی عذاب ہے۔

(۲) فِي جَنْبِ اللَّهِ کا مطلب، اللہ کی اطاعت یعنی قرآن اور اس پر عمل کرنے میں کوتاہی ہے۔ یا جَنْبِ کے معنی قرب اور جوار کے ہیں۔ یعنی اللہ کا قرب اور اس کا جوار (یعنی جنت) طلب کرنے میں کوتاہی کی۔

(۳) یعنی اگر اللہ مجھے ہدایت دے دیتا تو میں شرک اور معاصی سے بچ جاتا۔ یہ اس طرح ہی ہے جیسے دوسرے مقام پر

یا عذاب کو دیکھ کر کہے کاش! کہ کسی طرح میرا لوٹ جانا ہو جاتا تو میں بھی نیکو کاروں میں ہو جاتا۔ (۵۸)
ہاں (ہاں) بیشک تیرے پاس میری آیتیں پہنچ چکی تھیں جنہیں تو نے جھٹلایا اور غرور و تکبر کیا اور تو تھا ہی کافروں میں۔^(۱) (۵۹)

اور جن لوگوں نے اللہ پر جھوٹ باندھا ہے تو آپ دیکھیں گے کہ قیامت کے دن ان کے چہرے سیاہ ہو گئے ہوں گے^(۲) کیا تکبر کرنے والوں کا ٹھکانا جہنم میں نہیں؟^(۳) (۶۰)
اور جن لوگوں نے پرہیز گاری کی انہیں اللہ تعالیٰ ان کی کامیابی کے ساتھ بچا^(۴) لے گا، انہیں کوئی دکھ چھو بھی نہ سکے گا اور نہ وہ کسی طرح غمگین ہوں گے۔^(۵) (۶۱)
اللہ ہر چیز کا پیدا کرنے والا ہے اور وہی ہر چیز پر نگہبان ہے۔^(۶) (۶۲)

أَوْ تَقُولُ حِينَ تَرَى الْعَذَابَ لَوْ أَنِّي لَبُيْتُ بِكَ كَافِرًا ۖ فَكُنْ مِنَ الْخَاسِرِينَ ﴿۵۸﴾

بَلْ قَدْ جَاءَتْكَ الْبَيِّنَاتُ الْبَاطِلَ ۖ فَكُذِّبَتْ بِهَا وَاسْتَكْبَرْتَ وَكُنْتَ مِنَ الْكَافِرِينَ ﴿۵۹﴾

وَيَوْمَ الْقِيَامَةِ تَرَى الَّذِينَ كَذَبُوا عَلَى اللَّهِ وُجُوهُهُم مُّسْوَدَّةٌ أَلَيْسَ فِي جَهَنَّمَ مَثْوًى لِّلْمُتَكَبِّرِينَ ﴿۶۰﴾

وَيُخَوِّضُ اللَّهُ الَّذِينَ اتَّقَوْا بِمَفَازِهِمْ ۚ لَا يَمَسُّهُمْ الشُّوْمُ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ ﴿۶۱﴾

اللَّهُ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ ۖ وَهُوَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ وَكِيلٌ ﴿۶۲﴾

مشرکین کا قول نقل کیا گیا ہے، ﴿لَوْ شَاءَ اللَّهُ مَا أَفْرَكْنَا﴾ (الأنعام-۱۳۸) ”اگر اللہ چاہتا تو ہم شرک نہ کرتے“ ان کا یہ قول کَلِمَةً حَقٍّ أَرِيدَ بِهَا الْبَاطِلُ... کا مصداق ہے (فتح القدیر)۔

(۱) یہ اللہ تعالیٰ ان کی خواہش کے جواب میں فرمائے گا۔

(۲) جس کی وجہ عذاب کی ہولناکیاں اور اللہ کے غضب کا مشاہدہ ہو گا۔

(۳) حدیث میں ہے «الْكِبْرُ بَطْرُ الْحَقِّ وَغَمَطُ النَّاسِ» ”حق کا انکار اور لوگوں کو حقیر سمجھنا، کبر ہے“ یہ استفہام تقریری ہے۔ یعنی اللہ کی اطاعت سے تکبر کرنے والوں کا ٹھکانا جہنم ہے۔

(۴) مَفَازَةٌ، مصدر میسی ہے۔ یعنی فَوْزٌ (کامیابی) شر سے بچ جانا اور خیر اور سعادت سے ہم کنار ہو جانا، مطلب ہے، اللہ تعالیٰ پرہیز گاروں کو اس فوز و سعادت کی وجہ سے نجات عطا فرمادے گا، جو اللہ کے ہاں ان کے لیے پہلے سے ثبت ہے۔

(۵) وہ دنیا میں جو کچھ چھوڑ آئے ہیں، اس پر انہیں کوئی غم نہیں ہو گا، وہ چونکہ قیامت کی ہولناکیوں سے محفوظ ہوں گے، اس لیے انہیں کسی بات کا غم نہ ہو گا۔

(۶) یعنی ہر چیز کا خالق بھی وہی ہے اور مالک بھی وہی، وہ جس طرح چاہے، تصرف اور تدبیر کرے۔ ہر چیز اس کے ماتحت اور زیر تصرف ہے۔ کسی کو سرباالی یا انکار کی مجال نہیں۔ وکیل، بمعنی محافظ اور مدبر۔ ہر چیز اس کے سپرد ہے اور وہ بغیر کسی کی مشارکت کے ان کی حفاظت اور تدبیر کر رہا ہے۔

آسمانوں اور زمین کی کنجیوں کا مالک وہی ہے،^(۱) جن جن لوگوں نے اللہ کی آیتوں کا انکار کیا وہی خسارہ پانے والے ہیں۔^(۲) (۶۳)

آپ کہہ دیجئے اے جاہلو! کیا تم مجھ سے اللہ کے سوا اوروں کی عبادت کو کہتے ہو۔^(۳) (۶۴)

یقیناً تیری طرف بھی اور تجھ سے پہلے (کے تمام نبیوں) کی طرف بھی وحی کی گئی ہے کہ اگر تو نے شرک کیا تو بلاشبہ تیرا عمل ضائع ہو جائے گا اور بالیقین تو زیاں کاروں میں سے ہو جائے گا۔^(۴) (۶۵)

بلکہ تو اللہ ہی کی عبادت کر^(۵) اور شکر کرنے والوں میں سے ہو جا۔ (۶۶)

اور ان لوگوں نے جیسی قدر اللہ تعالیٰ کی کرنی چاہیے تھی نہیں کی،^(۶) ساری زمین قیامت کے دن اس کی مٹھی

لَهُ مَقَالِيدُ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ وَالَّذِينَ كَفَرُوا بِآيَاتِ اللَّهِ أُولَٰئِكَ هُمُ الْخَاسِرُونَ ﴿٦٣﴾

قُلْ أَغْفِرُ لِلَّهِ تَأْمُرُونَنِي أَعْبُدُ أَيُّهَا الْجَاهِلُونَ ﴿٦٤﴾

وَلَقَدْ أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ وَالَّذِينَ مِن قَبْلِكَ أَن لَّا تُشْرِكُوا لِيَكُونَ عَمَلُكَ وَلِتَكُونُوا مِنَ الْخَاشِعِينَ ﴿٦٥﴾

بَلِ اللَّهَ فَاعْبُدْ وَكُن مِّنَ الشَّاكِرِينَ ﴿٦٦﴾

وَمَا قَدَرُوا اللَّهَ حَقَّ قَدْرِهِ وَالْأَرْضُ جَمِيعًا بِيَمِينِهِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَالشَّمُوتُ مَطْوِيًّا بِسِمِينِهِ سُبْحَنَهُ وَتَعَالَى

(۱) مَقَالِيدُ، مِفْلَدُ اور مِفْلَادُ کی جمع ہے۔ (فتح القدیر) بعض نے اس کا ترجمہ ”چابیاں“ اور بعض نے ”خزانے“ کیا ہے، مطلب دونوں صورتوں میں ایک ہی ہے۔ تمام معاملات کی باگ ڈور اسی کے ہاتھ میں ہے۔

(۲) یعنی کامل خسارہ۔ کیونکہ اس کفر کے نتیجے میں وہ جہنم میں چلے گئے۔

(۳) یہ کفار کی اس دعوت کے جواب میں ہے جو وہ پیغمبر اسلام حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیا کرتے تھے کہ اپنے آبائی دین کو اختیار کر لیں، جس میں بتوں کی عبادت تھی۔

(۴) ”اگر تو نے شرک کیا“ کا مطلب ہے، اگر موت شرک پر آئی اور اس سے توبہ نہ کی۔ خطاب اگرچہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ہے جو شرک سے پاک بھی تھے اور آئندہ کے لیے محفوظ بھی۔ کیونکہ پیغمبر اللہ کی حفاظت و عصمت میں ہوتا ہے، ان سے ارتکاب شرک کا کوئی امکان نہیں تھا، لیکن یہ دراصل امت کے لیے تعریض اور اس کو سمجھانا مقصود ہے۔

(۵) إِلَيْكَ تَعَبَّدُ کی طرح یہاں بھی مفعول (اللہ) کو مقدم کر کے حصر کا مفہوم پیدا کر دیا گیا کہ صرف ایک اللہ کی عبادت کرو!

(۶) کیونکہ اس کی بات بھی نہیں مانی، جو اس نے پیغمبروں کے ذریعے سے ان تک پہنچائی تھی اور عبادت بھی اس کے لیے خالص نہیں کی بلکہ دوسروں کو بھی اس میں شریک کر لیا۔ حدیث میں آتا ہے کہ ایک یہودی عالم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آیا اور کہا کہ ہم اللہ کی بات (کتاؤں میں) یہ بات پاتے ہیں کہ وہ (قیامت والے دن) آسمانوں کو ایک انگلی پر، زمینوں کو ایک انگلی پر، درختوں کو ایک انگلی پر، پانی اور شری (تری) کو ایک انگلی پر اور تمام مخلوقات کو ایک انگلی پر رکھ لے گا اور

عَمَّا يُشِيرُ كُنُونَ ۵۰

میں ہو گی اور تمام آسمان اس کے داہنے ہاتھ میں لپیٹے ہوئے ہوں گے،^(۱) وہ پاک اور برتر ہے ہر اس چیز سے جسے لوگ اس کا شریک بنائیں۔ (۶۷)

اور صور پھونک دیا جائے گا پس آسمانوں اور زمین والے سب بے ہوش ہو کر گر پڑیں گے^(۲) مگر جسے اللہ چاہے،^(۳) پھر دوبارہ صور پھونکا جائے گا پس وہ ایک دم کھڑے ہو کر دیکھنے لگ جائیں گے۔^(۴) (۶۸)

اور زمین اپنے پروردگار کے نور سے جگمگا اٹھے گی،^(۵) نامہ اعمال حاضر کیے جائیں گے نبیوں اور گواہوں کو لایا

وَنُفِخَ فِي الصُّورِ فَصُوعِقَ مَنْ فِي السَّمَوَاتِ وَمَنْ فِي الْأَرْضِ إِلَّا مَنْ شَاءَ اللَّهُ ثُمَّ نُفِخَ بِهِ أُخْرَىٰ فَإِذَا هُمْ فِيهَا مُنْقَطِعُونَ ۵۱

وَأَشْرَقَتِ الْأَرْضُ بِنُورِ رَبِّهَا وَوُضِعَ الْكِتَابُ وَجِئَتْ بِالنَّبِيِّينَ وَالشُّهَدَاءِ وَقُضِيَ بَيْنَهُم بِالْحَقِّ وَهُمْ لَا يُظْلَمُونَ ۵۲

فرمائے گا، میں بادشاہ ہوں۔“ آپ ﷺ نے مسکرا کر اس کی تصدیق فرمائی اور آیت وَمَا قَدَرُوا اللَّهَ کی تلاوت فرمائی۔ (صحیح بخاری تفسیر سورہ زمر) محدثین اور سلف کا عقیدہ ہے کہ اللہ کی جن صفات کا ذکر قرآن اور احادیث صحیحہ میں ہے، (جس طرح اس آیت میں ہاتھ کا اور حدیث میں انگلیوں کا اثبات ہے) ان پر بلا کیف و تشبیہ اور بغیر تاویل و تحریف کے ایمان رکھنا ضروری ہے۔ اس لیے یہاں بیان کردہ حقیقت کو مجرد غلبہ و قوت کے مفہوم میں لینا صحیح نہیں ہے۔

(۱) اس کی بابت بھی حدیث میں آتا ہے کہ پھر اللہ تعالیٰ فرمائے گا اَنَا الْمَلِكُ، أَتَيْنَ مُلُوكُ الْأَرْضِ ”میں بادشاہ ہوں۔ زمین کے بادشاہ (آج) کہاں ہیں؟ (حوالہ مذکورہ)

(۲) بعض کے نزدیک (نفخہ فزع کے بعد) یہ نفخہ ثانیہ یعنی نفخہ معق ہے، جس سے سب کی موت واقع ہو جائے گی۔ بعض کے نزدیک یہ نفخہ اولیٰ ہی ہے، اسی سے اولاً سخت گھبراہٹ طاری ہوگی اور پھر سب کی موت واقع ہو جائے گی۔ بعض نے ان نفحات کی ترتیب اس طرح بیان کی ہے۔ پہلا نَفْحَةُ الْفَنَاءِ - دوسرا نَفْحَةُ الْبَعْثِ - تیسرا نَفْحَةُ الصَّعْقِ - چوتھا نَفْحَةُ الْقِيَامِ لِرَبِّ الْعَالَمِينَ۔ (اُمیر التفاسیر) بعض کے نزدیک صرف دہوی نفثے ہیں نَفْحَةُ الْمَوْتِ اور نَفْحَةُ الْبَعْثِ اور بعض کے نزدیک تین۔ وَاللَّهُ أَعْلَمُ۔

(۳) یعنی جن کو اللہ چاہے گا، ان کو موت نہیں آئے گی، جیسے جبرائیل، میکائیل اور اسرافیل۔ بعض کہتے ہیں رضوان فرشتہ، حَمَلَةُ الْعَرْشِ (عرش اٹھانے والے فرشتے) اور جنت و جہنم پر مقرر داروغے۔ (فتح القدیر)

(۴) چار نفثوں کے قائلین کے نزدیک یہ چوتھا، تین کے قائلین کے نزدیک تیسرا اور دو کے قائلین کے نزدیک یہ دوسرا نفثہ ہے۔ بہر حال اس نفثے سے سب زندہ ہو کر میدان محشر میں رب العالمین کی بارگاہ میں حاضر ہو جائیں گے، جہاں حساب کتاب ہوگا۔

(۵) اس نور سے بعض نے عدل اور بعض نے حکم مراد لیا ہے لیکن اسے حقیقی معنوں پر محمول کرنے میں کوئی چیز مانع نہیں ہے، کیونکہ اللہ آسمانوں اور زمین کا نور ہے۔ (قَالَ الشُّوْكَانِيُّ فِي فَتْحِ الْقَدِيرِ)

جائے گا^(۱) اور لوگوں کے درمیان حق حق فیصلے کر دیئے جائیں گے اور وہ ظلم نہ کیے جائیں گے۔^(۲) (۶۹)

اور جس شخص نے جو کچھ کیا ہے بھرپور دے دیا جائے گا؛ جو کچھ لوگ کر رہے ہیں وہ بخوبی جاننے والا ہے۔^(۳) (۷۰)

کافروں کے غول کے غول جنم کی طرف ہٹائے جائیں گے،^(۴) جب وہ اس کے پاس پہنچ جائیں گے اس کے دروازے ان کے لیے کھول دیئے جائیں گے،^(۵) اور وہاں کے نگہبان ان سے سوال کریں گے کہ کیا تمہارے پاس تم میں سے رسول نہیں آئے تھے؟ جو تم پر تمہارے رب کی آیتیں پڑھتے تھے اور تمہیں اس دن کی ملاقات سے ڈراتے تھے؟ یہ جواب دیں گے کہ ہاں درست^(۶)

وَوَقَّيْتُ كُلَّ نَفْسٍ مَّا عَمِلَتْ وَهُوَ أَكْلَمُ بِمَا يَفْعَلُونَ ﴿٦٩﴾

وَسَيُنْزِلُ الَّذِينَ كَفَرُوا إِلَىٰ جَهَنَّمَ زُمَرًا ۚ إِذَا جَاءُواهَا قُتِبَتْ أَبْوَابُهَا وَقَالَ لَهُمْ خَزَنَتُهَا أَلَمْ يَأْتِكُمْ رُسُلٌ مِّنكُمْ يَتْلُونَ عَلَيْكُمُ آيَاتِ رَبِّكُم وَيُنذِرُونَكُمْ لِقَاءَ يَوْمِكُمْ هَٰذَا قَالُوا بَلَىٰ وَلَكِنْ حَقَّتْ كَلِمَةُ الْعَذَابِ عَلَى الْكَافِرِينَ ﴿٧٠﴾

(۱) نبیوں سے پوچھا جائے گا کہ تم نے میرا پیغام اپنی اپنی امتوں کو پہنچا دیا تھا؟ یا یہ پوچھا جائے گا کہ تمہاری امتوں نے تمہاری دعوت کا کیا جواب دیا؟ اسے قبول کیا یا اس کا انکار کیا؟ امت محمدیہ کو بطور گواہ لایا جائے گا جو اس بات کی گواہی دے گی کہ تیرے پیغمبروں نے تیرا پیغام اپنی اپنی قوم یا امت کو پہنچا دیا تھا، جیسا کہ تو نے ہمیں اپنے قرآن کے ذریعے سے ان امور پر مطلع فرمایا تھا۔

(۲) یعنی کسی کے اجر و ثواب میں کمی نہیں ہوگی اور کسی کو اس کے جرم سے زیادہ سزا نہیں دی جائے گی۔

(۳) یعنی اس کو کسی کاتب، حاسب اور گواہ کی ضرورت نہیں ہے۔ یہ اعمال نامے اور گواہ صرف بطور حجت اور قطع معذرت کے ہوں گے۔

(۴) زُمَرُ زَمَرٌ سے مشتق ہے بمعنی آواز، ہر گروہ یا جماعت میں شور اور آوازیں ضرور ہوتی ہیں۔ اس لیے یہ جماعت اور گروہ کے لیے بھی استعمال ہوتا ہے، مطلب ہے کہ کافروں کو جنم کی طرف گروہوں کی شکل میں لے جایا جائے گا، ایک گروہ کے پیچھے ایک گروہ۔ علاوہ ازیں انہیں مار دھکیل کر جانوروں کے ریوڑ کی طرح ہٹایا جائے گا۔ جیسے دوسرے مقام پر فرمایا ﴿يَوْمَ يُدْعَوْنَ إِلَىٰ ذِكْرِ اللَّهِ فَيَكْفُرُ بِمَا كَانُوا يَكْفُرُونَ﴾ (الطور: ۱۳) یعنی انہیں جنم کی طرف سختی سے دھکیلا جائے گا۔

(۵) یعنی ان کے پیچھے ہی فوراً جنم کے ساتوں دروازے کھول دیئے جائیں گے تاکہ سزائیں تاخیر نہ ہو۔

(۶) یعنی جس طرح دنیا میں بحث و تکرار اور جدل و مناظرہ کرتے تھے، وہاں سب کچھ آنکھوں کے سامنے آ جانے کے بعد، بحث و جدال کی گنجائش ہی باقی نہ رہے گی، اس لیے اعتراف کیے بغیر چارہ نہیں ہوگا۔

ہے لیکن عذاب کا حکم کافروں پر ثابت ہو گیا۔^(۱) (۷۱)
 کہا جائے گا کہ اب جہنم کے دروازوں میں داخل ہو جاؤ
 جہاں ہمیشہ رہیں گے، پس سرکشوں کا ٹھکانا بہت ہی برا
 ہے۔ (۷۲)

اور جو لوگ اپنے رب سے ڈرتے تھے ان کے گروہ کے
 گروہ جنت کی طرف روانہ کیے جائیں گے^(۲) کے یہاں تک
 کہ جب اس کے پاس آجائیں گے اور دروازے کھول
 دیئے جائیں گے^(۳) اور وہاں کے نگہبان ان سے کہیں
 گے تم پر سلام ہو، تم خوش حال رہو تم اس میں ہمیشہ کے

قِيلَ ادْخُلُوا الْاَبْوَابَ جَنَّاتٍ خَالِدِينَ فِيهَا لَا يَمُوتُ فِيهَا سَمٌ
 الْمُنْكِرِينَ ۝۲۲

وَيَسِقُ الَّذِينَ اتَّقَوْا رُبَّهُمْ إِلَى الْجَنَّةِ زُمَرًا حَتَّىٰ إِذَا
 جَاءُوهَا وَفُتِحَتْ اَبْوَابُهَا وَقَالَ لَهُمْ خَزَنَتُهَا
 سَلَامٌ عَلَيْكُمْ طِبْتُمْ فَادْخُلُوهَا خَالِدِينَ ۝۲۳

(۱) یعنی ہم نے پیغمبروں کی تکذیب اور مخالفت کی، اس شقاوت کی وجہ سے جس کے ہم مستحق تھے، جب کہ ہم نے حق
 سے گریز کر کے باطل کو اختیار کیا، اس مضمون کو سورۃ الملک ۸-۱۰ میں زیادہ وضاحت سے بیان کیا گیا ہے۔
 (۲) اہل ایمان و تقویٰ بھی گروہوں کی شکل میں جنت کی طرف لے جائے جائیں گے، پہلے مقررین، پھر برابر، اس طرح
 درجہ بدرجہ، ہر گروہ ہم مرتبہ لوگوں پر مشتمل ہو گا۔ مثلاً انبیاء علیہم السلام، انبیاء علیہم السلام کے ساتھ، صدیقین، شہداء اپنے
 ہم جنسوں کے ساتھ، علمائے اقران کے ساتھ، یعنی ہر صنف اپنی ہی صنف یا اس کی مثل کے ساتھ ہو گی۔ (ابن کثیر)
 (۳) حدیث میں آتا ہے، جنت کے آٹھ دروازے ہیں، ان میں سے ایک ریان ہے، جس سے صرف روزے دار داخل ہوں
 گے۔ (صحیح بخاری، نمبر ۲۲۵-۲۲۶، مسلم، نمبر ۸۰۸) اسی طرح دوسرے دروازوں کے بھی نام ہوں گے، جیسے باب الصلوٰۃ، باب
 الصدقۃ، باب الجہاد وغیرہ (صحیح بخاری، کتاب الصیام، کتاب الزکوٰۃ، ہر دروازے کی چوڑائی چالیس سال
 کی مسافت کے برابر ہو گی، اس کے باوجود یہ بھرے ہوئے ہوں گے۔ (صحیح مسلم، کتاب الزہد) سب سے پہلے جنت کا
 دروازہ کھٹکھٹانے والے نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہوں گے۔ (مسلم، کتاب الإیمان، باب أن أول الناس يشفع) جنت میں
 سب سے پہلے جانے والے گروہ کے چہرے چودھویں رات کے چاند کی طرح اور دوسرے گروہ کے چہرے آسمان پر چمکنے والے
 ستاروں میں سے روشن ترین ستارے کی طرح چمکتے ہوں گے۔ جنت میں وہ بول و ہرازا اور تھوک، بگم سے پاک ہوں گے، ان
 کی نگہیاں سونے کی اور پسینہ کستوری ہو گا، ان کی انگلیٹھیوں میں خوشبودار لکڑی ہو گی، ان کی بیویاں الحور العین ہوں گی، ان
 کا آدم علیہ السلام کی طرح ساتھ ہاتھ ہو گا۔ (صحیح بخاری، کتاب الانبیاء، صحیح بخاری ہی کی ایک دوسری روایت
 سے معلوم ہوتا ہے کہ ہر مومن کو دو بیویاں ملیں گی، ان کے حسن و جمال کا یہ حال ہو گا کہ ان کی پنڈلی کا گودا گوشت کے پیچھے
 سے نظر آئے گا۔ (کتاب بدء الخلق، باب ما جاء فی صفة الجنة) بعض نے کہا یہ دو بیویاں حوروں کے علاوہ دنیا کی
 عورتوں میں سے ہوں گی۔ لیکن چونکہ ۷۲ حوروں والی روایت سنداً صحیح نہیں۔ اس لیے بظاہر یہی بات صحیح معلوم ہوتی ہے کہ

لیے چلے جاؤ۔ (۷۳)

یہ کہیں گے کہ اللہ کا شکر ہے جس نے ہم سے اپنا وعدہ پورا کیا اور ہمیں اس زمین کا وارث بنا دیا کہ جنت میں جہاں چاہیں مقام کریں پس عمل کرنے والوں کا کیا ہی اچھا بدلہ ہے۔ (۷۴)

اور تو فرشتوں کو اللہ کے عرش کے ارد گرد حلقہ باندھے ہوئے اپنے رب کی حمد و تسبیح کرتے ہوئے دیکھے گا^(۱) اور ان میں انصاف کا فیصلہ کیا جائے گا اور کہہ دیا جائے گا کہ ساری خوبی اللہ ہی کے لیے ہے جو تمام جانوں کا پالنا سار ہے۔ (۷۵)^(۲)

سورہ مومن مکی ہے اور اس میں پچاسی آیتیں اور نور کو ع ہیں۔

وَقَالُوا الْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي صَدَقَنَا وَعْدَهُ وَأَوْرَثَنَا
الْأَرْضَ نَحْنُ نَدَّبُوا مِنَ الْجَنَّةِ هَيْثُ نَشَاءُ فَنِعْمَ
أَجْرُ الْعَمِلِينَ ﴿٧٥﴾

وَتَرَى الْمَلَائِكَةَ حَافِينَ مِنْ حَوْلِ الْعَرْشِ يُسَبِّحُونَ بِحَمْدِ
رَبِّهِمْ وَتُفْصِي بَيْنَهُمُ الْيَقِيْنَ وَقِيلَ الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ ﴿٧٥﴾



بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

حَمْدٌ ۝ تَنْزِيلُ الْكِتَابِ مِنَ اللَّهِ الْعَزِيزِ الْعَلِيمِ ۝

شروع کرتا ہوں اللہ تعالیٰ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے۔

حم! (۱) اس کتاب کا نازل فرمانا^(۳) اس اللہ کی طرف سے ہے جو غالب اور دانا ہے۔^(۴)

ہر جنتی کی کم از کم حور سمیت دو بیویاں ہوں گی۔ تاہم وَلَهُمْ فِيهَا مَا يَشْتَهُونَ کے تحت زیادہ بھی ممکن ہیں۔ واللہ اعلم (مزید دیکھئے فتح الباری۔ باب مذکور)

(۱) قضائے الہی کے بعد جب اہل ایمان جنت میں اور اہل کفر و شرک جہنم میں چلے جائیں گے، آیت میں اس کے بعد کا نقشہ بیان کیا گیا ہے کہ فرشتے عرش الہی کو گھیرے ہوئے تسبیح و تحمید میں مصروف ہوں گے۔

(۲) یہاں حمد کی نسبت کسی ایک مخلوق کی طرف نہیں کی گئی جس سے معلوم ہوتا ہے کہ ہر چیز (ناطق و غیر ناطق) کی زبان پر حمد الہی کے ترانے ہوں گے۔

☆ اس سورت کو سورۃ غافر اور سورۃ الطول بھی کہتے ہیں۔

(۳) یَا تَنْزِيلُ، مُنَزَّلُ کے معنی میں ہے، یعنی اللہ کی طرف سے نازل شدہ ہے جس میں جھوٹ نہیں۔

(۴) جو غالب ہے، اس کی قوت اور غلبے کے سامنے کوئی پر نہیں مار سکتا۔ علیم ہے، اس سے کوئی ذرہ تک پوشیدہ نہیں

غَافِرِ الذَّنْبِ وَيَاكِبِ التَّوْبِ شَدِيدِ الْعِقَابِ ذِي الْعَرْشِ
لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ ۚ إِلَيْهِ الْمَصِيرُ ﴿۵﴾

گناہ کا بخشنے والا اور توبہ کا قبول فرمانے والا ^(۱) سخت
عذاب والا ^(۲) انعام و قدرت والا ^(۳) جس کے سوا کوئی
معبود نہیں۔ اسی کی طرف واپس لوٹنا ہے۔ ^(۴)

اللہ تعالیٰ کی آیتوں میں وہی لوگ جھگڑتے ہیں جو کافر
ہیں ^(۳) پس ان لوگوں کا شہروں میں چلنا پھرنا آپ کو
دھوکے میں نہ ڈالے۔ ^(۵) ^(۳)

قوم نوح نے اور ان کے بعد کے گروہوں نے بھی جھٹلایا
تھا۔ اور ہر امت نے اپنے رسول کو گرفتار کر لینے کا ارادہ

مَا يَأْتِي فِي آيَةِ اللَّهِ إِلَّا الَّذِينَ كَفَرُوا فَلَا يَغْزِرُوا
تَعْلَمُهُمْ فِي الْأَيْلَافِ ﴿۶﴾

كَذَبَتْ قَبْلَهُمْ قَوْمُ نُوحٍ وَالْأَحْزَابُ مِنْ بَعْدِهِمْ
وَهَمَّتْ كُلُّ أُمَّةٍ بِرَسُولِهِمْ لِيَأْخُذُوهُ وَجَادَلُوا

چاہے وہ کتنے بھی کثیف پردوں میں چھپا ہو۔

(۱) گزشتہ گناہوں کو معاف کرنے والا اور مستقبل میں ہونے والی کوتاہیوں پر توبہ قبول کرنے والا ہے۔ یا اپنے دوستوں
کے لیے غافر ہے اور کافر و مشرک اگر توبہ کریں تو ان کی توبہ قبول کرنے والا ہے۔

(۲) ان کے لیے جو آخرت پر دنیا کو ترجیح دیں اور ترمذ و طغیان کا راستہ اختیار کریں یہ اللہ کے اس قول کی طرح ہی ہے۔
﴿يَتَّبِعُ عَبْدًا يُتَّبِعُ آيَاتِ الْغُفُورِ الرَّحِيمِ * وَأَنَّ عَذَابِي هُوَ الْعَذَابُ الْأَلِيمُ﴾ — (الحجر ۵۰-۴۹) ”میرے بندوں کو بتلا دو کہ
میں غفور و رحیم ہوں اور میرا عذاب بھی نہایت دردناک ہے“ قرآن کریم میں اکثر جگہ یہ دونوں وصف ساتھ ساتھ بیان
کیے گئے ہیں تاکہ انسان خوف اور رجا کے درمیان رہے۔ کیونکہ محض خوف ہی خوف، انسان کو رحمت و مغفرت الہی سے
مایوس کر سکتا ہے اور نری امید گناہوں پر دلیر کر دیتی ہے۔

(۳) طَوَّلُ کے معنی فراخی اور تونگری کے ہیں، یعنی وہی فراخی اور تونگری عطا کرنے والا ہے۔ بعض کہتے ہیں اس کے
معنی ہیں، انعام اور تفضل۔ یعنی اپنے بندوں پر انعام اور فضل کرنے والا ہے۔

(۴) اس جھگڑے سے مراد ناجائز اور باطل جھگڑا (جدال) ہے جس کا مقصد حق کی تکذیب اور اس کی تردید و تغلیط ہے۔
ورنہ جس جدال (بحث و مناظرہ) کا مقصد ایضاً حق، ابطال باطل اور منکرین و معترضین کے شبہات کا ازالہ ہو، وہ مذموم
نہیں نہایت محمود و مستحسن ہے۔ بلکہ اہل علم کو تو اس کی تاکید کی گئی ہے، ﴿لَتَكْفِيَنَّكَ لِلنَّاسِ وَلَا تَكُنْ مِنَ الْغَاثِ﴾
(آل عمران- ۱۸۷) ”تم اسے لوگوں کے سامنے ضرور بیان کرنا“ اسے چھپانا نہیں۔“ بلکہ اللہ کی نازل کردہ کتاب کے
دلائل و براہین کو چھپانا اتنا سخت جرم ہے کہ اس پر کائنات کی ہر چیز لعنت کرتی ہے، (البقرة ۱۵۹)۔

(۵) یعنی یہ کافر و مشرک جو تجارت کرتے ہیں، اس کے لیے مختلف شہروں میں آتے جاتے اور کثیر منافع حاصل کرتے
ہیں، یہ اپنے کفر کی وجہ سے جلد ہی مواخذۃ الہی میں آجائیں گے، یہ مہلت ضرور دیئے جا رہے ہیں لیکن انہیں مہمل
نہیں چھوڑا جائے گا۔

بِالْبَاطِلِ يُدْخِلُونَ فِيهِ الْعُقُومَ فَانْظُرْ لَهُمْ كَيْفَ
كَانَ عِقَابُ ۝

وَلَذَلِكَ حَقَّتْ لِكَلِمَتِكَ عَلَى الَّذِينَ كَفَرُوا الْعَذَابُ
أَصْحَابُ النَّارِ ۝

الَّذِينَ يَحْمِلُونَ الْعَرْشَ وَمَنْ حَوْلَهُ يُسَبِّحُونَ بِحَمْدِ
رَبِّهِمْ وَيُؤْمِنُونَ بِهِ وَيَسْتَغْفِرُونَ لِلَّذِينَ آمَنُوا رَبَّنَا
وَسِعَتْ كُلُّ شَيْءٍ رَحْمَةً وَعِلْمًا فَاغْفِرْ لِلَّذِينَ تَابُوا
وَاتَّبَعُوا سَبِيلَكَ وَقِهِمْ عَذَابَ الْجَحِيمِ ۝

رَبَّنَا وَأَدْخِلْهُمْ جَنَّاتٍ عَدْنٍ الَّتِي وَعَدْتَهُمْ وَمَنْ صَلَحَ
مِنْ آبَائِهِمْ وَازْوَاجِهِمْ وَذُرِّيَّاتِهِمْ إِنَّكَ أَنْتَ الْعَزِيزُ

کیا ^(۱) اور باطل کے ذریعہ کج بحثیاں کیں، تاکہ ان سے
حق کو بگاڑ دیں ^(۲) پس میں نے ان کو پکڑ لیا، سو میری
طرف سے کیسی سزا ہوئی۔ ^(۳) (۵)

اور اسی طرح آپ کے رب کا حکم کافروں پر ثابت ہو گیا
کہ وہ دوزخی ہیں۔ ^(۴) (۶)

عرش کے اٹھانے والے اور اس کے اس پاس کے (فرشتے)
اپنے رب کی تسبیح حمد کے ساتھ ساتھ کرتے ہیں اور اس پر
ایمان رکھتے ہیں اور ایمان والوں کے لیے استغفار کرتے
ہیں، کہتے ہیں کہ اے ہمارے پروردگار! تو نے ہر چیز کو اپنی
بخشش اور علم سے گھیر رکھا ہے، پس تو انہیں بخش دے جو
توبہ کریں اور تیری راہ کی پیروی کریں اور تو انہیں دوزخ
کے عذاب سے بھی بچالے۔ ^(۵) (۷)

اے ہمارے رب! تو انہیں بیشکلی والی جنتوں میں لے جا
جن کا تو نے ان سے وعدہ کیا ہے اور ان کے باپ دادوں

(۱) تاکہ اسے قید یا قتل کر دیں یا سزا دیں۔

(۲) یعنی اپنے رسولوں سے انہوں نے جھگڑا کیا، جس سے مقصود حق بات میں کیرے نکالنا اور اسے کمزور کرنا تھا۔

(۳) چنانچہ میں نے ان حامیان باطل کو اپنے عذاب کی گرفت میں لے لیا، پس تم دیکھ لو ان کے حق میں میرا عذاب کس
طرح آیا اور کیسے انہیں حرف غلط کی طرح مٹا دیا گیا انہیں نشانِ عبرت بنا دیا گیا۔

(۴) مقصد اس سے اس بات کا اظہار ہے کہ جس طرح پچھلی امتوں پر تیرے رب کا عذاب ثابت ہوا اور وہ تباہ کر دی
گئیں، اگر یہ اہل مکہ بھی تیری تمذیب اور مخالفت سے باز نہ آئے اور جدالِ بالباطل کو ترک نہ کیا تو یہ بھی اسی طرح
عذابِ الہی کی گرفت میں آجائیں گے، پھر کوئی انہیں بچانے والا نہیں ہو گا۔

(۵) اس میں ملائکہ مقربین کے ایک خاص گروہ کا تذکرہ اور وہ جو کچھ کرتے ہیں، اس کی وضاحت ہے، یہ گروہ ہے ان
فرشتوں کا جو عرش کو اٹھائے ہوئے ہیں اور وہ جو عرش کے ارد گرد ہیں۔ ان کا ایک کام یہ ہے کہ یہ اللہ کی تسبیح و تحمید
کرتے ہیں، یعنی نقائص سے اس کی تنزیہ، کلمات اور خوبیوں کا اس کے لیے اثبات اور اس کے سامنے عجز و تذلل یعنی
(ایمان) کا اظہار کرتے ہیں۔ دوسرا کام ان کا یہ ہے کہ یہ اہل ایمان کے لیے مغفرت کی دعا کرتے ہیں، کہا جاتا ہے کہ عرش
کو اٹھانے والے فرشتے چار ہیں، مگر قیامت والے دن ان کی تعداد آٹھ ہو گی۔ (ابن کثیر)

الْحَكِيمُ ⑤

وَقِهِمُ السَّيِّئَاتِ وَمَنْ تَقِ السَّيِّئَاتِ يَوْمَئِذٍ
فَعَدَّ رَجْمَتَهُ ۚ وَذَٰلِكَ هُوَ الْعَزِيزُ الْعَلِيمُ ⑥

إِنَّ الْغَٰثِثِينَ كَفَرُوا يُؤَدُّونَ لَكُمْ مِنَ اللَّهِ الْكِبْرُونَ
مَقَاتِلُهُمْ أَنْفُسُهُمْ إِذْ تُدْعَوْنَ إِلَى الْإِيمَانِ
فَتَكْفُرُونَ ⑦

قَالُوا رَبَّنَا آمَنَّا الْفِتْنَةَ وَأَحْبَبْنَا الْفِتْنَةَ فَاغْتَرَفْنَا

اور بیویوں اور اولاد میں سے (بھی) ان (سب) کو جو نیک
عمل ہیں۔^(۱) یقیناً تو تو غالب و باحکمت ہے۔ (۸)
انہیں برائیوں سے بھی محفوظ رکھ،^(۲) حق تو یہ ہے کہ
اس دن تو نے جسے برائیوں سے بچالیا اس پر تو نے
رحمت کر دی اور بہت بڑی کامیابی تو یہی ہے۔^(۳) (۹)
بے شک جن لوگوں نے کفر کیا انہیں یہ آواز دی جائے
گی کہ یقیناً اللہ کا تم پر غصہ ہونا اس سے بہت زیادہ ہے جو
تم غصہ ہوتے تھے اپنے جی سے، جب تم ایمان کی طرف
بلائے جاتے تھے پھر کفر کرنے لگتے تھے۔^(۴) (۱۰)
وہ کہیں گے اے ہمارے پروردگار! تو نے ہمیں دوبار مارا

(۱) یعنی ان سب کو جنت میں جمع فرما دے تاکہ ایک دوسرے کو دیکھ کر ان کی آنکھیں ٹھنڈی ہوں۔ اس مضمون کو
دوسرے مقام پر اس طرح بیان فرمایا گیا ہے، ﴿وَالَّذِينَ آمَنُوا وَاتَّبَعَتْهُمْ ذُرِّيَّتُهُمْ بِإِيمَانٍ أَلْحَقْنَا بِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ وَمَا أَلَتْنَاهُمْ مِنْ عَمَلِهِمْ
شَيْئًا﴾ (الطہور: ۳۱) ”وہ لوگ جو ایمان لائے اور انہی کی پیروی ان کی اولاد نے ایمان کے ساتھ کی۔ ملا دیا ہم نے ان کے
ساتھ ان کی اولاد کو اور ہم نے ان کے عملوں میں سے کچھ کم نہیں کیا۔“ یعنی سب کو جنت میں اس طرح یکساں مرتبہ
دے دیا کہ ادنیٰ کو بھی اعلیٰ مقام عطا کر دیا۔ یہ نہیں کیا کہ اعلیٰ مقام میں کمی کر کے انہیں ادنیٰ مقام پر لے آئے، بلکہ ادنیٰ کو
اٹھا کر اعلیٰ کر دیا اور اس کے عمل کی کمی کو اپنے فضل و کرم سے پورا کر دیا۔

(۲) سیئات سے مراد یہاں عقوبات ہیں یا پھر جزا محذوف ہے یعنی انہیں آخرت کی سزاؤں سے یا برائیوں کی جزا سے بچانا۔

(۳) یعنی آخرت کے عذاب سے بچ جانا اور جنت میں داخل ہو جانا، یہی سب سے بڑی کامیابی ہے۔ اس لیے کہ اس
جیسی کوئی کامیابی نہیں اور اس کے برابر کوئی نجات نہیں۔ ان آیات میں اہل ایمان کے لیے دو عظیم خوش خبریاں ہیں،
ایک تو یہ کہ فرشتے ان کے لیے غائبانہ دعا کرتے ہیں۔ (جس کی حدیث میں بڑی فضیلت وارد ہے) دوسری یہ کہ اہل
ایمان کے خاندان جنت میں اکٹھے ہو جائیں گے۔ جَعَلْنَا اللَّهُ مِنَ الَّذِينَ يُلْحَقُهُمْ اللَّهُ آبَاءَهُمْ الصَّالِحِينَ۔

(۴) مفت، سخت ناراضی کو کہتے ہیں۔ اہل کفر جو اپنے کو جہنم کی آگ میں جھلتے دیکھیں گے، تو اپنے آپ پر سخت ناراض
ہوں گے، اس وقت ان سے کہا جائے گا کہ دنیا میں جب تمہیں ایمان کی دعوت دی جاتی تھی اور تم انکار کرتے تھے، تو
اللہ تعالیٰ اس سے کہیں زیادہ تم پر ناراض ہو تا تھا جتنا تم آج اپنے آپ پر ہو رہے ہو۔ یہ اللہ کی اس ناراضی کا نتیجہ
ہے کہ آج تم جہنم میں ہو۔

يَذُنُّونَهَا فَلِلَّهِ الْخُزُونُ مِنْ سَبِيلٍ ⑪

ذَلِكُمْ يَأْتِي إِذَا دُعِيَ اللَّهُ وَحْدَهُ كَفَرْتُمْ وَلَنْ تُفْلِحُوا ⑫
تُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ ⑬

هُوَ الَّذِي يُرِيكُمْ آيَاتِهِ وَيُنَزِّلُ لَكُمْ مِنَ السَّمَاءِ رِزْقًا
وَمَا تَذَكَّرُونَ إِلَّا مَنْ يُنِيبُ ⑭

اور دو بار ہی جلایا،^(۱) اب ہم اپنے گناہوں کے اقرار کی
ہیں،^(۲) تو کیا اب کوئی راہ نکلنے کی بھی ہے؟^(۳)

یہ (عذاب) تمہیں اس لیے ہے کہ جب صرف اکیلے اللہ
کا ذکر کیا جاتا تو تم انکار کر جاتے تھے اور اگر اس کے ساتھ
کسی کو شریک کیا جاتا تھا تو تم مان لیتے^(۴) تھے پس اب
فیصلہ اللہ بلند و بزرگ ہی کا ہے۔^(۵)

وہی ہے جو تمہیں اپنی نشانیاں دکھاتا ہے اور تمہارے
لیے آسمان سے روزی اتارتا ہے،^(۶) نصیحت تو صرف

(۱) جمہور مفسرین کی تفسیر کے مطابق، دو موتوں میں سے پہلی موت تو وہ نطفہ ہے جو باپ کی پشت میں ہوتا ہے۔ یعنی اس
کے وجود (ہست) سے پہلے اس کے عدم وجود (نہیت) کو موت سے تعبیر کیا گیا ہے۔ اور دوسری موت وہ ہے جس سے
انسان اپنی زندگی گزار کر ہمکنار ہوتا اور اس کے بعد قبر میں دفن ہوتا ہے اور دو زندگیوں میں سے پہلی زندگی، یہ دنیوی
زندگی ہے، جس کا آغاز ولادت سے اور اختتام وفات پر ہوتا ہے۔ اور دوسری زندگی وہ ہے جو قیامت والے دن قبروں
سے اٹھنے کے بعد حاصل ہوگی۔ انہی دو موتوں اور دو زندگیوں کا تذکرہ ﴿وَكُنْتُمْ أََمْوَاثًا فَأَحْيَاكُمْ ثُمَّ يُمِيتُكُمْ ثُمَّ يُحْيِيكُمْ﴾
(البقرة: ۲۸۰) میں بھی کیا گیا ہے۔

(۲) یعنی جہنم میں اعتراف کریں گے، جہاں اعتراف کا کوئی فائدہ نہیں اور وہاں پشیمان ہونگے جہاں پشیمانی کی کوئی حیثیت نہیں۔
(۳) یہ وہی خواہش ہے جس کا تذکرہ قرآن مجید میں متعدد مقامات پر کیا گیا ہے کہ ہمیں دوبارہ زمین پر بھیج دیا جائے،
ناکہ ہم نیکیاں کما کر لائیں۔

(۴) یہ ان کے جہنم سے نہ نکلے جانے کا سبب بیان فرمایا کہ تم دنیا میں اللہ کی توحید کے منکر تھے اور شرک تمہیں
مرغوب تھا، اس لیے اب جہنم کے دائمی عذاب کے سوا تمہارے لیے کچھ نہیں۔

(۵) اسی ایک اللہ کا حکم ہے کہ اب تمہارے لیے جہنم کا عذاب ہمیشہ کے لیے ہے اور اس سے نکلنے کی کوئی سبیل نہیں۔
جو علیؑ یعنی ان باتوں سے بلند ہے کہ اس کی ذات یا صفات میں کوئی اس جیسا ہو اور کَبِیرٌ یعنی ان باتوں سے بہت بڑا
ہے کہ اس کی کوئی مثل ہو یا بیوی اور اولاد ہو یا شریک ہو۔

(۶) یعنی پانی جو تمہارے لیے تمہاری روزیوں کا سبب ہے یہاں اللہ تعالیٰ نے اظہار آیات کو انزال رزق کے ساتھ جمع
فرما دیا ہے۔ اس لیے کہ آیات قدرت کا اظہار، ادیان کی بنیاد ہے اور روزیاں ابدان کی بنیاد ہیں۔ یوں یہاں دونوں
بنیادوں کو جمع فرما دیا گیا ہے۔ (فتح القدیر)

وہی حاصل کرتے ہیں جو (اللہ کی طرف) رجوع کرتے ہیں۔^(۱) (۱۳)

تم اللہ کو پکارتے رہو اس کے لیے دین کو خالص کر کے گو کافر برائیاں۔^(۲) (۱۴)

بلند درجوں والا عرش کا مالک وہ اپنے بندوں میں سے جس پر چاہتا ہے وحی نازل فرماتا ہے،^(۳) تاکہ وہ ملاقات کے دن سے ڈرائے۔ (۱۵)

جس دن سب لوگ ظاہر ہو جائیں گے،^(۴) ان کی کوئی چیز اللہ سے پوشیدہ نہ رہے گی۔ آج کس کی بادشاہی ہے؟^(۵) فقط اللہ واحد و قہار کی۔^(۶) (۱۶)

آج ہر نفس کو اس کی کمائی کا بدلہ دیا جائے گا۔ آج (کسی قسم کا) ظلم نہیں، یقیناً اللہ تعالیٰ بہت جلد حساب کرنے

فَادْعُوا اللَّهَ مُخْلِصِينَ لَهُ الدِّينَ وَلَوْ كَرِهَ الْكَافِرُونَ ۝

رَفِيعُ الدَّرَجَاتِ ذُو الْعَرْشِ يُلْقِي الرُّوحَ مِنْ أَمْرِهِ

عَلَى مَنْ يَشَاءُ مِنْ عِبَادِهِ لِيُنْذِرَ يَوْمَ التَّلَاقِ ۝

يَوْمَ هُمْ بَارِزُونَ لَا يَخْفَى عَلَى اللَّهِ مِنْهُمْ شَيْءٌ لِّلَّذِينَ

الْمُلْكُ الْيَوْمَ ذُلٌّ أُلْوِجِدُ الْغَلَاقِلَ ۝

الْيَوْمَ يُجْزَى كُلُّ نَفْسٍ بِمَا كَسَبَتْ لَا ظُلْمَ الْيَوْمَ إِنَّ اللَّهَ

سَرِيعُ الْحِسَابِ ۝

(۱) اللہ کی اطاعت کی طرف، جس سے ان کے دلوں میں آخرت کا خوف پیدا ہوتا ہے اور احکام و فرائض الہی کی پابندی کرتے ہیں۔

(۲) یعنی جب سب کچھ اللہ ہی اکیلا کرنے والا ہے تو کافروں کو چاہے، کتنا بھی ناگوار گزرے، صرف اسی ایک اللہ کو پکارو، اس کے لیے عبادت و اطاعت کو خالص کرتے ہوئے۔

(۳) ذُوح سے مراد وحی ہے جو وہ بندوں میں سے ہی کسی کو رسالت کے لیے چن کر، اس پر نازل فرماتا ہے، وحی کو روح سے اس لیے تعبیر فرمایا کہ جس طرح روح میں انسانی زندگی کی بقا و سلامتی کا راز مضمر ہے۔ اسی طرح وحی سے بھی ان انسانی قلوب میں زندگی کی لہر دوڑ جاتی ہے جو پہلے کفر و شرک کی وجہ سے مردہ ہوتے ہیں۔

(۴) یعنی زندہ ہو کر قبروں سے باہر نکل کھڑے ہوں گے۔

(۵) یہ قیامت والے دن اللہ تعالیٰ پوچھے گا، جب سارے انسان اس کے سامنے میدان محشر میں جمع ہوں گے، ”اللہ تعالیٰ زمین کو اپنی مٹھی میں اور آسمان کو اپنے دائیں ہاتھ میں لپیٹ لے گا، اور کسے گائیں بادشاہ ہوں، زمین کے بادشاہ کہاں ہیں؟“ (صحیح بخاری، سورۃ زمر)

(۶) جب کوئی نہیں بولے گا تو یہ جواب اللہ تعالیٰ خود ہی دے گا۔ بعض کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے ایک فرشتہ منادی کرے گا، جس کے ساتھ ہی تمام کافروں اور مسلمان بیک آواز یہی جواب دیں گے۔ (فتح القدیر)

والا ہے۔^(۱) (۱۷)

اور انہیں بہت ہی قریب آنے والی^(۲) (قیامت سے) آگاہ کر دیجئے، جب کہ دل حلق تک پہنچ جائیں گے اور سب خاموش ہوں گے،^(۳) ظالموں کا نہ کوئی دلی دوست ہو گا نہ سفارشی، کہ جس کی بات مانی جائے گی۔ (۱۸)

وہ آنکھوں کی خیانت کو اور سینوں کی پوشیدہ باتوں کو (خوب) جانتا ہے۔^(۴) (۱۹)

اور اللہ تعالیٰ ٹھیک ٹھیک فیصلہ کر دے گا اس کے سوا جنہیں یہ لوگ پکارتے ہیں وہ کسی چیز کا بھی فیصلہ نہیں کر سکتے،^(۵) بیشک اللہ تعالیٰ خوب سنتا خوب دیکھتا ہے۔ (۲۰)

کیا یہ لوگ زمین میں چلے پھرے نہیں کہ دیکھتے کہ جو لوگ ان سے پہلے تھے ان کا نتیجہ کیسا کچھ ہوا؟ وہ باعتبار

وَأَنذِرْهُمْ يَوْمَ الْأَزْفَةِ إِذِ الْقُلُوبُ لَدَى الْحَنَاجِرِ كَاطْمِئِنَّةٍ مَّا لِلظَّالِمِينَ مِنْ حَبِيرٍ وَلَا شَفِيعٍ إِلَّا طَعَا ۝

يَعْلَمُ خَائِنَةَ الْأَعْيُنِ وَمَا تُخْفِي الصُّدُورُ ۝

وَاللَّهُ يَقْضِي بِالْحَقِّ وَالَّذِينَ يَدْعُونَ مِنْ دُونِهِ لَا يَقْضُونَ بِشَيْءٍ إِنَّ اللَّهَ هُوَ السَّمِيعُ الْبَصِيرُ ۝

أَوَلَمْ يَسِيرُوا فِي الْأَرْضِ فَيَنْظُرُوا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِينَ كَانُوا مِنْ قَبْلِهِمْ كَانُوا هُمْ أَشَدَّ مِنْهُمْ قُوَّةً

(۱) اس لیے کہ اسے بندوں کی طرح غور و فکر کرنے کی ضرورت نہ ہوگی۔

(۲) آزِفَةُ کے معنی ہیں قریب آنے والی۔ یہ قیامت کا نام ہے، اس لیے کہ وہ بھی قریب آنے والی ہے۔

(۳) یعنی اس دن خوف کی وجہ سے دل اپنی جگہ سے ہٹ جائیں گے۔ كَاطْمِئِنَّةٍ غم سے بھرے ہوئے، یا روتے ہوئے، یا خاموش، اس کے تینوں معنی کیے گئے ہیں۔

(۴) اس میں اللہ تعالیٰ کے علم کامل کا بیان ہے کہ اسے تمام اشیا کا علم ہے۔ چھوٹی ہو یا بڑی، باریک ہو یا موٹی، اعلیٰ مرتبے کی ہو یا چھوٹے مرتبے کی۔ اس لیے انسان کو چاہیے کہ جب اس کے علم و احاطہ کا یہ حال ہے تو اس کی نافرمانی سے اجتناب اور صحیح معنوں میں اس کا خوف اپنے اندر پیدا کرے۔ آنکھوں کی خیانت یہ ہے کہ دزدیدہ نگاہوں سے دیکھا جائے۔ جیسے راہ چلتے کسی حسین عورت کو کنکھیوں سے دیکھنا۔ سینوں کی باتوں میں^(۱) وہ وسوسے بھی آجاتے ہیں جو انسان کے دل میں پیدا ہوتے رہتے ہیں، وہ جب تک وسوسے ہی رہتے ہیں یعنی ایک لمحہ گزراں کی طرح آتے اور ختم ہو جاتے ہیں، تب تک تو وہ قابلِ مؤاخذہ نہیں ہوں گے۔ لیکن جب وہ عزائم کا روپ دھار لیں تو پھر ان کا مؤاخذہ ہو سکتا ہے، چاہے ان پر عمل کرنے کا انسان کو موقع نہ ملے۔

(۵) اس لیے کہ انہیں کسی چیز کا علم ہے نہ کسی پر قدرت، وہ بے خبر بھی ہیں اور بے اختیار بھی، جب کہ فیصلے کے لیے علم و اختیار دونوں چیزوں کی ضرورت ہے اور یہ دونوں خوبیاں صرف اللہ کے پاس ہیں، اس لیے صرف اسی کو یہ حق پہنچتا ہے کہ وہ فیصلہ کرے اور وہ یقیناً حق کے ساتھ فیصلہ فرمائے گا، کیونکہ اسے کسی کا خوف ہو گا نہ کسی سے حرص و طمع۔

وَاتَّارَانِي الْأَرْضِ فَأَخَذَهُمُ اللَّهُ بِذُنُوبِهِمْ وَمَا كَانَ لَهُمْ مِنَ اللَّهِ مِنْ وَاقٍ ۝

قوت و طاقت کے اور باعتبار زمین میں اپنی یادگاروں کے ان سے بہت زیادہ تھے، پس اللہ نے انہیں ان کے گناہوں پر پکڑ لیا اور کوئی نہ ہوا جو انہیں اللہ کے عذاب سے بچا لیتا۔^(۲۱)

ذَلِكَ بِأَنَّهُمْ كَانَتْ تَأْتِيهِمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنَاتِ فَلَكَرُوا فَأَخَذَهُمُ اللَّهُ إِنَّهُ قَوِيٌّ شَدِيدُ الْعِقَابِ ۝

یہ اس وجہ سے کہ ان کے پاس ان کے پیغمبر معجزے لے لے کر آتے تھے تو وہ انکار کر دیتے تھے،^(۲۲) پس اللہ انہیں پکڑ لیتا تھا۔ یقیناً وہ طاقتور اور سخت عذاب والا ہے۔^(۲۳)

وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا مُوسَىٰ بِآيَاتِنَا وَسُلْطٰنٍ مُّبِينٍ ۝

اور ہم نے موسیٰ (علیہ السلام) کو اپنی آیتوں اور کھلی دلیلوں کے ساتھ بھیجا۔^(۲۴) فرعون ہامان اور قارون کی طرف تو انہوں نے کہا (یہ تو) جادوگر اور جھوٹا ہے۔^(۲۵)

إِلَىٰ فِرْعَوْنَ وَهَامَانَ وَقَارُونَ فَقَالُوا سَاحِرٌ كَذَّابٌ ۝

(۱) گزشتہ آیات میں احوال آخرت کا بیان تھا، اب دنیا کے احوال سے انہیں ڈرایا جا رہا ہے کہ یہ لوگ ذرا زمین میں چل پھر کر ان قوموں کا انجام دیکھیں، جو ان سے پہلے اس جرم مکذیب میں ہلاک کی گئیں، جس کا ارتکاب یہ کر رہے ہیں۔ دراصل ہر گزشتہ قومیں قوت و آثار میں ان سے کہیں بڑھ کر تھیں، لیکن جب ان پر اللہ کا عذاب آیا تو انہیں کوئی نہیں بچا سکا۔ اسی طرح تم پر بھی عذاب آسکتا ہے، اور اگر یہ آگیا تو پھر کوئی تمہارا پشت پناہ نہ ہو گا۔

(۲) یہ ان کی ہلاکت کی وجہ بیان کی گئی ہے، اور وہ ہے اللہ کی آیتوں کا انکار اور پیغمبروں کی مکذیب۔ اب سلسلہ نبوت و رسالت تو بند ہے تاہم آفاق و انفس میں بے شمار آیات الہی نکھری اور پھیلی ہوئی ہیں۔ علاوہ ازیں وعظ و تذکیر اور دعوت و تبلیغ کے ذریعے سے علماء اور داعیان حق ان کی وضاحت اور نشاندہی کے لیے موجود ہیں۔ اس لیے آج بھی جو آیات الہی سے اعراض اور دین و شریعت سے غفلت کرے گا، اس کا انجام مکذبین اور منکرین رسالت سے مختلف نہیں ہو گا۔

(۳) آیات سے مراد وہ نشانیاں بھی ہو سکتی ہیں جن کا ذکر پہلے گزر چکا ہے، یا عصا اور ید بیضا والے دو بڑے واضح معجزات بھی سُلْطٰنٍ مُّبِينٍ سے مراد قوی دلیل اور حجت واضح، جس کا کوئی جواب ان کی طرف سے ممکن نہیں تھا، بجز دھٹائی اور بے شرمی کے۔

(۴) فرعون، مصر میں آباد قبضہ کا بادشاہ تھا، بڑا ظالم و جابر اور رب اعلیٰ ہونے کا دعوے دار۔ اس نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قوم بنی اسرائیل کو غلام بنارکھا تھا اور اس پر طرح طرح کی سختیاں کرتا تھا، جیسا کہ قرآن کے متعدد مقامات پر اس کی تفصیل ہے۔ ہامان، فرعون کا وزیر اور مشیر خاص تھا۔ قارون اپنے وقت کا مال دار ترین آدمی تھا، ان سب نے پہلے لوگوں کی طرح

فَلَمَّا جَاءَهُمْ بِالْحَقِّ مِنْ عِنْدِنَا قَالُوا اقْتُلُوا أَنْبَاءَ
الَّذِينَ آمَنُوا مَعَهُ وَاسْتَحْيُوا نِسَاءَهُمْ وَمَا كَيْدُ الْكَافِرِينَ
إِلَّا فِي ضَلَالٍ ۝

پس جب ان کے پاس (موسیٰ علیہ السلام) ہماری طرف
سے (دین) حق کو لے کر آئے تو انہوں نے کہا کہ اس
کے ساتھ جو ایمان والے ہیں ان کے لڑکوں کو تو مار ڈالو
اور ان کی لڑکیوں کو زندہ رکھو^(۱) اور کافروں کی جو حیلہ
سازی ہے وہ غلطی میں ہی ہے۔^(۲) (۲۵)

وَقَالَ فِرْعَوْنُ ذُرِّيَّتِي أَقْتُلْ مُوسَى وَلْيَدْعُ رَبَّهُ إِنِّي
 أَخَافُ أَنْ يُبَدِّلَ دِينَكُمْ أَوْ أَنْ يُظْهِرَ فِي
الْأَرْضِ الْفُسَادَ ۝

اور فرعون نے کہا مجھے چھوڑو کہ میں موسیٰ (علیہ السلام) کو
مار ڈالوں اور^(۳) اسے چاہیے کہ اپنے رب کو پکارے،^(۴)
مجھے تو ڈر ہے کہ یہ کہیں تمہارا دین نہ بدل ڈالے یا ملک میں
کوئی (بہت بڑا) فساد برپا نہ کر دے۔^(۵) (۲۶)

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی تکذیب کی اور انہیں جادو گر اور کذاب کہا۔ جیسے دوسرے مقام پر فرمایا گیا ﴿كَذَلِكَ مَا آتَيْنَا مِنْ قَبْلِهِمْ مِنْ نَسْوَى (الْأَنْثَىٰ مُطْمَئِنَّةً) * اتَّخَذُوا آلِهَتَهُمْ صُوتًا مِثْلَ صَوْتِنَا﴾ (سورۃ الذاریات: ۵۲-۵۳) ”اسی طرح جو لوگ ان سے پہلے گزرے ہیں، ان کے پاس جو بھی نبی آیا۔ انہوں نے کہہ دیا کہ یا تو یہ جادو گر ہے یا دیوانہ ہے۔ کیا یہ اس بات کی ایک دوسرے کو وصیت کرتے گئے ہیں؟ نہیں بلکہ یہ سب کی سب سرکش ہیں۔“

(۱) فرعون یہ کام پہلے بھی کر رہا تھا تاکہ وہ بچہ پیدا نہ ہو، جو نجومیوں کی پیش گوئی کے مطابق، اس کی بادشاہت کے لیے خطرے کا باعث تھا۔ یہ دوبارہ حکم اس نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی تذلیل و اہانت کے لیے دیا، نیز تاکہ بنی اسرائیل موسیٰ علیہ السلام کے وجود کو اپنے لیے مصیبت اور نحوست کا باعث سمجھیں، جیسا کہ فی الواقع انہوں نے کہا ﴿وَأَوْفَيْنَاهُمْ مَقِيلَ أَنْ تَأْتِيَنَا وَآؤِينَ بَعْدَ مَا جِئْتَنَا﴾ (الأعراف: ۱۱۹) ”اے موسیٰ (علیہ السلام)! تیرے آنے سے قبل بھی ہم اذیتوں سے دوچار تھے اور تیرے آنے کے بعد بھی ہمارا یہی حال ہے“

(۲) یعنی اس سے جو مقصد وہ حاصل کرنا چاہتا تھا کہ بنی اسرائیل کی قوت میں اضافہ اور اس کی عزت میں کمی نہ ہو۔ یہ اسے حاصل نہیں ہوا، بلکہ اللہ نے فرعون اور اس کی قوم کو یہی غرق کر دیا اور بنی اسرائیل کو بابرکت زمین کا وارث بنا دیا۔

(۳) یہ غالباً فرعون نے ان لوگوں سے کہا جو اسے موسیٰ علیہ السلام کو قتل کرنے سے منع کرتے تھے۔
(۴) یہ فرعون کی دیدہ دلیری کا اظہار ہے کہ میں دیکھوں گا، اس کا رب اسے کیسے بچاتا ہے، اسے پکار کر دیکھ لے۔ یا رب
ہی کا انکار ہے کہ اس کا کون سا رب ہے جو بچالے گا، کیونکہ رب تو وہ اپنے آپ کو کہتا تھا۔

(۵) یعنی غیر اللہ کی عبادت سے ہٹا کر ایک اللہ کی عبادت پر نہ لگا دے یا اس کی وجہ سے فساد نہ پیدا ہو جائے۔ مطلب یہ تھا کہ اس کی دعوت اگر میری قوم کے کچھ لوگوں نے قبول کر لی، تو وہ نہ قبول کرنے والوں سے بحث و تکرار کریں گے جس سے ان کے درمیان لڑائی جھگڑا ہو گا جو فساد کا ذریعہ بنے گا یوں دعوت توحید کو اس نے فساد کا سبب اور اہل توحید کو

موسیٰ (علیہ السلام) نے کہا میں اپنے اور تمہارے رب کی پناہ میں آتا ہوں ہر اس تکبر کرنے والے شخص (کی برائی) سے جو روز حساب پر ایمان نہیں رکھتا۔^(۱) (۲۷)

اور ایک مومن شخص نے، جو فرعون کے خاندان میں سے تھا اور اپنا ایمان چھپائے ہوئے تھا، کہا کہ کیا تم ایک شخص کو محض اس بات پر قتل کرتے ہو کہ وہ کہتا ہے میرا رب اللہ ہے اور تمہارے رب کی طرف سے دلیلیں لے کر آیا ہے،^(۲) اگر وہ جھوٹا ہو تو اس کا جھوٹ اسی پر ہے اور اگر وہ سچا ہو، تو جس (عذاب) کا وہ تم سے وعدہ کر رہا ہے اس میں سے کچھ نہ کچھ تو تم پر آ پڑے گا،^(۳) اللہ تعالیٰ اس کی رہبری نہیں کرتا جو حد سے گزر جانے والے اور جھوٹے ہوں۔^(۴) (۲۸)

وَقَالَ مُوسَىٰ إِنِّي عُذْتُ بِرَبِّي وَرَبِّكُمْ مِنْ كُلِّ مُتَكَبِّرٍ لَا يُؤْمِنُ بَيَوْمِ الْحِسَابِ ﴿٢٧﴾

وَقَالَ نَجُّلٌ مُؤْمِنٌ مِّنْ آلِ فِرْعَوْنَ يَكْتُمُ إِيمَانَهُ أَتَقْتُلُونَ رَجُلًا أَنْ يَقُولَ رَبِّيَ اللَّهُ وَقَدْ جَاءَكُمْ بِالْبَيِّنَاتِ مِنْ رَبِّكُمْ ۚ وَإِنَّ يَكُ كَاذِبًا فَعَلَيْهِ كَذِبُهُ ۖ وَإِنَّ يَكُ صَادِقًا يُصِيبْكُمْ بَعْضُ الَّذِي يَعِدُكُمْ ۚ إِنَّ اللَّهَ لَا يَهْدِي مَنْ هُوَ مُسْرِفٌ كَذَّابٌ ﴿٢٨﴾

فسادی قرار دیا۔ دراصل حالیکہ فساد ہی وہ خود تھا اور غیر اللہ کی عبادت ہی فساد کی جڑ ہے۔

(۱) حضرت موسیٰ علیہ السلام کے علم میں جب یہ بات آئی کہ فرعون مجھے قتل کرنے کا ارادہ رکھتا ہے تو انہوں نے اللہ سے اس کے شر سے بچنے کے لیے دعا مانگی۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو جب دشمن کا خوف ہوتا تو یہ دعا پڑھتے ”اللَّهُمَّ إِنَّا نَجْعَلُكَ فِي نَحْوِ رِهْمٍ وَنَعُوذُ بِكَ مِنْ شُرُورِهِمْ“ (مسند أحمد ۴/ ۳۱۵) ”اے اللہ! ہم تجھ کو ان کے مقابلے میں کرتے ہیں اور ان کی شرارتوں سے تیری پناہ طلب کرتے ہیں۔“

(۲) یعنی اللہ کی ربوبیت پر وہ ایمان یوں ہی نہیں رکھتا، بلکہ اس کے پاس اپنے اس موقف کی واضح دلیلیں ہیں۔

(۳) یہ اس نے بطور تمیز کے کہا، کہ اگر اس کے دلائل سے تم مطمئن نہیں اور اس کی صداقت اور اس کی دعوت کی صحت تم پر واضح نہیں ہوئی، تب بھی عقل و دانش اور احتیاط کا تقاضا ہے کہ اس کو اس کے حال پر چھوڑ دیا جائے، اس سے تعرض نہ کیا جائے۔ اگر وہ جھوٹا ہے تو اللہ تعالیٰ خود ہی اسے اس جھوٹ کی سزا دینا و آخرت میں دے دے گا۔ اور اگر وہ سچا ہے اور تم نے اسے ایذا میں پہنچائیں تو پھر یقیناً وہ تمہیں جن عذابوں سے ڈراتا ہے، تم پر ان میں سے کوئی عذاب آ سکتا ہے۔

(۴) اس کا مطلب ہے کہ اگر وہ جھوٹا ہوتا (جیسا کہ تم باور کراتے ہو) تو اللہ تعالیٰ اسے دلائل و معجزات سے نہ نوازتا، جب کہ اس کے پاس یہ چیزیں موجود ہیں۔ دوسرا مطلب ہے کہ اگر وہ جھوٹا ہے تو اللہ تعالیٰ خود ہی اسے ذلیل اور ہلاک کر دے گا، تمہیں اس کے خلاف کوئی اقدام کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔

اے میری قوم کے لوگو! آج تو بادشاہت تمہاری ہے کہ اس زمین پر تم غالب^(۱) ہو لیکن اگر اللہ کا عذاب ہم پر آگیا تو کون ہماری مدد کرے گا؟^(۲) فرعون بولا، میں تو تمہیں وہی رائے دے رہا ہوں جو خود دیکھ رہا ہوں اور میں تو تمہیں بھلائی کی راہ ہی بتلا رہا ہوں۔^(۳) (۲۹)

اس مومن نے کہا اے میری قوم! (کے لوگو) مجھے تو اندیشہ ہے کہ تم پر بھی ویسا ہی روز (بد عذاب) نہ آئے جو اور امتوں پر آیا۔ (۳۰)

جیسے امت نوح اور عاد و ثمود اور ان کے بعد والوں کا (حال ہو)؛^(۴) اللہ اپنے بندوں پر کسی طرح کا ظلم کرنا نہیں چاہتا۔^(۵) (۳۱)

اور مجھے تم پر ہانک پکار کے دن کا بھی ڈر ہے۔^(۶) (۳۲)

يَقَوْمِ لَكُمْ الْمُنْكَ الْيَوْمَ ظَهَرْتُمْ فِي الْأَرْضِ فَمَنْ يَنْصُرُنَا مِنْ بَأْسِ اللَّهِ إِنْ جَاءَنَا قَالَ فِرْعَوْنُ مَا أُرِيكُمْ إِلَّا مَا أَرَىٰ وَمَا أَهْدِيكُمْ إِلَّا سَبِيلَ الرَّسَادِ ۝

وَقَالَ الَّذِي آمَنَ يَقَوْمِ إِنِّي أَخَافُ عَلَيْكُمْ مِثْلَ يَوْمِ الْأَحْزَابِ ۝

مِثْلَ ذَابِ قَوْمِ نُوحٍ وَعَادٍ وَثَمُودَ وَالَّذِينَ مِنْ بَعْدِهِمْ وَمَا اللَّهُ يُرِيدُ ظَلْمًا لِلْعَالَمِينَ ۝

وَيَقَوْمِ إِنِّي أَخَافُ عَلَيْكُمْ يَوْمَ التَّنَادِ ۝

(۱) یعنی یہ اللہ کا تم پر احسان ہے کہ تمہیں زمین پر غلبہ عطا فرمایا اس کا شکر ادا کرو! اور اس کے رسول کی تکذیب کر کے اللہ کی ناراضی مول نہ لو۔

(۲) یہ فوجی اور لشکر تمہارے کچھ کام نہ آئیں گے، نہ اللہ کے عذاب ہی کو ٹال سکیں گے اگر وہ آگیا۔ یہاں تک اس مومن کا کلام تھا جو ایمان چھپائے ہوئے تھا۔

(۳) فرعون نے اپنے دنیوی جاہ و جلال کی بنیاد پر جھوٹ بولا اور کہا کہ میں جو کچھ دیکھ رہا ہوں، وہی تمہیں بتلا رہا ہوں اور میری بتلائی ہوئی راہ ہی صحیح ہے۔ حالانکہ ایسا نہیں تھا۔ ﴿وَمَا آمُرُهُمْ فِعْ إِلَيْهِمْ إِلَّا مَا يَشَاءُونَ﴾ (ہود: ۶۷)

(۴) یہ اس مومن آدمی نے دوبارہ اپنی قوم کو ڈرایا کہ اگر اللہ کے رسول کی تکذیب پر ہم اڑے رہے، تو خطرہ ہے کہ گزشتہ قوموں کی طرح عذاب الہی کی گرفت میں آجائیں گے۔

(۵) یعنی اللہ نے جن کو بھی ہلاک کیا، ان کے گناہوں کی پاداش میں اور رسولوں کی تکذیب و مخالفت کی وجہ سے ہی ہلاک کیا، ورنہ وہ شفیق و رحیم رب اپنے بندوں پر ظلم کرنے کا ارادہ ہی نہیں کرتا۔ گویا قوموں کی ہلاکت، یہ ان پر اللہ کا ظلم نہیں ہے بلکہ قانون مکافات کا ایک لازمی نتیجہ ہے جس سے کوئی قوم اور فرد مستثنیٰ نہیں۔

از مکافات عمل غافل مشو - گندم از گندم بروید جو از جو

(۶) تناد یعنی کے معنی ہیں۔ ایک دوسرے کو پکارنا، قیامت کو «يَوْمَ التَّنَادِ» اس لیے کہا گیا ہے کہ اس دن ایک دوسرے کو

جس دن تم پیٹھ پھیر کر لوٹو گے،^(۱) تمہیں اللہ سے بچانے والا کوئی نہ ہو گا اور جسے اللہ گمراہ کر دے اس کا ہادی کوئی نہیں۔^(۲) (۳۳)

اور اس سے پہلے تمہارے پاس (حضرت) یوسف دلیلیں لے کر آئے،^(۳) پھر بھی تم ان کی لائی ہوئی (دلیل) میں شک و شبہ ہی کرتے رہے^(۴) یہاں تک کہ جب ان کی وفات^(۵) ہو گئی تو کہنے لگے ان کے بعد تو اللہ کسی رسول کو بھیجے گا ہی نہیں،^(۶) اسی طرح اللہ گمراہ کرتا ہے ہر اس شخص کو جو حد سے بڑھ جانے والا شک و شبہ کرنے والا ہو۔^(۷) (۳۴)

يَوْمَ تَوُثُّونَ مُذَبِّحِينَ مَا لَكُمْ مِنَ اللَّهِ مِنْ عَاصِمٍ وَمَنْ يُضْلِلِ اللَّهُ فَمَا لَهُ مِنْ هَادٍ ۝

وَلَقَدْ جَاءَكُمْ يُوسُفُ مِنْ قَبْلُ بِالْبَيِّنَاتِ فَمَا زِلْتُمْ فِي شَكٍّ مِمَّا جَاءَكُمْ بِهِ حَتَّىٰ إِذَا هَلَكَ قُلْتُمْ لَنْ يَبْعَثَ اللَّهُ مِنْ بَعْدِهِ رَسُولًا كَذَلِكَ يُضِلُّ اللَّهُ مَنْ هُوَ مُسْرِئٌ مُرْتَابٍ ۝

پکاریں گے۔ اہل جنت اہل نار کو اور اہل نار اہل جنت کو ندائیں دیں گے۔ (الأعراف ۴۸-۴۹) بعض کہتے ہیں کہ میزان کے پاس ایک فرشتہ ہو گا، جس کی نیکیوں کا پلڑا ہلکا ہو گا، اس کی بد بختی کا یہ فرشتہ چیخ کر اعلان کرے گا، بعض کہتے ہیں کہ عملوں کے مطابق لوگوں کو پکارا جائے گا جیسے اہل جنت کو اے جنتیو! اور اہل جہنم کو اے جہنمیو! امام ابن کثیر فرماتے ہیں کہ امام بغوی کا یہ قول بہت اچھا ہے کہ ان تمام باتوں ہی کی وجہ سے یہ نام رکھا گیا ہے۔

(۱) یعنی موقف (میدان محشر) سے جہنم کی طرف جاؤ گے، یا حساب کے بعد وہاں سے بھاگو گے۔

(۲) جو اسے ہدایت کا راستہ بتا سکے یعنی اس پر چلا سکے۔

(۳) یعنی اے اہل مصر! حضرت موسیٰ علیہ السلام سے قبل تمہارے اسی علاقے میں، جس میں تم آباد ہو، حضرت یوسف علیہ السلام بھی دلائل و براہین کے ساتھ آئے تھے۔ جس میں تمہارے آباؤ اجداد کو ایمان کی دعوت دی گئی تھی یعنی جَاءَكُمْ سے مراد جَاءَ إِلَىٰ آبَائِكُمْ ہے یعنی تمہارے آباؤ اجداد کے پاس آئے۔

(۴) لیکن تم ان پر بھی ایمان نہیں لائے اور ان کی دعوت میں شک و شبہ ہی کرتے رہے۔

(۵) یعنی یوسف علیہ السلام پیغمبر کی وفات ہو گئی۔

(۶) یعنی تمہارا شیوہ چونکہ ہر پیغمبر کی تکذیب اور مخالفت ہی رہا ہے، اس لیے سمجھتے تھے کہ اب کوئی رسول ہی نہیں آئے گا، یا یہ مطلب ہے کہ رسول کا آنا یا نہ آنا، تمہارے لیے برابر ہے یا یہ مطلوب ہے کہ اب ایسا با عظمت انسان کہاں پیدا ہو سکتا ہے جو رسالت سے سرفراز ہو۔ گویا بعد از مرگ حضرت یوسف علیہ السلام کی عظمت کا اعتراف تھا۔ اور بہت سے لوگ ہر اہم ترین انسان کی وفات کے بعد یہی کہتے ہیں۔

(۷) یعنی اس واضح گمراہی کی طرح، جس میں تم مبتلا ہو، اللہ تعالیٰ ہر اس شخص کو بھی گمراہ کرتا ہے جو نہایت کثرت سے

جو بغیر کسی سند کے جو ان کے پاس آئی ہو اللہ کی آیتوں میں جھگڑتے ہیں،^(۱) اللہ کے نزدیک اور مومنوں کے نزدیک یہ تو بہت بڑی ناراضگی کی چیز ہے،^(۲) اللہ تعالیٰ اسی طرح ہر ایک مغرور سرکش کے دل پر مکر کر دیتا ہے۔^(۳) (۳۵)
 فرعون نے کہا اے ہامان! میرے لیے ایک بالاخانہ^(۴) بنا شاید کہ میں آسمان کے جو دروازے ہیں۔^(۵) (۳۶)
 (ان) دروازوں تک پہنچ جاؤں اور موسیٰ کے معبود کو جھانک لوں^(۶) اور بیشک میں سمجھتا ہوں وہ جھوٹا ہے^(۷)
 اور اسی طرح فرعون کی بدکرداریاں اسے بھلی دکھائی گئیں^(۸) اور راہ سے روک دیا گیا^(۹) اور فرعون کی (ہر) حیلہ سازی تباہی میں ہی رہی۔^(۱۰) (۳۷)

لَا تَدِينُ مَجَادِلُونَ فِي آيَاتِ اللَّهِ بَيْنَ سُلْطَانِ أَمْهُمْ كَذَبْتَ
 عِنْدَ اللَّهِ وَعِنْدَ الَّذِينَ آمَنُوا كَذَلِكَ يَطْبَعُ اللَّهُ عَلَى قُلُوبِ
 قَلِيلٍ مُتَكِبِينَ ﴿٣٥﴾
 وَقَالَ فِرْعَوْنُ يَا هَامَانُ ابْنِ لِي صَرْحًا لَعَلَّيْ أَبْلُغُ الْمُبَارَبَ ﴿٣٦﴾
 أَسْبَابَ السُّلُوبِ فَأَطَعَهُ إِلَى الْوُطُوسِ مَا لِي لَكَ كُفْلُهُ كَاذِبًا
 وَكَذَلِكَ يُزَيِّنُ لِفِرْعَوْنَ سُوءَ عَمَلِهِ وَصَدَّ عَنِ الْبَيْتِ وَمَا
 كُنْ فِرْعَوْنُ إِلَّا فِي تَبَابٍ ﴿٣٧﴾

- گناہوں کا ارتکاب کرتا اور اللہ کے دین، اس کی وحدانیت اور اس کے وعدوں وعیدوں میں شک کرتا ہے۔
 (۱) یعنی اللہ کی طرف سے اتاری ہوئی کوئی دلیل ان کے پاس نہیں ہے، اس کے باوجود اللہ کی توحید اور اس کے احکام میں جھگڑتے ہیں، جیسا کہ ہر دور کے اہل باطل کا وطیرہ رہا ہے۔
 (۲) یعنی ان کی اس حرکت شیعہ سے اللہ تعالیٰ ہی ناراض نہیں ہوتا، اہل ایمان بھی اس کو سخت ناپسند کرتے ہیں۔
 (۳) یعنی جس طرح ان مجادلین کے دلوں پر مرگ دے گئی ہے، اسی طرح ہر اس شخص کے دل پر مرگ دے جاتی ہے، جو اللہ کی آیتوں کے مقابلے میں تکبر اور سرکشی کا اظہار کرتا ہے، جس کے بعد معروف، ان کو معروف اور منکر، منکر نظر نہیں آتا بلکہ بعض دفعہ منکر، ان کے ہاں معروف اور معروف، منکر قرار پاتا ہے۔
 (۴) یہ فرعون کی سرکشی اور تمرد کا بیان ہے کہ اس نے اپنے وزیر ہامان کو ایک بلند عمارت بنانے کا حکم دیا تاکہ اس کے ذریعے سے وہ آسمان کے دروازوں تک پہنچ جائے۔ اسباب کے معنی دروازے، یا راستے کے ہیں۔ مزید دیکھیے القصص، آیت-۲۸
 (۵) یعنی دیکھو کہ آسمانوں پر کیا واقعی کوئی الہ ہے؟
 (۶) اس بات میں کہ آسمان پر اللہ ہے جو آسمان وزمین کا خالق اور ان کا مدبر ہے۔ یا اس بات میں کہ وہ اللہ کا بھیجا ہوا رسول ہے۔
 (۷) یعنی شیطان نے اس طرح اسے گمراہ کیے رکھا اور اس کے برے عمل اسے اچھے نظر آتے رہے۔
 (۸) یعنی حق اور صواب (درست) راستے سے اسے روک دیا گیا اور وہ گمراہیوں کی بھول بھلیوں میں بھٹکتا رہا۔
 (۹) تَبَابٌ - خسارہ، ہلاکت۔ یعنی فرعون نے جو تدبیر اختیار کی، اس کا نتیجہ اس کے حق میں برا ہی نکلا۔ اور بالآخر اپنے لشکر سمیت پانی میں ڈبو دیا گیا۔

اور اس مومن شخص نے کہا کہ اے میری قوم! (کے لوگو) تم (سب) میری پیروی کرو میں نیک راہ کی طرف تمہاری رہبری کروں گا۔^(۱) (۳۸)

اے میری قوم! یہ حیات دنیا متاع فانی ہے،^(۲) یقین مانو کہ (قرار) اور ہمیشگی کا گھر تو آخرت ہی ہے۔^(۳) (۳۹)
جس نے گناہ کیا ہے اسے تو برابر برابر کا بدلہ ہی ہے^(۴) اور جس نے نیکی کی ہے خواہ وہ مرد ہو یا عورت اور وہ ایمان والا ہو تو یہ لوگ^(۵) جنت میں جائیں گے اور وہاں بے شمار روزی پائیں گے۔^(۶) (۴۰)

اے میری قوم! یہ کیا بات ہے کہ میں تمہیں نجات کی طرف بلا رہا ہوں^(۷) اور تم مجھے دوزخ کی طرف بلا رہے ہو۔^(۸) (۴۱)

وَقَالَ الَّذِي آمَنَ يٰقَوْمِ اتَّبِعُوا النّٰبِيَّ اَھْدٰكُمْ سَبِيْلَ الرّٰشِقِ ۝

يَقَوْمِ اتَّبِعُوا النّٰبِيَّ الَّذِي اَمَّا مَتَاعُ الدّٰنِ الْاٰخِرَةِ هِيَ دَارُ الْقَرَارِ ۝

مَنْ عَمِلَ سَيِّئَةً فَلَا يُجْزٰى اِلَّا مِثْلَهَا وَمَنْ عَمِلَ صَالِحًا مِّنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى وَهُوَ مُؤْمِنٌ قَدْ وُفِّقَ لَكَ

يَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ يُرَرَّرُوْنَ فِيْهَا يُحِبُّوْنَ حَسَابٍ ۝

وَيَقَوْمِ مَا لِيْ اَدْعُوْكُمْ اِلَى الْعَجْوَةِ وَتَدْعُوْنِيْ اِلَى النَّارِ ۝

(۱) فرعون کی قوم میں سے ایمان لانے والا پھر بولا۔ اور کہا کہ دعویٰ تو فرعون بھی کرتا ہے کہ میں تمہیں سیدھے راستے پر چلا رہا ہوں، لیکن حقیقت یہ ہے کہ فرعون بھٹکا ہوا ہے، میں جس راستے کی نشاندہی کر رہا ہوں، وہ سیدھا راستہ ہے اور وہ وہی راستہ ہے، جس کی طرف تمہیں حضرت موسیٰ علیہ السلام دعوت دے رہے ہیں۔

(۲) جس کی زندگی چند روزہ ہے۔ اور وہ بھی آخرت کے مقابلے میں صبح یا شام کی ایک گھڑی کے برابر۔

(۳) جس کو زوال اور فنا نہیں، نہ وہاں سے انتقال اور کوچ ہو گا۔ کوئی جنت میں جائے یا جہنم میں، دونوں کی زندگیاں ابدی ہوں گی۔ ایک راحت اور آرام کی زندگی۔ دوسری شقاوت اور عذاب کی زندگی۔ موت اہل جنت کو آئے گی نہ اہل جہنم کو۔

(۴) یعنی برائی کی مثل ہی جزا ہوگی، زیادہ نہیں۔ اور اس کے مطابق ہی عذاب ہو گا۔ جو عدل و انصاف کا آئینہ دار ہو گا۔

(۵) یعنی وہ جو ایمان دار بھی ہوں گے اور اعمال صالحہ کے پابند بھی۔ اس کا صاف مطلب یہ ہے کہ اعمال صالحہ کے بغیر محض ایمان یا ایمان کے بغیر اعمال صالحہ کی حیثیت اللہ کے ہاں کچھ نہیں ہوگی، عند اللہ کامیابی کے لیے ایمان کے ساتھ عمل صالح اور عمل صالح کے ساتھ ایمان ضروری ہے۔

(۶) یعنی بغیر اندازے اور حساب کے نعمتیں ملیں گی اور ان کے ختم ہونے کا بھی کوئی اندیشہ نہیں ہو گا۔

(۷) اور وہ یہ کہ صرف ایک اللہ کی عبادت کرو جس کا کوئی شریک نہیں ہے اور اس کے اس رسول کی تصدیق کرو، جو اس نے تمہاری ہدایت اور رہنمائی کے لیے بھیجا ہے۔

(۸) یعنی توحید کے بجائے شرک کی دعوت دے رہے ہو جو انسان کو جہنم میں لے جانے والا ہے، جیسا کہ اگلی آیت میں

تَدْعُونِي لَأَكْفُرَ بِاللَّهِ وَأَشْرِكَ بِهِ مَا لَيْسَ بِهِ عِلْمٌ
وَأَنَا أَدْعُوكُمُ إِلَى الْعَزِيزِ الْعَلِيمِ ﴿٥﴾

لَا جَرَمَ لَكُمْ أَنْ تَدْعُونِي إِلَيْهِ لَيْسَ لَهُ دَعْوَةٌ فِي الدُّنْيَا
وَلَا فِي الْآخِرَةِ وَأَنْ مَرْكَبًا إِلَى اللَّهِ وَأَكَّ الْمُسْرِفِينَ
هُمُ أَصْحَابُ النَّارِ ﴿٦﴾

تم مجھے یہ دعوت دے رہے ہو کہ میں اللہ کے ساتھ کفر کروں اور اس کے ساتھ شرک کروں جس کا کوئی علم مجھے نہیں اور میں تمہیں غالب بخشے والے (معبود) کی طرف دعوت دے رہا ہوں۔^(۱) (۴۲)

یہ یقینی امر ہے^(۲) کہ تم مجھے جس کی طرف بلا رہے ہو وہ تو نہ دنیا میں پکارے جانے کے قابل ہے^(۳) نہ آخرت میں^(۴) اور یہ (بھی یقینی بات ہے) کہ ہم سب کا لوٹنا اللہ کی طرف ہے^(۵) اور حد سے گزر جانے والے ہی (یقیناً) اہل دوزخ ہیں۔^(۶) (۴۳)

وضاحت ہے۔

(۱) عَزِيزٌ (غالب) جو کافروں سے انتقام لینے اور ان کو عذاب دینے پر قادر ہے۔ غَفَّارٌ اپنے ماننے والوں کی غلطیوں کو تائبیوں کو معاف کر دینے والا اور ان کی پردہ پوشی کرنے والا۔ جب کہ تم جن کی عبادت کرنے کی طرف مجھے بلا رہے ہو، وہ بالکل حقیر اور کم تر چیزیں ہیں، نہ وہ سن سکتی ہیں نہ جواب دے سکتی ہیں، کسی کو نفع پہنچانے پر قادر ہیں نہ نقصان پہنچانے پر۔

(۲) لَا جَرَمَ یہ بات یقینی ہے، یا اس میں جھوٹ نہیں ہے۔

(۳) یعنی وہ کسی کی پکار سننے کی استعداد ہی نہیں رکھتے کہ کسی کو نفع پہنچا سکیں یا الوہیت کا استحقاق انہیں حاصل ہو۔ اس کا تقریباً وہی مفہوم ہے جو اس آیت اور اس جیسی دیگر متعدد آیات میں بیان کیا گیا ہے، ﴿وَمَنْ أَضَلُّ مِمَّن يَدْعُوا مِنْ دُونِ اللَّهِ مَنْ لَا يَسْتَجِيبُ لَهُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَيَوْمَ الْبَعْثِ عَنْ دُعَائِهِمْ غَفُلُونَ﴾ (الأحقاف: ۵) ﴿إِنْ تَدْعُوهُمْ لَا يَسْمَعُوا دُعَاءَكُمْ وَلَوْ سَمِعُوا مَا اسْتَجَابُوا لَكُمْ﴾ (طہ: ۱۳) "اگر تم انہیں پکارو تو وہ تمہاری پکار سننے ہی نہیں اور اگر بالفرض سن بھی لیں تو قبول نہیں کر سکتے۔"

(۴) یعنی آخرت میں ہی وہ پکار سن کر کسی کو عذاب سے چھڑانے پر یا شفاعت ہی کرنے پر قادر ہوں؟ یہ بھی ممکن نہیں ہے۔ ایسی چیزیں بھلا اس لائق ہو سکتی ہیں کہ وہ معبودین اور ان کی عبادت کی جائے؟

(۵) جہاں ہر ایک کا حساب ہو گا اور عمل کے مطابق اچھی یا بری جزا دی جائے گی۔

(۶) یعنی کافروں، مشرک، جو اللہ کی نافرمانی میں ہر حد سے تجاوز کر جاتے ہیں، اس طرح جو بہت زیادہ گناہ گار مسلمان ہوں گے، جن کی نافرمانیاں "اسراف" کی حد تک پہنچی ہوئی ہوں گی، انہیں بھی کچھ عرصہ جہنم کی سزا بھگتنی ہوگی۔ تاہم بعد میں شفاعت رسول ﷺ یا اللہ کی مشیت سے ان کو جہنم سے نکال کر جنت میں داخل کر دیا جائے گا۔

پس آگے چل کر تم میری باتوں کو یاد کرو گے^(۱) میں اپنا معاملہ اللہ کے سپرد کرتا ہوں،^(۲) یقیناً اللہ تعالیٰ بندوں کا نگران ہے۔^(۳) (۴۴)

پس اسے اللہ تعالیٰ نے تمام بدیوں سے محفوظ رکھ لیا جو انہوں نے سوچ رکھی تھیں^(۴) اور فرعون والوں پر بری طرح کا عذاب الٹ پڑا۔^(۵) (۴۵)

آگ ہے جس کے سامنے یہ ہر صبح شام لائے جاتے ہیں^(۶) اور جس دن قیامت قائم ہوگی (فرمان ہو گا کہ) فرعونیوں کو سخت ترین عذاب میں ڈالو۔^(۷) (۴۶)

مَتَذَكَّرُونَ مَا أَقُولُ لَكُمْ وَأَوْحَىٰ إِلَيَّ اللَّهُ إِنَّ اللَّهَ بَصِيرٌ بِالْعِبَادِ ﴿۴۴﴾

قَوْلَهُ اللَّهُ سَيِّئَاتٍ مَا مَكَرُوا وَاحَقَّ بِاللَّهِ فِرْعَوْنُ سُوءَ الْعَذَابِ ﴿۴۵﴾

الْكَافِرُونَ عَلَيْهِمْ عَذَابٌ أَوْعَشَاءُ وَيَوْمَ تَقُومُ السَّاعَةُ أَدْخِلُوا آلَ فِرْعَوْنَ أَشَدَّ الْعَذَابِ ﴿۴۶﴾

(۱) عنقریب وہ وقت آئے گا جب میری باتوں کی صداقت، اور جن باتوں سے روکتا تھا، ان کی شاعت تم پر واضح ہو جائے گی، پھر تم ندامت کا اظہار کرو گے، مگر وہ وقت ایسا ہو گا کہ ندامت بھی کوئی فائدہ نہیں دے گی۔

(۲) یعنی اسی پر بھروسہ کرتا اور اسی سے ہر وقت استعانت کرتا ہوں اور تم سے بیزاری اور قطع تعلق کا اعلان کرتا ہوں۔ (۳) وہ انہیں دیکھ رہا ہے۔ پس وہ مستحق ہدایت کو ہدایت سے نوازتا اور ضلالت کا استحقاق رکھنے والے کو ضلالت سے ہمکنار کرتا ہے۔ ان امور میں جو حکمتیں ہیں، ان کو وہی خوب جانتا ہے۔

(۴) یعنی اس کی قوم قبط نے اس مومن کے اظہار حق کی وجہ سے اس کے خلاف جو تدبیریں اور سازشیں سوچ رکھی تھیں، ان سب کو ناکام بنادیا اور اسے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ نجات دے دی۔ اور آخرت میں اس کا گھر جنت ہو گا۔

(۵) یعنی دنیا میں انہیں سندر میں غرق کر دیا گیا اور آخرت میں ان کے لیے جہنم کا سخت ترین عذاب ہے۔

(۶) اس آگ پر برزخ میں یعنی قبروں میں وہ لوگ روزانہ صبح و شام پیش کیے جاتے ہیں، جس سے عذاب قبر کا ثبات ہوتا ہے۔ جس کا بعض لوگ انکار کرتے ہیں۔ احادیث میں تو بڑی وضاحت سے عذاب قبر پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ مثلاً حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا

کے سوال کے جواب میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا نَعَمْ عَذَابُ الْقَبْرِ حَقٌّ (صحیح بخاری، کتاب الجنائز، باب ماجاء فی عذاب القبر، ہاں! قبر کا عذاب حق ہے)۔ اسی طرح ایک اور حدیث میں فرمایا گیا ”جب تم میں سے کوئی مرتا ہے تو (قبر میں) اس پر صبح و شام اس کی جگہ پیش کی جاتی ہے یعنی اگر وہ جنتی ہے تو جنت اور جہنمی ہے تو جہنم اس کے سامنے پیش کی جاتی ہے اور کہا جاتا ہے کہ یہ تیری اصل جگہ ہے، جہاں قیامت والے دن اللہ تعالیٰ تجھے بھیجے گا۔“ (صحیح بخاری،

باب المیت یعرض علیہ مقعده بالغداة والعشی۔ مسلم، کتاب الجنۃ، باب عرض مقعد المیت) اس کا مطلب ہے کہ مکرر عذاب قبر قرآن و حدیث دونوں کی صراحتوں کو تسلیم نہیں کرتے۔

(۷) اس سے بالکل واضح ہے کہ عرض علی النار کا معاملہ، جو صبح و شام ہوتا ہے، قیامت سے پہلے کا ہے اور قیامت سے پہلے

وَرَادُّ يَتَحَكَّمُونَ فِي النَّارِ فَيَقُولُ الصَّغْفَرُ لِلَّذِينَ اسْتَكْبَرُوا إِنَّا كُنَّا لَكُمْ تَبَعًا فَمَا هِيَ أَنْتُمْ مُعْتَدُونَ عَنَّا نَصِيبًا مِّنَ النَّارِ ۝

قَالَ الَّذِينَ اسْتَكْبَرُوا إِنَّا كُلٌّ فِيهَا إِنَّ اللَّهَ قَدْ حَكَّمَ بَيْنَ الْعَمَلِ ۝

وَقَالَ الَّذِينَ فِي النَّارِ لِخَزَنَتِهِمْ اادْعُوا رَبَّكُمْ يُخَفِّفْ عَنَّا يَوْمًا مِّنَ الْعَذَابِ ۝

قَالُوا أَوَلَمْ تَكُنْ تَدْعُهُمْ رَسُولُكُمْ يَزِيلُ عَنَّا ظِلًّا قَالُوا بَلَىٰ قَالُوا فَادْعُوا وَمَا دَعَاؤُا الْكَافِرِينَ إِلَّا فِي ضَلَالٍ ۝

اور جب کہ دوزخ میں ایک دوسرے سے جھگڑیں گے تو کمزور لوگ تکبر والوں سے (جن کے یہ تابع تھے) کہیں گے کہ ہم تو تمہارے پیرو تھے تو کیا اب تم ہم سے اس آگ کا کوئی حصہ ہٹا سکتے ہو؟ (۳۷)

وہ بڑے لوگ جواب دیں گے ہم تو سبھی اس آگ میں ہیں، اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے درمیان فیصلے کر چکا ہے۔ (۳۸)

اور (تمام) جنسی مل کر جنم کے داروغوں سے کہیں گے کہ تم ہی اپنے پروردگار سے دعا کرو کہ وہ کسی دن تو ہمارے عذاب میں کمی کر دے۔ (۳۹)

وہ جواب دیں گے کہ کیا تمہارے پاس تمہارے رسول معجزے لے کر نہیں آئے تھے؟ وہ کہیں گے کیوں نہیں، وہ کہیں گے کہ پھر تم ہی دعا کرو^(۱) اور کافروں کی دعا محض بے اثر اور بے راہ ہے۔^(۲) (۵۰)

برزخ اور قبر ہی کی زندگی ہے۔ قیامت والے دن ان کو قبر سے نکال کر سخت ترین عذاب یعنی جنم میں ڈال دیا جائے گا۔ آل فرعون سے مراد فرعون، اس کی قوم اور اس کے سارے پیروکار ہیں۔ یہ کہنا کہ ہمیں تو قبر میں مردہ آرام سے بڑا نظر آتا ہے، اسے اگر عذاب ہو تو اس طرح نظر نہ آئے۔ لغو ہے کیونکہ عذاب کے لیے یہ ضروری نہیں کہ ہمیں نظر بھی آئے۔ اللہ تعالیٰ ہر طرح عذاب دینے پر قادر ہے۔ کیا ہم دیکھتے نہیں ہیں کہ خواب میں ایک شخص نہایت المناک مناظر دیکھ کر سخت کرب و اذیت محسوس کرتا ہے۔ لیکن دیکھنے والوں کو ذرا محسوس نہیں ہوتا کہ یہ خوابیدہ شخص شدید تکلیف سے دوچار ہے۔ اس کے باوجود عذاب قبر کا ناکار، محض ہٹ دھرمی اور بے جا تحکم ہے۔ بلکہ بیداری میں بھی انسان کو جو تکالیف ہوتی ہیں وہ خود ظاہر نہیں ہوتیں بلکہ صرف انسان کا ترپنا اور تلملانا ظاہر ہوتا ہے۔ اور وہ بھی اس صورت میں جبکہ وہ تڑپے اور تلملے۔

(۱) ہم ایسے لوگوں کے حق میں اللہ سے کیوں کر کچھ کہہ سکتے ہیں جن کے پاس اللہ کے پیغمبر دلائل و معجزات لے کر آئے لیکن انہوں نے پروا نہیں کی؟

(۲) یعنی بالآخر وہ خود ہی اللہ سے فریاد کریں گے لیکن اس فریاد کی وہاں شنوائی نہیں ہوگی۔ اس لیے کہ دنیا میں ان پر حجت تمام کی جا چکی تھی۔ اب آخرت تو، ایمان، توبہ اور عمل کی جگہ نہیں، وہ تو دارالجزا ہے، دنیا میں جو کچھ کیا ہوگا، اس کا نتیجہ وہاں بھگتنا ہوگا۔

یقیناً ہم اپنے رسولوں کی اور ایمان والوں کی مدد زندگانی دنیا میں بھی کریں گے^(۱) اور اس دن بھی جب گواہی دینے والے کھڑے ہوں گے۔ (۵۱)

جس دن ظالموں کو ان کی (عذر) معذرت کچھ نفع نہ دے گی ان کے لیے لعنت ہی ہوگی اور ان کے لیے برا گھر ہو گا۔^(۲) (۵۲)

ہم نے موسیٰ (علیہ السلام) کو ہدایت نامہ عطا فرمایا^(۳) اور

إِنَّا لَنَنْصُرُ رُسُلَنَا وَالَّذِينَ آمَنُوا فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا
وَيَوْمَ يَقُومُ الْأَشْهَادُ ﴿۵۱﴾

يَوْمَ لَا يَنْفَعُ الظَّالِمِينَ مَعَذَرَتُهُمْ وَلَهُمُ اللَّعْنَةُ
وَلَهُمْ سُوءُ الدَّارِ ﴿۵۲﴾

وَلَقَدْ آتَيْنَا مُوسَى الْهُدَى وَأَوْرَثْنَا بَنِي إِسْرَءِيلَ

(۱) یعنی ان کے دشمن کو ذلیل اور ان کو غالب کریں گے۔ بعض لوگوں کے ذہنوں میں یہ اشکال پیدا ہو سکتا ہے کہ بعض نبی قتل کر دیئے گئے، جیسے حضرت یحییٰ و زکریا علیہما السلام وغیرہما اور بعض ہجرت پر مجبور ہو گئے، جیسے ابراہیم علیہ السلام اور ہمارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین، وعدہ امداد کے باوجود ایسا کیوں ہوا؟ دراصل یہ وعدہ غالب حالات اور اکثریت کے اعتبار سے ہے، اس لیے بعض حالتوں میں اور بعض اشخاص پر کافروں کا غلبہ اس کے منافی نہیں۔ یا مطلب یہ ہے کہ عارضی طور پر بعض دفعہ اللہ کی حکمت و مشیت کے تحت کافروں کو غلبہ عطا فرمادیا جاتا ہے۔ لیکن بالاخر اہل ایمان ہی غالب اور سرخ رو ہوتے ہیں۔ جیسے حضرت یحییٰ و زکریا علیہما السلام کے قاتلین پر بعد میں اللہ تعالیٰ نے ان کے دشمنوں کو مسلط فرمادیا، جنہوں نے ان کے خون سے اپنی پیاس بجھائی اور انہیں ذلیل و خوار کیا، جن یہودیوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو سولی دے کر مارنا چاہا، اللہ نے ان یہودیوں پر رومیوں کو ایسا غلبہ دیا کہ انہوں نے یہودیوں کو خوب ذلت کا عذاب چکھایا۔ پیغمبر اسلام ﷺ اور ان کے رفقاء یقیناً ہجرت پر مجبور ہوئے لیکن اس کے بعد جنگ بدر، احد، احزاب، غزوہ خیبر اور پھر فتح مکہ کے ذریعے سے اللہ تعالیٰ نے جس طرح مسلمانوں کی مدد فرمائی اور اپنے پیغمبر اور اہل ایمان کو جس طرح غلبہ عطا فرمایا، اس کے بعد اللہ کی مدد کرنے میں کیا شبہ رہ جاتا ہے؟ (ابن کثیر)

(۲) أَشْهَادٌ، شَہِیدٌ (گواہ) کی جمع ہے۔ جیسے شریف کی جمع اشراف ہے۔ قیامت والے دن فرشتے اور انبیاء علیہم السلام گواہی دیں گے۔ یا فرشتے اس بات کی گواہی دیں گے کہ یا اللہ پیغمبروں نے تیرا پیغام پہنچا دیا تھا لیکن ان کی امتوں نے ان کی تکذیب کی۔ علاوہ ازیں امت محمدیہ اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بھی گواہی دیں گے۔ جیسا کہ پہلے بھی بیان ہو چکا ہے۔ اس لیے قیامت کو گواہوں کے کھڑا ہونے کا دن کہا گیا ہے۔ اس دن اہل ایمان کی مدد کرنے کا مطلب ہے ان کو ان کے اچھے اعمال کی جزا دی جائے گی اور انہیں جنت میں داخل کیا جائے گا۔

(۳) یعنی اللہ کی رحمت سے دوری اور پھٹکار۔ اور معذرت کا فائدہ اس لیے نہیں ہو گا کہ وہ معذرت کی جگہ نہیں، اس لیے یہ معذرت، معذرت باطلہ ہوگی۔

(۴) یعنی نبوت اور تورات عطا کی۔ جیسے فرمایا: ﴿إِنَّا أَنْزَلْنَا التَّوْرَةَ فِيهَا هُدًى وَنُورٌ﴾ (المائدة: ۴۴)

الْكِتَابِ ۝

هُدًى وَذِكْرَىٰ لِأُولَى الْأَلْبَابِ ۝

فَأَمِيرٌ إِنْ وَعَدَ اللَّهُ حَقًّا وَاسْتَعْفُو لَذُنُوبِكَ وَسَيِّئَةٍ
بِحَمْدِ رَبِّكَ يَا عِشِّي وَالْإِبْرَارِ ۝

إِنَّ الَّذِينَ يَجَادِلُونَ فِي آيَاتِ اللَّهِ بِعَيْرِ سُلْطَانٍ
أَتَاهُمْ إِنْ فِي صُدُورِهِمْ إِلَّا كِبْرٌ مَّا هُمْ بِالْعِزَّةِ
فَاسْتَعِذْ بِاللَّهِ إِنَّهُ هُوَ السَّمِيعُ الْبَصِيرُ ۝

لَخَلْقِ السَّمُوتِ وَالْأَرْضِ أَكْبَرُ مِنْ خَلْقِ النَّاسِ
وَلَكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُونَ ۝

بنو اسرائیل کو اس کتاب کا وارث بنایا۔ (۵۳)

کہ وہ ہدایت و نصیحت تھی عقل مندوں کے لیے۔ (۵۴)

پس اے نبی! تو صبر کر اللہ کا وعدہ بلا شک (و شبہ) سچا ہی
ہے تو اپنے گناہ کی (۳) معافی مانگتا رہ اور صبح شام (۴) اپنے
پروردگار کی تسبیح اور حمد بیان کرتا رہ۔ (۵۵)

جو لوگ باوجود اپنے پاس کسی سند کے نہ ہونے کے
آیات الہی میں جھگڑا کرتے ہیں ان کے دلوں میں بجز نری
بڑائی کے اور کچھ نہیں وہ اس تک پہنچنے والے ہی
نہیں، (۵) سو تو اللہ کی پناہ مانگتا رہ بیشک وہ پورا سننے والا
اور سب سے زیادہ دیکھنے والا ہے۔ (۵۶)

آسمان و زمین کی پیدائش یقیناً انسان کی پیدائش سے بہت
بڑا کام ہے، لیکن (یہ اور بات ہے کہ) اکثر لوگ بے علم
ہیں۔ (۶) (۵۷)

(۱) یعنی تورات، حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بعد بھی باقی رہی، جس کے نسل بعد نسل وہ وارث ہوتے رہے۔ یا کتاب
سے مراد وہ تمام کتابیں ہیں جو انبیائے بنی اسرائیل پر نازل ہوئیں، ان سب کتابوں کا وارث بنی اسرائیل کو بنایا۔

(۲) هُدًى وَذِكْرًى، مصدر ہیں اور حال کی جگہ واقع ہیں، اس لیے منصوب ہیں۔ بمعنی ہاد اور مَذْكِر ہدایت دینے
والی اور نصیحت کرنے والی۔ عقل مندوں سے مراد عقل سلیم کے مالک ہیں۔ کیونکہ وہی آسمانی کتابوں سے فائدہ اٹھاتے
اور ہدایت و نصیحت حاصل کرتے ہیں۔ دوسرے لوگ تو گدھوں کی طرح ہیں جن پر کتابوں کا بوجھ تولد ہوتا ہے لیکن وہ
اس سے بے خبر ہوتے ہیں کہ ان کتابوں میں کیا ہے؟

(۳) گناہ سے مراد وہ چھوٹی چھوٹی لغزشیں ہیں، جو بہ تقاضائے بشریت سرزد ہو جاتی ہیں، جن کی اصلاح بھی اللہ تعالیٰ کی
طرف سے کردی جاتی ہے۔ یا استغفار بھی ایک عبادت ہی ہے۔ اجر و ثواب کی زیادتی کے لیے استغفار کا حکم دیا گیا ہے، یا
مقصد امت کی رہنمائی ہے کہ وہ استغفار سے بے نیاز نہ ہوں۔

(۴) عِشِّي سے، دن کا آخری اور رات کا ابتدائی حصہ اور اَبْرَار سے، رات کا آخری اور دن کا ابتدائی حصہ مراد ہے۔

(۵) یعنی وہ لوگ جو بغیر آسمانی دلیل کے بحث و حجت کرتے ہیں، یہ محض تکبر کی وجہ سے ایسا کرتے ہیں، تاہم اس سے جو
ان کا مقصد ہے کہ حق کمزور اور باطل مضبوط ہو، وہ ان کو حاصل نہیں ہو گا۔

(۶) یعنی پھر یہ کیوں اس بات سے انکار کر رہے ہیں کہ اللہ تعالیٰ انسانوں کو دوبارہ زندہ نہیں کر سکتا؟ جب کہ یہ کام

اندھا اور بینا برابر نہیں نہ وہ لوگ جو ایمان لائے اور بھلے کام کیے بدکاروں کے (برابر ہیں) ^(۱) تم (بہت) کم نصیحت حاصل کر رہے ہو۔ (۵۸)

قیامت بالیقین اور بے شبہ آنے والی ہے، لیکن (یہ) اور بات ہے کہ (بہت سے لوگ ایمان نہیں لاتے۔ (۵۹)

اور تمہارے رب کا فرمان (سرزد ہو چکا) ہے کہ مجھ سے دعا کرو میں تمہاری دعاؤں کو قبول کروں گا ^(۲) یقین مانو کہ جو لوگ میری عبادت سے خود سری کرتے ہیں وہ ابھی ابھی ذلیل ہو کر جہنم میں پہنچ جائیں گے۔ ^(۳) (۶۰)

اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے رات بنادی کہ تم اس میں

وَمَا يَسْتَوِي الْأَعْمَىٰ وَالْبَصِيرَةُ وَالَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ وَلَا الَّذِينَ كَفَرُوا قَلِيلًا مَّا تَذَكَّرُونَ ﴿۵۸﴾

إِنَّ السَّاعَةَ لَآتِيَةٌ لَا رَيْبَ فِيهَا وَلَكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يُؤْمِنُونَ ﴿۵۹﴾

وَقَالَ رَبُّكُمُ ادْعُونِي أَسْتَجِبْ لَكُمْ إِنَّ الَّذِينَ يَسْتَكْبِرُونَ عَنْ عِبَادَتِي سَيَدْخُلُونَ جَهَنَّمَ ذُخْرًا ﴿۶۰﴾

اللَّهُ الَّذِي جَعَلَ لَكُمُ اللَّيْلَ لِتَسْكُنُوا فِيهِ وَالنَّهَارَ

آسمان و زمین کی تخلیق سے بہت آسان ہے۔

(۱) مطلب ہے جس طرح بینا اور نابینا برابر نہیں، اسی طرح مومن و کافر اور نیکو کار اور بدکار برابر نہیں۔ بلکہ قیامت کے دن ان کے درمیان جو عظیم فرق ہو گا، وہ بالکل واضح ہو کر سامنے آئے گا۔

(۲) گزشتہ آیت میں جب اللہ نے وقوع قیامت کا تذکرہ فرمایا، تو اب اس آیت میں ایسی رہنمائی دی جا رہی ہے، جسے اختیار کر کے انسان آخرت کی سعادتوں سے ہمکنار ہو سکے۔ اس آیت میں دعا سے اکثر مفسرین نے عبادت مراد لی ہے۔ یعنی صرف ایک اللہ کی عبادت کرو۔ جیسا کہ حدیث میں بھی دعا کو عبادت بلکہ عبادت کا مغز قرار دیا گیا ہے۔ الدُّعَاءُ هُوَ الْعِبَادَةُ اور الدُّعَاءُ مُنْجُ الْعِبَادَةِ (مسند احمد ۴/۲۷۱ مشکوٰۃ الدعوات) علاوہ ازیں اس کے بعد یَسْتَكْبِرُونَ عَنْ عِبَادَتِي کے الفاظ سے بھی واضح ہے کہ مراد عبادت ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ دعا سے مراد دعا ہی ہے یعنی اللہ سے جلب نفع اور دفع ضرر کا سوال کرنا، کیونکہ دعا کے شرعی اور حقیقی معنی طلب کرنے کے ہیں، دوسرے مفہوم میں اس کا استعمال مجازی ہے۔ علاوہ ازیں دعا بھی اپنے حقیقی معنی کے اعتبار سے اور حدیث مذکور کی رو سے بھی عبادت ہی ہے، کیونکہ مافوق الاسباب طریقے سے کسی سے کوئی چیز مانگنا اور اس سے سوال کرنا، یہ اس کی عبادت ہی ہے۔ (فتح القدیر) مطلب دونوں صورتوں میں ایک ہی ہے کہ اللہ کے سوا کسی اور کو طلب حاجات اور مدد کے لیے پکارنا جائز نہیں ہے۔ کیونکہ اس طرح مافوق الاسباب طریقے سے کسی کو حاجت روائی کے لیے پکارنا اس کی عبادت ہے اور عبادت اللہ کے سوا کسی کی جائز نہیں۔

(۳) یہ اللہ کی عبادت سے انکار و اعراض یا اس میں دوسروں کو بھی شریک کرنے والوں کا انجام ہے۔

آرام حاصل کرو^(۱) اور دن کو دیکھنے والا بنادیا،^(۲) بیشک اللہ تعالیٰ لوگوں پر فضل و کرم والا ہے لیکن اکثر لوگ شکر گزاری نہیں کرتے۔^(۳) (۶۱)

یہی اللہ ہے تم سب کا رب ہر چیز کا خالق اس کے سوا کوئی معبود نہیں پھر کہاں تم پھرے جاتے ہو۔^(۴) (۶۲)

اسی طرح وہ لوگ بھی پھیرے جاتے رہے جو اللہ کی آیتوں کا انکار کرتے تھے۔ (۶۳)

اللہ ہی ہے^(۵) جس نے تمہارے لیے زمین کو ٹھہرنے کی جگہ^(۶) اور آسمان کو چھت بنادیا^(۷) اور تمہاری صورتیں بنائیں اور بہت اچھی بنائیں^(۸) اور تمہیں عمدہ عمدہ چیزیں کھانے کو عطا فرمائیں،^(۹) یہی اللہ تمہارا پروردگار ہے، پس بہت ہی برکتوں والا اللہ ہے سارے جہان کا پرورش کرنے والا۔ (۶۴)

مُبْصِرًا إِنَّ اللَّهَ لَذُو فَضْلٍ عَلَى النَّاسِ وَلَٰكِنَّ أَكْثَرُ النَّاسِ لَا يَشْكُرُونَ ﴿۶۱﴾

ذَلِكُمُ اللَّهُ رَبُّكُمْ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ لَّا إِلَهَ إِلَّا هُوَ فَاتَىٰ تَوْفِكُونَ ﴿۶۲﴾

كَذَٰلِكَ يُؤْفِكُ الَّذِينَ كَانُوا بِآيَاتِ اللَّهِ يَجْحَدُونَ ﴿۶۳﴾

اللَّهُ الَّذِي جَعَلَ لَكُمُ الْأَرْضَ قَرَارًا وَالسَّمَاءَ بِنَاءً وَصَوَّرَكُمْ فَأَحْسَنَ صُورَكُمْ وَرَزَقَكُم مِّنَ السَّمَاءِ ذَلِكُمُ اللَّهُ رَبُّكُمْ فَتَبَارَكَ اللَّهُ رَبُّ الْعَالَمِينَ ﴿۶۴﴾

(۱) یعنی رات کو تاریک بنایا، تاکہ کاروبار زندگی معطل ہو جائیں اور لوگ امن و سکون سے سو سکیں۔

(۲) یعنی روشن بنایا تاکہ معاشی محنت اور تنگ و دو میں تکلیف نہ ہو۔

(۳) اللہ کی نعمتوں کا، اور نہ ان کا اعتراف ہی کرتے ہیں۔ یا تو کفر و جہود کی وجہ سے، جیسا کہ کافروں کا شیوہ ہے۔ یا منعم کے واجبات شکر سے اہمال و غفلت کی وجہ سے، جیسا کہ جاہلوں کا شعار ہے۔

(۴) یعنی پھر تم اس کی عبادت سے کیوں بدکتے ہو اور اس کی توحید سے کیوں پھرتے اور اٹینختے ہو۔

(۵) آگے نعمتوں کی کچھ قسمیں بیان کی جا رہی ہیں تاکہ اللہ کی قدرت کاملہ بھی واضح ہو جائے اور اس کا بلا شرکت غیرے معبود ہونا بھی۔

(۶) جس میں تم رہتے، چلتے پھرتے، کاروبار کرتے اور زندگی گزارتے ہو، پھر بالآخر موت سے ہمکنار ہو کر قیامت تک کے لیے اسی میں آسودہ خواب رہتے ہو۔

(۷) یعنی قائم اور ثابت رہنے والی چھت۔ اگر اس کے گرنے کا اندیشہ رہتا تو کوئی شخص آرام کی نیند سو سکتا تھا نہ کسی کے لیے کاروبار حیات کرنا ممکن ہوتا۔

(۸) جتنے بھی روئے زمین پر حیوانات ہیں، ان سب میں (تم) انسانوں کو سب سے زیادہ خوش شکل اور متناسب الأعضاء بنایا ہے۔

(۹) یعنی اقسام و انواع کے کھانے تمہارے لیے میا کیے، جو لذیذ بھی ہیں اور قوت بخش بھی۔

هُوَ الْحَيُّ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ فَادْعُوهُ مُخْلِصِينَ
لَهُ الدِّينَ أَحْمَدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ ⑤

قُلْ إِنِّي نُهِيتُ أَنْ أَعْبُدَ الَّذِينَ تَدْعُونَ مِنْ دُونِ
اللَّهِ لَمَّا جَاءَنِيَ الْبَيِّنَاتُ مِنْ رَبِّي وَأُمِرْتُ أَنْ
أَسْلِمَ لِرَبِّ الْعَالَمِينَ ⑥

هُوَ الَّذِي خَلَقَكُمْ مِنْ تُرَابٍ ثُمَّ مِنْ نُطْفَةٍ ثُمَّ مِنْ عَلَقَةٍ
ثُمَّ يَخْرِجُكُمْ طِفْلًا ثُمَّ لِيَبْلُغُوا أَشَدَّ كُفْرًا تَلُونُوا شُيُوعًا ⑦

وہ زندہ ہے جس کے سوا کوئی معبود نہیں پس تم خالص
اسی کی عبادت کرتے ہوئے اسے پکارو،^(۱) تمام خوبیاں
اللہ ہی کے لیے ہیں جو تمام جانوں کا رب ہے۔ (۶۵)
آپ کہہ دیجئے! کہ مجھے ان کی عبادت سے روک دیا گیا
ہے جنہیں تم اللہ کے سوا پکار رہے ہو،^(۲) اس بنا پر کہ
میرے پاس میرے رب کی دلیلیں پہنچ چکی ہیں، مجھے یہ
حکم دیا گیا ہے کہ میں تمام جانوں کے رب کا تابع فرمان
ہو جاؤں۔^(۳) (۶۶)

وہ وہی ہے جس نے تمہیں مٹی سے پھر نطفے سے^(۴) پھر
خون کے لو تھڑے سے پیدا کیا پھر تمہیں بچہ کی صورت
میں نکالتا ہے، پھر (تمہیں بڑھاتا ہے کہ) تم اپنی پوری

(۱) یعنی جب سب کچھ کرنے والا اور دینے والا وہی ہے۔ دوسرا کوئی بنانے میں شریک ہے نہ اختیارات میں۔ تو پھر
عبادت کا مستحق بھی صرف ایک اللہ ہی ہے، دوسرا کوئی اس میں شریک نہیں ہو سکتا۔ استدعا و استغاثہ بھی اسی سے کرو
کہ وہی سب کی فریادیں اور التجائیں سننے پر قادر ہے۔ دوسرا کوئی بھی مافوق الاسباب طریقے سے کسی کی بات سننے پر قادر
ہی نہیں ہے، جب یہ بات ہے تو دوسرے مشکل کشائی اور حاجت روائی کس طرح کر سکتے ہیں؟
(۲) چاہے وہ پتھر کی مورتیاں ہوں، انبیاء علیہم السلام اور صلحا ہوں اور قبروں میں مدفون اشخاص ہوں۔ مدد کے لیے کسی کو
مت پکارو، ان کے ناموں کی نذر نیاز مت دو، ان کے ورد نہ کرو، ان سے خوف مت کھاؤ اور ان سے امیدیں وابستہ نہ
کرو۔ کیوں کہ یہ سب عبادت کی قسمیں ہیں جو صرف ایک اللہ کا حق ہے۔

(۳) یہ وہی عقلی اور نقلی دلائل ہیں جن سے اللہ کی توحید یعنی اللہ کے واحد الہ اور رب ہونے کا اثبات ہوتا ہے، جو
قرآن میں جا بجا ذکر کیے گئے ہیں اسلام کے معنی ہیں اطاعت و انقیاد کے لیے جھک جانا، سر اطاعت خم کر دینا۔ یعنی اللہ کے
احکام کے سامنے میں جھک جاؤں، ان سے سر تاب نہ کروں۔ آگے پھر توحید کے کچھ دلائل بیان کیے جا رہے ہیں۔

(۴) یعنی تمہارے باپ آدم علیہ السلام کو مٹی سے بنایا جو ان کی تمام اولاد کے مٹی سے پیدا ہونے کو مستلزم ہے۔ پھر اس
کے بعد نسل انسانی کے تسلسل اور اس کی بقا و تحفظ کے لیے انسانی تخلیق کو نطفے سے وابستہ کر دیا۔ اب ہر انسان اس نطفے
سے پیدا ہوتا ہے جو صلب پدر سے رحم مادر میں جا کر قرار پکڑتا ہے۔ سوائے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے، کہ ان کی
پیدائش معجزانہ طور پر بغیر باپ کے ہوئی۔ جیسا کہ قرآن کریم کی بیان کردہ تفصیلات سے واضح ہے اور جس پر امت مسلمہ
کا اجماع ہے۔

قوت کو پہنچ جاؤ پھر بوڑھے ہو جاؤ۔^(۱) تم میں سے بعض اس سے پہلے ہی فوت ہو جاتے ہیں،^(۲) (وہ تمہیں چھوڑ دیتا ہے) تاکہ تم مدت معین تک پہنچ جاؤ^(۳) اور تاکہ تم سوچ سمجھ لو۔^(۴) (۶۷)

وہی ہے جو جلاتا ہے اور مار ڈالتا ہے،^(۵) پھر جب وہ کسی کام کا کرنا مقرر کرتا ہے تو اسے صرف یہ کہتا ہے کہ ہو جا پس وہ ہو جاتا ہے۔^(۶) (۶۸)

کیا تو نے انہیں دیکھا جو اللہ کی آیتوں میں جھگڑتے ہیں،^(۷) وہ کہاں پھیر دیے جاتے ہیں۔^(۸) (۶۹)

جن لوگوں نے کتاب کو جھٹلایا اور اسے بھی جو ہم نے اپنے رسولوں کے ساتھ بھیجا انہیں ابھی حقیقت حال معلوم ہو جائے گی۔ (۷۰)

وَمِنكُمْ مَنْ يُتَوَلَّىٰ مِنْ قَبْلُ وَلَمْ يَلْعَنُوا أَجْلًا مُّسَمًّى وَلَكُمْ لَمَّا تَعْلَمُونَ ﴿۷۰﴾

هُوَ الَّذِي يُعْطِي وَيُخَيِّبُ ۖ فَإِذَا أَقَضَىٰ أَمْرًا قَالُوا لَوْ كُنَّا فَعِئُونُ ﴿۷۱﴾

أَلَمْ تَرَ إِلَى الَّذِينَ يُجَادِلُونَ فِي آيَاتِ اللَّهِ وَلِئِنْ يُضَرَّفُونَ ﴿۷۲﴾

الَّذِينَ كَذَّبُوا بِالْكِتَابِ وَهَمَّاءَ أَرْسَلْنَا بِهِ رُسُلَنَا تَتَاءَ ۖ فَسَوْفَ يَعْلَمُونَ ﴿۷۳﴾

(۱) یعنی ان تمام کیفیتوں اور اطوار سے گزارنے والا وہی اللہ ہے جس کا کوئی شریک نہیں۔

(۲) یعنی رحم مادر میں مختلف ادوار سے گزر کر باہر آنے سے پہلے ہی ماں کے پیٹ میں، بعض بچپن میں، بعض جوانی میں اور بعض بڑھاپے سے قبل کولت میں فوت ہو جاتے ہیں۔

(۳) یعنی اللہ تعالیٰ یہ اس لیے کرتا ہے تاکہ جس کی جتنی عمر اللہ نے لکھ دی ہے، وہ اس کو پہنچ جائے اور اتنی زندگی دنیا میں گزار لے۔

(۴) یعنی جب تم ان اطوار اور مراحل پر غور کرو گے کہ نطفے سے ملتے، پھر مغفٹ، پھر بچہ، پھر جوانی، کولت اور بڑھاپا، تو تم جان لو گے کہ تمہارا رب بھی ایک ہی ہے اور تمہارا معبود بھی ایک، اس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ علاوہ ازیں یہ بھی سمجھ لو گے کہ جو اللہ یہ سب کچھ کرنے والا ہے، اس کے لیے قیامت والے دن انسانوں کو دوبارہ زندہ کر دینا بھی مشکل نہیں ہے اور وہ یقیناً سب کو زندہ فرمائے گا۔

(۵) زندہ کرنا اور مارنا، اسی کے اختیار میں ہے۔ وہ ایک بے جان نطفے کو مختلف اطوار سے گزار کر ایک زندہ انسان کے روپ میں ڈھال دیتا ہے۔ اور پھر ایک وقت مقررہ کے بعد اس زندہ انسان کو مار کر موت کی وادیوں میں سلا دیتا ہے۔

(۶) اس کی قدرت کا یہ حال ہے کہ اس کے لفظ کن (ہو جا) سے وہ چیز معرض وجود میں آ جاتی ہے، جس کا وہ ارادہ کرے۔

(۷) انکار و تکذیب کے لیے یا اس کے رد و ابطال کے لیے۔

(۸) یعنی ظہور دلائل اور وضوح حق کے باوجود وہ کس طرح حق کو نہیں مانتے۔ یہ تعجب کا اظہار ہے۔

جب کہ ان کی گردنوں میں طوق ہوں گے اور زنجیریں ہوں گی گھسیٹ جائیں گے۔^(۱) (۷۱)

کھولتے ہوئے پانی میں اور پھر جنم کی آگ میں جلانے جائیں گے۔^(۲) (۷۲)

پھر ان سے پوچھا جائے گا کہ جنہیں تم شریک کرتے تھے وہ کہاں ہیں؟^(۳) (۷۳)

جو اللہ کے سوا تھے^(۴) وہ کہیں گے کہ وہ تو ہم سے ہنس گئے^(۵) بلکہ ہم تو اس سے پہلے کسی کو بھی پکارتے ہی نہ تھے۔^(۶) اللہ تعالیٰ کافروں کو اسی طرح گمراہ کرتا ہے۔^(۷) (۷۴)

یہ بدلہ ہے اس چیز کا جو تم زمین میں ناحق پھولے نہ ساتے تھے۔ اور (بے جا) اتراتے پھرتے تھے۔^(۸) (۷۵)

إِذَا الْفُلُ فِيْ اَعْتَا قِيَهُمُ وَالسَّلِيلُ يُسْحَبُونَ ۝۱

فِي الْحَمِيْمَةِ كَسَعَتْ فِي النَّارِ يُسْجَرُونَ ۝۲

ثُمَّ قِيلَ لَهُمْ اَيْنَ مَا كُنْتُمْ تُشْرِكُونَ ۝۳

مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ قَالُوا ضَلُّوا عَنَّا بَلْ لَمْ يَكُنْ يَدْعُوْنَا

قَبْلَ هٰذِهِ اَمْ كُنَّا لَكَ بِيضُ اللّٰهِ الْكٰفِرِيْنَ ۝۴

ذٰلِكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَفْرَحُوْنَ فِي الْاَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ وَبِمَا

كُنْتُمْ تَمْرَحُوْنَ ۝۵

(۱) یہ وہ نقشہ ہے جو جہنم میں ان مکذبین کا ہو گا۔

(۲) مجاہد اور مقاتل کا قول ہے کہ ان کے ذریعے سے جہنم کی آگ بھڑکائی جائے گی، یعنی یہ لوگ اس کا ایندھن بنے ہوں گے۔

(۳) کیا وہ آج تمہاری مدد کر سکتے ہیں؟

(۴) یعنی پتہ نہیں، کہاں چلے گئے ہیں، وہ ہماری مدد کیا کریں گے؟

(۵) اقرار کرنے کے بعد، پھر ان کی عبادت کا ہی انکار کر دیں گے۔ جیسے دوسرے مقام پر فرمایا۔ ﴿وَاللّٰهُ رَءٰی مَا كُنْتُمْ

مُشْرِكِيْنَ﴾ (الأنعام: ۲۳) ”اللہ کی قسم! ہم تو کسی کو شریک ٹھہراتے ہی نہیں تھے۔“ کہتے ہیں کہ یہ بتوں کے وجود اور ان

کی عبادت کا انکار نہیں ہے بلکہ اس بات کا اعتراف ہے کہ ان کی عبادت باطل تھی کیونکہ وہاں ان پر واضح ہو جائے گا کہ

وہ ایسی چیزوں کی عبادت کرتے رہے جو سن سکتی تھیں، نہ دیکھ سکتی تھیں اور نقصان پہنچا سکتی تھیں نہ نفع۔ (فتح القدیر)

اور اس کا دوسرا معنی واضح ہے اور وہ یہ کہ وہ شرک کا سرے سے انکار ہی کریں گے۔

(۶) یعنی ان مکذبین ہی کی طرح، اللہ تعالیٰ کافروں کو بھی گمراہ کرتا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ مسلسل تکذیب اور کفر، یہ ایسی

چیزیں ہیں کہ جن سے انسانوں کے دل سیاہ اور زنگ آلودہ ہو جاتے ہیں اور پھر وہ ہمیشہ کے لیے قبول حق کی توفیق سے

محروم ہو جاتے ہیں۔

(۷) یعنی تمہاری یہ گمراہی اس بات کا نتیجہ ہے کہ تم کفر و تکذیب اور فحش و فجور میں اتنے بڑھے ہوئے تھے کہ ان پر تم

خوش ہوتے اور اتراتے تھے۔ اترانے میں مزید خوشی کا اظہار ہے جو تکبر کو مستلزم ہے۔

(اب آؤ) جنم میں ہمیشہ رہنے کے لیے (اس کے) دروازوں میں داخل ہو جاؤ، کیا ہی بری جگہ ہے تکبر کرنے والوں کی۔^(۱) (۷۶)

پس آپ صبر کریں اللہ کا وعدہ قطعاً سچا ہے،^(۲) انہیں ہم نے جو وعدے دے رکھے ہیں ان میں سے کچھ ہم آپ کو دکھائیں^(۳) یا (اس سے پہلے) ہم آپ کو وفات دے دیں، ان کا لوٹایا جانا تو ہماری ہی طرف ہے۔^(۴) (۷۷)

یقیناً ہم آپ سے پہلے بھی بہت سے رسول بھیج چکے ہیں جن میں سے بعض کے (واقعات) ہم آپ کو بیان کر چکے ہیں اور ان میں سے بعض کے (قصے) تو ہم نے آپ کو بیان ہی نہیں کیے اور کسی رسول کا یہ (مقدور) نہ تھا کہ کوئی معجزہ اللہ کی اجازت کے بغیر لاسکے^(۵) پھر جس

أَذْخَلُوا الْآيَاتِ جَهَنَّمَ خَالِدِينَ فِيهَا فَبِمَا نَفْسٍ مَّشْهُوٍ
الْمُتَكَبِّرِينَ ۝

فَأَصْبَحْنَا وَكَانَ اللَّهُ حَقًّا فَامَّا نُزِيلُكَ بَعْضَ الَّذِي
نَعِدُ هُوَ أَوْ نَوَفِّئُكَ فَإِلَيْنَا يَرْجِعُونَ ۝

وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا نُوحًا مِّنْ قَبْلِكَ وَمِنْهُمْ مَّنْ قَصَصْنَا عَلَيْكَ
وَمِنْهُمْ مَّنْ لَّمْ نَقْصُصْ عَلَيْكَ وَمَا كَانَ لِرَسُولٍ أَنْ يَأْتِيَ
بِآيَةٍ إِلَّا بِإِذْنِ اللَّهِ فَإِذَا جَاءَ أَمْرُ اللَّهِ فَفُجِئَ بِالْحَقِّ وَخَبَرَ
هَؤُلَاءِ الْمُبْطِلُونَ ۝

(۱) یہ جنم پر مقرر فرشتے، اہل جنم کو کہیں گے۔

(۲) کہ ہم کافروں سے انتقام لیں گے۔ یہ وعدہ جلدی بھی پورا ہو سکتا ہے یعنی دنیا میں ہی ہم ان کی گرفت کر لیں یا حسب مشیت الہی تاخیر بھی ہو سکتی ہے، یعنی قیامت والے دن ہم انہیں سزا دیں۔ تاہم یہ بات یقینی ہے کہ یہ اللہ کی گرفت سے بچ کر کہیں جانیں سکتے۔

(۳) یعنی آپ کی زندگی میں ان کو جملائے عذاب کر دیں۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا، اللہ نے کافروں سے انتقام لے کر مسلمانوں کی آنکھوں کو ٹھنڈا کیا، جنگ بدر میں ستر کافر مارے گئے، ۸ ہجری میں مکہ فتح ہو گیا اور پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات مبارکہ میں ہی پورا جزیرہ عرب مسلمانوں کے زیر نگیں آگیا۔

(۴) یعنی اگر کافر دنیوی مؤافذہ و عذاب سے بچ بھی گئے تو آخر جانیں گے کہاں؟ آخر میرے پاس ہی آئیں گے، جہاں ان کے لیے سخت عذاب تیار ہے۔

(۵) اور یہ تعداد میں، بہ نسبت ان کے جن کے واقعات بیان کیے گئے ہیں۔ بہت زیادہ ہیں۔ اس لیے کہ قرآن کریم میں تو صرف ۲۵ انبیاء و رسل کا ذکر اور ان کی قوموں کے حالات بیان کیے گئے ہیں۔

(۶) آیت سے مراد یہاں معجزہ اور خرق عادت واقعہ ہے، جو پیغمبر کی صداقت پر دلالت کرے۔ کفار، پیغمبروں سے مطالبے کرتے رہے کہ ہمیں فلاں فلاں چیز دکھاؤ، جیسے خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے کفار مکہ نے کئی چیزوں کا مطالبہ کیا، جس کی تفصیل سورہ بنی اسرائیل ۹۰-۹۳ میں موجود ہے۔ اللہ تعالیٰ فرما رہا ہے کہ کسی پیغمبر کے اختیار میں یہ نہیں تھا کہ وہ اپنی قوموں

وقت اللہ کا حکم آئے گا^(۱) حق کے ساتھ فیصلہ کر دیا جائے گا^(۲) اور اس جگہ اہل باطل خسارے میں رہ جائیں گے۔ (۷۸)

اللہ وہ ہے جس نے تمہارے لیے چوپائے پیدا کیے^(۳) جن میں سے بعض پر تم سوار ہوتے ہو اور بعض کو تم کھاتے ہو۔ (۷۹)^(۴)

اور بھی تمہارے لیے ان میں بہت سے نفع ہیں^(۵) اور تاکہ اپنے سینوں میں چھپی ہوئی حاجتوں کو انہی پر سواری

اللَّهُ الَّذِي جَعَلَ لَكُمُ الْإِنْعَامَ لِتَرْْكَبُوا مِنْهَا
وَمِنْهَا تَأْكُلُونَ ﴿٧٨﴾

وَلَكُمْ فِيهَا مَنَافِعُ وَلِتَبْلُغُوا عَلَيْهَا حَاجَةً
فِي صُدُورِكُمْ وَعَلَى الْفَالِكِ تَحْمِلُونَ ﴿٧٩﴾

کے مطالبے پر ان کو کوئی معجزہ صادر کر کے دکھلا دے۔ یہ صرف ہمارے اختیار میں تھا، بعض نبیوں کو تو ابتداء ہی سے معجزے دے دیے گئے تھے۔ بعض قوموں کو ان کے مطالبے پر معجزہ دکھلایا گیا اور بعض کو مطالبے کے باوجود نہیں دکھلایا گیا۔ ہماری مشیت کے مطابق اس کا فیصلہ ہوتا تھا۔ کسی نبی کے ہاتھ میں یہ اختیار نہیں تھا کہ وہ جب چاہتا، معجزہ صادر کر کے دکھلا دیتا۔ اس سے ان لوگوں کی واضح تردید ہوتی ہے، جو بعض اولیاء کی طرف یہ باتیں منسوب کرتے ہیں کہ وہ جب چاہتے اور جس طرح کا چاہتے، خرق عادت امور (کرامات) کا اظہار کر دیتے تھے۔ جیسے شیخ عبدالقادر جیلانی کے لیے بیان کیا جاتا ہے۔ یہ سب من گھڑت قصے کہانیاں ہیں، جب اللہ نے پیغمبروں کو یہ اختیار نہیں دیا، جن کو اپنی صداقت کے ثبوت کے لیے، اس کی ضرورت بھی تھی تو کسی ولی کو یہ اختیار کیوں کر مل سکتا ہے؟ بالخصوص جب کہ ولی کو اس کی ضرورت بھی نہیں ہے۔ کیونکہ نبی کی نبوت پر ایمان لانا ضروری ہوتا ہے، اس لیے معجزہ ان کی ضرورت تھی۔ لیکن اللہ کی حکمت و مشیت اس کی مقتضی نہ تھی، اس لیے یہ قوت کسی نبی کو نہیں دی گئی۔ ولی کی ولایت پر ایمان رکھنا ضروری نہیں ہے، اس لیے انہیں معجزے اور کرامات کی ضرورت ہی نہیں ہے۔ انہیں اللہ تعالیٰ یہ اختیار بلا ضرورت کیوں عطا کر سکتا ہے؟

(۱) یعنی دنیا یا آخرت میں جب ان کے عذاب کا وقت معین آجائے گا۔

(۲) یعنی ان کے درمیان حق کے ساتھ فیصلہ کر دیا جائے گا۔ اہل حق کو نجات اور اہل باطل کو عذاب۔

(۳) اللہ تعالیٰ اپنی ان گنت نعمتوں میں سے بعض نعمتوں کا تذکرہ فرما رہا ہے۔ چوپائے سے مراد اونٹ، گائے، بکری اور بھیڑ ہے۔ یہ زراعت ل کر آٹھ ہیں۔ جیسا کہ سورۃ الانعام ۱۴۳-۱۴۴ میں ہے۔

(۴) یہ سواری کے کام میں بھی آتے ہیں، ان کا دودھ بھی پیا جاتا ہے، (جیسے بکری، گائے اور اونٹنی کا دودھ) ان کا گوشت انسان کی مرغوب ترین غذا ہے اور بار برداری کا کام بھی ان سے لیا جاتا ہے۔

(۵) جیسے ان سب کے اون اور بالوں سے اور ان کی کھالوں سے کئی چیزیں بنائی جاتی ہیں۔ ان کے دودھ سے گھی، مکھن، پنیر وغیرہ بھی بنتی ہیں۔

کر کے تم حاصل کر لو اور ان چوپایوں پر اور کشتیوں پر سوار کئے جاتے ہو۔^(۸۰)

اللہ تمہیں اپنی نشانیاں دکھاتا جا رہا ہے،^(۸۱) پس تم اللہ کی کن کن نشانیاں کا منکر بنتے رہو گے۔^(۸۲)

کیا انہوں نے زمین میں چل پھر کر اپنے سے پہلوں کا انجام نہیں دیکھا؟^(۸۳) جو ان سے تعداد میں زیادہ تھے قوت میں سخت اور زمین میں بہت ساری یادگاریں چھوڑی تھیں،^(۸۴) ان کے کیے کاموں نے انہیں کچھ بھی فائدہ نہ پہنچایا۔^(۸۵)

پس جب کبھی ان کے پاس ان کے رسول کھلی نشانیاں لے کر آئے تو یہ اپنے پاس کے علم پر اترنے لگے،^(۸۶) بالآخر جس چیز کو مذاق میں اڑا رہے تھے وہی ان پر الٹ پڑی۔^(۸۷)

وَيُرِيهِمُ آيَاتِهِ فَعَالَى آيَاتِ اللَّهِ مُتَكُونًا ۝

أَفَلَمْ يَسِيرُوا فِي الْأَرْضِ فَيَنْظُرُوا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ

الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ كَانُوا أَكْثَرُ مِنْهُمْ وَأَشَدَّ قُوَّةً

وَإِذَا رَأَوْا فِي الْأَرْضِ فَمَا أَغْنَى عَنْهُمْ كَانُوا يُكَذِّبُونَ ۝

فَلَمَّا جَاءَهُمْ رَسُولُهُمْ بِآيَاتٍ فَرِحُوا بِمَا عِنْدَهُمْ مِنَ الْعِلْمِ

وَحَقَّ بِهِمْ مَا كَانُوا بِهِ يَسْتَهْزِئُونَ ۝

(۱) ان سے مراد بچے اور عورتیں ہیں جنہیں ہودج سمیت اونٹ وغیرہ پر بٹھادیا جاتا تھا۔

(۲) جو اس کی قدرت اور وحدانیت پر دلالت کرتی ہیں اور یہ نشانیاں آفاق میں ہی نہیں ہیں تمہارے نفسوں کے اندر بھی ہیں۔

(۳) یعنی یہ اتنی واضح، عام اور کثیر ہیں جن کا کوئی منکر انکار کرنے کی قدرت نہیں رکھتا۔ یہ استفہام انکار کے لیے ہے۔

(۴) یعنی جن قوموں نے اللہ کی نافرمانی اور اس کے رسولوں کی تکذیب کی، یہ ان کی بستیوں کے آثار اور کھنڈرات تو دیکھیں جو ان کے علاقوں میں ہی ہیں کہ ان کا کیا انجام ہوا؟

(۵) یعنی عمارتوں، کارخانوں اور کھیتوں کی شکل میں، ان کے کھنڈرات واضح کرتے ہیں کہ وہ کاریگری کے میدان میں بھی تم سے بڑھ کر تھے۔

(۶) فَمَا أَغْنَىٰ میں مَا استفہامیہ بھی ہو سکتا ہے اور نافیہ بھی۔ نافیہ کا مفہوم تو ترجمے سے واضح ہے۔ استفہامیہ کی رو سے مطلب ہو گا۔ ان کو کیا فائدہ پہنچایا؟ مطلب وہی ہے کہ ان کی کمائی ان کے کچھ کام نہیں آئی۔

(۷) علم سے مراد ان کے خود ساختہ مزعومات، توہمات، شبہات اور باطل دعوے ہیں۔ انہیں علم سے بطور استہزا تعبیر فرمایا وہ چونکہ انہیں علمی دلائل سمجھتے تھے، ان کے خیال کے مطابق ایسا کہا۔ مطلب یہ ہے کہ اللہ اور رسول کی باتوں کے مقابلے میں یہ اپنے مزعومات و توہمات پر اترتے اور فخر کرتے رہے۔ یا علم سے مراد دنیوی باتوں کا علم ہے، یہ احکام و فرائض الہی کے مقابلے میں انہی کو ترجیح دیتے رہے۔

ہمارا عذاب دیکھتے ہی کہنے لگے کہ اللہ واحد پر ہم ایمان لائے اور جن جن کو ہم اس کا شریک بنا رہے تھے ہم نے ان سب سے انکار کیا۔ (۸۴)

لیکن ہمارے عذاب کو دیکھ لینے کے بعد ان کے ایمان نے انہیں نفع نہ دیا۔ اللہ نے اپنا معمول یہی مقرر کر رکھا ہے جو اس کے بندوں میں برابر چلا آ رہا ہے^(۱) اور اس جگہ کافر خراب و خستہ ہوئے۔^(۲) (۸۵)

سورہ حم السجدة کی ہے اور اس میں چون آیتیں اور
چھ رکوع ہیں۔

شروع کرتا ہوں اللہ تعالیٰ کے نام سے جو بڑا مہربان
نہایت رحم والا ہے۔

حم۔ (۱) اتاری ہوئی ہے بڑے مہربان بہت رحم والے کی
طرف سے۔ (۲)

فَلَمَّا رَأَوْا بَأْسَنَا قَالُوا امْكُتِبْ عَلَيْنَا مِنْ عَذَابِهِمْ ۖ إِنَّكُم رَأَيْتُمُوهُمْ فَكُفُّوا أَيْدِيَكُمْ عَنْ عِبَادَتِهِمْ ۚ إِنَّهُمْ لَكَ كَاذِبُونَ ۝

فَلَمَّا رَأَوْا بَأْسَنَا قَالُوا امْكُتِبْ عَلَيْنَا مِنْ عَذَابِهِمْ ۖ إِنَّكُم رَأَيْتُمُوهُمْ فَكُفُّوا أَيْدِيَكُمْ عَنْ عِبَادَتِهِمْ ۚ إِنَّهُمْ لَكَ كَاذِبُونَ ۝



بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

لَحْمِ ۝ تَنْزِيلٌ مِّنَ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ ۝

(۱) یعنی اللہ کا یہ معمول چلا آ رہا ہے کہ عذاب دیکھنے کے بعد توبہ اور ایمان مقبول نہیں۔ یہ مضمون قرآن کریم میں متعدد جگہ بیان ہوا ہے۔

(۲) یعنی معاینہ عذاب کے بعد ان پر واضح ہو گیا کہ اب سوائے خسارے اور ہلاکت کے ہمارے مقدر میں کچھ نہیں۔

☆ اس سورت کا دوسرا نام فضیلت ہے۔ اس کی شان نزول کی روایات میں بتلایا گیا ہے کہ ایک مرتبہ سرداران قریش نے باہم مشورہ کیا کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے پیرو کاروں کی تعداد میں دن بہ دن اضافہ ہی ہو رہا ہے، ہمیں اس کے سدباب کے لیے ضرور کچھ کرنا چاہیے۔ چنانچہ انہوں نے اپنے میں سے سب سے زیادہ بلوغ و فصیح آدمی ”عتبہ بن ربیعہ“ کا انتخاب کیا، تاکہ وہ آپ ﷺ سے گفتگو کرے۔ چنانچہ وہ آپ ﷺ کی خدمت میں گیا اور آپ ﷺ پر عربوں میں انتشار و افتراق پیدا کرنے کا الزام عائد کر کے پیشکش کی کہ اس نئی دعوت سے اگر آپ ﷺ کا مقصد مال و دولت کا حصول ہے، تو وہ ہم جمع کیے دیتے ہیں، قیادت و سیادت منوانا چاہتے ہیں تو آپ ﷺ کو ہم اپنا لیڈر اور سردار مان لیتے ہیں، کسی حسین عورت سے شادی کرنا چاہتے ہیں تو ایک نہیں ایسی دس عورتوں کا انتظام ہم کر دیتے ہیں اور اگر آپ ﷺ پر آسیب کا اثر ہے جس کے تحت آپ ﷺ ہمارے معبودوں کو برا کہتے ہیں، تو ہم اپنے خرچ پر آپ ﷺ کا علاج کر دیتے ہیں۔ آپ ﷺ نے اس کی تمام باتیں سن کر اس

كِتَبُ فَصَلَّتْ إِلَيْهِ قُرْآنًا عَرَبِيًّا لِقَوْمٍ يَعْلَمُونَ ﴿٥﴾

(ایسی) کتاب ہے جس کی آیتوں کی واضح تفصیل کی گئی ہے،^(۱) (اس حال میں کہ) قرآن عربی زبان میں ہے^(۲)

اس قوم کے لیے جو جانتی ہے۔^(۳)

خوش خبری سنانے والا اور ڈرانے والا^(۴) ہے، پھر بھی ان کی اکثریت نے منہ پھیر لیا اور وہ سنتے ہی نہیں۔^(۵)

اور انہوں نے کہا کہ تو جس کی طرف ہمیں بلا رہا ہے ہمارے دل تو اس سے پردے میں ہیں^(۶) اور ہمارے

کانوں میں گرانی ہے^(۷) اور ہم میں اور تجھ میں ایک حجاب ہے، اچھا تو اب اپنا کام کیے جا ہم بھی یقیناً کام کرنے

والے ہیں۔^(۸)

بَيِّنًا وَبَيِّنَاتٍ فَاَعْرَضَ الْكُفْرُ عَنْهُمْ فَهُمْ لَا يَسْمَعُونَ ﴿٦﴾

وَكَالُوا قُلُوبُنَا فِي الْكُفْرِ يَتَذَكَّرُونَ آلِيَهُ وَآلِيَهُ أَذِلَّةٌ وَتَوَّ

وَسِنْ يَبِينُنَا وَيَبِينُكَ حِجَابٌ فَاعْمَلْ إِنَّا نَحْمِلُونَ ﴿٧﴾

سورت کی تلاوت اس کے سامنے فرمائی، جس سے وہ بڑا متاثر ہوا۔ اس نے واپس جا کر سردارانِ قریش کو بتلایا کہ وہ جو چیز پیش کرتا ہے وہ جادو اور کمانت ہے نہ شعر و شاعری۔ مطلب اس کا آپ ﷺ کی دعوت پر سردارانِ قریش کو غور و فکر کی دعوت دینا تھا۔ لیکن وہ غور و فکر کیا کرتے؟ الٹا عتبہ پر الزام لگا دیا کہ تو بھی اس کے سحر کا سیر ہو گیا ہے۔ یہ روایات مختلف انداز سے اہل سیر و تفسیر نے بیان کی ہیں۔ امام ابن کثیر اور امام شوکانی نے بھی انہیں نقل کیا ہے۔ امام شوکانی فرماتے ہیں ”یہ روایات اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ قریش کا اجتماع ضرور ہوا، انہوں نے عتبہ کو گفتگو کے لیے بھیجا اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے اس سورت کا ابتدائی حصہ سنایا۔“

(۱) یعنی کیا حلال ہے اور کیا حرام؟ یا طاعات کیا ہیں اور معاصی کیا؟ یا ثواب والے کام کون سے ہیں اور عقاب والے کون سے؟

(۲) یہ حال ہے یعنی اس کے الفاظ عربی ہیں، جن کے معانی مفصل اور واضح ہیں۔

(۳) یعنی جو عربی زبان، اس کے معانی و مفہیم اور اس کے اسرار و اسلوب کو جانتی ہے۔

(۴) ایمان اور اعمالِ صالحہ کے حاملین کو کامیابی اور جنت کی خوش خبری سنانے والا اور مشرکین و مکذبین کو عذابِ نار سے ڈرانے والا۔

(۵) یعنی غور و فکر اور تدبر و تعقل کی نیت سے نہیں سنتے کہ جس سے انہیں فائدہ ہو۔ اسی لیے ان کی اکثریت ہدایت سے محروم ہے۔

(۶) أَكِنَّةٌ، کِنَانُ کی جمع ہے۔ پردہ۔ یعنی ہمارے دل اس بات سے پردوں میں ہیں کہ ہم تیری توحید و ایمان کی دعوت کو سمجھ سکیں۔

(۷) وَفَوْزُ کے اصل معنی بوجھ کے ہیں، یہاں مراد بہراپن ہے، جو حق کے سننے میں مانع تھا۔

(۸) یعنی ہمارے اور تیرے درمیان ایسا پردہ حائل ہے کہ تو جو کہتا ہے، وہ سن نہیں سکتے اور جو کرتا ہے، اسے دیکھ

قُلْ إِنَّمَا آتَاكُمْ بِمَثَلٍ يُقَالُ يُؤْتَىٰ إِلَىٰ أَكْثَرِ الْأَهْلِ وَالْوَاحِدِ
فَأَسْتَفْتِمُوهُ الْيَهُودَ وَاسْتَفْتِيَهُ دَوِينَ لِلْمُتَكِبِينَ ﴿٥﴾

الَّذِينَ لَا يُؤْتُونَ الزَّكَاةَ وَهُمْ بِالْآخِرَةِ هُمْ كَافِرُونَ ﴿٥﴾

لَٰكِنَ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ لَهُمْ أَجْرٌ غَيْرُ مَمْنُونٍ ﴿٥﴾

قُلْ إِنَّمَا لَكُمْ تَكْفُرُؤُنَ بِالَّذِي خَلَقَ الْأَرْضَ فِي يَوْمَيْنِ
وَيَجْعَلُونَ لَهُ آتًا ذَٰلِكَ رَبُّ الْعَالَمِينَ ﴿٥﴾

آپ کہہ دیجئے! کہ میں تو تم ہی جیسا انسان ہوں مجھ پر
وحی نازل کی جاتی ہے کہ تم سب کا معبود ایک اللہ ہی
ہے ^(۱) سو تم اس کی طرف متوجہ ہو جاؤ اور اس سے
گناہوں کی معافی چاہو، اور ان مشرکوں کے لیے (بڑی
بی) خرابی ہے۔ (۶)

جو زکوٰۃ نہیں دیتے ^(۲) اور آخرت کے بھی منکر ہی رہتے
ہیں۔ (۷)

بیشک جو لوگ ایمان لائیں اور بھلے کام کریں ان کے
لیے نہ ختم ہونے والا اجر ہے۔ ^(۳) (۸)

آپ کہہ دیجئے! کہ کیا تم اس (اللہ) کا انکار کرتے ہو اور تم
اس کے شریک مقرر کرتے ہو جس نے دودن میں زمین پیدا
کردی، ^(۴) سارے جمانوں کا پروردگار وہی ہے۔ (۹)

نہیں سکتے۔ اس لیے تو ہمیں ہمارے حال پر چھوڑ دے اور ہم تجھے تیرے حال پر چھوڑ دیں، تو ہمارے دین پر عمل نہیں
کرتا، ہم تیرے دین پر عمل نہیں کر سکتے۔

(۱) یعنی میرے اور تمہارے درمیان کوئی امتیاز نہیں ہے۔ مجزوی الہی کے۔ پھر یہ بعد و حجاب کیوں؟ علاوہ ازیں میں جو
دعوت توحید پیش کر رہا ہوں، وہ بھی ایسی نہیں کہ عقل و فہم میں نہ آسکے، پھر اس سے اعراض کیوں؟

(۲) یہ سورت مکی ہے۔ زکوٰۃ ہجرت کے دوسرے سال فرض ہوئی۔ اس لیے اس سے مراد یا تو صدقات ہیں جس کا حکم
مسلمانوں کو مکے میں بھی دیا جاتا رہا، جس طرح پہلے صرف صبح و شام کی نماز کا حکم تھا، پھر ہجرت سے ڈیڑھ سال قبل لیلۃ
الایسراء کو پانچ فرض نمازوں کا حکم ہوا۔ یا پھر زکوٰۃ سے یہاں مراد مکہ شہادت ہے، جس سے نفس انسانی شرک کی
آلودگیوں سے پاک ہو جاتا ہے۔ (ابن کثیر)

(۳) ﴿أَجْرٌ غَيْرُ مَمْنُونٍ﴾ کا وہی مطلب ہے جو ﴿عَطَاةٌ غَيْرُ مَحْدُودَةٍ﴾ (ہود۔ ۱۰۸) کا ہے۔ یعنی نہ ختم ہونے والا اجر۔

(۴) قرآن مجید میں متعدد مقامات پر ذکر کیا گیا ہے کہ ”اللہ نے آسمانوں اور زمین کو چھ دن میں پیدا فرمایا“ یہاں اس کی
کچھ تفصیل بیان فرمائی گئی ہے۔ فرمایا، زمین کو دودن میں بنایا۔ اس سے مراد ہیں۔ یَوْمَ الْأَحَدِ (اتوار) اور یَوْمَ الْاِثْنَيْنِ
(عیر) سورۃ نازعات میں کہا گیا ہے ﴿وَالْاَرْضُ بَعْدَ ذَٰلِكَ دَحْيًا﴾ جس سے بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ زمین کو آسمان کے بعد بنایا
گیا ہے جب کہ یہاں زمین کی تخلیق کا ذکر آسمان کی تخلیق سے پہلے کیا گیا ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اس کی
وضاحت اس طرح فرمائی ہے کہ تخلیق اور چیز ہے اور دَحٰی جو اصل میں دَحُو ہے (بچھانا یا پھیلانا) اور چیز۔ زمین کی

وَجَعَلَ فِيهَا رَوَاسِيَ مِنْ فَوْقِهَا وَبَرَكَ فِيهَا وَقَدَّرَ فِيهَا
أَفْوَاطَهَا مِنْ ذُرِّيَةِ آيَاتِهِ سَوَاءٌ لِّلسَّالِئِلِينَ ⑤

ثُمَّ اسْتَوَىٰ إِلَى السَّمَاءِ وَهِيَ دُخَانٌ فَقَالَ لَهَا وَلِلْأَرْضِ
انفِئَا طُوعًا أَوْ كَرْهًا قَالَتَا أَتَيْنَا طَائِعِينَ ⑥
فَقَضَاهُنَّ سَبْعَ سَبْعَاتٍ فِي يَوْمٍ نَحْوٍ مِّنْ ثَمَرٍ أُوتِيَ قُلُوبُ سَمَاءٍ أَوْ رَمَا

اور اس نے زمین میں اس کے اوپر سے پہاڑ گاڑ دیئے^(۱) اور اس میں برکت رکھ دی^(۲) اور اس میں (رہنے والوں کی) غذاؤں کی تجویز بھی اسی میں کر دی^(۳) (صرف) چار دن میں^(۴) ضرورت مندوں کے لیے یکساں طور پر۔^(۵) (۱۰)

پھر آسمان کی طرف متوجہ ہوا اور وہ دھواں (سا) تھا پس اسے اور زمین سے فرمایا کہ تم دونوں خوشی سے آؤ یا ناخوشی سے۔^(۶) دونوں نے عرض کیا ہم بخوشی حاضر ہیں۔ (۱۱)
پس دو دن میں سات آسمان بنا دیئے اور ہر آسمان میں

تخلیق آسمان سے پہلے ہوئی، جیسا کہ یہاں بھی بیان کیا گیا ہے اور دُخُو کا مطلب ہے کہ زمین کو رہائش کے قابل بنانے کے لیے اس میں پانی کے ذخائر رکھے گئے، اسے پیداواری ضروریات کا مخزن بنایا گیا۔ ﴿اَخْرِجْنَاهُمَا مَّا وَصَّيْنَاهُمَا﴾ اس میں پہاڑ، نیلے اور بمادات رکھے گئے۔ یہ عمل آسمان کی تخلیق کے بعد دوسرے دو دنوں میں کیا گیا۔ یوں زمین اور اس کے تعلقات کی تخلیق پورے چار دنوں میں مکمل ہوئی۔ (صحیح بخاری، تفسیر سورہ حم السجدة)

(۱) یعنی پہاڑوں کو زمین میں سے ہی پیدا کر کے ان کو اس کے اوپر گاڑ دیا تاکہ زمین ادھر یا ادھر نہ ڈولے۔
(۲) یہ اشارہ ہے پانی کی کثرت، انواع و اقسام کے رزق، معدنیات اور دیگر اسی قسم کی اشیاء کی طرف یہ زمین کی برکت ہے، کثرت خیر کا نام ہی برکت ہے۔

(۳) أَفْوَاطٌ، قُوْتُ (غذا، خوراک) کی جمع ہے۔ یعنی زمین پر بسنے والی تمام مخلوقات کی خوراک اس میں مقدر کر دی ہے یا بندوبست کر دیا ہے۔ اور رب کی اس تقدیر یا بندوبست کا سلسلہ اتنا وسیع ہے کہ کوئی زبان اسے بیان نہیں کر سکتی، کوئی قلم اسے رقم نہیں کر سکتا اور کوئی کیلکولیٹر اسے گن نہیں سکتا۔ بعض نے اس کا مطلب یہ بیان کیا ہے کہ ہر زمین کے دوسرے حصوں میں پیدا نہیں ہو سکتیں۔ تاکہ ہر علاقے کی یہ یہ مخصوص پیداوار ان علاقوں کی تجارت و معیشت کی بنیادیں بن جائیں۔ چنانچہ یہ مفہوم بھی اپنی جگہ صحیح اور بالکل حقیقت ہے۔

(۴) یعنی تخلیق کے پہلے دو دن اور وحی کے دو دن سارے دن ملا کہ یہ کل چار دن ہوئے، جن میں یہ سارا عمل تکمیل کو پہنچا۔
(۵) سَوَاءٌ کا مطلب ہے، ٹھیک چار دن میں۔ یعنی پوچھنے والوں کو بتلا دو کہ تخلیق اور دُخُو کا یہ عمل ٹھیک چار دن میں ہوا۔ یا پورا یا برابر جواب ہے ساکلم کے لیے۔

(۶) یہ اتنا کس طرح تھا؟ اس کی کیفیت نہیں بیان کی جاسکتی۔ یہ دونوں اللہ کے پاس آئے جس طرح اس نے چاہا۔ بعض نے اس کا مفہوم لیا ہے کہ میرے حکم کی اطاعت کرو، انہوں نے کہا ٹھیک ہے ہم حاضر ہیں۔ چنانچہ اللہ نے آسمان کو حکم

اس کے مناسب احکام کی وحی بھیج دی ^(۱) اور ہم نے آسمان دنیا کو چراغوں سے زینت دی اور نگہبانی کی، ^(۲) یہ تدبیر اللہ غالب و داناکہ ہے۔ (۱۲)

اب بھی یہ روگرداں ہوں تو کہہ دیجئے! کہ میں تمہیں اس کڑک (عذاب آسمانی) سے ڈراتا ہوں جو مثل عادیوں اور شمودیوں کی کڑک کے ہوگی۔ (۱۳)

ان کے پاس جب ان کے آگے پیچھے سے پیغمبر آئے کہ تم اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو تو انہوں نے جواب دیا کہ اگر ہمارا پروردگار چاہتا تو فرشتوں کو بھیجتا۔ ہم تو تمہاری رسالت کے بالکل منکر ہیں۔ ^(۳) (۱۴)

اب عاد نے تو بے وجہ زمین میں سرکشی شروع کر دی اور کہنے لگے کہ ہم سے زور آور کون ہے؟ ^(۴) کیا انہیں یہ نظر نہ آیا کہ جس نے انہیں پیدا کیا ہے وہ ان سے (بہت ہی) زیادہ زور آور ہے، ^(۵) وہ (آخر تک) ہماری آیتوں کا

وَرَبَّنَا السَّمَاءُ الدُّنْيَا بِمَصَابِيحٍ مُّصَفًّطَاتٍ ذَٰلِكَ تَقْدِيرُ الْعَزِيزِ الْعَلِيمِ ۝۱۲

فَإِنْ أَعْرَضُوا فَقُلْ أَنْذَرْتُكُمْ صِيعَةً يَأْتِيَكُمُ صِيعَةٌ يَوْمَ تَأْتِي الْغَمَامُ عَادًا يُمْسَوْنَ ۝۱۳

إِذْ جَاءَهُمُ الرُّسُلُ مِنْ بَنِي إِدْرِيسَ يَعْلَمُونَ مِنْ خَلْقِهِمْ أَلَّا تَعْبُدُوا إِلَّا اللَّهَ قَالُوا لَوْ شَاءَ رَبُّنَا لَأَنزَلْنَا مَكِّبَةً فَاَتَانَاهَا بِرُسُلٍ لَهُمْ يَكْفُرُونَ ۝۱۴

فَأَمَّا عَادُ فَاسْتَكْبَرُوا فِي الْأَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ وَقَالُوا لِمَنْ أَشَدُّ مَقَامًا وَمَنَافِقًا أُولَٰئِكَ هُمُ الَّذِينَ كَلَّمَهُمْ هُوَ أَشَدُّ مِنْهُمْ قُوَّةً وَكَانُوا بِآيَاتِنَا يَجْحَدُونَ ۝۱۵

دیا، سورج، چاند اور ستارے نکال اور زمین کو کما، نہریں جاری کر دے اور پھل نکال دے (ابن کثیر) یا مفہوم ہے کہ تم دونوں وجود میں آ جاؤ۔

(۱) یعنی خود آسمانوں کو یا ان میں آباہ فرشتوں کو مخصوص کاموں اور اوراد و وظائف کا پابند کر دیا۔

(۲) یعنی شیطان سے نگہبانی، جیسا کہ دوسرے مقام پر وضاحت ہے، ستاروں کا ایک تیسرا مقصد دوسری جگہ اخذاء (راستہ معلوم کرنا) بھی بیان کیا گیا ہے (النحل ۱۶)۔

(۳) یعنی چونکہ تم ہماری طرح ہی کے انسان ہو، اس لیے ہم تمہیں نبی نہیں مان سکتے۔ اللہ تعالیٰ کو نبی بھیجتا ہوتا تو فرشتوں کو بھیجتا نہ کہ انسانوں کو۔

(۴) اس فقرے سے ان کا مقصد یہ تھا کہ وہ عذاب روک لینے پر قادر ہیں، کیونکہ وہ دراز قد اور نہایت زور آور تھے۔ یہ انہوں نے اس وقت کہا جب ان کے پیغمبر حضرت ہود علیہ السلام نے ان کو انذار و تنبیہ کے لیے عذاب الہی سے ڈرایا۔

(۵) یعنی کیا وہ اللہ سے بھی زیادہ زور آور ہیں، جس نے انہیں پیدا کیا اور انہیں قوت و طاقت سے نوازا۔ کیا ان کو بنانے کے بعد اس کی اپنی قوت و طاقت ختم ہو گئی ہے؟ یہ استفہام، استنکار اور توہین کے لیے ہے۔

(۶) ان معجزات کا جو انبیاء کو ہم نے دیئے تھے، یا ان دلائل کا جو پیغمبروں کے ساتھ نازل کیے تھے یا ان آیات تکوینیہ کا جو

انکار ہی کرتے رہے۔ (۱۵)

بالآخر ہم نے ان پر ایک تیز و تند آندھی^(۱) منحوس دنوں میں^(۲) بھیج دی کہ انہیں دنیاوی زندگی میں ذلت کے عذاب کا مزہ چکھا دیں، اور (یقین مانو) کہ آخرت کا عذاب اس سے بہت زیادہ رسوائی والا ہے اور وہ مدد نہیں کیے جائیں گے۔ (۱۶)

رہے شمود، سو ہم نے ان کی بھی رہبری کی^(۳) پھر بھی انہوں نے ہدایت پر اندھے پن کو ترجیح دی^(۴) جس بنا پر انہیں (سرپا) ذلت کے عذاب کی کڑک نے ان کے کرتوتوں کے باعث پکڑ لیا۔ (۱۷)

اور (ہاں) ایمان دار اور پارساؤں کو ہم نے (بال بال) بچا لیا۔ (۱۸)

فَأَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ رِيحًا صَرْصَرًا فِي أَيَّامٍ نَحْسَاتٍ لَّنُنْذِرَهُمْ
عَذَابَ الْحُزْنِ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَلَعَذَابُ الْآخِرَةِ أَخْزَىٰ وَهُمْ
لَا يُبْصِرُونَ ﴿١٥﴾

وَأَمَّا شُمُودُ فَهَدَيْنَاهُمْ فَاسْتَحَبُّوا الْعَمَىٰ عَلَى الْهُدَىٰ فَأَخَذَهُمُ
صَاعِقَةُ الْعَذَابِ الْهُونِ بِمَا كَانُوا يَكْسِبُونَ ﴿١٦﴾

وَبَعَثْنَا الَّذِينَ آمَنُوا وَكَانُوا يَتَّقُونَ ﴿١٧﴾

کائنات میں پھیلی اور بکھری ہوئی ہیں۔

(۱) صَرْصَر، صُرَّة (آواز) سے ہے۔ یعنی ایسی ہوا جس میں سخت آواز تھی۔ یعنی نہایت تند اور تیز ہوا، جس میں آواز بھی ہوتی ہے۔ بعض کہتے ہیں یہ صر سے ہے، جس کے معنی برد (ٹھنڈک) کے ہیں۔ یعنی ایسی پالے والی ہوا جو آگ کی طرح جلا ڈالتی ہے۔ امام ابن کثیر فرماتے ہیں وَالْحَقُّ أَنَّهَا مُتَّصِفَةٌ بِجَمِيعِ ذَلِكَ 'وہ ہوا ان تمام ہی باتوں سے متصف تھی۔

(۲) نَحْسَاتٌ کا ترجمہ، بعض نے متواترپے درپے کا کیا ہے۔ کیونکہ یہ ہوا سات راتیں اور آٹھ دن مسلسل چلتی رہی۔ بعض نے سخت، بعض نے گرد و غبار والے اور بعض نے نحوست والے کیا ہے۔ آخری ترجمہ کا مطلب یہ ہو گا کہ یہ ایام جن میں ان پر سخت ہوا کا طوفان جاری رہا، ان کے لیے منحوس ثابت ہوئے۔ یہ نہیں کہ ایام ہی مطلقاً منحوس ہیں۔

(۳) یعنی ان کو توحید کی دعوت دی، اس کے دلائل ان کے سامنے واضح کیے اور ان کے پیغمبر حضرت صالح علیہ السلام کے ذریعے سے ان پر حجت تمام کی۔

(۴) یعنی انہوں نے مخالفت اور تکذیب کی، حتیٰ کہ اس اونٹنی تک کو ذبح کر ڈالا جو بطور معجزہ، ان کی خواہش پر چٹان سے ظاہر کی گئی تھی اور پیغمبر کی صداقت کی دلیل تھی۔

(۵) صَاعِقَةُ، عذاب شدید کو کہتے ہیں، ان پر یہ سخت عذاب چنگھاڑ اور زلزلے کی صورت میں آیا، جس نے انہیں ذلت و رسوائی کے ساتھ تباہ و برباد کر دیا۔

اور جس دن ^(۱) اللہ کے دشمن دوزخ کی طرف لائے جائیں گے اور ان (سب) کو جمع کر دیا جائے گا۔ ^(۲) (۱۹)

یہاں تک کہ جب بالکل جہنم کے پاس آجائیں گے ان پر ان کے کان اور ان کی آنکھیں اور ان کی کھالیں ان کے اعمال کی گواہی دیں گی۔ ^(۳) (۲۰)

یہ اپنی کھالوں سے کہیں گے کہ تم نے ہمارے خلاف شہادت کیوں دی، ^(۴) وہ جواب دیں گی کہ ہمیں اس اللہ نے قوت گویائی عطا فرمائی جس نے ہر چیز کو بولنے کی طاقت بخشی ہے، اسی نے تمہیں اول مرتبہ پیدا کیا اور اسی کی طرف تم سب لوٹائے جاؤ گے۔ ^(۵) (۲۱)

وَيَوْمَ يُحْشَرُ أَعْدَاءُ اللَّهِ إِلَى النَّارِ فَهُمْ يُوزَعُونَ ۝

حَتَّىٰ إِذَا مَا جَاءُوهَا شَهِدَ عَلَيْهِمْ سَمْعُهُمْ وَأَبْصَارُهُمْ وَجُلُودُهُم بِمَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ۝

وَقَالُوا لَوْلَا جُئِدُوا إِلَيْنَا رَبَّنَا فَقَالُوا أَتُفْقِنَتُنَا اللَّهُ الَّذِي أَنْطَقَ كُلَّ شَيْءٍ وَهُوَ خَلَقَكُمْ أَوَّلَ مَرَّةٍ وَالْأَوَّلُ يُرْجَعُونَ ۝

(۱) یہاں اذْخَرُ مخذوف ہے، وہ وقت یاد کرو جب اللہ کے دشمنوں کو جہنم کے فرشتے جمع کریں گے یعنی اول سے آخر تک کے دشمنوں کا اجتماع ہو گا۔

(۲) أَيْ: يُحْبَسُ أَوْ لُحْمُ عَلَيَّ آخِرِهِمْ لِيَلْأَحْقُوا (فتح القدیر) یعنی ان کو روک روک کر اول و آخر کو باہم جمع کیا جائے گا۔ (اس لفظ کی مزید تشریح کے لیے دیکھیے سورۃ النمل آیت نمبر ۷ کا حاشیہ)

(۳) یعنی جب وہ اس بات سے انکار کریں گے کہ انہوں نے شرک کا ارتکاب کیا، تو اللہ تعالیٰ ان کے مونہوں پر مہر لگا دے گا اور ان کے اعضاء بول کر گواہی دیں گے کہ یہ فلاں فلاں کام کرتے رہے إِذَا مَا جَاءُوهَا میں ما زائد ہے تاکہ کے لیے۔ انسان کے اندر پانچ حواس ہیں۔ یہاں دو کا ذکر ہے۔ تیسری جلد (کھال) کا ذکر ہے جو مس یا لمس کا آلہ ہے۔ یوں حواس کی تین قسمیں ہو گئیں۔ باقی دو حواس کا ذکر اس لیے نہیں کیا کہ ذوق (چکھنا) بوجہ لمس میں داخل ہے، کیونکہ یہ چکھنا اس وقت تک ممکن نہیں ہے جب تک اس شے کو زبان کی جلد پر نہ رکھا جائے۔ اسی طرح سونگھنا (شم) اس وقت تک ممکن نہیں جب تک کہ وہ شے ناک کی جلد پر نہ گزرے۔ اس اعتبار سے جلود کے لفظ میں تین حواس آجاتے ہیں۔ (فتح القدیر)

(۴) یعنی جب مشرکین اور کفار دیکھیں گے کہ خود ان کے اپنے اعضاء ان کے خلاف گواہی دے رہے ہیں، تو ازارہ تعجب یا بطور عتاب اور ناراضی کے ان سے یہ کہیں گے۔

(۵) بعض کے نزدیک وَهُوَ سے اللہ کا کلام مراد ہے۔ اس لحاظ سے یہ جملہ مستانفہ ہے۔ اور بعض کے نزدیک جلود انسانی ہی کا۔ اس اعتبار سے یہ انہی کے کلام کا تتمہ ہے۔ قیامت والے دن انسانی اعضا کے گواہی دینے کا ذکر اس سے قبل سورۃ

اور تم (اپنی بد اعمالیاں) اس وجہ سے پوشیدہ رکھتے ہی نہ تھے کہ تم پر تمہارے کان اور تمہاری آنکھیں اور تمہاری کھالیں گواہی دیں گی،^(۱) ہاں تم یہ سمجھتے رہے کہ تم جو کچھ بھی کر رہے ہو اس میں سے بہت سے اعمال سے اللہ بے خبر ہے۔^(۲) (۲۲)

تمہاری اسی بدگمانی نے جو تم نے اپنے رب سے کر رکھی تھی تمہیں ہلاک کر دیا^(۳) اور بالآخر تم زیاں کاروں میں ہو گئے۔ (۲۳)

اب اگر یہ صبر کریں تو بھی ان کا ٹھکانا جہنم ہی ہے۔ اور اگر یہ (عذر و) معافی کے خواستگار ہوں تو بھی (معذور و)

وَمَا كُنْتُمْ تَسْتَوُونَ أَنْ يَنْتَهَدَ عَلَيْكُمْ سَمْعُكُمْ وَلَا أَبْصَارُكُمْ وَلَا جُلُودُكُمْ وَلَكِنْ فَلَنْتُمْ أَنَّ اللَّهَ لَا يَعْلَمُ كَثِيرًا مِمَّا تَعْمَلُونَ ﴿۲۲﴾

وَذَلِكُمْ ظَنُّكُمُ الَّذِي ظَنَنْتُمْ بِرَبِّكُمْ أَرْدَاكُمْ فَأَصْبَحْتُمْ مِنَ الْخَاسِرِينَ ﴿۲۳﴾

فَأَنْ يَصْبِرُوا فَالْعَالَمُ آمَنُوا لَهُمْ وَلَنْ يَسْتَعْتَبُوا أَفْئَامَهُمْ مِنَ الْمُعْتَبِينَ ﴿۲۴﴾

نور، آیت ۲۲، سورہ یٰسین، آیت ۶۵، میں بھی گزر چکا ہے اور صحیح احادیث میں بھی اسے بیان کیا گیا ہے۔ مثلاً جب اللہ کے حکم سے انسانی اعضا بول کر بتلائیں گے تو بندہ کہے گا، بُغْذَا لِّكُنَّ وَسُخْفًا، فَعَنْكُنْ كُنْتُ أَنْصِلُ (صحیح مسلم، کتاب الزہد) ”تمہارے لیے ہلاکت اور دوری ہو“ میں تو تمہاری ہی خاطر جھگڑ رہا اور مدافعت کر رہا تھا۔“ اسی روایت میں یہ بھی بیان ہوا ہے کہ بندہ کہے گا کہ میں اپنے نفس کے سوا کسی کی گواہی نہیں مانوں گا۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا، کیا میں اور میرے فرشتے کرانا کا تین گواہی کے لیے کافی نہیں۔ پھر اس کے منہ پر مہر لگا دی جائے گی اور اس کے اعضا کو بولنے کا حکم دیا جائے گا“ (حوالہ مذکور)

(۱) اس کا مطلب ہے کہ تم گناہ کا کام کرتے ہوئے لوگوں سے تو چھپنے کی کوشش کرتے تھے لیکن اس بات کا کوئی خوف تمہیں نہیں تھا کہ تمہارے خلاف خود تمہارے اپنے اعضا بھی گواہی دیں گے کہ جن سے چھپنے کی تم ضرورت محسوس کرتے۔ اس کی وجہ ان کا باعث و نشور سے انکار اور اس پر عدم یقین تھا۔

(۲) اس لیے تم اللہ کی حدیں توڑنے اور اس کی نافرمانی کرنے میں بے باک تھے۔

(۳) یعنی تمہارے اس اعتقاد فاسد اور گمان باطل نے کہ اللہ کو ہمارے بہت سے عملوں کا علم نہیں ہوتا، تمہیں ہلاکت میں ڈال دیا، کیوں کہ اس کی وجہ سے تم ہر قسم کا گناہ کرنے میں دلیر اور بے خوف ہو گئے تھے۔ اس کی شان نزول میں ایک روایت ہے۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ خانہ کعبہ کے پاس دو قرشی اور ایک ثقفی یادو ثقفی اور ایک قرشی جمع ہوئے۔ قریبہ بدن، قلیل القسم، ان میں سے ایک نے کہا ”کیا تم سمجھتے ہو، ہماری باتیں اللہ سنتا ہے؟“ دوسرے نے کہا ”ہماری جری باتیں سنتا ہے اور سری باتیں نہیں سنتا۔“ ایک اور نے کہا ”اگر وہ ہماری جری (اونچی) باتیں سنتا ہے تو ہماری سری (پوشیدہ) باتیں بھی یقیناً سنتا ہے۔“ جس پر اللہ تعالیٰ نے آیت ﴿وَمَا كُنْتُمْ تَسْتَوُونَ﴾ نازل فرمائی، (صحیح بخاری، تفسیر سورہ عم السجدہ)

معاف نہیں رکھے جائیں گے۔^(۱) (۲۳)

اور ہم نے ان کے کچھ ہم نشین مقرر کر رکھے تھے جنہوں نے ان کے اگلے پچھلے اعمال ان کی نگاہوں میں خوبصورت بنارکھے تھے اور ان کے حق میں بھی اللہ کا قول ان امتوں کے ساتھ پورا ہوا جو ان سے پہلے جنوں انسانوں کی گزر چکی ہیں۔ یقیناً وہ زیاں کار ثابت ہوئے۔ (۲۵)

اور کافروں نے کہا اس قرآن کو سنو ہی مت^(۳) (اس کے پڑھے جانے کے وقت) اور بیہودہ گوئی کرو^(۴) کیا عجب کہ تم غالب آجاؤ۔^(۵) (۲۶)

پس یقیناً ہم ان کافروں کو سخت عذاب کا مزہ چکھائیں گے۔ اور انہیں ان کے بدترین اعمال کا بدلہ (ضرور) ضرور دیں گے۔^(۶) (۲۷)

وَيَضُنُّا لَهُمْ قُرْآنًا فَزَيَّنَّا لَهُمْ مَا بَيْنَ أَيْدِيهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ وَحَقَّقْنَا عَلَيْهِمُ الْقَوْلَ فِي أُمِّهِمْ فَذَلَّكَ مِنْ قَبْلِهِمْ مِنَ الْبُحَيْنِ وَالْأُنْثَىٰ إِنَّهُمْ كَانُوا خَبِيرِينَ ۝

وَقَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا لَا تَسْمَعُوا هَذَا الْقُرْآنَ وَالْغَوْا فِيهِ لَعَلَّكُمْ تَعْلَمُونَ ۝

فَلَنَذِيْقَنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا عَذَابًا أَشَدًّا ۖ وَلَنَجْذِيْعُهُمْ أَصْوَابًا الَّذِي كَانُوا يَعْمَلُونَ ۝

(۱) ایک دوسرے معنی اس کے یہ کیے گئے ہیں کہ اگر وہ منانا چاہیں گے (عُتْبَىٰ رضا طلب کریں گے) تاکہ وہ جنت میں چلے جائیں تو یہ چیز ان کو کبھی حاصل نہ ہوگی۔ (السر التفسیر وفتح القدیر) بعض نے اس کا مفہوم یہ بیان کیا ہے کہ وہ دنیا میں دوبارہ بھیجے جانے کی آرزو کریں گے جو منظور نہیں ہوگی۔ (ابن جریر طبری) مطلب یہ ہے کہ ان کا ابدی ٹھکانا جہنم ہے، اس پر صبر کریں (تب بھی رحم نہیں کیا جائے گا، جیسا کہ دنیا میں بعض دفعہ صبر کرنے والوں پر ترس آجاتا ہے) یا کسی اور طریقے سے وہاں سے نکلنے کی سعی کریں، مگر اس میں بھی انہیں ناکامی ہی ہوگی۔

(۲) ان سے مراد وہ شیاطین انس و جن ہیں جو باطل پر اصرار کرنے والوں کے ساتھ لگ جاتے ہیں، جو انہیں کفر و معاصی کو خوبصورت کر کے دکھاتے ہیں، پس وہ اس گمراہی کی دلدل میں پھنسے رہتے ہیں، حتیٰ کہ انہیں موت آجاتی ہے اور وہ خسارۂ ابدی کے مستحق قرار پاتے ہیں۔

(۳) یہ انہوں نے باہم ایک دوسرے کو کہا۔ بعض نے لَا تَسْمَعُوا کے معنی کیے ہیں، اس کی اطاعت نہ کرو۔

(۴) یعنی شور کرو، تالیاں، سیٹیاں بجاؤ، چیخ چیخ کر باتیں کرو تاکہ حاضرین کے کانوں میں قرآن کی آواز نہ جائے اور ان کے دل قرآن کی بلاغت اور خوبیوں سے متاثر نہ ہوں۔

(۵) یعنی ممکن ہے اس طرح شور کرنے کی وجہ سے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) قرآن کی تلاوت ہی نہ کرے جسے سن کر لوگ متاثر ہوتے ہیں۔

(۶) یعنی ان کے بعض اچھے عملوں کی کوئی قیمت نہیں ہوگی، مثلاً اکرام ضیف، صلہ رحمی وغیرہ۔ کیونکہ ایمان کی دولت

اللہ کے دشمنوں کی سزائی دوزخ کی آگ ہے جس میں ان کا بھٹکی کا گھر ہے (یہ بدلہ ہے ہماری آیتوں سے انکار کرنے کا۔^(۱) (۲۸)

اور کافر لوگ کہیں گے اے ہمارے رب! ہمیں جنوں انسانوں (کے وہ دونوں فریق) دکھا جنہوں نے ہمیں گمراہ کیا^(۲) (تاکہ) ہم انہیں اپنے قدموں تلے ڈال دیں تاکہ وہ جہنم میں سب سے نیچے (سخت عذاب میں) ہو جائیں۔^(۳) (۲۹)

(واقعی) جن لوگوں نے کہا کہ ہمارا پروردگار اللہ ہے^(۴) پھر اسی پر قائم رہے^(۵) ان کے پاس فرشتے (یہ کہتے

ذَٰلِكَ جَزَاءُ أَعْدَاءِ اللَّهِ الثَّارُ لَهُمْ فِيهَا دَارُ الْخُلْدِ
جَزَاءُ بِمَا كَانُوا بِآيَاتِنَا يَجْحَدُونَ ﴿۲۸﴾

وَقَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا رَبَّنَا أَلَّذِينَ آضَلْنَا مِنْ الْجَنِّ
وَالْإِنْسِ تَجْعَلُ لَهُمُ الْحَنَّتَ أَفَدَامَنَا لِيَكُونُوا مِنَ الْكَافِرِينَ ﴿۲۹﴾

إِنَّ الَّذِينَ قَالُوا رَبُّنَا اللَّهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوا تَتَنَزَّلُ عَلَيْهِمُ

سے وہ محروم رہے تھے، البتہ برے عملوں کی جزا ۱۱ نہیں ملے گی، جن میں قرآن کریم سے روکنے کا جرم بھی ہے۔

(۱) آیتوں سے مراد جیسا کہ پہلے بھی بتلایا گیا ہے، وہ دلائل و براہین واضح ہیں جو اللہ تعالیٰ انبیاء پر نازل فرماتا ہے یا وہ معجزات ہیں جو انہیں عطا کیے جاتے ہیں یا وہ دلائل تکوینیہ ہیں جو کائنات یعنی آفاق و انفس میں پھیلے ہوئے ہیں۔ کافران سب ہی کا انکار کرتے ہیں، جس کی وجہ سے وہ ایمان کی دولت سے محروم رہتے ہیں۔

(۲) اس کا مفہوم واضح ہی ہے کہ گمراہ کرنے والے شیاطین ہی نہیں ہوتے، انسانوں کی ایک بہت بڑی تعداد بھی شیطان کے زیر اثر لوگوں کو گمراہ کرنے میں مصروف رہتی ہے۔ تاہم بعض نے جن سے ابلیس اور انسان سے قابیل مراد لیا ہے، جس نے انسانوں میں سب سے پہلے اپنے بھائی ہابیل کو قتل کر کے ظلم اور کبیرہ گناہ کا ارتکاب کیا اور حدیث کے مطابق قیامت تک ہونے والے ناجائز قتلوں کے گناہ کا ایک حصہ بھی اس کو ملتا رہے گا۔ ہمارے خیال میں پہلا مفہوم زیادہ صحیح ہے۔

(۳) یعنی اپنے قدموں سے انہیں روندیں اور اس طرح ہم انہیں خوب ذلیل و رسوا کریں۔ جہنمیوں کو اپنے لیڈروں پر جو غصہ ہو گا، اس کی تشفی کے لیے وہ یہ کہیں گے۔ روندہ دونوں ہی مجرم ہیں اور دونوں ہی یکساں جہنم کی سزا بھگتیں گے۔ جیسے دوسرے مقام پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا ﴿لِكُلِّ ضِعْفٍ وَلَكِنْ لَا تُعْلَوْنَ﴾ (الأعراف: ۳۸) جہنمیوں کے تذکرے کے بعد اللہ تعالیٰ اہل ایمان کا تذکرہ فرما رہا ہے، جیسا کہ عام طور پر قرآن کا انداز ہے تاکہ ترہیب کے ساتھ ترغیب اور ترغیب کے ساتھ ترہیب کا بھی اہتمام رہے۔ گویا انذار کے بعد اب تبشیر۔

(۴) یعنی ایک اللہ وحدہ لا شریک۔ رب بھی وہی اور معبود بھی وہی۔ یہ نہیں کہ ربوبیت کا تو اقرار، لیکن الوہیت میں دوسروں کو بھی شریک کیا جا رہا ہے۔

(۵) یعنی سخت سے سخت حالات میں بھی ایمان و توحید پر قائم رہے، اس سے انحراف نہیں کیا۔ بعض نے استقامت کے

ہوئے) آتے ہیں کہ تم کچھ بھی اندیشہ اور غم نہ کرو^(۲) (بلکہ) اس جنت کی بشارت سن لو جس کا تم وعدہ دیئے گئے ہو۔^(۳) (۳۰)

تمہاری دنیوی زندگی میں بھی ہم تمہارے رفیق تھے اور آخرت میں بھی رہیں گے،^(۴) جس چیز کو تمہارا جی چاہے اور جو کچھ تم مانگو سب تمہارے لیے (جنت میں موجود) ہے۔ (۳۱)

غفور و رحیم (معبود) کی طرف سے یہ سب کچھ بطور مہمانی کے ہے۔ (۳۲)

اور اس سے زیادہ اچھی بات والا کون ہے جو اللہ کی طرف بلائے اور نیک کام کرے اور کہے کہ میں یقیناً مسلمانوں میں سے ہوں۔^(۵) (۳۳)

نیکی اور بدی برابر نہیں ہوتی۔^(۶) برائی کو بھلائی سے دفع کرو پھر وہی جس کے اور تمہارے درمیان دشمنی ہے

الْمَلِكَةُ أَتَتْهَا فَأَوْلا تَحْزَنُوا وَابْتَشَرُوا بِالْجَنَّةِ الَّتِي كُنْتُمْ تُوعَدُونَ ﴿۳۰﴾

تَحْزَنُ أُولَئِكَ فِي الصَّلَاةِ الذُّنُوبِ الْأَخْيَرِ وَلَكُمُ فِيهَا مَا تَشْتَهُى أَنْفُسُكُمْ وَلَكُمُ فِيهَا مَا تَدْعُونَ ﴿۳۱﴾

تُزَالَيْنَ عَنْكُمْ رِجِيمٌ ﴿۳۲﴾

وَمَنْ أَحْسَنُ قَوْلًا مِّمَّنْ دَعَا إِلَى اللَّهِ وَعَمِلَ صَالِحًا وَقَالَ إِنِّنِّي مِنَ الْمُسْلِمِينَ ﴿۳۳﴾

وَلَا تَتَّبِعُوا الْحَسَنَةَ وَلَا السَّيِّئَةَ لِنَفْعٍ يَأْتِيكُمْ فِي أَحْسَنِ فَآذَا الَّذِي بَيْنَكَ وَبَيْنَهُ عَدَاوَةٌ كَأَنَّهُ وَلِيٌّ حَمِيمٌ ﴿۳۴﴾

معنی اخلاص کیے ہیں۔ یعنی صرف ایک اللہ ہی کی عبادت و اطاعت کی۔ جس طرح حدیث میں بھی آتا ہے، ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا مجھے ایسی بات بتلا دیں کہ آپ ﷺ کے بعد کسی سے مجھے کچھ پوچھنے کی ضرورت نہ رہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا، «قُلْ آمَنْتُ بِاللَّهِ ثُمَّ اسْتَقِمْ» (صحیح مسلم: کتاب الإیمان، باب جامع أوصاف الإسلام) ”کہہ“ میں اللہ پر ایمان لایا، پھر اس پر استقامت اختیار کر۔“

(۱) یعنی موت کے وقت، بعض کہتے ہیں، فرشتے یہ خوش خبری تین جگہوں پر دیتے ہیں، موت کے وقت، قبر میں اور قبر سے دوبارہ اٹھنے کے وقت۔

(۲) یعنی آخرت میں پیش آنے والے حالات کا اندیشہ اور دنیا میں مال و اولاد جو چھوڑ آئے ہو، ان کا غم نہ کرو۔

(۳) یعنی دنیا میں جس کا وعدہ تمہیں دیا گیا تھا۔

(۴) یہ مزید خوش خبری ہے، یہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے۔ بعض کے نزدیک یہ فرشتوں کا قول ہے، دونوں صورتوں میں مومن کے لیے یہ عظیم خوش خبری ہے۔

(۵) یعنی لوگوں کو اللہ کی طرف بلانے کے ساتھ ساتھ خود بھی ہدایت یافتہ، دین کا پابند اور اللہ کا مطیع ہے۔

(۶) بلکہ ان میں عظیم فرق ہے۔

ایسا ہو جائے گا جیسے دلی دوست۔^(۱) (۳۴)

اور یہ بات انہیں کو نصیب ہوتی ہے جو صبر کریں^(۲) اور اسے سوائے بڑے نصیبی والوں کے کوئی نہیں پا سکتا۔^(۳) (۳۵)

اور اگر شیطان کی طرف سے کوئی وسوسہ آئے تو اللہ کی پناہ طلب کرو۔^(۴) یقیناً وہ بہت ہی سننے والا جاننے والا ہے۔^(۵) (۳۶)

اور دن رات اور سورج چاند بھی (اسی کی) نشانیوں میں سے ہیں،^(۶) تم سورج کو سجدہ نہ کرو نہ چاند

وَمَا يَلْقَا إِلَّا الَّذِينَ صَبَرُوا وَمَا يُلْقَاهَا إِلَّا الَّذِينَ هَظَّ عَظِيمٌ ۝

وَمَا يَنْزَعُكَ مِنَ الشَّيْطَانِ نَزْعٌ فَاسْتَعِذْ بِاللَّهِ إِنَّهُ هُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ ۝

وَمِنَ اللَّيْلِ وَالنَّهَارِ وَالشَّمْسِ وَالْقَمَرِ لَا تَسْجُدُوا لِلشَّمْسِ وَلَا لِلْقَمَرِ وَاسْجُدُوا لِلَّهِ الَّذِي خَلَقَهُنَّ إِن كُنتُمْ

(۱) یہ ایک بہت ہی اہم اخلاقی ہدایت ہے کہ برائی کو اچھائی کے ساتھ ٹالو۔ یعنی برائی کا بدلہ احسان کے ساتھ، زیادتی کا بدلہ عفو کے ساتھ، غضب کا صبر کے ساتھ، بے ہودگیوں کا جواب چشم پوشی کے ساتھ اور مکروہات (ناپسندیدہ باتوں) کا جواب برداشت اور حلم کے ساتھ دیا جائے۔ اس کا نتیجہ یہ ہو گا کہ تمہارا دشمن، دوست بن جائے گا، دور دور رہنے والا قریب ہو جائے گا اور خون کا پیاسا، تمہارا گرویدہ اور جانثار ہو جائے گا۔

(۲) یعنی برائی کو بھلائی کے ساتھ ٹالنے کی خوبی اگرچہ نہایت مفید اور بڑی شہر آور ہے لیکن اس پر عمل وہی کر سکیں گے جو صابر ہوں گے۔ غصے کو پی جانے والے اور ناپسندیدہ باتوں کو برداشت کرنے والے۔

(۳) حَظَّ عَظِيمٌ (بڑا نصیب) سے مراد جنت ہے یعنی مذکورہ خوبیاں اس کو حاصل ہوتی ہیں جو بڑے نصیبی والا ہوتا ہے، یعنی جنتی جس کے لیے جنت میں جانا لکھ دیا گیا ہو۔

(۴) یعنی شیطان، شریعت کے کام سے پھیرنا چاہے یا احسن طریقے سے برائی کے دفع کرنے میں رکاوٹ ڈالے تو اس کے شر سے بچنے کے لیے اللہ کی پناہ طلب کرو۔

(۵) اور جو ایسا ہو یعنی ہر ایک کی سننے والا اور ہر بات کو جاننے والا، وہی پناہ کے طلب گاروں کو پناہ دے سکتا ہے۔ یہ ماقبل کی تعلیل ہے۔ اس کے بعد اب پھر بعض ان نشانیوں کا تذکرہ کیا جا رہا ہے جو اللہ کی توحید، اس کی قدرت کاملہ اور اس کی قوت تصرف پر دلالت کرتی ہیں۔

(۶) یعنی رات کو تاریک بنانا تاکہ لوگ اس میں آرام کر سکیں، دن کو روشن بنانا تاکہ کسب معاش میں پریشانی نہ ہو۔ پھر یکے بعد دیگرے ایک دوسرے کا آنا جانا اور کبھی رات کا لہبا اور دن کا چھوٹا ہونا۔ اور کبھی اس کے برعکس دن کا لہبا اور رات کا چھوٹا ہونا۔ اسی طرح سورج اور چاند کا اپنے وقت پر طلوع و غروب ہونا اور اپنے اپنے مدار پر اپنی منزلیں طے کرتے رہنا اور آپس میں باہمی تصادم سے محفوظ رہنا، یہ سب اس بات کی دلیلیں ہیں کہ ان کا یقیناً کوئی خالق اور

إِنَّا نَعْبُدُونَ ۝

کو^(۱) بلکہ سجدہ اس اللہ کے لیے کرو جس نے ان سب کو پیدا کیا ہے،^(۲) اگر تمہیں اسی کی عبادت کرنی ہے تو۔ (۳۷)

پھر بھی اگر یہ کبر و غرور کریں تو وہ (فرشتے) جو آپ کے رب کے نزدیک ہیں وہ تو رات دن اس کی تسبیح بیان کر رہے ہیں اور (کسی وقت بھی) نہیں اکتاتے۔ (۳۸)

اس اللہ کی نشانوں میں سے (یہ بھی) ہے کہ تو زمین کو دبی دباؤ دیکھتا ہے^(۳) پھر جب ہم اس پر مینہ برساتے ہیں تو وہ تروتازہ ہو کر ابھرنے لگتی ہے۔^(۴) جس نے اسے زندہ کیا وہی یقینی طور پر مردوں کو بھی زندہ کرنے والا ہے،^(۵) بیشک وہ ہر (چیز پر) قادر ہے۔ (۳۹)

بیشک جو لوگ ہماری آیتوں میں کج روی کرتے ہیں^(۶) وہ



قَالُوا اسْكُتُوا فَالَّذِينَ عِنْدَ رَبِّكَ يُسَبِّحُونَ لَهُ بِاللَّيْلِ وَالنَّهَارِ وَهُمْ لَا يَسْأَمُونَ ۝

وَمِنَ الْآيَةِ أَنَّكَ تَرَى الْأَرْضَ خَاشِعَةً فَإِذَا أَنْزَلْنَا عَلَيْهَا الْمَاءَ اهْتَزَّتْ وَرَبَتْ إِنَّ الَّذِي أَحْيَاهَا لَمُجْمِعٌ ۝ إِنَّهُ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ۝

إِنَّ الَّذِينَ يُلْحِدُونَ فِي آيَاتِنَا لَا يَخْفَوْنَ عَلَيْهَا ۚ آفَمَنْ يُلْقَىٰ

مالک ہے۔ نیز وہ ایک اور صرف ایک ہے اور کائنات میں صرف اسی کا تصرف اور حکم چلتا ہے۔ اگر تدبیر و امر کا اختیار رکھنے والے، ایک سے زیادہ ہوتے تو یہ نظام کائنات ایسے مستحکم اور لگے بندھے طریقے سے کبھی نہیں چل سکتا تھا۔

(۱) اس لیے کہ یہ بھی تمہاری طرح اللہ کی مخلوق ہیں، خدائی اختیارات سے بہرہ وریا ان میں شریک نہیں ہیں۔
(۲) خَلَقَهُمْ، میں جمع مونث کی ضمیر اس لیے آئی ہے کہ یہ یا تو خَلَقَ هَذِهِ الْأَزْوَاجَ الْمَذْكُورَةَ کے مفہوم میں ہے، کیونکہ غیر عاقل کی جمع کا حکم جمع مونث ہی کا ہے۔ یا اس کا مرجع صرف شمس و قمر ہی ہیں اور بعض ائمہ نحاۃ کے نزدیک تشبیہ بھی جمع ہے یا پھر مراد الآیات ہیں، (فتح القدیر)

(۳) خَاشِعَةً کا مطلب، خشک اور قحط زدہ یعنی مردہ۔

(۴) یعنی انواع و اقسام کے خوش ذائقہ پھل اور غلے پیدا کرتی ہے۔

(۵) مردہ زمین کو بارش کے ذریعے سے اس طرح زندہ کر دینا اور اسے روئیدگی کے قابل بنا دینا، اس بات کی دلیل ہے کہ وہ مردوں کو بھی یقیناً زندہ کرے گا۔

(۶) یعنی ان کو مانتے نہیں بلکہ ان سے اعراض، انحراف اور ان کی تکذیب کرتے ہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے الحاد کے معنی کیے ہیں وضع الکلام علی غیر موانع، جس کی رو سے اس میں وہ باطل فرقتے بھی آجاتے ہیں جو اپنے غلط عقائد و نظریات کے اثبات کے لیے آیات الہی میں تحریف معنوی اور دجل و تلبیس سے کام لیتے ہیں۔

(کچھ) ہم سے مخفی نہیں، ^(۱) (تلاؤ تو) جو آگ میں ڈالا جائے وہ اچھا ہے یا وہ جو امن و امان کے ساتھ قیامت کے دن آئے؟ ^(۲) تم جو چاہو کرتے چلے جاؤ، ^(۳) وہ تمہارا سب کیا کرایا دیکھ رہا ہے۔ ^(۴۰)

جن لوگوں نے اپنے پاس قرآن پہنچ جانے کے باوجود اس سے کفر کیا، (وہ بھی ہم سے پوشیدہ نہیں) یہ ^(۴) بڑی با وقعت کتاب ہے۔ ^(۵) ^(۴۱)

جس کے پاس باطل پھٹک بھی نہیں سکتا نہ اس کے آگے سے نہ اس کے پیچھے سے، یہ ہے نازل کردہ حکمتوں والے خوبیوں والے (اللہ) کی طرف سے۔ ^(۶) ^(۴۲) آپ سے وہی کہا جاتا ہے جو آپ سے پہلے کے رسولوں

فِي النَّارِ خَيْرٌ مِّنْ يَّأْتِيْ اِيْمَانِكُمْ اَلَيْسَ لَكُم مَّا شِئْتُمْ ۗ اِنَّهٗ
بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ﴿۴۰﴾

اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِالْكِتٰبِ لَمَّا جَاءَهُمْ وَلَئِنْ لَّكُنَّ مِنْ عِزِّ رَبِّیْ ۙ ﴿۴۱﴾

لَا يَنْبِئُہٗ الْاَبَاطِلُ مِنْ شَيْءٍ يَدْعُوْا وَلَٰكِنْ خَلْفُہٗمْ تَوْنٌ مِّنْ
حٰكِمٍ وَحَمِيْدٍ ﴿۴۲﴾

مَا يَقَالُ لَكَ الْاِمَامَ قَدْ قِيلَ لِلرَّسُوْلِ مِنْ قَبْلِكَ اِنَّ رَبَّكَ

(۱) یہ طہرین (چاہے وہ کسی قسم کے ہوں) کے لیے سخت وعید ہے۔

(۲) یعنی کیا یہ دونوں برابر ہو سکتے ہیں؟ نہیں، یقیناً نہیں۔ علاوہ ازیں اس سے اشارہ کر دیا کہ طہرین آگ میں ڈالے جائیں گے اور اہل ایمان قیامت والے دن بے خوف ہوں گے۔

(۳) یہ امر کا لفظ ہے، لیکن یہاں اس سے مقصود وعید اور تہدید ہے۔ کفر و شرک اور معاصی کے لیے اذن اور اباحت نہیں ہے۔

(۴) بریکٹ کے الفاظ ان کی خبر محذوف کا ترجمہ ہیں بعض نے کچھ اور الفاظ محذوف مانے ہیں۔ مثلاً مُجَازَوْنَ بِكُفْرِهِمْ (انہیں ان کے کفر کی سزا دی جائے گی) یا هَالِكُونَ (وہ ہلاک ہونے والے ہیں) یا يُعَذَّبُونَ۔

(۵) یعنی یہ کتاب، جس سے اعراض و انحراف کیا جاتا ہے معارضے اور طعن کرنے والوں کے طعن سے بہت بلند اور ہر عیب سے پاک ہے۔

(۶) یعنی وہ ہر طرح سے محفوظ ہے، آگے سے، کامطلب ہے کی اور پیچھے سے، کامطلب ہے زیادتی یعنی باطل اس کے آگے سے آکر اس میں کی اور نہ اس کے پیچھے سے آکر اس میں اضافہ کر سکتا ہے اور نہ کوئی تغیر و تحریف ہی کرنے میں کامیاب ہو سکتا ہے۔ کیونکہ یہ اس کی طرف سے نازل کردہ ہے جو اپنے اقوال و افعال میں حکیم ہے اور حمید یعنی محمود ہے۔ یا وہ جن باتوں کا حکم دیتا ہے اور جن سے منع فرماتا ہے، عواقب اور غایات کے اعتبار سے سب محمود ہیں، یعنی اچھے اور مفید ہیں۔ (ابن کثیر)

لَا تُدْعَىٰ تَوَدُّ دُعَاءَ الْيَهُودِ ۝

وَلَوْ جَعَلْنَاهُ قُرْآنًا تَجْمَعِيَانَا لَوَلَّوْا فَصَلَّتْ إِلَيْنَا
 ءَاعْجَبِي وَعَرِّ قُلْ هُوَ الَّذِي أَنْزَلَ هَٰذَا وَرُسُلًا
 وَالَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ فِي آذَانِهِمْ وَقْرٌ وَهُوَ عَلَيْهِمْ عَمًّ
 أُولَٰئِكَ يُنَادُونَ مِنْ مَّكَانٍ بَعِيدٍ ۝

سے بھی کہا گیا ہے، ^(۱) یقیناً آپ کا رب معافی والا ^(۲) اور
 دردناک عذاب والا ہے۔ ^(۳) (۴۳)
 اور اگر ہم اسے عجی زبان کا قرآن بناتے تو کہتے ^(۴) کہ اس
 کی آیتیں صاف صاف بیان کیوں نہیں کی گئیں؟ ^(۵) یہ کیا
 کہ عجی کتاب اور آپ عربی رسول؟ ^(۶) آپ کہہ دیجئے کہ
 یہ تو ایمان والوں کے لیے ہدایت و شفا ہے اور جو ایمان
 نہیں لاتے ان کے کانوں میں تو (بہرا پن اور) بوجھ ہے اور یہ
 ان پر اندھا پن ہے، یہ وہ لوگ ہیں جو کسی بہت دور دراز
 جگہ سے پکارے جارہے ہیں۔ ^(۷) (۴۴)

(۱) یعنی پچھلی قوموں نے اپنے پیغمبروں کی تکذیب کے لیے جو کچھ کہا کہ یہ ساحر ہیں، مجنون ہیں، کذاب ہیں وغیرہ وغیرہ،
 وہی کچھ کفار مکہ نے بھی آپ ﷺ کو کہا ہے۔ یہ گویا آپ ﷺ کو تسلی دی جا رہی ہے کہ آپ ﷺ کی تکذیب اور
 آپ ﷺ کی سحر، کذب اور جنون کی طرف نسبت، نئی بات نہیں ہے، ہر پیغمبر کے ساتھ یہی کچھ ہوتا آیا ہے جیسے
 دوسرے مقام پر فرمایا۔ ﴿ مَا آتَى الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ مِنْ رَسُولٍ إِلَّا قَالُوا سَاحِرٌ أَوْ مُجُنٌّ ﴾ * اتَّخَذُوا إِلَهُهُم مِّنْ ظُلُمٍ ۖ أَعْمُو۟نَ ﴿
 (الذاریات-۵۲، ۵۳) دوسرا مطلب اس کا یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو توحید اور اخلاص کا جو حکم دیا گیا ہے، یہ وہی
 باتیں ہیں جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے رسولوں کو بھی کہی گئی تھیں۔ اس لیے کہ تمام شریعتیں ان باتوں پر متفق
 رہی ہیں بلکہ سب کی اولین دعوت ہی توحید و اخلاص تھی۔ (فتح القدیر)

(۲) یعنی ان اہل ایمان و توحید کے لیے جو مستحق مغفرت ہیں۔
 (۳) ان کے لیے جو کافر اور اللہ کے پیغمبروں کے دشمن ہیں۔ یہ آیت بھی سورہ حجر کی آیت ﴿ يٰٓأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَّبِعُوا الَّذِينَ يَدْعُو۟نَ إِلَى الْفُتُو۟رِ وَالرَّجْمِ ﴾ * وَكَانَ عَذَابُهُمُ الْعَذَابُ الْأَلِيمُ ﴿ کی طرح ہے۔
 (۴) یعنی عربی کے بجائے کسی اور زبان میں قرآن نازل کرتے۔

(۵) یعنی ہماری زبان میں اسے بیان کیوں نہیں کیا گیا، جسے ہم سمجھ سکتے، کیونکہ ہم تو عرب ہیں، عجی زبان نہیں سمجھتے۔
 (۶) یہ بھی کافروں ہی کا قول ہے کہ وہ تعجب کرتے کہ رسول تو عربی ہے اور قرآن اس پر عجی زبان میں نازل ہوا ہے۔
 مطلب یہ ہے کہ قرآن کو عربی زبان میں نازل فرما کر اس کے اولین مخاطب عربوں کے لیے کوئی عذر باقی نہیں رہنے دیا
 ہے۔ اگر یہ غیر عربی زبان میں ہوتا تو وہ عذر کر سکتے تھے۔

(۷) یعنی جس طرح دور کا شخص، دوری کی وجہ سے پکارنے والے کی آواز سننے سے قاصر رہتا ہے، اسی طرح ان لوگوں
 کی عقل و فہم میں قرآن نہیں آتا۔

یقیناً ہم نے موسیٰ (علیہ السلام) کو کتاب دی تھی، سو اس میں بھی اختلاف کیا گیا اور اگر (وہ) بات نہ ہوتی (جو) آپ کے رب کی طرف سے پہلے ہی مقرر ہو چکی ہے ^(۱) تو انکے درمیان (کبھی کا) فیصلہ ہو چکا ہوتا، ^(۲) یہ لوگ تو اسکے بارے میں سخت بے چین کرنے والے شک میں ہیں۔ ^(۳) (۳۵)

جو شخص نیک کام کرے گا وہ اپنے نفع کے لیے اور جو برا کام کرے گا اس کا وبال بھی اسی پر ہے۔ اور آپ کا رب بندوں پر ظلم کرنے والا نہیں۔ ^(۴) (۳۶)

وَلَقَدْ آتَيْنَا مُوسَى الْكِتَابَ فَاخْتَلَفَ فِيهِ وَلَوْلَا كَلِمَةٌ سَبَقَتْ مِنْ رَبِّكَ لَفُضِيَ بَيْنَهُمْ وَلَئِنْ لَمْ يَنْزِلْ مِنْهُ مُرْسِلٌ ۝

مَنْ عَمِلَ صَالِحًا فَلِنَفْسِهِ وَمَنْ أَسَاءَ فَعَلَيْهَا وَمَا رَبُّكَ بِظَلَّامٍ لِلْعَبِيدِ ۝

(۱) کہ ان کو عذاب دینے سے پہلے مہلت دی جائے گی۔ وَلَئِنْ لَمْ يَنْزِلْ مِنْهُ مُرْسِلٌ (فاطر: ۴۵)

(۲) یعنی فوراً عذاب دے کر ان کو تباہ کر دیا گیا ہوتا۔

(۳) یعنی ان کا انکار عقل و بصیرت کی وجہ سے نہیں، بلکہ محض شک کی وجہ سے ہے جو ان کو بے چین کئے رکھتا ہے۔

(۴) اس لیے کہ وہ عذاب صرف اسی کو دیتا ہے جو گناہ گار ہوتا ہے، نہ کہ جس کو چاہے، یوں ہی عذاب میں مبتلا کر دے۔

الْيَوْمَ يُرَدُّ عَلَيْهِمُ السَّاعَةُ وَمَا يَخْتَرِعُونَ مِنْ مُّخَرَّجَاتٍ مِنَ الْكُفْرِ مَا يُحِزُّهُمْ وَلَا تَنْفَعُهُمْ إِلَّا بِعِلْمِهِ وَيَوْمَ يُنَادِيهِمْ اذْكُرُوا شُرَكَاءَكُمْ قَالُوا أَلَا نَذْكُرُكَ مَا مَنَّا مِنْ شُكَّاءٍ ۝

وَصَلَّ عَنْهُمْ مَا كَانُوا يَدْعُونَ مِنْ قَبْلُ وَظَلُّوا مَا كَانُوا يَحْسِبُونَ ۝
يَحْيِيصُ ۝

لَا يَسْمَعُ الْإِنْسَانُ مِنْ دَعَا الْخَيْرِ وَلَنْ يَسْمَعَ الشَّرُّ

قیامت کا علم اللہ ہی کی طرف لوٹایا جاتا ہے^(۱) اور جو جو پھل اپنے شگوفوں میں سے نکلتے ہیں اور جو مادہ حمل سے ہوتی ہے اور جو بچے وہ جفتی ہے سب کا علم اسے ہے^(۲) اور جس دن اللہ تعالیٰ ان (مشرکوں) کو بلا کر دریافت فرمائے گا میرے شریک کہاں ہیں، وہ جواب دیں گے کہ ہم نے تو تجھے کہہ سنایا کہ ہم میں سے تو کوئی اس کا گواہ نہیں۔^(۳) (۳۷)

اور یہ جن (جن) کی پرستش اس سے پہلے کرتے تھے وہ ان کی نگاہ سے گم ہو گئے^(۴) اور انہوں نے سمجھ لیا کہ اب ان کے لیے کوئی بچاؤ نہیں۔^(۵) (۳۸)
بھلائی کے مانگنے سے انسان تھکتا نہیں^(۶) اور اگر اسے کوئی

(۱) یعنی اللہ کے سوا اس کے وقوع کا کسی کو علم نہیں۔ اسی لیے جب حضرت جبرائیل علیہ السلام نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے قیامت کے واقع ہونے کے بارے میں پوچھا تھا تو آپ ﷺ نے فرمایا تھا: مَا الْمَسْنُونُ عَنْهَا بِأَعْلَمَ مِنَ السَّائِلِ، ”اس کی بابت مجھے بھی اتنا ہی علم ہے جتنا تجھے ہے“ میں تجھ سے زیادہ نہیں جانتا۔ دوسرے مقامات پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿إِلَىٰ رَبِّكَ مُنتَهَلُنَا﴾ (النازعات: ۳۲) ﴿لَا يَسْمَعُ الْإِنْسَانُ مِنْ دَعَا الْخَيْرِ﴾ (الاعراف: ۱۸۷)

(۲) یہ اللہ کے علم کامل و محیط کا بیان ہے اور اس کی اس صفت علم میں کوئی اس کا شریک نہیں ہے۔ یعنی اس طرح کا علم کامل کسی کو حاصل نہیں۔ حتیٰ کہ انبیاء علیہم السلام کو بھی نہیں۔ انہیں بھی اتنا ہی علم ہوتا ہے جتنا اللہ تعالیٰ انہیں وحی کے ذریعے سے بتلا دیتا ہے۔ اور اس علم وحی کا تعلق بھی منصب نبوت اور اس کے تقاضوں کی ادائیگی سے متعلق ہی ہوتا ہے نہ کہ دیگر فنون و معاملات سے متعلق۔ اس لیے کسی بھی نبی اور رسول کو، چاہے وہ کتنی ہی عظمت شان کا حامل ہو، عَالِمٌ مَا كَانَ وَمَا يَكُونُ کہنا جائز نہیں۔ کیونکہ یہ صرف ایک اللہ کی شان اور اس کی صفت ہے۔ جس میں کسی اور کو شریک ماننا شرک ہوگا۔

(۳) یعنی آج ہم میں سے کوئی شخص یہ ماننے کے لیے تیار نہیں کہ تیرا کوئی شریک ہے؟

(۴) یعنی وہ ادھر ادھر ہو گئے اور حسب گمان انہوں نے کسی کو فائدہ نہیں پہنچایا۔

(۵) یہ گمان، یقین کے معنی میں ہے یعنی قیامت والے دن وہ یہ یقین کرنے پر مجبور ہوں گے کہ انہیں اللہ کے عذاب سے بچانے والا کوئی نہیں۔ جیسے دوسرے مقام پر فرمایا۔ ﴿وَرَأَى الْمُجْرِمُونَ النَّارَ فَظَنُّوا أَنَّهُمْ مُوَاعِدُوهَا وَكَانُوا عَلَيْهَا مُصْعِقِينَ﴾

(الکہف: ۵۳)

(۶) یعنی دنیا کا مال و اسباب، صحت و قوت، عزت و رفعت اور دیگر دنیوی نعمتوں کے مانگنے سے انسان نہیں تھکتا، بلکہ

فَيُؤَسِّسُ قَوْمًا ۝

وَلَكِنْ أَذَقْنَاهُمْ مِثْلَ مَتْنِمْ بَعْدَ صَوَاءٍ مَسْتَهْلِكَةٍ لَقَوْلِكَ
هَذَا إِلَى وَمَا أَظُنُّ السَّاعَةَ قَالِمَةً وَلَكِنْ رُجِعْتُ إِلَى
رَبِّي إِنَّ لِي عِنْدَهُ لَلْخُسْفَىٰ فَكُنْ يَتَذَكَّرُ الَّذِينَ كَفَرُوا
بِمَا عَمِلُوا وَلَئِنْ يَفْقَهُمُ مِنْ عَذَابٍ عَلِيمٍ ۝

وَإِذَا انْصَبَّ عَلَى الْإِنْسَانِ عَرَصٌ وَنَا بِحَبَابِهِ ۖ وَإِذَا مَسَّهُ
الشَّرُّ فَنُودِيَ عَاوِ عَرِيضٍ ۝

قُلْ أَرَأَيْتُمْ إِنْ كَانَ مِنْ عِنْدِ اللَّهِ ثَمَرٌ كَقَرْطَبٍ ۖ مَا مِنْ

تکلیف پہنچ جائے تو مایوس اور ناامید ہو جاتا ہے۔ (۳۹)
اور جو مصیبت اسے پہنچ چکی ہے اس کے بعد اگر ہم
اسے کسی رحمت کا مزہ چکھائیں تو وہ کہہ اٹھتا ہے کہ اس
کا تو میں حقدار (۴۰) ہی تھا اور میں تو خیال نہیں کر سکتا کہ
قیامت قائم ہوگی اور اگر میں اپنے رب کے پاس واپس
کیا گیا تو بھی یقیناً میرے لیے اس کے پاس بھی بہتری (۴۱)
ہے، یقیناً ہم ان کفار کو ان کے اعمال سے خبردار کریں
گے اور انہیں سخت عذاب کا مزہ چکھائیں گے۔ (۵۰)

اور جب ہم انسان پر اپنا انعام کرتے ہیں تو وہ منہ پھیر لیتا ہے
اور کنارہ کش ہو جاتا ہے (۴۲) اور جب اسے مصیبت پڑتی ہے تو
بڑی لمبی چوڑی دعائیں کرنے والا بن جاتا ہے۔ (۵۱)

آپ کہہ دیجئے! کہ بھلا یہ تو بتاؤ کہ اگر یہ قرآن اللہ کی
طرف سے آیا ہوا ہو پھر تم نے اسے نہ مانا بس اس سے

مانگتا ہی رہتا ہے۔ انسان سے مراد انسانوں کی غالب اکثریت ہے۔

(۱) یعنی تکلیف پہنچنے پر فوراً مایوسی کا شکار ہو جاتا ہے، جب کہ اللہ کے مخلص بندوں کا حال اس سے مختلف ہوتا ہے۔ وہ
ایک تو دنیا کے طالب نہیں ہوتے، ان کے سامنے ہر وقت آخرت ہی ہوتی ہے، دوسرے، تکلیف پہنچنے پر بھی وہ اللہ کی
رحمت اور اس کے فضل سے مایوس نہیں ہوتے، بلکہ آزمائشوں کو بھی وہ کفارہ سینات اور رفع درجات کا باعث
گردانتے ہیں۔ گویا مایوسی ان کے قریب بھی نہیں پہنچتی۔

(۲) یعنی اللہ کے ہاں میں محبوب ہوں، وہ مجھ سے خوش ہے، اسی لیے مجھے وہ اپنی نعمتوں سے نواز رہا ہے۔ حلال کہ دنیا
کی کمی بیشی اس کی محبت یا ناراضی کی علامت نہیں ہے۔ بلکہ صرف آزمائش کے لیے اللہ ایسا کرتا ہے تاکہ وہ دیکھے کہ
نعمتوں میں اس کا شکر کون کر رہا ہے اور تکلیفوں میں صابر کون ہے؟

(۳) یہ کہنے والا منافق یا کافر ہے، کوئی مومن ایسی بات نہیں کہہ سکتا۔ کافر ہی یہ سمجھتا ہے کہ میری دنیا خیر کے ساتھ گزر
رہی ہے تو آخرت بھی میرے لیے ایسی ہی ہوگی۔

(۴) یعنی حق سے منہ پھیر لیتا اور حق کی اطاعت سے اپنا پہلو بدل لیتا ہے اور تکبر کا اظہار کرتا ہے۔

(۵) یعنی بارگاہ الہی میں قسعر و زاری کرتا ہے تاکہ وہ مصیبت دور فرمادے۔ یعنی شدت میں اللہ کو یاد کرتا ہے، خوش
حالی میں بھول جاتا ہے، نزول نعمت کے وقت اللہ سے فریادیں کرتا ہے، حصول نعمت کے وقت اسے وہ یاد نہیں رہتا۔

أَحْلُ مِنْهُوَ فِي شِقَاقٍ بَعِيدٍ ⑤

بڑھ کر برکا ہوا کون ہو گا^(۱) جو مخالفت میں (حق سے) دور چلا جائے۔^(۲) (۵۲)

عنقریب ہم انہیں اپنی نشانیاں آفاق عالم میں بھی دکھائیں گے اور خود ان کی اپنی ذات میں بھی یہاں تک کہ ان پر کھل جائے کہ حق یہی ہے،^(۳) کیا آپ کے رب کا ہر چیز سے واقف و آگاہ ہونا کافی نہیں۔^(۴) (۵۳)

یقین جانو! کہ یہ لوگ اپنے رب کے روبرو جانے سے شک میں ہیں،^(۵) یاد رکھو کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز کا احاطہ کیے ہوئے ہے۔^(۶) (۵۴)

سَمِعْتُمْهُمَا يُتَنَاقِي الْأَفَاقِ وَفِي أَنْفُسِهِمْ حَتَّى يَتَّبِعِينَ لَهُمْ
أَنَّهُ الْحَقُّ أَوَّلَهُمْ يَكْفِ بِرَبِّكَ أَكْثَرُ عَلَى كُلِّ مَنٍّ شَهِيدٌ ⑥

أَلَا إِنَّهُمْ فِي مِرْيَةٍ مِّنْ لِّقَاءِ رَبِّهِمْ أَلَا إِنَّهُمْ بِكُلِّ

شَيْءٍ مُّخِيطٌ ⑦

(۱) یعنی ایسی حالت میں تم سے زیادہ گمراہ اور تم سے زیادہ دشمن کون ہو گا۔

(۲) شِقَاقِ کے معنی ہیں، ضد، عناد اور مخالفت۔ بَعِيدٌ مل کر اس میں اور مبالغہ ہو جاتا ہے۔ یعنی جو بہت زیادہ مخالف اور عناد سے کام لیتا ہے، حتیٰ کہ اللہ کے نازل کردہ قرآن کی بھی تکذیب کر دیتا ہے، اس سے بڑھ کر گمراہ اور بد بخت کون ہو سکتا ہے؟

(۳) جن سے قرآن کی صداقت اور اس کا من جانب اللہ ہونا واضح ہو جائے گا۔ یعنی اُنہ میں ضمیر کا مرجع قرآن ہے۔ بعض نے اس کا مرجع اسلام یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بتلایا ہے۔ مآل سب کا ایک ہی ہے۔ آفاق، اُفق کی جمع ہے۔ کنارہ، مطلب ہے کہ ہم اپنی نشانیاں باہر کناروں میں بھی دکھائیں گے اور خود انسان کے اپنے نفسوں کے اندر بھی۔ چنانچہ آسمان و زمین کے کناروں میں بھی قدرت کی بڑی بڑی نشانیاں ہیں مثلاً سورج، چاند، ستارے، رات اور دن، ہوا اور بارش، گرج چمک، بجلی، کڑک، نباتات و جمادات، اشجار، پہاڑ، اور انہار و بحار وغیرہ۔ اور آیات انفس سے انسان کا وجود، جن اغلاط و مواد اور یسٹوں پر مرکب ہے وہ مراد ہیں۔ جن کی تفصیلات طب و حکمت کا دلچسپ موضوع ہے۔ بعض کہتے ہیں، آفاق سے مراد شرق و غرب کے وہ دور دراز کے علاقے ہیں۔ جن کی فتح کو اللہ نے مسلمانوں کے لیے آسان فرما دیا اور انفس سے مراد خود عرب کی سرزمین پر مسلمانوں کی پیش قدمی ہے، جیسے جنگ بدر اور فتح مکہ وغیرہ فتوحات میں مسلمانوں کو عزت و سرفرازی عطا کی گئی۔

(۴) استقہام اقراری ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے اقوال و افعال کے دیکھنے کے لیے کافی ہے، اور وہی اس بات کی گواہی دے رہا ہے کہ قرآن اللہ کا کلام ہے جو اس کے سچے رسول حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوا۔

(۵) اس لیے اسکی بابت غور و فکر نہیں کرتے، نہ اس کے لیے عمل کرتے ہیں اور نہ اس دن کا کوئی خوف ان کے دلوں میں ہے۔

(۶) بنا بریں اس کے لیے قیامت کا وقوع قطعاً مشکل امر نہیں کیوں کہ تمام مخلوقات پر اس کا غلبہ و تصرف ہے وہ اس میں جس طرح چاہے تصرف کرے، کرتا ہے، کر سکتا ہے اور کرے گا، کوئی اس کو روکنے والا نہیں ہے۔

سورہ شوریٰ کی ہے اور اس میں تہن آیتیں اور
پانچ رکوع ہیں۔

شروع کرتا ہوں اللہ تعالیٰ کے نام سے جو بڑا مہربان
نہایت رحم والا ہے۔

حم۔ (۱) عسق۔ (۲)

اللہ تعالیٰ جو زبردست ہے اور حکمت والا ہے اسی طرح
تیری طرف اور تجھ سے اگلوں کی طرف وحی بھیجتا رہا۔^(۱) (۳)
آسمانوں کی (تمام) چیزیں اور جو کچھ زمین میں ہے سب
اسی کا ہے وہ برتر اور عظیم الشان ہے۔^(۲)
قریب ہے آسمان اوپر سے پھٹ پڑیں^(۲) اور تمام فرشتے
اپنے رب کی پاکی تعریف کے ساتھ بیان کر رہے ہیں اور
زمین والوں کے لیے استغفار کر رہے ہیں۔^(۳) خوب سمجھ
رکھو کہ اللہ تعالیٰ ہی معاف فرمانے والا رحمت والا ہے۔^(۴) (۵)
اور جن لوگوں نے اس کے سوا دوسروں کو کار ساز بنالیا



بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

حَمَّ ① عَسَق ②

كُنَّا لَكَ يٰحُجَّیُّ الْبَكِّ وَاِلٰی الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِكَ اللّٰهُ

الْعَزِیْزُ الْحَكِیْمُ ③

لَهُ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ وَهُوَ الْعَلِیُّ الْعَظِیْمُ ④

تَكَاذُبُ السَّمٰوٰتِ یَتَفَكَّرُوْنَ مِنْ قُوَّةٍ وَالْمَلٰئِكَةُ یُسَبِّحُوْنَ بِحَمْدِ

رَبِّهِمْ وَیَسْتَغْفِرُوْنَ لِمَنْ فِی الْاَرْضِ اِلَّا اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْغَفُوْرُ

الرَّحِیْمُ ⑤

وَالَّذِیْنَ اٰخَذُوْا مِنْ دُوْنِهِ اُولٰٓئِكَ اللّٰهُ حَفِیْظٌ عَلَیْهِمْ وَمَا كُنْتَ

(۱) یعنی جس طرح یہ قرآن تیری طرف نازل کیا گیا ہے اسی طرح تجھ سے پہلے انبیاء پر صحیفے اور کتابیں نازل کی گئیں۔
وحی اللہ کا وہ کلام ہے جو فرشتے کے ذریعے سے اللہ تعالیٰ اپنے پیغمبروں کے پاس بھیجتا رہا ہے۔ ایک صحابی نے رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم سے وحی کی کیفیت پوچھی تو آپ نے فرمایا کہ کبھی تو یہ میرے پاس گھنٹی کی آواز کی مثل آتی ہے اور یہ
مجھ پر سب سے سخت ہوتی ہے، جب یہ ختم ہو جاتی ہے تو مجھے یاد ہو چکی ہوتی ہے اور کبھی فرشتہ انسانی شکل میں آتا ہے
اور مجھ سے کلام کرتا ہے اور وہ جو کتا ہے میں یاد کر لیتا ہوں۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں، میں نے سخت سردی میں
مشاہدہ کیا کہ جب وحی کی کیفیت ختم ہوتی تو آپ سینے میں شرابور ہوتے اور آپ کی پیشانی سے پسینے کے قطرے گر رہے
ہوتے۔ (صحیح بخاری، باب بدء الوحی)

(۲) اللہ کی عظمت و جلال کی وجہ سے۔

(۳) یہ مضمون سورہ مومن کی آیت ۷ میں بھی بیان ہوا ہے۔

(۴) اپنے دوستوں اور اہل طاعت کے لیے یا تمام ہی بندوں کے لیے، کیوں کہ کفار اور نافرمانوں کی فوراً گرفت نہ کرنا
بلکہ انہیں ایک وقت مہین تک مہلت دینا، یہ بھی اس کی رحمت و مغفرت ہی کی قسم سے ہے۔

عَلَيْهِمْ يَوْمَئِذٍ ۝

ہے اللہ تعالیٰ ان پر نگران ^(۱) ہے اور آپ ان کے ذمہ دار نہیں ہیں۔ ^(۲) (۶)

اسی طرح ہم نے آپ کی طرف عربی قرآن کی وحی کی ہے ^(۳) تاکہ آپ مکہ والوں کو اور اس کے آس پاس کے لوگوں کو خبردار کر دیں ^(۴) اور جمع ہونے کے دن سے جس ^(۵) کے آنے میں کوئی شک نہیں ڈرا دیں۔ ایک گروہ جنت میں ہو گا اور ایک گروہ جہنم میں ہو گا۔ ^(۶) (۷)

اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو ان سب کو ایک ہی امت کا بنا دیتا ^(۷) لیکن وہ جسے چاہتا ہے اپنی رحمت میں داخل کر لیتا ہے

وَذَٰلِكَ أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ قُرْآنًا عَرَبِيًّا لِّتُنْذِرَ أُمَّ الْقُرَىٰ وَمَنْ حَوْلَهَا وَنُنْذِرُكُمُ الْيَوْمَ الْآخِرَ لِيَوْمِ الْفِتْنَةِ وَفِرَقِي فِي السَّعِيرِ ۝

وَلَوْ شَاءَ اللَّهُ لَجَعَلَهُمْ أُمَّةً وَاحِدَةً وَلَٰكِنْ يُدْخِلُ مَنْ يَشَاءُ فِي صَحَابَةِ وَالظَّالِمُونَ مَا لَهُمْ مِنْ دِينٍ وَلَا أَصْنَفٍ ۝

(۱) یعنی ان کے عملوں کو محفوظ کر رہا ہے تاکہ اس پر ان کو جزا دے۔

(۲) یعنی آپ اس بات کے مکلف نہیں ہیں کہ ان کو ہدایت کے راستے پر لگا دیں یا ان کے گناہوں پر ان کا مواخذہ فرمائیں، بلکہ یہ کام ہمارے ہیں، آپ کا کام صرف ابلاغ (پہنچا دینا) ہے۔

(۳) یعنی جس طرح ہم نے ہر رسول اس کی قوم کی زبان میں بھیجا، اسی طرح ہم نے آپ پر عربی زبان میں قرآن نازل کیا ہے، کیوں کہ آپ کی قوم یہی زبان بولتی اور سمجھتی ہے۔

(۴) اُمّ القُرَیْ، مکہ کا نام ہے۔ اسے ”بیتوں کی ماں“ اس لیے کہا گیا کہ یہ عرب کی قدیم ترین بستی ہے۔ گویا یہ تمام بیتوں کی ماں ہے جنہوں نے اسی سے جنم لیا ہے۔ مراد اہل مکہ ہیں۔ وَمَنْ حَوْلَهَا میں اس کے شرق و غرب کے تمام علاقے شامل ہیں۔ ان سب کو ڈرائیں کہ اگر وہ کفر و شرک سے تائب نہ ہوئے تو عذاب الہی کے مستحق قرار پائیں گے۔

(۵) قیامت والے دن کو جمع ہونے والا دن اس لیے کہا کہ اس میں اگلے پچھلے تمام انسان جمع ہوں گے علاوہ ازیں ظالم مظلوم اور مومن و کافر سب جمع ہوں گے اور اپنے اپنے اعمال کے مطابق جزا و سزا سے بہرہ ور ہوں گے۔

(۶) جو اللہ کے حکموں کو بجالایا ہو گا اور اس کی منہیات و محرمات سے دور رہا ہو گا وہ جنت میں اور اس کی نافرمانی اور محرمات کا ارتکاب کرنے والا جہنم میں ہو گا۔ یہی دو گروہ ہوں گے۔ تیسرا گروہ نہیں ہو گا۔

(۷) اس صورت میں قیامت والے دن صرف ایک ہی گروہ ہو تا یعنی اہل ایمان اور اہل جنت کا لیکن اللہ کی حکمت و مشیت نے اس جبر کو پسند نہیں کیا بلکہ انسانوں کو آزمانے کے لیے اس نے انسانوں کو ارادہ و اختیار کی آزادی دی، جس نے اس آزادی کا صحیح استعمال کیا، وہ اللہ کی رحمت کا مستحق ہو گیا، اور جس نے اس کا غلط استعمال کیا، اس نے ظلم کا ارتکاب کیا کہ اللہ کی دی ہوئی آزادی اور اختیار کو اللہ ہی کی نافرمانی میں استعمال کیا۔ چنانچہ ایسے ظالموں کا قیامت والے دن کوئی مددگار نہیں ہو گا۔

اور ظالموں کا حامی اور مددگار کوئی نہیں۔ (۸)

کیا ان لوگوں نے اللہ تعالیٰ کے سوا اور کارساز بنا لیے ہیں، (حقیقتاً تو) اللہ تعالیٰ ہی کارساز ہے وہی مردوں کو زندہ کرے گا اور وہی ہر چیز پر قادر ہے۔ (۹)

اور جس جس چیز میں تمہارا اختلاف ہو اس کا فیصلہ اللہ تعالیٰ ہی کی طرف ہے، (۱۰) یہی اللہ میرا رب ہے جس پر میں نے بھروسہ کر رکھا ہے اور جس کی طرف میں جھکتا ہوں۔ (۱۱)

وہ آسمانوں اور زمین کا پیدا کرنے والا ہے اس نے تمہارے لیے تمہاری جنس کے جوڑے بنا دیئے ہیں (۱۲) اور چوپایوں کے جوڑے بنائے ہیں (۱۳) تمہیں وہ اس میں پھیلا رہا ہے (۱۴) اس جیسی کوئی چیز نہیں (۱۵) وہ سننے اور

لَمْ يَخْذُوا مِنْ دُونِهِ أَوْلِيَاءَ ۚ قَالَهُ هُمُ الْوَلِيُّ وَهُوَ يُحْيِي الْمَوْتَىٰ وَهُوَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ۝۱

وَمَا اخْتَلَفْتُمْ فِيهِ مِنْ شَيْءٍ فَحُكْمُهُ إِلَى اللَّهِ ذَلِكُمُ اللَّهُ رَبِّي عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَإِلَيْهِ أُنِيبُ ۝۱۰

فَاطْرَأَتُ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ ۖ جَعَلَ لَكُمْ مِنْ أَنْفُسِكُمْ أَزْوَاجًا ۚ وَمِنَ الْأَنْعَامِ أَزْوَاجًا يَذُرُّكُمْ فِيهِ لَأَيْسَ كَيْتَلَهٗ ۚ شَيْءٌ ۚ وَهُوَ السَّمِيعُ الْبَصِيرُ ۝۱۱

(۱) جب یہ بات ہے تو پھر اللہ تعالیٰ ہی اس بات کا مستحق ہے کہ اس کو ولی اور کارساز مانا جائے نہ کہ ان کو جن کے پاس کوئی اختیار ہی نہیں ہے، اور جو سننے اور جواب دینے کی طاقت رکھتے ہیں، نہ نفع و نقصان پہنچانے کی صلاحیت۔

(۲) اس اختلاف سے مراد دین کا اختلاف ہے جس طرح یہودیت، عیسائیت اور اسلام وغیرہ میں آپس میں اختلافات ہیں اور ہر مذہب کا پیرو کار دعویٰ کرتا ہے کہ اس کا دین سچا ہے، دراصل حایکہ سارے دین بیک وقت صحیح نہیں ہو سکتے۔ سچا دین تو صرف ایک ہی ہے اور ایک ہی ہو سکتا ہے۔ دنیا میں سچا دین اور حق کا راستہ پہچاننے کے لیے اللہ تعالیٰ کا قرآن موجود ہے۔ لیکن دنیا میں لوگ اس کلام الہی کو اپنا حکم اور ثالث ماننے کے لیے تیار نہیں۔ بالآخر پھر قیامت کا دن ہی رہ جاتا ہے جس میں اللہ تعالیٰ ان اختلافات کا فیصلہ فرمائے گا اور سچوں کو جنت میں اور دوسروں کو جہنم میں داخل فرمائے گا۔

(۳) یعنی یہ اس کا احسان ہے کہ تمہاری جنس سے ہی اس نے تمہارے جوڑے بنائے، ورنہ اگر تمہاری بیویاں انسانوں کے بجائے کسی اور مخلوق سے بنائی جاتیں تو تمہیں یہ سکون حاصل نہ ہوتا جو اپنی ہم جنس اور ہم شکل بیوی سے ملتا ہے۔ (۴) یعنی یہی جوڑے بنانے (مذکر و مؤنث) کا سلسلہ ہم نے چوپایوں میں بھی رکھا ہے، چوپایوں سے مراد وہی نر اور مادہ آٹھ جانور ہیں جن کا ذکر سورۃ الأنعام میں کیا گیا ہے۔

(۵) يَذُرُّكُمْ کے معنی پھیلانے یا پیدا کرنے کے ہیں یعنی وہ تمہیں کثرت سے پھیلا رہا ہے۔ یا نسل بعد نسل پیدا کر رہا ہے۔ انسانی نسل کو بھی اور چوپائے کی نسل کو بھی فِیْہِ کا مطلب ہے فِیْ ذَٰلِكَ الْخَلْقِ عَلٰی هٰذِهِ الصِّفَةِ، یعنی اس پیدائش میں اس طریقے پر وہ تمہیں ابتدا سے پیدا کرتا آ رہا ہے۔ یا ”رحم میں“ یا ”پیٹ میں“ مراد ہے۔ یا فِیْہِ بمعنی بہ ہے یعنی تمہارا جوڑا بنانے کے سبب سے تمہیں پیدا کرتا پھیلاتا ہے کیوں کہ یہ زوجیت ہی نسل کا سبب ہے۔ (فتح القدیر و ابن کثیر)

(۶) نہ ذات میں نہ صفات میں، پس وہ اپنی نظیر آپ ہی ہے، واحد اور بے نیاز۔

دیکھنے والا ہے۔ (۱۱)

آسمانوں اور زمین کی کنجیاں اسی کی ہیں،^(۱) جس کی چاہے روزی کشادہ کر دے اور تنگ کر دے، یقیناً وہ ہر چیز کو جاننے والا ہے۔ (۱۲)

اللہ تعالیٰ نے ہمارے لیے وہی دین مقرر کر دیا ہے جس کے قائم کرنے کا اس نے نوح (علیہ السلام) کو حکم دیا تھا اور جو (بذریعہ وحی) ہم نے تیری طرف بھیج دی ہے، اور جس کا تاکید حکم ہم نے ابراہیم اور موسیٰ اور عیسیٰ (علیہم السلام) کو دیا تھا،^(۲) کہ اس دین کو قائم رکھنا^(۳) اور اس میں پھوٹ نہ^(۴) ڈالنا جس چیز کی طرف آپ

لَهُ مَقَالِيدُ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَن يَشَاءُ وَيَقْدِرُ إِنَّهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ ﴿۱۱﴾

مَنَعَكُمْ مِّنَ الدِّينِ مَا وُطِّئَ بِهِ نُوحًا وَالَّذِي أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ وَمَا وَصَّيْنَا بِهِ إِبْرَاهِيمَ وَمُوسَىٰ وَعِيسَىٰ أَنْ أَقِيمُوا الدِّينَ وَلَا تَتَفَرَّقُوا فِيهِ كَبُرَ عَلَى الْمُشْرِكِينَ مَا تَدْعُوهُمْ إِلَيْهِ اللَّهُ يَجْتَبِي إِلَيْهِ مَن يَشَاءُ وَيَهْدِي إِلَيْهِ مَن يُنِيبُ ﴿۱۲﴾

(۱) مَقَالِيدُ، مِفْتَاحُ اور مِفْلَاحُ کی جمع ہے۔ خزانے یا چابیاں۔

(۲) شَرَعَ کے معنی ہیں، بیان کیا، واضح کیا اور مقرر کیا، لَكُمْ، (تمہارے لیے) یہ امت محمدیہ سے خطاب ہے۔ مطلب ہے کہ تمہارے لیے وہی دین مقرر یا بیان کیا ہے جس کی وصیت اس سے قبل تمام انبیاء کو کی جاتی رہی ہے۔ اس ضمن میں چند جلیل القدر انبیاء کے نام ذکر فرمائے۔

(۳) الدِّين سے مراد، اللہ پر ایمان، توحید، اطاعت رسول اور شریعت الہیہ کو ماننا ہے۔ تمام انبیاء کا یہی دین تھا جس کی وہ دعوت اپنی اپنی قوم کو دیتے رہے۔ اگرچہ ہر نبی کی شریعت اور منہج میں بعض جزوی اختلافات ہوتے تھے جیسا کہ فرمایا ﴿لِكُلِّ جَمَلَةٍ مِّنْكُمْ فِرْعَوْنٌ وَمِثْلًا ۝﴾ (المائدة ۴۸) لیکن مذکورہ اصول سب کے درمیان مشترک تھے۔ اسی بات کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان الفاظ میں بیان فرمایا ہے: ہم انبیاء کی جماعت علانی بھائی ہیں، ہمارا دین ایک ہے۔ (صحیح بخاری وغیرہ) اور یہ ایک دین وہی توحید و اطاعت رسول ہے، یعنی ان کا تعلق ان فروعی مسائل سے نہیں ہے جن میں دلائل باہم مختلف یا متعارض ہوتے ہیں یا جن میں کبھی فہم کا تباہی اور تفاوت ہوتا ہے۔ کیوں کہ ان میں اجتہاد یا اختلاف کی گنجائش ہوتی ہے اس لیے یہ مختلف ہوتے ہیں اور ہو سکتے ہیں، تاہم توحید و اطاعت، فروعی نہیں، اصولی مسئلہ ہے جس پر کفر و ایمان کا دار و مدار ہے۔

(۴) صرف ایک اللہ کی عبادت اور اس کی اطاعت (یا اس کے رسول کی اطاعت جو دراصل اللہ ہی کی اطاعت ہے) وحدت و اثناف کی بنیاد ہے اور اس کی عبادت و اطاعت سے گریز یا ان میں دوسروں کو شریک کرنا، افتراق و انتشار انگیزی ہے، جس سے ”پھوٹ نہ ڈالنا“ کہہ کر منع کیا گیا ہے۔

انہیں بلا رہے ہیں وہ تو (ان) مشرکین پر گراں گزرتی ہے،^(۱) اللہ تعالیٰ نے چاہتا ہے اپنا برگزیدہ بناتا ہے^(۲) اور جو بھی اس کی طرف رجوع کرے وہ اس کی صحیح رہ نمائی کرتا ہے۔^(۳) (۱۳)

ان لوگوں نے اپنے پاس علم آجانے کے بعد ہی اختلاف کیا (اور وہ بھی) باہمی ضد بحث سے^(۴) اور اگر آپ کے رب کی بات ایک وقت مقرر تک کے لیے پہلے ہی سے قرار پائی ہوئی نہ ہوتی تو یقیناً ان کا فیصلہ ہو چکا ہوتا^(۵) اور جن لوگوں کو ان کے بعد کتاب دی گئی ہے وہ بھی اس کی طرف سے الجھن والے شک میں پڑے ہوئے ہیں۔^(۶) (۱۴)

پس آپ لوگوں کو اسی طرف بلاتے رہیں اور جو کچھ آپ سے کہا گیا ہے اس پر مضبوطی^(۷) سے جم جائیں اور ان کی خواہشوں پر نہ چلیں^(۸) اور کہہ دیں کہ اللہ تعالیٰ

وَمَا تَقْرُؤُوا مِنَ الْآيَاتِ مِنْ بَعْدِ مَا جَاءَهُمُ الْعِلْمُ بَعْيَا لَكُمْ هُمْ
وَلَوْلَا كَلِمَةٌ سَبَقَتْ مِنْ رَبِّكَ إِلَىٰ أَجَلٍ مُّسَمًّى لَفُضِّى
بِهِمْ وَلَئِنَّ الَّذِينَ أُوذُوا الْكِتَابَ مِنْ بَعْدِهِمْ لَلْغَىٰ شَكٍّ
مِنْهُمْ فُرِيْبٌ ۝

فَلَوْلَاكَ فَادْعُوا اسْتَوْعَمَا أَمْرًا وَلَا تَتَّبِعُوا أَهْوَاءَهُمْ
وَقُلْ أَمَرْتُ بِمَا أَمَرَ اللَّهُ مِنْ كِتَابٍ وَأَمَرْتُ لِأَعْمَلٍ

(۱) اور وہ وہی توحید اور اللہ و رسول کی اطاعت ہے۔

(۲) یعنی جس کو ہدایت کا مستحق سمجھتا ہے، اسے ہدایت کے لیے چن لیتا ہے۔

(۳) یعنی اپنا دین اپنانے کی اور عبادت کو اللہ کے لیے خالص کرنے کی توفیق اس شخص کو عطا کر دیتا ہے جو اس کی اطاعت و عبادت کی طرف رجوع کرتا ہے۔

(۴) یعنی انہوں نے اختلاف اور تفرق کا راستہ علم یعنی ہدایت آجانے اور اتمام حجت کے بعد اختیار کیا، جب کہ اختلاف کا کوئی جواز باقی نہیں رہتا۔ لیکن محض بغض و عناد، ضد اور حسد کی وجہ سے ایسا کیا۔ اس سے بعض نے یہود اور بعض نے قریش مکہ مراد لیے ہیں۔

(۵) یعنی اگر ان کی بابت عقوبت میں تاخیر کا فیصلہ پہلے سے نہ ہوتا تو فوراً عذاب بھیج کر ان کو ہلاک کر دیا جاتا۔

(۶) اس سے مراد یہود و نصاریٰ ہیں جو اپنے سے ما قبل کے یہود و نصاریٰ کے بعد کتاب یعنی تورات و انجیل کے وارث بنائے گئے۔ یا مراد عرب ہیں، جن میں اللہ تعالیٰ نے اپنا قرآن نازل فرمایا اور انہیں قرآن کا وارث بنایا۔ پہلے مفسوم کے اعتبار سے ”الکتاب“ سے تورات و انجیل اور دوسرے مفسوم کے لحاظ سے اس سے مراد قرآن کریم ہے۔

(۷) یعنی اس تفرق اور شک کی وجہ سے، جس کا ذکر پہلے ہوا، آپ ان کو توحید کی دعوت دیں اور اس پر جتنے رہیں۔

(۸) یعنی انہوں نے اپنی خواہش سے جو چیزیں گھڑی ہیں، مثلاً بتوں کی عبادت وغیرہ، اس میں انکی خواہش کے پیچھے مت چلیں۔

نے جتنی کتابیں نازل فرمائی ہیں میرا ان پر ایمان ہے اور مجھے حکم دیا گیا ہے کہ تم میں انصاف کرتا رہوں۔^(۱) ہمارا اور تم سب کا پروردگار اللہ ہی ہے ہمارے اعمال ہمارے لیے ہیں اور تمہارے اعمال تمہارے لیے ہیں، ہم تم میں کوئی کٹ جتنی نہیں^(۲) اللہ تعالیٰ ہم (سب) کو جمع کرے گا اور اسی کی طرف لوٹنا ہے۔ (۱۵)

اور جو لوگ اللہ تعالیٰ کی باتوں میں جھگڑا ڈالتے ہیں اس کے بعد کہ (مخلوق) اسے مان چکی^(۳) ان کی کٹ جتنی اللہ کے نزدیک باطل ہے،^(۴) اور ان پر غضب ہے اور ان کے لیے سخت عذاب ہے۔ (۱۶)

اللہ تعالیٰ نے حق کے ساتھ کتاب نازل فرمائی ہے اور ترازو بھی (اتاری ہے)^(۵) اور آپ کو کیا خبر شاید قیامت

بَيْنَكُمْ وَاللّٰهُ رَبُّنَا وَرَبُّكُمْ لَنَا اَعْمَالُكُمْ وَلَكُمْ اَعْمَالُكُمْ لَا حُجَّةَ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ بَيْنَنَا وَالْيَوْمَ الْمَوْجِدُ ⑤

وَالَّذِينَ يُضَاجِحُونَ فِي اللّٰهِ مِنْ بَعْدِ مَا اسْتَضِيْبَ لَهُمْ حُجَّتُهُمْ دَاحِضَةً عِنْدَ رَبِّهِمْ وَعَلَيْهِمْ غَضَبٌ وَلَهُمْ عَذَابٌ شَدِيدٌ ⑤

اَللّٰهُ الَّذِي اَنْزَلَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ وَالْمِيزَانَ وَمَا يُدْرِيكُ لَعَلَّ السَّاعَةِ قَوِيٌّ ⑥

(۱) یعنی جب بھی تم اپنا کوئی معاملہ میرے پاس لاؤ گے تو اللہ کے احکام کے مطابق اس کا عدل و انصاف کے ساتھ فیصلہ کروں گا۔

(۲) یعنی کوئی جھگڑا نہیں، اس لیے کہ حق ظاہر اور واضح ہو چکا ہے۔

(۳) یعنی یہ مشرکین مسلمانوں سے لڑتے جھگڑتے ہیں۔ جنہوں نے اللہ اور رسول کی بات مان لی ہے، تاکہ انہیں پھر راہ ہدایت سے ہٹا دیں۔ یا مراد یہود و نصاریٰ ہیں جو مسلمانوں سے جھگڑتے تھے اور کہتے تھے کہ ہمارا دین تمہارے دین سے بہتر ہے اور ہمارا نبی بھی تمہارے نبی سے پہلے ہوا ہے، اس لیے ہم تم سے بہتر ہیں۔

(۴) دَاحِضَةً کے معنی کمزور، باطل، جس کو ثبات نہیں۔

(۵) الْكِتَاب سے مراد جس ہے یعنی تمام پیغمبروں پر جتنی کتابیں بھی نازل ہوئیں، وہ سب حق اور سچی تھیں۔ یا بطور خاص قرآن مجید مراد ہے اور اس کی صداقت کو واضح کیا جا رہا ہے۔ میزان سے مراد عدل و انصاف ہے۔ عدل کو ترازو سے اس لیے تعبیر فرمایا کہ یہ برابری اور انصاف کا آلہ ہے۔ اس کے ذریعے سے ہی لوگوں کے درمیان برابری ممکن ہے۔ اسی کے ہم معنی یہ آیات بھی ہیں۔ ﴿لَقَدْ اَنزَلْنَا سُورَاتِنَا بِالْحَقِّ وَآتَيْنَاكَ الْكِتٰبَ وَالْمِيزَانَ لِيَقُوْمَ النَّاسُ بِالْقِسْطِ﴾

(الحديد: ۲۵) یقیناً ہم نے اپنے پیغمبروں کو کھلی دلیل دے کر بھیجا اور ان کے ساتھ کتاب اور انصاف نازل

فرمایا تاکہ لوگ عدل پر قائم رہیں۔ ﴿وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِي اَوْضَعَ الْمِيزَانَ * اَلَا تَعْلَمُوْنَ اَنَّ الْمِيزَانَ * وَاَقِيْمُوا الْوَزْنَ بِالْقِسْطِ وَلَا تُخْسِرُوا الْمِيزَانَ﴾ (سورة الرحمن: ۴) ”اسی نے آسمان کو بلند کیا اور اسی نے ترازو رکھی تاکہ تم تولنے میں کمی بیشی نہ کرو۔ انصاف کے ساتھ وزن کو ٹھیک رکھو اور تول میں کمی نہ کرو۔“

قریب^(۱) ہی ہو۔ (۱۷)

اس کی جلدی انہیں پڑی ہے جو اسے نہیں مانتے^(۲) اور جو اس پر یقین رکھتے ہیں وہ تو اس سے ڈر رہے ہیں^(۳) انہیں اس کے حق ہونے کا پورا علم ہے۔ یاد رکھو جو لوگ قیامت کے معاملہ میں لڑ جھگڑ رہے ہیں،^(۴) وہ دور کی گمراہی میں پڑے ہوئے ہیں۔^(۵) (۱۸)

اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر بڑا ہی لطف کرنے والا ہے، جسے چاہتا ہے کشادہ روزی دیتا ہے اور وہ بڑی طاقت، بڑے غلبہ والا ہے۔ (۱۹)

جس کا ارادہ آخرت کی کھیتی کا ہو ہم اسے اس کی کھیتی میں ترقی دیں گے^(۱) اور جو دنیا کی کھیتی کی طلب رکھتا ہو ہم اسے اس میں سے ہی کچھ دے دیں گے،^(۲) ایسے

يَسْتَعْجِلُ بِهَا الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِهَا وَالَّذِينَ آمَنُوا مُشْفِقُونَ مِنْهَا وَيَعْلَمُونَ أَنَّهَا الْحَقُّ أَكْرَانَ الَّذِينَ يَبْتَازُونَ فِي السَّاعَةِ لِقَىٰ صُلَىٰ ۖ يَعْنِي ۝

اللَّهُ لَطِيفٌ بِعِبَادِهِ يَرْزُقُ مَنْ يَشَاءُ ۚ وَهُوَ الْعَلِيُّ الْعَظِيمُ ۝

مَنْ كَانَ يُرِيدُ حَرْثَ الْآخِرَةِ نَزِدْ لَهُ فِي حَرْثِهِ ۚ وَمَنْ كَانَ يُرِيدُ حَرْثَ الدُّنْيَا نُؤْتِهِ مِنْهَا وَمَا لَهُ فِي الْآخِرَةِ مِنْ شَيْءٍ ۝

(۱) قریب، مذکر اور مونث دونوں کی صفت کے لیے آجاتا ہے۔ خصوصاً جب کہ موصوف مونث غیر حقیقی ہو۔ ﴿إِنْ رَئَيْتَ﴾
اللَّهُ قَرِيبٌ مِّنَ الْمُصْطَفِينَ ﴿﴾۔ (فتح القدیر)

(۲) یعنی استہزا کے طور پر یہ سمجھتے ہوئے کہ اس کو آنا ہی کہاں ہے؟ اس لیے کہتے ہیں کہ قیامت جلدی آئے۔

(۳) اس لیے کہ ایک تو ان کو اس کے وقوع کا پورا یقین ہے۔ دوسرے ان کو خوف ہے کہ اس روز بے لاگ حساب ہو گا، کہیں وہ بھی مؤاخذہ الہی کی زد میں نہ آجائیں۔ جیسے دوسرے مقام پر ہے۔ ﴿وَالَّذِينَ يُؤْتُونَ مَا اتَّخَذُوا فَلَوْ لَهُمْ حِصَّةٌ﴾
أَكْثَرُ إِلَىٰ يَوْمِ يُبْعَثُونَ ﴿﴾ (المؤمنون، ۶۰)

(۴) يَبْتَازُونَ، مِمَّا رَاةٌ سے ہے جس کے معنی لڑنا جھگڑنا ہیں۔ یا مِرْبِةٌ سے ہے، بمعنی ریب و شک۔

(۵) اس لیے کہ وہ ان دلائل پر غور و فکر ہی نہیں کرتے جو ایمان لانے کے موجب بن سکتے ہیں حالانکہ یہ دلائل روز و شب ان کے مشاہدے میں آتے ہیں۔ ان کی نظروں سے گزرتے ہیں اور ان کی عقل و فہم میں آسکتے ہیں۔ اس لیے وہ حق سے بہت دور جا پڑے ہیں۔

(۶) حَرْث کے معنی تخم ریزی کے ہیں۔ یہاں یہ بہ طریق استعارہ اعمال کے ثمرات و فوائد پر بولا گیا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ جو شخص دنیا میں اپنے اعمال و محنت کے ذریعے سے آخرت کے اجر و ثواب کا طالب ہے تو اللہ تعالیٰ اس کی آخرت کی کھیتی میں اضافہ فرمائے گا کہ ایک ایک نیکی کا جردس گنا سے لے کر سات سو گنا بلکہ اس سے زیادہ تک بھی عطا فرمائے گا۔

(۷) یعنی طالب دنیا کو دنیا تو ملتی ہے لیکن اتنی نہیں جتنی وہ چاہتا ہے بلکہ اتنی ہی ملتی ہے جتنی اللہ کی مشیت اور تقدیر

شخص کا آخرت میں کوئی حصہ نہیں۔^(۱) (۲۰)
 کیا ان لوگوں نے ایسے (اللہ کے) شریک (مقرر کر رکھے)
 ہیں جنہوں نے ایسے احکام دین مقرر کر دیئے ہیں جو اللہ
 کے فرمائے ہوئے نہیں ہیں۔^(۲) اگر فیصلے کے دن کا وعدہ
 نہ ہوتا تو (ابھی ہی) ان میں فیصلہ کر دیا جاتا۔ یقیناً (ان)
 ظالموں کے لیے ہی دردناک عذاب ہے۔ (۲۱)

آپ دیکھیں گے کہ یہ ظالم اپنے اعمال سے ڈر رہے
 ہوں گے^(۳) جن کے وبال ان پر واقع ہونے والے
 ہیں،^(۴) اور جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک
 اعمال کیے وہ بہشوں کے باغات میں ہوں گے وہ جو
 خواہش کریں اپنے رب کے پاس موجود پائیں گے یہی
 ہے بڑا فضل۔ (۲۲)

یہی وہ ہے جس کی بشارت اللہ تعالیٰ اپنے ان بندوں کو
 دے رہا ہے جو ایمان لائے اور (سنت کے مطابق) نیک
 عمل کیے تو کہہ دیجئے! کہ میں اس پر تم سے کوئی بدلہ
 نہیں چاہتا مگر محبت رشتہ داری کی،^(۵) جو شخص کوئی نیکی

أَمَلَهُمْ شُرَكَؤُا شَرَعُوا لَهُم مِّنَ الدِّينِ مَا لَمْ يَأْذَنَ
 بِهِ اللَّهُ وَلَوْلَا كَلِمَةُ الْفَصْلِ لَفُصِّلَ بِهِمْ
 وَأَنَّ الظَّالِمِينَ لَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ۝

تَرَى الظَّالِمِينَ مُشْفِقِينَ مِمَّا كَسَبُوا وَهُمْ وَاقِعُونَ
 بِهِمْ وَأَلَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ فِي رَوْضَةٍ
 أَلْبَنَىٰ لَهُمْ مَا يَشَاءُونَ عِنْدَ رَبِّهِمْ ذَلِكَ
 هُوَ الْفَضْلُ الْكَبِيرُ ۝

ذَلِكَ الَّذِي يُبَشِّرُ اللَّهُ عِبَادَهُ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ
 قُلْ إِنَّا نَسْأَلُكُمْ عَلَيْهِ أَجْرًا إِلَّا الْمَوَدَّةَ فِي الْقُرْبَىٰ وَمَن يَقْدِرْ
 حَسَنَةً نَّزِدْ لَهُ فِيهَا حَسَنًا إِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ۝

کے مطابق ہوتی ہے۔

(۱) یہ وہی مضمون ہے جو سورہٴ بنی اسرائیل ۱۸ میں بھی بیان ہوا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ دنیا تو اللہ تعالیٰ ہر ایک کو اتنی
 ضرور دیتا ہے جتنی اس نے لکھ دی ہے، کیوں کہ وہ سب کی روزی کا ذمہ لئے ہوئے ہے، طالب دنیا کو بھی اور طالب
 آخرت کو بھی۔ تاہم جو طالب آخرت ہو گا یعنی آخرت کے لیے کسب و محنت کرے گا تو قیامت والے دن اللہ تعالیٰ اسے
 أَضْعَافًا مُّضَاعَفَةً اجر و ثواب عطا فرمائے گا، جب کہ طالب دنیا کے لیے آخرت میں سوائے جہنم کے عذاب کے کچھ
 نہیں ہو گا۔ اب یہ انسان کو خود سوچ لینا چاہیے کہ اس کا فائدہ طالب دنیا بننے میں ہے یا طالب آخرت بننے میں۔

(۲) یعنی شرک و معاصی، جن کا حکم اللہ نے نہیں دیا ہے، ان کے بنائے ہوئے شریکوں نے انسانوں کو اس راہ پر لگایا ہے۔

(۳) یعنی قیامت والے دن۔

(۴) حالانکہ ڈرنا بے فائدہ ہو گا کیوں کہ اپنے کیے کی سزا تو انہیں بہر حال بھگتنی ہو گی۔

(۵) قبائل قریش اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان رشتہ داری کا تعلق تھا، آیت کا مطلب بالکل واضح ہے کہ میں

کرے ہم اس کے لیے اس کی نیکی میں اور نیکی بڑھا دیں گے۔^(۱) بیشک اللہ تعالیٰ بہت بخشنے والا (اور) بہت قدردان ہے۔^(۲) (۲۳)

کیا یہ کہتے ہیں کہ (پیغمبر نے) اللہ پر جھوٹ باندھا ہے، اگر اللہ تعالیٰ چاہے تو آپ کے دل پر مر لگا دے^(۳) اور اللہ تعالیٰ اپنی باتوں سے جھوٹ کو مٹا دیتا ہے^(۴) اور سچ کو

أَمْ يَقُولُونَ افْتَرَىٰ عَلَى اللَّهِ كَذِبًا ۚ إِنَّ اللَّهَ يَخْتَارُ عَلَىٰ قَلْبِكَ وَتَزِيلُ اللَّهُ الْبَاطِلَ وَيُخَيِّطُ الْحَقَّ يَجْعَلُ لِرَأْسِهِ

وعظ و نصیحت اور تبلیغ و دعوت کی کوئی اجرت تم سے نہیں مانگتا، البتہ ایک چیز کا سوال ضرور ہے کہ میرے اور تمہارے درمیان جو رشتے داری ہے، اس کا لحاظ کرو، تم میری دعوت کو نہیں مانتے تو نہ مانو، تمہاری مرضی۔ لیکن مجھے نقصان پہنچانے سے تو باز رہو، تم میرے دست و بازو نہیں بن سکتے تو رشتہ داری و قربت کے ناطے مجھے ایذا تو نہ پہنچاؤ اور میرے راستے کا روڑہ تو نہ بنو کہ میں فریضہ رسالت ادا کر سکوں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اس کے معنی کیے ہیں کہ میرے اور تمہارے درمیان جو قربت (رشتہ داری) ہے اس کو قائم رکھو۔ (صحیح البخاری، تفسیر سورۃ الشوریٰ) نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی آل، یقیناً حسب و نسب کے اعتبار سے دنیا کی اشرف ترین آل ہے اس سے محبت، اس کی تعظیم و توقیر جزو ایمان ہے۔ اس لیے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی احادیث میں ان کی تکریم اور حفاظت کی تائید فرمائی ہے لیکن اس آیت کا کوئی تعلق اس موضوع سے نہیں ہے، جیسا کہ شیعہ حضرات کھینچا تانی کر کے اس آیت کو آل محمد ﷺ کی محبت کے ساتھ جوڑتے ہیں اور پھر آل کو بھی انہوں نے محدود کر دیا ہے، حضرت علی رضی اللہ عنہ و حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا اور حضرت حسین رضی اللہ عنہما تک۔ نیز محبت کا مفہوم بھی ان کے نزدیک یہ ہے کہ انہیں معصوم اور الٰہی اختیارات سے متصف مانا جائے۔ علاوہ ازیں کفار مکہ سے اپنے گھرانے کی محبت کا سوال بطور اجرت تبلیغ نہایت عجیب بات ہے جو نبی ﷺ کی شان ارفع سے بہت ہی فروتر ہے آپ ﷺ کی تبلیغ کو قبول نہ کرنے کے باوجود آپ ﷺ کی طلب تو صرف قربت اور صلہ رحمی کی بنیاد پر محبت برقرار رکھنے کی تھی پھر یہ آیت اور سورت مکی ہے جب کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہما کے درمیان ابھی عقد زواج بھی قائم نہیں ہوا تھا۔ یعنی ابھی وہ گھرانہ معرض وجود میں ہی نہیں آیا تھا جس کی خود ساختہ محبت کا اثبات اس آیت سے کیا جاتا ہے۔

(۱) یعنی اجر و ثواب میں اضافہ کریں گے۔ یا نیکی کے بعد اس کا بدلہ مزید نیکی کی توفیق کی صورت میں دیں گے جس طرح بدی کا بدلہ مزید بدیوں کا ارتکاب ہے۔

(۲) اس لیے وہ پردہ پوشی فرماتا اور معاف کر دیتا ہے اور زیادہ سے زیادہ اجر دیتا ہے۔

(۳) یعنی اس الزام میں اگر صداقت ہوتی تو ہم آپ کے دل پر مر لگا دیتے، جس سے وہ قرآن ہی محو ہو جاتا جس کے گھڑنے کا متساب آپ کی طرف کیا جاتا ہے، مطلب یہ ہے کہ ہم آپ کو اس کی سخت ترین سزا دیتے۔

(۴) یہ قرآن بھی اگر باطل ہوتا (جیسا کہ کاذبین کا دعویٰ ہے) تو یقیناً اللہ تعالیٰ اس کو بھی مٹا ڈالتا، جیسا کہ اس کی

عَلَيْهِمْ بَنَاتِ الصُّدُورِ ⑤

وَهُوَ الَّذِي يَقْبَلُ التَّوْبَةَ عَنْ عِبَادِهِ وَيَعْفُو عَنِ السَّيِّئَاتِ
وَيَعْلَمُ مَا تَفْعَلُونَ ⑥

وَيَسْتَجِيبُ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ وَيَزِيدُهُمْ مِّنْ
فَضْلِهِ ⑦ وَاللَّهُ زَوَّادٌ شَدِيدٌ ⑧

وَلَوْ بَسَطَ اللَّهُ الرِّزْقَ لِعِبَادِهِ لَبَعَثَ الْأَرْضُ وَلَكِن يُؤْتِلُ
يَقْدِرُ مَا يَشَاءُ لَهُ يَعْبَادُ خَيْرٌ مِّنْ صَيُورٍ ⑨

وَهُوَ الَّذِي يُنَزِّلُ الْغَيْثَ مِنْ بَعْدِ مَا قَنَطُوا وَيَنْشُرُ رَحْمَتَهُ

عادت ہے۔

(۱) توبہ کا مطلب ہے، معصیت پر ندامت کا اظہار اور آئندہ اس کو نہ کرنے کا عزم۔ محض زبان سے توبہ کر لینا یا اس گناہ اور معصیت کے کام کو تو نہ چھوڑنا اور توبہ کا اظہار کیے جانا، توبہ نہیں ہے۔ یہ استنزا اور مذاق ہے۔ تاہم خالص اور سچی توبہ اللہ تعالیٰ یقیناً قبول فرماتا ہے۔

(۲) یعنی ان کی دعائیں سنتا ہے اور ان کی خواہشیں اور آرزوئیں پوری فرماتا ہے۔ بشرطیکہ دعا کے آداب و شرائط کا بھی پورا اہتمام کیا گیا ہو۔ اور حدیث میں آتا ہے ”کہ اللہ اپنے بندے کی توبہ سے اس شخص سے بھی زیادہ خوش ہوتا ہے جس کی سواری مع کھانے پینے کے سامان کے، صحرا، بیابان میں گم ہو جائے اور وہ ناامید ہو کر کسی درخت کے نیچے لیٹ جائے کہ اچانک اسے اپنی سواری مل جائے اور فرط مسرت میں اس کے منہ سے نکل جائے“ اے اللہ! تو میرا بندہ اور میں تیرا رب یعنی شدت فرح میں وہ غلطی کر جائے۔“ (صحیح مسلم، کتاب التوبۃ، باب فی الحض علی التوبۃ والفرح بہا)

(۳) یعنی اگر اللہ تعالیٰ ہر شخص کو حاجت و ضرورت سے زیادہ یکساں طور پر وسائل رزق عطا فرمادیتا تو اس کا نتیجہ یہ ہوتا کہ کوئی کسی کی ماتحتی قبول نہ کرتا، ہر شخص شرف و فساد اور بخی و عدوان میں ایک سے بڑھ کر ایک ہوتا جس سے زمین فساد سے بھر جاتی۔

(۴) جو انواع رزق کی پیداوار میں سب سے زیادہ مفید اور اہم ہے۔ یہ بارش جب ناامیدی کے بعد ہوتی ہے تو اس نعمت کا صحیح احساس بھی اسی وقت ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے اس طرح کرنے میں حکمت بھی یہی ہے کہ بندے اللہ کی

ثابت رکھتا ہے۔ وہ سینے کی باتوں کو جاننے والا ہے۔ (۲۴)
وہی ہے جو اپنے بندوں کی توبہ قبول فرماتا ہے (۱) اور
گناہوں سے درگزر فرماتا ہے اور جو کچھ تم کر رہے ہو
(سب) جانتا ہے۔ (۲۵)

ایمان والوں اور نیکو کار لوگوں کی سنتا ہے (۲) اور انہیں
اپنے فضل سے اور بڑھا کر دیتا ہے اور کفار کے لیے سخت
عذاب ہے۔ (۲۶)

اگر اللہ تعالیٰ اپنے (سب) بندوں کی روزی فراخ کر دیتا تو
وہ زمین میں فساد (۳) برپا کر دیتے لیکن وہ اندازے کے
ساتھ جو کچھ چاہتا ہے نازل فرماتا ہے۔ وہ اپنے بندوں
سے پورا خبردار ہے اور خوب دیکھنے والا ہے۔ (۲۷)

اور وہی ہے جو لوگوں کے ناامید ہو جانے کے بعد بارش
برساتا ہے (۴) اور اپنی رحمت پھیلا دیتا ہے۔ وہی ہے

وَهُوَ الْوَلِيُّ الْحَمِيدُ ﴿٢٨﴾

وَمِنْ آيَاتِهِ خَلْقُ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا
مِنْ ذَاتَةٍ ۚ وَهُوَ عَلَىٰ جَمْعِهِمْ إِذَا يَشَاءُ قَدِيرٌ ﴿٢٩﴾وَمَا أَصَابَكُمْ مِنْ مُّصِيبَةٍ فَمَا كَسَبَتْ أَيْدِيكُمْ وَيَعْفُوا
عَنْ كَثِيرٍ ﴿٣٠﴾

وَمَا أَنْتُمْ بِمُعْجِزِينَ فِي الْأَرْضِ ۚ وَمَا لَكُمْ مِنْ دُونِ اللَّهِ مِنْ

کار ساز اور قابلِ حمد و ثنا۔^(۱) (۲۸)اور اس کی نشانیوں میں سے آسمانوں اور زمین کی پیدائش
ہے اور ان میں جانداروں کا پھیلانا ہے۔ وہ اس پر بھی
قادر ہے کہ جب چاہے انہیں جمع کر دے۔^(۲) (۲۹)
تمہیں جو کچھ مصیبتیں پہنچتی ہیں وہ تمہارے اپنے ہاتھوں
کے کرتوت کا بدلہ ہے، اور وہ تو بہت سی باتوں سے
درگزر فرما دیتا ہے۔^(۳) (۳۰)اور تم ہمیں زمین میں عاجز کرنے والے نہیں ہو،^(۴)

نعمتوں کی قدر کریں اور اس کا شکر بجالائیں۔

(۱) کار ساز ہے، اپنے نیک بندوں کی چارہ سازی فرماتا ہے، انہیں منافع سے نوازتا اور شرور و مملکت سے ان کی حفاظت
فرماتا ہے۔ اپنے ان انعامات بے پایاں اور احسانات فراوان پر قابلِ حمد و ثنا ہے۔(۲) ذَاتَہ (زمین پر چلنے پھرنے والا) کا لفظ عام ہے، جس میں جن و انس کے علاوہ وہ تمام حیوانات شامل ہیں، جن کی
شکلیں، رنگ، زبائیں، طبائع، اور انواع و اجناس ایک دوسرے سے قطعاً مختلف ہیں۔ اور وہ روئے زمین پر پھیلے ہوئے
ہیں۔ ان سب کو اللہ تعالیٰ قیامت والے دن ایک ہی میدان میں جمع فرمائے گا۔(۳) اس کا خطاب اگر اہل ایمان سے ہو تو مطلب ہو گا کہ تمہارے بعض گناہوں کا کفارہ تو وہ مصائب بن جاتے ہیں جو
تمہیں گناہوں کی پاداش میں پہنچتے ہیں اور کچھ گناہ وہ ہیں جو اللہ تعالیٰ یوں ہی معاف فرما دیتا ہے اور اللہ کی ذات بڑی کریم
ہے، معاف کرنے کے بعد آخرت میں اس پر مؤاخذہ نہیں فرمائے گی۔حدیث میں بھی آتا ہے کہ ”مومن کو جو بھی تکلیف اور ہم و حزن پہنچتا ہے، حتیٰ کہ اس کے پیر میں کا نا بھی چبھتا ہے تو
اللہ تعالیٰ اس کی وجہ سے اس کے گناہ معاف فرما دیتا ہے۔“ (صحیح بخاری، کتاب المرضی، باب ما جاء فی
کفارة المرض. مسلم، کتاب البر، باب ثواب المؤمن فیما یصیبه من مرض) اگر خطاب عام ہو تو مطلب ہو
گا کہ تمہیں جو مصائب دنیا پہنچتے ہیں، یہ تمہارے اپنے گناہوں کا نتیجہ ہے، حالانکہ اللہ تعالیٰ بہت سے گناہوں سے تو
درگزر ہی فرما دیتا ہے یعنی یا تو ہمیشہ کے لیے معاف کر دیتا ہے۔ یا ان پر فوری سزا نہیں دیتا۔ (اور عقوبت و تعزیر میں تاخیر)
یہ بھی ایک گونہ معافی ہی ہے جیسے دوسرے مقام پر فرمایا — ﴿وَلَوْ يُؤَاخِذُ اللَّهُ النَّاسَ بِمَا كَسَبُوا مَا تَرَكُوا عَلَىٰ ظُهُرِهِمْ أَصْنَافٌ
ذَاتَ لَاقَةٍ﴾ (فاطر: ۴) ”اگر اللہ تعالیٰ لوگوں کے کرتوتوں پر فوراً مؤاخذہ شروع فرما دے تو زمین پر کوئی چلنے والا ہی باقی نہ
رہے۔“ اسی مفہوم کی آیت النحل ۶۱ بھی ہے۔

(۴) یعنی تم بھاگ کر کسی ایسی جگہ نہیں جا سکتے کہ جہاں تم ہماری گرفت میں نہ آسکو یا جو مصیبت ہم تم پر نازل کرنا

قُلْ اِلٰهِيْ وَلَا اِلٰهَ اِغْلِيْ ۝۳۱

تمہارے لیے سوائے اللہ تعالیٰ کے نہ کوئی کار ساز ہے نہ مددگار۔ (۳۱)

اور دریا میں چلنے والی پہاڑوں جیسی کشتیاں اس کی نشانیوں میں سے ہیں۔ (۳۲)

اگر وہ چاہے تو ہوا بند کر دے اور یہ کشتیاں سمندروں پر رکی رہ جائیں۔ یقیناً اس میں ہر صبر کرنے والے شکر گزار کے لیے نشانیاں ہیں۔ (۳۳)

یا انہیں ان کے کرتوتوں کے باعث تباہ کر دے، (۳) وہ تو بہت سی خطاؤں سے درگزر فرمایا کرتا ہے۔ (۳۴)

اور تاکہ جو لوگ ہماری نشانیوں میں جھگڑتے ہیں (۴) وہ معلوم کر لیں کہ ان کے لیے کوئی چھٹکارا نہیں۔ (۵) (۳۵)

تو تمہیں جو کچھ دیا گیا ہے وہ زندگانی دنیا کا کچھ یونہی سا اسباب ہے، (۶) اور اللہ کے پاس جو ہے وہ اس سے بدرجہ بہتر (۷) اور پائیدار ہے، وہ ان کے لیے ہے جو ایمان لائے اور صرف اپنے رب ہی پر بھروسہ رکھتے ہیں۔ (۳۶)

وَمِنْ اٰیٰتِہِ الْجَوَارِیْ فِی الْبَحْرِ کَالْاَعْلَامِ ۝۳۲

اِنْ یَّشَآءِ یَغْشِیْکَ الرِّجْحُ فَيُظْلَمْنَ ذٰلَکَ عَلٰی ظُہُورٍ اِنْ فِیْ ذٰلِکَ لَاٰیٰتٍ لِّکُلِّ صَبَّارٍ شَکُوْرٍ ۝۳۳

اَوْ یُؤْبِقْھُمْ بِمَا کَسَبُوْا وَ یُعَفُّ عَنْ کَثِیْرٍ ۝۳۴

وَعَلَّمَ الدِّیْنَ عِبَادًا لَّوْنٌ فِیْ اٰیٰتِنَا مَا لَھُمْ مِنْ حَیْثُ ۝۳۵

مَا اَوْفِیْکُمْ مِنْ نِّمَیٍّ مِّمَّا تَسْأَلُوْنَ الْحَیٰوۃَ الدُّنْیَا وَمَا عِنْدَ اللّٰہِ خَیْرٌ وَّاَبْغِیْ لِّلْذِیْنِ اٰمَنُوْا وَ عَلٰی رِبِّھُمْ یَتَوَكَّلُوْنَ ۝۳۶

چاہیں، اس سے تم بچ جاؤ۔

(۱) الْجَوَارِیْ الْجَوَارِیْ جَارِیۃ (چلنے والی) کی جمع ہے، بمعنی کشتیاں، جہاز، یہ اللہ کی قدرت تامہ کی دلیل ہے کہ سمندروں میں پہاڑوں جیسی کشتیاں اور جہاز اس کے حکم سے چلتے ہیں، ورنہ اگر وہ حکم دے تو یہ سمندروں میں ہی کھڑے رہیں۔

(۲) یعنی سمندر کو حکم دے اور اس کی موجوں میں طغیانی آجائے اور یہ ان میں ڈوب جائیں۔

(۳) ورنہ سمندر میں سفر کرنے والا کوئی بھی سلامتی کے ساتھ واپس نہ آسکے۔

(۴) یعنی ان کا انکار کرتے ہیں۔

(۵) یعنی اللہ کے عذاب سے وہ کہیں بھاگ کر چھٹکارا حاصل نہیں کر سکتے۔

(۶) یعنی معمولی اور حقیر ہے، چاہے قارون کا خزانہ ہی کیوں نہ ہو، اس لیے اس سے دھوکے میں مبتلا نہ ہونا، اس لیے کہ یہ عارضی اور فانی ہے۔

(۷) یعنی نیکیوں کا جو اجر و ثواب اللہ کے ہاں ملے گا وہ متاع دنیا سے کہیں زیادہ بہتر بھی ہے اور پائیدار بھی، کیوں کہ اس کو زوال اور فنا نہیں، مطلب ہے کہ دنیا کو آخرت پر ترجیح مت دو، ایسا کرو گے تو پچھتاؤ گے۔

اور کبیرہ گناہوں سے اور بے حیائیوں سے بچتے ہیں اور غصے کے وقت (بھی) معاف کر دیتے ہیں۔^(۱) (۳۷) اور اپنے رب کے فرمان کو قبول کرتے ہیں^(۲) اور نماز کی پابندی کرتے ہیں^(۳) اور ان کا (ہر) کام آپس کے مشورے سے ہوتا ہے،^(۴) اور جو ہم نے انہیں دے رکھا ہے اس میں سے (ہمارے نام پر) دیتے ہیں۔ (۳۸)

وَالَّذِينَ يَجْتَنِبُونَ كَبِيرَ الْأَعْيُنِ وَالْفَوَاحِشَ وَإِذَا مَا غَضِبُوا هُمْ يَغْفِرُونَ ﴿٣٧﴾
وَالَّذِينَ اسْتَجَابُوا لِرَبِّهِمْ وَأَقَامُوا الصَّلَاةَ وَأَمْرُهُمْ شُورَى بَيْنَهُمْ وَمِمَّا رَزَقْنَاهُمْ يُنفِقُونَ ﴿٣٨﴾

(۱) یعنی لوگوں سے غم و درگزر کرنا ان کے مزاج و طبیعت کا حصہ ہے نہ کہ انتقام اور بدلہ لینا۔ جس طرح نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں آتا ہے۔ «مَا نَنْتَقِمُ لِنَفْسِهِ قَطُّ إِلَّا أَنْ تُنْتَهَكَ حُرُمَاتُ اللَّهِ». (البخاری، کتاب الأدب، باب يسروا ولا تعسروا۔ مسلم، کتاب الفضائل، باب مباحثہ صلی اللہ علیہ وسلم للاقلام) ”نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی ذات کے لیے کبھی بدلہ نہیں لیا، ہاں اللہ تعالیٰ کی حرمتوں کا توڑا جانا آپ کے لیے ناقابل برداشت تھا۔“

(۲) یعنی اس کے حکم کی اطاعت، اس کے رسول کا اتباع اور اس کے زواجر سے اجتناب کرتے ہیں۔

(۳) نماز کی پابندی اور اقامت کا بطور خاص ذکر کیا کہ عبادات میں اس کی اہمیت سب سے زیادہ ہے۔

(۴) شُورَى، کالْفَتْحِ ذَخْرَى اور بُشْرَى کی طرح باب مفاصلہ سے اسم مصدر ہے۔ یعنی اہل ایمان ہر اہم کام یا اہم مشاورت سے کرتے ہیں، اپنی ہی رائے کو حرف آخر نہیں سمجھتے خود نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی اللہ نے حکم دیا کہ مسلمانوں سے مشورہ کرو (آل عمران ۱۵۹) چنانچہ آپ جنگی معاملات اور دیگر اہم کاموں میں مشاورت کا اہتمام فرماتے تھے۔ جس سے مسلمانوں کی بھی حوصلہ افزائی ہوتی اور معاملے کے مختلف گوشے واضح ہو جاتے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ جب نیزے کے وار سے زخمی ہو گئے اور زندگی کی کوئی امید باقی نہ رہی تو امر خلافت میں مشاورت کے لیے چھ آدمی نامزد فرمادیے۔ عثمان، علی، طلحہ، زبیر، سعد اور عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہم۔ انہوں نے باہم مشورہ کیا اور دیگر لوگوں سے بھی مشاورت کی اور اس کے بعد حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو خلافت کے لیے مقرر فرمایا۔ بعض لوگ مشاورت کے اس حکم اور تاکید سے ملوکیت کی تردید اور جمہوریت کا اثبات کرتے ہیں۔ حالانکہ مشاورت کا اہتمام ملوکیت میں بھی ہوتا ہے۔ بادشاہ کی بھی مجلس مشاورت ہوتی ہے، جس میں ہر اہم معاملے پر سوچ بچار ہوتا ہے اس لیے اس آیت سے ملوکیت کی نفی قطعاً نہیں ہوتی۔ علاوہ ازیں جمہوریت کو مشاورت کے ہم معنی سمجھنا یکسر غلط ہے۔ مشاورت ہر کہ و مہ سے نہیں ہو سکتی، نہ اس کی ضرورت ہی ہے۔ مشاورت کا مطلب ان لوگوں سے مشورہ کرنا ہے جو اس معاملے کی نزاکتوں اور ضرورتوں کو سمجھتے ہیں جس میں مشورہ درکار ہوتا ہے۔ جیسے بلڈنگ، پل وغیرہ بنانا ہو تو، کسی تانگہ بان، درزی یا رکشہ ڈرائیور سے نہیں، کسی انجینئر سے مشورہ کیا جائے گا، کسی مرض کے بارے میں مشورے کی ضرورت ہوگی تو طب و حکمت کے ماہرین کی طرف رجوع کیا جائے گا۔ جب کہ جمہوریت میں اس کے برعکس ہر بالغ شخص کو مشورے کا اہل سمجھا جاتا ہے، چاہے وہ کورااں

وَالَّذِينَ إِذَا أَصَابَهُمُ الْبَغْيُ هُمْ يَنْتَصِرُونَ ﴿٣٩﴾

وَجَزَاءُ سَيِّئَةٍ سَيِّئَةٌ مِّثْلُهَا ۚ فَمَنْ عَفَا وَأَصْلَحَ
فَأَجْرُهُ عَلَى اللَّهِ ۚ إِنَّهُ لَا يُحِبُّ الظَّالِمِينَ ﴿٤٠﴾

وَلَمَنْ انْتَصَرَ بَعْدَ ظُلْمِهِ فَأُولَٰئِكَ مَاعْلَيْهِمُ جُنَاحٌ
سَيِّئٌ ﴿٤١﴾

إِنَّمَا السَّبِيلُ عَلَى الَّذِينَ يَظْلِمُونَ النَّاسَ وَبِغْيُوفِي
الْأَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ ۚ أُولَٰئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ﴿٤٢﴾

وَلَمَنْ صَبَرَ وَغَفَرَ ۖ إِنَّ ذَٰلِكَ لَمِنْ عَزْمِ الْأُمُورِ ﴿٤٣﴾

وَمَنْ يُضْلِلِ اللَّهُ فَمَا لَهُ مِنْ قُوَّةٍ ۖ وَمَنْ يَهْدِ اللَّهُ فَمَا لَهُ مِنْ
لَمَارٍ ۚ الْعَذَابُ يُقُولُونَ هَلْ إِلَىٰ مَرَدٍّ مِنْ سَبِيلٍ ﴿٤٤﴾

اور جب ان پر ظلم (و زیادتی) ہو تو وہ صرف بدلہ لے لیتے
ہیں۔^(۱) (۳۹)

اور برائی کا بدلہ اسی جیسی برائی ہے،^(۲) اور جو معاف کر
دے اور اصلاح کر لے اس کا اجر اللہ کے ذمے ہے، (فی
الواقع) اللہ تعالیٰ ظالموں سے محبت نہیں کرتا۔ (۴۰)

اور جو شخص اپنے مظلوم ہونے کے بعد (برابر کا) بدلہ
لے لے تو ایسے لوگوں پر (الزام کا) کوئی راستہ نہیں۔ (۴۱)
یہ راستہ صرف ان لوگوں پر ہے جو خود دوسروں پر ظلم
کریں اور زمین میں ناحق فساد کرتے پھریں، یہی لوگ
ہیں جن کے لیے دردناک عذاب ہے۔ (۴۲)

اور جو شخص صبر کر لے اور معاف کر دے یقیناً یہ بڑی
ہمت کے کاموں میں سے (ایک کام) ہے۔ (۴۳)

اور جسے اللہ تعالیٰ بہکا دے اس کا اس کے بعد کوئی چارہ ساز
نہیں، اور تو دیکھ گئے گا کہ ظالم لوگ عذاب کو دیکھ کر کہہ رہے
ہوں گے کہ کیا واپس جانے کی کوئی راہ ہے۔ (۴۴)

پڑھ، بے شعور اور امور سلطنت کی نزاکتوں سے یکسر بے خبر ہو۔ بنا بریں مشاورت کے لفظ سے جمہوریت کا اثبات، تحکم
اور دھاندلی کے سوا کچھ نہیں، اور جس طرح سوشلزم کے ساتھ اسلامی کا لفظ لگانے سے سوشلزم مشرف بہ اسلام نہیں
ہو سکتا، اسی طرح ”جمہوریت“ میں ”اسلامی“ کی پیوند کاری سے مغربی جمہوریت پر خلافت کی قبا راست نہیں آسکتی۔
مغرب کا یہ پودا اسلام کی سرزمین پر نہیں پنپ سکتا۔

(۱) یعنی بدلہ لینے سے وہ عاجز نہیں ہیں، اگر بدلہ لینا چاہیں تو لے سکتے ہیں، تاہم قدرت کے باوجود وہ معافی کو ترجیح دیتے
ہیں جیسے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فتح مکہ والے دن اپنے خون کے پیاسوں کے لیے عفو عام کا اعلان فرما دیا، حدیبیہ میں
آپ نے ان ۸۰ آدمیوں کو معاف کر دیا، جنہوں نے آپ کے خلاف سازش تیار کی تھی، بلید بن عاصم یہودی سے بدلہ
نہیں لیا جس نے آپ پر جادو کیا تھا، اس یہودیہ عورت کو آپ نے کچھ نہیں کہا جس نے آپ کے کھانے میں زہر ملا دیا
تھا، جس کی تکلیف آپ دم واپس تک محسوس فرماتے رہے، صلی اللہ علیہ وسلم (ابن کثیر)

(۲) یہ قصاص (بدلہ لینے) کی اجازت ہے۔ برائی کا بدلہ اگرچہ برائی نہیں ہے لیکن مشاکلت کی وجہ سے اسے بھی برائی ہی
کہا گیا ہے۔

وَتَرَاهُمْ يُعْرَضُونَ عَلَيْهِمْ لِخَشِيعِينَ مِنَ النَّارِ لِيُظْهَرُوا مِنْ
طَرَفٍ خَفِيٍّ وَقَالَ الَّذِينَ آمَنُوا إِنَّ الَّذِينَ خَبَرُوا
أَنْفُسَهُمْ وَأَهْلِيَهُمْ يَوْمَ الْقِيَمَةِ أَلَّاكَ الْغُلَّيْبِينَ
فِي عَذَابٍ مُتَقَبٍ ۝

اور تو انہیں دیکھے گا کہ وہ (جنم کے) سامنے لاکھڑے کیے
جائیں گے مارے زلت کے جھکے جا رہے ہوں گے اور
کن انکھیوں سے دیکھ رہے ہوں گے، ایمان والے صاف
کسں گے کہ حقیقی زیاں کار وہ ہیں جنہوں نے آج
قیامت کے دن اپنے آپ کو اور اپنے گھر والوں کو
نقصان میں ڈال دیا۔ یاد رکھو کہ یقیناً ظالم لوگ دائمی
عذاب میں ہیں۔^(۱) (۳۵)

وَمَا كَانَ لَهُمْ مِنْ أَوْلِيَاءَ يَنْصُرُوهُمْ مِنْ دُونِ اللَّهِ وَمَنْ يُضْلِلِ
اللَّهُ فَمَا لَهُ مِنْ سَبِيلٍ ۝

ان کے کوئی مددگار نہیں جو اللہ تعالیٰ سے الگ ان کی
امداد کر سکیں اور جسے اللہ گمراہ کر دے اس کے لیے کوئی
راستہ ہی نہیں۔ (۳۶)

إِسْتَجِيبُوا لِلرَّبِّ لَعَلَّكُمْ مِنْ قَبْلِ أَنْ يَأْتِيَ يَوْمٌ لَا مَوْدَّةَ مِنْ اللَّهِ
مَالَكُمْ مِنْ مَلْجَأٍ مَوْمِنٍ وَمَالَكُمْ مِنْ لَكِبَرٍ ۝

اپنے رب کا حکم مان لو اس سے پہلے کہ اللہ کی جانب سے
وہ دن آجائے جس کا ہٹ جانا ناممکن^(۲) ہے، تمہیں اس
روز نہ تو کوئی پناہ کی جگہ ملے گی نہ چھپ کر انجان بن
جانے کی۔^(۳) (۳۷)

فَإِنْ عَرَضُوا فَمَا أَرْسَلْنَاكَ عَلَيْهِمْ حَفِيظًا أَنْ عَلَيْكَ إِلَّا الْبَلَاءُ وَإِنَّا

اگر یہ منہ پھیر لیں تو ہم نے آپ کو ان پر نگہبان بنا کر

(۱) یعنی دنیا میں یہ کافر ہمیں یوقوف اور دنیوی خسارے کا حامل سمجھتے تھے، جب کہ ہم دنیا میں صرف آخرت کو ترجیح
دیتے تھے اور دنیا کے خساروں کو کوئی اہمیت نہیں دیتے تھے۔ آج دیکھ لو حقیقی خسارے سے کون دوچار ہے۔ وہ جنہوں
نے دنیا کے عارضی خسارے کو نظر انداز کیے رکھا اور آج وہ جنت کے مزے لوٹ رہے ہیں یا وہ جنہوں نے دنیا کو ہی
سب کچھ سمجھ رکھا تھا اور آج ایسے عذاب میں گرفتار ہیں، جس سے اب چھٹکارا ممکن ہی نہیں۔
(۲) یعنی جس کو رد کرنے اور ٹالنے کی کوئی طاقت نہیں رکھے گا۔
(۳) یعنی تمہارے لیے کوئی ایسی جگہ نہیں ہوگی کہ جس میں تم چھپ کر انجان بن جاؤ اور پہچانے نہ جاسکو یا نظر میں نہ

آسکو جیسے فرمایا ﴿يَقُولُ الْإِنْسَانُ يَوْمَئِذٍ أَيْنَ الْمَعْتَدُ﴾ ﴿كَلَّا لَا وَزَرَ﴾ ﴿إِلَىٰ رَبِّكَ يَوْمَئِذٍ الْمُسْتَعْتَدُ﴾ ﴿الْقِيَامَةُ﴾ (۱۲-۱۰) ”اس دن
انسان کہے گا، کہیں بھانگے کی جگہ ہے، ہرگز نہیں، کوئی راہ فرار نہیں ہوگی، اس دن تیرے رب کے پاس ہی ٹھکانا ہو
گا۔“ یا تکبر بمعنی انکار ہے کہ تم اپنے گناہوں کا انکار نہ کر سکو گے کیوں کہ ایک تو وہ سب لکھے ہوئے ہوں گے۔ دوسرے
خود انسان کے اعضا بھی گواہی دیں گے۔ یا جو عذاب تمہیں تمہارے گناہوں کی وجہ سے دیا جائے گا تم اس عذاب کا انکار
نہیں کر سکو گے، کیوں کہ اعتراف گناہ کے بغیر تمہیں چارہ نہیں ہو گا۔

نہیں بھیجا، آپ کے ذمہ تو صرف پیغام پہنچا دینا ہے،^(۱) ہم جب کبھی انسان کو اپنی مہربانی کا مزہ چکھاتے^(۲) ہیں تو وہ اس پر اترتا جاتا ہے^(۳) اور اگر انہیں ان کے اعمال کی وجہ سے کوئی مصیبت^(۴) پہنچتی ہے تو بے شک انسان بڑا ہی ناشکرا ہے۔^(۵) (۴۸)

آسمانوں کی اور زمین کی سلطنت اللہ تعالیٰ ہی کے لیے ہے، وہ جو چاہتا ہے پیدا کرتا ہے^(۶) جس کو چاہتا ہے بیٹیاں دیتا ہے اور جسے چاہتا ہے بیٹے دیتا ہے۔ (۴۹) یا انہیں جمع کر دیتا ہے^(۷) بیٹے بھی اور بیٹیاں بھی اور جسے

إِذَا قُمْنَا إِلَى الْإِنسَانِ وَمِآرِحَهُ فَقَرَبْنَاهُ أُولَىٰ يُصَبِّحُ بِسَيِّئَةٍ ۖ
بِمَا قَدَّمَتْ أَيْدِيهِمْ وَإِنَّ الْإِنسَانَ لَكَفُورٌ ۝۹

بِذَلِكَ مَلَكَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ ۖ يَخْلُقُ مَا يَشَاءُ يُهَبِّبُ لِمَن يَشَاءُ أَمَّا تُؤَيَّبُ لِمَن يَشَاءُ اللَّهُ ذُكُورًا ۖ وَلِأَنفُسِكُمُ الذُّكُورُ ۝۱۰

أَوْ يُزَوِّجُهُمْ ذُكْرًا ۖ وَثَوْنًا ۚ وَمَا يَجْعَلُ مَن يَشَاءُ عَاقِبَتُهُمْ إِنَّهُ عَلِيمٌ

- (۱) جیسے دوسرے مقام پر فرمایا ﴿لَيْسَ عَلَيْكَ هُدَاهُمْ وَلَكِنَّ اللَّهَ يَهْدِي مَن يَشَاءُ﴾ (البقرة-۲۷۲) اور ﴿فَاتَّبَعَكَ الْبَلْعُ وَعَلَيْتَا الْحِسَابُ﴾ — (الرعد-۴۰) ﴿فَذُكُورٌ إِنَّمَا أَنْتَ مُذَكَّرٌ ۖ لَسْتُ عَلَيْهِمْ بِمُخَيَّرٍ﴾ (الغاشية-۳۱، ۳۲) ان سب کا مطلب یہ ہے کہ آپ ﷺ کی ذمہ داری صرف اور صرف یہ ہے کہ اللہ کا پیغام لوگوں تک پہنچا دیں، مانیں نہ مانیں، آپ سے اس کی باز پرس نہیں ہوگی، کیوں کہ ہدایت دینا آپ کے اختیار میں ہی نہیں ہے، یہ صرف اللہ کے اختیار میں ہے۔
- (۲) یعنی وسائلِ رزق کی فراوانی، صحت و عافیت، اولاد کی کثرت، جاہ و منصب وغیرہ۔
- (۳) یعنی تکبر اور غرور کا اظہار کرتا ہے، ورنہ اللہ کی نعمتوں پر خوش ہونا یا اس کا اظہار ہونا ناپسندیدہ امر نہیں، لیکن وہ تحدیثِ نعمت اور شکر کے طور پر ہونہ کہ فخر و ریا اور تکبر کے طور پر۔
- (۴) مال کی کمی، بیماری، اولاد سے محرومی وغیرہ۔

(۵) یعنی فوراً نعمتوں کو بھی بھول جاتا ہے اور مُنْعِم (نعمتیں دینے والے) کو بھی۔ یہ انسانوں کی غالب اکثریت کے اعتبار سے ہے جس میں ضعیف الایمان لوگ بھی شامل ہیں۔ لیکن اللہ کے نیک بندے اور کامل الایمان لوگوں کا حال ایسا نہیں ہوتا۔ وہ تکلیفوں پر صبر کرتے ہیں اور نعمتوں پر شکر۔ جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: إِنْ أَصَابَتْهُ سَرَاءٌ شَكَرَ فَكَانَ خَيْرًا لَهُ، وَإِنْ أَصَابَتْهُ ضَرَاءٌ صَبَرَ فَكَانَ خَيْرًا لَهُ وَلَيْسَ ذَلِكَ لِأَحَدٍ إِلَّا لِلْمُؤْمِنِ (صحیح مسلم، کتاب الزہد، باب المؤمن أمره خیر کلمہ)

(۶) یعنی کائنات میں صرف اللہ ہی کی مشیت اور اسی کی تدبیر چلتی ہے، وہ جو چاہتا ہے، ہوتا ہے، جو نہیں چاہتا، نہیں ہوتا۔ کوئی دوسرا اس میں دخل اندازی کرنے کی قدرت و اختیار نہیں رکھتا۔

(۷) یعنی جس کو چاہتا ہے، مذکر اور مؤنث دونوں دیتا ہے۔ اس مقام پر اللہ نے لوگوں کی چار قسمیں بیان فرمائی ہیں۔ ایک وہ جن کو صرف بیٹے دیئے۔ دوسرے، وہ جن کو صرف بیٹیاں، تیسرے وہ جن کو بیٹے، بیٹیاں دونوں اور چوتھے، وہ جن کو بیٹا

قَدِيرٌ ①

چاہے ہاتھ کر دیتا ہے، وہ بڑے علم والا اور کامل قدرت والا ہے۔ (۵۰)

ناممکن ہے کہ کسی بندہ سے اللہ تعالیٰ کلام کرے مگر وحی کے ذریعہ یا پردے کے پیچھے سے یا کسی فرشتہ کو بھیجے اور وہ اللہ کے حکم سے جو وہ چاہے وحی^(۱) کرے، بیشک وہ برتر ہے حکمت والا ہے۔ (۵۱)

اور اسی طرح ہم نے آپ کی طرف اپنے حکم سے روح کو اتارا ہے،^(۲) آپ اس سے پہلے یہ بھی نہیں جانتے تھے کہ کتاب اور ایمان کیا چیز ہے؟^(۳) لیکن ہم نے اسے نور بنایا، اس کے ذریعہ سے اپنے بندوں میں سے جسے چاہتے ہیں، ہدایت دیتے ہیں،^(۴) بیشک آپ راہ راست

وَاَكَانَ لِشَرِّ مَا يُكَلِّمُ اللّٰهُ الْاَوْحِيَآ اَوْصَانٌ وَرَآى حَبَآبَ اَوْرَسِلَ رَسُوْلًا مُّخْبِيْ بِاٰذَنِهِ مَا يَشَآءُ اِنَّهٗ عَلٰى حَكِيْمٍ ②

وَكَذٰلِكَ اَوْحَيْنَا اِلَيْكَ رُوحًا مِّنْ اَمْرِنَا مَا كُنْتَ تَدْرِيْ مَا الْكِتٰبُ وَلَا الْاِيْمَانُ وَلٰكِنْ جَعَلْنٰهُ نُورًا لِّهٰدِيْٓ بِرَهْمَنٍ فَاَنشَأُوْا مِنْ عِبَادِنَا فَاِنَّكَ لَتَهْدِيْٓ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ③

نہ بنی۔ لوگوں کے درمیان یہ فرق و تفاوت اللہ کی قدرت کی نشانیوں میں سے ہے، اس تفاوت الہی کو دنیا کی کوئی طاقت بدلنے پر قادر نہیں ہے۔ یہ تقسیم اولاد کے اعتبار سے ہے۔ باپوں کے اعتبار سے بھی انسانوں کی چار قسمیں ہیں۔ ۱۔ آدم علیہ السلام کو صرف مٹی سے پیدا کیا، ان کا باپ ہے نہ ماں۔ ۲۔ حضرت حوا کو آدم علیہ السلام سے یعنی مرد سے پیدا کیا، ان کی ماں نہیں ہے۔ ۳۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو صرف عورت کے بطن سے پیدا کیا، ان کا باپ نہیں ہے۔ ۴۔ اور باقی تمام انسانوں کو مرد اور عورت دونوں کے ملاپ سے۔ ان کے باپ بھی ہیں اور مائیں بھی۔ فَسُبْحٰنَ اللّٰهِ الْعَلِيْمِ الْقَدِيْرِ (ابن کثیر)

(۱) اس آیت میں وحی الہی کی تین صورتیں بیان کی گئی ہیں پہلی یہ کہ دل میں کسی بات کا ڈال دینا یا خواب میں بتلا دینا اس یقین کے ساتھ کہ یہ اللہ ہی کی طرف سے ہے۔ دوسری، پردے کے پیچھے سے کلام کرنا، جیسے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کہ وہ طور پر کیا گیا۔ تیسری، فرشتے کے ذریعے اپنی وحی بھیجنا، جیسے جبرائیل علیہ السلام اللہ کا پیغام لے کر آتے اور پیغمبروں کو سناتے رہے۔

(۲) رُوح سے مراد قرآن ہے۔ یعنی جس طرح آپ سے پہلے اور رسولوں پر ہم وحی کرتے رہے، اسی طرح ہم نے آپ پر قرآن کی وحی کی۔ ہے۔ قرآن کو روح سے اس لیے تعبیر کیا ہے کہ قرآن سے دلوں کو زندگی حاصل ہوتی ہے جیسے روح میں انسانی زندگی کا راز مضمر ہے۔

(۳) کتاب سے مراد قرآن ہے، یعنی نبوت سے پہلے قرآن کا بھی کوئی علم آپ کو نہیں تھا اور اسی طرح ایمان کی ان تفصیلات سے بھی بے خبر تھے جو شریعت میں مطلوب ہیں۔

(۴) یعنی قرآن کو نور بنایا، اس کے ذریعے سے اپنے بندوں میں سے ہم جسے چاہتے ہیں، ہدایت سے نواز دیتے ہیں۔

کی رہنمائی کر رہے ہیں۔ (۵۲)
اس اللہ کی راہ کی ^(۱) جس کی ملکیت میں آسمانوں اور زمین
کی ہر چیز ہے۔ آگاہ رہو سب کام اللہ تعالیٰ ہی کی طرف
لوٹتے ہیں۔ ^(۲) (۵۳)

صِرَاطِ اللَّهِ الَّذِي لَهُ مَا فِي السَّمَوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ ۚ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ ۚ يُصِيرُ الْأُمُورَ ۝

سورہ زخرف کی ہے اور اس میں نوایں آتیں ہیں اور
سات رکوع ہیں۔



شروع کرتا ہوں اللہ تعالیٰ کے نام سے جو بڑا مہربان
نہایت رحم والا ہے۔

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ ۝

حم۔ (۱) قسم ہے اس واضح کتاب کی۔ (۲)
ہم نے اسکو عربی زبان کا قرآن بنایا ہے ^(۳) مگر تم سمجھ لو۔ (۳)
یقیناً یہ لوح محفوظ میں ہے اور ہمارے نزدیک بلند مرتبہ
حکمت ^(۴) والی ہے۔ (۴)

حَمْدٌ ۝ وَالْكِتَابِ الْمُبِينِ ۝
إِنَّا جَعَلْنَاهُ قُرْآنًا عَرَبِيًّا لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُونَ ۝
وَلَا تَقْرَأُ الْكِتَابَ ثَلَاثًا تِلْكَ آيَاتُ الْكِتَابِ ۝

مطلب یہ ہے کہ قرآن سے ہدایت و رہنمائی انہی کو ملتی ہے جن میں ایمان کی طلب اور تربت ہوتی ہے وہ اسے طلب
ہدایت کی نیت سے پڑھتے، سنتے اور غور و فکر کرتے ہیں، چنانچہ اللہ ان کی مدد فرماتا ہے اور ہدایت کا راستہ ان کے لیے
ہموار کر دیتا ہے جس پر وہ چل پڑتے ہیں ورنہ جو اپنی آنکھوں کو ہی بند کر لیں، کانوں میں ڈاٹ لگالیں اور عقل و فہم کو ہی
بروئے کار نہ لائیں تو انہیں ہدایت کیوں کر نصیب ہو سکتی ہے، جیسے فرمایا۔ ﴿قُلْ هُوَ الْكَذِبُ الَّذِي يُشْعِلُونَ الْآزِفِينَ
لَا يُؤْمِنُونَ فِي أَذَانِهِمْ وَقُفْرًا وَهُمْ عَلَيْكُمْ عَمًّ ۖ أَلَيْسَ لَكُمْ بُعْدٌ ۚ﴾ (سورہ حم السجدة، ۴۴)

(۱) یہ صراط مستقیم، اسلام ہے۔ اس کی اضافت اللہ نے اپنی طرف فرمائی ہے جس سے اس راستے کی عظمت و فحمت
شان واضح ہوتی ہے اور اس کے واحد راہ نجات ہونے کی طرف اشارہ بھی۔

(۲) یعنی قیامت والے دن تمام معاملات کا فیصلہ اللہ ہی کے ہاتھ میں ہوگا، اس میں سخت وعید ہے، جو مجازات (جزا و
سزا) کو مستلزم ہے۔

(۳) جو دنیا کی فصیح ترین زبان ہے، دوسرے، اس کے اولین مخاطب بھی عرب تھے، انہی کی زبان میں قرآن اتارا تاکہ وہ
سمجھنا چاہیں تو آسانی سے سمجھ سکیں۔

(۴) اس میں قرآن کریم کی اس عظمت اور شرف کا بیان ہے جو ملاء اعلیٰ میں اسے حاصل ہے تاکہ اہل زمین بھی اس
کے شرف و عظمت کو ملحوظ رکھتے ہوئے اس کو قرار واقعی اہمیت دیں اور اس سے ہدایت کا وہ مقصد حاصل کریں جس

کیا ہم اس نصیحت کو تم سے اس بنا پر ہٹالیں کہ تم حد سے گزر جانے والے لوگ ہو۔^(۱) (۵)

اور ہم نے اگلے لوگوں میں بھی کتنے ہی نبی بھیجے۔ (۶)
جو نبی ان کے پاس آیا انہوں نے اس کا مذاق اڑایا۔ (۷)
پس ہم نے ان سے زیادہ زور آوروں^(۲) کو تباہ کر ڈالا اور
اگلوں کی مثال گزر چکی ہے۔^(۳) (۸)

اگر آپ ان سے دریافت کریں کہ آسمانوں اور زمین کو
کس نے پیدا کیا تو یقیناً ان کا جواب یہی ہو گا کہ انہیں
غالب وانا (اللہ) نے ہی پیدا کیا ہے۔ (۹)

وہی ہے جس نے تمہارے لیے زمین کو فرش (بچھونا)^(۵)

أَفَضَّرَبُ عَنْكُمْ الذِّكْرَ صَافً أَنْ كُنْتُمْ قَوْمًا مُشْرِفِينَ ①

وَكَمْ أَرْسَلْنَا مِنْ نَبِيِّ فِي الْأَوَّلِينَ ①

وَمَا يَأْتِيهِمْ مِنْ نَبِيٍّ إِلَّا كَاثُوبًا يُسْتَهْزِئُونَ ①

فَأَهْلَكْنَا أَشَدَّ مِنْهُمْ بَطْشًا وَمَضَى مَثَلُ الْأَوَّلِينَ ①

وَلَوْ سَأَلْتَهُمْ مَنْ خَلَقَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ لَيَقُولُنَّ

خَلَقَهُنَّ الْعَزِيزُ الْعَلِيمُ ①

الَّذِي جَعَلَ لَكُمُ الْأَرْضَ مَهْدًا وَجَعَلَ لَكُمْ فِيهَا سُبُلًا لَعَلَّكُمْ

کے لیے اسے دنیا میں اتارا گیا ہے اُم الْكِتَابِ سے مراد لوح محفوظ ہے۔

(۱) اس کے مختلف معنی کیے گئے ہیں مثلاً ۱- تم چوں کہ گناہوں میں بہت منہمک اور ان پر مصر ہو، اس لیے کیا تم یہ گمان کرتے ہو کہ ہم تمہیں وعظ و نصیحت کرنا چھوڑ دیں گے؟ ۲- یا تمہارے کفر اور اسراف پر ہم تمہیں کچھ نہ کہیں گے اور تم سے درگزر کر لیں گے۔ ۳- یا ہم تمہیں ہلاک کر دیں اور کسی چیز کا تمہیں حکم دیں نہ منع کریں۔ ۴- چوں کہ تم قرآن پر ایمان لانے والے نہیں ہو، اس لیے ہم انزال قرآن کا سلسلہ ہی بند کر دیں۔ پہلے مفہوم کو امام طبری نے اور آخری مفہوم کو امام ابن کثیر نے زیادہ پسند کیا ہے اور کہا ہے کہ یہ اللہ کا لطف و کرم ہے کہ اس نے خیر اور ذکر حکیم (قرآن) کی طرف دعوت دینے کا سلسلہ موقوف نہیں فرمایا، اگرچہ وہ اعراض و انکار میں حد سے تجاوز کر رہے تھے، تاکہ جس کے لیے ہدایت مقدر ہے وہ اس کے ذریعے سے ہدایت اپنالے اور جن کے لیے شقاوت لکھی جا چکی ہے ان پر جنت قائم ہو جائے۔

(۲) یعنی اہل مکہ سے زیادہ زور آور تھے، جیسے دوسرے مقام پر فرمایا: كَانُوا أَكْثَرُ مِنْهُمْ وَأَشَدَّ قُوَّةً (المؤمن ۸۲) ”وہ ان سے تعداد اور قوت میں کہیں زیادہ تھے۔“

(۳) یعنی قرآن مجید میں ان قوموں کا تذکرہ یا وصف متعدد مرتبہ گزر چکا ہے۔ اس میں اہل مکہ کے لیے تہدید ہے کہ پچھلی قومیں رسولوں کی تکذیب کی وجہ سے ہلاک ہوئیں۔ اگر یہ بھی تکذیب رسالت پر مصر رہے تو ان کی مثل یہ بھی ہلاک کر دیے جائیں گے۔

(۴) لیکن اس اعتراف کے باوجود انہی مخلوقات میں سے بہت سوں کو ان نادانوں نے اللہ کا شریک ٹھہرا لیا ہے۔ اس میں ان کے جرم کی شاعت و قباحت کا بھی بیان ہے اور ان کی سفاهت و جہالت کا اظہار بھی۔

(۵) ایسا بچھونا، جس میں ثبات و قرار ہے، تم اس پر چلتے ہو، کھڑے ہوتے اور سوتے ہو اور جہاں چاہتے ہو، پھرتے ہو،

تَهْتَدُونَ ۱۰

وَالَّذِي نَزَّلَ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً يُقَدِّرُ فَأَنْشُرْنَا بِهِ بَلْدَةً مَّيْتًا
كَذَلِكَ نُخْرِجُكَ ۱۱وَالَّذِي خَلَقَ الذُّنُوجَ كُلَّهَا وَجَعَلَ لَكُم مِّنَ الْفَلَاحِ وَالْإِنْعَامِ
مَثَرَكَبُونَ ۱۲لَسْتَ تَأْوِلُ لَهْوَهِمْ ثَمَرًا كَرُوا لِعِبَادَةِ رَبِّكَ إِذَا اسْتَوَيْتُمْ
عَلَيْهِ وَتَقُولُوا سُبْحَنَ الَّذِي سَخَّرَ لَنَا هَذَا وَمَا كُنَّا
لَهُ مُقَرِّبِينَ ۱۳

بنایا اور اس میں تمہارے لیے راستے کر دیے تاکہ تم راہ
پالیا کرو۔ (۱۰)

اسی نے آسمان سے ایک اندازے (۱۱) کے مطابق پانی
نازل فرمایا، پس ہم نے اس سے مردہ شہر کو زندہ کر دیا۔
اسی طرح تم نکالے جاؤ گے۔ (۱۲)

جس نے تمام چیزوں کے جوڑے (۱۳) بنائے اور تمہارے
لیے کشتیاں بنائیں اور چوپائے جانور (پیدا کیے) جن پر تم
سوار ہوتے ہو۔ (۱۴)

تاکہ تم ان کی پیٹھ پر جم کر سوار ہوا کرو (۱۵) پھر اپنے رب کی
نعمت کو یاد کرو جب اس پر ٹھیک ٹھاک بیٹھ جاؤ اور کہو پاک
ذات ہے اس کی جس نے اسے ہمارے بس میں کر دیا
حالانکہ ہمیں اسے قابو کرنے کی (۱۶) طاقت نہ تھی۔ (۱۳)

اس نے اس کو پہاڑوں کے ذریعے سے جمادیا تاکہ اس میں حرکت و جنبش نہ ہو۔

(۱) یعنی ایک علاقے سے دوسرے علاقے میں اور ایک ملک سے دوسرے ملک میں جانے کے لیے راستے بنادیئے تاکہ
کاروباری، تجارتی اور دیگر مقاصد کے لیے تم آجاسکو۔

(۲) جس سے تمہاری ضرورت پوری ہو سکے، کیونکہ قدر حاجت سے کم بارش ہوتی تو وہ تمہارے لیے مفید ثابت نہ
ہوتی اور زیادہ ہوتی تو وہ طوفان بن جاتی، جس میں تمہارے ڈوبنے اور ہلاک ہونے کا خطرہ ہوتا۔

(۳) یعنی جس طرح بارش سے مردہ زمین شاداب ہو جاتی ہے، اسی طرح قیامت والے دن تمہیں بھی زندہ کر کے
قبور سے نکال لیا جائے گا۔

(۴) یعنی ہر چیز کو جو ڈالنا بنایا، نرا اور مادہ، نباتات، کھیتیاں، پھل، پھول اور حیوانات سب میں نرا اور مادہ کا سلسلہ ہے۔ بعض
کہتے ہیں اس سے مراد ایک دوسرے کی مخالف چیزیں ہیں جیسے روشنی اور اندھیرا، مرض اور صحت، انصاف اور ظلم، خیر اور
شر، ایمان اور کفر، نرمی اور سختی وغیرہ۔ بعض کہتے ہیں ازواج، اصناف کے معنی میں ہے۔ تمام انواع و اقسام کا خالق اللہ ہے۔

(۵) لَسْتُمْ تَأْوِلُوا بِمَعْنَى لَسْتُمْ تَقْرَأُوا لَسْتُمْ تَعْلَمُوا جم کر بیٹھ جاؤ یا چڑھ جاؤ۔ ظُہُورِہ میں ضمیر واحد باعتبار جنس کے ہے۔

(۶) یعنی اگر ان جانوروں کو ہمارے تابع اور ہمارے بس میں نہ کرتا تو ہم انہیں اپنے قابو میں رکھ کر ان کو سواری، بار
برداری اور دیگر مقاصد کے لیے استعمال نہیں کر سکتے تھے، مُقَرَّبِينَ بِمَعْنَى مُطِيعِينَ ہے۔

وَالْكَافِرِينَ الَّذِينَ كَفَرُوا ۖ إِنَّ اللَّهَ يُرِيدُ الْفِتْنَةَ ۖ إِنَّ الْإِنْسَانَ لَكَفُورٌ مُّبِينٌ ﴿١٥﴾

اور بالیقین ہم اپنے رب کی طرف لوٹ کر جانے والے ہیں۔^(۱۴)

اور انہوں نے اللہ کے بعض بندوں کو اس کا جز ٹھہرا^(۱۵) دیا یقیناً انسان کھلم کھلا ناشکر ہے۔ (۱۵)

کیا اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوق میں سے بیٹیاں تو خود رکھ لیں اور تمہیں بیٹوں سے نوازا۔^(۱۶)

(حالانکہ) ان میں سے کسی کو جب اس چیز کی خبر دی جائے جس کی مثال اس نے (اللہ) رحمن کے لیے بیان کی ہے تو اس کا چہرہ سیاہ پڑ جاتا ہے اور وہ غمگین ہو جاتا ہے۔ (۱۷)

کیا (اللہ کی) اولاد لڑکیاں ہیں جو زیورات میں پلپیں اور جھگڑے میں (اپنی بات) واضح نہ کر سکیں؟^(۱۸)

وَجَعَلُوا لَهُ مِنْ عِبَادِهِ جُزْءًا إِنَّ الْإِنْسَانَ لَكَفُورٌ مُّبِينٌ ﴿١٥﴾

لَمْ يَتَّخِذْ مَا يُخْلَقُ بَنَاتٍ وَأَصْنَعَكُمْ بِالْبَنِينَ ﴿١٦﴾

وَإِذَا بُشِّرَ أَحَدُهُمْ بِمَا عَرَبَ لِلرَّحْمَنِ مَثَلًا هَكَذَا هُوَ مُسَوِّدٌ أَوْ هُزْلًا ۖ وَمَنْ يَكُنْ لَهُ كُفْرًا فَهُوَ حَرَامٌ ﴿١٧﴾

أَوَمَنْ يُنْفِقْ فِي السَّيْلِ وَالْهَوَىٰ الْفَضْلَ عَرَبِيٌّ مُّبِينٌ ﴿١٨﴾

(۱) نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب سواری پر سوار ہوتے تو تین مرتبہ اللہ اکبر کہتے اور سُبْحَانَ الَّذِي... سے لُمُقْبَلُونَ تک آیت پڑھتے۔ علاوہ ازیں خیر و عافیت کی دعا مانگتے جو دعاؤں کی کتابوں میں دیکھ لی جائے (صحیح مسلم، کتاب الحج، باب ما یقول اذا ركب.....)

(۲) عِبَادٌ سے مراد فرشتے اور جُزْءٌ سے مراد بیٹیاں یعنی فرشتے، جن کو مشرکین اللہ کی بیٹیاں قرار دے کر ان کی عبادت کرتے تھے۔ یوں وہ مخلوق کو اللہ کا شریک اور اس کا جزء مانتے تھے، حالانکہ وہ ان چیزوں سے پاک ہے۔ بعض نے جزء سے یہاں نذر نیاز کے طور پر نکالے جانے والے وہ جانور مراد لیے ہیں جن کا ایک حصہ مشرکین اللہ کے نام پر اور ایک حصہ بتوں کے نام پر نکالا کرتے تھے جس کا ذکر سورۃ الانعام ۱۳۶ میں ہے۔

(۳) اس میں ان کی جہالت اور سفاهت کا بیان ہے جو انہوں نے اللہ کے لیے اولاد بھی ٹھہرائی ہوئی ہے جسے یہ خود ناپسند کرتے ہیں۔ حالانکہ اللہ کی اولاد ہوتی تو کیا ایسا ہی ہو تا کہ خود تو اس کی لڑکیاں ہوتیں اور تمہیں وہ لڑکوں سے نوازا۔

(۴) یُنْشَوْنَ، نُشُوءٌ سے ہے، بمعنی تربیت اور نشوونما۔ عورتوں کی دو صفات کا تذکرہ بطور خاص یہاں کیا گیا ہے۔ ۱۔ ان کی تربیت اور نشوونما زیورات اور زینت میں ہوتی ہے، یعنی شعور کی آنکھیں کھولتے ہی ان کی توجہ حسن افزا اور جمال افروز چیزوں کی طرف ہو جاتی ہے۔ مقصد اس وضاحت سے یہ ہے کہ جن کی حالت یہ ہے، وہ تو اپنے ذاتی معاملات کے درست کرنے کی بھی استعداد و صلاحیت نہیں رکھتیں۔ ۲۔ اگر کسی سے بحث و تکرار ہو تو وہ اپنی بات بھی صحیح طریقے سے (فطری حجاب کی وجہ سے) واضح نہیں کر سکتیں نہ فریق مخالف کے دلائل کا توڑ ہی کر سکتی ہیں۔ یہ عورت کی وہ دو فطری کمزوریاں ہیں جن کی بنا پر مرد حضرات عورتوں پر ایک گونہ فضیلت رکھتے ہیں۔ سیاق سے بھی مرد کی یہ برتری واضح ہے،

وَجَعَلُوا الْمَلَائِكَةَ الَّذِينَ هُمْ عِبَادُ الرَّحْمَنِ إِنْ كَانُوا لَهُمْ
خَلْقُهُمْ سَتُكْتَبُ شَهَادَتُهُمْ وَيُسْأَلُونَ ﴿١٠﴾

وَقَالُوا أَوَإِذَا نَزَّلْنَاهُ مَعِيبًا نَأْمُرُ بِتِلْكَ مِنْ عِبَادِهِ
إِنْ هُمْ إِلَّا عَرِضُونَ ﴿١١﴾

أَمْ أَتَيْنَاهُمْ بِكِتَابَيْنِ فَإِذَا هُمْ فِيهِ مُسْتَمْسِكُونَ ﴿١٢﴾

بَلْ قَالُوا إِنَّا وَجَدْنَا آبَاءَنَا عَلَىٰ أُمَّةٍ وَإِنَّا عَلَىٰ الشَّيْءِ
مُقْتَدُونَ ﴿١٣﴾

اور انہوں نے فرشتوں کو جو رحمن کے عبادت گزار ہیں
عورتیں قرار دے لیا۔ کیا ان کی پیدائش کے موقع پر یہ
موجود تھے؟ ان کی یہ گواہی لکھ لی جائے گی اور ان سے
(اس چیز کی) باز پرس کی جائے گی۔ (۱۰)

اور کہتے ہیں اگر اللہ چاہتا تو ہم ان کی عبادت نہ کرتے۔
انہیں اس کی کچھ خبر نہیں، (۱۱) یہ تو صرف اٹکل بچو
(جھوٹ باتیں) کہتے ہیں۔ (۱۲)

کیا ہم نے انہیں اس سے پہلے کوئی (اور) کتاب دی ہے
جسے یہ مضبوط تھامے ہوئے ہیں۔ (۱۳)

(نہیں نہیں) بلکہ یہ تو کہتے ہیں کہ ہم نے اپنے باپ دادا
کو ایک مذہب پر پایا اور ہم انہی کے نقش قدم پر چل کر

کیوں کہ گفتگو اسی ضمن میں یعنی مرد و عورت کے درمیان جو فطری تفاوت ہے، جس کی بنا پر بچی کے مقابلے میں بچے کی
ولادت کو زیادہ پسند کیا جاتا تھا، ہو رہی ہے۔

(۱) یعنی جزا کے لیے۔ کیوں کہ فرشتوں کے بنات اللہ ہونے کی کوئی دلیل ان کے پاس نہیں ہوگی۔

(۲) یعنی اپنے طور پر اللہ کی مشیت کا سارا، یہ ان کی ایک بڑی دلیل ہے کیوں کہ ظاہر اہر بات صحیح ہے کہ اللہ کی
مشیت کے بغیر کوئی کام نہیں ہوتا، نہ ہو سکتا ہے۔ لیکن یہ اس بات سے بے خبر ہیں کہ اس کی مشیت، اس کی رضا سے
مختلف چیز ہے۔ ہر کام یقیناً اس کی مشیت ہی سے ہوتا ہے لیکن راضی وہ انہی کاموں سے ہوتا ہے جن کا اس نے حکم دیا
ہے نہ کہ ہر اس کام سے جو انسان اللہ کی مشیت سے کرتا ہے، انسان چوری، بدکاری، ظلم اور بڑے بڑے گناہ کرتا ہے،
اگر اللہ تعالیٰ چاہے تو کسی کو یہ گناہ کرنے کی قدرت ہی نہ دے فوراً اس کا ہاتھ پکڑ لے، اس کے قدموں کو روک دے
اس کی نظر سلب کر لے۔ لیکن یہ جبری صورتیں ہیں جب کہ اس نے انسان کو ارادہ و اختیار کی آزادی دی ہے تاکہ اسے
آزمایا جائے، اسی لیے اس نے دونوں قسم کے کاموں کی وضاحت کر دی ہے، جن سے وہ راضی ہوتا ہے ان کی بھی اور
جن سے ناراض ہوتا ہے، ان کی بھی۔ انسان دونوں قسم کے کاموں میں سے جو کام بھی کرے گا، اللہ اس کا ہاتھ نہیں
پکڑے گا، لیکن اگر وہ کام جرم و معصیت کا ہو گا تو یقیناً وہ اس سے ناراض ہو گا کہ اس نے اللہ کے دیئے ہوئے اختیار کا
استعمال غلط کیا۔ تاہم یہ اختیار اللہ دنیا میں اس سے واپس نہیں لے گا، البتہ اس کی سزا قیامت والے دن دے گا۔

(۳) یعنی قرآن سے پہلے کوئی کتاب، جس میں ان کو غیر اللہ کی عبادت کرنے کا اختیار دیا گیا ہے جسے انہوں نے مضبوطی
سے تھام رکھا ہے؟ یعنی ایسا نہیں ہے بلکہ تھلید آبا کے سوا ان کے پاس کوئی دلیل نہیں ہے۔

راہ یافتہ ہیں۔ (۲۲)

اسی طرح آپ سے پہلے بھی ہم نے جس بستی میں کوئی ڈرانے والا بھیجا وہاں کے آسودہ حال لوگوں نے یہی جواب دیا کہ ہم نے اپنے باپ دادا کو (ایک راہ پر اور) ایک دین پر پایا اور ہم تو انہی کے نقش پا کی پیروی کرنے والے ہیں۔ (۲۳)

(نبی نے) کہا بھی کہ اگرچہ میں تمہارے پاس اس سے بہتر بہتر (مقصود تک پہنچانے والا) طریقہ لے کر آیا ہوں جس پر تم نے اپنے باپ دادوں کو پایا، تو انہوں نے جواب دیا کہ ہم اس کے منکر ہیں جسے دے کر تمہیں بھیجا گیا ہے۔ (۲۴)^(۱)

پس ہم نے ان سے انتقام لیا اور دیکھ لے جھٹلانے والوں کا کیسا انجام ہوا؟ (۲۵)

اور جبکہ ابراہیم (علیہ السلام) نے اپنے والد سے اور اپنی قوم سے فرمایا کہ میں ان چیزوں سے بیزار ہوں جن کی تم عبادت کرتے ہو، (۲۶)

بجز اس ذات کے جس نے مجھے پیدا کیا ہے اور وہی مجھے ہدایت بھی کرے گا۔ (۲۷)^(۲)

اور (ابراہیم علیہ السلام) اسی کو اپنی اولاد میں بھی باقی رہنے والی بات (۳)^(۳) قائم کر گئے تاکہ لوگ (شرک سے)

وَكُلَّامَا أَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ فِي قَرْيَةٍ مِنْ نَذِيرٍ إِلَّا قَالَ مُتْرَفُوهَا إِنَّا وَجَدْنَا آبَاءَنَا عَلَىٰ مِثْلِ الَّذِي هُمْ مُنْتَفِدُونَ ﴿٢٢﴾

قُلْ أَوْحَيْتُكُمْ بِأَهْدَىٰ مِمَّا يَدْعُوهُ عَلَيْهِ آبَاؤُكُمْ قَالُوا إِنَّا بِمَا أُرْسِلْتُمْ بِهِ كَاذِبُونَ ﴿٢٣﴾

فَانْتَقَمْنَا مِنْهُمْ فَأَنْظَرُوكَ كَانِ عَاقِبَةُ الْمُنْكَدِبِينَ ﴿٢٤﴾

وَلَاذَقَالَ إِبْرَاهِيمُ لِأَبِيهِ وَقَوْمِهِ إِنَّنِي بَرَاءٌ مِمَّا تَعْبُدُونَ ﴿٢٥﴾

إِلَّا الَّذِي فَطَرَنِي فَإِنَّهُ سَيَهْدِينِ ﴿٢٦﴾

وَجَعَلَهَا كَلِمَةً بَاقِيَةً فِي عَقِبِهِ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُونَ ﴿٢٧﴾

(۱) یعنی اپنے آبا کی تقلید میں اتنے پختہ تھے کہ پیغمبر کی وضاحت اور دلیل بھی انہیں اس سے نہیں پھیر سکی۔ یہ آیت اندھی تقلید کے بطلان اور اس کی قباحت پر بہت بڑی دلیل ہے (تفصیل کے لیے دیکھئے فتح القدیر، لشوکانی)

(۲) یعنی جس نے مجھے پیدا کیا ہے وہ مجھے اپنے دین کی سمجھ بھی دے اور اس پر ثابت قدم بھی رکھے گا، میں صرف اسی کی عبادت کروں گا۔

(۳) یعنی اس کلمہ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ کی وصیت اپنی اولاد کو کر گئے۔ جیسے فرمایا ﴿وَوَضَعِي بِهَا إِلَهُكُمْ بَيْنَهُ وَيَعْقُوبُ﴾ (البقرة ۱۳۳) بعض نے جَعَلَهَا میں فاعل اللہ کو قرار دیا ہے۔ یعنی اللہ نے اس کلمے کو ابراہیم علیہ السلام کے بعد ان کی اولاد میں باقی رکھا اور وہ صرف ایک اللہ کی عبادت کرتے رہے۔

باز آتے رہیں۔^(۱) (۲۸)

بلکہ میں نے ان لوگوں کو اور ان کے باپ دادوں کو
مسلمان (اور اسباب)^(۲) دیا، یہاں تک کہ ان کے پاس حق
اور صاف صاف سنانے والا رسول آگیا۔^(۳) (۲۹)

اور حق کے پہنچنے ہی یہ بول پڑے کہ یہ تو جادو ہے اور ہم
اس کے منکر ہیں۔^(۴) (۳۰)

اور کہنے لگے، یہ قرآن ان دونوں بستیوں میں سے کسی
بڑے آدمی پر کیوں نہ نازل کیا گیا۔^(۵) (۳۱)

کیا آپ کے رب کی رحمت کو یہ تقسیم کرتے ہیں؟^(۶) ہم

بَلْ مَنَعْتُ قُلُوبَهُمْ وَأَبْأَدْتُهُمْ حَتَّىٰ جَاءَهُمُ الْحَقُّ
وَرَسُولٌ مُّبِينٌ ۝

وَلَمَّا جَاءَهُمُ الْحَقُّ قَالُوا هَذَا بَشَرٌ أَتَانَا بِهِ كُفْرًا وَن ۝

وَقَالُوا لَوْلَا نَزَلَ هَذَا الْقُرْآنُ عَلَىٰ رَجُلٍ مِّنَ الْقَرْيَتَيْنِ
عَظِيمٍ ۝

أَهُمْ يَقْسِمُونَ رَحْمَتَ رَبِّكَ ۚ مَن مِّنَّا يَلْتَهُمْ مَعْشَرَ

(۱) یعنی اولاد ابراہیم میں یہ موحدین اس لیے پیدا کیے تاکہ ان کے توحید کے وعظ سے لوگ شرک سے باز آتے رہیں۔
لَعَلَّهُمْ میں ضمیر کا مرجع اہل مکہ ہیں یعنی شاید اہل مکہ اس دین کی طرف لوٹ آئیں جو حضرت ابراہیم علیہ السلام کا دین
تھا جو خالص توحید پر مبنی تھا نہ کہ شرک پر۔

(۲) یہاں سے پھر ان نعمتوں کا ذکر ہو رہا ہے جو اللہ نے انہیں عطا کی تھیں اور نعمتوں کے بعد عذاب میں جلدی نہیں کی
بلکہ انہیں پوری مہلت دی، جس سے وہ دھوکے میں مبتلا ہو گئے اور خواہشات کے بندے بن گئے۔

(۳) حق سے قرآن اور رسول سے حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مراد ہیں۔ مُبِينٌ رسول کی صفت ہے،
کھول کر بیان کرنے والا یا جن کی رسالت واضح اور ظاہر ہے، اس میں کوئی اشتباہ اور خفا نہیں۔

(۴) قرآن کو جادو قرار دے کر اس کا انکار کر دیا، اور اگلے الفاظ میں حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تحقیق و تنقیص کی۔

(۵) دونوں بستیوں سے مراد مکہ اور طائف ہے اور بڑے آدمی سے مراد اکثر مفسرین کے نزدیک مکے کا ولید بن مغیرہ اور
طائف کا عروہ بن مسعود ثقفی ہے۔ بعض نے کچھ اور لوگوں کے نام ذکر کیے ہیں تاہم مقصد اس سے ایسے آدمی کا انتخاب
ہے جو پہلے سے ہی عظیم جاہ و منصب کا حامل، کثیر المال اور اپنی قوم میں مانا ہوا ہو، یعنی قرآن اگر نازل ہوتا تو دونوں
بستیوں میں سے کسی ایسی ہی شخصیت پر نازل ہوتا نہ کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) پر، جن کا دامن دولت دنیا سے بھی خالی
ہے، اور اپنی قوم میں قیادت و سیادت کے منصب پر بھی فائز نہیں ہیں۔

(۶) رحمت، نعمت کے معنی میں ہے، اور یہاں سب سے بڑی نعمت، نبوت، مراد ہے۔ استغمام انکار کے لیے ہے۔ یعنی یہ
کام ان کا نہیں ہے کہ رب کی نعمتیں بالخصوص نعمت نبوت یہ اپنی مرضی سے تقسیم کریں، بلکہ یہ صرف رب کا کام ہے
کیوں کہ وہی ہر بات کا علم اور ہر شخص کے حالات سے پوری واقفیت رکھتا ہے، وہی بہتر سمجھتا ہے کہ انسانوں میں سے
نبوت کا تاج کس کے سر پر رکھنا ہے اور اپنی وحی و رسالت سے کس کو نوازنا ہے۔

نے ہی ان کی زندگانی دنیا کی روزی ان میں تقسیم کی ہے اور ایک کو دوسرے سے بلند کیا ہے تاکہ ایک دوسرے کو ماتحت کر لے^(۱) جسے یہ لوگ سمیٹتے پھرتے ہیں اس سے آپ کے رب کی رحمت بہت ہی بہتر ہے۔^(۲) (۳۲)

اور اگر یہ بات نہ ہوتی کہ تمام لوگ ایک ہی طریقہ پر ہو جائیں^(۳) گے تو رحمن کے ساتھ کفر کرنے والوں کے گھروں کی چھتوں کو ہم چاندی کی بنا دیتے۔ اور زینوں کو (بھی) جن پر چڑھا کرتے۔ (۳۳)

اور ان کے گھروں کے دروازے اور تخت بھی جن پر وہ تکیہ لگا لگا کر بیٹھتے۔ (۳۴)

اور سونے کے بھی^(۴) اور یہ سب کچھ یونہی سادگی کی زندگی

النَّارِ الدُّنْيَا وَرَفَعْنَا بَعْضَهُمْ فَوْقَ بَعْضٍ دَرَجَاتٍ يَلْعَنُ بَعْضُهُمْ بَعْضًا أَفَمَوْلَا وَدَّعَتْ رَبَّكَ خَيْرًا مِّنَّا بَعْضُهُمْ ۝۳۲

وَكُلُوا لَأَن يَكُونَ النَّاسُ أُمَّةً وَاحِدَةً لَّكَجَعَلْنَا لِمَن يَكْفُرُ بِالرَّحْمَنِ لِيُذَوِّعَهُمْ سُرُفًا مِّنْ فَضْلِهِ وَمَعَارِجَ عَلَيْهِمْ يَظَاهِرُونَ ۝۳۳

لَهُمْ يَوْمَئِذٍ أَجْوَابًا وَسُرُورًا عَلَيْهَا يُسَبِّحُونَ ۝۳۴

وَنُحُوفًا وَإِن مِّنْ ذَلِكُمْ لَمَّا مَتَاعٌ الْخَيْرِ الدُّنْيَا وَالْآخِرَةُ

(۱) یعنی مال و دولت، جاہ و منصب اور عقل و فہم میں ہم نے یہ فرق و تفاوت اس لیے رکھا ہے تاکہ زیادہ مال والا کم مال والے سے، اونچے منصب والا چھوٹے منصب داروں سے، اور عقل و فہم میں حظ وافر رکھنے والا اپنے سے کم تر عقل و شعور رکھنے والے سے کام لے سکے۔ اللہ تعالیٰ کی اس حکمت بالغہ سے کائنات کا نظام بحسن و خوبی چل رہا ہے۔ ورنہ اگر سب مال میں، منصب میں، علم و فہم میں، عقل و شعور میں اور دیگر اسباب دنیا میں برابر ہوتے تو کوئی کسی کا کام کرنے کے لیے تیار نہ ہوتا اسی طرح کم تر اور حقیر سمجھے جانے والے کام بھی کوئی نہ کرتا۔ یہ احتیاج انسانی ہی ہے جو اللہ تعالیٰ نے فرق و تفاوت کے اندر رکھ دی ہے جس کی وجہ سے ہر انسان دوسرے انسان بلکہ انسانوں کا محتاج ہے، تمام حاجات و ضروریات انسانی کوئی ایک شخص چاہے وہ ارب پتی ہی کیوں نہ ہو، دیگر انسانوں کی مدد حاصل کیے بغیر خود فراہم کر ہی نہیں سکتا۔

(۲) اس رحمت سے مراد آخرت کی وہ نعمتیں ہیں جو اللہ نے اپنے نیک بندوں کے لیے تیار کر رکھی ہیں۔

(۳) یعنی دنیا کے مال و اسباب میں رغبت کرنے کی وجہ سے طالب دنیا ہی ہو جائیں گے اور رضائے الہی اور آخرت کی طلب سب فراموش کر دیں گے۔

(۴) یعنی بعض چیزیں چاندی کی اور بعض سونے کی، کیوں کہ تنوع میں حسن زیادہ نمایاں ہوتا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ دنیا کا مال ہماری نظر میں اتنا بے وقعت ہے کہ اگر مذکورہ خطرہ نہ ہوتا تو اللہ کے سب منکروں کو خوب دولت دی جاتی لیکن اس میں خطرہ یہی تھا کہ پھر سب لوگ ہی دنیا کے پرستار نہ بن جائیں۔ دنیا کی حقارت اس حدیث سے بھی واضح ہے جس میں فرمایا گیا ہے۔ «لَوْ كَانَتْ الدُّنْيَا تَرَنٌ عِنْدَ اللَّهِ جَنَاحَ بَعُوضَةٍ مَا سَقَىٰ مِنْهَا كَافِرًا شَرْبَةً مَّاءٍ» (ترمذی، ابن ماجہ، کتاب الزہد) ”اگر دنیا کی اللہ کے ہاں اتنی حیثیت بھی ہوتی جتنی ایک چمچہرے پر کی ہوتی ہے تو اللہ تعالیٰ کسی

عَنْدَ رَبِّكَ الْيَمْتُزُونَ ﴿٦﴾

وَمَنْ يَعْشُ عَنْ ذِكْرِ الرَّحْمَنِ نُقِيضْ لَهُ سَيِّطَانًا فَهُوَ لَهُ قَرِينٌ ﴿٧﴾

وَأَنَّهُمْ يَصَدِّقُونَهُمْ عَنِ السَّبِيلِ وَيَحْبَبُونَ أَنَّهُمْ مُهْتَدُونَ ﴿٨﴾

حَتَّىٰ إِذَا جَاءَهُ نَقَالَ لَيْلَيْتَ بَيْنِي وَبَيْنَكَ بَعْدَ الْمَشْرِقَيْنِ

فَيَسْأَلُ الْقَرِينُ ﴿٩﴾

وَلَنْ يَنْفَعَهُ الْيَوْمَ إِذْ ظَلَمْتُمْ أَتَاكُمْ فِي الْعَذَابِ مُشْتَرِكُونَ ﴿١٠﴾

أَفَأَنْتُمْ تُسَمِّعُ السَّمْعَ وَأَنْتُمْ هُدًى وَمَنْ كَانَ فِي ضَلَالٍ

کا فائدہ ہے اور آخرت تو آپ کے رب کے نزدیک

(صرف) پر ہییزگاروں کے لیے (ہی) ہے۔ (۳۵)

اور جو شخص رحمن کی یاد سے غفلت کرے (۳۶) ہم اس پر

ایک شیطان مقرر کر دیتے ہیں وہی اس کا ساتھی رہتا

ہے۔ (۳۶)

اور وہ انہیں راہ سے روکتے ہیں اور یہ اسی خیال میں

رہتے ہیں کہ یہ ہدایت یافتہ ہیں۔ (۳۷)

یہاں تک کہ جب وہ ہمارے پاس آئے گا کہے گا کاش!

میرے اور تیرے درمیان مشرق اور مغرب کی دوری

ہوتی (تو) بڑا برا ساتھی ہے۔ (۳۸)

اور جب کہ تم ظالم ٹھہر چکے تو تمہیں آج ہرگز تم سب کا

عذاب میں شریک ہونا کوئی نفع نہ دے گا۔ (۳۹)

کیا پس تو بہرے کو سنا سکتا ہے یا اندھے کو راہ دکھا سکتا

کافر کو اس دنیا سے ایک گھونٹ پانی بھی پینے کو نہ دیتا۔

(۱) جو شرک و معاصی سے اجتناب اور اللہ کی اطاعت کرتے رہے، ان کے لیے آخرت اور جنت کی نعمتیں ہیں جن کو

زوال و فنا نہیں۔

(۲) عَشَا يَعْشُوْا کے معنی ہیں آنکھوں کی بیماری رتوند یا اس کی وجہ سے جو اندھا پن ہوتا ہے۔ یعنی جو اللہ کے ذکر سے

اندھا ہو جائے۔

(۳) وہ شیطان، اللہ کی یاد سے غافل رہنے والے کا ساتھی بن جاتا ہے جو ہر وقت اس کے ساتھ رہتا اور نیکیوں سے

روکتا ہے۔ یا انسان خود اسی شیطان کا ساتھی بن جاتا ہے اور اس سے جدا نہیں ہوتا بلکہ تمام معاملات میں اسی کی پیروی

اور اس کے تمام وسوسوں میں اس کی اطاعت کرتا ہے۔

(۴) یعنی وہ شیطان ان کے حق کے راستے کے درمیان حائل ہو جاتے ہیں اور اس سے انہیں روکتے ہیں اور انہیں

برابر بھٹاتے رہتے ہیں کہ تم حق پر ہو، حتیٰ کہ وہ واقعی اپنے بارے میں یہی گمان کرنے لگ جاتے ہیں کہ وہ حق پر ہیں۔ یا

کافر شیطانوں کے بارے میں سمجھتے ہیں کہ یہ ٹھیک ہیں اور ان کی اطاعت کرتے رہتے ہیں۔ (فتح القدیر)

(۵) مَشْرِقَيْنِ (تثنیہ ہے) مراد مشرق اور مغرب ہیں۔ فَيَسْأَلُ الْقَرِينُ کا مخصوص بالذم محذوف ہے۔ أَأَنْتَ أَهْدَىٰ

الشَّيْطَانُ! اے شیطان تو بہت برا ساتھی ہے۔ یہ کافر قیامت والے دن کہے گا۔ لیکن اس دن اس اعتراف کا کیا فائدہ؟

ہے اور اسے جو کھلی گمراہی میں ہو۔^(۱) (۴۰)
پس اگر ہم تجھے یہاں سے^(۲) لے بھی جائیں تو بھی ہم
ان سے بدلہ لینے والے ہیں۔^(۳) (۴۱)
یا جو کچھ ان سے وعدہ کیا ہے^(۴) وہ تجھے دکھادیں ہم ان پر
بھی قدرت رکھتے ہیں۔^(۵) (۴۲)
پس جو وحی آپ کی طرف کی گئی ہے اسے مضبوط تھامے
رہیں بیشک آپ راہ راست پر ہیں۔^(۶) (۴۳)
اور یقیناً یہ (خود) آپ کے لیے اور آپ کی قوم کے لیے

مُبْنِي ۵
وَلَمَّا نَذَرْنَا مِنْكَ الْوَاثِمِينَ ۝^(۷)
أَوْفِرْ يَكُ الذِّی وَعَدَهُمْ فَاعِلًا عَلَيْهِمْ مَّقْتَدُونَ ۝^(۸)
فَأَمَّا مَتَّيكَ يَا ذَا الَّذِي أَوْفَىٰ إِلَيْكَ إِنَّكَ عَلَىٰ صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ ۝^(۹)
وَرَأَيْتَهُ لَذِكْرًا لَكَ وَلِقَوْمِكَ وَسَوْفَ تُسْأَلُونَ ۝^(۱۰)

(۱) یعنی جس کے لیے شقاوت ابدی لکھ دی گئی ہے، وہ وعظ و نصیحت کے اعتبار سے بہرہ اور اندھا ہے، تیری دعوت و تبلیغ سے وہ راہ راست پر نہیں آسکتا۔ یہ استفہام انکاری ہے۔ جس طرح بہرہ سننے سے، نابینا دیکھنے سے محروم ہے، اسی طرح کھلی گمراہی میں مبتلا حق کی طرف آنے سے محروم ہے۔ یہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی ہے تاکہ ایسے لوگوں کے کفر سے آپ زیادہ تشویش محسوس نہ کریں۔

(۲) یعنی تجھے موت آجائے، قبل اس کے کہ ان پر عذاب آئے، یا تجھے مکے سے نکال لے جائیں۔

(۳) دنیا میں ہی، اگر ہماری مشیت متقاضی ہوئی، بصورت دیگر عذاب اخروی سے تو وہ کسی صورت نہیں بچ سکتے۔

(۴) یعنی تیری موت سے قبل ہی، یا مکے میں ہی تیرے رہتے ہوئے ان پر عذاب بھیج دیں۔

(۵) یعنی ہم جب چاہیں ان پر عذاب نازل کر سکتے ہیں، کیوں کہ ہم ان پر قادر ہیں۔ چنانچہ آپ کی زندگی میں ہی بدر کی جنگ میں کافر عبرت ناک شکست اور زلت سے دوچار ہوئے۔

(۶) یعنی قرآن کریم کو، چاہے کوئی بھی اسے جھٹلاتا رہے۔

(۷) یہ فَاسْتَمْسِكْ کی علت ہے۔

(۸) اس تخصیص کا یہ مطلب نہیں کہ دوسروں کے لیے نصیحت نہیں۔ بلکہ اولین مخاطب چوں کہ قریش تھے، اس لیے

ان کا ذکر فرمایا، ورنہ قرآن تو پورے جہان کے لیے نصیحت ہے۔ ﴿وَمَا هُوَ إِلَّا ذِكْرٌ لِلْعَالَمِينَ﴾ (سورۃ القلم، ۵۲) جیسے آپ

کو حکم دیا گیا کہ ﴿وَأَنْذَرْتَهُمْ ذِكْرَ الْآفِرِينَ﴾ (الشعراء، ۲۱۳) ”اپنے قریبی رشتہ داروں کو ڈرائیے“ اس کا مطلب یہ

نہیں کہ اللہ کا پیغام صرف رشتہ داروں کو ہی پہنچانا ہے۔ بلکہ مطلب ہے تبلیغ کی ابتدا اپنے ہی خاندان سے کریں بعض

نے یہاں ذکر بمعنی شرف لیا ہے۔ یعنی یہ قرآن تیرے لیے اور تیری قوم کے لیے شرف و عزت کا باعث ہے کہ یہ ان کی

زبان میں اترا، اس کو وہ سب سے زیادہ سمجھنے والے ہیں اور اس کے ذریعے سے وہ پوری دنیا پر فضل و برتری پاسکتے ہیں،

اس لیے ان کو چاہیئے کہ اس کو اپنائیں اور اس کے مقتضایہ سب سے زیادہ عمل کریں۔

صحیح ہے اور عنقریب تم لوگ پوچھے جاؤ گے۔ (۴۴)
اور ہمارے ان نبیوں سے پوچھو! جنہیں ہم^(۱) نے آپ
سے پہلے بھیجا تھا کہ کیا ہم نے سوائے رحمن کے اور معبود
مقرر کیے تھے جن کی عبادت کی جائے؟ (۴۵)^(۲)

اور یمنے موسیٰ (علیہ السلام) کو اپنی نشانیاں دے کر فرعون
اور اسکے امراء کے پاس بھیجا تو (موسیٰ علیہ السلام نے جا کر)
کہا کہ میں تمام جہانوں کے رب کا رسول ہوں۔ (۴۶)^(۳)
پس جب وہ ہماری نشانیاں لے کر انکے پاس آئے تو وہ
بے ساختہ ان پر ہنسنے لگے۔ (۴۷)^(۴)

اور ہم انہیں جو نشانی دکھاتے تھے وہ دوسری سے بڑھی
چڑھی ہوتی تھی (۵)^(۵) اور ہم نے انہیں عذاب میں پکڑا

وَسَلَّ مَنْ أَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ دُسُلِنَا أَجَعَلْنَا مِنْ
دُونِ الرَّحْمَنِ إِلَهًا يُعْبَدُونَ ﴿٤٥﴾

وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا مُوسَىٰ بِآيَاتِنَا إِلَىٰ فِرْعَوْنَ وَمَلَئِهِ
فَقَالَ إِنِّي رَسُولُ رَبِّ الْعَالَمِينَ ﴿٤٦﴾

فَلَمَّا جَاءَهُمْ بِآيَاتِنَا إِذَاهُمْ مِنْهَا يَضْحَكُونَ ﴿٤٧﴾

وَأَنزَلْنَاهُمْ مِنْ آلِ إِبْرَاهِيمَ الْأَكْبَرِينَ أَهْلَهُمْ أَخَذْنَاهُمْ
بِالْعَذَابِ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُونَ ﴿٤٨﴾

(۱) پیغمبروں سے یہ سوال یا تو اسرا و معراج کے موقع پر بیت المقدس یا آسمان پر کیا گیا، جہاں انبیاء علیہم السلام سے نبی
کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ملاقاتیں ہوئیں۔ یا اَنْبَاءَ کا لفظ محذوف ہے۔ یعنی ان کے پیروکاروں (اہل کتاب،
یہود و نصاریٰ) سے پوچھو، کیوں کہ وہ ان کی تعلیمات سے آگاہ ہیں اور ان پر نازل شدہ کتابیں ان کے پاس موجود ہیں۔
(۲) جواب یقیناً نفی میں ہے۔ اللہ نے کسی بھی نبی کو یہ حکم نہیں دیا۔ بلکہ اس کے برعکس ہر نبی کو دعوت توحید ہی کا حکم دیا گیا۔
(۳) قریش مکہ نے کہا تھا کہ اگر اللہ کسی کو نبی بنا کر بھیجتا ہی تو کئے اور طائف کے کسی ایسے شخص کو بھیجتا جو صاحب مال
و جاہ ہوتا۔ جیسے فرعون نے بھی حضرت موسیٰ علیہ السلام کے مقابلے میں کہا تھا کہ ”میں موسیٰ سے بہتر ہوں اور یہ مجھ
سے کمتر ہے“ یہ تو صاف بول بھی نہیں سکتا۔ جیسا کہ آگے آرہا ہے۔ غالباً اسی مشابہت احوال کی وجہ سے یہاں حضرت
موسیٰ علیہ السلام و فرعون کا قصہ دہرایا جا رہا ہے۔ علاوہ ازیں اس میں حضرت نبی کریم ﷺ کے لیے بھی تسلی کا پہلو ہے
کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو بھی بہت سی آزمائشوں سے گزرنا پڑا، انہوں نے صبر اور عزم سے کام لیا، اسی طرح آپ
بھی کفار مکہ کی ایذاؤں اور ناروا رویوں سے دل برداشتہ نہ ہوں، صبر اور حوصلے سے کام لیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام
ہی کی طرح بالآخر فتح و کامرانی آپ ہی کی ہے اور یہ اہل مکہ فرعون ہی کی طرح ناکام و نامراد ہوں گے۔

(۴) یعنی جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرعون اور اس کے درباریوں کو دعوت توحید دی تو انہوں نے ان کے
رسول ہونے کی دلیل طلب کی، جس پر انہوں نے وہ دلائل و معجزات پیش کیے جو اللہ نے انہیں عطا فرمائے تھے۔ جنہیں
دیکھ کر انہوں نے استہزا اور مذاق کیا اور کہا کہ یہ کون سی ایسی چیزیں ہیں۔ یہ تو جادو کے ذریعے ہم بھی پیش کر سکتے ہیں۔
(۵) ان نشانوں سے وہ نشانیاں مراد ہیں جو طوفان ٹڈی دل، جوئیں، مینڈک اور خون وغیرہ کی شکل میں کیے بعد

تاکہ وہ باز آجائیں۔^(۱) (۴۸)

اور انہوں نے کہا اے جادوگر! ہمارے لیے اپنے رب سے^(۲) اس کی دعا کر جس کا اس نے تجھ سے وعدہ کر رکھا^(۳) ہے، یقین مان کہ ہم راہ پر لگ جائیں گے۔^(۴) (۴۹)

پھر جب ہم نے وہ عذاب ان سے ہٹالیا انہوں نے اسی وقت اپنا قول و قرار توڑ دیا۔ (۵۰)

اور فرعون نے اپنی قوم میں منادی کرائی اور کہا^(۱) اے میری قوم! کیا مصر کا ملک میرا نہیں؟ اور میرے (مخلو)ں کے نیچے یہ نہریں بہہ رہی ہیں،^(۲) کیا تم دیکھتے نہیں؟ (۵۱)

وَقَالُوا يَا أَيُّهَا السَّاحِرُ ادْعُ لَكَ رَبَّكَ بِمَا عٰهَدْتَ عِنْدَ رَبِّكَ
إِنَّا لَكَاثِمُونَ ﴿٤٩﴾

فَلَمَّا كَفَّتْ تَاعْتَهُمُ الْعَذَابَ إِذَا هُمْ يَنْكُتُونَ ﴿٥٠﴾

وَلَمَّا دُفِعُوا فِي قَوْمِهِ قَالَ يَقَوْمِ أَلَيْسَ لِي مُلْكٌ مِّمَّنْ
وَهٰذِهِ الْاَنْهَارُ تَجْرِي مِنْ تَحْتِي اَفَلَا تُبْصِرُونَ ﴿٥١﴾

دیگرے انہیں دکھائی گئیں، جن کا تذکرہ سورہ اعراف، آیات ۱۳۳-۱۳۵ میں گزر چکا ہے۔ بعد میں آنے والی ہر نشانی پہلی نشانی سے بڑی چڑھی ہوتی، جس سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی صداقت واضح سے واضح تر ہو جاتی۔

(۱) مقصد ان نشانوں یا عذاب سے یہ ہوتا تھا کہ شاید وہ تکذیب سے باز آجائیں۔

(۲) کہتے ہیں اس زمانے میں جادو مذموم چیز نہیں تھی اور عالم فاضل شخص کو جادوگر کے لفظ سے ہی بطور تعظیم خطاب کیا جاتا تھا۔ علاوہ ازیں معجزات اور نشانوں کے بارے میں بھی ان کا خیال تھا کہ یہ موسیٰ علیہ السلام کے فن جادوگری کا کمال ہے۔ اس لیے انہوں نے موسیٰ علیہ السلام کو جادوگر کے لفظ سے مخاطب کیا۔

(۳) ”اپنے رب سے“ کے الفاظ اپنی مشرکانہ ذہنیت کی وجہ سے کہے کیونکہ مشرکوں میں مختلف رب اور الہ ہوتے تھے، موسیٰ علیہ السلام اپنے رب سے یہ کام کروالو!

(۴) یعنی ہمارے ایمان لانے پر عذاب ٹالنے کا وعدہ۔

(۵) اگر یہ عذاب ٹل گیا تو ہم تجھے اللہ کا سچا رسول مان لیں گے اور تیرے ہی رب کی عبادت کریں گے۔ لیکن ہر دفعہ وہ اپنا یہ عہد توڑ دیتے، جیسا کہ اگلی آیت میں ہے اور سورہ اعراف میں بھی گزرا۔

(۶) جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ایسی کئی نشانیاں پیش کر دیں جو ایک سے بڑھ کر ایک تھیں تو فرعون کو خطرہ لاحق ہوا کہ کہیں میری قوم موسیٰ کی طرف مائل نہ ہو جائے۔ چنانچہ اس نے اپنی ہزیمت کے داغ کو چھپانے اور قوم کو مسلسل دھوکے اور فریب میں مبتلا رکھنے کے لیے یہ نئی چال چلی کہ اپنے اختیار و اقتدار کے حوالے سے موسیٰ علیہ السلام کی بے توقیری اور کمتری کو نمایاں کیا جائے تاکہ قوم میری سلطنت و سطوت سے ہی مرعوب رہے۔

(۷) اس سے مراد دریائے نیل یا اس کی بعض شاخیں ہیں جو اس کے محل کے نیچے سے گزرتی تھیں۔

بلکہ میں بہتر ہوں بہ نسبت اس کے جو بے توقیر ہے ^(۱) اور صاف بول بھی نہیں سکتا۔ ^(۲) (۵۲)

اچھا اس پر سونے کے کنگن کیوں نہیں آ پڑے ^(۳) یا اس کے ساتھ پرابندھ کر فرشتے ہی آ جاتے۔ ^(۴) (۵۳)

اس نے اپنی قوم کو ہلایا پھلایا اور انہوں نے اسی کی مان لی، ^(۵) یقیناً یہ سارے ہی نافرمان لوگ تھے۔ (۵۴)

پھر جب انہوں نے ہمیں غصہ دلایا تو ہم نے ان سے انتقام لیا اور سب کو ڈبو دیا۔ (۵۵)

پس ہم نے انہیں گیارا کر دیا اور پچھلوں کے لیے مثال بنا دی۔ ^(۶) (۵۶)

اور جب ابن مریم کی مثال بیان کی گئی تو اس سے تیری قوم (خوشی سے) چیخنے لگی ہے۔ (۵۷)

اور انہوں نے کہا کہ ہمارے معبود اچھے ہیں یا وہ؟ تجھ

أَمْرًا تَخَيَّرْتُمْ هَذَا الَّذِي مَوْهَيْنُهُ وَلَا يَكْذِبُونَ ۝

فَلَوْلَا الْغِيّ عَلَيْهِ أُسُورَةٌ مِّنْ ذَهَبٍ أَوْ جَاءَ مَعَهُ الْبَلْكَةُ مُعْتَرِينَ ۝

فَأَسْتَحَفَّ قَوْمَهُ فَأَطَاعُوهُ إِنَّهُمْ كَانُوا قَوْمًا فَظِينَ ۝

فَلَمَّا أَسْفُونَا انْقَمَبْنَا مِنْهُمْ فَأَغْرَقْنَاهُمْ أَجْمَعِينَ ۝

فَجَعَلْنَاهُمْ سَلَفًا وَمَثَلًا لِّلْآخِرِينَ ۝

وَلَمَّا ضُرِبَ ابْنُ مَرْيَمَ مَثَلًا إِذَا قَوْمُكَ مِنْهُ يَصِدُّونَ ۝

وَقَالُوا لَهَذَا خَيْرٌ مِّمَّا نَحْنُ لَكَ الْوَالِدَ لَا بَلْ

(۱) اُمّ اضراب کے لیے یعنی بَلّ (بلکہ) کے معنی میں ہے، بعض کے نزدیک استفہامیہ ہی ہے۔

(۲) یہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی لکنت کی طرف اشارہ ہے جیسا کہ سورہ طہ میں گزرا۔

(۳) اس دور میں مصر اور فارس کے بادشاہ اپنی امتیازی شان اور خصوصی حیثیت کو نمایاں کرنے کے لیے سونے کے کڑے پہنتے تھے، اسی طرح قبیلوں کے سرداروں کے ہاتھوں میں بھی سونے کے کڑے اور گلے میں سونے کے طوق اور زنجیریں ڈال دی جاتی تھیں جو ان کی سرداری کی علامت سمجھی جاتی تھی۔ اسی اعتبار سے فرعون نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بارے میں کہا کہ اگر اس کی کوئی حیثیت اور امتیازی شان ہوتی تو اس کے ہاتھ میں سونے کے کڑے ہونے چاہیے تھے۔

(۴) جو اس بات کی تصدیق کرتے کہ یہ اللہ کا رسول ہے یا بادشاہوں کی طرح اس کی شان کو نمایاں کرنے کے لیے اس کے ساتھ ہوتے۔

(۵) یعنی اَسْتَحَفَّ عَقُولَهُمْ (ابن کثیر) اس نے اپنی قوم کی عقل کو ہلکا سمجھایا کر دیا اور انہیں اپنی جہالت و ضلالت پر قائم رہنے کی تائید کی، اور قوم اس کے پیچھے لگ گئی۔

(۶) اَسْفُونَا بمعنی اَسْخَطُونَا یا اَنْغَضُونَا سَلَفٌ، سَلَفٌ کی جمع ہے جیسے خَدَمٌ، خَادِمٌ کی اور حَرَسٌ، حَارِسٌ کی ہے۔ معنی جو اپنے وجود میں دوسرے سے پہلے ہو۔ یعنی ان کو بعد میں آنے والوں کے لیے نصیحت اور مثال بنا دیا۔ کہ وہ اس طرح کفر و ظلم اور علو و فساد نہ کریں جس طرح فرعون نے کیا تاکہ وہ اس جیسے عبرت ناک حشر سے محفوظ رہیں۔

سے ان کا یہ کتنا محض جھگڑے کی غرض سے ہے، بلکہ یہ لوگ ہیں ہی جھگڑالو۔^(۱) (۵۸)

عیسیٰ (علیہ السلام) بھی صرف بندہ ہی ہے جس پر ہم نے احسان کیا اور اسے بنی اسرائیل کے لیے نشان قدرت بنایا۔^(۲) (۵۹)

اگر ہم چاہتے تو تمہارے عوض فرشتے کر دیتے جو زمین میں جانشینی کرتے۔^(۳) (۶۰)

فَمَقُومٌ مَّحْمُودٌ ۝

إِنَّ هُوَ الْأَعْبَدُ أَكْبَمُنَا عَلَيْهِ وَجَعَلْنَاهُ مَثَلًا

لِكِبِّي إِسْرَائِيلَ ۝

وَلَوْ نَشَاءُ لَجَعَلْنَا مِنْكُمْ مَلَائِكَةً فِي الْأَرْضِ يَخْلُفُونَ ۝

(۱) شرک کی تردید اور جھوٹے معبودوں کی بے وقعتی کی وضاحت کے لیے جب مشرکین مکہ سے کہا جاتا کہ تمہارے ساتھ تمہارے معبود بھی جنم میں جائیں گے تو اس سے مراد وہ پتھر کی مورتیاں ہوتی ہیں جن کی وہ عبادت کرتے تھے، نہ کہ وہ نیک لوگ، جو اپنی زندگیوں میں لوگوں کو توحید کی دعوت دیتے رہے، مگر ان کی وفات کے بعد ان کے معتقدین نے انہیں بھی معبود سمجھنا شروع کر دیا۔ ان کی بابت تو قرآن کریم نے ہی واضح کر دیا ہے کہ یہ جنم سے دور رہیں گے۔ ﴿إِنَّ الَّذِينَ سَبَقَتْ لَهُمْ مِنْهُ الْحُسْنَىٰ أُولَٰئِكَ عَنْهَا مُبْعَدُونَ﴾ (الأنبياء: ۱۰۱) کیوں کہ اس میں ان کا اپنا کوئی قصور نہیں تھا۔ اسی لیے قرآن نے اس کے لیے جو لفظ استعمال کیا ہے، وہ لفظ ما ہے جو غیر عاقل کے لیے استعمال ہوتا ہے ﴿لَكُمْ وَمَا قَبِلْتُمْ﴾ (الأنبياء: ۹۸) اس سے انبیاء علیہم السلام اور وہ صالحین نکل گئے، جن کو لوگوں نے اپنے طور پر معبود بنائے رکھا ہو گا۔ یعنی یہ تو ممکن ہے کہ دیگر مورتیوں کے ساتھ ان کی شکلوں کی بنائی ہوئی مورتیاں بھی اللہ تعالیٰ جنم میں ڈال دے لیکن یہ شخصیات تو بہر حال جنم سے دور ہی رہیں گی۔ لیکن مشرکین نبی ﷺ کی زبان مبارک سے حضرت مسیح علیہ السلام کا ذکر خیر سن کر یہ کٹ جاتی اور مجاہدہ کرتے کہ جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام قابلِ مدح ہیں دریاں کا ایک عیسائیوں نے انہیں معبود بنایا ہوا ہے، تو پھر ہمارے معبود کیوں برے؟ کیا وہ بھی بہتر نہیں؟ یا اگر ہمارے معبود جنم میں جائیں گے تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور حضرت عزیر علیہ السلام بھی پھر جنم میں جائیں گے۔ اللہ نے یہاں فرمایا، ان کا خوشی سے چلانا، ان کا جدل محض ہے۔ جدل کا مطلب ہی یہ ہوتا ہے کہ جھگڑنے والا جانتا ہے کہ اس کے پاس دلیل کوئی نہیں ہے لیکن محض اپنی بات کی چٹ میں بحث و ٹکار سے گریز نہیں کرتا۔

(۲) ایک اس اعتبار سے کہ بغیر باپ کے ان کی ولادت ہوئی، دوسرے، خود انہیں جو معجزات دیے گئے، احیائے موتی وغیرہ، اس لحاظ سے بھی۔

(۳) یعنی تمہیں ختم کر کے تمہاری جگہ زمین پر فرشتوں کو آباد کر دیتے، جو تمہاری ہی طرح ایک دوسرے کی جانشینی کرتے، مطلب یہ ہے کہ فرشتوں کا آسمان پر رہنا ایسا شرف نہیں ہے کہ ان کی عبادت کی جائے یہ تو ہماری مشیت اور قضا ہے کہ فرشتوں کو آسمان پر اور انسانوں کو زمین پر آباد کیا، ہم چاہیں تو فرشتوں کو زمین پر بھی آباد کر سکتے ہیں۔

اور یقیناً عیسیٰ (علیہ السلام) قیامت کی علامت ہے ^(۱) پس تم (قیامت) کے بارے میں شک نہ کرو اور میری تابعداری کرو، یہی سیدھی راہ ہے۔ (۶۱)
اور شیطان تمہیں روک نہ دے، یقیناً وہ تمہارا صریح دشمن ہے۔ (۶۲)

اور جب عیسیٰ (علیہ السلام) معجزے لائے تو کہا کہ میں تمہارے پاس حکمت لایا ہوں اور اس لیے آیا ہوں کہ جن بعض چیزوں میں تم مختلف ہو، انہیں واضح کر دوں، ^(۲) پس تم اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور میرا کمال مانو۔ (۶۳)
میرا اور تمہارا رب فقط اللہ تعالیٰ ہی ہے۔ پس تم سب اس کی عبادت کرو۔ راہ راست (یہی) ہے۔ (۶۴)
پھر (بنی اسرائیل کی) جماعتوں نے آپس میں اختلاف کیا، ^(۳) پس ظالموں کے لیے خرابی ہے دکھ والے دن کی آفت سے۔ (۶۵)

وَأَنذَرَهُمْ لِّلسَّاعَةِ فَلَا تَمْتَرُنَّ بِهَا وَاتَّقِعُونَ هَٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِيمٌ ﴿٦١﴾

وَلَا يَصُدُّكُمْ الشَّيْطَانُ إِنَّهُ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِينٌ ﴿٦٢﴾

وَلَمَّا جَاءَ عِيسَىٰ بِالْبَيِّنَاتِ قَالَ قَدْ جِئْتُكُمْ بِالْحِكْمَةِ وَلِأُبَيِّنَ لَكُمْ بَعْضَ الَّذِي تَخْتَلَفُونَ فِيهِ فَأَتَقُوا اللَّهَ وَاطِيعُوايَ ﴿٦٣﴾

إِنَّ اللَّهَ هُوَ رَبِّي وَرَبُّكُمْ فَأَعْبُدُوا هَٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِيمٌ ﴿٦٤﴾

فَاخْتَلَفَ الْأَحْزَابُ مِنْ بَيْنِهِمْ فَوَيْلٌ لِّلَّذِينَ ظَلَمُوا مِنْ عَذَابٍ يُمْرَوْنَ بِهِ ﴿٦٥﴾

(۱) عَلَّمَ بمعنی علامت ہے۔ اکثر مفسرین کے نزدیک اس کا مطلب یہ ہے کہ قیامت کے قریب ان کا آسمان سے نزول ہو گا، جیسا کہ، صحیح اور متواتر احادیث سے ثابت ہے۔ یہ نزول اس بات کی علامت ہو گا کہ اب قیامت قریب ہے اسی لیے بعض نے اسے عین اور لام کے زبر کے ساتھ (عَلَّمَ) پڑھا ہے، جس کے معنی ہی نشانی اور علامت کے ہیں۔ اور بعض کے نزدیک انہیں قیامت کی نشانی قرار دینا، ان کی معجزانہ ولادت کی بنیاد پر ہے۔ یعنی جس طرح اللہ نے ان کو بغیر باپ کے پیدا کیا۔ ان کی یہ پیدائش اس بات کی علامت ہے کہ اللہ تعالیٰ قیامت والے دن تمام انسانوں کو دوبارہ زندہ فرما دے گا، اس لیے قدرت الہی کو دیکھتے ہوئے وقوع قیامت میں کوئی شک کی گنجائش نہیں ہے۔ اِنَّہٗ میں ضمیر کا مرجع حضرت عیسیٰ علیہ السلام ہیں۔

(۲) اس کے لیے دیکھئے آل عمران، آیت ۵۰ کا حاشیہ۔

(۳) اس سے مراد یہود و نصاریٰ ہیں، یہودیوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تنقیص کی اور انہیں نعوذ باللہ ولد الزنا قرار دیا، جب کہ عیسائیوں نے غلو سے کام لے کر انہیں معبود بنا لیا۔ یا مراد عیسائیوں ہی کے مختلف فرقے ہیں جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں ایک دوسرے سے شدید اختلاف رکھتے ہیں۔ ایک انہیں ابن اللہ، دوسرا اللہ اور ثالث ثلاثہ کہتا ہے اور ایک فرقہ مسلمانوں ہی کی طرح انہیں اللہ کا بندہ اور اس کا رسول تسلیم کرتا ہے۔

هَلْ يَنْظُرُونَ إِلَّا السَّاعَةَ أَنْ تَأْتِيَهُمْ بَغْتَةً وَهُمْ لَا يَشْعُرُونَ ﴿٣١﴾

الَّذِينَ يَدْعُونَ لِقَاءِ رَبِّهِمْ أَفَلَا يَذْكُرُونَ ﴿٣٢﴾

يَعْبُدُونَ إِلَّا الْإِلهَ الْحَقَّ وَلَا يَذْكُرُونَ ﴿٣٣﴾

الَّذِينَ آمَنُوا بِالْآيَاتِ وَكَانُوا مُسْلِمِينَ ﴿٣٤﴾

ادْخُلُوا الْجَنَّةَ أَنْتُمْ وَأَزْوَاجُكُمْ تُحْبَرُونَ ﴿٣٥﴾

يُطَافُ عَلَيْهِمْ بِمِصَافٍ مِنْ ذَهَبٍ وَالْكَوَاعِبُ وَفِيهَا

مَائِدَتُهُمْ مِنَ الْأَنْفُسِ وَتَلَذُّ الْأَعْيُنُ وَأَنْتُمْ فِيهَا

یہ لوگ صرف قیامت کے منتظر ہیں کہ وہ اچانک ان پر
آپڑے اور انہیں خبر بھی نہ ہو۔ (۶۶)

اس دن (گہرے) دوست بھی ایک دوسرے کے دشمن
بن جائیں گے سوائے پرہیزگاروں کے۔ (۶۷) (۱)

میرے بندو! آج تو تم پر کوئی خوف (وہراس) ہے اور نہ
تم (بد دل اور) غمزدہ ہو گے۔ (۶۸) (۲)

جو ہماری آیتوں پر ایمان لائے اور تھے بھی وہ (فرماں
بردار) مسلمان۔ (۶۹)

تم اور تمہاری بیویاں ہشاش بشاش (راضی خوشی) جنت
میں چلے جاؤ۔ (۷۰) (۳)

ان کے چاروں طرف سے سونے کی رکابیاں اور سونے کے
گلاسوں کا دور چلایا جائے گا، (۴) ان کے جی جس چیز کی
خواہش کریں اور جس سے ان کی آنکھیں لذت پائیں،

(۱) کیوں کہ کافروں کی دوستی، کفر و فسق کی بنیاد پر ہی ہوتی ہے اور یہی کفر و فسق ان کے عذاب کا باعث ہوں گے، جس
کی وجہ سے وہ ایک دوسرے کو مورد الزام ٹھہرائیں گے اور ایک دوسرے کے دشمن ہو جائیں گے۔ اس کے برعکس
اہل ایمان و تقویٰ کی باہمی محبت، چوں کہ دین اور رضائے الہی کی بنیاد پر ہوتی ہے اور یہی دین و ایمان خیر و ثواب کا باعث
ہے۔ ان سے ان کی دوستی میں کوئی انقطاع نہیں ہو گا۔ وہ اسی طرح برقرار رہے گی جس طرح دنیا میں تھی۔

(۲) یہ قیامت والے دن ان متقین کو کہا جائے گا جو دنیا میں صرف اللہ کی رضا کے لیے ایک دوسرے سے محبت رکھتے
تھے۔ جیسا کہ احادیث میں بھی اس کی فضیلت وارد ہے۔ بلکہ اللہ کے لیے بغض اور اللہ کے لیے محبت کو کمال ایمان کی
بنیاد بتلایا گیا ہے۔

(۳) أَزْوَاجُكُمْ، سے بعض نے مومن بیویاں، بعض نے مومن ساتھی اور بعض نے جنت میں ملنے والی حور عین بیویاں
مراد لی ہیں۔ یہ سارے ہی مفہوم صحیح ہیں کیوں کہ جنت میں یہ سب کچھ ہی ہو گا۔ تُخْبَرُونَ حَبِیْبٌ سے ماخوذ ہے یعنی وہ
فرحت و مسرت جو انہیں جنت کی نعمت و عزت کی وجہ سے ہوگی۔

(۴) صَحَافٌ، صَحْفَةٌ کی جمع ہے۔ رکابی۔ سب سے بڑے برتن کو جَفَنَةٌ کہا جاتا ہے، اس سے چھوٹا قَصْعَةٌ (جس
سے دس آدمی شکم سیر ہو جاتے ہیں) پھر صَحْفَةٌ (قَصْعَةٌ سے نصف) پھر مِکْنَلَةٌ ہے۔ مطلب ہے کہ اہل جنت کو جو
کھانے ملیں گے، وہ سونے کی رکابیوں میں ہوں گے (فتح القدیر)

خُلِدُونَ ﴿٤١﴾

وَتِلْكَ الْجَنَّةُ الَّتِي أُورِثْتُمُوهَا بِمَا كُنتُمْ تَعْمَلُونَ ﴿٤٢﴾

لَكُمْ فِيهَا فَاكِهَةٌ كَثِيرَةٌ مِنْهَا تَأْكُلُونَ ﴿٤٣﴾

إِنَّ الْمُجْرِمِينَ فِي عَذَابٍ جَهَنَّمَ خُلِدُونَ ﴿٤٤﴾

لَا يَأْتِيهِمْ فِيهَا مَاءٌ وَمِنْهُمْ مِمَّنْ يُبَكِّسُونَ ﴿٤٥﴾

وَمَا أَكَلَتْهُمْ فِيهَا شَاوِيحٌ وَلَكِنْ كَانُوا فِيهَا طَائِفِينَ ﴿٤٦﴾

وَنَادَىٰ إِلَهُكَ يُعْقِضُ عَلَيْكَ رَبُّكَ قَالِ إِنَّكُمْ مُّكِيدُونَ ﴿٤٧﴾

لَقَدْ جُنِّتُمْ بِإِلَهِكُمْ وَالْحَقِّ وَلَكِنَّ الْكُفْرَ لَمَّا كَثُرَ كَرِهُونَ ﴿٤٨﴾

أَمْ أَرَأَيْتُمْ إِنْ كُنَّا مُّؤْمِنُونَ ﴿٤٩﴾

سب وہاں ہو گا اور تم اس میں ہمیشہ رہو گے۔ (۴۱)

یہی وہ بہشت ہے کہ تم اپنے اعمال کے بدلے اس کے وارث بنائے گئے ہو۔ (۴۲)

یہاں تمہارے لیے بکثرت میوے ہیں جنہیں تم کھاتے رہو گے۔ (۴۳)

بیشک گنہگار لوگ عذاب دوزخ میں ہمیشہ رہیں گے۔ (۴۴)

یہ عذاب کبھی بھی ان سے ہلکا نہ کیا جائے گا اور وہ اسی میں مایوس پڑے رہیں گے۔ (۴۵)

اور ہم نے ان پر ظلم نہیں کیا بلکہ یہ خود ہی ظالم تھے۔ (۴۶)
اور پکار پکار کر کہیں گے کہ اے مالک! تیرا رب ہمارا کام ہی تمام کر دے، (۴۷) وہ کہے گا کہ تمہیں تو ہمیشہ رہنا ہے۔ (۴۸)

ہم تو تمہارے پاس حق لے آئے لیکن تم میں سے اکثر لوگ حق (۴۹) سے نفرت رکھنے والے تھے؟ (۴۸)

کیا انہوں نے کسی کام کا پختہ ارادہ کر لیا ہے تو یقین مانو

(۱) یعنی جس طرح ایک وارث، میراث کا مالک ہوتا ہے، اسی طرح جنت بھی ایک میراث ہے جس کے وارث وہ ہوں گے جنہوں نے دنیا میں ایمان اور عمل صالح کی زندگی گزاری ہوگی۔

(۲) یعنی نجات سے مایوس۔

(۳) مالک، داروغہ، جنم کا نام ہے۔

(۴) یعنی ہمیں موت ہی دے دے تاکہ عذاب سے جان چھوٹ جائے۔

(۵) یعنی وہاں موت کہاں؟ لیکن یہ عذاب کی زندگی موت سے بھی بدتر ہوگی، تاہم اس کے بغیر چارہ بھی نہیں ہوگا۔

(۶) یہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے یا فرشتوں کا ہی قول بطور نیابت الہی ہے۔ جیسے کوئی افسر مجاز ”ہم“ کا استعمال حکومت کے مضموم میں کرتا ہے۔ اکثر سے مراد کل ہے، یعنی سارے ہی جنسی، یا پھر اکثر سے مراد رؤسا اور لیڈر ہیں۔ باقی جنسی ان کے پیروکار ہونے کی حیثیت سے اس میں شامل ہوں گے۔ حق سے مراد، اللہ کا وہ دین اور پیغام ہے جو وہ پیغمبروں کے ذریعے سے ارسال کرتا رہا۔ آخری حق قرآن اور دین اسلام ہے۔

کہ ہم بھی پختہ کام کرنے والے ہیں۔^(۱) (۷۹)

کیا ان کا یہ خیال ہے کہ ہم ان کی پوشیدہ باتوں کو اور ان کی سرگوشیوں کو نہیں سنتے (یقیناً ہم برابر سن رہے ہیں)^(۲) بلکہ ہمارے بھیجے ہوئے ان کے پاس ہی لکھ رہے ہیں۔^(۳) (۸۰)

آپ کہہ دیجئے! کہ اگر بالفرض رحمن کی اولاد ہو تو میں سب سے پہلے عبادت کرنے والا ہوتا۔^(۴) (۸۱)

آسمانوں اور زمین اور عرش کا رب جو کچھ یہ بیان کرتے ہیں اس سے (بہت) پاک ہے۔^(۵) (۸۲)

اب آپ انہیں اسی بحث مباحثہ اور کھیل کود میں چھوڑ دیجئے،^(۱) یہاں تک کہ انہیں اس دن سے سابقہ پڑ جائے جن کا یہ وعدہ دیے جاتے ہیں۔^(۲) (۸۳)

أَمْ يَحْسَبُونَ أَنَّا لَا نَسْمَعُ سِرَّهُمْ وَنَجْوَاهُمْ بَلَىٰ وَرُسُلْنَا لَدَيْهِمْ يَكْتُبُونَ ﴿۷۹﴾

قُلْ إِنْ كَانَ لِلرَّحْمَنِ وَلَدٌ فَأَنَا أَوَّلُ الْعَابِدِينَ ﴿۸۰﴾

سُبْحَنَ رَبِّ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ رَبِّ الْعَرْشِ عَمَّا يَصِفُونَ ﴿۸۱﴾

فَذَرُهُمْ فَتُوًّا يُلْعَبُونَ وَاحْطِ بِذُنُوبِهِمْ الذِّنَىٰ يُوعَدُونَ ﴿۸۲﴾

(۱) إِبْرَامَ کے معنی ہیں 'اتقان و احکام'۔ پختہ اور مضبوط کرنا۔ اُمّ اضراب کے لیے ہے بَلّ کے معنی میں۔ یعنی ان جنہیوں نے حق کو ناپسند ہی نہیں کیا بلکہ یہ اس کے خلاف منظم تدبیریں اور سازشیں کرتے رہے۔ جس کے مقابلے میں پھر ہم نے بھی اپنی تدبیر کی اور ہم سے زیادہ مضبوط تدبیر کس کی ہو سکتی ہے؟ اس کے ہم معنی یہ آیت ہے ﴿أَمْ يَحْسَبُونَ أَنَّا لَا نَسْمَعُ سِرَّهُمْ وَنَجْوَاهُمْ﴾ (الطہور: ۴۲)

(۲) یعنی جو پوشیدہ باتیں وہ اپنے نفوس میں چھپائے پھرتے ہیں یا غلوت میں آہستگی سے کرتے ہیں یا آپس میں سرگوشیاں کرتے ہیں، کیا وہ گمان کرتے ہیں کہ ہم وہ نہیں سنتے؟ مطلب ہے ہم سب سنتے اور جانتے ہیں۔

(۳) یعنی یقیناً سنتے ہیں۔ علاوہ ازیں ہمارے بھیجے ہوئے فرشتے الگ ان کی ساری باتیں نوٹ کرتے ہیں۔

(۴) کیوں کہ میں اللہ کا مطیع اور فرماں بردار ہوں۔ اگر واقعی اس کی اولاد ہوتی تو سب سے پہلے میں ان کی عبادت کرنے والا ہوتا۔ مطلب مشرکین کے عقیدے کا ابطال اور رد ہے جو اللہ کی اولاد ثابت کرتے ہیں۔

(۵) یہ اللہ کا کلام ہے جس میں اس نے اپنی تنزیہ و تقدیس بیان کی ہے، یا رسول اللہ ﷺ کا کلام ہے اور آپ ﷺ نے بھی اللہ کے حکم سے اللہ کی ان چیزوں سے تنزیہ و تقدیس بیان کی جن کا متساب مشرکین اللہ کی طرف کرتے تھے۔

(۶) یعنی اگر یہ ہدایت کا راستہ نہیں اپناتے تو اب انہیں اپنے حال پر چھوڑ دیں اور دنیا کے کھیل کود میں لگا رہنے دیں۔ یہ تہدید و تنبیہ ہے۔

(۷) ان کی آنکھیں اسی دن کھلیں گی جب ان کے اس رویے کا انجام ان کے سامنے آئے گا۔

وَلَكِنْ سَأَلْتَهُمْ مَنْ خَلَقَهُمْ لَيَقُولُنَّ اللَّهُ فَأَنَّى يُؤْفَكُونَ ﴿٨٦﴾

اُلئے جاتے ہیں؟ (۸۷)
اور ان کا پیغمبر کا اکثر یہ کہنا کہ اے میرے رب! یقیناً
یہ وہ لوگ ہیں جو ایمان نہیں لاتے۔ (۸۸)
پس آپ ان سے منہ پھیر لیں اور کہہ دیں۔ (اچھا بھائی)
سلام! انہیں عنقریب (خود ہی) معلوم ہو جائے گا۔ (۸۹)

سورۃ دخان مکی ہے اور اس میں انسھ آیتیں اور
تین رکوع ہیں۔

شروع کرتا ہوں اللہ تعالیٰ کے نام سے جو بڑا مہربان
نمائت رحم والا ہے۔

حم۔ (۱) قسم ہے اس وضاحت والی کتاب کی۔ (۲)
یقیناً ہم نے اسے بابرکت رات^(۳) میں اتارا ہے بیشک

وَقِيلَ لَهُ يَرْبِّ اِنَّ هٰؤُلَاءِ قَوْمٌ لَا يَتُوبُونَ ﴿٨٧﴾

فَاَصْفَحْ عَنْهُمْ وَقُلْ سَلَامٌ عَلَيْهِمْ يَوْمَ يَكُونُونَ ﴿٨٨﴾



بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

حَمَّ ۝ وَالْكَذِبُ الْبِیِّنُ ۝

اِنَّا اَنْزَلْنَاهُ فِيْ لَيْلَةِ مُبْرَكَةٍ ۝ اِنَّا كُنَّا مُنْذِرِیْنَ ۝

(۱) وَقِيلَ اس کا عطف وَعِنْدَهُ عَلِمُ السَّاعَةِ پر ہے یعنی وَعِلْمُ قَبْلِهِ اللہ کے پاس ہی قیامت اور اپنے پیغمبر کے
شکوے کا علم کا ہے۔

(۲) یہ سلام متاثر کن ہے، جیسے — ﴿سَلَامٌ عَلَیْکُمْ لَا تَنْتَبِیْ الْفٰجِرِیْنَ﴾ (القصاص ۵۵) ﴿قَالُوْا سَلٰمًا﴾ (الفرقان ۶۳) میں
ہے۔ یعنی دین کے معاملے میں میری اور تمہاری راہ الگ الگ ہے، تم اگر باز نہیں آتے تو اپنا عمل کیے جاؤ، میں اپنا کام
کیے جا رہا ہوں، عنقریب معلوم ہو جائے گا کہ سچا کون ہے اور جھوٹا کون؟

(۳) بابرکت رات (لَيْلَةُ مُبَارَكَةٍ) سے مراد شب قدر (لَيْلَةُ الْقَدْرِ) ہے۔ جیسا کہ دوسرے مقام پر صراحت ہے ﴿شَهْرُ
رَمَضَانَ الَّذِیْ اُنْزِلَ فِيْهِ الْقُرْآنُ﴾ (البقرہ ۱۸۵) ﴿رَمَضَانَ﴾ کے مہینے میں قرآن نازل کیا گیا۔ ﴿اِنَّا اَنْزَلْنَاهُ فِيْ لَيْلَةِ الْقَدْرِ﴾ (سورۃ
القدر) ہم نے یہ قرآن شب قدر میں نازل فرمایا۔ یہ شب قدر رمضان کے عشرۃ اخیر کی طاق راتوں میں سے ہی کوئی ایک
رات ہوتی ہے۔ یہاں قدر کی اس رات کو بابرکت رات قرار دیا گیا ہے۔ اس کے بابرکت ہونے میں کیا شبہ ہو سکتا ہے کہ ایک
تو اس میں قرآن کا نزول ہوا۔ دوسرے اس میں فرشتوں اور روح الامین کا نزول ہوتا ہے۔ تیسرے اس میں سارے سال میں
ہونے والے واقعات کا فیصلہ کیا جاتا ہے، (جیسا کہ آگے آرہا ہے) چوتھے اس رات کی عبادت ہزار مہینے (یعنی ۸۳ سال ۷ ماہ) کی
عبادت سے بہتر ہے شب قدر یا لیلۃ مبارکہ میں قرآن کے نزول کا مطلب یہ ہے کہ اسی رات سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر
قرآن مجید کا نزول شروع ہوا۔ یعنی پہلے پہل اسی رات آپ پر قرآن نازل ہوا۔ یا یہ مطلب ہے کہ لوح محفوظ سے اسی رات
قرآن بیت العزت میں اتارا گیا جو آسمان دنیا پر ہے۔ پھر وہاں سے حسب ضرورت و مصلحت ۲۳ سالوں تک مختلف اوقات میں

فِيهَا يُفَرَّقُ كُلُّ امْرٍحَكِيٍّ ۝

اَمْرًا وِّنْ هُنْدًا نَا اَنَا لَكُم مَّرْسِلًا ۝

رَحْمَةً مِّن رَّبِّكَ اِنَّهُ هُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ ۝

رَبِّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا اِنْ كُنْتُمْ مُّوَقِنِينَ ۝

اَلَا اَلَا هُوَ يُصَوِّتُ بِكَلِمَتٍ اِلٰكُمْ اَلَا اَلَا اَلَا ۝

ہم ڈرانے والے ہیں۔^(۱) (۳)

اسی رات میں ہر ایک مضبوط کام کا فیصلہ کیا جاتا ہے۔^(۲) (۴)

ہمارے پاس سے حکم ہو کر،^(۳) ہم ہی ہیں رسول بنا کر بھیجے والے۔^(۵)

آپ کے رب کی مہربانی سے۔^(۴) وہ ہی ہے سننے والا جاننے والا۔^(۶)

جو رب ہے آسمانوں کا اور زمین کا اور جو کچھ ان کے درمیان ہے۔ اگر تم یقین کرنے والے ہو۔^(۷)

کوئی معبود نہیں اسکے سوا وہی جلاتا ہے اور مارتا ہے، وہی تمہارا رب ہے اور تمہارے اگلے باپ دادوں کا۔^(۸)

نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر اترتا رہا۔ بعض لوگوں نے لیلہ مبارکہ سے شعبان کی پندرہویں رات مراد لی ہے۔ لیکن یہ صحیح نہیں ہے، جب قرآن کی نص صریح سے قرآن کا نزول شب قدر میں ثابت ہے تو اس سے شب براءت مراد لینا کسی طرح بھی صحیح نہیں۔ علاوہ ازیں شب براءت (شعبان کی پندرہویں رات) کی بابت جتنی بھی روایات آتی ہیں، جن میں اس کی فضیلت کا بیان ہے یا ان میں اسے فیصلے کی رات کہا گیا ہے، تو یہ سب روایات سنداً ضعیف ہیں۔ یہ قرآن کی نص صریح کا مقابلہ کس طرح کر سکتی ہیں؟

(۱) یعنی نزول قرآن کا مقصد لوگوں کو نفع و ضرر شرعی سے آگاہ کرنا ہے تاکہ ان پر حجت قائم ہو جائے۔
(۲) یُفَرَّقُ، یُفَصِّلُ وَیُبَيِّنُ، فیصلہ کر دیا جاتا اور یہ کام کو اس سے متعلق فرشتے کے سپرد کر دیا جاتا ہے۔ حَکِیْمٌ بمعنی پر حکمت کہ اللہ کا ہر کام ہی با حکمت ہوتا ہے یا بمعنی مُخْتَمٌ (مضبوط، پختہ) جس میں تغیر و تبدیلی کا امکان نہیں۔ صحابہ و تابعین سے اس کی تفسیر میں مروی ہے کہ اس رات میں آنے والے سال کی بابت موت و حیات اور وسائل زندگی کے فیصلے لوح محفوظ سے اتار کر فرشتوں کے سپرد کر دیے جاتے ہیں۔ (ابن کثیر)

(۳) یعنی سارے فیصلے ہمارے حکم و اذن اور ہماری تقدیر و مشیت سے ہوتے ہیں۔

(۴) یعنی انزال کتب کے ساتھ اِزْسَالُ رُسُلٍ (رسولوں کا بھیجنا) یہ بھی ہماری رحمت ہی کا ایک حصہ ہے تاکہ وہ ہماری نازل کردہ کتابوں کو کھول کر بیان کریں اور ہمارے احکام لوگوں تک پہنچائیں۔ اس طرح مادی ضرورتوں کی فراہمی کے ساتھ ہم نے اپنی رحمت سے لوگوں کے روحانی تقاضوں کی تکمیل کا بھی سامان مہیا کر دیا۔

(۵) یہ آیات بھی سورہ اعراف کی آیت کی طرح ہیں ۞ قُلْ يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اِنِّیْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اَلِیْکُمْ جَمِیْعًا لَّکُنِّیْ لَکُمْ مَّلٰکُ

بلکہ وہ شک میں پڑے کھیل رہے ہیں۔^(۹)
 آپ اس دن کے منتظر رہیں جب کہ آسمان ظاہر دھواں
 لائے گا۔^(۱۰)
 جو لوگوں کو گھیر لے گا، یہ دردناک عذاب ہے۔^(۱۱)
 کہیں گے کہ اے ہمارے رب! یہ آفت ہم سے دور کر
 ہم ایمان قبول کرتے ہیں۔^(۱۲)
 ان کے لیے نصیحت کہاں ہے؟ کھول کھول کر بیان کرنے
 والے پیغمبران کے پاس آچکے۔^(۱۳)
 پھر بھی انہوں نے ان سے منہ پھیرا اور کہہ دیا کہ سکھایا
 پڑھایا ہوا بولا ہے۔^(۱۴)
 ہم عذاب کو تھوڑا دور کر دیں گے تو تم پھر اپنی اسی حالت

بَلْهُمْ فِي شَكٍّ يَلْعَبُونَ ①
 فَارْتَقِبْ يَوْمَ تَأْتِي السَّمَاءُ بِدُحَانٍ مُّبِينٍ ②
 يُخَسِّئُ النَّاسَ هَذَا أَهْلًا بِلَيْلٍ ③
 رَبَّنَا أَنْتَ عَذَابَ الْعَذَابِ إِنْكَا مُؤْمِنُونَ ④
 أَتَى لَهُمُ الْبَاقِي وَقَدْ جَاءَهُمْ رَسُولٌ مُبِينٌ ⑤
 ثُمَّ تَوَلَّوْا عَنْهُ وَقَالُوا مُعَلَّوْا مَجْزُونٌ ⑥
 إِنْكَا كَاغِبُوا الْعَذَابَ وَلَئِنْ لَمْ تَعْلَمُوا ⑦

السَّمُوتِ وَالْأَرْضِ ۚ لَآ إِلَهَ إِلَّا هُوَ يُحْيِي وَيُمِيتُ ﴿١٥٨﴾ (سورة الاعراف-۱۵۸)

(۱) یعنی حق اور اس کے دلائل ان کے سامنے آگئے۔ لیکن وہ اس پر ایمان لانے کے بجائے شک میں مبتلا ہیں اور اس
 شک کے ساتھ استہزا اور کھیل کود میں پڑے ہیں۔
 (۲) یہ ان کفار کے لیے تمہید ہے کہ اچھا آپ اس دن کا انتظار فرمائیں جب کہ آسمان پر دھوئیں کا ظہور ہو گا۔ اس کے
 سبب نزول میں بتلایا گیا ہے کہ اہل مکہ کے معاندانہ رویے سے تنگ آکر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے لیے قحط سالی
 کی بددعا فرمائی، جس کے نتیجے میں ان پر قحط کا عذاب نازل کر دیا گیا حتیٰ کہ وہ ہڈیاں، کھالیں، اور مردار وغیرہ تک کھانے پر
 مجبور ہو گئے، آسمان کی طرف دیکھتے تو بھوک اور کمزوری کی شدت کی وجہ سے انہیں دھواں سا نظر آتا۔ بالآخر تنگ آکر
 نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عذاب تلنے پر ایمان لانے کا وعدہ کیا، لیکن یہ کیفیت دور ہوتے ہی
 ان کا کفر و عناد پھر اسی طرح عود کر آیا۔ چنانچہ پھر جنگ بدر میں ان کی سخت گرفت کی گئی۔ (صحیح بخاری کتاب التفسیر) بعض
 کہتے ہیں کہ قرب قیامت کی دس بڑی بڑی علامات میں سے ایک علامت دھواں بھی ہے جس سے کافر زیادہ متاثر ہوں
 گے اور مومن بہت کم۔ آیت میں اسی دھوئیں کا ذکر ہے۔ اس تفسیر کی رو سے یہ علامت قیامت کے قریب ظاہر ہوگی
 جب کہ پہلی تفسیر کی رو سے یہ ظاہر ہو چکی۔ امام شوکانی فرماتے ہیں، دونوں باتیں اپنی اپنی جگہ صحیح ہیں، اس کی شان نزول
 کے اعتبار سے یہ واقعہ ظہور پذیر ہو چکا ہے جو صحیح سند سے ثابت ہے۔ تاہم علامات قیامت میں بھی اس کا ذکر صحیح
 احادیث میں آیا ہے، اس لیے وہ بھی اس کے منافی نہیں ہے، اس وقت بھی اس کا ظہور ہو گا۔
 (۳) پہلی تفسیر کی رو سے یہ کفار مکہ نے کہا اور دوسری تفسیر کی رو سے قیامت کے قریب کافر کہیں گے۔

يَوْمَ يَبْطِشُ الْبَطْشَةَ الْكُبْرَىٰ إِنَّا مُنْتَقِمُونَ ﴿٥٠﴾

وَلَقَدْ فَتَنَّا قَبْلَهُمْ قَوْمَ فِرْعَوْنَ وَجَاءَهُمْ رَسُولُكُمُ ﴿٥١﴾

أَنۢ أَذْهَبَ إِلَىٰ عِبَادِ اللَّهِ لِيَأْمُرَهُمُ بِالْإِيمَانِ ﴿٥٢﴾

وَأَنۢ لَّا تَعْلُوا عَلَى اللَّهِ إِنِّي آتِيكُم بِسُلْطٰنٍ مُّبِينٍ ﴿٥٣﴾

وَالَّذِي عٰثَرَ بِرَبِّهِ ذَرِيَّتًا لَّن تَرٰجَعُونَ ﴿٥٤﴾

وَأَنۢ لَّمۡ تَكُونُوا لِلْقَارِعَةِ لٰبِقِينَ ﴿٥٥﴾

پر آجاؤ گے۔ (۱۵)

جس دن ہم بڑی سخت پکڑ پکڑیں گے،^(۱) بالیقین ہم بدلہ

لینے والے ہیں۔ (۱۶)

یقیناً ان سے پہلے ہم قوم فرعون کو (بھی) آزما چکے ہیں^(۲)

جن کے پاس (اللہ کا) باعزت رسول آیا۔ (۱۷)

کہ اللہ تعالیٰ کے بندوں کو میرے حوالے کر^(۳) دو، یقین

مانو کہ میں تمہارے لیے امانت دار رسول ہوں۔^(۴) (۱۸)

اور تم اللہ تعالیٰ کے سامنے سرکشی نہ کرو،^(۵) میں

تمہارے پاس کھلی دلیل لانے والا ہوں۔^(۶) (۱۹)

اور میں اپنے اور تمہارے رب کی پناہ میں آتا ہوں اس

سے کہ تم مجھے سنگسار کر دو۔^(۷) (۲۰)

اور اگر تم مجھ پر ایمان نہیں لاتے تو مجھ سے الگ

ہی رہو۔^(۸) (۲۱)

(۱) اس سے مراد جنگ بدر کی گرفت ہے، جس میں ستر کافرمارے گئے اور ستر قیدی بنا لیے گئے۔ دوسری تفسیر کی رو سے یہ سخت گرفت قیامت والے دن ہوگی۔ امام شوکانی فرماتے ہیں کہ یہ اس گرفت خاص کا ذکر ہے جو جنگ بدر میں ہوئی، کیوں کہ قریش کے سیاق میں ہی اس کا ذکر ہے۔ اگرچہ قیامت والے دن بھی اللہ تعالیٰ سخت گرفت فرمائے گا تاہم وہ گرفت عام ہوگی، ہر نافرمان اس میں شامل ہوگا۔

(۲) آزمانے کا مطلب یہ ہے کہ ہم نے انہیں دنیوی خوشی، خوشحالی و فراغت سے نوازا اور پھر اپنا جلیل القدر پیغمبر بھی ان کی طرف ارسال کیا لیکن انہوں نے رب کی نعمتوں کا شکر ادا کیا اور نہ پیغمبر پر ایمان لائے۔

(۳) عِبَادَ اللَّهِ سے مراد یہاں موسیٰ علیہ السلام کی قوم بنی اسرائیل ہے جسے فرعون نے غلام بنا رکھا تھا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم کی آزادی کا مطالبہ کیا۔

(۴) اللہ کا پیغام پہنچانے میں امانت دار ہوں۔

(۵) یعنی اس کے رسول کی اطاعت سے انکار کر کے اللہ کے سامنے اپنی بڑائی اور سرکشی کا اظہار نہ کرو۔

(۶) یہ ماقبل کی علت ہے کہ میں ایسی حجت واضحہ ساتھ لایا ہوں جس کے انکار کی گنجائش ہی نہیں ہے۔

(۷) اس دعوت و تبلیغ کے جواب میں فرعون نے موسیٰ علیہ السلام کو قتل کی دھمکی دی، جس پر انہوں نے اپنے رب سے پناہ طلب کی۔

(۸) یعنی اگر مجھ پر ایمان نہیں لاتے تو نہ لاؤ، لیکن مجھے قتل کرنے کی یا اذیت پہنچانے کی کوشش نہ کرو۔

فَدَعَا رَبَّهُ أَنِّي مَغْلُوبٌ وَمِنكَ مُخْرِجُونَ ﴿٢١﴾

فَالْتَمِسْ يَدِي لَيْسَ إِنْتُمْ مُتَّبِعُونَ ﴿٢٢﴾

وَأَنزَلَ الْبَحْرَ رَهْوًا لَهُمْ جُنْدٌ مُّعَرِّفُونَ ﴿٢٣﴾

كَمْ تَرَكُوا مِنْ جَبَلٍ وَاعِيُونَ ﴿٢٤﴾

وَذُرُّوا مَقَامِرَ كُرٍّ ﴿٢٥﴾

وَوَعْدَةٌ كَاوُودٍ إِذْ هَمَّ بِالنَّاهِيَةِ ﴿٢٦﴾

كَذَلِكَ وَأَوْرَثْنَاهَا قَوْمَ آخِرِينَ ﴿٢٧﴾

فَبَايَضَتْ عَلَيْهِمُ السَّمَاءُ وَالْأَرْضُ وَمَا كَانُوا مُنظَرِينَ ﴿٢٨﴾

پھر انہوں نے اپنے رب سے دعا کی کہ یہ سب گنہگار لوگ ہیں۔^(۱) (۲۱)

(ہم نے کہہ دیا) کہ راتوں رات تو میرے بندوں کو لے کر نکل، یقیناً تمہارا^(۲) پیچھا کیا جائے گا۔ (۲۲)

تو دریا کو ساکن چھوڑ کر چلا جا،^(۳) بلاشبہ یہ لشکر غرق کر دیا جائے گا۔ (۲۳)

وہ بہت سے باغات^(۴) اور چشمے چھوڑ گئے۔ (۲۴)

اور کھیتیاں اور راحت بخش ٹھکانے۔ (۲۵)

اور وہ آرام کی چیزیں جن میں عیش کر رہے تھے۔ (۲۶)

اسی طرح ہو گیا^(۵) اور ہم نے ان سب کا وارث دوسری قوم کو بنادیا۔^(۶) (۲۷)

سو ان پر نہ تو آسمان و زمین^(۷) روئے اور نہ انہیں

(۱) یعنی جب انہوں نے دیکھا کہ دعوت کا اثر قبول کرنے کے بجائے اس کا کفر و عناد اور بڑھ گیا تو اللہ کی بارگاہ میں دعا کے لیے ہاتھ پھیلا دیئے۔

(۲) چنانچہ اللہ نے دعا قبول فرمائی اور انہیں حکم دیا کہ بنی اسرائیل کو راتوں رات لے کر یہاں سے نکل جاؤ۔ اور دیکھو! گھبرانا نہیں، تمہارا پیچھا بھی ہو گا۔

(۳) رَهِوًا بمعنی ساکن یا خشک۔ مطلب یہ ہے کہ تیرے لاشعری مارنے سے دریا معجزانہ طور پر ساکن یا خشک ہو جائے گا اور اس میں راستہ بن جائے گا، تم دریا پار کرنے کے بعد اسے اسی حالت میں چھوڑنا تاکہ فرعون اور اس کا لشکر بھی دریا کو پار کرنے کی غرض سے اس میں داخل ہو جائے اور ہم اسے وہیں غرق کر دیں۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ جیسا کہ پہلے تفصیل گزر چکی ہے۔

(۴) كَمْ خبریہ ہے جو کثیر کا فائدہ دیتا ہے۔ دریائے نیل کے دونوں طرف باغات اور کھیتوں کی کثرت تھی، عالی شان مکانات اور خوش حالی کے آثار تھے۔ سب کچھ یہیں دنیا میں ہی رہ گیا اور عبرت کے لیے صرف فرعون اور اس کی قوم کا نام رہ گیا۔

(۵) یعنی یہ معاملہ اسی طرح ہوا جس طرح بیان کیا گیا ہے۔

(۶) بعض کے نزدیک اس سے مراد بنی اسرائیل ہیں۔ لیکن بعض کے نزدیک بنی اسرائیل کا دوبارہ مصر آنا تاریخی طور پر ثابت نہیں، اس لیے ملک مصر کی وارث کوئی اور قوم بنی۔ بنی اسرائیل نہیں۔

(۷) یعنی ان فرعونوں کے نیک اعمال ہی نہیں تھے جو آسمان پر چڑھتے اور ان کا سلسلہ منقطع ہونے پر آسمان روتے، نہ

مملت ملی۔ (۲۹)

اور بے شک ہم نے (ہی) بنی اسرائیل کو (سخت) رسوا
کن سزا سے نجات دی۔ (۳۰)

(جو) فرعون کی طرف سے (ہو رہی) تھی۔ فی الواقع وہ
سرکش اور حد سے گزر جانے والوں میں سے تھا۔ (۳۱)

اور ہم نے دانستہ طور پر بنی اسرائیل کو دنیا جہان والوں پر
فوقیت دی۔^(۱) (۳۲)

اور ہم نے انہیں ایسی نشانیاں دیں جن میں صریح
آزمائش تھی۔^(۲) (۳۳)

یہ لوگ تو یہی کہتے ہیں۔^(۳) (۳۴)

کہ (آخری چیز) یہی ہمارا پہلی بار (دنیا سے) مرجانا ہے اور
ہم^(۴) دوبارہ اٹھائے نہیں جائیں گے۔ (۳۵)

وَلَقَدْ بَعَثْنَا لَبِيَّ إِسْرَٰءِيلَ مِنَ الْعَذَابِ الْمُهِينِ ۝

مِنْ قَوْمِهِ إِنَّهُ كَانَ عَلِيًّا قَبْلَ الْمُسُوفِينَ ۝

وَلَقَدْ اخْتَرْنَاهُمْ عَلَىٰ عِلْمِنَا عَلَى الْعَالَمِينَ ۝

وَأَنبَتْنَاهُمْ مِّنَ الْآلِثَةِ بَعْدَ بَلَاءِ ثَمِينٍ ۝

إِن هَٰؤُلَاءِ لَيَقُولُونَ ۝

إِن هِيَ إِلَّا أَمْوَاتُنَا الْأُولَىٰ وَمِمَّا عَنَّا يُمْسِرُونَ ۝

زمین پر ہی وہ اللہ کی عبادت کرتے تھے کہ اس سے محرومی پر زمین روتی۔ مطلب یہ ہے کہ آسمان و زمین میں سے کوئی
بھی ان کی ہلاکت پر رونے والا نہیں تھا۔ (فتح القدیر)

(۱) اس جہان سے مراد بنی اسرائیل کے زمانے کا جہان ہے۔ علی الاطلاق کل جہان نہیں ہے۔ کیوں کہ قرآن میں امت
محمدیہ کو کُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ کے لقب سے مقرب کیا گیا ہے۔ یعنی بنی اسرائیل اپنے زمانے میں دنیا جہان والوں پر فضیلت
رکھتے تھے۔ ان کی یہ فضیلت اس استحقاق کی وجہ سے تھی جس کا علم اللہ کو ہے۔

(۲) آیات سے مراد وہ معجزات ہیں جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کو دیے گئے تھے، ان میں آزمائش کا پہلو یہ تھا کہ اللہ تعالیٰ
دیکھے کہ وہ کیسے عمل کرتے ہیں؟ یا پھر آیات سے مراد وہ احسانات ہیں جو اللہ نے ان پر فرمائے۔ مثلاً فرعونوں کو غرق کر
کے ان کو نجات دینا، ان کے لیے دریا کو پھاڑ کر راستہ بنانا، بادلوں کا سایہ اور من و سلویٰ کا نزول وغیرہ۔ اس میں آزمائش
یہ ہے کہ ان احسانات کے بدلے میں یہ قوم اللہ کی فرماں برداری کا راستہ اختیار کرتی ہے یا اس کی ناشکری کرتے ہوئے
اس کی بغاوت اور سرکشی کا راستہ اپناتی ہے۔

(۳) یہ اشارہ کفار مکہ کی طرف ہے۔ اس لیے کہ سلسلہ کلام ان ہی سے متعلق ہے۔ درمیان میں فرعون کا قصہ ان کی
تمہیہ کے طور پر بیان کیا گیا ہے کہ فرعون نے بھی ان کی طرح کفر پر اصرار کیا تھا، دیکھ لو، اس کا کیا مشر ہوا۔ اگر یہ بھی
اپنے کفر و شرک پر مصر رہے تو ان کا انجام بھی فرعون اور اس کے ماننے والوں سے مختلف نہیں ہو گا۔

(۴) یعنی یہ دنیا کی زندگی ہی بس آخری زندگی ہے۔ اس کے بعد دوبارہ زندہ ہونا اور حساب کتاب ہونا ممکن نہیں ہے۔

فَالْمُؤْمِنُونَ وَالْمُؤْمِنَاتُ الْكَافِرُونَ ۝۱۰۰

أَمْ خَلِقْتُمُوهُمْ ثُمَّ جَعَلْتُمُوهُمْ كُفْرًا ۝۱۰۱

وَمَا خَلَقْنَا السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا لِلْعَيْنِ ۝۱۰۲

مَا خَلَقْنَاهُنَّ إِلَّا بِالْحَقِّ وَاللَّيْنِ ۝۱۰۳

إِنَّ يَوْمَ الْفَصْلِ مِيقَاتُهُمْ أَجْمَعِينَ ۝۱۰۴

اگر تم سچے ہو تو ہمارے باپ دادوں کو لے آؤ۔ (۳۶)
کیا یہ لوگ بہتر ہیں یا تیج کی قوم کے لوگ اور جو ان سے
بھی پہلے تھے۔ ہم نے ان سب کو ہلاک کر دیا یقیناً وہ گنہ
گار تھے۔ (۳۷)

ہم نے زمین اور آسمانوں اور ان کے درمیان کی چیزوں
کو کھیل کے طور پر پیدا نہیں کیا۔ (۳۸)
بلکہ ہم نے انہیں درست تدبیر کے ساتھ ہی پیدا کیا (۳۹)
ہے، لیکن ان میں سے اکثر لوگ نہیں جانتے۔ (۴۰)
یقیناً فیصلے کا دن ان سب کا طے شدہ وقت ہے۔ (۴۱)

(۱) یہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں کو کافروں کی طرف سے کہا جا رہا ہے کہ اگر تمہارا یہ عقیدہ واقعی صحیح ہے کہ دوبارہ زندہ ہونا ہے تو ہمارے باپ دادوں کو زندہ کر کے دکھا دو۔ یہ ان کا بدل اور کٹ جتنی تھی کیوں کہ دوبارہ زندہ کرنے کا عقیدہ قیامت سے متعلق ہے نہ کہ قیامت سے پہلے ہی دنیا میں زندہ ہو جانا کر دینا۔

(۲) یعنی یہ کفار مکہ کیا تیج اور ان سے پہلے کی قومیں، عاد و ثمود وغیرہ سے زیادہ طاقت ور اور بہتر ہیں، جب ہم نے انہیں ان کے گناہوں کی پاداش میں، ان سے زیادہ قوت و طاقت رکھنے کے باوجود ہلاک کر دیا تو یہ کیا حیثیت رکھتے ہیں؟ تیج سے مراد قوم سبا ہے۔ سبا میں حمیر قبیلہ تھا، یہ اپنے بادشاہ کو تیج کہتے تھے، جیسے روم کے بادشاہ کو قیصر، فارس کے بادشاہ کو کسریٰ، مصر کے حکمران کو فرعون اور حبشہ کے فرماں روا کو نجاشی کہا جاتا تھا۔ اہل تاریخ کا اتفاق ہے کہ تابعہ میں سے بعض تیج کو بڑا عروج حاصل ہوا۔ حتیٰ کہ بعض مورخین نے یہاں تک کہہ دیا کہ وہ ملکوں کو فتح کرتے ہوئے سرحد تک پہنچ گیا، اس طرح اور بھی کئی عظیم بادشاہ اس قوم میں گزرے اور اپنے وقت کی یہ ایک عظیم ترین قوم تھی جو قوت و طاقت، شوکت و حشمت اور فراغت و خوشحالی میں ممتاز تھی۔ لیکن جب اس قوم نے بھی پیغمبروں کی تکذیب کی تو اسے تسننہس کر کے رکھ دیا گیا (تفصیل کے لیے دیکھئے سورہ سبا کی متعلقہ آیات) حدیث میں ایک تیج کے بارے میں آتا ہے کہ وہ مسلمان ہو گیا تھا، اسے سب و شتم نہ کرو (مجمع الزوائد ۸/ ۸۶، صحیح الجامع للآلبانی، ۱۳۱۹) تاہم ان کی اکثریت نافرمانوں کی ہی رہی ہے جس کی وجہ سے ہلاکت ان کا مقدر بنی۔

(۳) یہی مضمون اس سے قبل سورہ ص، ۲۷، سورہ المؤمنون ۱۱۵-۱۱۶، سورہ الحجر، ۸۵ وغیرہ میں بیان کیا گیا ہے۔

(۴) وہ مقصد یا درست تدبیر یہی ہے کہ لوگوں کی آزمائش کی جائے اور نیکوں کو ان کی نیکیوں کی جزا اور بدوں کو ان کی بدیوں کی سزا دی جائے۔

(۵) یعنی وہ اس مقصد سے غافل اور بے خبر ہیں۔ اسی لیے آخرت کی تیاری سے لاپرواہ اور دنیا میں منہمک ہیں۔

(۶) یہی وہ اصل مقصد ہے جس کے لیے انسانوں کو پیدا کیا گیا اور آسمان و زمین کی تخلیق کی گئی ہے۔

اس دن کوئی دوست کسی دوست کے کچھ بھی کام نہ آئے گا اور نہ ان کی امداد کی جائے گی۔^(۱) (۴۱)

مگر جس پر اللہ کی مہربانی ہو جائے وہ زبردست اور رحم کرنے والا ہے۔ (۴۲)

بیشک زقوم (تھوہر) کا درخت۔ (۴۳)

گناہ گار کا کھانا ہے۔ (۴۴)

جو مثل تلچھٹ^(۲) کے ہے اور پیٹ میں کھولتا رہتا ہے۔ (۴۵)

مثل تیز گرم پانی کے۔ (۴۶)

اسے پکڑ لو پھر گھینٹے ہوئے بیچ جنم تک پہنچاؤ۔ (۴۷)

پھر اس کے سر پر سخت گرم پانی کا عذاب بہاؤ۔ (۴۸)

(اس سے کہا جائے گا) پکھتا جا تو تو بڑا ذی عزت اور بڑے اکرام والا تھا۔^(۵) (۴۹)

یہی وہ چیز ہے جس میں تم شک کیا کرتے تھے۔ (۵۰)

بیشک (اللہ سے) ڈرنے والے امن چین کی جگہ میں ہوں گے۔ (۵۱)

بانگوں اور چشموں میں۔ (۵۲)

باریک اور دبیز ریشم کے لباس پہنے ہوئے آمنے سامنے بیٹھے ہوں گے۔^(۶) (۵۳)

يَوْمَ لَا يُغْنِي مَوْلًى عَنْ قَوْلِ شَيْءٍ وَلَا هُمْ يُنصَرُونَ ﴿١﴾

إِلَّا مَنْ رَحِمَ اللَّهُ إِنَّهُ هُوَ الْعَزِيزُ الرَّحِيمُ ﴿٢﴾

إِنَّ شَجَرَتَ الزُّقُومِ ﴿٣﴾

طَعَامُ الْإِثْمِ ﴿٤﴾

كَالْمُهْلِ يَغْلِي فِي الْبُطُونِ ﴿٥﴾

كَفَى الصِّبْغِ ﴿٦﴾

خَذُوا مَا كُنْتُمْ يَوْمَ السَّوَاءِ الْحَجِيمِ ﴿٧﴾

ثُمَّ صُبُّوا فَوْقَ رَأْسِهِ مِنْ عَذَابِ الْحَمِيمِ ﴿٨﴾

ذُقْ إِنَّكَ أَنْتَ الْعَزِيزُ الْكَرِيمُ ﴿٩﴾

إِنَّ هَذَا مَا كُنْتُمْ بِهِ مُتَمَدِّدُونَ ﴿١٠﴾

إِنَّ الْمُتَّقِينَ فِي مَقَامٍ أَمِينٍ ﴿١١﴾

فِي جَنَّتٍ وَعُيُونٍ ﴿١٢﴾

يَلْبَسُونَ مِنْ سُندُسٍ وَإِسْتَبْرَقٍ مُتَقَابِلِينَ ﴿١٣﴾

(۱) جیسے فرمایا ﴿فَإِذَا نُفِخَ فِي الصُّورِ فَلَا أَنْسَابَ بَيْنَهُمْ﴾ (المؤمنون ۱۰۱) ﴿وَلَا يَسْتَسْلِمُ بَيْنَهُمُ الْمَعَارِجُ﴾ (۱۰۰)

(۲) مٹھل، گھٹلا ہوا تانبہ، آگ میں پگھلی ہوئی چیز یا تلچھٹ تیل وغیرہ کے آخر میں جو گدلی سی مٹی کی تہ رہ جاتی ہے۔

(۳) وہ زقوم کی خوراک، کھولتے ہوئے پانی کی طرح پیٹ میں کھولے گی۔

(۴) یہ جنم پر مقرر فرشتوں سے کہا جائے گا، سوا، بمعنی وسط۔

(۵) یعنی دنیا میں اپنے طور پر تو بڑا ذی عزت اور صاحب اکرام بنا پھرتا تھا اور اہل ایمان کو حقارت کی نظر سے دیکھتا تھا۔

(۶) اہل کفر و فسق کے مقابلے میں اہل ایمان و تقویٰ کا مقام بیان کیا جا رہا ہے۔ جنہوں نے اپنا دامن کفر و فسق اور معاصی سے بچائے رکھا تھا۔ امین کا مطلب ایسی جگہ، جہاں ہر قسم کے خوف اور اندیشوں سے وہ محفوظ ہوں گے۔

كَذَلِكَ وَرَوَّجَهُمْ بَخْوَصَيْنِ ۝۳۷

يَدْعُونَ فِيهَا بِخُلُقٍ لَّكَاهِفَةٍ أَمِينٍ ۝۳۸

لَا يَذُوقُونَ فِيهَا الْمَوْتَ إِلَّا الْمَوْتَةَ الْأُولَىٰ وَوَقَّعَهُمْ

عَذَابَ الْبَاحِيحِينَ ۝۳۹

فَضْلًا لَّنِ رَبِّكَ ذَٰلِكَ هُوَ الْعَوْرُ الْعَظِيمُ ۝۴۰

یہ اسی طرح ہے^(۱) اور ہم بڑی بڑی آنکھوں والی حوروں سے ان کا نکاح کر دیں گے۔^(۲) (۵۴)

دل جمعی کے ساتھ وہاں ہر طرح کے میوؤں کی فرمائشیں کرتے ہوں گے۔^(۳) (۵۵)

وہاں وہ موت چکھنے کے نہیں ہاں پہلی موت^(۴) (جو وہ مر چکے) انہیں اللہ تعالیٰ نے دوزخ کی سزا سے بچا دیا۔ (۵۶) یہ صرف تیرے رب کا فضل ہے،^(۵) یہی ہے بڑی

(۱) یعنی متقین کے ساتھ یقیناً ایسا ہی معاملہ ہو گا۔

(۲) حُورٌ حُورٌ آء کی جمع ہے۔ یہ حُورٌ سے مشتق ہے جس کا معنی ہے کہ آنکھ کی سفیدی انتہائی سفید اور سیاہی انتہائی سیاہ ہو۔ حُورٌ آء اس لیے کہا جاتا ہے کہ نظر اس کے حسن و جمال کو دیکھ کر حیرت زدہ رہ جائیں گی عینٌ، عیناء کی جمع ہے، کشادہ چشم۔ جیسے ہرن کی آنکھیں ہوتی ہیں۔ ہم پہلے وضاحت کر آئے ہیں کہ ہر جنتی کو کم از کم دو حوریں ضرور ملیں گی۔ جو حسن و جمال کے اعتبار سے چندے آفتاب و آفتاب ہوں گی۔ البتہ ترمذی کی ایک روایت سے معلوم ہوتا ہے، جسے صحیح کہا گیا ہے کہ شہید کو خصوصی طور پر ۷۲ حوریں ملیں گی (ابواب فضائل الجہاد باب ما جاء أی الناس أفضل)

(۳) آمینین (بے خوفی کے ساتھ) کا مطلب ان کے ختم ہونے کا اندیشہ ہو گا نہ ان کے کھانے سے بیماری وغیرہ کا خوف یا موت، تھکاؤ اور شیطان کا کوئی خوف نہیں ہو گا۔

(۴) یعنی دنیا میں انہیں جو موت آئی تھی، اس موت کے بعد انہیں موت کا مزہ نہیں چکھنا پڑے گا۔ جیسے حدیث میں آتا ہے کہ موت کو ایک مینڈھے کی شکل میں لا کر دوزخ اور جنت کے درمیان ذبح کر دیا جائے گا اور اعلان کر دیا جائے گا، اے جنتیو! تمہارے لیے جنت کی زندگی دائمی ہے، اب تمہارے لیے موت نہیں۔ اور اے جہنمیو! تمہارے لیے جہنم کا عذاب دائمی ہے، موت نہیں۔ (صحیح بخاری، تفسیر سورة مريم۔ مسلم، کتاب الجنة، باب النار يدخلها الجبارون والجنة يدخلها الضعفاء) دوسری حدیث میں فرمایا ”اے جنتیو! تمہارا مقدر اب صحت و قوت ہے، تم کبھی بیمار نہیں ہو گے۔ تمہارے لیے اب زندگی ہی زندگی ہے، موت نہیں۔ تمہارے لیے نعمتیں ہی نعمتیں ہیں، ان میں کمی نہیں ہوگی اور سدا جوان رہو گے، کبھی بڑھاپا طاری نہیں ہو گا۔“ (صحیح بخاری، کتاب الرقاق، باب القصد والمداومة علی العمل، ومسلم، کتاب مذکور)

(۵) جس طرح حدیث میں بھی ہے۔ فرمایا ”یہ بات جان لو! تم میں سے کسی شخص کو اس کا عمل جنت میں نہیں لے جائے گا، صحابہ نے عرض کیا۔ یا رسول اللہ! آپ کو بھی؟ فرمایا ”ہاں مجھے بھی، مگر یہ کہ اللہ تعالیٰ مجھے اپنی رحمت اور فضل میں ڈھانپ لے گا“ (صحیح بخاری، کتاب الرقاق، باب القصد والمداومة علی العمل، ومسلم، کتاب مذکور)

کامیابی۔ (۵۷)

ہم نے اس (قرآن) کو تیری زبان میں آسان کر دیا تاکہ وہ نصیحت حاصل کریں۔ (۵۸)
اب تو منتظر رہ یہ بھی منتظر ہیں۔^(۱) (۵۹)

سورہ جاثیہ کی ہے اور اس میں سیس آیتیں اور
پار رکوع ہیں۔

شروع کرتا ہوں اللہ تعالیٰ کے نام سے جو بڑا مہربان
نمایت رحم والا ہے۔

حم۔ (۱) یہ کتاب اللہ غالب حکمت والے کی طرف سے
نازل کی ہوئی ہے۔ (۲)

آسمانوں اور زمین میں ایمان داروں کے لیے یقیناً بہت
سی نشانیاں ہیں۔ (۳)

اور خود تمہاری پیدائش میں اور ان جانوروں کی پیدائش
میں جنہیں وہ پھیلاتا ہے یقین رکھنے والی قوم کے لیے
بہت سی نشانیاں ہیں۔ (۴)

اور رات دن کے بدلنے میں اور جو کچھ روزی اللہ تعالیٰ
آسمان سے نازل فرما کر زمین کو اسکی موت کے بعد زندہ کر
دیتا ہے،^(۲) (اس میں) اور ہواؤں کے بدلنے میں بھی ان
لوگوں کے لیے جو عقل رکھتے ہیں نشانیاں ہیں۔^(۳) (۵)

فَأَنصَبْ يَسْرُهُ بِلِسَانِكَ لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُونَ ⑤

فَأَنصَبْ لَهُمْ مَزِيدٌ ⑥



بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

حَمْدٌ ① تَنزِيلُ الْكِتَابِ مِنَ اللَّهِ الْعَزِيزِ الْحَكِيمِ ②

إِنَّا فِي السَّمُوتِ وَالْأَرْضِ لَآيَاتٍ لِّلَّذِينَ يُؤْمِنُونَ ③

وَفِي خَلْقِكُمْ وَمَا يَبُذُّ مِنْ دَابَّةٍ الْبَاطِلِ يُؤْمِنُونَ ④

وَاجْتِلَافِ اللَّيْلِ وَالنَّهَارِ وَمَا أَنزَلَ اللَّهُ مِنَ السَّمَاءِ مِنْ
رِزْقٍ فَلْيَحْيَاهُ الْأَرْضُ بَعْدَ مَوْتِهَا وَتَصْرِيفِ الرِّيحِ الْبَاطِلِ
لِغُورٍ يَعْقِلُونَ ⑤

(۱) تو عذاب الہی کا انتظار کر، اگر یہ ایمان نہ لائے۔ یہ منتظر ہیں اس بات کے کہ اسلام کے غلبہ و نفوذ سے قبل ہی شاید
آپ موت سے ہمکنار ہو جائیں۔

(۲) آسمان و زمین، انسانی تخلیق، جانوروں کی پیدائش، رات دن کے آنے جانے اور آسمانی بارش کے ذریعے سے مردہ
زمین میں زندگی کی لہر کا دوڑ جانا وغیرہ، آفاق و انفس میں بے شمار نشانیاں ہیں جو اللہ کی وحدانیت و ربوبیت پر دال ہیں۔

(۳) یعنی کبھی ہوا کا رخ شمال و جنوب کو، کبھی پورب پچھم (مشرق و مغرب) کو ہوتا ہے، کبھی بحری ہوائیں اور کبھی بری
ہوائیں، کبھی رات کو، کبھی دن کو، بعض ہوائیں بارش خیز، بعض نتیجہ خیز، بعض ہوائیں روح کی غذا اور بعض سب کچھ

یہ ہیں اللہ کی آیتیں جنہیں ہم آپ کو راستی سے سنا رہے ہیں، پس اللہ تعالیٰ اور اس کی آیتوں کے بعد یہ کس بات پر ایمان لائیں گے۔^(۱)

”ویل“ اور افسوس ہے ہر ایک جھوٹے گنہگار پر۔^(۲)

جو آیتیں اللہ کی اپنے سامنے پڑھی جاتی ہوئی سنے پھر بھی غرور کرتا ہو اس طرح اڑا رہے کہ گویا سنی ہی نہیں،^(۳)

تو ایسے لوگوں کو دردناک عذاب کی خبر (پہنچا) دیجئے۔^(۴)

وہ جب ہماری آیتوں میں سے کسی آیت کی خبر یا لیتا ہے تو اس کی ہنسی اڑاتا ہے،^(۵) یہی لوگ ہیں جن کے لیے رسوائی کی مار ہے۔^(۶)

ان کے پیچھے دوزخ ہے،^(۷) جو کچھ انہوں نے حاصل کیا

بَلَاكَ إِلَهٌ تَنَزَّلَ عَلَيْكَ الْحَقُّ، فَبِأَيِّ حَدِيثٍ بَعْدَ
اللَّهِ وَالْيَتِيمِ يُؤْمِنُونَ ①

وَيَلْزَمُ لِكُلِّ آفَاءٍ آتِيهِ ②

يَتَمَعُّ إِلَهٌ تَنَزَّلَ عَلَيْكَ الْحَقُّ، فَبِأَيِّ حَدِيثٍ بَعْدَ
اللَّهِ وَالْيَتِيمِ يُؤْمِنُونَ ③

وَلَا عَلَمَ مِنْ يَتَنَازَعُنَا إِلَّا جَعَلْنَاهُمْ زُكُورًا ④
عَذَابٌ مُعَذِّبٌ ⑤

مِنْ زُكُورِهِمْ جَعَلْنَاهُمْ وَلَا يُعْنِي عَنْهُمْ كَذَبُوا شَيْئًا وَلَا كُنَّا مُخَذَّذِينَ

جھلسا دینے والی اور محض گردوغبار کا طوفان۔ ہواؤں کی اتنی قسمیں بھی دلالت کرتی ہیں کہ اس کائنات کا کوئی چلانے والا ہے اور وہ ایک ہی ہے۔ دویا دو سے زائد نہیں۔ تمام اختیارات کا مالک وہی ایک ہے، ان میں کوئی اس کا شریک نہیں۔ سارا اور ہر قسم کا تصرف وہی کرتا ہے، کسی اور کے پاس ادنیٰ سا تصرف کرنے کا بھی اختیار نہیں۔ اسی مفہوم کی آیت سورہ بقرہ کی آیت نمبر ۱۶۴ بھی ہے۔

(۱) یعنی اللہ کا نازل کردہ قرآن، جس میں اس کی توحید کے دلائل و براہین ہیں۔ اگر یہ اس پر بھی ایمان نہیں لاتے تو اللہ کی بات کے بعد کس کی بات ہے اور اس کی نشانیں کے بعد کون سی نشانیاں ہیں، جن پر یہ ایمان لائیں گے؟ بَعْدَ اللَّهِ کا مطلب ہے، بَعْدَ حَدِيثِ اللَّهِ وَبَعْدَ آيَاتِهِ یہاں قرآن پر حدیث کا اطلاق کیا گیا ہے۔ جیسے ﴿اللَّهُ تَزَلَّ أَحْسَنَ الْحَدِيثِ﴾ (الزمر، ۲۳) میں ہے۔

(۲) أَفَا لِكَ بِمَعْنَى كَذَابٍ، اُنْثِيمَ، بہت گناہ گار۔ وَزِيلٌ، بمعنی ہلاکت یا جہنم کی ایک وادی کا نام۔

(۳) یعنی کفر پر اڑا رہتا ہے اور حق کے مقابلے میں اپنے کو بڑا سمجھتا ہے اور اسی غرور میں سنی ان سنی کر دیتا ہے۔

(۴) یعنی اول تو وہ قرآن کو غور سے سنتا ہی نہیں ہے اور اگر کوئی بات اس کے کان میں پڑ جاتی ہے یا کوئی بات اس کے علم میں آ جاتی ہے تو اسے استہزا اور مذاق کا موضوع بنا لیتا ہے۔ اپنی کم عقلی اور نافرمانی کی وجہ سے یا کفر و معصیت پر اصرار و استکبار کی وجہ سے۔

(۵) یعنی ایسے کردار کے لوگوں کے لیے قیامت میں جہنم ہے۔

مِنْ دُونِ اللَّهِ أَطِيعُوا وَلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيمٌ ①

هَذَا هُدًى وَالَّذِينَ كَفَرُوا بِالْبَيْتِ يُرَدُّوهُمُ اللَّهُ عَذَابًا مِنْ
يُجْزِلُهُ ②

اللَّهُ الَّذِي سَخَّرَ لَكُمْ الْبَحْرَ مَجْرًى وَالْفُلْكَ فَيَوْمًا تُرْجَوْنَ
مِنْ فَضْلِهِ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ ③

وَسَخَّرَ لَكُمْ مَاءَ فِي السَّمَوَاتِ وَمَاءَ فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا مِمَّا تَشْكُرُونَ

تھا وہ انہیں کچھ بھی نفع نہ^(۱) دے گا اور نہ وہ (کچھ کام
آئیں گے) جن کو انہوں نے اللہ کے سوا کارساز^(۲) بنا
رکھا تھا، ان کے لیے تو بہت بڑا عذاب ہے۔ (۱۰)
یہ (سرتاپا) ہدایت^(۳) ہے اور جن لوگوں نے اپنے رب
کی آیتوں کو نہ مانا ان کے لیے بہت سخت دردناک عذاب
ہے۔ (۱۱)^(۴)

اللہ ہی ہے جس نے تمہارے لیے دریا^(۵) کو تابع بنادیا تاکہ
اس کے حکم سے اس میں کشتیاں^(۶) چلیں اور تم اس کا
فضل^(۷) تلاش کرو اور تاکہ تم شکر بجالاؤ۔ (۱۲)^(۸)
اور آسمان و زمین کی ہر چیز کو بھی اس نے اپنی طرف

(۱) یعنی دنیا میں جو مال انہوں نے کمایا ہو گا، جن اولاد اور جتنے پر وہ فخر کرتے رہے ہوں گے، وہ قیامت والے دن انہیں
کوئی فائدہ نہیں پہنچا سکیں گے۔

(۲) جن کو دنیا میں اپنا دوست، مددگار اور معبود بنا رکھا تھا، وہ اس روز ان کو نظر ہی نہیں آئیں گے، مدد تو انہوں نے کیا
کرنی ہو گی؟

(۳) یعنی قرآن۔ کیوں کہ اس کے نزول کا مقصد ہی یہ ہے کہ لوگوں کو کفر و شرک کی تاریکیوں سے نکال کر ایمان کی
روشنی میں لایا جائے۔ اس لیے اس کے سرتاپا ہدایت ہونے میں تو کوئی شک نہیں۔ لیکن ہدایت ملے گی تو اسے ہی جو اس
کے لیے اپنا سینہ وا کرے گا۔ بصورت دیگر، تورع راہ دکھلائیں گے کہ ہر منزل ہی نہیں۔ والا معاملہ ہو گا۔

(۴) اَلْبَيْتِ، عَذَابٌ کی صفت ہے، بعض اسے رَجَزِ کی صفت بتاتے ہیں۔ رَجَزٌ بمعنی عَذَابٌ شَدِيدٌ

(۵) یعنی اس کو ایسا بنادیا کہ تم کشتیوں اور جہازوں کے ذریعے سے اس پر سفر کر سکو۔

(۶) یعنی سمندروں میں کشتیوں اور جہازوں کا چلنا، یہ تمہارا کمال اور ہنر نہیں یہ اللہ کا حکم اور اس کی مشیت ہے۔ ورنہ
اگر وہ چاہتا تو سمندروں کی موجوں کو اتنا سرکش بنا دیتا کہ کوئی کشتی اور جہاز ان کے سامنے ٹھہر ہی نہ سکتا۔ جیسا کہ کبھی
کبھی وہ اپنی قدرت کے اظہار کے لیے ایسا کرتا ہے۔ اگر مستقل طور پر موجوں کی طغیانیوں کا یہی عالم رہتا تو تم کبھی بھی
سمندر میں سفر کرنے کے قابل نہ ہوتے۔

(۷) یعنی تجارت کے ذریعے سے، اور اس میں غوطہ زنی کر کے موتی اور دیگر اشیاء نکال کر اور دریائی جانوروں (مچھلی
وغیرہ) کا شکار کر کے۔

(۸) یہ سب کچھ اس لیے کیا کہ تم ان نعمتوں پر اللہ کا شکر کرو جو اس تخیر، بحر کی وجہ سے تمہیں حاصل ہوتی ہیں۔

فِي ذَلِكَ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ يَوْمَ يُنْفَخُ الْكُتُبُ ۝

قُلْ لِلَّهِ يَوْمَ يُنْفَخُ الْكُتُبُ وَاللَّذِينَ لَا يَرْجُونَ أَيَّامَ اللَّهِ لِيُعْذِرُوا قَوْمَهُمَا كَانُوا لِيَكْسِبُونَ ۝

مَنْ عَمِلَ صَالِحًا فَلِنَفْسِهِ وَمَنْ أَسَاءَ فَعَلَيْهَا ثُمَّ إِلَىٰ رَبِّكُمْ تُرْجَعُونَ ۝

وَلَقَدْ آتَيْنَا نِجْمًا ذِكْرًا لِلَّذِينَ اتَّقَوْا فِي الْحِكْمَةِ وَالذِّكْرِ وَأَوْفَوْا بِهِمْ مِنَ الْقِسْمِ وَفَضَّلْنَاهُمْ عَلَى الْعَالَمِينَ ۝

سے تمہارے لیے تابع کر دیا ہے۔^(۱) جو غور کریں یقیناً وہ اس میں بہت سی نشانیاں پالیں گے۔ (۱۳)

آپ ایمان والوں سے کہہ دیں کہ وہ ان لوگوں سے درگزر کریں جو اللہ کے دنوں کی توقع نہیں^(۲) رکھتے، تاکہ اللہ تعالیٰ ایک قوم کو ان کے کرتوتوں کا بدلہ دے۔ (۱۴)

جو نیکی کرے گا وہ اپنے ذاتی بھلے کے لیے اور جو برائی کرے گا اس کا وبال اسی پر ہے،^(۳) پھر تم سب اپنے پروردگار کی طرف لوٹائے جاؤ گے۔ (۱۵)

یقیناً ہم نے بنی اسرائیل کو کتاب، حکومت^(۴) اور نبوت دی تھی، اور ہم نے انہیں پاکیزہ (اور نفیس) روزیاں دی تھیں^(۵)

(۱) مطیع کرنے کا مطلب یہی ہے کہ ان کو تمہاری خدمت پر مامور کر دیا ہے، تمہارے مصالح و منافع اور تمہاری معاش سب انہی سے وابستہ ہے، جیسے چاند، سورج، روشن ستارے، بارش، پادل اور ہوائیں وغیرہ ہیں۔ اور اپنی طرف سے کا مطلب، اپنی رحمت اور فضل خاص سے۔

(۲) یعنی جو اس بات کا خوف نہیں رکھتے کہ اللہ تعالیٰ اپنے ایماندار بندوں کی مدد کرنے اور دشمنوں کو نیست و نابود کرنے کی قدرت رکھتا ہے۔ مراد کافر ہیں۔ اور ایام اللہ سے مراد وقائع ہیں۔ جیسے ﴿وَذَكِّرْهُمْ بِأَيَّامِ اللَّهِ﴾ (اسراہیم: ۵) میں ہے۔ مطلب ہے کہ ان کافروں سے غمخوار گزر سے کام لو، جو اللہ کے عذاب اور اس کی گرفت سے بے خوف ہیں۔ یہ ابتدائی حکم تھا جو مسلمانوں کو پہلے دیا جاتا رہا تھا بعد میں جب مسلمان مقابلے کے قابل ہو گئے تو پھر سختی کا اور ان سے ٹکرا جانے (جہاد) کا حکم دے دیا گیا۔

(۳) یعنی جب تم ان کی ایذاؤں پر صبر اور ان کی زیادتیوں سے درگزر کرو گے، تو یہ سارے گناہ ان کے ذمے ہی رہیں گے، جن کی سزا ہم قیامت والے دن ان کو دیں گے۔

(۴) یعنی ہر گروہ اور فرد کا عمل، اچھا یا برا، اس کا فائدہ یا نقصان خود کرنے والے کو ہی پہنچے گا، کسی دوسرے کو نہیں۔ اس میں نیکی کی ترغیب بھی ہے، اور بدی سے ترہیب بھی۔

(۵) پس وہ ہر ایک کو اس کے عملوں کے مطابق جزا دے گا۔ نیکیوں کو نیک اور بروں کو بری۔

(۶) کتاب سے مراد تورات، حکم سے حکومت و بادشاہت یا فہم و قضا کی وہ صلاحیت ہے جو فصل خصوصیات اور لوگوں کے درمیان فیصلے کرنے کے لیے ضروری ہے۔

(۷) وہ روزیاں جو ان کے لیے حلال تھیں اور ان ہی میں من و سلوئی کا نزول بھی تھا۔

اور انہیں دنیا والوں پر فضیلت دی تھی۔^(۱) (۱۶)
 اور ہم نے انہیں دین کی صاف صاف دلیلیں دیں،^(۲) پھر
 انہوں نے اپنے پاس علم کے پہنچ جانے کے بعد آپس کی ضد
 بحث سے ہی اختلاف برپا کر ڈالا،^(۳) یہ جن جن چیزوں میں
 اختلاف کر رہے ہیں ان کا فیصلہ قیامت والے دن ان کے
 درمیان (خود) تیار کرے گا۔^(۴) (۱۷)

پھر ہم نے آپ کو دین کی (ظاہر) راہ پر قائم کر دیا،^(۵) سو
 آپ اسی پر لگے رہیں اور نادانوں کی خواہشوں کی
 پیروی میں نہ پڑیں۔^(۶) (۱۸)

(یاد رکھیں) کہ یہ لوگ ہرگز اللہ کے سامنے آپ کے کچھ
 کام نہیں آسکتے۔ (سمجھ لیں کہ) ظالم لوگ آپس میں ایک
 دوسرے کے رفیق ہوتے ہیں اور پرہیز گاروں کا کار ساز
 اللہ تعالیٰ ہے۔ (۱۹)

یہ (قرآن) لوگوں کے لیے بصیرت کی باتیں^(۷) اور ہدایت و

وَالَّذِينَ هُمْ يَنْتَظِرُونَ الْأَمْرَ فَاتَّخَذُوا الْأَمْرَ مِنْ بَعْدِ مَا جَاءَهُمْ
 الْعِلْمُ مَغْيَابًا لَهُمْ إِنَّ رَبَّكَ يَفْضِلُ بَيْنَهُمْ يَوْمَ
 الْقِيَمَةِ فَمَا كَانُوا فِيهِ يَخْتَلِفُونَ ۝

ثُمَّ جَعَلْنَاكَ عَلَى شَرِّ ذُرِّيَّةٍ مِنَ الْأَمْمَرِ فَاتَّبَعَهَا وَلَا تَنْبَغِي أَمْوَارَ
 الَّذِينَ لَا يَعْلَمُونَ ۝

إِنَّهُمْ لَنْ يَنْفَعُوا عَنَّاكَ مِنْ اللَّهِ شَيْئًا وَإِنَّ الظَّالِمِينَ بَعْضُهُمْ
 أَوْلِيَاءُ بَعْضٍ وَاللَّهُ وَلِيُّ الْمُتَّقِينَ ۝

هَذَا بَصَلَةُ الْإِنْسَانِ وَهَذِي ذُرِّيَّتُهُ لِقَوْمٍ يُفْتَنُونَ ۝

(۱) یعنی ان کے زمانے کے اعتبار سے۔

(۲) کہ یہ حلال ہیں اور یہ حرام۔ یا معجزات مراد ہیں۔ یا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کا علم، آپ کی نبوت کے شواہد اور
 آپ کی ہجرت گاہ کی تعیین مراد ہے۔

(۳) بَغْيًا بَيْنَهُمْ کا مطلب ہے، آپس میں ایک دوسرے سے حسد اور بغض و عناد کا مظاہرہ کرتے ہوئے یا جاہ و منصب
 کی خاطر۔ انہوں نے اپنے دین میں، علم آجانے کے باوجود، اختلاف یا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت سے انکار کیا۔

(۴) یعنی اہل حق کو اچھی جزا اور اہل باطل کو بری جزا دے گا۔

(۵) شریعت کے لغوی معنی ہیں، راستہ ملت اور منہاج۔ شاہراہ کو بھی شارع کہا جاتا ہے کہ وہ مقصد و منزل تک پہنچاتی
 ہے۔ پس شریعت سے یہاں مراد وہ دین ہے جو اللہ نے اپنے بندوں کے لیے مقرر فرمایا ہے تاکہ لوگ اس پر چل کر اللہ
 کی رضا کا مقصد حاصل کر لیں۔ آیت کا مطلب ہے۔ ہم نے آپ کو دین کے ایک واضح راستے یا طریقے پر قائم کر دیا ہے
 جو آپ کو حق تک پہنچا دے گا۔

(۶) جو اللہ کی توحید اور اس کی شریعت سے ناواقف ہیں۔ مراد کفار مکہ اور ان کے ساتھی ہیں۔

(۷) یعنی ان دلائل کا مجموعہ ہے جو احکام دین سے متعلق ہیں اور جن سے انسانی ضروریات و حاجات وابستہ ہیں۔

رحمت ہے^(۱) اس قوم کے لیے جو یقین رکھتی ہے۔ (۲۰)
 کیا ان لوگوں کا جو برے کام کرتے ہیں یہ گمان ہے کہ ہم
 انہیں ان لوگوں جیسا کر دیں گے جو ایمان لائے اور نیک
 کام کیے کہ ان کا مرنا جینا یکساں ہو جائے^(۲) برا ہے وہ
 فیصلہ جو وہ کر رہے ہیں۔ (۲۱)

اور آسمانوں اور زمین کو اللہ نے بہت ہی عدل کے ساتھ
 پیدا کیا ہے اور تاکہ ہر شخص کو اس کے کیے ہوئے کام کا
 پورا بدلہ دیا جائے اور ان پر ظلم نہ کیا جائے گا۔ (۲۲)
 کیا آپ نے اسے بھی دیکھا؟ جس نے اپنی خواہش
 نفس کو اپنا معبود بنا رکھا^(۳) ہے اور باوجود سمجھ بوجھ
 کے اللہ نے اسے گمراہ کر دیا^(۵) ہے اور اس کے کان

أَمْ حَسِبَ الَّذِينَ اجْتَرَحُوا السَّيِّئَاتِ أَنْ نَجْعَلَهُمْ كَالَّذِينَ آمَنُوا
 وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ سَوَاءً عِندَ اللَّهِ وَمِمَّا نُؤْتِيهِمْ سَاءَ مَا يَكُونُونَ^(۲)

وَخَلَقَ اللَّهُ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ بِالْحَقِّ وَلِيُجْزِيَ كُلَّ نَفْسٍ بِمَا
 كَسَبَتْ وَهُمْ لَا يُظْلَمُونَ^(۳)

أَفَرَأَيْتَ مَنِ اتَّخَذَ إِلَهَهُ هَوَاهُ وَأَضَلَّهُ اللَّهُ عَلَى عَمَلِهِ وَخَوَّعَ عَلَى
 سَعْيِهِ وَوَقَفَهُ عَلَى صَعْرٍ فَنُفِثَ فَنُفِثَ مِنْ^(۴)

(۱) یعنی دنیا میں ہدایت کا راستہ بتلانے والا ہے اور آخرت میں رحمت الہی کا موجب ہے۔

(۲) یعنی دنیا اور آخرت میں دونوں کے درمیان کوئی فرق نہ کریں۔ اس طرح ہرگز نہیں ہو سکتا۔ یا مطلب ہے کہ جس
 طرح دنیا میں وہ برابر تھے، آخرت میں بھی وہ برابر ہی رہیں گے کہ مرکزیہ بھی ناپید اور وہ بھی ناپید؟ نہ بدکار کو سزا نہ
 ایمان و عمل صالح کرنے والے کو انعام۔ ایسا نہیں ہو گا۔ اسی لیے آگے فرمایا ان کا یہ فیصلہ برا ہے جو وہ کر رہے ہیں۔

(۳) اور یہ عدل یہی ہے کہ قیامت والے دن بے لاگ فیصلہ ہو گا اور ہر شخص کو اس کے عملوں کے مطابق اچھی یا بری
 جزا دے گا۔ یہ نہیں ہو گا کہ نیک و بد دونوں کے ساتھ وہ یکساں سلوک کرے، جیسا کہ کافروں کا زعم باطل ہے، جس کی
 تردید گزشتہ آیت میں کی گئی ہے۔ کیوں کہ دونوں کو برابری کی سطح پر رکھنا ظلم یعنی عدل کے خلاف بھی ہے اور مسلمات
 سے انحراف بھی۔ اس لیے جس طرح کانٹے ہو کر انگور کی فصل حاصل نہیں کی جاسکتی، اسی طرح بدی کا ارتکاب کر کے وہ
 مقام حاصل نہیں ہو سکتا جو اللہ نے اہل ایمان کے لیے رکھا ہے۔

(۴) پس وہ اسی کو اچھا سمجھتا ہے جس کو اس کا نفس اچھا اور اسی کو برا سمجھتا ہے جس کو اس کا نفس برا قرار دیتا ہے۔ یعنی اللہ اور
 رسول کے احکام کے مقابلے میں اپنی نفسانی خواہش کو ترجیح دیتا اپنی عقل کو اہمیت دیتا ہے۔ حالانکہ عقل بھی ماحول سے متاثر یا
 مفادات کی اسیر ہو کر خواہش نفس کی طرح غلط فیصلہ کر سکتی ہے۔ ایک معنی اس کے یہ کیے گئے ہیں، جو اللہ کی طرف سے نازل
 کردہ ہدایت اور رہبان کے بغیر اپنی مرضی کے دین کو اختیار کرتا ہے۔ اور بعض کہتے ہیں کہ اس سے ایسا شخص مراد ہے جو پتھر کو
 پوجتا تھا جب اسے زیادہ خوب صورت پتھر مل جاتا، تو وہ پہلے پتھر کو پھینک کر دوسرے کو معبود بنا لیتا۔ (فتح القدیر)

(۵) یعنی بلوغ علم اور قیام حجت کے باوجود وہ گمراہی ہی کا راستہ اختیار کرتا ہے۔ جیسے بہت سے پندار علم میں مبتلا گمراہ

بَعْدَ اللَّهِ أَفَلَا تَذَكَّرُونَ ﴿٣٧﴾

اور دل پر مہر لگادی^(۱) ہے اور اس کی آنکھ پر بھی پردہ ڈال دیا^(۲) ہے، اب ایسے شخص کو اللہ کے بعد کون ہدایت دے سکتا ہے۔^(۳) (۲۳)

کیا اب بھی تم نصیحت نہیں پکڑتے۔^(۴) انہوں نے کہا کہ ہماری زندگی تو صرف دنیا کی زندگی ہی ہے۔ ہم مرتے ہیں اور جیتے ہیں اور ہمیں صرف زمانہ ہی مار ڈالتا ہے،^(۵) (دراصل) انہیں اس کا کچھ علم ہی نہیں۔ یہ تو صرف (قیاس اور) انکسار سے ہی کام لے رہے ہیں۔ (۲۴)

اور جب ان کے سامنے ہماری واضح اور روشن آیتوں کی

وَقَالُوا مَا هِيَ إِلَّا حَيَاتُنَا الدُّنْيَا نَمُوتُ وَنَحْيَا وَمَا يُهْلِكُنَا إِلَّا
الدَّهْرُ وَمَا لَهُم بِذَلِكَ مِنْ عِلْمٍ إِنْ هُمْ إِلَّا يَظُنُّونَ ﴿٣٨﴾

وَأَن تَأْتِلَ عَلَيْهِمُ الْبُتُونُ مَتَىٰ نَحْمِتُهَا ۚ إِنَّهَا لَآتِيهِمْ إِلَّا أَنْ يَقَالُوا

اہل علم کا حال ہے۔ ہوتے وہ گمراہ ہیں، موقف ان کا بے بنیاد ہوتا ہے۔ لیکن ”ہم چوماد دیگرے نیست“ کے گھمنڈ میں وہ اپنے ”دلائل“ کو ایسا سمجھتے ہیں گویا آسمان سے تارے توڑ لائے ہیں۔ اور یوں ”علم و فہم“ رکھنے کے باوجود وہ گمراہ ہی نہیں ہوتے، دوسروں کو بھی گمراہ کرنے پر فخر کرتے ہیں۔ نَعُوذُ بِاللّٰهِ مِنْ هَذَا الْعِلْمِ الضَّالِّ وَالْفَهْمِ السَّقِيمِ وَالْعَقْلِ الزَّائِعِ.

(۱) جس سے اس کے کان و عطر و نصیحت منسنے سے اور اس کا دل ہدایت کے بخنے سے محروم ہو گیا۔

(۲) چنانچہ وہ حق کو دیکھ بھی نہیں پاتا۔

(۳) جیسے فرمایا ﴿مَنْ يُضِلِلِ اللَّهُ فَلَا هَادِيَ لَهُ وَيَذَرُهُمْ فِي طُغْيَانِهِمْ يَعْمَهُونَ﴾ (الأعراف: ۱۸۶)

(۴) یعنی غور و فکر نہیں کرتے تاکہ حقیقت حال تم پر واضح اور آشکارا ہو جائے۔

(۵) یہ دہریہ اور ان کے ہم نوا مشرکین مکہ کا قول ہے جو آخرت کے منکر تھے۔ وہ کہتے تھے کہ بس یہ دنیا کی زندگی ہی پہلی اور آخری زندگی ہے، اس کے بعد کوئی زندگی نہیں اور اس میں موت و حیات کا سلسلہ، محض زمانے کی گردش کا نتیجہ ہے۔ جیسے فلاسفہ کا ایک گروہ کہتا ہے کہ ہر چھتیس ہزار سال کے بعد ہر چیز دوبارہ اپنی حالت پر لوٹ آتی ہے۔ اور یہ سلسلہ، بغیر کسی صانع اور مدبر کے، از خود یوں ہی چل رہا ہے اور چلتا رہے گا، نہ اس کی کوئی ابتدا ہے نہ انتہا۔ یہ گروہ دور یہ کہلاتا ہے (ابن کثیر) ظاہر بات ہے، یہ نظریہ، اسے عقل بھی قبول نہیں کرتی اور نقل کے بھی خلاف ہے۔ حدیث قدسی ہے، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ ”ابن آدم مجھے ایذا پہنچاتا ہے۔ زمانے کو برا بھلا کہتا ہے (یعنی اس کی طرف افعال کی نسبت کر کے، اسے برا کہتا ہے) حالانکہ (زمانہ بجائے خود کوئی چیز نہیں) میں خود زمانہ ہوں، میرے ہی ہاتھ میں تمام اختیارات ہیں، رات دن بھی میں ہی پھیرتا ہوں۔“ (البخاری، تفسیر سورۃ الجاثیۃ، مسلم، کتاب الألفاظ من الأدب، باب النهی عن سب الدہر)

باب النهی عن سب الدہر

اَتَوَابًا لِّمَا اَنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿٥٠﴾

تلاوت کی جاتی ہے، تو ان کے پاس اس قول کے سوا کوئی دلیل نہیں ہوتی کہ اگر تم سچے ہو تو ہمارے باپ دادوں کو لاؤ۔^(۱) (۲۵)

قُلِ اللّٰهُ يُحْيِيْكُمْ ثُمَّ يُمَيِّتُكُمْ ثُمَّ يَجْمَعُكُمْ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ لَا رَيْبَ فِيْهِ وَلٰكِنْ اَكْثَرُ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿٥١﴾

آپ کہہ دیجئے! اللہ ہی تمہیں زندہ کرتا ہے پھر تمہیں مار ڈالتا ہے پھر تمہیں قیامت کے دن جمع کرے گا جس میں کوئی شک نہیں لیکن اکثر لوگ نہیں سمجھتے۔ (۲۶)

وَلَهُ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَيَوْمَ تَقُومُ السَّاعَةُ يُنْفِخُهُمُ الْمُبْتَطَوْنَ ﴿٥٢﴾

اور آسمانوں اور زمین کی بادشاہی اللہ ہی کی ہے اور جس دن قیامت قائم ہوگی اس دن اہل باطل بڑے نقصان میں پڑیں گے۔ (۲۷)

وَتَرٰى كُلَّ اُمَّةٍ جٰئِيَةً تَدْعُوْا اِلٰهَ تَدْعُوْا اِلٰى كُيُومِهِمْ يُخْرَجُوْنَ مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿٥٣﴾

اور آپ دیکھیں گے کہ ہر امت گھٹنوں کے بل گری ہوئی ہوگی۔^(۲) ہر گروہ اپنے نامہ اعمال کی طرف بلایا جائے گا، آج تمہیں اپنے کیے کا بدلہ دیا جائے گا۔ (۲۸)

هٰذَا كَيْفَ نَبَيِّنُ لَكُمْ بِالْحَقِّ اِذَا كُنَّا تُنٰزِعِيْنَ مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿٥٤﴾

یہ ہے ہماری کتاب جو تمہارے بارے میں سچ سچ بول رہی ہے،^(۳) ہم تمہارے اعمال لکھواتے جاتے تھے۔ (۲۹)

فَاَمَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فَبِذٰلِكَ لَهُمْ رِزْقُهُمْ

پس لیکن جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک کام^(۵)

(۱) یہ ان کی سب سے بڑی دلیل ہے جو ان کی کٹ جتنی کا منظر ہے۔

(۲) ظاہر آیت سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ ہر گروہ ہی (چاہے وہ انبیاء کے پیروکار ہوں یا ان کے مخالفین) خوف و دہشت کے مارے گھٹنوں کے بل بیٹھے ہوں گے (فتح القدیر) تا آنکہ سب کو حساب کتاب کے لیے بلایا جائے گا، جیسا کہ آیت کے اگلے حصے سے واضح ہے۔

(۳) اس کتاب سے مراد وہ رجسٹر ہیں جن میں انسان کے تمام اعمال درج ہوں گے۔ ﴿ وَذُكِّرَ الْكِتٰبُ وَجَآئِیْ بِالْبَیِّنٰتِ وَالشَّهَادٰتِ ﴾ (الزمر: ۶۹) ”اعمال نامے سامنے لائے جائیں گے، نبیوں اور شہداء کو گواہی کے لیے پیش کیا جائے گا۔“ یہ اعمال نامے انسانی زندگی کے ایسے مکمل ریکارڈ ہوں گے کہ جن میں کسی قسم کی کمی بیشی نہیں ہوگی۔ انسان ان کو دیکھ کر پکاراٹھے گا۔ ﴿ مَا لَ هٰذَا الْكِتٰبِ اِلَّا عَدَدٌ صٰغِيْرَةٌ وَّلَا كِبٰیةٌ اِلَّا اَخْصٰہَا ﴾ (الکہف: ۴۹) ”یہ کیسا اعمال نامہ ہے جس نے چھوٹی بڑی چیز کسی کو بھی نہیں چھوڑا، سب کچھ ہی تو اس میں درج ہے۔“

(۴) یعنی ہمارے علم کے علاوہ، فرشتے بھی ہمارے حکم سے ہماری ہر چیز نوٹ کرتے اور محفوظ رکھتے تھے۔

(۵) یہاں بھی ایمان کے ساتھ عمل صالح کا ذکر کر کے اس کی اہمیت واضح کر دی اور عمل صالح وہ اعمال خیر ہیں جو سنت

فِي رَحْمَتِهِ ذَلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْمُبِينُ ③

وَأَمَّا الَّذِينَ كَفَرُوا فَهُمْ أَكْفَرُ مِمَّنْ كَانُوا تَتْلُو عَلَيْهِمْ

فَاسْتَكْبَرُوا وَكُنْتُمْ قَوْمًا تُجْرِمُونَ ④

وَإِذْ قِيلَ إِنَّ وَعْدَ اللَّهِ حَقٌّ وَالسَّاعَةُ لَارِيبٌ فِيهَا فَلْتُمْ

مُتَنَبِّئِينَ مَا السَّاعَةُ إِنْ تَعْلَمُونَ إِلَّا كَمَا تَعْلَمُونَ

بِمُسْتَقْيَيْنَ ⑤

وَبَدَأَ لَهُمْ فِيهَا مَا عَمِلُوا وَأَخَافُ لَكُمْ مَا كَانُوا بِهٖ

يَسْتَهْزِءُونَ ⑥

وَقِيلَ الْيَوْمَ نَنفِثُكُمْ مِمَّا تَابْتِهَتْ لِقَاءَ رَبِّكُمْ هَذَا وَمِمَّا كُنْتُمْ

النَّارَ وَمِمَّا كُنْتُمْ فِيهَا ⑦

کیے تو ان کو ان کا رب اپنی رحمت تلے لے لے گا،^(۱) یہی صریح کامیابی ہے۔ (۳۰)

لیکن جن لوگوں نے کفر کیا تو (میں ان سے کہوں گا) کیا میری آیتیں تمہیں سنائی نہیں جاتی تھیں؟^(۲) پھر بھی تم تکبر کرتے رہے اور تم تھے ہی گنہ گار لوگ۔^(۳) (۳۱)

اور جب کبھی کہا جاتا کہ اللہ کا وعدہ یقیناً سچا ہے اور قیامت کے آنے میں کوئی شک نہیں تو تم جواب دیتے تھے کہ ہم نہیں جانتے قیامت کیا چیز ہے؟ ہمیں کچھ یوں ہی سا خیال ہو جاتا ہے لیکن ہمیں یقین نہیں۔^(۴) (۳۲)

اور ان پر اپنے اعمال کی برائیاں کھل گئیں اور جس کا وہ مذاق اڑا رہے تھے اس نے انہیں گھیر لیا۔^(۵) (۳۳)

اور کہہ دیا گیا کہ آج ہم تمہیں بھلا دیں گے جیسے کہ تم نے اپنے اس دن سے ملنے کو^(۶) بھلا دیا تھا تمہارا ٹھکانا

کے مطابق ادا کیے جائیں نہ کہ ہر وہ عمل جسے انسان اپنے طور پر اچھا سمجھ لے اور اسے نہایت اہتمام اور ذوق و شوق کے ساتھ کرے جیسے بہت سی بدعات مذہبی حلقوں میں رائج ہیں اور جو ان حلقوں میں فرائض و واجبات سے بھی زیادہ اہمیت رکھتی ہیں۔ اسی لیے فرائض و سنن کا ترک تو ان کے ہاں عام ہے لیکن بدعات کا ایسا التزام ہے کہ اس میں کسی قسم کی کوتاہی کا تصور ہی نہیں ہے۔ حالاں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بدعات کو شرالامور (بدترین کام) قرار دیا ہے۔

(۱) رحمت سے مراد جنت ہے، یعنی جنت میں داخل فرمائے گا، جیسے حدیث میں ہے اللہ تعالیٰ جنت سے فرمائے گا اَنْتَ رَحْمَتِي اَرْحَمُ بِكَ مِنْ اَنْشَاءُ (صحیح بخاری، تفسیر سورۃ ق) ”تو میری رحمت ہے تیرے ذریعے سے (یعنی تجھ میں داخل کر کے) میں جس پر چاہوں گا رحم کروں گا۔“

(۲) یہ بطور تنبیہ کے ان سے کہا جائے گا، کیوں کہ رسول ان کے پاس آئے تھے، انہوں نے اللہ کے احکام انہیں سنائے تھے، لیکن انہوں نے پرواہی نہیں کی تھی۔

(۳) یعنی حق کے قبول کرنے سے تم نے تکبر کیا اور ایمان نہیں لائے، بلکہ تم تھے ہی گنہ گار۔

(۴) یعنی قیامت کا وقوع، محض ظن و تخمین ہے۔ ہمیں تو یقین نہیں کہ یہ واقعی ہوگی۔

(۵) یعنی قیامت کا عذاب جسے وہ مذاق یعنی انہوں نے سمجھتے تھے، اس میں وہ گرفتار ہوں گے۔

(۶) جیسے حدیث میں آتا ہے۔ اللہ اپنے بعض بندوں سے کہے گا ”کیا میں نے تجھے بیوی نہیں دی تھی؟ کیا میں نے تیرا

جنم ہے اور تمہارا مددگار کوئی نہیں۔ (۳۴)

یہ اس لیے ہے کہ تم نے اللہ تعالیٰ کی آیتوں کی ہنسی اڑائی تھی اور دنیا کی زندگی نے تمہیں دھوکے میں ڈال رکھا تھا، پس آج کے دن نہ تو یہ (دوزخ) سے نکالے جائیں گے اور نہ ان سے عذر و معذرت قبول کیا جائے گا۔^(۱) (۳۵)

پس اللہ کی تعریف ہے جو آسمانوں اور زمین اور تمام جہان کا پالنہار ہے۔ (۳۶)

تمام (بزرگی اور) بڑائی آسمانوں اور زمین میں اسی کی^(۲) ہے اور وہی غالب اور حکمت والا ہے۔ (۳۷)

ذَلِكُمْ يَأْتِيَنَّكُمْ انْخَضِرُوا إِلَيْهِ اللَّهُ هُزُوا وَعَرَّيْنَاكَمُ الْحَيَاةَ الدُّنْيَا
قَالُوا لَا تَعْجُوْن وَمَنَا وَالْهُمْ يَسْتَعْجِلُوْنَ ﴿۳۵﴾

قُلْ لِلَّهِ الْمُلْكُ وَلِلَّهِ السُّلُوْبُ وَرَبِّ الْأَرْضِ رَبُّ الْعَالَمِيْنَ ﴿۳۶﴾

وَلَهُ الْكِبَرُ بِأَفْزَى السُّلُوْبِ وَالْأَرْضِ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ﴿۳۷﴾

اکرام نہیں کیا تھا؟ کیا میں نے گھوڑے اور بیل وغیرہ تیری ماتحتی میں نہیں دیے تھے؟ تو سرداری بھی کرتا اور چنگی بھی وصول کرتا رہا۔ وہ کہے گا ہاں یہ تو ٹھیک ہے میرے رب! اللہ تعالیٰ اس سے پوچھے گا 'کیا تجھے میری ملاقات کا یقین تھا؟ وہ کہے گا، نہیں۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا۔ 'فَالْيَوْمَ أَنسَاكَ كَمَا نَسِيتَنِي' پس آج میں بھی (تجھے) جنم میں ڈال کر) بھول جاؤں گا جیسے تو مجھے بھولے رہا۔' (صحیح مسلم، کتاب الزہد)

(۱) یعنی اللہ کی آیات و احکام کا استہزا اور دنیا کے فریب و غرور میں مبتلا رہنا، یہ دو جرم ایسے ہیں جنہوں نے تمہیں عذاب جنم کا مستحق بنا دیا، اب اس سے نکلنے کا امکان ہے اور نہ اس بات کی ہی امید کہ کسی موقع پر تمہیں توبہ اور رجوع کا موقعہ دے دیا جائے، اور تم توبہ و معذرت کر کے اللہ کو ماننا۔ لَا يُسْتَعْتَبُونَ أَنِّي لَا يُسْتَرْضَوْنَ وَلَا يُطْلَبُ مِنْهُمْ الرُّجُوعُ إِلَى طَاعَةِ اللَّهِ، لَأَنَّهُ يَوْمَ لَا تُقْبَلُ فِيهِ تَوْبَةٌ وَلَا تَنْفَعُ فِيهِ مَعْذَرَةٌ. (فتح القدیر)

(۲) جیسے حدیث قدسی میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: «الْعَظَمَةُ إِزَارَتِي وَالْكَبْرِيَاءُ رِدَائِي، فَمَنْ نَازَعَنِي وَاحِدًا مِنْهُمَا أَسْكَنَتْهُ نَارِي». (صحیح مسلم، کتاب البر، باب تحریم الکبر)

سورہ احقاف کی ہے اور اس میں پینتیس آیتیں ہیں اور چار کوع ہیں۔

شروع کرتا ہوں اللہ تعالیٰ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے۔

حم! (۱) اس کتاب کا اتارنا اللہ تعالیٰ غالب حکمت والے کی طرف سے ہے۔ (۲)

ہم نے آسمانوں اور زمین اور ان دونوں کے درمیان کی تمام چیزوں کو بہترین تدبیر کے ساتھ ہی ایک مدت معین کے لیے پیدا کیا ہے، (۲) اور کافر لوگ جس چیز سے ڈرائے جاتے ہیں منہ موڑ لیتے ہیں۔ (۳)

آپ کہہ دیجئے! بھلا دیکھو تو جنہیں تم اللہ کے سوا پکارتے ہو مجھے بھی تو دکھاؤ کہ انہوں نے زمین کا کون سا ٹکڑا بنایا ہے یا آسمانوں میں ان کا کون سا حصہ ہے؟ (۳) اگر تم سچے ہو تو اس سے پہلے ہی کی کوئی کتاب یا کوئی علم



بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

حم ①

تَنْزِيلُ الْكِتَابِ مِنَ اللَّهِ الْعَزِيزِ الْحَكِيمِ ①

مَا خَلَقْنَا السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا إِلَّا لَأُولَئِكَ وَلِجَلِّ

مُسْئِي وَالَّذِينَ كَفَرُوا عَمَّا أَتَيْنَا وَمُعْرِضُونَ ②

قُلْ أَرَأَيْتُمْ مَا تَدْعُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ أَرُونِي مَاذَا خَلَقُوا

مِنَ الْأَرْضِ أَمْ لَهُمْ شِرْكٌ فِي السَّمَوَاتِ لِيُؤْتِيَنَّهُنَّ بَرَكَاتٍ

مِّنْ قَبْلِ هَذَا أَوْ أَشْرَاقٌ مِّنْ عِندِنَا لَكُمْ صُدُوقٌ ③

(۱) یہ فَوَاتِحُ سُورَاتِ ان تشابہات میں سے ہیں جن کا علم صرف اللہ کو ہے، اس لیے ان کے معانی و مطالب میں پڑنے کی ضرورت نہیں ہے۔ تاہم ان کے دو فائدے بعض مفسرین نے بیان کیے ہیں، جنہیں ہم صفحہ ۱۱۴۲ پر بیان کر آئے ہیں۔

(۲) یعنی آسمان و زمین کی پیدائش کا ایک خاص مقصد بھی ہے اور وہ ہے انسانوں کی آزمائش۔ دوسرا، اس کے لیے ایک وقت بھی مقرر ہے۔ جب وہ وقت موعود آجائے گا تو آسمان و زمین کا یہ موجودہ نظام سارا بکھر جائے گا۔ نہ آسمان، یہ آسمان ہو گا نہ زمین، یہ زمین ہو گی۔ ﴿يَوْمَ يُبَدِّلُ الْأَرْضَ غَيْرَ الْأَرْضِ وَالسَّمَوَاتِ﴾ (سورہ ابراہیم: ۴۸)

(۳) یعنی عدم ایمان کی صورت میں بعثت، حساب اور جزا سے جو انہیں ڈرایا جاتا ہے، وہ اس کی پروا ہی نہیں کرتے، اس پر ایمان لاتے ہیں، نہ عذاب اخروی سے بچنے کی تیاری کرتے ہیں۔

(۴) أَرَأَيْتُمْ بمعنی أَخْبِرُونِي یا أَذْهَبِي یعنی اللہ کو چھوڑ کر جن بتوں یا شخصیات کی تم عبادت کرتے ہو، مجھے بتلاؤ یا دکھاؤ کہ انہوں نے زمین و آسمان کی پیدائش میں کیا حصہ لیا ہے؟ مطلب یہ ہے کہ جب آسمان و زمین کی پیدائش میں بھی ان کا کوئی حصہ نہیں ہے بلکہ مکمل طور پر ان سب کا خالق صرف ایک اللہ ہے تو پھر تم ان غیر حق معبودوں کو اللہ کی عبادت میں کیوں شریک کرتے ہو؟

ہی جو نقل کیا جاتا ہو، میرے پاس لاؤ۔^(۱)

اور اس سے بڑھ کر گمراہ اور کون ہو گا؟ جو اللہ کے سوا ایسوں کو پکارتا ہے جو قیامت تک اسکی دعا قبول نہ کر سکیں بلکہ ان کے پکارنے سے محض بے خبر ہوں۔^(۲)

اور جب لوگوں کو جمع کیا جائے گا تو یہ ان کے دشمن ہو جائیں گے اور ان کی پرستش سے صاف انکار کر جائیں گے۔^(۳)

اور انہیں جب ہماری واضح آیتیں پڑھ کر سنائی جاتی ہیں تو منکر لوگ سچی بات کو جب کہ ان کے پاس آچکی، کہہ دیتے ہیں کہ یہ تو صریح جادو ہے۔^(۴)

وَمَنْ أَضَلُّ مِمَّنْ يَدْعُوا مِنْ دُونِ اللَّهِ مَنْ لَا يَسْتَجِيبُ لَهُمْ دُعَاؤُهُمْ وَيَتَّبِعُونَ غِيظَهُمْ ۖ

وَلَا خَيْرَ لِلنَّاسِ بِمَا كَانُوا يَعْبَادُونَ ۖ

وَإِذْ أَسْأَلُ عَلَيْهِمْ أَلَيْسَ بَيْنِي وَبَيْنَهُمُ الْبَرْزَخُ ۖ

لَتَجَاءَنَّاهُمْ هَذَا يَوْمَئِذٍ ۖ

(۱) یعنی کسی نبی پر نازل شدہ کتاب میں یا کسی منقول روایت میں یہ بات لکھی ہو تو وہ لاکر دکھاؤ تاکہ تمہاری صداقت واضح ہو سکے۔ بعض نے اَنَاءَةِ مِّنْ عِلْمٍ کے معنی واضح علمی دلیل کے کئے ہیں، اس صورت میں کتاب سے نقلی دلیل اور اَنَاءَةِ مِّنْ عِلْمٍ سے عقلی دلیل مراد ہوگی۔ یعنی کوئی عقلی اور نقلی دلیل پیش کرو۔ پہلے معنی اس کے اثر سے ماخوذ ہونے کی بنیاد پر روایت کے کیے گئے ہیں یا بَقِيَّةٍ مِّنْ عِلْمٍ پہلے انبیاء علیہم السلام کی تعلیمات کا باقی ماندہ حصہ جو قابل اعتماد ذریعے سے نقل ہوتا آیا ہو، اس میں یہ بات ہو۔

(۲) یعنی یہی سب سے بڑے گمراہ ہیں جو پتھری کی مورتیوں کو یا فوت شدہ اشخاص کو مدد کے لیے پکارتے ہیں جو قیامت تک جواب دینے سے قاصر ہیں۔ اور قاصر ہی نہیں، بلکہ بالکل بے خبر ہیں۔

(۳) یہ مضمون قرآن کریم میں متعدد مقامات پر بیان کیا گیا ہے۔ مثلاً سورۃ یونس ۲۹۰۔ سورۃ مریم ۸۱۔ ۸۲۔ سورۃ عنکبوت ۲۵، وغیرہ اہل الکتاب۔ دنیا میں ان معبودوں کی دو قسمیں ہیں۔ ایک تو غیر ذی روح جہادات و نباتات اور مظاہر قدرت (سورج، آگ وغیرہ) ہیں، اللہ تعالیٰ ان کو زندگی اور قوت گویائی عطا فرمائے گا، اور یہ چیزیں بول کر بتلائیں گی کہ ہمیں قطعاً اس بات کا علم نہیں ہے کہ یہ ہماری عبادت کرتے اور ہمیں تیری خدا کی میں شریک گردانتے تھے۔ بعض کہتے ہیں کہ زبان قال سے نہیں، زبان حال سے وہ اپنے جذبات کا اظہار کریں گی۔ واللہ اعلم۔ معبودوں کی دوسری قسم وہ ہے جو انبیاء علیہم السلام، ملائکہ اور صالحین میں سے ہیں۔ جیسے عیسیٰ، حضرت عزیر علیہما السلام اور دیگر عباد اللہ الصالحین ہیں، یہ اللہ کی بارگاہ میں اسی طرح کا جواب دیں گے جیسے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا جواب قرآن کریم میں منقول ہے۔ علاوہ ازیں شیطان بھی انکار کریں گے۔ جیسے قرآن میں ان کا قول نقل کیا گیا ہے۔ ﴿تَبٰرَكَ الَّذِي مَخْلَقَ الْمَاءَ اَلَا يَعْصِدُونَ﴾ (القصص۔ ۷۳) ”ہم تیرے سامنے (اپنے عابدین سے) اظہار براءت کرتے ہیں، یہ ہماری عبادت نہیں کرتے تھے۔“

کیا وہ کہتے ہیں کہ اسے تو اس نے خود گھڑ لیا ^(۱) ہے آپ کہہ دیجئے! کہ اگر میں ہی اسے بنالایا ہوں تو تم میرے لیے اللہ کی طرف سے کسی چیز کا اختیار نہیں رکھتے، ^(۲) تم اس (قرآن) کے بارے میں جو کچھ کہہ سن رہے ہو اسے اللہ خوب جانتا ہے، ^(۳) میرے اور تمہارے درمیان گواہی کے لیے وہی کافی ہے، ^(۴) اور وہ بخشنے والا مہربان ہے۔ ^(۵) (۸)

آپ کہہ دیجئے! کہ میں کوئی بالکل انوکھا پیغمبر تو نہیں ^(۶) نہ مجھے یہ معلوم ہے کہ میرے ساتھ اور تمہارے ساتھ کیا کیا جائے گا۔ ^(۷) میں تو صرف اسی کی پیروی کرتا ہوں جو میری طرف وحی بھیجی جاتی ہے اور میں تو صرف علی

أَمْ يَقُولُونَ افْتَرَيْنَاهُ قُلْ إِن افْتَرَيْتُهُ فَلَا تَمْلِكُونَ
لِي مِنَ اللَّهِ شَيْئًا هُوَ أَعْلَمُ بِمَا تُفِيضُونَ فِيهِ كَلَّا بَلْ
شَهِدْنَا ابْنَنِي وَبَيْنَكُمْ وَهُوَ الْغَفُورُ الرَّحِيمُ ①

قُلْ مَا كُنْتُ بِدْعًا مِّنَ الرُّسُلِ وَمَا أَدْرِي مَا يُفْعَلُ بِي وَلَا بِيَوْمِ
إِن آتَيْتُمُ الْإِمْلَاقَ مَعِيَ الْإِنِّ وَمَا أَنَا إِلَّا نَذِيرٌ مُّبِينٌ ②

- (۱) اس حق سے مراد جو ان کے پاس آیا، قرآن کریم ہے، اس کے اعجاز اور قوت تاثیر کو دیکھ کر وہ اسے جادو سے تعبیر کرتے، پھر اس سے بھی انحراف کر کے یا اس سے بھی بات نہ بنتی تو کہتے کہ یہ تو محمد (ﷺ) کا اپنا گھڑا ہوا کلام ہے۔
- (۲) یعنی اگر تمہاری یہ بات صحیح ہو کہ میں اللہ کا بنایا ہوا رسول نہیں ہوں اور یہ کلام بھی میرا اپنا گھڑا ہوا ہے، پھر تو یقیناً میں بڑا مجرم ہوں، اللہ تعالیٰ اتنے بڑے جھوٹ پر مجھے پکڑے بغیر تو نہیں چھوڑے گا۔ اور اگر ایسی کوئی گرفت ہوئی تو پھر سمجھ لینا کہ میں جھوٹا ہوں اور میری کوئی مدد بھی مت کرنا۔ بلکہ ایسی حالت میں مجھے مؤاخذہ الہی سے بچانے کا تمہیں کوئی اختیار ہی نہیں ہو گا۔ اسی مضمون کو دوسرے مقام پر اس طرح بیان فرمایا گیا ہے ﴿وَلَوْ تَقَوَّلَ عَلَيْنَا بَعْضُ الْأَقَاوِيلِ * لَكَحْذُلًا مِّنْهُ يَا يٰبِسُ مِّنْهُ أَلْوَيْتَنَ * فَمَا وَهَنُوا لِمُؤْمِنٍ أٰحَدٍ عَنْهُمْ حٰزِبِينَ﴾ (الحاقة ۷۳-۷۴)
- (۳) یعنی جس جس انداز سے بھی تم قرآن کی تکذیب کرتے ہو، کبھی اسے جادو، کبھی کمانت اور کبھی گھڑا ہوا کہتے ہو۔ اللہ اسے خوب جانتا ہے۔ یعنی وہی تمہاری ان مذموم حرکتوں کا تمہیں بدلہ دے گا۔
- (۴) وہ اس بات کی گواہی کے لیے کافی ہے کہ یہ قرآن اسی کی طرف سے نازل ہوا ہے اور وہی تمہاری تکذیب و مخالفت کا بھی گواہ ہے۔ اس میں بھی ان کے لیے سخت وعید ہے۔
- (۵) اس کے لیے جو توبہ کر لے، ایمان لے آئے اور قرآن کو اللہ تعالیٰ کا سچا کلام مان لے۔ مطلب ہے کہ ابھی بھی وقت ہے کہ توبہ کر کے اللہ کی مغفرت و رحمت کے مستحق بن جاؤ۔
- (۶) یعنی پہلا اور انوکھا رسول تو نہیں ہوں، بلکہ مجھ سے پہلے بھی متعدد رسول آچکے ہیں۔
- (۷) یعنی دنیا میں۔ میں مکے میں ہی رہوں گایا یہاں سے نکلنے پر مجھے مجبور ہونا پڑے گا۔ مجھے موت طبعی آئے گی یا تمہارے ہاتھوں میرا قتل ہو گا؟ تم جلد ہی سزا سے دوچار ہو گے یا لمبی مہلت تمہیں دی جائے گی؟ ان تمام باتوں کا علم صرف اللہ کو ہے،

الاعلان آگاہ کر دینے والا ہوں۔ (۹)

آپ کہہ دیجئے! اگر یہ (قرآن) اللہ ہی کی طرف سے ہو اور تم نے اسے نہ مانا ہو اور بنی اسرائیل کا ایک گواہ اس جیسی کی گواہی بھی دے چکا ہو اور وہ ایمان بھی لا چکا ہو اور تم نے سرکشی کی ہو،^(۱) تو بیشک اللہ تعالیٰ ظالموں کو راہ نہیں دکھاتا۔ (۱۰)

اور کافروں نے ایمان داروں کی نسبت کہا کہ اگر یہ (دین) بہتر ہو تا تو یہ لوگ اس کی طرف ہم سے سبقت کرنے نہ پاتے، اور چونکہ انہوں نے اس قرآن سے ہدایت نہیں پائی پس یہ کہہ دیں گے کہ قدیمی جھوٹ ہے۔^(۲) (۱۱)

قُلْ أَنتُمْ إِن كَان مِن عِنْدِ اللَّهِ وَكَفَرْتُم بِهِ وَشَهِدَ شَهِدٌ مِّن بَنِي إِسْرَآئِيلَ عَلَى مِثْلِهِ قَامَنَ وَاسْتَكْبَرْتُمْ أَنَّ اللَّهَ لَأَنْهِيذِي الْقَوْمَ الظَّالِمِينَ ۝

وَقَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا لِلَّذِينَ آمَنُوا لَوْ كَانَ خَيْرًا مَّا سَبَقُونَا إِلَيْهِ وَإِذْ لَمْ يَهْتَدُوا بِهِ سَبِقُوا لِقَوْمِهِمْ هَذَا أَفَنُكِّدُهُ ۝

مجھے نہیں معلوم کہ میرے ساتھ یا تمہارے ساتھ کل کیا ہو گا؟ تاہم آخرت کے بارے میں یقینی علم ہے کہ اہل ایمان جنت میں اور کافر جہنم میں جائیں گے۔ اور حدیث میں جو آتا ہے کہ نبی ﷺ نے بعض صحابہ رضی اللہ عنہم کی وفات پر جب ان کے بارے میں حسن ظن کا اظہار کیا تو فرمایا «وَاللَّهِ مَا أَدْرِي - وَأَنَا رَسُولُ اللَّهِ - مَا يُفْعَلُ بِنِي وَلَا بِكُمْ» (صحیح بخاری، مناقب الأنصار، باب مقدم النبی وأصحابہ المدینۃ، ”اللہ کی قسم، مجھے اللہ کا رسول ہونے کے باوجود علم نہیں کہ قیامت کو میرے اور تمہارے ساتھ کیا کیا جائے گا؟“ اس سے کسی ایک معین شخص کے قطعی انجام کے علم کی نفی ہے۔ الایہ کہ ان کی بابت بھی نص موجود ہو۔ جیسے عشرہ مبشرہ اور اصحاب بدر وغیرہ۔

(۱) اس شاہد بنی اسرائیل سے کون مراد ہے؟ بعض کہتے ہیں کہ یہ بطور جنس کے ہے۔ بنی اسرائیل میں سے ہر ایمان لانے والا اس کا مصداق ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ مکے میں رہنے والا کوئی بنی اسرائیلی مراد ہے، کیونکہ یہ سورت مکے ہی ہے۔ بعض کے نزدیک اس سے مراد عبد اللہ بن سلام ہیں اور وہ اس آیت کو مدنی قرار دیتے ہیں۔ صحیحین کی روایت سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے (صحیح بخاری، مناقب الأنصار، باب مناقب عبد اللہ بن سلام۔ مسلم، فضائل الصحابہ، اسی لیے امام شوکانی نے اسی رائے کو ترجیح دی ہے۔ علیٰ مِثْلِهِ (اسی جیسی کتاب کی گواہی) کا مطلب ہے تورات کی گواہی جو قرآن کے منزل من اللہ ہونے کو مستلزم ہے۔ کیونکہ قرآن بھی توحید و معاد کے اثبات میں تورات ہی کی مثل ہے۔ مطلب یہ ہے کہ اہل کتاب کی گواہی اور ان کے ایمان لانے کے بعد اس کے منزل من اللہ ہونے میں کوئی شک نہیں رہ جاتا ہے۔ اس لیے اس کے بعد تمہارے انکار و استکبار کا بھی کوئی جواز نہیں ہے۔ تمہیں اپنے اس رویے کا انجام سوچ لینا چاہیئے۔

(۲) کفار مکہ، حضرت بلال، عمار، صہیب اور خباب رضی اللہ عنہم جیسے مسلمانوں کو، جو غریب و قلاش قسم کے لوگ تھے،

اور اس سے پہلے موسیٰ کی کتاب پیشوا اور رحمت تھی۔ اور یہ کتاب ہے تصدیق کرنے والی عربی زبان میں تاکہ ظالموں کو ڈرائے اور نیک کاروں کو بشارت ہو۔ (۱۲)

بیشک جن لوگوں نے کہا کہ ہمارا رب اللہ ہے پھر اس پر جسے رہے تو ان پر نہ تو کوئی خوف ہو گا اور نہ غمگین ہوں گے۔ (۱۳)

یہ تو اہل جنت ہیں جو سدا اسی میں رہیں گے، ان اعمال کے بدلے جو وہ کیا کرتے تھے۔ (۱۴)

اور ہم نے انسان کو اپنے ماں باپ کے ساتھ حسن سلوک کرنے کا حکم دیا ہے، اس کی ماں نے اسے تکلیف جمیل کر پیٹ میں رکھا اور تکلیف برداشت کر کے اسے جنا۔^(۱) اس

وَمِنْ قَبْلِهِ كَتَبَ مُوسَىٰ إِمَامًا وَرَحْمَةً وَهَذَا كِتَابٌ مُّصَدِّقٌ لِّسَانِكَ رَبِّ الْكَافِرِينَ كَلِمَاتُ الْوَيْسِيِّ لِلْمُحْسِنِينَ ۝

إِنَّ الَّذِينَ قَالُوا رَبُّنَا اللَّهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوا فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ ۝

أُولَٰئِكَ أَصْحَابُ الْجَنَّةِ خَالِدِينَ فِيهَا بِمَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ۝

وَوَصَّيْنَا الْإِنْسَانَ بِوَالِدَيْهِ إِحْسَانًا حَمَلَتْهُ أُمُّهُ كُرْهًا وَوَضَعَتْهُ كُرْهًا وَحَمْلُهُ وَفِطْلُهُ ثَلَاثُونَ شَهْرًا حَتَّىٰ إِذَا بَلَغَ

لیکن اسلام قبول کرنے میں انہیں سابقیت کا شرف حاصل ہوا، دیکھ کر کہتے کہ اگر اس دین میں بہتری ہوتی تو ہم جیسے ذی عزت و ذی مرتبہ لوگ سب سے پہلے اسے قبول کرتے نہ کہ یہ لوگ پہلے ایمان لاتے۔ یعنی اپنے طور پر انہوں نے اپنی بات یہ فرض کر لیا کہ اللہ کے ہاں ان کا بڑا مقام ہے، اس لیے اگر یہ دین بھی اللہ کی طرف سے ہوتا تو اللہ تعالیٰ ہمیں اس کے قبول کرنے میں پیچھے نہ چھوڑتا، اور جب ہم نے اسے نہیں اپنایا تو اس کا مطلب یہ ہے کہ یہ ایک پرانا جھوٹ ہے۔ یعنی قرآن کو انہوں نے پرانا جھوٹ قرار دیا ہے۔ جیسے وہ اسے اَسَاطِيرُ الْأَوَّلِينَ بھی کہتے تھے، حالانکہ دنیوی مال و دولت میں ممتاز ہونا، عند اللہ مقبولیت کی دلیل نہیں۔ (جیسے ان کو مغالطہ ہوا یا شیطان نے مغالطے میں ڈالا) عند اللہ مقبولیت کے لیے تو ایمان و اخلاص کی ضرورت ہے۔ اور اس دولت ایمان و اخلاص سے وہ جس کو چاہتا ہے، نوازتا ہے، جیسے وہ مال و دولت آزمائش کے طور پر جس کو چاہتا ہے، دیتا ہے۔

(۱) اس مشقت و تکلیف کا ذکر، والدین کے ساتھ حسن سلوک کے حکم میں مزید تاکید کے لیے ہے۔ جس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ ماں، اس حکم احسان میں، باپ سے مقدم ہے، کیونکہ نو ماہ تک مسلسل حمل کی تکلیف اور پھر زچگی (وضع حمل) کی تکلیف، صرف تنہا ماں ہی اٹھاتی ہے، باپ کی اس میں شرکت نہیں۔ اسی لیے حدیث میں بھی ماں کے ساتھ حسن سلوک کو اولیت دی گئی ہے اور باپ کا درجہ اس کے بعد بتلایا گیا ہے۔ ایک صحابی رضی اللہ عنہ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا میرے حسن سلوک کا سب سے زیادہ مستحق کون ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا تمہاری ماں، اس نے پھر یہی پوچھا، آپ ﷺ نے یہی جواب دیا، تیسری مرتبہ بھی یہی جواب دیا۔ چوتھی مرتبہ پوچھنے پر آپ ﷺ نے فرمایا، پھر تمہارا باپ (صحیح مسلم، کتاب البر والصلۃ، باب اول)

کے حمل کا اور اس کے دودھ چھڑانے کا زمانہ تیس مہینے کا ہے۔^(۱) یہاں تک کہ جب وہ اپنی پختگی اور چالیس سال کی عمر کو پہنچا^(۲) تو کہنے لگا اے میرے پروردگار! مجھے توفیق دے^(۳) کہ میں تیری اس نعمت کا شکر بجالاؤں جو تو نے مجھ پر اور میرے ماں باپ پر انعام کی ہے اور یہ کہ میں ایسے نیک عمل کروں جن سے تو خوش ہو جائے اور تو میری اولاد بھی صالح بنا۔ میں تیری طرف رجوع کرتا ہوں اور میں مسلمانوں میں سے ہوں۔ (۱۵)

یہی وہ لوگ ہیں جن کے نیک اعمال تو ہم قبول فرما لیتے ہیں اور جن کے بد اعمال سے درگزر کر لیتے ہیں؛ (یہ) جنتی لوگوں میں ہیں۔ اس سچے وعدے کے مطابق جو ان سے کیا جاتا تھا۔ (۱۶)

اور جس نے اپنے ماں باپ سے کہا کہ تم سے میں تنگ آگیا،^(۴) تم مجھ سے یہی کہتے رہو گے کہ میں مرنے کے

أَشَدُّهُ وَلَمْ أَرَيْعِينَ سَنَةً قَالَ رَبِّ أَوْزِعْنِي أَنْ أَشْكُرَ نِعْمَتَكَ الَّتِي أَنْعَمْتَ عَلَيَّ وَعَلَىٰ وَالِدَيَّ وَأَنْ أَعْمَلَ صَالِحًا تَرْضَاهُ وَأَصْلِحْ لِي فِي دِينِي لِإِنِّي بُنْتُ إِلَيْكَ وَلَاقِي مِنَ الْمُسْلِمِينَ ۝۱۵

أُولَٰئِكَ الَّذِينَ تَتَّبِعُ عَنْهُمْ أَحْسَنُ مَا عَمِلُوا وَتَتَجَاوَزُ عَنْ سَيِّئَاتِهِمْ فِي أَصْحَابِ الْجَنَّةِ وَعَدَ الصَّادِقُ الَّذِينَ كَانُوا يُوعَدُونَ ۝۱۶

وَالَّذِي قَالَ لِلْوَالِدَيْنِ إِقْبِلَا بِنِي لَكُمْ أَتَعِدُنِي أَنْ أُخْرَجَ وَقَدْ خَلَيْتِ

(۱) فَصَالُّ کے معنی 'دودھ چھڑانا ہیں۔ اس سے بعض صحابہ رضی اللہ عنہم نے استدلال کیا ہے کہ کم از کم مدت حمل چھ مہینے یعنی چھ مہینے کے بعد اگر کسی عورت کے ہاں بچہ پیدا ہو جائے تو وہ بچہ حلال ہی کا ہوگا، حرام کا نہیں۔ اس لیے کہ قرآن نے مدت رضاعت دو سال (۲۴ مہینے) بتلائی ہے (سورہ لقمان، ۱۴، سورہ بقرہ، ۲۳۳) اس حساب سے مدت حمل صرف چھ مہینے ہی باقی رہ جاتی ہے۔

(۲) کمال قدرت (أَشَدُّهُ) کے زمانے سے مراد جوانی ہے، بعض نے اسے ۱۸ سال سے تعبیر کیا ہے، حتیٰ کہ بھر بڑھتے بڑھتے چالیس سال کی عمر کو پہنچ گیا۔ یہ عمر کو قوائے عقل کے مکمل بلوغ کی عمر ہے۔ اسی لیے مفسرین کی رائے ہے کہ ہر نبی کو چالیس سال کے بعد ہی نبوت سے سرفرازی کیا گیا (فتح القدیر)

(۳) أَوْزِعْنِي، بمعنی آہستگی سے پڑھتے رہنا چاہیے۔ یعنی رَبِّ أَوْزِعْنِي سے مِنَ الْمُسْلِمِينَ تک۔

(۴) مذکورہ آیت میں سعادت مند اولاد کا تذکرہ تھا، جو ماں باپ کے ساتھ حسن سلوک بھی کرتی ہے اور ان کے حق میں دعائے خیر بھی۔ اب اس کے مقابلے میں بد بخت اور نافرمان اولاد کا ذکر کیا جا رہا ہے جو ماں باپ کے ساتھ گستاخی سے پیش آتی ہے۔ أَفٍ لَّكُمَا افسوس ہے تم پر، اف کا کلمہ، ناگواری کے اظہار کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ یعنی نافرمان اولاد، باپ

بعد پھر زندہ کیا جاؤں گا مجھ سے پہلے بھی امتیں گزر چکی ہیں،^(۱) وہ دونوں جناب باری میں فریادیں کرتے ہیں اور کہتے ہیں تجھے خرابی ہو تو ایمان لے آ، بیشک اللہ کا وعدہ حق ہے، وہ جواب دیتا ہے کہ یہ تو صرف اگلوں کے افسانے ہیں۔^(۲) (۱۷)

وہ لوگ ہیں جن پر (اللہ کے عذاب کا) وعدہ صادق آگیا،^(۳) ان جنات اور انسانوں کے گروہوں کے ساتھ جو ان سے پہلے گزر چکے ہیں،^(۴) یقیناً یہ نقصان پانے والے تھے۔ (۱۸) اور ہر ایک کو اپنے اپنے اعمال کے مطابق درجے ملیں گے^(۵) تاکہ انہیں ان کے اعمال کے پورے بدلے دے اور ان پر ظلم نہ کیا جائے گا۔^(۶) (۱۹)

اور جس دن کافر جنم کے سرے پر لائے جائیں گے^(۷)

الْقَوْمُ مِنْ قَبْلُ، وَمَا يَشْعُرُونَ أَنَّكَ إِذْ يَنْزِلُ إِنْ وَعَدَ اللَّهُ حَقًّا، يَقُولُ مَا هَذَا إِلَّا كَأَسَاطِيرِ الْأَوَّلِينَ ۝

أُولَئِكَ الَّذِينَ نَحْنُ عَلَيْهِمُ الْقَوْلُ فِي آيَةِ مُؤَدَّيَاتٍ ۚ وَمِنْ الْيَتِيمِ وَالْأَسْفَلِ إِنَّهُمْ كَانُوا خَبِيرِينَ ۝

وَلِكُلِّ دَرَجَةٍ مِمَّا عَمِلُوا وَكُلِّ يُؤْتِيهِمْ أَعمالَهُمْ وَهُمْ لَا يَظْلَمُونَ ۝

وَيَوْمَ يُعْرَضُ الَّذِينَ كَفَرُوا عَلَى النَّارِ أَلَذَّبْتُمْ بِهِ سَبْعِينَ

کی ناصحانہ باتوں پر یا دعوت ایمان و عمل صالح پر ناگواری اور شدت غیظ کا اظہار کرتی ہے جس کی اولاد کو قطعاً اجازت نہیں ہے۔ یہ آیت عام ہے، ہر نافرمان اولاد اس کی مصداق ہے۔

(۱) مطلب ہے کہ وہ تو دوبارہ زندہ ہو کر دنیا میں نہیں آئے۔ حالانکہ دوبارہ زندہ ہونے کا مطلب قیامت والے دن زندہ ہونا ہے جس کے بعد حساب ہو گا۔

(۲) ماں باپ مسلمان ہوں اور اولاد کافر، تو وہاں اولاد اور والدین کے درمیان اسی طرح تکرار اور بحث ہوتی ہے جس کا ایک نمونہ اس آیت میں ذکر کیا گیا ہے۔

(۳) جو پہلے ہی اللہ کے علم میں تھا، یا شیطان کے جواب میں جو اللہ نے فرمایا تھا۔ ﴿لَا تَتَّبِعْ أَهْوَاءَ مَنْكُومٍ﴾ (سورہ ص-۸۵)

(۴) یعنی یہ بھی ان کافروں میں شامل ہو گئے جو انسانوں اور جنوں میں سے قیامت والے دن نقصان اٹھانے والے ہوں گے۔

(۵) مومن اور کافر، دونوں کا، ان کے عملوں کے مطابق، اللہ کے ہاں مرتبہ ہو گا۔ مومن مراتب عالیہ سے سرفراز ہوں گے اور کافر جنم کے پست ترین درجوں میں ہوں گے۔

(۶) گناہ گار کو اس کے جرم سے زیادہ سزا نہیں دی جائے گی اور نیکو کار کے صلے میں کمی نہیں ہو گی۔ بلکہ ہر ایک کو خیر یا شر میں سے وہی کچھ ملے گا جس کا وہ مستحق ہو گا۔

(۷) یعنی اس وقت کو یاد کرو، جب کافروں کی آنکھوں سے پردے ہٹا دیئے جائیں گے اور وہ جہنم کی آگ دیکھ رہے یا

(کہا جائے گا) تم نے اپنی نیکیاں دنیا کی زندگی میں ہی برباد کر دیں اور ان سے فائدے اٹھا چکے، پس آج تمہیں ذلت کے عذاب کی سزا دی جائے گی،^(۱) اس باعث کہ تم زمین میں ناحق تکبر کیا کرتے تھے اور اس باعث بھی کہ تم حکم عدولی کیا کرتے تھے۔^(۲) (۲۰)

اور عاد کے بھائی کو یاد کرو، جبکہ اس نے اپنی قوم کو احقاف میں ڈرایا^(۳) اور یقیناً اس سے پہلے بھی ڈرانے والے گزر چکے ہیں اور اس کے بعد بھی یہ کہ تم سوائے

فِي حَيَاتِكُمُ الدُّنْيَا وَاسْتَعْتَبْتُمْ بِهَا الْآلِهَةَ تَجْزَوْنَ عَذَابَ
الْهُونِ بِمَا كُنْتُمْ تَسْتَكْبِرُونَ فِي الْأَرْضِ بِغَيْرِ
الْحَقِّ وَبِمَا كُنْتُمْ تَفْسُقُونَ ﴿٢٠﴾

وَأَذِّنْ لَنَا عَلَٰمًا إِذْ نَذَرْتُمَا بِالْأَخْقَافِ وَقَدْ خَلَّتِ
السُّدُورُ مِّنْ بَيْنِ يَدَيْهِ وَمَنْ خَلْفَهُ أَلَّا يَعْبُدُوا إِلَّا

اس کے قریب ہوں گے۔ بعض نے يُغْرَضُونَ کے معنی يُعَذَّبُونَ کے کیے ہیں۔ اور بعض کہتے ہیں کلام میں قلب ہے۔ مطلب ہے، جب آگ ان پر پیش کی جائے گی تُغْرَضُ النَّارُ عَلَيْهِمْ (فتح القدیر)
(۱) طَبِئَاتٌ سے مراد وہ نعمتیں ہیں جو انسان ذوق و شوق سے کھاتے پیتے اور استعمال کرتے اور لذت و فرحت محسوس کرتے ہیں۔ لیکن آخرت کی فکر کے ساتھ ان کا استعمال ہو تو بات اور ہے، جیسے مومن کرتا ہے۔ وہ اس کے ساتھ ساتھ احکام الہی کی اطاعت کر کے شکر الہی کا بھی اہتمام کرتا رہتا ہے۔ لیکن فکر آخرت سے بے نیازی کے ساتھ ان کا استعمال انسان کو سرکش اور باغی بنا دیتا ہے جیسے کافر کرتا ہے اور یوں وہ اللہ کی ناشکری کرتا ہے۔ چنانچہ مومن کو تو اس کے شکرو اطاعت کی وجہ سے یہ نعمتیں بلکہ ان سے بدرجہا بہتر نعمتیں آخرت میں پھر مل جائیں گی۔
جب کہ کافروں کو وہی کچھ کہا جائے گا جو یہاں آیت میں مذکور ہے۔ ﴿اَذْهَبْنِمْ طَبِئَاتِكُمْ﴾ کا دو سرا ترجمہ ہے ”دنیا کی زندگی میں تم نے اپنے مزے اڑا لیے اور خوب فائدہ اٹھا لیا۔“

(۲) ان کے عذاب کے دو سبب بیان فرمائے، ناحق تکبر، جس کی بنیاد پر انسان حق کا اتباع کرنے سے گریز کرتا ہے اور دوسرا فحش۔ بے خونی کے ساتھ معاصی کا ارتکاب۔ یہ دونوں باتیں تمام کافروں میں مشترک ہوتی ہیں۔ اہل ایمان کو ان دونوں باتوں سے اپنا دامن بچانا چاہیے۔

ملحوظہ: بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے بارے میں آتا ہے کہ انکے سامنے عہد وغیرہ آتی تو یہ آیت انہیں یاد آ جاتی اور وہ اسے ڈر سے اسے ترک کر دیتے کہہیں آخرت میں ہمیں بھی یہ نہ کہہ دیا جائے کہ تم نے اپنے مزے دنیا میں لوٹ لیے۔ تو یہ انکی وہ کیفیت ہے جو غایت ورع اور زہد و تقویٰ کی مظہر ہے، اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ اچھی نعمتوں کا استعمال وہ جائز نہیں سمجھتے تھے۔

(۳) أَحْقَافٌ، حِفْظ کی جمع ہے۔ ریت کا بلند مستطیل ٹیلہ، بعض نے اس کے معنی پہاڑ اور غار کے کیے ہیں۔ یہ حضرت ہود علیہ السلام کی قوم۔ عاد اوّلیٰ کے علاقے کا نام ہے۔ جو حضرموت (یمن) کے قریب تھا۔ کفار مکہ کی تکذیب کے پیش نظر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی تسلی کے لیے گزشتہ انبیاء علیہم السلام کے واقعات کا تذکرہ کیا جا رہا ہے۔

اللَّهُ إِنِّي أَخَافُ عَلَيْكُمْ عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيمٍ ①

قَالُوا أَجِئْتَنَا لِنَأْفِكَنَا عَنِ الْهِتَابِ قَالُوا إِنَّمَا نَعِدُّكُمْ
إِنْ كُنْتُمْ مِنَ الصَّادِقِينَ ②

قَالَ إِنَّمَا الْعِلْمُ عِنْدَ اللَّهِ وَإِنَّمَا كُنَّا نُبَيِّنُ مَا أُرْسِلْتُ بِهِ وَلَكِنِّي
أَنذَرْتُكُمْ قَوْمًا تَبْهَلُونَ ③

فَقَبَّحُوا بِوَجْهِكَ غِيظًا وَاتَّبَعُوا نِجْمَ الْوَاغِدِ عَارِضًا
مُّعْطِرًا بَلْ هُمْ أَصْغَرُ لَكُمْ يَوْمَ الْفُتُورِ فِيهَا عَذَابٌ
أَلِيمٌ ④

اللہ تعالیٰ کے اور کی عبادت نہ کرو۔ بیشک میں تم پر بڑے
دن کے عذاب سے خوف کھاتا ہوں۔ ① (۲۱)

قوم نے جواب دیا، کیا آپ ہمارے پاس اس لیے آئے ہیں
کہ ہمیں اپنے معبودوں (کی پرستش) سے باز رکھیں؟ ②
پس اگر آپ سچے ہیں تو جس عذاب کا آپ وعدہ کرتے ہیں
اسے ہم پر لاؤ لیں۔ ③ (۲۲)

(حضرت ہود نے) کہا (اس کا) علم تو اللہ ہی کے پاس ہے، میں
تو جو پیغام دے کر بھیجا گیا تھا وہ تمہیں پہنچا رہا ہوں ④ لیکن
میں دیکھتا ہوں کہ تم لوگ نادانی کر رہے ہو۔ ⑤ (۲۳)

پھر جب انہوں نے عذاب کو بصورت بادل دیکھا اپنی
وادیوں کی طرف آتے ہوئے تو کہنے لگے، یہ ابر ہم پر
برسنے والا ہے، ⑥ (نہیں) بلکہ دراصل یہ ابر وہ (عذاب)
ہے جس کی تم جلدی کر رہے تھے، ⑦ ہوا ہے جس میں
دردناک عذاب ہے۔ ⑧ (۲۴)

① یوم عظیم سے مراد قیامت کا دن ہے، جسے اس کی ہولناکیوں کی وجہ سے بجا طور پر بڑا دن کہا گیا ہے۔

② لِنَأْفِكَنَّا، لِنَصْرِفَنَّا يَا لِنَتَنَعَّنَا يَا لِنَزِيلَنَّا، سب متقارب المعنی ہیں۔ تاکہ تو ہمیں ہمارے معبودوں کی پرستش
سے پھیر دے، روک دے، ہٹا دے۔

③ یعنی عذاب کب آئے گا؟ یا دنیا میں نہیں آئے گا، بلکہ آخرت میں تمہیں عذاب دیا جائے گا، اس کا علم صرف اللہ کو
ہے، وہی اپنی مشیت کے مطابق فیصلہ فرماتا ہے، میرا کام تو صرف پیغام پہنچانا ہے۔

④ کہ ایک تو کفر پر اصرار کر رہے ہو۔ دوسرے، مجھ سے ایسی چیز کا مطالبہ کر رہے ہو جو میرے اختیار میں نہیں ہے۔

⑤ عرصہ دراز سے ان کے ہاں بارش نہیں ہوئی تھی، امنڈتے بادل دیکھ کر خوش ہوئے کہ اب بارش ہوگی۔ بادل کو
عارض اس لیے کہا ہے کہ بادل عرض آسمان پر ظاہر ہوتا ہے۔

⑥ یہ حضرت ہود علیہ السلام نے انہیں کہا کہ یہ محض بادل نہیں ہے، جیسے تم سمجھ رہے ہو۔ بلکہ یہ وہ عذاب ہے۔ جسے
تم جلد لانے کا مطالبہ کر رہے تھے۔

⑦ یعنی وہ ہوا، جس سے اس قوم کی ہلاکت ہوئی، ان بادلوں سے ہی اٹھی اور نکلی اور اللہ کی مشیت سے ان کو اور ان
کی ہر چیز کو تباہ کر گئی۔ اسی لیے حدیث میں آتا ہے، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ

جو اپنے رب کے حکم سے ہر چیز کو ہلاک کر دے گی، پس وہ ایسے ہو گئے کہ بجز ان کے مکانات کے اور کچھ دکھائی نہ دیتا ^(۱) تھا۔ گنہ گاروں کے گروہ کو ہم یونہی سزا دیتے ہیں۔ (۲۵)

اور بالیقین ہم نے (قوم عاد) کو وہ مقدور دیئے تھے جو تمہیں تو دیئے بھی نہیں اور ہم نے انہیں کان آنکھیں اور دل بھی دے رکھے تھے۔ لیکن ان کے کانوں اور آنکھوں اور دلوں نے انہیں کچھ بھی نفع نہ پہنچایا ^(۲) جبکہ وہ اللہ تعالیٰ کی آیتوں کا انکار کرنے لگے اور جس چیز کا وہ مذاق اڑایا کرتے تھے وہی ان پر الٹ پڑی۔ ^(۳) (۲۶) اور یقیناً ہم نے تمہارے آس پاس کی بستیاں تباہ کر

نَدِيرُ كُلِّ شَيْءٍ يَا مُرْسَرِيهَا فَاصْبِرُوا لِمَا يَكُونُ إِلَّا
مَسْكَنَهُمْ فَكُلَّ لَيْلٍ تُجْزَى الْقَوْمَ الْمُجْرِمِينَ ⑤

وَلَقَدْ مَكَنَّاكُمْ فِي مَكَانٍ مُّكْتَفٍ فِيهِ وَجَعَلْنَا لَهُمْ
سَمْعًا وَبَصَرًا وَأَفْئِدَةً فَمَا أَغْنَى عَنْهُمْ سَمْعُهُمْ
وَلَا أَبْصَارُهُمْ وَلَا أَفْئِدَتُهُمْ مِنْ شَيْءٍ إِذْ كَانُوا
يَجْحَدُونَ بِآيَاتِ اللَّهِ وَحَاقَ بِهِمْ مَا كَانُوا بِهِ
يَسْتَهْزِءُونَ ⑥

وَلَقَدْ أَهْلَكْنَا مَا خَلَقْنَا مِنَ الْقُرَىٰ وَصَرَفْنَا الْآيَاتِ

لوگ تو بادل دیکھ کر خوش ہوتے ہیں کہ بارش ہوگی، لیکن آپ ﷺ کے چہرے پر اس کے برعکس تشویش کے آثار نظر آتے ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: عائشہ رضی اللہ عنہا: اس بات کی کیا ضمانت ہے کہ اس بادل میں عذاب نہیں ہوگا؟ جب کہ ایک قوم ہوا کے عذاب سے ہی ہلاک کر دی گئی، اس قوم نے بھی بادل دیکھ کر کہا تھا ”یہ بادل ہے جو ہم پر بارش برسائے گا۔“ (البخاری، تفسیر سورة الأحقاف، مسلم، کتاب صلوة الاستسقاء باب التعوذ عند رؤیة الريح والغيم والفرح بالمطر، ایک دوسری روایت میں ہے کہ جب باد تند چلتی تو آپ ﷺ یہ دعا پڑھتے «اللَّهُمَّ إِنِّي أَسْأَلُكَ خَيْرَهَا، وَخَيْرَ مَا فِيهَا، وَخَيْرَ مَا أُرْسِلَتْ بِهِ، وَأَعُوذُ بِكَ مِنْ شَرِّهَا، وَشَرِّ مَا أُرْسِلَتْ بِهِ». اور جب آسمان پر بادل گہرے ہو جاتے تو آپ ﷺ کا رنگ متغیر ہو جاتا اور خوف کی سی ایک کیفیت آپ ﷺ پر طاری ہو جاتی جس سے آپ ﷺ بے چین رہتے، کبھی باہر نکلتے، کبھی اندر داخل ہوتے، کبھی آگے ہوتے اور کبھی پیچھے پھر جب بارش ہو جاتی تو آپ ﷺ اطمینان کا سانس لیتے۔ (صحیح مسلم، باب مذکور)

(۱) یعنی کین (گہروالے) سب تباہ ہو گئے اور صرف مکانات (گھر) نشان عبرت کے طور پر باقی رہ گئے۔

(۲) یہ اہل مکہ کو خطاب کر کے کہا جا رہا ہے کہ تم کیا چیز ہو؟ تم سے پہلی قومیں، جنہیں ہم نے ہلاک کیا، قوت و شوکت میں تم سے کہیں زیادہ تھیں، لیکن جب انہوں نے اللہ کی دی ہوئی صلاحیتوں (آنکھ، کان اور دل) کو حق کے سننے، دیکھنے اور اسے سمجھنے کے لیے استعمال نہیں کیا، تو بالآخر ہم نے انہیں تباہ کر دیا اور یہ چیزیں ان کے کچھ کام نہ آسکیں۔

(۳) یعنی جس عذاب کو وہ انہوں نے سمجھ کر بطور استہزا کہا کرتے تھے کہ لے آنا عذاب! جس سے تو ہمیں ڈراتا رہتا ہے، وہ عذاب آیا اور اس نے انہیں ایسا گھیرا کہ پھر اس سے نکل نہ سکے۔

لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُونَ ﴿۳۵﴾

فَقُولَا نَصْرَهُمُ الَّذِينَ اتَّخَذُوا مِنْ دُونِ اللَّهِ قُرْبَانًا
إِلَٰهًا بَلْ صَلَّوْا عَلَيْهِمْ وَذَلِكِ أَفْكَهَمُ وَمَا كَانُوا
يَعْتَرُونَ ﴿۳۶﴾

وَأَذْهَبْنَا إِلَيْكَ نَفَرًا مِنَ الْعِجْنِ يُسَمِّعُونَ الْقُرْآنَ
فَلَمَّا حَضَرُوهُ قَالُوا أَنْصِتُوا فَلَمَّا قُضِيَ تَكْوِيلُ آلِ قَوْمِهِمْ
مُنْذِرِينَ ﴿۳۷﴾

دیں^(۱) اور طرح طرح کی ہم نے اپنی نشانیاں بیان کر
دیں تاکہ وہ رجوع کر لیں۔^(۲) (۲۷)

پس قرب الہی حاصل کرنے کے لیے انہوں نے اللہ کے
سوا جن جن کو اپنا معبود بنا رکھا تھا انہوں نے ان کی مدد
کیوں نہ کی؟ بلکہ وہ تو ان سے کھو گئے، (بلکہ دراصل) یہ
ان کا محض جھوٹ اور (بالکل) بہتان تھا۔^(۳) (۲۸)

اور یاد کرو! جبکہ ہم نے جنوں کی ایک جماعت کو
تیری طرف متوجہ کیا کہ وہ قرآن سنیں، پس جب
(نبی کے) پاس پہنچ گئے تو (ایک دوسرے سے) کہنے
لگے خاموش ہو جاؤ،^(۴) پھر جب پڑھ کر ختم

(۱) آس پاس سے عاد، ثمود اور لوط کی وہ بستیاں مراد ہیں جو حجاز کے قریب ہی تھیں اور یمن اور شام و فلسطین کی طرف
آتے جاتے ان سے ان کا گزر ہوتا تھا۔

(۲) یعنی ہم نے مختلف انداز سے اور مختلف نوع کے دلائل ان کے سامنے پیش کیے کہ شاید وہ توبہ کر لیں۔ لیکن وہ ٹس
سے مس نہیں ہوئے۔

(۳) یعنی جن معبودوں کو وہ تقرب الہی کا ذریعہ سمجھتے تھے انہوں نے ان کی کوئی مدد نہیں کی، بلکہ وہ اس موقع پر آئے
ہی نہیں، بلکہ گم رہے۔ اس سے بھی معلوم ہوا کہ مشرکین مکہ بتوں کو الہ نہیں سمجھتے تھے بلکہ انہیں بارگاہ الہی میں قرب
کا ذریعہ اور وسیلہ سمجھتے تھے۔ اللہ نے اس وسیلے کو یہاں اٹک (جھوٹ) اور افترا (بہتان) قرار دے کر واضح فرمادیا کہ یہ
ناجائز اور حرام ہے۔

(۴) صحیح مسلم کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ واقعہ مکہ کے قریب نخلہ وادی میں پیش آیا، جہاں آپ ﷺ صحابہ کرام
ﷺ کو فجر کی نماز پڑھا رہے تھے۔ جنوں کو تجسس تھا کہ آسمان پر ہم پر بہت زیادہ سختی کردی گئی ہے اور اب ہمارا وہاں جانا تقریباً
ناممکن بنا دیا گیا ہے، کوئی بہت ہی اہم واقعہ رونما ہوا ہے جس کے نتیجے میں ایسا ہوا ہے۔ چنانچہ مشرق و مغرب کے مختلف اطراف
میں جنوں کی ٹولیاں واقعے کا سراغ لگانے کے لیے پھیل گئیں۔ ان ہی میں سے ایک ٹولی نے یہ قرآن سنا اور یہ بات سمجھ لی کہ نبی
صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کا یہ واقعہ ہی ہم پر آسمان کی بندش کا سبب ہے۔ اور جنوں کی یہ ٹولی آپ پر ایمان لے آئی اور جا کر اپنی
قوم کو بھی بتلایا، مسلم، کتاب الصلوٰۃ، باب الجہر بالقراءۃ فی الصبح والقراءۃ علی الجن۔ صحیح بخاری میں
بھی بعض باتوں کا تذکرہ ہے۔ کتاب مناقب الانصار، باب ذکر الجن، بعض دیگر روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کے
بعد آپ ﷺ جنوں کی دعوت پر ان کے ہاں بھی تشریف لے گئے اور انہیں جا کر اللہ کا پیغام سنایا، اور متعدد مرتبہ جنوں کا وفد

Free downloading facility of Videos, Audios & Books for DAWAH purpose only, From Islamic Research Centre Rawalpindi

مِنْ دُورَةٍ أُولَئِكَ فِي ضَلَالٍ مُّبِينٍ ﴿۳۱﴾

أَوَلَمْ يَرَوْا أَنَّ اللَّهَ الَّذِي خَلَقَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ وَكَمْ يَعْبُدُونَهُ يَغْفِرُ عَلَىٰ أَنْ يَخْلُقَ الْوَلَدَ يَكُنِ لَآلِهَةٍ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ﴿۳۲﴾

وَيَوْمَ يُعْرَضُ الَّذِينَ كَفَرُوا عَلَى النَّارِ أَلَيْسَ هَذَا بِالْحَقِّ قَالُوا بَلَىٰ وَرَبِّنَا قَالَ فَذُوقُوا الْعَذَابَ بِمَا كُنْتُمْ تَكْفُرُونَ ﴿۳۳﴾

فَاصْبِرْ كَمَا صَبَرَ أُولُو الْعَزْمِ مِنَ الرُّسُلِ وَلَا تَسْتَعْجِلْ لَأَمْرٍ كَانَهُمْ يَوْمَئِذٍ مَّا يُوْعَدُونَ كَأَمْ لَكُمُ الْإِسْأَاعَةُ مِنْ ثَمَّارِهِمْ إِنَّهُمْ لَأَعْمَقُ الْغُورِ الْفُجُورِ ﴿۳۴﴾

نہ اللہ کے سوا اور کوئی اس کے مددگار ہوں گے،^(۱) یہ لوگ کھلی گمراہی میں ہیں۔ (۳۲)

کیا وہ نہیں دیکھتے کہ جس اللہ نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا اور ان کے پیدا کرنے سے وہ نہ تھکا، وہ یقیناً مردوں کو زندہ کرنے پر قادر ہے؟ کیوں نہ ہو؟ وہ یقیناً ہر چیز پر قادر ہے۔^(۲) (۳۳)

وہ لوگ جنہوں نے کفر کیا جس دن جہنم کے سامنے لائے جائیں گے (اور ان سے کہا جائے گا) کیا یہ حق نہیں ہے؟ تو جواب دیں گے کہ ہاں قسم ہے ہمارے رب کی^(۳) (حق ہے) (اللہ) فرمائے گا، اب اپنے کفر کے بدلے عذاب کا مزہ چکھو۔^(۴) (۳۴)

پس (اے پیغمبر!) تم ایسا صبر کرو جیسا صبر عالی ہمت رسولوں نے کیا اور ان کے لیے (عذاب) طلب کرنے (میں) جلدی نہ کرو،^(۵) یہ جس دن اس عذاب کو دیکھ لیں گے جس کا وعدہ دیئے جاتے ہیں تو (یہ معلوم ہونے لگے

(۱) جو اسے اللہ کے عذاب سے بچالیں۔ مطلب یہ ہوا کہ نہ وہ خود اللہ کی گرفت سے بچنے پر قادر ہے نہ کسی دوسرے کی مدد سے ایسا ممکن ہے۔

(۲) راہی سے، روایت قلبی مراد ہے، یعنی کیا انہوں نے نہیں جانا۔ اَلَمْ يَتَفَكَّرُوا اَلَمْ يَتَفَكَّرُوا کہ جو اللہ آسمان و زمین کو پیدا کرنے والا ہے، جن کی وسعت و بے کرائی کی انتہا نہیں ہے اور وہ ان کو بنا کر تھکا بھی نہیں۔ کیا وہ مردوں کو دوبارہ زندہ نہیں کر سکتا؟ یقیناً کر سکتا ہے، اس لیے کہ وہ عَلٰی كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ کی صفت سے متصف ہے۔

(۳) وہاں اعتراف ہی نہیں کریں گے بلکہ اپنے اس اعتراف پر قسم کھا کر اسے مؤکد کریں گے۔ لیکن اس وقت کا یہ اعتراف بے فائدہ ہے، کیونکہ مشاہدے کے بعد اعتراف کی کیا حیثیت ہو سکتی ہے؟ آنکھوں سے دیکھ لینے کے بعد اعتراف نہیں تو کیا انکار کریں گے؟

(۴) اس لیے کہ جب ماننے کا وقت تھا، اس وقت مانا نہیں، یہ عذاب اسی کفر اور انکار کا بدلہ ہے، جواب تمہیں بھگتنا ہی بھگتنا ہے۔

(۵) یہ کفار کہہ کر رویے کے مقابلے میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دی جا رہی ہے اور صبر کرنے کی تلقین کی جا رہی ہے۔

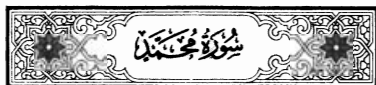
گا کہ) دن کی ایک گھڑی ہی (دنیا میں) ٹھہرے ^(۱) تھے، یہ ہے پیغام پہنچا ^(۲) دینا، پس بدکاروں کے سوا کوئی ہلاک نہ کیا جائے گا۔ ^(۳) (۳۵)

سورہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) مدنی ہے اور اس میں اڑتیس آیتیں اور چار رکوع ہیں۔

شروع کرتا ہوں اللہ تعالیٰ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے۔

جن لوگوں نے کفر کیا اور اللہ کی راہ سے روکا ^(۴) اللہ نے ان کے اعمال برباد کر دیئے۔ ^(۵) (۱)

اور جو لوگ ایمان لائے اور اچھے کام کیے اور اس پر بھی ایمان لائے جو محمد (ﷺ) پر اتاری گئی ^(۶) ہے اور دراصل ان کے رب کی طرف سے سچا (دین) بھی وہی



بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

الَّذِينَ كَفَرُوا وَاصْذُوعُوا عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ أَصْلَ أَعْمَالِهِمْ ①

وَالَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ وَآمَنُوا بِمَا نُزِّلَ عَلَى مُحَمَّدٍ

وَهُوَ الْحَقُّ مِنْ رَبِّهِمْ كَفَرَتْ عَنْهُمْ سَبِيلُهُمْ وَأَصْلَهُم بِاللَّهِ ②

(۱) قیمت کا ہولناک عذاب دیکھنے کے بعد انہیں دنیا کی زندگی ایسے ہی معلوم ہو گئی جیسے دن کی صرف ایک گھڑی یہاں گزار کر گئے ہیں۔

(۲) یہ مبتدا محذوف کی خبر ہے۔ اَنِّی: هَذَا الَّذِیْ وَعَظْتَهُمْ بِهٖ بَلَاغٌ یہ وہ نصیحت یا پیغام ہے جس کا پہنچانا تیرا کام ہے۔

(۳) اس آیت میں بھی اہل ایمان کے لیے خوش خبری اور حوصلہ افزائی ہے کہ ہلاکت اخروی صرف ان لوگوں کا حصہ ہے جو اللہ کے نافرمان اور اس کی حدود پامال کرنے والے ہیں۔

☆ تفسیر سورہ محمد ﷺ اس کا دوسرا نام القتال بھی ہے۔

(۴) بعض نے اس سے مراد کفار قریش اور بعض نے اہل کتاب لیے ہیں۔ لیکن یہ عام ہے ان کے ساتھ سارے ہی کفار اس میں داخل ہیں۔

(۵) اس کا ایک مطلب تو یہ ہے کہ انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف جو سازشیں کیں، اللہ نے انہیں

ناکام بنا دیا اور انہی پر ان کو الٹ دیا۔ دوسرا مطلب ہے کہ ان میں جو بعض مکارم اخلاق پائے جاتے تھے، مثلاً صلہ رحمی، قیدیوں کو آزاد کرنا، ممان نوازی وغیرہ یا خانہ کعبہ اور حجاج کی خدمت۔ ان کا کوئی صلہ انہیں آخرت میں نہیں ملے گا۔

کیونکہ ایمان کے بغیر اعمال پر اجر و ثواب مرتب نہیں ہو گا۔

(۶) ایمان میں اگرچہ وحی محمدی یعنی قرآن پاک پر ایمان لانا بھی شامل ہے لیکن اس کی اہمیت اور شرف کو مزید واضح اور

ہے، اللہ نے ان کے گناہ دور کر دیئے^(۱) اور ان کے حال کی اصلاح کر دی۔^(۲) یہ اس لیے^(۳) کہ کافروں نے باطل کی پیروی کی اور مومنوں نے اس دین حق کی اتباع کی جو ان کے اللہ کی طرف سے ہے، اللہ تعالیٰ لوگوں کو ان کے احوال اسی طرح بتاتا ہے۔^(۴)

تو جب کافروں سے تمہاری مذہبیز ہو تو گردنوں پر وار مارو۔^(۵) جب ان کو اچھی طرح کچل ڈالو تو اب خوب مضبوط قید و بند سے گرفتار کرو^(۶) (پھر اختیار ہے) کہ خواہ

ذٰلِكَ يٰۤاَنۡدَ الَّذِيۡنَ كَفَرُوۡا اَلۡبٰطِلُ وَاَنَّ الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا
اَتَّبِعُوا اَلۡحَقَّ مِنْ رَّبِّہِمۡ كَذٰلِكَ يَصۡرِفُ اللّٰہُ لِلنَّاسِ اَمَّا لَعَنَہُمۡ ۝

وَ اِذَا لَقِیۡتُمُ الَّذِيۡنَ كَفَرُوۡا فَصَبِّہُمۡ بِرِجَالِہُمۡ اِذَا اَنۡفَضَیۡتُمُوہُمۡ
فَنۡقُذُوا وَاِلَیَّ اِنۡتَابَیۡنَ ۚ وَ اَمَّا مَنۡ اٰمَنَ وَاَتٰ بِاَمَّاۗتِہٖ فَسَیۡجۡزٰیہُمُ اللّٰہُ حَسۡبَ مَا كَسَبَ ۝

نمائاں کرنے کے لیے اس کا علیحدہ بھی ذکر فرمادیا۔

(۱) یعنی ایمان لانے سے قبل کی غلطیاں اور کوتاہیاں معاف فرمادیں۔ جیسا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا بھی فرمان ہے کہ ”اسلام ما قبل کے سارے گناہوں کو مٹا دیتا ہے۔“ (صحیح الجامع الصغیر لألبانی)

(۲) بِالْهَمِّ: کے معنی اَمَرْتُمْ، شَأْنُهُمْ، حَالُهُمْ، یہ سب متقارب المعنی ہیں۔ مطلب ہے کہ انہیں معاصی سے بچا کر رشد و خیر کی راہ پر لگادیا، ایک مومن کے لیے اصلاح حال کی یہی سب سے بہتر صورت ہے۔ یہ مطلب نہیں ہے کہ مال و دولت کے ذریعے سے ان کی حالت درست کر دی۔ کیونکہ ہر مومن کو مال ملتا بھی نہیں، علاوہ ازیں محض دنیوی مال اصلاح احوال کا یقینی ذریعہ بھی نہیں، بلکہ اس سے فساد احوال کا زیادہ امکان ہے۔ اسی لیے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کثرت مال کو پسند نہیں فرمایا۔

(۳) ذٰلِكَ، یہ مبتدا ہے، یا خبر ہے مبتدا محذوف کی آئی: اَلَاۤ اَمُرُّ ذٰلِكَ یہ اشارہ ہے ان وعیدوں اور وعدوں کی طرف جو کافروں اور مومنوں کے لیے بیان ہوئے۔

(۴) تاکہ لوگ اس انجام سے بچیں جو کافروں کا مقدر ہے اور وہ راہ حق اپنائیں جس پر چل کر ایمان والے فوز و فلاح ابدی سے ہمکنار ہوں گے۔

(۵) جب دونوں فریقوں کا ذکر کر دیا تو اب کافروں اور غیر معاہد اہل کتاب سے جہاد کرنے کا حکم دیا جا رہا ہے۔ قتل کرنے کے بجائے۔ گردنیں مارنے کا حکم دیا، تاکہ اس تعبیر میں کفار کے ساتھ غلظت و شدت کا زیادہ اظہار ہے۔ (فتح القدیر)

(۶) یعنی زور دار معرکہ آرائی اور زیادہ سے زیادہ ان کو قتل کرنے کے بعد، ان کے جو آدمی قابو میں آجائیں، انہیں قیدی بنا لو اور مضبوطی سے انہیں جکڑ کر رکھو تاکہ وہ بھاگ نہ سکیں۔

أَوْ ذَاهَا ذَلِكَ وَلَوْ يَشَاءُ اللَّهُ لَشَعَرْنَا مِنْهُمْ وَالْحَيُّ
لَيَبْلُغُنَا بَعْضَكُمْ بَعْضًا وَالَّذِينَ قُتِلُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ
فَلَنْ نُجِئَ آلَهُمْ ۝

سَيَهْدِيهِمْ وَيُصَلِّئُهُم بِالْأُفُ ۝

وَيَذِلُّهُمْ إِلَى تَبَتٍ ۝

احسان رکھ کر چھوڑ دو یا فدیہ^(۱) لے کر تاؤ فتنہ لڑائی اپنے
ہتھیار رکھ دے۔^(۲) یہی حکم ہے^(۳) اور اگر اللہ چاہتا تو
(خود) ہی ان سے بدلہ لے لیتا،^(۴) لیکن (اس کا منشا یہ ہے)
کہ تم میں سے ایک کا امتحان دوسرے کے ذریعہ
سے لے لے،^(۵) جو لوگ اللہ کی راہ میں شہید کر دیے
جاتے ہیں اللہ ان کے اعمال ہرگز ضائع نہ کرے گا۔^(۶)
انہیں راہ دکھائے گا اور ان کے حالات کی اصلاح کر دے
گا۔^(۷)

اور انہیں اس جنت میں لے جائے گا جس سے انہیں
شناسا کر دیا ہے۔^(۸)

(۱) مَنْ کا مطلب ہے بغیر فدیہ لیے بطور احسان چھوڑ دینا اور فداء کا مطلب، کچھ معاوضہ لے کر چھوڑنا ہے۔ قیدیوں کے بارے
میں اختیار دے دیا گیا جو صورت، حالات کے اعتبار سے اسلام اور مسلمانوں کے حق میں زیادہ بہتر ہو وہ اختیار کر لی جائے۔

(۲) یعنی کافروں کے ساتھ جنگ ختم ہو جائے، یا مراد ہے کہ محارب دشمن شکست کھا کر یا صلح کر کے ہتھیار رکھ دے یا
اسلام غالب آجائے اور کفر کا خاتمہ ہو جائے۔ مطلب یہ ہے کہ جب تک یہ صورت حال نہ ہو جائے، کافروں کے ساتھ
تمہاری معرکہ آرائی جاری رہے گی جس میں تم انہیں قتل بھی کرو گے قیدیوں میں تمہیں مذکورہ دونوں باتوں کا اختیار
ہے۔ بعض کہتے ہیں، یہ آیت منسوخ ہے اور سوائے قتل کے کوئی صورت باقی نہیں ہے۔ لیکن صحیح بات یہی ہے کہ یہ
آیت منسوخ نہیں محکم ہے۔ اور امام وقت کو چاروں باتوں کا اختیار ہے، کافروں کو قتل کرے یا قیدی بنائے۔ قیدیوں میں
سے جس کو یا سب کو چاہے بطور احسان چھوڑ دے یا معاوضہ لے کر چھوڑ دے۔ (فتح القدیر)

(۳) یا تم اسی طرح کرو، اَفْعَلُوا ذَٰلِكَ، یا ذَٰلِكَ حُكْمُ الْكُفَّارِ

(۴) مطلب کافروں کو ہلاک کر کے یا انہیں عذاب میں مبتلا کر کے۔ یعنی تمہیں ان سے لڑنے کی ضرورت ہی پیش نہ آتی۔

(۵) یعنی تمہیں ایک دوسرے کے ذریعے سے آزمائے تاکہ وہ جان لے کہ تم میں سے اس کی راہ میں لڑنے والے کون
ہیں؟ تاکہ ان کو اجر و ثواب دے اور ان کے ہاتھوں سے کافروں کو ذلت و شکست سے دوچار کرے۔

(۶) یعنی ان کا اجر و ثواب ضائع نہیں فرمائے گا۔

(۷) یعنی انہیں ایسے کاموں کی توفیق دے گا جن سے ان کے لیے جنت کا راستہ آسان ہو جائے گا۔

(۸) یعنی جسے وہ بغیر رہنمائی کے پہچان لیں گے اور جب وہ جنت میں داخل ہوں گے تو از خود ہی اپنے اپنے گھروں میں جا
داخل ہوں گے۔ اس کی تائید ایک حدیث سے بھی ہوتی ہے۔ جس میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ”قسم ہے اس

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنَّ سَعْيُوا اللَّهَ يَنْصُرُكُمْ وَيُثَبِّتْ
أَقْدَامَكُمْ ①

اے ایمان والو! اگر تم اللہ (کے دین) کی مدد کرو گے
تو وہ تمہاری مدد کرے گا^(۱) اور تمہیں ثابت قدم
رکھے گا۔^(۲) (۷)

اور جو لوگ کافر ہوئے انہیں ہلاکی ہو اللہ ان کے اعمال
غارت کر دے گا۔ (۸)

یہ اس لیے کہ وہ اللہ کی نازل کردہ چیز سے ناخوش
ہوئے،^(۳) پس اللہ تعالیٰ نے (بھی) ان کے اعمال
ضائع کر دیئے۔^(۴) (۹)

کیا ان لوگوں نے زمین میں چل پھر کر اس کامعینہ نہیں
کیا کہ ان سے پہلے کے لوگوں کا نتیجہ کیا ہوا؟^(۵) اللہ نے

وَالَّذِينَ كَفَرُوا فَتَعْسَا لَهُمْ وَأَضَلَّ أَعْمَالَهُمْ ②

ذَلِكَ بِأَنَّهُمْ كَرِهُوا مَا أُنْزِلَ اللَّهُ فَاقْبَضُوا عَنْهَا ③

أَفَلَمْ يَسِيرُوا فِي الْأَرْضِ فَيَنْظُرُوا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِينَ

ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے، ایک جنتی کو اپنے گھر کے راستوں کا اس سے کہیں زیادہ علم ہوگا،
جتنا دنیا میں اسے اپنے گھر کا تھا۔“ (صحیح بخاری، کتاب الرقاق، باب القصص يوم القيامة)

(۱) اللہ کی مدد کرنے سے مطلب، اللہ کے دین کی مدد ہے۔ کیونکہ وہ اسباب کے مطابق اپنے دین کی مدد اپنے مومن
بندوں کے ذریعے سے ہی کرتا ہے۔ یہ مومن بندے اللہ کے دین کی حفاظت اور اس کی تبلیغ و دعوت کرتے ہیں تو اللہ
تعالیٰ ان کی مدد فرماتا ہے یعنی انہیں کافروں پر فتح و غلبہ عطا کرتا ہے۔ جیسے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین اور قرون
اولیٰ کے مسلمانوں کی روشن تاریخ ہے، وہ دین کے ہو گئے تھے تو اللہ بھی ان کا ہو گیا تھا، انہوں نے دین کو غالب کیا تو اللہ
نے انہیں بھی دنیا پر غالب فرما دیا۔ جیسے دوسرے مقام پر فرمایا: ﴿وَلْيَنْصُرَنَّ اللَّهُ مَن يَنصُرُهُ﴾ (الحج، ۴۰) اللہ اس کی ضرور
مدد فرماتا ہے جو اس کی مدد کرتا ہے۔“

(۲) یہ لڑائی کے وقت تثبیتِ اُقدام یہ عبارت ہے موطنِ حرب میں نصرو معونت سے۔ بعض کہتے ہیں اسلام، یا پل
صراط پر ثابت قدم رکھے گا۔

(۳) یعنی قرآن اور ایمان کو انہوں نے ناپسند کیا۔

(۴) اعمال سے مراد وہ اعمال ہیں جو صورتِ اعمالِ خیر ہیں لیکن عدم ایمان کی وجہ سے اللہ کے ہاں ان پر اجر و ثواب نہیں
ملے گا۔

(۵) جن کے بہت سے آثار ان کے علاقوں میں موجود ہیں۔ نزول قرآن کے وقت بعض تباہ شدہ قوموں کے کھنڈرات
اور آثار موجود تھے، اس لیے انہیں چل پھر کر ان کے عبرت ناک انجام دیکھنے کی طرف توجہ دلائی گئی کہ شاید ان کو دیکھ
کر ہی یہ ایمان لے آئیں۔

انہیں ہلاک کر دیا اور کافروں کے لیے اسی طرح کی سزائیں ہیں۔^(۱) (۱۰)

وہ اس لیے کہ ایمان والوں کا کارساز خود اللہ تعالیٰ ہے اور اس لیے کہ کافروں کا کوئی کارساز نہیں۔^(۲) (۱۱)

جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک اعمال کیے انہیں اللہ تعالیٰ یقیناً ایسے باغوں میں داخل کرے گا جن کے نیچے نہریں جاری ہیں اور جو لوگ کافر ہوئے وہ (دنیا ہی کا) فائدہ اٹھا رہے ہیں اور مثل چوپایوں کے کھا رہے ہیں،^(۳) ان کا (اصل) ٹھکانا جہنم ہے۔ (۱۲) ہم نے کتنی بستیوں کو جو طاقت میں تیری اس بستی سے زیادہ تھیں جس سے تجھے نکالا ہم نے انہیں ہلاک کر دیا ہے، جن کا مددگار کوئی نہ اٹھا۔ (۱۳)

کیا ”پس وہ شخص جو اپنے پروردگار کی طرف سے دلیل پر ہو اس شخص جیسا ہو سکتا ہے؟ جس کے لیے اس کا برا

مِنْ قَبْلِهِمْ دُمِّرَ اللَّهُ عَلَيْهِمْ وَلِلْكَافِرِينَ أَمَّا لَهُمَا ①

ذَٰلِكَ يَأْتِي اللَّهُ مَوْلَى الَّذِينَ آمَنُوا وَإِنَّ الْكَافِرِينَ لَأَمَوَى لَهُمْ ②

إِنَّ اللَّهَ يُدْخِلُ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ جَنَّاتٍ يَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ وَالَّذِينَ كَفَرُوا يَتَنَبَّهُونَ وَيُؤْخَذُونَ كَمَا تَأْكُلُ الْأَغْنَامُ الْفِتَارَ أَمْ يُرِيدُ اللَّهُ ③

وَكَايُنْ مِنْ قَرْيَةٍ أَسْخَدَ قُوَّةً مِنْ قَرْيَتِكَ الَّتِي أَخْرَجْنَاكَ أَهْلَكْنَاهُمْ فَلَا تَاصِرَ لَهُمْ ④

أَفَمَنْ كَانَ عَلَىٰ يَتِيمَةٍ قَدْ رَزَقْنَاهُ لَمْ يَكُنْ لَهُ سُوءٌ عَلَيْهِ

(۱) یہ اہل مکہ کو ڈرایا جا رہا ہے کہ تم کفر سے باز نہ آئے تو تمہارے لیے بھی ایسی ہی سزا ہو سکتی ہے؟ اور گزشتہ کافر قوموں کی ہلاکت کی طرح، تمہیں بھی ہلاکت سے دوچار کیا جاسکتا ہے۔

(۲) چنانچہ جنگ احد میں کافروں کے نعروں کے جواب میں مسلمانوں نے جو نعرے بلند کیے۔ مثلاً اَغْلُ هُبْلُ، اَغْلُ هُبْلُ (جبل بت کا نام بلند ہو) کے جواب میں اللہ اَغْلَى وَاَجَلُّ، کافروں کے انہی نعروں میں سے ایک نعرے لَنَا الْغَزَى وَلَا غَزَى لَكُمْ کے جواب میں مسلمانوں کا نعرہ تھا اللہ مَوْلَانَا وَلَا مَوْلَى لَكُمْ (صحیح بخاری، غزوۂ احد) ”اللہ ہمارا مددگار ہے، تمہارا کوئی مددگار نہیں۔“

(۳) یعنی جس طرح جانوروں کو پیٹ اور جنس کے تقاضے پورے کرنے کے علاوہ اور کوئی کام نہیں ہوتا۔ یہی حال کافروں کا ہے، ان کا مقصد زندگی بھی کھانے پینے کے علاوہ کچھ نہیں، آخرت سے وہ بالکل غافل ہیں۔ اس سے ضمناً کھڑے کھڑے کھانے کی ممانعت کا بھی اثبات ہوتا ہے، جس کا آج کل دعوتوں میں عام رواج ہے کیوں کہ اس میں بھی جانوروں سے مشابہت ہے جسے کافروں کا شیوہ بتلایا گیا ہے۔ احادیث میں کھڑے پانی پینے سے نہایت سختی سے منع کیا گیا ہے، جس سے کھڑے کھانے کی ممانعت بطریق اولیٰ ثابت ہوتی ہے۔ اس لیے جانوروں کی طرح کھڑے ہو کر کھانے سے اجتناب کرنا نہایت ضروری ہے۔ دیکھئے زاد المعاد۔

وَاتَّبَعُوا أَهْوَاءَهُمْ ⑩

کام مزین کر دیا گیا ہو اور وہ اپنی نفسانی خواہشوں کا پیرو ہو؟^(۱) (۱۳)

اس جنت کی صفت جس کا پرہیز گاروں سے وعدہ کیا گیا ہے، یہ ہے کہ اس میں پانی کی نہریں ہیں جو بدبو کرنے والا نہیں،^(۲) اور دودھ کی نہریں ہیں جن کا مزہ نہیں بدلا،^(۳) اور شراب کی نہریں ہیں جن میں پینے والوں کے لئے بڑی لذت ہے^(۴) اور نہریں ہیں شہد کی جو بہت صاف ہیں^(۵) اور ان کے لیے وہاں ہر قسم کے میوے ہیں اور

مَثَلُ الْجَنَّةِ الَّتِي وَعَدَ الْمُتَّقُونَ فِيهَا أَنْهَارٌ مِنْ مَاءٍ غَيْرِ آسِنٍ وَأَنْهَارٌ لَبَنٍ لَمْ يَتَغَيَّرَ طَعْمُهُ وَأَنْهَارٌ مِنْ خَمْرٍ لَذَّةٍ لِلشَّارِبِينَ وَأَنْهَارٌ مِنْ عَسَلٍ مُصَفًّى وَلَهُمْ فِيهَا مِنْ كُلِّ الثَّمَرَاتِ وَمَعْفُورَةٌ مِنْ رَبِّهِمْ مَكْنُ مَوْجِلًا فِي النَّارِ وَسُقُوا مَاءً حَمِيمًا فَقَطَّعَ أَمْعَاهُمْ ⑩

(۱) برے کام سے مراد، شرک و معصیت ہیں، مطلب وہی ہے جو پہلے بھی متعدد جگہ گزر چکا ہے کہ مومن و کافر، مشرک و موحد اور نیکوکار و بدکار برابر نہیں ہو سکتے۔ ایک کے لیے اللہ کے ہاں اجر و ثواب اور جنت کی نعمتیں ہیں، جب کہ دوسرے کے لیے جہنم کا ہولناک عذاب۔ اگلی آیت میں دونوں کا انجام بیان کیا جا رہا ہے۔ پہلے اس جنت کی خوبیاں اور محاسن، جس کا وعدہ متقین سے ہے۔

(۲) آسین کے معنی، متغیر یعنی بدل جانے والا، غیر آسن نہ بدلنے والا۔ یعنی دنیا میں تو پانی کسی ایک جگہ کچھ دیر پڑا رہے تو اس کا رنگ متغیر ہو جاتا ہے اور اس کی بو اور ذائقے میں تبدیلی آ جاتی ہے جس سے وہ مضر صحت ہو جاتا ہے۔ جنت کے پانی کی یہ خوبی ہو گی کہ اس میں کوئی تغیر نہیں ہو گا۔ یعنی اس کی بو اور ذائقے میں کوئی تبدیلی نہیں آئے گی۔ جب پیو، تازہ، مفرح اور صحت افزا جب دنیا کا پانی خراب ہو سکتا ہے تو شریعت نے اسی لیے پانی کی بات کہا ہے کہ یہ پانی اس وقت تک پاک ہے، جب تک اس کا رنگ یا بو نہ بدلے، کیونکہ رنگ یا بو متغیر ہونے کی صورت میں پانی ناپاک ہو جائے گا۔

(۳) جس طرح دنیا میں وہ دودھ بعض دفعہ خراب ہو جاتا ہے جو گایوں، بھینسوں اور بکریوں وغیرہ کے تھنوں سے نکلتا ہے۔ جنت کا دودھ چونکہ اس طرح جانوروں کے تھنوں سے نہیں نکلے گا، بلکہ اس کی نہریں ہوں گی، اس لیے، جس طرح وہ نہایت لذیذ ہو گا، خراب ہونے سے بھی محفوظ ہو گا۔

(۴) دنیا میں جو شراب ملتی ہے، وہ عام طور پر نہایت تلخ، بد مزہ اور بدبو دار ہوتی ہے۔ علاوہ ازیں اسے پی کر انسان بالعموم حواس باختہ ہو جاتا ہے، اول فول بکتا ہے اور اپنے جسم تک کا ہوش اسے نہیں رہتا۔ جنت کی شراب دیکھنے میں حسین، ذائقے میں اعلیٰ اور نہایت خوشبودار ہو گی اور اسے پی کر کوئی انسان نیسکے گا، نہ کوئی گرائی محسوس کرے گا۔ بلکہ ایسی لذت و فرحت محسوس کرے گا جس کا تصور اس دنیا میں ممکن نہیں جیسے دوسرے مقام پر فرمایا: ﴿لَا يَجْعَلُونَ وَلَا يَمُوتُونَ﴾ (سورة الصافات ۴۷) ”نہ اس سے چکر آئے گا نہ عقل جائے گی۔“ مزید دیکھئے (سورة الواقعة ۱۹)۔

(۵) یعنی شہد میں بالعموم جن چیزوں کی آمیزش کا امکان رہتا ہے، جس کا مشاہدہ دنیا میں عام ہے جنت میں ایسا کوئی اندیشہ

ان کے رب کی طرف سے مغفرت ہے، کیا یہ مثل اس کے ہیں جو ہمیشہ آگ میں رہنے والا ہے؟ اور جنہیں گرم کھولتا ہوا پانی پلایا جائے گا جو ان کی آنتوں کو ٹکڑے ٹکڑے کر دے گا۔^(۱۵)

اور ان میں بعض (ایسے بھی ہیں کہ) تیری طرف کان لگاتے ہیں، یہاں تک کہ جب تیرے پاس سے جاتے ہیں تو اہل علم سے (بوجہ کند ذہنی ولا پرواہی کے) پوچھتے ہیں کہ اس نے ابھی کیا کہا تھا؟^(۱۶) یہی لوگ ہیں جن کے دلوں پر اللہ نے مہر کر دی ہے اور وہ اپنی خواہشوں کی پیروی کرتے ہیں۔ (۱۶)

اور جو لوگ ہدایت یافتہ ہیں اللہ نے انہیں ہدایت میں اور بڑھا دیا ہے اور انہیں ان کی پرہیزگاری عطا فرمائی ہے۔^(۱۷)

وَمَنْهُمْ مِّنْ يَّسِيءُ إِلَيْكَ حَتَّىٰ إِذَا خَرَجُوا مِنْ عِندِ لَوْلَا
لِلَّذِينَ أَذْنُوا لَعَلَّكُمْ مَا ذَا قَالَ إِنَّمَا أَتَوَيْتُمُ اللَّهَ بِحُلِيِّ
اللَّهُ عَلَىٰ قُلُوبِهِمْ وَاتَّبَعُوا أَهْوَاءَهُمْ ۝

وَالَّذِينَ اهْتَدَوْا زَادْهُمْ هُدًىٰ وَالَّذِينَ تَقَوَّيْهُمْ ۝

نہیں ہو گا۔ بالکل صاف شفاف ہو گا، کیونکہ یہ دنیا کی طرح مکھیوں سے حاصل کردہ نہیں ہو گا، بلکہ اس کی بھی نہریں ہوں گی۔ اسی لیے حدیث میں آتا ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ ”جب بھی تم سوال کرو تو جنت الفردوس کی دعا کرو“ اس لیے کہ وہ جنت کا درمیانہ اور اعلیٰ درجہ ہے اور وہیں سے جنت کی نہریں پھونتی ہیں اور اس کے اوپر رحمان کا عرش ہے (صحیح بخاری، کتاب الجہاد، باب درجات المجاہدین فی سبیل اللہ)

(۱) یعنی جن کو جنت میں وہ اعلیٰ درجے نصیب ہوں گے جو مذکور ہوئے کیا وہ ایسے جنہیوں کے برابر ہیں جن کا یہ حال ہو گا؟ ظاہر بات ہے ایسا نہیں ہو گا۔ بلکہ ایک درجات میں ہو گا اور دوسرا درجہ (جہنم) میں۔ ایک نعمتوں میں داد طرب و عیش دے رہا ہو گا، دوسرا عذاب جہنم کی سختیاں جھیل رہا ہو گا۔ ایک اللہ کا مہمان ہو گا جہاں انواع و اقسام کی چیزیں اس کی تواضع اور اکرام کے لیے ہوں گی اور دوسرا اللہ کا قیدی، جہاں اس کو کھانے کے لیے زقوم جیسا تلخ و کسلا کھانا اور پینے کے لیے کھولتا ہوا پانی ملے گا۔ میں تفاوت رہ ☆ از کجاست تابہ کجا۔

(۲) یہ منافقین کا ذکر ہے، ان کی نیت چونکہ صحیح نہیں ہوتی تھی، اس لیے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی باتیں بھی ان کی سمجھ میں نہیں آتی تھیں وہ مجلس سے باہر آکر صحابہ رضی اللہ عنہم سے پوچھتے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا فرمایا؟

(۳) یعنی جن کی نیت ہدایت حاصل کرنے کی ہوتی ہے تو اللہ ان کو ہدایت کی توفیق بھی دے دیتا ہے اور ان کو اس پر ثابت قدمی بھی عطا فرماتا ہے۔

تو کیا یہ قیامت کا انتظار کر رہے ہیں کہ وہ ان کے پاس اچانک آجائے یقیناً اس کی علامتیں تو آچکی ہیں،^(۱) پھر جبکہ ان کے پاس قیامت آجائے انہیں نصیحت کرنا کہاں ہوگا؟^(۲) (۱۸)

سو (اے نبی!) آپ یقین کر لیں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں^(۳) اور اپنے گناہوں کی بخشش مانگا کریں اور مومن مردوں اور مومن عورتوں کے حق میں بھی،^(۴) اللہ تم لوگوں کی آمدورفت کی اور رہنے سہنے کی جگہ کو خوب جانتا ہے۔^(۵) (۱۹)

فَمَنْ يَنْظُرُونَ إِلَّا السَّاعَةَ أَنْ تَأْتِيَهُمْ بَغْتَةً ۖ فَقَدْ جَاءَ أَشْرَاطُهَا ۚ فَأَنَّى لَهُمْ إِذَا جَاءَهُمْ ذِكْرُهُمْ ۝

فَاعْلَمْ أَنَّهُ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَاسْتَغْفِرِ لِذَنبِكَ وَلِلْمُؤْمِنِينَ
وَالْمُؤْمِنَاتِ ۚ وَاللَّهُ يَعْلَمُ مَتَى تَعْلَبُكُمْ وَمَتَى تَكُونُ ۝

(۱) یعنی نبی ﷺ کی بعثت بجائے خود قرب قیامت کی ایک علامت ہے، جیسا کہ آپ ﷺ نے بھی فرمایا: يُعِثُّ أَمَّا وَالسَّاعَةُ كَهَاتَيْنِ (صحیح بخاری تفسیر سورة الساعات) ”میری بعثت اور قیامت ان دو انگلیوں کی طرح ہے۔“ آپ ﷺ نے اشارہ کر کے واضح فرمایا کہ جس طرح یہ دونوں انگلیاں باہم ملی ہوئی ہیں، اسی طرح میرے اور قیامت کے درمیان فاصلہ نہیں ہے یا یہ کہ جس طرح ایک انگلی دوسری انگلی سے ذرا سا آگے ہے اسی طرح قیامت میرے ذرا سا بعد ہے۔ (۲) یعنی جب قیامت اچانک آجائے گی تو کافر کس طرح نصیحت حاصل کر سکیں گے؟ مطلب ہے اس وقت اگر وہ توبہ کریں گے بھی تو وہ مقبول نہیں ہوگی۔ اس لیے اگر توبہ کرنی ہے تو یہی وقت ہے۔ ورنہ وہ وقت بھی آسکتا ہے کہ ان کی توبہ بھی غیر مفید ہوگی۔

(۳) یعنی اس عقیدے پر ثابت اور قائم رہیں، کیونکہ یہی توحید اور اطاعت الہی، مدار خیر ہے اور اس سے انحراف یعنی شرک اور معصیت، مدار شر ہے۔

(۴) اس میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو استغفار کا حکم دیا گیا ہے، اپنے لیے بھی اور مومنین کے لیے بھی۔ استغفار کی بڑی اہمیت اور فضیلت ہے۔ احادیث میں بھی اس پر بڑا زور دیا گیا ہے۔ ایک حدیث میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: يَا أَيُّهَا النَّاسُ! تُؤْبَوْنَ إِلَى رَبِّكُمْ فَإِنِّي أَسْتَغْفِرُ اللَّهَ وَأَتُوبُ إِلَيْهِ فِي الْيَوْمِ أَكْثَرَ مِنْ سَبْعِينَ مَرَّةً (صحیح بخاری، کتاب الدعوات، باب استغفار النبی فی الیوم واللیلۃ)، ”لوگو! بارگاہ الہی میں توبہ و استغفار کیا کرو، میں بھی اللہ کے حضور روزانہ ستر مرتبہ سے زیادہ توبہ و استغفار کرتا ہوں۔“

(۵) یعنی دن کو تم جہاں پھرتے اور جو کچھ کرتے ہو اور رات کو جہاں آرام کرتے اور استقرار پکڑتے ہو، اللہ تعالیٰ جانتا ہے۔ مطلب ہے شب و روز کی کوئی سرگرمی اللہ سے مخفی نہیں ہے۔

اور جو لوگ ایمان لائے وہ کہتے ہیں کوئی سورت کیوں نازل نہیں کی گئی؟^(۱) پھر جب کوئی صاف مطلب والی سورت^(۲) نازل کی جاتی ہے اور اس میں قتال کا ذکر کیا جاتا ہے تو آپ دیکھتے ہیں کہ جن لوگوں کے دلوں میں بیماری ہے وہ آپ کی طرف اس طرح دیکھتے ہیں جیسے اس شخص کی نظر ہوتی ہے جس پر موت کی بیہوشی طاری ہو،^(۳) پس بہت بہتر تھا ان کے لیے۔ (۲۰)

فرمان کا بجالانا اور اچھی بات کا کہنا۔^(۴) پھر جب کام مقرر ہو جائے،^(۵) تو اگر اللہ کے ساتھ سچے رہیں^(۶) تو ان کے لیے بہتری ہے۔^(۷) (۲۱)

اور تم سے یہ بھی بعید نہیں کہ اگر تم کو حکومت مل جائے

وَيَقُولُ الَّذِينَ اسْتَوَلَوْا لَنُرْسِلَنَّ سُورَةً فَاِذَا اُنْزِلَتْ سُورَةٌ مُّحْكَمَةٌ وَذُكِرَ فِيهَا الْقِتَالُ رَأَيْتَ الَّذِينَ فِي فُلُوْهِمْ مَّرْصٌ يَّنْظُرُوْنَ اِلَيْكَ نَظْرَ الْمَعْشِيِّ عَلَيْهِ مِنَ الْمَوْتِ فَأُولَٰئِكَ لَهُمْ

طَاعَةٌ وَقَوْلٌ مَّعْرُوفٌ فَاِذَا اَعَزَمَ الْاَمْرُ فَلَوَصَدَّ قَوْلُ اللّٰهِ لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ

فَهَلْ عَسَيْتُمْ اِنْ تَوَلَّيْتُمْ اَنْ تُفْسِدُوْا فِي الْاَرْضِ وَتَقَطَّعُوْا

(۱) جب جہاد کا حکم نازل نہیں ہوا تھا تو مومنین، جو جذبہ جہاد سے سرشار تھے جہاد کی اجازت کے خواہش مند تھے اور کہتے تھے کہ اس بارے میں کوئی سورت نازل کیوں نہیں کی جاتی؟ یعنی جس میں جہاد کا حکم ہو۔

(۲) یعنی ایسی سورت جو غیر منسوخ ہو۔

(۳) یہ ان منافقین کا ذکر ہے جن پر جہاد کا حکم نہایت گراں گزرتا تھا ان میں بعض کمزور ایمان والے بھی بعض دفعہ شامل ہو جاتے تھے۔ سورہ نساء، آیت ۷۷ میں بھی یہ مضمون بیان کیا گیا ہے۔

(۴) یعنی حکم جہاد سے گھبرانے کے بجائے ان کے لیے بہتر تھا کہ وہ سمع و طاعت کا مظاہرہ کرتے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بات، گستاخی کے بجائے، اچھی بات کہتے۔ یہ اُولَیِّیٰ بمعنی اُجْدَرُ (بہتر) ہے، جسے ابن کثیر نے اختیار کیا ہے۔ بعض نے اولیٰ کو تہدید و وعید کا کلمہ یعنی بددعا قرار دیا ہے۔ مَعْنَاهُ قَارِبُهُ مَا يُبْلِغُکُمْ (ان کی ہلاکت قریب ہے) مطلب ہے، ان کی بزدلی اور نفاق ان کی ہلاکت کا سبب بنے گا۔ اس اعتبار سے طَاعَةٌ وَقَوْلٌ مَّعْرُوفٌ جملہ مستانفہ ہو گا اور اس کی خبر محذوف ہوگی خَيْرٌ لَّكُمْ (فتح القدیر، ایسر التفاسیر)

(۵) یعنی جہاد کی تیاری مکمل ہو جائے اور وقت جہاد آجائے۔

(۶) یعنی اگر اب بھی نفاق چھوڑ کر، اپنی نیت اللہ کے لیے خالص کر لیں، یا رسول کے سامنے رسول ﷺ کے ساتھ لڑنے کا جو عہد کرتے ہیں، اس میں اللہ سے سچے رہیں۔

(۷) یعنی نفاق اور مخالفت کے مقابلے میں توبہ و اخلاص کا مظاہرہ بہتر ہے۔

۱۱۱۱۱۱

تو تم زمین میں فساد برپا کر دو^(۱) اور رشتے ناتے توڑ ڈالو۔ (۲۲)

یہ وہی لوگ ہیں جن پر اللہ کی پھٹکار ہے اور جن کی سماعت اور آنکھوں کی روشنی چھین لی ہے۔ (۲۳)^(۲)
کیا یہ قرآن میں غور و فکر نہیں کرتے؟ یا ان کے دلوں پر ان کے تالے لگ گئے ہیں۔ (۲۴)^(۳)

جو لوگ اپنی پیٹھ کے بل اٹے پھر گئے اس کے بعد کہ ان کے لیے ہدایت واضح^(۴) ہو چکی یقیناً شیطان نے ان کے لیے (ان کے فعل کو) مزین کر دیا ہے اور انہیں ڈھیل دے رکھی ہے۔ (۲۵)^(۵)

یہ^(۶) اس لیے کہ انہوں نے ان لوگوں سے جنہوں نے اللہ کی نازل کردہ وحی کو برا سمجھا یہ کہا^(۷) کہ ہم بھی

أُولَٰئِكَ الَّذِينَ لَعَنَهُمُ اللَّهُ فَأَصَمَّهُمْ وَأَعَمَّى أَبْصَارَهُمْ ۚ

أَفَلَا يَتَذَكَّرُونَ ۚ الْفَرَّانَ أَمْرًا عَلَىٰ كُلِّ قَلْبٍ فَأَمَّا لَهَا ۚ

إِنَّ الَّذِينَ ارْتَدُّوا عَلَىٰ أَدْبَارِهِمْ مِن بَعْدِ مَا بَيَّنَّ لَهُمُ الْهُدَىٰ

الشَّيْطَانُ سَوَّلَ لَهُمْ وَأَمْلَىٰ لَهُمْ ۚ

ذَٰلِكَ بِأَنَّهُمْ قَالُوا لَئِنْ لَمْ يَرْوُوهَا مِنَّا لَنَكُونَنَّ فِي بَعْضِ

(۱) ایک دوسرے کو قتل کر کے۔ یعنی اختیار و اقتدار کا غلط استعمال کرو۔ امام ابن کثیر نے تَوَلَّيْتُمْ کا ترجمہ کیا ہے ”تم جہاد سے پھر جاؤ اور اس سے اعراض کرو“ یعنی تم پھر زمانہ جاہلیت کی طرف لوٹ جاؤ اور باہم خون ریزی اور قطع رحمی کرو۔ اس میں فساد فی الارض کی عموماً اور قطع رحمی کی خصوصاً ممانعت اور اصلاح فی الارض اور صلہ رحمی کی تاکید ہے، جس کا مطلب ہے کہ رشتے داروں کے ساتھ زبان سے، عمل سے اور بذل اموال کے ذریعے سے اچھا سلوک کرو۔ احادیث میں بھی اس کی بڑی تاکید اور فضیلت آئی ہے۔ (ابن کثیر)

(۲) یعنی ایسے لوگوں کے کانوں کو اللہ نے (حق کے سننے سے) بہرہ اور آنکھوں کو (حق کے دیکھنے سے) اندھا کر دیا ہے۔ یہ نتیجہ ہے ان کے مذکورہ اعمال میں سے۔

(۳) جس کی وجہ سے قرآن کے معانی و مفاہیم ان کے دلوں کے اندر نہیں جاتے۔

(۴) اس سے مراد منافقین ہی ہیں جنہوں نے جہاد سے گریز کر کے اپنے کفر و ارتداد کو ظاہر کر دیا۔

(۵) اس کا فاعل بھی شیطان ہے۔ یعنی مَدَّ لَهُمْ فِي الْأَمَلِ وَوَعَدَهُمْ طَوْلَ النُّعْمِ یعنی لمبی آرزوؤں اور اس دھوکے میں مبتلا کر دیا کہ ابھی تو تمہاری بڑی عمر ہے، کیوں لڑائی میں اپنی جان گناتے ہو؟ یا فاعل اللہ ہے، اللہ نے انہیں ڈھیل دی۔ یعنی فوراً ان کا مؤاخذہ نہیں فرمایا۔

(۶) ”یہ“ سے مراد ان کا ارتداد ہے۔

(۷) یعنی منافقین نے مشرکین سے یا یہود سے کہا۔

الْمَوَدَّاءُ اللَّهُ يُعَلِّمُ امْرَأَهُمْ ۝

عنقریب بعض کاموں^(۱) میں تمہارا کما مائیں گے، اور اللہ ان کی پوشیدہ باتیں خوب جانتا ہے۔^(۲) (۲۶)

پس ان کی کیسی (درگت) ہوگی جبکہ فرشتے ان کی روح قبض کرتے ہوئے ان کے چہروں اور ان کی سریشوں پر ماریں گے۔^(۳) (۲۷)

یہ اس بنا پر کہ یہ وہ راہ چلے جس سے انہوں نے اللہ کو ناراض کر دیا اور انہوں نے اس کی رضامندی کو برا جانا، تو اللہ نے ان کے اعمال اکارت کر دیئے۔ (۲۸)

کیا ان لوگوں نے جن کے دلوں میں بیماری ہے یہ سمجھ رکھا ہے کہ اللہ ان کے کیوں کو ظاہر ہی نہ کرے گا۔^(۴) (۲۹)

اور اگر ہم چاہتے تو ان سب کو تجھے دکھا دیتے پس تو انہیں ان کے چہرے سے ہی پہچان لیتا،^(۵) اور یقیناً تو انہیں ان کی بات کے ڈھب سے پہچان لے گا،^(۶)

فَكَيْفَ إِذَا تَوَفَّيْتُهُمُ الْمَلَائِكَةُ يُضْرِبُونَ وُجُوهُهُمْ وَآذِبَارَهُمْ ۝

ذَلِكَ بِأَنَّهُمْ اتَّبَعُوا مَا أَصْحَبَ اللَّهُ وَكَوْهُوا رِضْوَانَهُ فَأَحْبَطَ أَعْمَالَهُمْ ۝

أَمْ حَسِبَ الَّذِينَ فِي قُلُوبِهِمْ مَرَضٌ أَنْ لَنْ يُخْرِجَهُ اللَّهُ أَصْغَانَهُمْ ۝

وَلَوْ نَشَاءُ لَكُنَّا لَهُمْ فَاعِرَةً قَدْهُمْ فِيْهِمْ وَلَتَعْرِفَهُمْ فِي لَحْنِ الْقَوْلِ وَاللَّهُ يَعْلَمُ أَعْمَالَكُمْ ۝

(۱) یعنی نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ ﷺ کے لائے ہوئے دین کی مخالفت میں۔

(۲) جیسے دوسرے مقام پر فرمایا: ﴿وَاللَّهُ يَكْتُبُ مَا يُبَيِّنُونَ﴾ (النساء: ۸۱)

(۳) یہ کافروں کی اس وقت کی کیفیت بیان کی گئی ہے جب فرشتے ان کی روحیں قبض کرتے ہیں۔ روحیں فرشتوں سے بچنے کے لیے جسم کے اندر چھپتی اور ادھر ادھر بھاگتی ہیں تو فرشتے سختی اور زور سے انہیں پکڑتے، کھینچتے اور مارتے ہیں۔ یہ مضمون اس سے قبل سورہ انعام، ۹۳ اور سورہ انفال، ۵۰ میں بھی گزر چکا ہے۔

(۴) أَصْغَانًا، ضِغْن کی جمع ہے، جس کے معنی حسد، کینہ اور بغض کے ہیں۔ منافقین کے دلوں میں اسلام اور مسلمانوں کے خلاف بغض و عناد تھا اس کے حوالے سے کہا جا رہا ہے کہ کیا یہ سمجھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ اسے ظاہر کرنے پر قادر نہیں ہے؟

(۵) یعنی ایک ایک شخص کی اس طرح نشان دہی کر دیتے کہ ہر منافق کو عیاں پہچان لیا جاتا۔ لیکن تمام منافقین کے لیے اللہ نے ایسا اس لیے نہیں کیا کہ یہ اللہ کی صفت ستاری کے خلاف ہے، وہ بالعموم پردہ پوشی فرماتا ہے، پردہ دری نہیں۔ دوسرا اس نے انسانوں کو ظاہر پر فیصلہ کرنے کا اور باطن کا معاملہ اللہ کے سپرد کرنے کا حکم دیا ہے۔

(۶) البتہ ان کا لہجہ اور انداز گفتگو ہی ایسا ہوتا ہے جو ان کے باطن کا غماز ہوتا ہے، جس سے اسے پیغمبر تو ان کو یقیناً پہچان سکتا ہے۔ یہ عام مشاہدے میں آنے والی بات ہے، انسانوں کے دل میں جو کچھ ہوتا ہے، وہ اسے لاکھ چھپائے لیکن انسان کی گفتگو، حرکات و سکنات اور بعض مخصوص کیفیات، اس کے دل کے راز کو آشکارا کر دیتی ہیں۔

وَلْتَبْلُغُوا حَتَّىٰ تَعْلَمُوا الْهُدَىٰ مِنْكُمْ وَالصِّدِّيقِينَ
وَتَبْلُغُوا أَخْبَارَكُمْ ۝ (۳۱)

إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا وَصَدُّوا عَن سَبِيلِ اللَّهِ وَشَاقُّوا
الرَّسُولَ مِن بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمُ الْهُدَىٰ لَن يَصُدُّوا اللَّهَ
شَيْئًا وَيَسْخِطَ أَعْمَالَهُمْ ۝ (۳۲)

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ وَلَا تُبْطِلُوا
أَعْمَالَكُمْ ۝ (۳۳)

إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا وَصَدُّوا عَن سَبِيلِ اللَّهِ ثُمَّ مَاتُوا وَهُمْ
كُفَّارٌ فَلَن يَغْفِرَ اللَّهُ لَهُمْ ۝ (۳۴)

تمہارے سب کام اللہ کو معلوم ہیں۔ (۳۰)

یقیناً ہم تمہارا امتحان کریں گے تاکہ تم میں سے جماد
کرنے والوں اور صبر کرنے والوں کو ظاہر کر دیں اور ہم
تمہاری حالتوں کی بھی جانچ کر لیں۔ (۳۱) (۱)

یقیناً جن لوگوں نے کفر کیا اور اللہ کی راہ سے لوگوں
کو روکا اور رسول کی مخالفت کی اس کے بعد کہ ان کے
لیے ہدایت ظاہر ہو چکی یہ ہرگز ہرگز اللہ کا کچھ نقصان
نہ کریں گے۔ (۳۲) (۲) غنقریب ان کے اعمال وہ غارت کر
دے گا۔ (۳۳) (۳)

اے ایمان والو! اللہ کی اطاعت کرو اور رسول کا کما مانو
اور اپنے اعمال کو غارت نہ کرو۔ (۳۳) (۴)

جن لوگوں نے کفر کیا اور اللہ کی راہ سے اوروں کو روکا
پھر کفر کی حالت میں ہی مر گئے (یقین کر لو) کہ اللہ انہیں
ہرگز نہ بخشے گا۔ (۳۴) (۵)

(۱) اللہ تعالیٰ کے علم میں تو پہلے ہی سب کچھ ہے۔ یہاں علم سے مراد اس کا وقوع اور ظہور ہے تاکہ دوسرے بھی جان لیں اور
دیکھ لیں۔ اسی لیے امام ابن کثیر نے اس کا مفہوم بیان کیا ہے حَتَّىٰ نَعْلَمَ وَفُوعُهُ ہم اس کے وقوع کو جان لیں۔ ابن عباس
رضی اللہ عنہما اس قسم کے الفاظ کا ترجمہ کرتے تھے لَنَرَىٰ، تاکہ ہم دیکھ لیں۔ (ابن کثیر) اور یہی معنی زیادہ واضح ہے۔

(۲) بلکہ اپنا ہی بیزار غرق کریں گے۔

(۳) کیونکہ ایمان کے بغیر کسی عمل کی اللہ کے ہاں کوئی اہمیت نہیں۔ ایمان و اخلاص ہی ہر عمل خیر کو اس قابل بناتا ہے کہ
اس پر اللہ کے ہاں سے اجر ملے۔

(۴) یعنی منافقین اور مرتدین کی طرح ارتداد و نفاق اختیار کر کے، اپنے عملوں کو برباد مت کرو۔ یہ گویا اسلام پر استقامت
کا حکم ہے۔ بعض نے کبار و فواحش کے ارتکاب کو بھی جبط اعمال کا باعث گردانا ہے۔ اسی لیے مومنین کی صفات میں
ایک صفت یہ بھی بیان کی گئی ہے کہ وہ بڑے گناہ اور فواحش سے بچتے ہیں۔ (النجم-۳۲) اس اعتبار سے کبار و فواحش سے
بچنے کی اس میں تاکید ہے۔ اس آیت سے یہ بھی معلوم ہوا کہ کوئی عمل خواہ کتنا ہی بہتر کیوں نہ معلوم ہو تا ہو اگر اللہ اور
اس کے رسول ﷺ کی اطاعت کے دائرے سے باہر ہے تو رائیگاں اور برباد ہے۔

فَلَا تَهْوَؤْا وَتَدْعُوْا اِلَى السَّلَامَةِ وَاَنْتُمْ اِلَاعْمُوْنَ ۝ وَاللّٰهُ
مَعَكُمْ وَلَنْ يَّبْرِكَنَّ اَعْمَالُكُمْ ۝

اِنَّهَا لَعِیْذَةُ الدُّنْیَا لَوْبٌ وَلَهُوَ اَنْ تُؤْمِنُوْا وَتَتَّقُوْا یُؤْتِیْكُمْ
اُجُوْرَكُمْ وَلَا یَسْئَلْكُمْ اَمْوَالُكُمْ ۝

اِنْ یَسْئَلْکُمْوَمَا یُعِیْظُکُمْ فَبَعْثُوْا وَیُخْبِرُکُمْ اَضَعَانُكُمْ ۝

پس تم بودے بن کر صلح کی درخواست پر نہ اتر آؤ جبکہ تم ہی
بلند و غالب رہو گے ^(۱) اور اللہ تمہارے ساتھ ہے، ^(۲)
ناممکن ہے کہ وہ تمہارے اعمال ضائع کر دے۔ ^(۳) (۳۵)
واقعی زندگی دنیا تو صرف کھیل کود ہے ^(۴) اور اگر تم
ایمان لے آؤ گے اور تقویٰ اختیار کرو گے تو اللہ تمہیں
تمہارے اجر دے گا اور وہ تم سے تمہارے مال نہیں
مانگتا۔ ^(۵) (۳۶)

اگر وہ تم سے تمہارا مال مانگے اور زور دے کر مانگے تو تم
اس سے بخیلی کرنے لگو گے اور وہ تمہارے کینے ظاہر کر
دے گا۔ ^(۶) (۳۷)

(۱) مطلب یہ ہے کہ جب تم تعداد اور قوت و طاقت کے اعتبار سے دشمن پر غالب اور فائق تر ہو تو ایسی صورت میں
کفار کے ساتھ صلح اور کمزوری کا مظاہرہ مت کرو، بلکہ کفر پر ایسی کاری ضرب لگاؤ کہ اللہ کا دین سربلند ہو جائے۔ غالب و
برتر ہوتے ہوئے کفر کے ساتھ مصالحت کا مطلب، کفر کے اثر و نفوذ کے بڑھانے میں مدد دینا ہے۔ یہ ایک بڑا جرم ہے۔
اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ کافروں کے ساتھ صلح کرنے کی اجازت نہیں ہے۔ یہ اجازت یقیناً ہے، لیکن ہر وقت نہیں۔
صرف اس وقت ہے جب مسلمان تعداد میں کم اور وسائل کے لحاظ سے فروتر ہوں۔ ایسے حالات میں لڑائی کی یہ نسبت
صلح میں زیادہ فائدہ ہے تاکہ مسلمان اس موقع سے فائدہ اٹھا کر بھرپور تیاری کر لیں، جیسے خود نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے
کفار مکہ سے جنگ نہ کرنے کا دس سالہ معاہدہ کیا تھا۔

(۲) اس میں مسلمانوں کے لیے دشمن پر فتح و نصرت کی عظیم بشارت ہے۔ جس کے ساتھ اللہ ہو، اس کو کون شکست
دے سکتا ہے؟

(۳) بلکہ وہ اس پر پورا اجر دے گا اور اس میں کوئی کمی نہیں کرے گا۔

(۴) یعنی ایک فریب اور دھوکہ ہے، اس کی کسی چیز کی بنیاد ہے نہ اس کو ثبات اور نہ اس کا اعتبار۔

(۵) یعنی وہ تمہارے مالوں سے بے نیاز ہے۔ اسی لیے اس نے تم سے زکوٰۃ میں کل مال کا مطالبہ نہیں کیا بلکہ اس کے
ایک نہایت قلیل حصے کا یعنی صرف ڈھائی فی صد کا اور وہ بھی ایک سال کے بعد اپنی ضرورت سے زیادہ ہونے پر، علاوہ
ازیں اس کا مقصد بھی تمہارے اپنے ہی بھائی بندوں کی مدد اور خیر خواہی ہے نہ کہ اللہ اس مال سے اپنی حکومت کے
اخراجات پورے کرتا ہے۔

(۶) یعنی اگر ضرورت سے زائد کل مال کا مطالبہ کرے اور وہ بھی اصرار کے ساتھ اور زور دے کر تو یہ انسانی فطرت ہے کہ تم

خبردار! تم وہ لوگ ہو کہ اللہ کی راہ میں خرچ کرنے کے لیے بلائے جاتے ہو،^(۱) تو تم میں سے بعض بخیلی کرنے لگتے ہیں اور جو بخل کرتا ہے وہ تو دراصل اپنی جان سے بخیلی کرتا ہے۔^(۲) اللہ تعالیٰ غنی ہے اور تم فقیر (اور محتاج) ہو^(۳) اور اگر تم روگردان ہو جاؤ^(۴) تو وہ تمہارے بدلے تمہارے سوا اور لوگوں کو لائے گا جو پھر تم جیسے نہ ہوں گے۔^(۵) (۳۸)

سورہ فتح مدنی ہے اور اس میں اتنی آیتیں ہیں اور چار رکوع ہیں۔

شروع کرتا ہوں اللہ تعالیٰ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے۔

بیشک (اے نبی) ہم نے آپ کو ایک کھلم کھلا فتح دی ہے۔ (۱)

هَآأَنْتُمْ هَآؤَآءُ تَدْعُونَ لِنُفِيقُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ فَمِنْكُمْ مَنْ يَبْخُلُ وَمَنْ يَبْخُلْ فَإِنَّمَا يَحْمِلُ عَنْ نَفْسِهِ وَاللَّهُ الْغَنِيُّ وَأَنْتُمُ الْفُقَرَاءُ وَإِنْ تَتَوَلَّوْا يَسْتَبْدِلْ قَوْمًا غَيْرَكُمْ ثُمَّ لَا يَكُونُوا أَمْثَلَكُمْ ۝



بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ ۝

إِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُبِينًا ۝

بخل بھی کرو گے اور اسلام کے خلاف اپنے بغض و عناد کا اظہار بھی۔ یعنی اس صورت میں خود اسلام کے خلاف بھی تمہارے دلوں میں عناد پیدا ہو جائے گا یہ اچھا دین ہے جو ہماری محنت کی ساری کمائی اپنے دامن میں سمیٹ لینا چاہتا ہے۔!

(۱) یعنی کچھ حصہ زکوٰۃ کے طور پر اور کچھ اللہ کے راستے میں خرچ کرو۔

(۲) یعنی اپنے ہی نفس کو اتفاق فی سبیل اللہ کے اجر سے محروم رکھتا ہے۔

(۳) یعنی اللہ تمہیں خرچ کرنے کی ترغیب اس لیے نہیں دیتا کہ وہ تمہارے مال کا ضرورت مند ہے۔ نہیں، وہ تو غنی ہے، بے نیاز ہے، وہ تو تمہارے ہی فائدے کے لیے تمہیں یہ حکم دیتا ہے کہ اس سے ایک تو تمہارے اپنے نفسوں کا تزکیہ ہو۔ دوسرے، تمہارے ضرورت مندوں کی حاجتیں پوری ہوں۔ تیسرے، تم دشمن پر غالب اور برتر رہو۔ اس لیے اللہ کی رحمت اور مدد کے محتاج تم ہو نہ کہ اللہ تمہارا محتاج ہے۔

(۴) یعنی اسلام سے کفر کی طرف پھر جاؤ۔

(۵) بلکہ تم سے زیادہ اللہ اور رسول کے اطاعت گزار اور اللہ کی راہ میں خوب خرچ کرنے والے ہوں گے۔ نبی ﷺ سے اس کی بابت پوچھا گیا تو آپ ﷺ نے حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر فرمایا ”اس سے مراد یہ اور اس کی قوم ہے۔ قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے، اگر ایمان ثریا (ستارے) کے ساتھ بھی لٹکا ہوا ہو تو اس کو فارس کے کچھ لوگ حاصل کر لیں گے۔“ (الترمذی۔ ذکرہ الألبانی فی الصحیحۃ ۳/ ۱۴)

☆ ۶/ ہجری میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور ۱۴ سو کے قریب صحابہ رضی اللہ عنہم عمرے کی نیت سے مکہ تشریف لے گئے،

تاکہ جو کچھ تیرے گناہ آگے ہوئے اور جو پیچھے سب کو اللہ تعالیٰ معاف فرمائے،^(۱) اور تجھ پر اپنا احسان پورا کر دے^(۲) اور تجھے سیدھی راہ چلائے۔^(۳)

اور آپ کو ایک زبردست مدد دے۔^(۳)

لِيَغْفِرَ لَكَ اللَّهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِكَ وَمَا تَأَخَّرَ وَيُتِمِّمَ بِكَ نِعَمَتَهُ عَلَيْكَ وَيَهْدِيَكَ صِرَاطًا مُسْتَقِيمًا ۝

وَيُتِمِّمُ اللَّهُ نِعَمَهُ عَلَيْكَ ۝

لیکن کئے کے قریب حدیبیہ کے مقام پر کافروں نے آپ ﷺ کو روک لیا اور عمرہ نہیں کرنے دیا، آپ ﷺ نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو اپنا نمائندہ بنا کر مکہ بھیجا تاکہ وہ رؤسائے قریش سے گفتگو کر کے انہیں مسلمانوں کو عمرہ کرنے کی اجازت دینے پر آمادہ کریں۔ لیکن حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے مکہ جانے کے بعد ان کی شہادت کی افواہ پھیل گئی، جس پر آپ ﷺ نے صحابہ رضی اللہ عنہم سے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا بدلہ لینے کی بیعت لی جو بیعت رضوان کہلاتی ہے۔ یہ افواہ غلط نکلی، تاہم کفار مکہ نے اجازت نہیں دی اور مسلمانوں نے آئندہ سال کے وعدے پر واپسی کا ارادہ کر لیا، وہیں اپنے سر بھی منڈا لیے اور قربانیاں کر لیں۔ نیز کفار سے اور بھی چند باتوں کا معاہدہ ہوا، جنہیں صحابہ رضی اللہ عنہم کی اکثریت ناپسند کرتی تھی لیکن نگاہ رسالت نے اس کے دور رس اثرات کا اندازہ لگاتے ہوئے، کفار کی شرائط پر ہی صلح کو بہتر سمجھا۔ حدیبیہ سے مدینے کی طرف آتے ہوئے راستے میں یہ سورت اتری، جس میں صلح کو فتح مبین سے تعبیر فرمایا گیا چونکہ یہ صلح فتح مکہ کا پیش خیمہ ثابت ہوئی اور اس کے دو سال بعد ہی مسلمان مکہ میں فاتحانہ طور پر داخل ہوئے۔ اسی لیے بعض صحابہ رضی اللہ عنہم کہتے تھے کہ تم فتح مکہ کو فتح شمار کرتے ہو لیکن ہم حدیبیہ کی صلح کو فتح شمار کرتے ہیں۔ اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سورت کی بابت فرمایا کہ آج کی رات مجھ پر وہ سورت نازل ہوئی ہے جو مجھے دنیا و مافیہا سے زیادہ محبوب ہے (صحیح بخاری، کتاب المغازی، باب غزوة الحديبية وتفسير سورة الفتح)

(۱) اس سے مراد ترک اولیٰ والے معاملات یا وہ امور ہیں جو آپ ﷺ نے اپنے فہم و اجتہاد سے کیے، لیکن اللہ نے انہیں ناپسند فرمایا، جیسے عبد اللہ بن ام مکتوم رضی اللہ عنہ وغیرہ کا واقعہ ہے جس پر سورہ عبس کا نزول ہوا، یہ معاملات و امور اگرچہ گناہ اور منافی عصمت نہیں، لیکن آپ ﷺ کی شان ارفع کے پیش نظر انہیں بھی کو تاہیاں شمار کر لیا گیا، جس پر معافی کا اعلان فرمایا جا رہا ہے۔ لِيَغْفِرَ میں لام تعلیل کے لیے ہے۔ یعنی یہ فتح مبین ان تین چیزوں کا سبب ہے جو آیت میں مذکور ہیں۔ اور یہ مغفرت و نوب کا سبب، اس اعتبار سے ہے کہ اس صلح کے بعد قبول اسلام کرنے والوں کی تعداد میں بکثرت اضافہ ہوا، جس سے آپ ﷺ کے اجر عظیم میں بھی خوب اضافہ ہوا اور حسنات و بلندی درجات میں بھی۔

(۲) اس دین کو غالب کر کے جس کی تم دعوت دیتے ہو۔ یا فتح و غلبہ عطا کر کے۔ اور بعض کہتے ہیں کہ مغفرت اور ہدایت پر استقامت یہی اتمام نعت ہے (فتح القدیر)

(۳) یعنی اس پر استقامت نصیب فرمائے۔ ہدایت کے اعلیٰ سے اعلیٰ درجات سے نوازے۔

هُوَ الَّذِي أَنْزَلَ السَّكِينَةَ فِي قُلُوبِ الْمُؤْمِنِينَ
لِيُذْخِرُوا الْإِيمَانَ لِيُتْلَوْا بِهِمْ فَلِلَّهِ جُودُ السَّلَاطِ
وَالْأَلْفِ وَكَانَ اللَّهُ عَلِيمًا حَكِيمًا ۝

لِيُذْخِلَ الْمُؤْمِنِينَ وَالْمُؤْمِنَاتِ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا
الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا وَلِكُلِّ وُجْهٍ عَنْهُمْ سَبِيلٌ وَكَانَ ذَلِكَ
عِنْدَ اللَّهِ قَوْلًا عَظِيمًا ۝

وَعَذَابُ الْمُنْفِقِينَ وَالْمُنْفِقَاتِ وَالْمُشْرِكِينَ وَالْمُشْرِكَاتِ
الْكَاذِبِينَ بِاللَّهِ طَرَفَ السَّوَةِ عَلَيْهِمْ دَائِرَةُ السَّوَةِ وَغَضِبَ

وہی ہے جس نے مسلمانوں کے دلوں میں سکون (اور
اطمینان) ڈال دیا تاکہ اپنے ایمان کے ساتھ ہی ساتھ اور
بھی ایمان میں بڑھ جائیں^(۱) اور آسمانوں اور زمین کے
(کل) لشکر اللہ ہی کے ہیں۔^(۲) اور اللہ تعالیٰ دانا باحکمت
ہے۔^(۳)

تاکہ مومن مردوں اور عورتوں کو ان جنتوں میں لے
جائے جن^(۴) کے نیچے نہریں بہ رہی ہیں جہاں وہ ہمیشہ
رہیں گے اور ان سے ان کے گناہ دور کر دے، اور اللہ
کے نزدیک یہ بہت بڑی کامیابی ہے۔^(۵)

اور تاکہ ان منافق مردوں اور منافق عورتوں اور
مشرک مردوں اور مشرکہ عورتوں کو عذاب دے جو
اللہ تعالیٰ کے بارے میں بدگمانیاں رکھنے والے ہیں،^(۶)

(۱) یعنی اس اضطراب کے بعد، جو مسلمانوں کو شرائط صلح کی وجہ سے لاحق ہوا، اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں میں سکینت
نازل فرمادی، جس سے ان کے دلوں کو اطمینان، سکون اور ایمان مزید حاصل ہوا۔ یہ آیت بھی اس بات کی دلیل ہے کہ
ایمان میں کمی بیشی ہوتی ہے۔

(۲) یعنی اگر اللہ تعالیٰ چاہے تو اپنے کسی لشکر (مثلاً فرشتوں) سے کفار کو ہلاک کروادے۔ لیکن اس نے اپنی حکمت بالذہ
کے تحت ایسا نہیں کیا اور اس کے بجائے مومنوں کو قتل و جہاد کا حکم دیا۔ اسی لیے آگے اپنی صفت علیم و حکیم بیان فرمائی
ہے۔ یا مطلب ہے کہ آسمان و زمین کے فرشتے اور اسی طرح دیگر ذی شوکت و قوت لشکر سب اللہ کے تابع ہیں اور ان
سے جس طرح چاہتا ہے کام لیتا ہے۔ بعض دفعہ وہ ایک کافر گروہ کو ہی دوسرے کافر گروہ پر مسلط کر کے مسلمانوں کی امداد
کی صورت پیدا فرما دیتا ہے۔ مقصد یہ بیان کرنا ہے کہ اے مومنو! اللہ تعالیٰ تمہارا محتاج نہیں ہے، وہ اپنے پیغمبر اور اپنے
دین کی مدد کا کام کسی بھی گروہ اور لشکر سے لے سکتا ہے۔ (ابن کثیر و ایمر التفسیر)

(۳) حدیث میں آتا ہے کہ جب مسلمانوں نے سورہ فتح کا ابتدائی حصہ سنا لِيَغْفِرَ لَكَ اللَّهُ تو انہوں نے نبی صلی اللہ
علیہ وسلم سے کہا ”آپ ﷺ کو مبارک ہو، ہمارے لیے کیا ہے؟“ جس پر اللہ نے آیت لِيُذْخِلَ الْمُؤْمِنِينَ نازل فرما
دی (صحیح بخاری، باب غزوة الحديبية)، بعض کہتے ہیں کہ یہ لِيُذْخِلَ دَاوَا یا يَنْصُرَكَ کے متعلق ہے۔

(۴) یعنی اللہ کو اس کے مکملوں پر متم کرتے ہیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم کے

(در اصل) انہیں پر برائی کا پھیرا ہے،^(۱) اللہ ان پر ناراض ہوا اور انہیں لعنت کی اور ان کے لیے دوزخ تیار کی اور وہ (بست) بری لوٹنے کی جگہ ہے۔ (۶)

اور اللہ ہی کے لیے آسمانوں اور زمین کے لشکر ہیں اور اللہ غالب اور حکمت والا ہے۔^(۷) (۷)

یقیناً ہم نے تجھے گواہی دینے والا اور خوشخبری سننے والا اور ڈرانے والا بنا کر بھیجا ہے۔ (۸)

تاکہ (اے مسلمانو!) تم اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ اور اس کی مدد کرو اور اس کا ادب کرو اور اللہ کی پاکی بیان کرو صبح و شام۔ (۹)

جو لوگ تجھ سے بیعت کرتے ہیں وہ یقیناً اللہ سے بیعت کرتے ہیں،^(۳) ان کے ہاتھوں پر اللہ کا ہاتھ ہے،^(۴) تو جو شخص عہد شکنی کرے وہ اپنے نفس پر ہی عہد شکنی کرتا ہے^(۵) اور جو شخص اس اقرار کو پورا کرے جو اس نے

اللَّهُ عَلَيْهِمْ وَلَعَنَهُمْ وَأَعَدَّ لَهُمْ جَهَنَّمَ وَسَاءَتْ مَصِيرًا ۝

وَلِلَّهِ جُودُ السُّلُوبِ وَالْأَرْضُ وَكَانَ اللَّهُ غَنِيًّا حَكِيمًا ۝

إِنَّا أَرْسَلْنَاكَ شَاهِدًا أَوْ مُبَشِّرًا وَنَذِيرًا ۝

لَتُؤْمِنُوا بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ وَلَتُعَزِّرُوهُ وَتُوَقِّرُوهُ وَتُسَبِّحُوهُ بُرَةً وَأَصِيلًا ۝

إِنَّ الَّذِينَ يَبَايِعُونَكَ إِنَّمَا يُبَايِعُونَ اللَّهَ يَدُ اللَّهِ فَوْقَ أَيْدِيهِمْ فَمَنْ عَاقَبَ فَإِنَّمَا يَكُفُّ عَنْ نَفْسِهِ وَمَنْ أَوْفَى بِمَا عَاهَدَ عَلَيْهِ اللَّهُ فَمِنْ بَيْنِي وَبَيْنَ أَجْرٍ عَظِيمًا ۝

بارے میں گمان رکھتے ہیں کہ یہ مغلوب یا مقتول ہو جائیں گے اور دین اسلام کا خاتمہ ہو جائے گا۔ (ابن کثیر)

(۱) یعنی یہ جس گردش، عذاب یا ہلاکت کے مسلمانوں کے لیے منتظر ہیں، وہ تو ان ہی کا مقدر بننے والی ہے۔

(۲) یہاں اسے منافقین اور کفار کے ضمن میں دوبارہ بیان فرمایا کہ اللہ تعالیٰ اپنے ان دشمنوں کو ہر طرح ہلاک کرنے پر قادر ہے۔ یہ الگ بات ہے کہ وہ اپنی حکمت و مشیت کے تحت ان کو جتنی چاہے مہلت دے دے۔

(۳) یعنی یہ بیعت دراصل اللہ ہی کی ہے، کیونکہ اسی نے جہاد کا حکم دیا ہے اور اس پر اجر بھی وہی عطا فرمائے گا۔ جس طرح دوسرے مقام پر فرمایا کہ یہ اپنے نفسوں اور مالوں کا جنت کے بدلے اللہ کے ساتھ سودا ہے (التوبہ: ۱۱۱) یہ اسی طرح ہے جیسے ﴿مَنْ يُطِيعِ الرَّسُولَ فَقَدْ أَطَاعَ اللَّهَ﴾ (النساء: ۸۰)

(۴) آیت سے وہی بیعت رضوان مراد ہے جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی خبر شہادت سن کر ان کا انتقام لینے کے لیے حدیبیہ میں موجود ۱۵ یا ۱۳ سو مسلمانوں سے لی تھی۔

(۵) نَحْنُ (عہد شکنی) سے مراد یہاں بیعت کا توڑ دینا یعنی عہد کے مطابق لڑائی میں حصہ نہ لینا ہے۔ یعنی جو شخص ایسا کرے گا تو اس کا وبال اسی پر پڑے گا۔

اللہ کے ساتھ کیا ہے ^(۱) تو اسے غفریب اللہ بہت بڑا اجر دے گا۔ (۱۰)

دیساتوں میں سے جو لوگ پیچھے چھوڑ دیئے گئے تھے وہ اب تجھ سے کہیں گے کہ ہم اپنے مال اور مال بچوں میں لگے رہ گئے پس آپ ہمارے لیے مغفرت طلب کیجئے۔ ^(۲) یہ لوگ اپنی زبانوں سے وہ کہتے ہیں جو ان کے دلوں میں نہیں ہے۔ ^(۳) آپ جواب دے دیجئے کہ تمہارے لیے اللہ کی طرف سے کسی چیز کا بھی اختیار کون رکھتا ہے اگر وہ تمہیں نقصان پہنچانا چاہے تو ^(۴) یا تمہیں کوئی نفع دینا چاہے ^(۵) تو، بلکہ تم جو کچھ کر رہے ہو اس سے اللہ خوب

سَيَقُولُ لَكَ الْمُخَلَّفُونَ مِنَ الْأَعْرَابِ شَغَلَتْنَا أَمْوَالُنَا وَأَهْلُونَا فَاسْتَغْفِرْنَا يَقُولُونَ بِأَلْسِنَتِهِمْ مَا لَيْسَ فِي قُلُوبِهِمْ قُلْ مَنْ يَمْلِكُ لَكُمْ مِنَ اللَّهِ شَيْئًا إِنْ أَرَادَ بِكُمْ ضَرًّا أَوْ أَرَادَ بِكُمْ نَفْعًا بَلْ كَانَ اللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِيرًا ⑩

(۱) کہ وہ اللہ کے رسول ﷺ کی مدد کرے گا، ان کے ساتھ ہو کر لڑے گا، یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو فتح و غلبہ عطا فرمادے۔

(۲) اس سے مدینے کے اطراف میں آباد قبیلے، غفار، مزینہ، جہینہ، اسلم اور دہل مراد ہیں۔ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے خواب دیکھنے کے بعد (جس کی تفصیل آگے آئے گی) عمرے کے لیے مکہ جانے کی عام منادی کرا دی۔ مذکورہ قبیلوں نے سوچا کہ موجودہ حالات تو مکہ جانے کے لیے سازگار نہیں ہیں۔ وہاں ابھی کافروں کا غلبہ ہے اور مسلمان کمزور ہیں نیز مسلمان عمرے کے لیے پورے طور پر ہتھیار بند ہو کر بھی نہیں جاسکتے۔ اگر ایسے میں کافروں نے مسلمانوں کے ساتھ لڑنے کا فیصلہ کر لیا تو مسلمان خالی ہاتھ ان کا مقابلہ کس طرح کریں گے؟ اس وقت مکہ جانے کا مطلب اپنے آپ کو ہلاکت میں ڈالنا ہے۔ چنانچہ یہ لوگ آپ ﷺ کے ساتھ عمرے کے لیے نہیں گئے۔ اللہ تعالیٰ ان کی بابت فرما رہا ہے کہ یہ تجھ سے مشغولیتوں کا عذر پیش کر کے طلب مغفرت کی التجائیں کریں گے۔

(۳) یعنی زبانوں پر تو یہ ہے کہ ہمارے پیچھے ہمارے گھروں کی اور بیوی بچوں کی نگرانی کرنے والا کوئی نہیں تھا۔ اس لیے ہمیں خود ہی رکنا پڑا، لیکن حقیقت میں ان کا پیچھے رہنا، نفاق اور اندیشہ موت کی وجہ سے تھا۔

(۴) یعنی اگر اللہ تمہارے مال ضائع کرنے اور تمہارے اہل کو ہلاک کرنے کا فیصلہ کر لے تو کیا تم میں سے کوئی اختیار رکھتا ہے کہ وہ اللہ کو ایسا نہ کرنے دے۔

(۵) یعنی تمہیں مدد پہنچانا اور تمہیں غنیمت سے نوازنا چاہیے۔ تو کوئی روک سکتا ہے؟ یہ دراصل مذکورہ متخلفین (پیچھے رہ جانے والوں) کا رد ہے جنہوں نے یہ گمان کر لیا تھا کہ وہ اگر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نہیں گئے تو نقصان سے محفوظ اور منافع سے بہرہ ور ہوں گے۔ حالانکہ نفع و ضرر کا سارا اختیار اللہ کے ہاتھ میں ہے۔

باخبر ہے۔^(۱)

(نہیں) بلکہ تم نے تو یہ گمان کر رکھا تھا کہ پیغمبر اور مسلمانوں کا اپنے گھروں کی طرف لوٹ آنا قطعاً ناممکن ہے اور یہی خیال تمہارے دلوں میں رچ بس گیا تھا اور تم نے برا گمان کر رکھا تھا۔^(۲) دراصل تم لوگ ہو بھی ہلاک ہونے والے۔^(۳)

اور جو شخص اللہ پر اور اس کے رسول پر ایمان نہ لائے تو ہم نے بھی ایسے کافروں کے لیے دہکتی آگ تیار کر رکھی ہے۔^(۴)

اور زمین اور آسمانوں کی بادشاہت اللہ ہی کے لیے ہے جسے چاہے بخشے اور جسے چاہے عذاب کرے۔ اور اللہ بڑا بخشنے والا مہربان ہے۔^(۵)

جب تم غنیمتیں لینے جانے لگو گے تو جھٹ سے یہ پیچھے چھوڑے ہوئے لوگ کہنے لگیں گے کہ ہمیں بھی اپنے ساتھ چلنے کی اجازت دیجئے،^(۶) وہ چاہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ

بَلْ كُنْتُمْ أَنْتُمْ تَنْقَلِبُ الرُّسُولَ وَالْمُؤْمِنُونَ إِلَى أَهْلِيهِمْ أَبَدًا وَذَٰلِكَ فِي قُلُوبِكُمْ وَظَنَنْتُمْ ظَنًّا السَّوْءَ وَكُنْتُمْ قَوْمًا بُورًا ﴿۱﴾

وَمَنْ لَّمْ يُؤْمِنْ بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ فَإِنَّا أَعْتَدْنَا لِلْكَافِرِينَ سَعِيرًا ﴿۲﴾

وَاللَّهُ مَلِكُ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ ۚ يَغْفِرُ لِمَن يَشَاءُ وَيُعَذِّبُ مَن يَشَاءُ ۚ وَاللَّهُ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ﴿۳﴾

سَيَقُولُ الْمُخَلَّفُونَ إِذَا انطَلَقْتُمْ إِلَى مَغَائِرِكُمْ لَتَذَرُونَنَا دُونَ مَا كُنْتُمْ تُوعِدُنَا ۚ وَأَنْتُمْ يَوْمًا تُؤْذِنُونَ أَنْ تَبِيدُوا ۚ وَلَئِنَّا لَوَّا كَلَامَ اللَّهِ فُلْ كُنْ

(۱) یعنی تمہیں تمہارے عملوں کی پوری جزا دے گا۔

(۲) اور وہ یہی تھا کہ اللہ اپنے رسول ﷺ کی مدد نہیں کرے گا۔ یہ وہی پہلا گمان ہے، تکرار تاکید کے لیے ہے۔

(۳) بُورُ، بآؤ کی جمع ہے، ہلاک ہونے والا، یعنی یہ وہ لوگ ہیں جن کا مقدر ہلاکت ہے۔ اگر دنیا میں یہ اللہ کے عذاب سے بچ گئے تو آخرت میں تو بیخ کر نہیں جاسکتے وہاں تو عذاب ہر صورت میں بھگتنا ہو گا۔

(۴) اس میں متخلفین کے لیے توبہ و انابت الی اللہ کی ترغیب ہے کہ اگر وہ نفاق سے توبہ کر لیں تو اللہ تعالیٰ انہیں معاف فرما دے گا، وہ بڑا بخشنے والا، نہایت مہربان ہے۔

(۵) اس میں غزوہ خیبر کا ذکر ہے جس کی فتح کی نوید اللہ تعالیٰ نے حدیبیہ میں دی تھی، نیز اللہ تعالیٰ نے یہ بھی فرمایا تھا کہ یہاں سے جتنا بھی مال غنیمت حاصل ہو گا وہ صرف حدیبیہ میں شریک ہونے والوں کا حصہ ہے۔ چنانچہ حدیبیہ سے واپسی کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہودیوں کی مسلسل عہد شکنی کی وجہ سے خیبر پر چڑھائی کا پروگرام بنایا تو مذکورہ متخلفین نے بھی محض مال غنیمت کے حصول کے لیے ساتھ جانے کا ارادہ ظاہر کیا، جسے منظور نہیں کیا گیا۔ آیت میں مغانم سے مراد مغانم خیبر ہی ہیں۔

کے کلام کو بدل دیں^(۱) آپ کہہ دیجئے! کہ اللہ تعالیٰ پہلے ہی فرما چکا ہے کہ تم ہرگز ہمارے ساتھ نہیں چلو گے،^(۲) وہ اس کا جواب دیں گے (نہیں نہیں) بلکہ تم ہم سے حسد کرتے ہو،^(۳) (اصل بات یہ ہے) کہ وہ لوگ بہت ہی کم سمجھتے ہیں۔^(۴) (۱۵)

آپ پیچھے چھوڑے ہوئے بدویوں سے کہہ دو کہ عنقریب تم ایک سخت جنگجو قوم کی طرف بلائے جاؤ گے کہ تم ان سے لڑو گے یا وہ مسلمان ہو جائیں گے^(۵) پس اگر تم اطاعت کرو^(۶) گے تو اللہ تمہیں بہت بہتر بدلہ دے گا^(۷) اور اگر تم نے منہ پھیر لیا جیسا کہ اس سے پہلے تم منہ پھیر چکے ہو تو وہ تمہیں دردناک عذاب دے گا۔^(۸) (۱۶)

تَبَعُونَا كَذٰلِكَ قَالَ اللّٰهُ مِنْ قَبْلِہٖ فَيَقُولُوْنَ
بَلْ نَحْسَدُوْكَ وَنَحْنُ اَنْتَ الْاَوَّلُ الْفٰسِقُ ۝۱۵

قُلْ لِلّٰهِ الْخَلْقُ كُلِّیْنَ مِنَ الْاَعْرَابِ سَتَدْعُوْنَ اِلٰی قَوْمٍ اُولٰٓئِیْہِمْ
شَدِیْدُ نِفَاتٍ اُولٰٓئِیْہِمْ اَوْدِعُوْهُمُ اَوْ اُخْرِجُوْهُمْ اَوْ یُؤْتِیْہُمُ اللّٰهُ اُجْرًا
حَسَنًا اَوْ اَنْ تَتَّخِذُوْا كَمَا تَوْفِیْقُہُمْ مِنْ قَبْلِہٖ یَعِدُ اللّٰهُ عَذَابًا لِّیَمِّنًا ۝۱۶

(۱) اللہ کے کلام سے مراد، اللہ کا خیر کی غنیمت کو اہل حدیبیہ کے لیے خاص کرنے کا وعدہ ہے۔ منافقین اس میں شریک ہو کر اللہ کے کلام یعنی اس کے وعدے کو بدلنا چاہتے تھے۔

(۲) یہ نفی بمعنی نہی ہے یعنی تمہیں ہمارے ساتھ چلنے کی اجازت نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ کا حکم بھی یہی ہے۔

(۳) یعنی یہ منافقین کہیں گے کہ تم ہمیں حسد کی بنا پر ساتھ لے جانے سے گریز کر رہے ہو تاکہ مال غنیمت میں ہم تمہارے شریک نہ ہوں۔

(۴) یعنی بات یہ نہیں ہے جو وہ سمجھ رہے ہیں، بلکہ یہ پابندی ان کے پیچھے رہنے کی پاداش میں ہے۔ لیکن اصل بات ان کی سمجھ میں نہیں آ رہی ہے۔

(۵) اس جنگ جو قوم کی تعیین میں اختلاف ہے، بعض مفسرین اس سے عرب کے ہی بعض قبائل مراد لیتے ہیں، مثلاً ہوازن یا حقیقت، جن سے حنین کے مقام پر مسلمانوں کی جنگ ہوئی۔ یا مسیلۃ الکذاب کی قوم بنو حنیفہ۔ اور بعض نے فارس اور روم کے مجوسی و عیسائی مراد لیے ہیں۔ ان پیچھے رہ جانے والے بدویوں سے کہا جا رہا ہے کہ عنقریب ایک جنگجو قوم سے مقابلے کے لیے تمہیں بلایا جائے گا۔ اگر وہ مسلمان نہ ہوئے تو تمہاری اور ان کی جنگ ہوگی۔

(۶) یعنی خلوص دل سے مسلمانوں کے ساتھ مل کر لڑو گے۔

(۷) دنیا میں غنیمت اور آخرت میں بچھلے گناہوں کی مغفرت اور جنت۔

(۸) یعنی جس طرح حدیبیہ کے موقع پر تم نے مسلمانوں کے ساتھ مکہ جانے سے گریز کیا تھا، اسی طرح اب بھی تم جہاد سے بھاگو گے، تو پھر اللہ کا دردناک عذاب تمہارے لیے تیار ہے۔

اندھے پر کوئی حرج نہیں ہے اور نہ لنگڑے پر کوئی حرج ہے اور نہ بیمار پر کوئی حرج ہے،^(۱) جو کوئی اللہ اور اس کے رسول کی فرمانبرداری کرے اسے اللہ ایسی جنتوں میں داخل کرے گا جس کے (درختوں) تلے نہریں جاری ہیں اور جو منہ پھیر لے اسے دردناک عذاب (کی سزا) دے گا۔ (۱۷)

یقیناً اللہ تعالیٰ مومنوں سے خوش ہو گیا جبکہ وہ درخت تلے تجھ سے بیعت کر رہے تھے۔^(۲) ان کے دلوں میں جو تھا اسے اس نے معلوم کر لیا^(۳) اور ان پر اطمینان نازل فرمایا^(۴) اور انہیں قریب کی فتح عنایت فرمائی^(۵) (۱۸) اور بہت سی غنیمتیں جنہیں وہ حاصل کریں گے^(۶) اور

لَيْسَ عَلَى الْأَعْمَى حَرَجٌ وَلَا عَلَى الْأَعْرَجِ حَرَجٌ وَلَا عَلَى الْمَرْيُومِ حَرَجٌ وَمَنْ يُطِيعِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ يَدْخُلْهُ جَنَّتُ بَحْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ وَمَنْ يَتَّبِعِ يَدْخُلْهُ عَذَابُ آلِ يَمَّا ۝

لَقَدْ رَضِيَ اللَّهُ عَنِ الْمُؤْمِنِينَ إِذْ يُبَايِعُونَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ فَعَلِمَ مَا فِي قُلُوبِهِمْ فَأَنْزَلَ السَّكِينَةَ عَلَيْهِمْ وَأَثَابَهُمْ فَتْحًا قَرِيبًا ۝

وَمَعْلَمٌ كَثِيرٌ يَأْخُذُ بِهَا وَاللَّهُ عَزِيزٌ أَعْلَمُ ۝

(۱) بصارت سے محرومی اور لنگڑے پن کی وجہ سے چلنے پھرنے سے معذوری۔ یہ دونوں عذر تو لازمی ہیں۔ ان اصحاب عذریا ان جیسے دیگر معذورین کو جہاد سے مستثنیٰ کر دیا گیا۔ حرج کے معنی گناہ کے ہیں ان کے علاوہ جو بیماریاں ہیں، وہ عارضی عذر ہیں، جب تک وہ واقعی بیمار ہے، شرکت جہاد سے مستثنیٰ ہے۔ بیماری دور ہوتے ہی وہ حکم جہاد میں دوسرے مسلمانوں کے ساتھ شریک ہوں گے۔

(۲) یہ ان اصحاب بیعت رضوان کے لیے رضائے الہی اور ان کے پکے سچے مومن ہونے کا سرٹیفکیٹ ہے، جنہوں نے حدیبیہ میں ایک درخت کے نیچے اس بات پر بیعت کی کہ وہ قریش مکہ سے لڑیں گے اور راہ فرار اختیار نہیں کریں گے۔ (۳) یعنی ان کے دلوں میں جو صدق و صفا کے جذبات تھے، اللہ ان سے بھی واقف ہے۔ اس سے ان دشمنان صحابہ رضوانہ علیہم کا رد ہو گیا جو کہتے ہیں کہ ان کا ایمان ظاہری تھا، دل سے وہ منافق تھے۔

(۴) یعنی وہ ننتے تھے، جنگ کی نیت سے نہیں گئے تھے، اس لیے جنگی ہتھیار مطلوبہ تعداد میں نہیں تھے۔ اس کے باوجود جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا بدلہ لینے کے لیے ان سے جہاد کی بیعت لی تو بلا ادنیٰ تامل، سب لڑنے کے لیے تیار ہو گئے، یعنی ہم نے موت کا خوف ان کے دلوں سے نکال دیا اور اس کی جگہ صبر و سکینت ان پر نازل فرمادی جس کی بنا پر انہیں لڑنے کا حوصلہ ہوا۔

(۵) اس سے مراد وہی فتح خیبر ہے جو یہودیوں کا گڑھ تھا، اور حدیبیہ سے واپسی پر مسلمانوں نے اسے فتح کیا۔

(۶) یہ وہ غنیمتیں ہیں جو خیبر سے حاصل ہوئیں۔ یہ نہایت زرخیز اور شاداب علاقہ تھا، اسی حساب سے یہاں سے مسلمانوں کو بہت بڑی تعداد میں غنیمت کا مال حاصل ہوا، جسے صرف اہل حدیبیہ میں تقسیم کیا گیا۔

اللہ غالب حکمت والا ہے۔ (۱۹)

اللہ تعالیٰ نے تم سے بہت ساری غنیمتوں کا وعدہ کیا ہے^(۱)
جنہیں تم حاصل کرو گے پس یہ تو تمہیں جلدی ہی عطا فرما
دی^(۲) اور لوگوں کے ہاتھ تم سے روک دیے،^(۳) تاکہ
مومنوں کے لیے یہ ایک نشانی ہو جائے^(۴) اور (تاکہ) وہ
تمہیں سیدھی راہ چلائے۔ (۲۰)^(۵)

اور تمہیں اور (غنیمتیں) بھی دے جن پر اب تک تم نے
قابو نہیں پایا۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں اپنے قابو میں رکھا ہے^(۶)
اور اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے۔ (۲۱)
اور اگر تم سے کافر جنگ کرتے تو یقیناً پیٹھ دکھا کر بھاگتے پھر نہ
تو کوئی کار ساز پاتے نہ مددگار۔ (۲۲)^(۷)

وَعَدَكُمُ اللَّهُ مَغَانِمَ كَثِيرَةً تَأْخُذُوهَا فَجَعَلَ لَكُمُ هَذِهِ
وَكُفَّتْ أَيْدِي النَّاسِ عَنْكُمْ وَلَيَكُونَ آيَةً لِّلْمُؤْمِنِينَ
وَيَهْدِيَكُمْ صِرَاطًا مُسْتَقِيمًا ۝

وَأَخْرَى لَمْ تَقْدِرُوا عَلَيْهَا قَدْ أَحَاطَ اللَّهُ بِهَا وَكَانَ اللَّهُ
عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرًا ۝

وَلَوْ قَاتَلَكُمُ الَّذِينَ كَفَرُوا لَوَلَّوْا الْأَرْضَ لَمَخْرَجُونَكُمْ
وَلَيَمْلَأُنَّهَا ظُلُومًا بَاطِلًا ۝

(۱) یہ دیگر فتوحات کے نتیجے میں حاصل ہونے والی غنیمتوں کی خوش خبری ہے جو قیامت تک مسلمانوں کو حاصل ہونے
والی ہیں۔

(۲) یعنی فتح خیبر یا صلح حدیبیہ، کیونکہ یہ دونوں تو فوری طور پر مسلمانوں کو حاصل ہو گئیں۔

(۳) حدیبیہ میں کافروں کے ہاتھ اور خیبر میں یہودیوں کے ہاتھ اللہ نے روک دیے، یعنی ان کے حوصلے پست کر دیے
اور وہ مسلمانوں سے مصروف پیکار نہیں ہوئے۔

(۴) یعنی لوگ اس واقعے کا تذکرہ پڑھ کر اندازہ لگائیں گے کہ اللہ تعالیٰ قلت تعداد کے باوجود مسلمانوں کا محافظ اور دشمنوں پر
ان کو غالب کرنے والا ہے یا یہ روک لینا تمام موعودہ باتوں میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت کی نشانی ہے۔

(۵) یعنی ہدایت پر استقامت عطا فرمائے یا اس نشانی سے تمہیں ہدایت میں اور زیادہ کرے۔

(۶) یہ بعد میں ہونے والی فتوحات اور ان سے حاصل ہونے والی غنیمت کی طرف اشارہ ہے۔ جس طرح چار دیواری کر
کے کسی چیز کو اپنے قبضے میں کر لیا جاتا ہے اور پھر اس کی بابت بے فکری ہو جاتی ہے۔ اسی طرح اللہ نے ان فتوحات کو
اپنے حیطہ اقتدار میں لیا ہوا ہے۔ یعنی گواہی تمہاری فتوحات کا دائرہ وہاں تک وسیع نہیں ہوا ہے۔ لیکن اللہ نے انہیں
تمہارے لیے اپنے قابو میں کیا ہوا ہے، وہ جب چاہے گا، تمہیں اس پر غلبہ عطا کر دے گا، جس میں کوئی شک والی بات
نہیں ہے، اس لیے کہ وہ ہر چیز پر قادر ہے۔ بعض نے أَحَاطَ کے معنی عَلِمَ کے کیے ہیں، یعنی اسے معلوم ہے کہ وہ
علاقے بھی تم فتح کرو گے۔

(۷) یہ حدیبیہ میں متوقع جنگ کے بارے میں کہا جا رہا ہے کہ اگر یہ قریش مکہ صلح نہ کرتے بلکہ جنگ کا راستہ اختیار

سُنَّةَ اللَّهِ الَّتِي قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلُ وَلَكِنْ نَجِدُ لِسُنَّةِ
اللَّهِ تَبْدِيلًا ۝۳۷

وَقَالُوا إِنَّا كَفَرْنَا بِكُمْ وَبَدَّلْنَا بُحْرَانَكُمْ وَمَا
مِنْ بَدِيلٍ أَنْ أَطْعَمْتُمْ عَلَيْهِمْ وَكَانَ اللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرًا ۝۳۸

هُمُ الَّذِينَ كَفَرُوا وَصَدُّوا عَنْ الْمَسْجِدِ الْكَرِيمِ وَالْهَدْيِ
مَعْلُوفًا أَنْ يَبْلُغَ حَيْكَلَهُ وَكَانَ لِذِي الْقُرْبَىٰ الْمُؤْمِنُونَ وَقَدْ آمَنُوا بِمَا

اللہ کے اس قاعدے کے مطابق جو پہلے سے چلا آیا ہے،^(۱) تو
کبھی بھی اللہ کے قاعدے کو بدلتا ہوا نہ پائے گا۔ (۲۳)
وہی ہے جس نے خاص مکہ میں کافروں کے ہاتھوں کو تم
سے اور تمہارے ہاتھوں کو ان سے روک لیا اس کے بعد
کہ اس نے تمہیں ان پر غلبہ دے دیا تھا،^(۲) اور تم جو
کچھ کر رہے ہو اللہ تعالیٰ اسے دیکھ رہا ہے۔ (۲۴)

یہی وہ لوگ ہیں جنہوں نے کفر کیا اور تم کو مسجد حرام سے
روکا اور قربانی کے لیے موقوف جانور کو اس کی قربان گاہ
میں پہنچنے سے (روکا)،^(۳) اور اگر ایسے (بہت سے)

کرتے تو یہ پیٹھ پھیر کر بھاگ کھڑے ہوتے، کوئی ان کا مددگار نہ ہوتا۔ مطلب یہ ہے کہ ہم وہاں تمہاری مدد کرتے اور
ہمارے مقابلے میں کس کو ٹھہرنے کی طاقت ہے؟

(۱) یعنی اللہ کی یہ سنت اور عادت پہلے سے چلی آ رہی ہے کہ جب کفر و ایمان کے درمیان فیصلہ کن معرکہ آرائی کا مرحلہ آتا
ہے تو اللہ تعالیٰ اہل ایمان کی مدد فرما کر حق کو سر بلندی عطا کرتا ہے، جیسے اس سنت اللہ کے مطابق بدر میں تمہاری مدد کی گئی۔

(۲) جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم حدیبیہ میں تھے تو کافروں نے ۸۰ آدمی، جو ہتھیاروں سے
لیس تھے، اس نیت سے بھیجے کہ اگر انہیں موقع مل جائے تو دھوکے سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ رضی اللہ عنہم کے
خلاف کارروائی کریں چنانچہ یہ مسلح جھٹھ جبل تنعیم کی طرف سے حدیبیہ میں آیا، جس کا علم مسلمانوں کو بھی ہو گیا اور
انہوں نے ہمت کر کے ان تمام آدمیوں کو گرفتار کر لیا اور بارگاہ رسالت میں پیش کر دیا۔ ان کا جرم تو شدید تھا اور ان کو
جو بھی سزا دی جاتی، صحیح ہوتی۔ لیکن اس میں خطرہ یہی تھا کہ پھر جنگ ناگزیر ہو جاتی۔ جب کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اس
موقع پر جنگ کے بجائے صلح چاہتے تھے کیونکہ اسی میں مسلمانوں کا مفاد تھا۔ چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سب کو معاف کر
کے چھوڑ دیا۔ (صحیح مسلم، کتاب الجہاد، باب قول اللہ تعالیٰ وهو الذی کف أبیدیہم عنکم) بطن مکہ
سے مراد حدیبیہ ہے۔ یعنی حدیبیہ میں ہم نے تمہیں کفار سے اور کفار کو تم سے لڑنے سے روکا۔ یہ اللہ نے احسان کے
طور پر ذکر فرمایا ہے۔

(۳) ہڈی اس جانور کو کہا جاتا ہے جو حاجی یا معتمر (عمرو کرنے والا) اپنے ساتھ لے لے جاتا تھا۔ یا وہیں سے خرید کر ذبح
کرتا تھا محل (حلال ہونے کی جگہ) سے مراد وہ قربان گاہ ہے جہاں ان کو لے لے جا کر ذبح کیا جاتا ہے جاہلیت کے زمانے
میں۔ یہ مقام معتمر کے لیے مروہ پھاڑی کے پاس اور حاجیوں کے لیے منی تھا۔ اور اسلام میں ذبح کرنے کی جگہ مکہ منی
اور پورے حدود حرم ہیں۔ مَعْكُوفًا، حال ہے۔ یعنی یہ جانور اس انتظار میں رکے ہوئے تھے کہ مکہ میں داخل ہوں تاکہ

مسلمان مرد اور (بہت سی) مسلمان عورتیں نہ ہوتیں جن کی تم کو خبر نہ تھی ^(۱) یعنی ان کے پس جانے کا احتمال نہ ہوتا جس پر ان کی وجہ سے تم کو بھی بے خبری میں ضرر پہنچتا، ^(۲) (تو تمہیں لڑنے کی اجازت دے دی جاتی ^(۳)) لیکن ایسا نہیں کیا گیا ^(۴) تاکہ اللہ تعالیٰ اپنی رحمت میں جس کو چاہے داخل کرے اور اگر یہ الگ الگ ہوتے تو ان میں جو کافر تھے ہم ان کو دردناک سزا دیتے۔ ^(۵) (۲۵) جب کہ ^(۶) ان کافروں نے اپنے دلوں میں حمیت کو جگہ دی اور حمیت بھی جاہلیت کی، سو اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول پر اور مومنین پر اپنی طرف سے تسکین نازل فرمائی ^(۷) اور اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو تقویٰ کی بات پر

لَا تَحِبُّوا هَؤُلَاءِ أَنْ يَكْفُرُوا بِكُمْ مَعَرَةً بِخَيْرٍ عَلَيْهِمْ
لِيُدْخِلَ اللَّهُ فِي رَحْمَتِهِ مَنْ يَشَاءُ لَو تَزَلَّوَالْعَدُوَّ الَّذِينَ
كَفَرُوا مِنْهُمْ عَذَابًا أَلِيمًا ۝

لَا تَحِبُّوا الَّذِينَ كَفَرُوا بِكُمْ مَعَرَةً بِخَيْرٍ حَيَّةٍ
الْجَاهِلِيَّةِ فَاتَزَلَّ اللَّهُ سَكِينَتَهُ عَلَى رَسُولِهِ وَعَلَى
الْمُؤْمِنِينَ وَالْزُؤْمَرُ كَلِمَةُ التَّقْوَى وَكَانُوا أَحَقَّ

انہیں قریان کیا جائے۔ مطلب یہ ہے کہ ان کافروں نے ہی تمہیں بھی مسجد حرام سے روکا اور تمہارے ساتھ جو جانور تھے، انہیں بھی اپنی قریان گاہ تک نہیں پہنچنے دیا۔
(۱) یعنی مکے میں اپنا ایمان چھپائے رہ رہے تھے۔

(۲) کفار کے ساتھ لڑائی کی صورت میں ممکن تھا کہ یہ بھی مارے جاتے اور تمہیں ضرر پہنچتا، معرۃ کے اصل معنی عیب کے ہیں۔ یہاں مراد کفارہ اور وہ برائی اور شرمندگی ہے جو کافروں کی طرف سے تمہیں اٹھانی پڑتی۔ یعنی ایک تو قتل خطا کی دیت دینی پڑتی اور دوسرے، کفار کا یہ طعنہ سہنا پڑتا کہ یہ اپنے مسلمان ساتھیوں کو بھی مار ڈالتے ہیں۔

(۳) یہ لَوْلَا کا محذوف جواب ہے۔ یعنی اگر یہ بات نہ ہوتی تو تمہیں مکے میں داخل ہونے کی اور قریش مکہ سے لڑنے کی اجازت دے دی جاتی۔

(۴) بلکہ اہل مکہ کو مہلت دے دی گئی تاکہ جس کو اللہ چاہے قبول اسلام کی توفیق دے دے۔

(۵) تَزَلَّوْا بمعنی تَمَيَّزُوا ہے مطلب یہ ہے کہ مکے میں آباد مسلمان، اگر کافروں سے الگ رہائش پذیر ہوتے، تو ہم تمہیں اہل مکہ سے لڑنے کی اجازت دے دیتے اور تمہارے ہاتھوں ان کو قتل کرواتے اور اس طرح انہیں دردناک سزا دیتے۔ عذاب الیم سے مراد یہاں قتل، قیدی بنانا اور قہر و غلبہ ہے۔

(۶) إِذْ كَافَرُوا يَتَوَلَّوْا لَعَدُوِّنَا ہے یا وَادَّخَرُوا مُحْذُوف ہے۔ یعنی اس وقت کو یاد کرو، جب کہ ان کافروں نے.....

(۷) کفار کی اس حمیت جاہلیہ (عار اور غرور) سے مراد اہل مکہ کا مسلمانوں کو مکے میں داخل ہونے سے روکنا ہے۔ انہوں نے کہا کہ انہوں نے ہمارے بیٹوں اور باپوں کو قتل کیا ہے۔ لات و عزریٰ کی قسم ہم انہیں کبھی یہاں داخل نہیں ہونے

دیں گے یعنی انہوں نے اسے اپنی عزت اور وقار کا مسئلہ بنالیا۔ اسی کو حمت جاہلیہ کہا گیا ہے، کیونکہ خانہ کعبہ میں عبادت کے لیے آنے سے روکنے کا کسی کو حق حاصل نہیں تھا۔ قریش مکہ کے اس معاندانہ رویے کے جواب میں خطرہ تھا کہ مسلمانوں کے جذبات میں بھی شدت آجاتی اور وہ بھی اسے اپنے وقار کا مسئلہ بنا کر کے جانے پر اصرار کرتے، جس سے دونوں کے درمیان لڑائی چھڑ جاتی، اور یہ لڑائی مسلمانوں کے لیے سخت خطرناک رہتی (جیسا کہ پہلے اشارہ کیا جا چکا ہے) اس لیے اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کے دلوں میں سکینت نازل فرما دی یعنی انہیں صبر و تحمل کی توفیق دے دی اور وہ پیغمبر ﷺ کے ارشاد کے مطابق حدیبیہ میں ہی ٹھہرے رہے جوش اور جذبے میں آکر کے جانے کی کوشش نہیں کی۔ بعض کہتے ہیں کہ اس حمت جاہلیہ سے مراد قریش مکہ کا وہ رویہ ہے جو صلح کے لیے اور معاہدے کے وقت انہوں نے اختیار کیا۔ یہ رویہ اور معاہدہ دونوں مسلمانوں کے لیے بظاہر ناقابل برداشت تھا۔ لیکن انجام کے اعتبار سے چونکہ اس میں اسلام اور مسلمانوں کا بہترین مفاد تھا، اس لیے اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو نہایت ناگواری اور گرانی کے باوجود اسے قبول کرنے کا حوصلہ عطا فرما دیا۔ اس کی مختصر تفصیل اس طرح ہے۔ کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قریش مکہ کے بھیجے ہوئے نمائندوں کی یہ بات تسلیم کر لی کہ اس سال مسلمان عمرے کے لیے مکہ نہیں جائیں گے اور یہیں سے واپس ہو جائیں گے تو پھر آپ ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو معاہدہ لکھنے کا حکم دیا۔ انہوں نے آپ ﷺ کے حکم سے، بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ لکھی۔ انہوں نے اس پر اعتراض کر دیا کہ 'رحم' کو ہم نہیں جانتے۔ ہمارے ہاں جو لفظ استعمال ہوتا ہے، اس کے ساتھ یعنی بِاسْمِکَ اللّٰهُمَّ، '(اے اللہ! تیرے نام سے) لکھیں۔ چنانچہ آپ ﷺ نے اسی طرح لکھوایا۔ پھر آپ ﷺ نے لکھوایا "یہ وہ دستاویز ہے جس پر محمد رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے اہل مکہ سے مصالحت کی ہے" قریش کے نمائندوں نے کہا، اختلاف کی بنیاد تو آپ ﷺ کی رسالت ہی ہے، اگر ہم آپ ﷺ کو رسول اللہ مان لیں تو اس کے بعد جھگڑای کیا رہ جاتا ہے؟ پھر ہمیں آپ ﷺ سے لڑنے کی اور بیت اللہ میں جانے سے روکنے کی ضرورت ہی کیا ہے؟ آپ ﷺ یہاں محمد رسول اللہ کی جگہ "محمد بن عبد اللہ" لکھیں۔ چنانچہ آپ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو ایسا ہی لکھنے کا حکم دیا۔ (یہ مسلمانوں کے لیے نہایت اشتعال انگیز صورت حال تھی، اگر اللہ تعالیٰ مسلمانوں پر سکینت نازل نہ فرماتا تو وہ کبھی اسے برداشت نہ کرتے) حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اپنے ہاتھ سے "محمد رسول اللہ" کے الفاظ مٹانے اور کٹنے سے انکار کر دیا، تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کہا کہ یہ لفظ کہاں ہے؟ بتانے کے بعد خود آپ ﷺ نے اسے اپنے دست مبارک سے مٹا دیا اور اس کی جگہ محمد بن عبد اللہ تحریر کرنے کو فرمایا۔ اس کے بعد اس معاہدے یا صلح نامے میں تین باتیں لکھیں گئیں۔ ۱۔ اہل مکہ میں سے جو مسلمان ہو کر آپ کے پاس آئے گا، اسے واپس کر دیا جائے گا۔ ۲۔ جو مسلمان اہل مکہ سے جا ملے گا، وہ اس کو واپس کرنے کے پابند نہیں ہوں گے۔ ۳۔ مسلمان آئندہ سال کے میں آئیں گے اور یہاں تین دن قیام کر سکیں گے، تاہم انہیں ہتھیار ساتھ لانے کی اجازت نہیں ہوگی۔ (صحیح مسلم، کتاب الجہاد، باب صلح الحدیبیۃ فی الحدیبیۃ) اور اس کے ساتھ دو باتیں اور لکھی گئیں۔ ۱۔ اس سال لڑائی موقوف رہے گی۔ ۲۔ قبائل میں سے جو چاہے مسلمانوں کے ساتھ اور جو چاہے قریش کے ساتھ ہو جائے۔

هُوَ الَّذِي أَرْسَلَ رَسُولَهُ بِالْهُدَىٰ وَدِينِ الْحَقِّ لِيُظَاهِرَهُ

Free downloading facility of Videos, Audios & Books for DAWAH purpose only, From Islamic Research Centre Rawalpindi

عَلَى الَّذِينَ كَفَرُوا وَلَكُمْ بِاللهِ شَهِيدًا ۝

مُحَمَّدٌ رَسُولُ اللهِ وَالَّذِينَ مَعَهُ أَشِدَّاءُ عَلَى الْكُفَّارِ رَمَادًا مِنْ
تَرَاهُمْ رُجُومًا مُجْتَمِعِينَ يَنْتَظِعُونَ قَضَاءَ اللهِ وَرِضْوَانًا نَبِيًّا هُمْ فِي
وُجُوهِهِمْ مِنْ أَمْرِ السُّجُودِ ذَلِكَ مِثْلُهمُ فِي التَّوْبَةِ وَمِثْلُهمُ فِي
الْإِنْجِيلِ كَزَرْعٍ أَخْرَجَ شَطَاةً فَانَزَلَهُ فَاسْتَغْلَظَ فَاسْتَوَى
عَلَى سَوَاقِهِ يُغِيبُ الزُّرَّاعَ لِيُغَيِّظَ بِهِمُ الْكُفَّارَ وَعَدَّ اللهُ الَّذِينَ
آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ مِنْهُمْ مَغْفِرَةً وَأَجْرًا عَظِيمًا ۝

تعالیٰ کافی ہے گواہی دینے والا۔ (۲۸)

محمد (ﷺ) اللہ کے رسول ہیں اور جو لوگ ان کے ساتھ
ہیں کافروں پر سخت ہیں آپس میں رحمدل ہیں، تو انہیں دیکھے
گا کہ رکوع اور سجدے کر رہے ہیں اللہ تعالیٰ کے فضل اور
رضامندی کی جستجو میں ہیں، ان کا نشان ان کے چروں پر
سجدوں کے اثر سے ہے، ان کی یہی مثال تورات میں ہے
اور ان کی مثال انجیل میں ہے،^(۱) مثل اس کھیتی کے
جس نے اپنا کھو اٹکا^(۲) پھر اسے مضبوط کیا اور وہ موٹا ہو گیا
پھر اپنے تنے پر سیدھا کھڑا ہو گیا اور کسانوں کو خوش کرنے
لگا^(۳) تاکہ ان کی وجہ سے کافروں کو چڑائے،^(۴) ان ایمان
والوں اور نیک اعمال والوں سے اللہ نے بخشش کا اور بہت
بڑے ثواب کا وعدہ کیا ہے۔ (۲۹)^(۵)

مادی غلبہ ممکن ہے بشرطیکہ مسلمان، مسلمان بن جائیں ﴿وَأَنْتُمْ أَتَعْلَمُونَ إِنْ كُنْتُمْ مُؤْمِنِينَ﴾ (آل عمران ۱۳۹) یہ دین
غالب ہونے کے لیے ہی آیا ہے، مغلوب ہونے کے لیے نہیں۔

(۱) انجیل پر وقف کی صورت میں یہ معنی ہوں گے کہ ان کی یہ خوبیاں جو قرآن میں بیان ہوئی ہیں۔ ان کی یہی خوبیاں
تورات و انجیل میں مذکور ہیں۔ اور آگے کَزَرْعِ میں اس سے پہلے ہُمْ محذوف ہو گا۔ اور بعض فِي التَّوْرَةِ پر وقف کرتے
ہیں یعنی ان کی مذکورہ صفت تورات میں ہے اور ﴿مِثْلُهمُ فِي التَّوْبَةِ﴾ کے ساتھ ملاتے ہیں۔ یعنی انجیل میں
ان کی مثال، مانند اس کھیتی کے ہے۔ (فتح القدیر)

(۲) شَطَاةً سے پودے کا وہ پہلا طور ہے جو دانہ بھاڑ کر اللہ کی قدرت سے باہر نکلتا ہے۔

(۳) یہ صحابہ کرام (رضی اللہ عنہم) کی مثال بیان فرمائی گئی ہے۔ ابتدا میں وہ قلیل تھے، پھر زیادہ اور مضبوط ہو گئے، جیسے کھیتی،
ابتدا میں کمزور ہوتی ہے، پھر بدن قوی ہوتی جاتی ہے حتیٰ کہ مضبوط تنے پر وہ قائم ہو جاتی ہے۔

(۴) یا کافر غیظ و غضب میں مبتلا ہوں۔ یعنی صحابہ کرام (رضی اللہ عنہم) کا بڑھتا ہوا اثر و نفوذ اور ان کی روز افزوں قوت و طاقت،
کافروں کے لیے غیظ و غضب کا باعث تھی، اس لیے کہ اس سے اسلام کا دائرہ پھیل رہا اور کفر کا دائرہ سمٹ رہا تھا۔ اس
آیت سے استدلال کرتے ہوئے بعض ائمہ نے صحابہ کرام (رضی اللہ عنہم) سے بغض و عناد رکھنے والوں کو کافر قرار دیا ہے۔ علاوہ
انہیں اس فرقہ ضالہ کے دیگر عقائد بھی ان کے کفر پر ہی دال ہیں۔

(۵) اس پوری آیت کا ایک ایک جز صحابہ کرام (رضی اللہ عنہم) کی عظمت و فضیلت، اخروی مغفرت اور اجر عظیم کو واضح کر رہا

سورۃ حجرات مدنی ہے اور اس میں اٹھارہ آیتیں اور دو رکوع ہیں۔



بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

شروع کرتا ہوں اللہ تعالیٰ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے۔

اے ایمان والے لوگو! اللہ اور اس کے رسول سے آگے نہ بڑھو^(۱) اور اللہ سے ڈرتے رہا کرو۔ یقیناً اللہ تعالیٰ سننے والا جاننے والا ہے۔ (۱)

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَقْصِدُوا آيَةَ اللّٰهِ وَرَسُولِهِ
وَاتَّقُوا اللّٰهَ إِنَّ اللّٰهَ سَمِيعٌ عَلِيمٌ ①

اے ایمان والو! اپنی آوازیں نبی کی آواز سے اوپر نہ کرو اور نہ ان سے اونچی آواز سے بات کرو جیسے آپس میں ایک دوسرے سے کرتے ہو، کہیں (ایسا نہ ہو کہ) تمہارے اعمال اکارت جائیں اور تمہیں خبر بھی نہ ہو۔ (۲)

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَرْفَعُوا أَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِيِّ
وَلَا تَجْهَرُوا لَهُ بِالْقَوْلِ كَجَهْرِ بَعْضِكُمْ لِبَعْضٍ أَن تَحْبَطَ
أَعْمَالُكُمْ وَأَنتُمْ لَا تَشْعُرُونَ ②

ہے، اس کے بعد بھی صحابہ رضی اللہ عنہم کے ایمان میں شک کرنے والا مسلمان ہونے کا دعویٰ کرے تو اسے کیوں کر دعوائے مسلمانی میں سچا سمجھا جاسکتا ہے؟

☆ یہ طویل مفصل میں پہلی سورت ہے۔ حجرات سے نازعات تک کی سورتیں طَوَالُ مُفَصَّلٍ کہلاتی ہیں۔ بعض نے سورۃ ق کو پہلی سورت قرار دیا ہے۔ (ابن کثیر و فتح القدیر) ان کا فجر کی نماز میں پڑھنا مسنون و مستحب ہے اور عیسٰی سے سورۃ الشمس تک اَوْسَاطُ مُفَصَّلٍ اور سورۃ صٰحٰی سے والناس تک قِصَاصُ مُفَصَّلٍ ہیں۔ ظہر اور عشا میں اوساط اور مغرب میں قصار پڑھنی مستحب ہیں (ایسر القاسم)

(۱) اس کا مطلب ہے کہ دین کے معاملے میں اپنے طور پر کوئی فیصلہ نہ کرو نہ اپنی سمجھ اور رائے کو ترجیح دو، بلکہ اللہ اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کرو۔ اپنی طرف سے دین میں اضافہ یا بدعات کی ایجاد، اللہ اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے آگے بڑھنے کی ناپاک جسارت ہے جو کسی بھی صاحب ایمان کے لائق نہیں۔ اسی طرح کوئی فتویٰ، قرآن و حدیث میں غور و فکر کے بغیر نہ دیا جائے اور دینے کے بعد اگر اس کا نص شرعی کے خلاف ہونا واضح ہو جائے تو اس پر اصرار بھی اس آیت میں دیئے گئے حکم کے منافی ہے۔ مومن کی شان تو اللہ و رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے احکام کے سامنے سر تسلیم و اطاعت خم کر دینا ہے نہ کہ ان کے مقابلے میں اپنی بات پر یا کسی امام کی رائے پر اڑے رہنا۔

(۲) اس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے اس ادب و تعظیم اور احترام و تکریم کا بیان ہے جو ہر مسلمان سے مطلوب ہے۔ پہلا ادب یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی موجودگی میں جب تم آپس میں گفتگو کرو تو تمہاری آواز نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے

إِنَّ الَّذِينَ يَغُضُّونَ أَصْوَاتَهُمْ عِنْدَ رَسُولِ اللَّهِ أُولَٰئِكَ
الَّذِينَ امْضَحَّ اللَّهُ قُلُوبَهُمْ لِلتَّقْوَىٰ لَهُمْ مَغْفِرَةٌ
وَأَجْرٌ عَظِيمٌ ②

إِنَّ الَّذِينَ يَنَادُونَكَ مِنْ وَرَاءِ الْحُجُرَاتِ أَكْثَرُهُمْ
لَا يَعْلَمُونَ ③

وَلَوْ أَنَّهُمْ صَبَرُوا حَتَّىٰ تَخْرُجَ إِلَيْهِمْ لَكَانَ خَيْرًا لَهُمْ
وَاللَّهُ غَفُورٌ رَحِيمٌ ④

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَنُجَاوِزَنَّهُ بِبَيِّنَاتٍ مِّنَ اللَّهِ

بیشک جو لوگ رسول اللہ (ﷺ) کے حضور میں اپنی
آوازیں پست رکھتے ہیں، یہی وہ لوگ ہیں جن کے دلوں
کو اللہ نے پرہیزگاری کے لیے جانچ لیا ہے۔ ان کے لیے
مغفرت ہے اور بڑا ثواب ہے۔ (۳)

جو لوگ آپ کو حجروں کے پیچھے سے پکارتے ہیں ان میں
سے اکثر بالکل بے عقل ہیں۔ (۴)

اگر یہ لوگ یہاں تک صبر کرتے کہ آپ خود سے نکل کر
ان کے پاس آجاتے تو یہی ان کے لیے بہتر ہوتا، (۵)
اللہ غفور ورحیم ہے۔ (۵)

اے مسلمانو! اگر تمہیں کوئی فاسق خبر دے تو تم اس کی
اچھی طرح تحقیق کر لیا کرو (۵) ایسا نہ ہو کہ نادانی میں کسی

و سلم کی آواز سے بلند نہ ہو۔ دوسرا ادب، جب خود نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے کلام کرو تو نہایت وقار اور سکون سے کرو،
اس طرح اونچی اونچی آواز سے نہ کرو جس طرح تم آپس میں بے تکلفی سے ایک دوسرے کے ساتھ کرتے ہو۔ بعض نے
کہا ہے کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ یا محمد، یا احمد نہ کہو بلکہ ادب سے یا رسول اللہ کہہ کر خطاب کرو اگر ادب و احترام کے
ان تقاضوں کو ملحوظ نہ رکھو گے تو بے ادبی کا احتمال ہے جس سے بے شعوری میں تمہارے عمل برباد ہو سکتے ہیں اس آیت
کی شان نزول کے لیے دیکھئے صحیح بخاری، تفسیر سورۃ الحجرات، تاہم حکم کے اعتبار سے یہ عام ہے۔

(۱) اس میں ان لوگوں کی تعریف ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت و جلالت کا خیال رکھتے ہوئے اپنی
آوازیں پست رکھتے تھے۔

(۲) یہ آیت قبیلہ بنو تمیم کے بعض اعرابیوں (گنوار قسم کے لوگوں) کے بارے میں نازل ہوئی، جنہوں نے ایک روز دوپہر
کے وقت، جو کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے قیلو لے کا وقت تھا، حجرے سے باہر کھڑے ہو کر عامیانہ انداز سے یا محمد یا محمد کی
آوازیں لگائیں تاکہ آپ ﷺ باہر تشریف لے آئیں۔ (مسند احمد ۳/ ۶۰۸۸ - ۶۰۹۴) اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ ان کی
اکثریت بے عقل ہے۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی جلالت شان اور آپ ﷺ کے ادب و احترام
کے تقاضوں کا خیال نہ رکھنا، بے عقلی ہے۔

(۳) یعنی آپ ﷺ کے نکلنے کا انتظار کرتے اور آپ ﷺ کو نہادینے میں جلد بازی نہ کرتے تو دین و دنیا دونوں لحاظ سے بہتر ہوتا۔

(۴) اس لیے مؤاخذہ نہیں فرمایا بلکہ آئندہ کے لیے ادب و تعظیم کی تاکید بیان فرمادی۔

(۵) یہ آیت اکثر مفسرین کے نزدیک حضرت ولید بن عقبہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں نازل ہوئی ہے، جنہیں رسول اللہ صلی

قوم کو ایذا پہنچا دو پھر اپنے کیے پر پشیمانی اٹھاؤ۔ (۶)
 اور جان رکھو کہ تم میں اللہ کے رسول موجود ہیں،^(۱) اگر وہ تمہارا کہا کرتے رہے بہت امور میں، تو تم مشکل میں پڑ جاؤ لیکن اللہ تعالیٰ نے ایمان کو تمہارے لئے محبوب بنادیا ہے اور اسے تمہارے دلوں میں زینت دے رکھی ہے اور کفر کو اور گناہ کو اور نافرمانی کو تمہاری نگاہوں میں ناپسندیدہ بنادیا ہے، یہی لوگ راہ یافتہ ہیں۔ (۷)
 اللہ کے احسان و انعام سے^(۲) اور اللہ دانا اور باحکمت ہے۔ (۸)

اور اگر مسلمانوں کی دو جماعتیں آپس میں لڑ پڑیں تو ان میں میل ملاپ کرادیا کرو۔^(۳) پھر اگر ان دونوں میں سے

تُصِيبُوا قَوْمًا بِمِثَالِهِمْ فَاصْلَحُوا لَكُمْ تِلْكَ الْأُمُورُ
 وَالْعِلْمُ أَنَّ فِيكُمْ رَسُولَ اللَّهِ لَوْ يُطِيعُكُمْ فِي كَثِيرٍ مِّنَ الْأَمْرِ
 لَعَزِمْتُمْ وَلَكِنَّ اللَّهَ حَبَّبَ إِلَيْكُمُ الْإِيمَانَ وَزَيَّنَهُ فِي قُلُوبِكُمْ
 وَكَرَّهَ إِلَيْكُمُ الْكُفْرَ وَالْفُسُوقَ وَالْعِصْيَانَ أُولَٰئِكَ
 هُمُ الرَّاشِدُونَ ۝

فَضَلَّ مِنَ اللَّهِ وَفِعْمَةٍ وَاللَّهُ عَزِيزٌ حَكِيمٌ ۝

وَلَا تَلُمُوتِ مَنَ الْمُؤْمِنِينَ قَاتِلُوا فَاصْلَحُوا لِيُبَيِّنَ

اللہ علیہ وسلم نے بنوا المصطلق کے صدقات وصول کرنے کے لیے بھیجا تھا۔ لیکن انہوں نے آکریوں ہی رپورٹ دے دی کہ انہوں نے زکوٰۃ دینے سے انکار کر دیا ہے جس پر آپ ﷺ نے ان کے خلاف فوج کشی کا ارادہ فرمایا، تاہم پھر یہ لگ گیا کہ یہ بات غلط تھی اور ولید بن ہشیر تو وہاں گئے ہی نہیں۔ لیکن سند اور امر واقعہ دونوں اعتبار سے یہ روایت صحیح نہیں ہے۔ اس لیے اسے ایک صحابی رسول ﷺ پر چسپاں کرنا صحیح نہیں ہے۔ تاہم شان نزول کی بحث سے قطع نظر اس میں ایک نہایت ہی اہم اصول بیان فرمایا گیا ہے جس کی انفرادی اور اجتماعی دونوں سطحوں پر نہایت اہمیت ہے۔ ہر فرد اور ہر حکومت کی یہ ذمہ داری ہے کہ اس کے پاس جو بھی خبر یا اطلاع آئے بالخصوص بدکردار، فاسق اور مفسد قسم کے لوگوں کی طرف سے، تو پہلے اس کی تحقیق کی جائے تاکہ غلط فہمی میں کسی کے خلاف کوئی کارروائی نہ ہو۔

(۱) جس کا تقاضا یہ ہے کہ ان کی تعظیم اور اطاعت کرو، اس لیے کہ وہ تمہارے مصالح زیادہ بہتر جانتے ہیں، کیونکہ ان پر وحی اترتی ہے۔ پس تم ان کے پیچھے چلو، ان کو اپنے پیچھے چلانے کی کوشش مت کرو۔ اس لیے کہ اگر وہ تمہاری پسند کی باتیں ماننا شروع کر دیں تو اس سے تم خود ہی زیادہ مشقت میں پڑ جاؤ گے۔ جیسے دوسرے مقام پر فرمایا ۞ وَلَوْ كَرِهَ لَكُمْ كَذِبًا
 فَتَقَرَّبْتُمْ إِلَىٰ الْكُفْرِ وَتَوَلَّيْتُمُ الْكُفْرَ وَتَوَلَّيْتُمُ الْكُفْرَ وَتَوَلَّيْتُمُ الْكُفْرَ ۖ (المؤمنون ۷۷)

(۲) یہ آیت بھی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی فضیلت، ان کے ایمان اور ان کے رشد و ہدایت پر ہونے کی واضح دلیل ہے۔ وَلَوْ كَرِهَ الْكَافِرُونَ۔

(۳) اور اس صلح کا طریقہ یہ ہے کہ انہیں قرآن و حدیث کی طرف بلایا جائے یعنی ان کی روشنی میں ان کے اختلاف کا حل تلاش کیا جائے۔

فَلَنْ يَغْتَحِلَ أَحَدُهُمَا عَلَى الْآخَرِ فَقَالُوا الْكَلْبُ يَتَنَجَّى حَتَّى يَتَنَجَّى
إِلَى أَمْرِ لَيْلَةٍ فَلَمَثَ فَأَصْبَحُوا بَيْنَهُمَا الْعَدْلُ وَأَقْبَضُوا
إِنَّ اللَّهَ يُؤْتِي الْمُسْلِمِينَ ۝

إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ إِخْوَةٌ فَأَصْلَحُوا بَيْنَ أَخَوَيْكُمْ وَاتَّقُوا اللَّهَ
لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُونَ ۝

ایک جماعت دوسری جماعت پر زیادتی کرے تو تم (سب)
اس گروہ سے جو زیادتی کرتا ہے لڑو۔ یہاں تک کہ وہ اللہ
کے حکم کی طرف لوٹ آئے،^(۱) اگر لوٹ آئے تو پھر
انصاف کے ساتھ صلح کرا دو^(۲) اور عدل کرو بیشک اللہ
تعالیٰ انصاف کرنے والوں سے محبت کرتا ہے۔^(۳)
(یاد رکھو) سارے مسلمان بھائی بھائی ہیں پس اپنے دو
بھائیوں میں ملاپ کرا دیا کرو،^(۴) اور اللہ سے ڈرتے رہو
تاکہ تم پر رحم کیا جائے۔^(۵)

(۱) یعنی اللہ اور رسول ﷺ کے احکام کے مطابق اپنا اختلاف دور کرنے پر آمادہ نہ ہو، بلکہ بغاوت کی روش اختیار
کرے تو دوسرے مسلمانوں کی ذمہ داری ہے کہ وہ سب مل کر بغاوت کرنے والے گروہ سے لڑائی کریں تاکہ وہ اللہ
کے حکم کو ماننے کے لیے تیار ہو جائے۔

(۲) یعنی باغی گروہ، بغاوت سے باز آجائے تو پھر عدل کے ساتھ یعنی قرآن و حدیث کی روشنی میں دونوں گروہوں کے
درمیان صلح کرا دی جائے۔

(۳) اور ہر معاملے میں انصاف کرو، اس لیے کہ اللہ انصاف کرنے والوں کو پسند فرماتا ہے اور اس کی یہ پسند اس بات کو
مستلزم ہے کہ وہ انصاف کرنے والوں کو بہترین جزا سے نوازے گا۔

(۴) یہ پچھلے حکم کی ہی تاکید ہے۔ یعنی جب مومن سب آپس میں بھائی بھائی ہیں، تو ان سب کی اصل ایمان ہوئی۔ اس
لیے اس اصل کی اہمیت کا تقاضا ہے کہ ایک ہی دین پر ایمان رکھنے والے آپس میں نہ لڑیں بلکہ ایک دوسرے کے دست
و بازو، ہمدرد و غم گسار اور مونس و خیر خواہ بن کر رہیں۔ اور کبھی غلط فہمی سے ان کے درمیان بعد اور نفرت پیدا ہو جائے
تو اسے دور کر کے انہیں آپس میں دوبارہ جوڑ دیا جائے۔ (مزید دیکھیے سورہ توبہ، آیت ۱۰۱ کا حاشیہ)۔

(۵) اور ہر معاملے میں اللہ سے ڈرو، شاید اس کی وجہ سے تم اللہ کی رحمت کے مستحق قرار پا جاؤ۔ (ترجمہ امید والی بات)
مخاطب کے اعتبار سے ہے۔ ورنہ اللہ کی رحمت تو اہل ایمان و تقویٰ کے لیے یقینی ہے۔

اس آیت میں باغی گروہ سے قتال کا حکم ہے دراصل حالیکہ حدیث میں مسلمان سے قتال کو کفر کہا گیا ہے۔ تو یہ کفر اس
وقت ہو گا جب بلا وجہ مسلمان سے قتال کیا جائے۔ لیکن اس قتال کی بنیاد اگر بغاوت ہے تو یہ قتال نہ صرف جائز ہے بلکہ
اس کا حکم دیا گیا ہے جو تاکید و استحباب پر دال ہے۔ اسی طرح باغی گروہ کو قرآن نے مومن ہی قرار دیا، جس کا مطلب یہ
ہے کہ صرف بغاوت سے، جو کبیرہ گناہ ہے، وہ گروہ ایمان سے خارج نہیں ہو گا۔ جیسا کہ خوارج اور بعض معتزلہ کا
عقیدہ ہے کہ مرتکب کبائر ایمان سے خارج ہو جاتا ہے۔ اب بعض نہایت اہم اخلاقی ہدایات مسلمانوں کو دی جا رہی ہیں۔

اے ایمان والو! مرد و دوسرے مردوں کا مذاق نہ اڑائیں ممکن ہے کہ یہ ان سے بہتر ہو اور نہ عورتیں عورتوں کا مذاق اڑائیں ممکن ہے کہ یہ ان سے بہتر ہوں،^(۱) اور آپس میں ایک دوسرے کو عیب نہ لگاؤ^(۲) اور نہ کسی کو برے لقب دو۔^(۳) ایمان کے بعد فتنے برائے نام ہے،^(۴) اور جو توبہ نہ کریں وہی ظالم لوگ ہیں۔^(۵)

اے ایمان والو! بہت بدگمانیوں سے بچو یقین مانو کہ بعض بدگمانیاں گناہ ہیں۔^(۵) اور بھید نہ ٹھولا

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَّبِعُوا هَذِهِ السُّبُلَ الَّتِي سَلَكُوا فَتُفْسِدُوا صَالِحَكُمْ وَلَا تَحْسَبُوا أَنَّكُمْ مُسْلِمُونَ وَلَا تَحْسَبُوا أَنَّكُمْ مُسْلِمُونَ وَلَا تَحْسَبُوا أَنَّكُمْ مُسْلِمُونَ وَلَا تَحْسَبُوا أَنَّكُمْ مُسْلِمُونَ ۝

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اجْتَنِبُوا كَثِيرًا مِّنَ الظَّنِّ إِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ

(۱) ایک شخص، دوسرے کسی شخص کا استہزا یعنی اس سے مسخر اپن اسی وقت کرتا ہے، جب وہ اپنے کو اس سے بہتر اور اس کو اپنے سے حقیر اور کمتر سمجھتا ہے۔ حالانکہ اللہ کے ہاں ایمان و عمل کے لحاظ سے کون بہتر ہے اور کون نہیں؟ اس کا علم صرف اللہ کو ہے۔ اس لیے اپنے کو بہتر اور دوسرے کو کم تر سمجھنے کا کوئی جواز ہی نہیں ہے۔ بنا بریں آیت میں اس سے منع فرمایا گیا ہے اور کہتے ہیں کہ عورتوں میں یہ اخلاقی بیماری زیادہ ہوتی ہے، اس لیے عورتوں کا الگ ذکر کر کے انہیں بھی بطور خاص اس سے روک دیا گیا ہے۔ اور حدیث رسول ﷺ میں لوگوں کے حقیر سمجھنے کو کبر سے تعبیر کیا گیا ہے اَلْكِبْرُ بَطَرُ الْحَقِّ وَعَنْطُ النَّاسِ (ابوداؤد، کتاب اللباس باب ما جاء فی الکبر) اور کبر اللہ کو نہایت ہی ناپسند ہے۔

(۲) یعنی ایک دوسرے پر طعنہ زنی مت کرو، مثلاً تو تو فلاں کا بیٹا ہے، تیری ماں ایسی ویسی ہے، تو فلاں خاندان کا ہے ناغیرہ۔ (۳) یعنی اپنے طور پر استہزا اور حقیر کے لیے لوگوں کے ایسے نام رکھ لینا جو انہیں ناپسند ہوں۔ یا اچھے بھلے ناموں کو بگاڑ کر بولنا، یہ تنازع بالالفاظ ہے، جس کی یہاں ممانعت کی گئی ہے۔

(۴) یعنی اس طرح نام بگاڑ کر یا برے نام تجویز کر کے بلانا یا قبول اسلام اور توبہ کے بعد اسے سابقہ دین یا گناہ کی طرف منسوب کر کے خطاب کرنا، مثلاً اے کافر، اے زانی یا شرابی وغیرہ، یہ بہت برا کام ہے۔ الاثمُ یہاں الذکر کے معنی میں ہے یعنی بَشَرِ الْاِثْمِ الَّذِي يَذْكُرُ بِالْفِسْقِ بَعْدَ دُخُولِهِمْ فِي الْاِيْمَانِ (فتح القدر) البتہ اس سے بعض وہ صفاتی نام بعض حضرات کے نزدیک مستثنیٰ ہیں جو کسی کے لیے مشہور ہو جائیں اور وہ اس پر اپنے دل میں رنج بھی محسوس نہ کریں، جیسے لنگڑے پن کی وجہ سے کسی کا نام لنگڑا پڑ جائے۔ کالے رنگ کی بنا پر کالی یا کالو مشہور ہو جائے۔ وغیرہ (القرطبی)

(۵) ظن کے معنی ہیں گمان کرنا۔ مطلب ہے کہ اہل خیر و اہل اصلاح و تقویٰ کے بارے میں ایسے گمان رکھنا جو بے اصل ہوں اور تمت و افترا کے ضمن میں آتے ہوں اسی لیے اس کا ترجمہ بدگمانی کیا جاتا ہے۔ اور حدیث میں اس کو اَتَّخَذَ الْحَدِيثَ (سب سے بڑا جھوٹ) کہہ کر اس سے بچنے کی تاکید کی گئی ہے اِيَّاكُمْ وَالظَّنَّ (البخاری، کتاب الادب، باب بَابُهَا الَّذِينَ آمَنُوا اجْتَنِبُوا كَثِيرًا مِّنَ الظَّنِّ - صحيح مسلم، کتاب البر، باب تحريم الظن والتجسس)

کرو^(۱) اور نہ تم میں سے کوئی کسی کی غیبت کرے۔^(۲) کیا تم میں سے کوئی بھی اپنے مردہ بھائی کا گوشت کھانا پسند کرتا ہے؟ تم کو اس سے گھن آئے گی،^(۳) اور اللہ سے ڈرتے رہو، بیشک اللہ توبہ قبول کرنے والا مہربان ہے۔^(۴)

اے لوگو! ہم نے تم سب کو ایک (بی) مردود عورت سے پیدا کیا ہے^(۵) اور اس لیے کہ تم آپس میں ایک دوسرے کو پچپاؤ کہنے اور قبیلہ بنادیے^(۶) ہیں، اللہ کے نزدیک تم سب

إِنَّمَا النَّاسُ بَرَكَةٌ مِّنْ ذُرِّيَّتِنَا وَمَا كُنَّا لَنَكُونُ لَهُمْ رَبًّا وَلَا أَكْبَارًا ۚ وَلَقَدْ جَاءَكُمْ رَسُولٌ مِّنْ أَنفُسِكُمْ يَتْلُو آيَاتِنَا وَلَقَدْ كَانَ أَكْبَارًا ۚ وَلَقَدْ جَاءَكُمْ رَسُولٌ مِّنْ أَنفُسِكُمْ يَتْلُو آيَاتِنَا وَلَقَدْ كَانَ أَكْبَارًا ۚ

يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّا خَلَقْنَاكُمْ مِنْ ذَكَرٍ وَأُنْثَىٰ وَجَعَلْنَاكُمْ شُعُوبًا وَقَبَائِلَ لِتَعَارَفُوا ۚ إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللَّهِ أَتْقَاهُ ۚ إِنَّ اللَّهَ عَلِيمٌ خَبِيرٌ ۝۱۴

ورنہ فسق و فجور میں مبتلا لوگوں سے ان کے گناہوں کی وجہ سے اور ان کے گناہوں پر بدگمانی رکھنا، یہ وہ بدگمانی نہیں ہے جسے یہاں گناہ کہا گیا ہے اور اس سے اجتناب کی تاکید کی گئی ہے۔ إِنَّ الظَّنَّ الْقَبِيحُ بِمَنْ ظَاهِرُهُ الْخَيْرُ، لَا يَجُوزُ، وَإِنَّهُ لَا حَرَجَ فِي الظَّنِّ الْقَبِيحِ بِمَنْ ظَاهِرُهُ الْفَبِيحُ (القرطبی)

(۱) یعنی اس ٹوہ میں رہنا کہ کوئی غامی یا عیب معلوم ہو جائے تاکہ اسے بدنام کیا جائے، یہ تجسس ہے جو منع ہے اور حدیث میں بھی اس سے منع کیا گیا ہے۔ بلکہ حکم دیا گیا ہے کہ اگر کسی کی غامی، کوتاہی تمہارے علم میں آجائے تو اس کی پردہ پوشی کرو۔ نہ کہ اسے لوگوں کے سامنے بیان کرتے پھرو، بلکہ جستجو کر کے عیب تلاش کرو۔ آج کل حریت اور آزادی کا بڑا چرچا ہے۔ اسلام نے بھی تجسس سے روک کر انسان کی حریت اور آزادی کو تسلیم کیا ہے لیکن اس وقت تک جب تک وہ کھلے عام بے حیائی کا ارتکاب نہ کرے یا جب تک دوسروں کے لیے ایذا کا باعث نہ ہو۔ مغرب نے مطلق آزادی کا درس دے کر لوگوں کو فساد عام کی اجازت دے دی ہے جس سے معاشرے کا تمام امن و سکون برباد ہو گیا ہے۔

(۲) غیبت کا مطلب یہ ہے کہ دوسرے لوگوں کے سامنے کسی کی برائیوں اور کوتاہیوں کا ذکر کیا جائے جسے وہ برا سمجھے اور اگر اس کی طرف ایسی باتیں منسوب کی جائیں جو اس کے اندر موجود ہی نہیں ہیں تو وہ بہتان ہے۔ اپنی اپنی جگہ دونوں ہی بڑے جرم ہیں۔

(۳) یعنی کسی مسلمان بھائی کی کسی کے سامنے برائی بیان کرنا ایسے ہی ہے جیسے مردار بھائی کا گوشت کھانا۔ مردار بھائی کا گوشت کھانا تو کوئی پسند نہیں کرتا۔ لیکن غیبت لوگوں کی نہایت مرغوب غذا ہے۔

(۴) یعنی آدم و حوا علیہما السلام سے۔ یعنی تم سب کی اصل ایک ہی ہے ایک ہی ماں باپ کی اولاد ہو۔ مطلب ہے کسی کو محض خاندان اور نسب کی بنا پر فخر کرنے کا حق نہیں ہے، کیونکہ سب کا نسب حضرت آدم علیہ السلام سے ہی جا کر ملتا ہے۔

(۵) شُعُوبُ، شُعْبُ کی جمع ہے۔ برادری یا بڑا قبیلہ شعب کے بعد قبیلہ، پھر عمارہ، پھر بطن، پھر فیصلہ اور پھر عشیرہ ہے (فتح القدیر) مطلب یہ ہے کہ مختلف خاندانوں، برادریوں اور قبیلوں کی تقسیم محض تعارف کے لیے ہے۔ تاکہ آپس میں

میں سے باعزت وہ ہے جو سب سے زیادہ ڈرنے والا ہے۔^(۱)

یقین مانو کہ اللہ وانا اور باخبر ہے۔ (۱۳)

دیہاتی لوگ کہتے ہیں کہ ہم ایمان لائے۔ آپ کہہ دیجئے کہ درحقیقت تم ایمان نہیں لائے لیکن تم یوں کہو کہ ہم اسلام لائے (مخالفت چھوڑ کر مطیع ہو گئے) حالانکہ ابھی تک تمہارے دلوں میں ایمان داخل ہی نہیں ہوا۔^(۲) تم اگر اللہ کی اور اس کے رسول کی فرمانبرداری کرنے لگو گے تو اللہ تمہارے اعمال میں سے کچھ بھی کم نہ کرے گا۔

بیشک اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔ (۱۴)

مومن تو وہ ہیں جو اللہ پر اور اس کے رسول پر (پکا) ایمان لائیں پھر شک و شبہ نہ کریں اور اپنے مالوں سے اور اپنی جانوں سے اللہ کی راہ میں جہاد کرتے رہیں؛ (اپنے دعوائے ایمان میں) یہی سچے اور راست گو ہیں۔^(۳) (۱۵) کہہ دیجئے! کہ کیا تم اللہ تعالیٰ کو اپنی دینداری سے

قَالَتِ الْاَكْثَرُ اِمَّا قُلْتُ ثُمَّ تَنُومُوْنَ اُولٰٓئِكَ قُلُوْا اَلَا اَسْلَمْنَا وَلَمَّا يَدْخُلِ الْاِيْمَانُ فِيْ قُلُوْبِكُمْ اِنْ تُطِيعُوْا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهُ لَا يَلْبِسْكُمْ مِنْ اَعْمَالِكُمْ شَيْئًا اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۵﴾

اِيْمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهِ ثُمَّ لَمَّا زَيَّزُوْا وَّجْهَهُمْ اِلٰى اَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اُولٰٓئِكَ هُمُ الصّٰدِقُوْنَ ﴿۱۵﴾

قُلْ اَعْلَمُوْنَ اللّٰهُ يَدِيْنُكُمْ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ مَا فِيْ السَّمٰوٰتِ

صلہ رحمی کر سکو۔ اس کا مقصد ایک دوسرے پر برتری کا اظہار نہیں ہے۔ جیسا کہ بد قسمتی سے حسب و نسب کو برتری کی بنیاد بنایا گیا ہے۔ حالانکہ اسلام نے آکر اسے مٹایا تھا اور اسے جاہلیت سے تعبیر کیا تھا۔

(۱) یعنی اللہ کے ہاں برتری کا معیار خاندان، قبیلہ اور نسل و نسب نہیں ہے جو کسی انسان کے اختیار میں ہی نہیں ہے۔ بلکہ یہ معیار تقویٰ ہے جس کا اختیار کرنا انسان کے ارادہ و اختیار میں ہے۔ یہی آیت ان علما کی دلیل ہے جو نکاح میں کفالت نسب کو ضروری نہیں سمجھتے اور صرف دین کی بنیاد پر نکاح کو پسند کرتے ہیں (ابن کثیر)

(۲) بعض مفسرین کے نزدیک ان اعراب سے مراد بنو اسد اور خزیمہ کے منافقین ہیں جنہوں نے قحط سالی میں محض صدقات کی وصولی کے لیے یا قتل ہونے اور قیدی بننے کے اندیشے کے پیش نظر زبان سے اسلام کا اظہار کیا تھا۔ ان کے دل ایمان، اعتقاد صحیح اور خلوص نیت سے خالی تھے (فتح القدیر) لیکن امام ابن کثیر کے نزدیک ان سے وہ اعراب (بادیہ نشین) مراد ہیں جو نئے مسلمان ہوئے تھے اور ایمان ابھی ان کے اندر پوری طرح راسخ نہیں ہوا تھا۔ لیکن دعویٰ انہوں نے اپنی اصل حیثیت سے بڑھ کر ایمان کا کیا تھا۔ جس پر انہیں یہ ادب سکھایا گیا کہ پہلے مرتبے پر ہی ایمان کا دعویٰ صحیح نہیں۔ آہستہ آہستہ ترقی کے بعد تم ایمان کے مرتبے پر پہنچو گے۔

(۳) نہ کہ وہ جو صرف زبان سے اسلام کا اظہار کر دیتے ہیں اور مذکورہ اعمال کا سرے سے کوئی اہتمام ہی نہیں کرتے۔

وَمَا فِي الْأَرْضِ وَاللَّهُ يَجْعَلُ سُبُلَهُ عَلَيْنَا ⑤

آگاہ کر رہے ہو،^(۱) اللہ ہر اس چیز سے جو آسمانوں میں اور زمین میں ہے بخوبی آگاہ ہے۔ اور اللہ ہر چیز کا جاننے والا ہے۔^(۲) (۱۶)

يَتُوبُونَ عَلَيْكَ أَنْ أَسْلَمُوا قُلْ لَا تَمُوتُوا عَلَىٰ إِسْلَامِكُمْ بَلِ
اللَّهُ يَمُنُّ عَلَيْكُمْ أَنْ هَذَا كُمُورُ الْإِيمَانِ إِنْ كُنْتُمْ
صَادِقِينَ ⑥

اپنے مسلمان ہونے کا آپ پر احسان جتاتے ہیں۔ آپ کہہ دیجئے کہ اپنے مسلمان ہونے کا احسان مجھ پر نہ رکھو، بلکہ دراصل اللہ کا تم پر احسان ہے کہ اس نے تمہیں ایمان کی ہدایت کی اگر تم راست گو ہو۔^(۳) (۱۷)

یقین مانو کہ آسمانوں اور زمین کی پوشیدہ باتیں اللہ خوب جانتا ہے۔ اور جو کچھ تم کر رہے ہو اسے اللہ خوب دیکھ رہا ہے۔ (۱۸)

إِنَّ اللَّهَ يَعْلَمُ غَيْبَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ وَاللَّهُ بَصِيرٌ بَيْنَنَا
وَبَيْنَكُمْ ⑦

سورۃ ق کی ہے اور اس میں پینتالیس آیتیں اور تین رکوع ہیں۔



(۱) تعلیم، یہاں اعلام اور اخبار کے معنی میں ہے۔ یعنی اَمَنَّا کہہ کر تم اللہ کو اپنے دین و ایمان سے آگاہ کر رہے ہو؟ یا اپنے دلوں کی کیفیت اللہ کو بتا رہے ہو؟

(۲) تو کیا تمہارے دلوں کی کیفیت پر یا تمہارے ایمان کی حقیقت سے وہ آگاہ نہیں؟

(۳) یہی اعراب نبی ﷺ کو کہتے کہ دیکھو ہم مسلمان ہو گئے اور آپ ﷺ کی مدد کی، جب کہ دوسرے عرب آپ ﷺ سے سر پرکار ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان کا رد فرماتے ہوئے فرمایا، تم اللہ پر اسلام لانے کا احسان مت جتلاؤ، اس لیے کہ اگر تم اخلاص سے مسلمان ہوئے ہو تو اس کا فائدہ تمہیں ہی ہو گا، نہ کہ اللہ کو۔ اس لیے یہ اللہ کا تم پر احسان ہے کہ اس نے تمہیں قبول اسلام کی توفیق دے دی نہ کہ تمہارا احسان اللہ پر ہے۔

☆ نبی صلی اللہ علیہ وسلم عید کی نماز میں سورۃ ق اور أَفْتَرَبْتَ السَّاعَةَ پڑھا کرتے تھے۔ (صحیح مسلم، باب ما یقرأہ فی صلاة العیدین) ہر جمعے کے خطبے میں بھی پڑھتے تھے (صحیح مسلم، کتاب الجمعة، باب تخفیف الصلوۃ والخطبۃ) امام ابن کثیر فرماتے ہیں کہ عیدین اور جمعے میں پڑھنے کا مطلب یہ ہے کہ آپ بڑے مجموعوں میں یہ سورت پڑھا کرتے تھے، کیونکہ اس میں ابتدائے خلق، بعث و نشور، معاد و قیام، حساب، جنت و دوزخ، ثواب و عتاب اور ترغیب و ترہیب کا بیان ہے۔

شروع کرتا ہوں اللہ تعالیٰ کے نام سے جو بڑا مہربان
نہایت رحم والا ہے۔

ق! بہت بڑی شان والے اس قرآن کی قسم ہے۔^(۱)
بلکہ انہیں تعجب معلوم ہوا کہ ان کے پاس انہی میں سے
ایک آگاہ کرنے والا آیا تو کافروں نے کہا کہ یہ ایک عجیب
چیز ہے۔^(۲)

کیا جب ہم مر کر مٹی ہو جائیں گے۔ پھر یہ واپسی دور (از
عقل) ہے۔^(۳)

زمین جو کچھ ان میں سے گھٹاتی ہے وہ ہمیں معلوم ہے
اور ہمارے پاس سب یاد رکھنے والی کتاب ہے۔^(۴)
بلکہ انہوں نے سچی بات کو جھوٹ کہا ہے جبکہ وہ ان کے
پاس پہنچ چکی پس وہ ایک الجھاؤ میں پڑ گئے ہیں۔^(۵)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

قَالَ وَالْقُرْآنِ الْمَجِیدِ
بَلْ یَحِبُّوْنَ اَنْ جَاہُمْ مُنْذِرٌ مِّنْہُمْ فَقَالَ الْکَافِرُوْنَ
ہٰذَا شَیْءٌ عَجِیْبٌ

وَلَا اٰمَنَّا وَکُنَّا ضَالِّیْنَ ۚ ذٰلِکَ رَجَعٌ بَعِیْدٌ

فَاَنۢ عَلِمْنَا مَا لَا مَنۢفَعَ لِّلْاَرْضِ مِنْہُمْ وَعِنۢدَنَا کِتٰبٌ حَفِیْظٌ

بَلْ کَذَّبُوْا بِالْحَقِّ لَمَّا جَاہُمْ فَمَنْ فِیۡ اٰفْرِیۡقٍ

(۱) اس کا جواب قسم محذوف ہے لَتُبْعَنَّ (تم ضرور قیامت والے دن اٹھائے جاؤ گے) بعض کہتے ہیں اس کا جواب
بالمعد کا مضمون کلام ہے جس میں نبوت اور معاد کا اثبات ہے۔ (فتح القدیر وابن کثیر)

(۲) حالانکہ اس میں کوئی تعجب والی بات نہیں ہے۔ ہر نبی اسی قوم کا ایک فرد ہوتا تھا جس میں اسے مبعوث کیا جاتا تھا۔
اسی حساب سے قریش مکہ کو ڈرانے کے لیے قریش ہی میں سے ایک شخص کو نبوت کے لیے چن لیا گیا۔

(۳) حالانکہ عقلی طور پر اس میں بھی کوئی استحالہ نہیں ہے۔ آگے اس کی کچھ وضاحت ہے۔

(۴) یعنی زمین انسان کے گوشت، ہڈی اور بال وغیرہ کو بوسیدہ کر کے کھا جاتی ہے یعنی اسے ریزہ ریزہ کر دیتی ہے وہ نہ
صرف ہمارے علم میں ہے بلکہ ہمارے پاس لوح محفوظ میں بھی درج ہے۔ اس لیے ان تمام اجزاء کو جمع کر کے انہیں دوبارہ
زندہ کر دینا ہمارے لیے قطعاً مشکل امر نہیں ہے۔

(۵) حَقُّ (سچی بات) سے مراد قرآن، اسلام یا نبوت محمدیہ ہے، مفہوم سب کا ایک ہی ہے تریج کے معنی مختلط، مضطرب یا
ملبس کے ہیں۔ یعنی ایسا معاملہ جو ان پر مشتبہ ہو گیا ہے، جس سے وہ ایک الجھاؤ میں پڑ گئے ہیں، کبھی اسے جادو گر کہتے
ہیں، کبھی شاعر اور کبھی کاہن۔

کیا انہوں نے آسمان کو اپنے اوپر نہیں دیکھا؟ کہ ہم نے اسے کس طرح بنایا ہے ^(۱) اور زینت دی ہے ^(۲) اس میں کوئی شکاف نہیں۔ ^(۳) (۶)

اور زمین کو ہم نے بچھا دیا ہے اور اس میں ہم نے پہاڑ ڈال دیئے ہیں اور اس میں ہم نے قسم قسم کی خوشنما چیزیں اگادی ہیں۔ ^(۴) (۷)

تاکہ ہر رجوع کرنے والے بندے کے لیے بینائی اور دانائی کا ذریعہ ہو۔ ^(۵) (۸)

اور ہم نے آسمان سے بابرکت پانی برسایا اور اس سے باغات اور کٹنے والے کھیت کے غلے پیدا کیے۔ ^(۶) (۹)

اور کھجوروں کے بلند وبالا درخت جن کے خوشے تہ بہ تہ ہیں۔ ^(۷) (۱۰)

أَفَلَمْ يَنْظُرُوا إِلَى السَّمَاءِ فَوْقَهُمْ كَيْفَ بَنَيْنَاهَا وَزَيَّنَّاهَا وَمَا لَهَا مِنْ فُرُوجٍ ۝

وَالْأَرْضِ مَدَدْنَاهَا وَأَلْقَيْنَا فِيهَا رِوَابِي وَأَبْنَيْنَا فِيهَا مِنْ كُلِّ شَيْءٍ مِثْقَلِ ذَرَّةٍ لَعَلَّكُمْ يَرْجِعُونَ ۝

نَبْرِزَّةً وَذُرِّي لَعَلَّكُمْ تَعْلَمُونَ ۝

وَزَكَّيْنَاهُ السَّمَاءَ مَاءً مُبَارَكًا فَابْتَنَيْنَا لَهُ جَنَّتٍ وَجَنَّةَ الْحَمِيدِ ۝

وَالنَّخْلَ لِيُسْقَىٰ لَهَا طَلْعٌ نَضِيدٌ ۝

(۱) یعنی بغیر ستون کے، جن کا اسے کوئی سہارا ہو۔

(۲) یعنی ستاروں سے اسے مزین کیا۔

(۳) اسی طرح کوئی فرق و تفاوت بھی نہیں ہے۔ جیسے دوسرے مقام پر فرمایا۔ ﴿الَّذِي خَلَقَ سَبْعَ سَمَاوَاتٍ طِبَاقًا مَّا تَرَىٰ فِي خَلْقِ الرَّحْمَنِ مِنْ تَفَوتٍ فَإِنَّهُمْ بَصَرٌ هَلْ تَرَىٰ مِنْ فُتُورٍ * ثُمَّ انْصَرِ إِلَىٰ بَصَرِكَ يُعَلِّبُ إِلَيْكَ الْبَصَرَ خَيْسًا وَهُوَ حَمِيدٌ﴾ — الملک: ۳-۴

(۴) اور بعض نے زوج کے معنی جوڑا کیے ہیں۔ یعنی ہر قسم کی نباتات اور اشیا کو جوڑا جوڑا (نر اور مادہ) بنایا ہے۔ بہنچ کے معنی، خوش منظر، شاداب اور حسین۔

(۵) یعنی آسمان و زمین کی تخلیق اور دیگر اشیا کا مشاہدہ اور ان کی معرفت ہر اس شخص کے لیے بصیرت و دانائی اور عبرت و نصیحت کا باعث ہے جو اللہ کی طرف رجوع کرنے والا ہے۔

(۶) کٹنے والے غلے سے مراد وہ کھیتیاں ہیں، جن سے گندم، مکئی، جوار، باجرہ، دالیں اور چاول وغیرہ پیدا ہوتے ہیں اور پھر ان کا ذخیرہ کر لیا جاتا ہے۔

(۷) بَاسِقَاتٍ کے معنی طَوَّالَا شَاهِقَاتٍ، بلند وبالا طَلْعُ کھجور کا وہ گدرا گدرا پھل، جو پہلے پھل نکلتا ہے۔ نَضِيدٌ کے معنی تہ بہ تہ۔ باغات میں کھجور کا پھل بھی آجاتا ہے۔ لیکن اسے الگ سے بطور خاص ذکر کیا، جس سے کھجور کی وہ اہمیت واضح ہے جو عرب میں اسے حاصل ہے۔

بندوں کی روزی کے لیے اور ہم نے پانی سے مردہ شر کو

زندہ کر دیا۔ اسی طرح (قبروں سے) نکلتا ہے۔^(۱۱)

ان سے پہلے نوح کی قوم نے اور رس والوں^(۱۲) نے اور
ثمود نے۔^(۱۳)

اور عاد نے اور فرعون نے اور برادران لوط نے۔^(۱۴)
اور ایکہ^(۱۵) والوں نے اور تیج کی قوم^(۱۶) نے بھی تکذیب
کی تھی۔ سب نے پیغمبروں کو جھٹلایا^(۱۷) پس میرا وعدہ
عذاب ان پر صادق آگیا۔^(۱۸)

کیا ہم پہلی بار کے پیدا کرنے سے تھک گئے؟^(۱۹) بلکہ یہ

يٰۤاَيُّهَا الْعِبَادُ وَاَحْيَيْنَاہٖ بِلَدَّةٍ مِّثْلَ الَّذِي كُنَّا لَكُمْ الْخُرُوجُ ۝

كَذَّبَتْ قَبْلَهُمْ قَوْمُ نُوحٍ وَّاَصْحَابُ الرَّيْسِ وَّتَمُودُ ۝

وَعَادُ وَّفِرْعَوْنُ وَّاِخْوَانُ لُوطٍ ۝

وَّاَصْحَابُ الْاَيْكَةِ وَّقَوْمُ شَيْبٍ كُلٌّ كَذَّبَ الرُّسُلَ

فَقَحَقَّ وَجْہُہٗ ۝

اَفَعَيَيْنَا الْخَلْقَ الْاَوَّلٰی بَلْ مَعْرِفٰی لَہٗنَّ مِنْ خَلْقٍ جَدِیدٍ ۝

(۱) یعنی جس طرح بارش سے مردہ زمین کو زندہ اور شاداب کر دیتے ہیں، اسی طرح قیامت والے دن ہم قبروں سے انسانوں کو زندہ کر کے نکال لیں گے۔

(۲) أَصْحَابُ الرَّيْسِ کی تعین میں مفسرین کے درمیان بہت اختلاف ہے۔ امام ابن جریر طبری نے اس قول کو ترجیح دی ہے جس میں انہیں اصحاب اخدود قرار دیا گیا ہے، جس کا ذکر سورہ بروج میں ہے (تفصیل کے لیے دیکھئے ابن کثیر فتح القدیر، سورۃ الفرقان آیت ۳۸)

(۳) أَصْحَابُ الْاَيْكَةِ کے لیے دیکھئے سورۃ الشعراء، آیت ۷۶ کا حاشیہ۔

(۴) قَوْمُ نَبُع کے لیے دیکھئے سورۃ الدخان، آیت ۳۷ کا حاشیہ۔

(۵) یعنی ان میں سے ہر ایک نے اپنے اپنے پیغمبر کو جھٹلایا۔ اس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے تسلی ہے۔ گویا آپ ﷺ کو کہا جا رہا ہے کہ آپ ﷺ اپنی قوم کی طرف سے اپنی تکذیب پر غمگین نہ ہوں، اس لیے کہ یہ کوئی نئی بات نہیں ہے، آپ ﷺ سے پہلے انبیاء علیہم السلام کے ساتھ بھی ان کی قوموں نے یہی معاملہ کیا۔ دوسرے اہل مکہ کو تنبیہ ہے کہ پچھلی قوموں نے انبیاء علیہم السلام کی تکذیب کی تو دیکھ لو ان کا کیا انجام ہوا؟ کیا تم بھی اپنے لیے یہی انجام پسند کرتے ہو؟ اگر یہ انجام پسند نہیں کرتے تو تکذیب کا راستہ چھوڑ دو اور پیغمبر ﷺ پر ایمان لے آؤ۔

(۶) کہ قیامت والے دن دوبارہ پیدا کرنا ہمارے لیے مشکل ہوگا۔ مطلب یہ ہے کہ جب پہلی مرتبہ پیدا کرنا ہمارے لیے مشکل نہیں تھا تو دوبارہ زندہ کرنا تو پہلی مرتبہ پیدا کرنے سے زیادہ آسان ہے۔ جیسے دوسرے مقام پر فرمایا ۞ وَهُوَ الَّذِي يَبْدَأُ الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيدُهُ وَهُوَ أَهْوَنُ عَلَيْهِ ۝ (الروم، ۲۷) سورہ یٰسین، آیت ۷۸-۷۹ میں بھی یہ مضمون بیان کیا گیا ہے۔ اور حدیث قدسی میں ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ”ابن آدم یہ کہہ کر مجھے ایدہ اپنچا تا ہے کہ اللہ مجھے ہرگز دوبارہ پیدا کرنے پر قادر نہیں ہے جس طرح اس نے پہلی مرتبہ مجھے پیدا کیا۔ حالانکہ پہلی مرتبہ پیدا کرنا، دوسری مرتبہ پیدا کرنے سے زیادہ آسان نہیں ہے“ یعنی اگر مشکل ہے تو

لوگ نئی پیدائش کی طرف سے شک میں ہیں۔^(۱) (۱۵)
 ہم نے انسان کو پیدا کیا ہے اور اس کے دل میں جو
 خیالات اٹھتے ہیں ان سے ہم واقف ہیں^(۲) اور ہم اس
 کی رگ جان سے بھی زیادہ اس سے قریب ہیں۔^(۳) (۱۶)
 جس وقت دو لینے والے جا لیتے ہیں ایک دائیں طرف
 اور ایک بائیں طرف بیٹھا ہوا ہے۔ (۱۷)
 (انسان) منہ سے کوئی لفظ نکال نہیں پاتا مگر کہ اس کے
 پاس نگہبان تیار ہے۔^(۴) (۱۸)

وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنْسَانَ وَنَعْلَمُ مَا تُوَسْوِسُ بِهِ نَفْسُهُ وَنَحْنُ أَقْرَبُ
 إِلَيْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِيدِ ۝

إِنَّمَا تَكَلَّمُ الْمَلَائِكَةُ مِنَ الْإِنْسَانِ عَنِ الْإِيمَانِ وَعَنِ الْإِيمَانِ قَعِيدٌ ۝

مَا يَكُونُ مِنْ قَوْلٍ إِلَّا لَدَيْهِ رَقِيبٌ عَتِيدٌ ۝

پہلی مرتبہ پیداکرنا نہ کہ دوسری مرتبہ (البخاری 'تفسیر سورۃ الاخلاص)

(۱) یعنی یہ اللہ کی قدرت کے منکر نہیں، بلکہ اصل بات یہ ہے کہ انہیں قیامت کے وقوع اور اس میں دوبارہ زندگی کے بارے میں ہی شک ہے۔

(۲) یعنی انسان جو کچھ چھپاتا اور دل میں مستور رکھتا ہے، وہ سب ہم جانتے ہیں۔ وسوسہ، دل میں گزرنے والے خیالات کو کہا جاتا ہے جس کا علم اس انسان کے علاوہ کسی کو نہیں ہوتا۔ لیکن اللہ ان وسوسوں کو بھی جانتا ہے۔ اسی لیے حدیث میں آتا ہے ”اللہ تعالیٰ نے میری امت سے دل میں گزرنے والے خیالات کو معاف فرمادیا ہے یعنی ان پر گرفت نہیں فرمائے گا۔ جب تک وہ زبان سے ان کا اظہار یا ان پر عمل نہ کرے۔“ (البخاری، کتاب الایمان باب إذا حث ناسیافی الایمان مسلم، باب تجاوز اللہ عن حدیث النفس والخواطر بالقلب إذا لم تستقر)

(۳) وَرَبِّدْ، شہ رگ یا رگ جان کو کہا جاتا ہے جس کے کٹنے سے موت واقع ہو جاتی ہے۔ یہ رگ حلق کے ایک کنارے سے انسان کے کندھے تک ہوتی ہے۔ اس قرب سے مراد قرب علمی ہے یعنی علم کے لحاظ سے ہم انسان کے بالکل بلکہ اتنے قریب ہیں کہ اس کے نفس کی باتوں کو بھی جانتے ہیں۔ امام ابن کثیر فرماتے ہیں کہ نَحْنُ سے مراد فرشتے ہیں۔ یعنی ہمارے فرشتے انسان کی رگ جان سے بھی قریب ہیں۔ کیونکہ انسان کے دائیں بائیں دو فرشتے ہر وقت موجود رہتے ہیں، وہ انسان کی ہر بات اور عمل کو نوٹ کرتے ہیں ﴿يَتَكَلَّمُ الْمَلَائِكَةُ﴾ کے معنی ہیں یَأْخُذَانِ وَيُتَبَيَّنَانِ۔ امام شوکانی نے اس کا مطلب بیان کیا ہے کہ ہم انسان کے تمام احوال کو جانتے ہیں، بغیر اس کے کہ ہم ان فرشتوں کے محتاج ہوں جن کو ہم نے انسان کے اعمال و اقوال کہنے کے لیے مقرر کیا ہے، یہ فرشتے تو ہم نے صرف اتمام جت کے لیے مقرر کیے ہیں۔ دو فرشتوں سے مراد بعض کے نزدیک ایک نیکی اور دو سرا بدی کہنے کے لیے۔ اور بعض کے نزدیک رات اور دن کے فرشتے مراد ہیں۔ رات کے دو فرشتے الگ اور دن کے دو فرشتے الگ (فتح القدیر)

(۴) رَقِيبٌ، محافظ، نگران اور انسان کے قول اور عمل کا انتظار کرنے والا۔ عَتِيدٌ حاضر اور تیار۔

اور موت کی بے ہوشی حق لے کر آپنچی،^(۱) یہی ہے جس سے توبہ کرتا پھرتا تھا۔^(۲) (۱۹)

اور صور پھونک دیا جائے گا۔ وعدہ عذاب کا دن یہی ہے۔ (۲۰)
اور ہر شخص اس طرح آئے گا کہ اس کے ساتھ ایک لانے والا ہو گا اور ایک گواہی دینے والا۔^(۳) (۲۱)

یقیناً تو اس سے غفلت میں تھا لیکن ہم نے تیرے سامنے سے پردہ ہٹا دیا پس آج تیری نگاہ مست تیز ہے۔ (۲۲)
اس کا ہم نشین (فرشتہ) کہے گا یہ حاضر ہے جو کہ میرے پاس تھا۔^(۴) (۲۳)

ڈال دو جنم میں ہر کافر سرکش کو۔ (۲۴)
جو نیک کام سے روکنے والا حد سے گزر جانے والا اور شک کرنے والا تھا۔ (۲۵)

جس نے اللہ کے ساتھ دوسرا معبود بنا لیا تھا پس اسے سخت عذاب میں ڈال دو۔^(۵) (۲۶)

اس کا ہم نشین (شیطان) کہے گا اے ہمارے رب! میں نے اسے گمراہ نہیں کیا تھا بلکہ یہ خود ہی دور دراز کی گمراہی میں تھا۔^(۶) (۲۷)

وَجَاءَتْ سَكْرَةُ الْمَوْتِ بِالْحَقِّ ذَلِكَ مَا كُنْتَ مِنْهُ تَحِيدُ ۝

وَنُفِخَ فِي الصُّورِ ذَلِكَ يَوْمُ الْوَعْدِ ۝

وَجَاءَتْ كُلُّ نَفْسٍ مَعَ سَائِلٍ ۚ وَشَهِيدٌ ۝

لَقَدْ كُنْتَ فِي غَفْلَةٍ مِنْ هَذَا أَكْثَفَ عِنْدَ عِظَاءِكَ ۝

فَبَصَّرُكَ الْيَوْمَ حَدِيدٌ ۝

وَقَالَ قَرِينُهُ هَذَا مَا لَدَىٰ عَيْنِي ۝

أَلْقَيْتُ فِي جَهَنَّمَ كُلَّ لَقَارٍ عِندِي ۝

مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرٌ مِّمَّا عَصَيْتَ قَرِيبٌ ۝

لَا يُذْنِبُ جَعَلَ مَعَ اللَّهِ إِلَهًا آخَرَ فَأَلْقِيهِ فِي الْعَذَابِ الشَّدِيدِ ۝

قَالَ قَرِينُهُ رَبَّنَا مَا أَطْعَمْتَهُ وَلَكِنْ كَانَ فِي ضَلَالٍ بَعِيدٍ ۝

(۱) دوسرے معنی اس کے ہیں، موت کی سختی حق کے ساتھ آئے گی، یعنی موت کے وقت، حق واضح اور ان وعدوں کی صداقت ظاہر ہو جاتی ہے جو قیمت اور جنت و دوزخ کے بارے میں انبیاء علیہم السلام کرتے رہے ہیں۔

(۲) تَحِيدُ، تَمِيلُ عَنْهُ وَتَفَرُّ، تو اس موت سے بدکرتا اور بھاگتا تھا۔

(۳) سَائِلٌ (باتکنے والا) اور شَهِيدٌ (گواہ) کے بارے میں اختلاف ہے۔ امام طبری کے نزدیک یہ دو فرشتے ہیں۔ ایک انسان کو محشر تک ہانک کر لانے والا اور دوسرا گواہی دینے والا۔

(۴) یعنی فرشتہ انسان کا سارا ریکارڈ سامنے رکھ دے گا اور کہے گا کہ یہ تیری فرد عمل ہے جو کہ میرے پاس تھی۔

(۵) اللہ تعالیٰ اس فرد عمل کی روشنی میں انصاف اور فیصلہ فرمائے گا۔ اَلْقِيَا سے الشَّدِيدُ تک اللہ کا قول ہے۔

(۶) اس لیے اس نے فوراً میری بات مان لی، اگر یہ تیرا مخلص بندہ ہوتا تو میرے بہکاوے میں ہی نہ آتا یہاں قَرِينُ

حق تعالیٰ فرمائے گا بس میرے سامنے جھکڑے کی بات
مت کرو میں تو پہلے ہی تمہاری طرف وعید (وعدہ
عذاب) بھیج چکا تھا۔^(۱) (۲۸)
میرے ہاں بات بدلتی نہیں^(۲) اور نہ میں اپنے بندوں پر
ذرا بھی ظلم کرنے والا ہوں۔^(۳) (۲۹)
جس دن ہم دوزخ سے پوچھیں گے کیا تو بھر چکی؟ وہ
جواب دے گی کیا کچھ اور زیادہ بھی ہے؟^(۴) (۳۰)

قَالَ لَا تَحْزَنُوا لَكَی وَقَدْ قَدَّمْتُ إِلَيْكُمْ بِالْوَعِيدِ ۝

يَا بَنِي آدَمُ الْقَوْلُ لَدَيَّ وَمَا أَنَا بِظَالِمٍ لِّلْعَالَمِينَ ۝

يَوْمَ نَقُولُ لِمَن هُمْ هَٰؤُلَاءِ أَمْ تَأْتِيكَمْ سُرُبَاتٌ مِّنْ غَيْرِیْهِ ۝

(ساتھی) سے مراد شیطان ہے۔

(۱) یعنی اللہ تعالیٰ کافروں اور ان کے ہم نشین شیطانوں کو کہے گا کہ یہاں موقوف حساب یا عدالت انصاف میں لڑنے
جھگڑنے کی ضرورت نہیں نہ اس کا کوئی فائدہ ہی ہے، میں نے تو پہلے ہی رسولوں اور کتابوں کے ذریعے سے ان وعیدوں
سے تم کو آگاہ کر دیا تھا۔

(۲) یعنی جو وعدے میں نے کیے تھے، ان کے خلاف نہیں ہو گا بلکہ وہ ہر صورت میں پورے ہوں گے اور اسی اصول
کے مطابق تمہارے لیے عذاب کا فیصلہ میری طرف سے ہوا ہے جس میں تبدیلی نہیں ہو سکتی۔

(۳) کہ بغیر جرم کے جو انسانوں نے نہ کیا ہو اور بغیر گناہ کے جس کا صدور ان سے نہ ہوا ہو، میں ان کو عذاب دے دوں؟
ظلام یہاں ظالم کے معنی میں ہے۔ یا محاورہ بولا گیا ہے، جیسے عام طور پر کہا جاتا ہے کہ فلاں شخص اپنے غلاموں پر بڑا ظلم
کرتا ہے، فلاں شخص بڑا ظالم ہے مقصد، مبالغے کا نہیں بلکہ صرف اس کی طرف سے ظلم کیے جانے کا اظہار ہوتا ہے۔ یا
مقصود نفی میں مبالغہ ہے۔ یعنی میں بندوں پر ذرا بھی ظلم کرنے والا نہیں۔

(۴) اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے ﴿لَا تَحْزَنُوا لَكَی وَاللَّائِیْنَ كَجِبَتْ لَهُنَّ مَا لَمَنَ لَّهُنَّ﴾ (آلہ السجدة: ۱۳) ”میں جہنم کو انسانوں اور جنوں
سے بھروں گا۔“ اس وعدے کا جب ایفا ہو جائے گا اور اللہ تعالیٰ کافر جن و ناس کو جہنم میں ڈال دے گا، تو جہنم سے پوچھے گا کہ تو
بھرنے سے یا نہیں؟ وہ جواب دے گی، کیا کچھ اور بھی ہے؟ یعنی اگرچہ میں بھرنے لگی ہوں لیکن یا اللہ تیرے دشمنوں کے لیے میرے
دامن میں اب بھی گنجائش ہے۔ جہنم سے اللہ تعالیٰ کی یہ گفتگو اور جہنم کا جواب دینا، اللہ کی قدرت سے قطعاً بعید نہیں ہے۔
حدیث میں بھی آتا ہے ”اگ میں لوگ ڈالے جائیں گے اور جہنم کے گی: هَلْ مِنْ مَّزِيدٍ لِّكَی کچھ اور بھی ہیں؟ حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ
جہنم میں اپنا پیر رکھ دے گا، جس سے جہنم پکار اٹھے گی، ”قَطِ قَطِ“ یعنی بس، بس“ (صحیح بخاری، تفسیر سورہ ق) اور جنت کے
بارے میں آتا ہے کہ جنت میں ابھی خالی جگہ باقی رہ جائے گی تو اللہ تعالیٰ اس کے لیے نئی مخلوق پیدا فرمائے گا جو وہاں آباد ہوگی۔

(صحیح مسلم کتاب الجنة، باب النار، یدخلها الجبارون والجنة یدخلها الضعفاء)

وَأَزَلَّتِ الْجَنَّةُ لِلْمُتَّقِينَ غَيْرَ بَعِيدٍ ﴿۳۱﴾

اور جنت پر ہمیز گاروں کے لیے بالکل قریب کر دی جائے گی ذرا بھی دور نہ ہوگی۔^(۱) (۳۱)

هَذَا مَا تُوعَدُونَ لِكُلِّ أَوَّابٍ حَفِيفٍ ﴿۳۲﴾

یہ ہے جس کا تم سے وعدہ کیا جاتا تھا ہر اس شخص کے لیے جو رجوع کرنے والا اور پابندی کرنے والا ہو۔^(۲) (۳۲)

مَنْ عَمِلَ الصَّالِحَاتِ مِنَ الْقَبْلِ وَسَجَّدَ لِقَلْبِ مُنِيبٍ ﴿۳۳﴾

جو رحمن کا غائبانہ خوف رکھتا ہو اور توجہ والا دل لایا ہو۔^(۳) (۳۳)

لَا تَدْخُلُوا عَلَيْهِمْ فِي ذَلِكَ يَوْمَ الْخُلُودِ ﴿۳۴﴾

تم اس جنت میں سلامتی کے ساتھ داخل ہو جاؤ۔ یہ ہمیشہ رہنے کا دن ہے۔^(۴) (۳۴)

لَهُمْ مَا يَشَاءُونَ فِيهَا وَلَدَيْنَا مَزِيدٌ ﴿۳۵﴾

یہ وہاں جو چاہیں انھیں ملے گا (بلکہ) ہمارے پاس اور بھی زیادہ ہے۔^(۵) (۳۵)

وَكَمْ أَهْلَكْنَا قَبْلَهُمْ مِنْ قَرْنٍ هُمْ أَشَدُّ مِنْهُمْ بَطْشًا فَنَقَّبُوا فِي

اور ان سے پہلے بھی ہم بہت سی امتوں کو ہلاک کر چکے ہیں جو ان سے طاقت میں بہت زیادہ تھیں وہ شہروں میں ڈھونڈتے ہی^(۵) رہ گئے، کہ کوئی بھاگنے کا ٹھکانا

الْبِلَادِ هَلْ مِنْ مَحْصِينٍ ﴿۳۶﴾

(۱) اور بعض نے کہا ہے کہ قیامت، جس روز جنت قریب کر دی جائے گی، دور نہیں ہے۔ کیونکہ وہ لامحالہ واقع ہو کر رہے گی اور کُلِّ مَا هُوَ آتٍ فَهُوَ قَرِيبٌ اور جو بھی آنے والی چیز ہے، وہ قریب ہی ہے دور نہیں۔ (ابن کثیر)

(۲) یعنی اہل ایمان جب جنت کا اور اس کی نعمتوں کا قریب سے مشاہدہ کریں گے تو کہا جائے گا کہ یہی وہ جنت ہے جس کا وعدہ ہر اواب اور حفیظ سے کیا گیا تھا۔ اواب، بہت رجوع کرنے والا، یعنی اللہ کی طرف۔ کثرت سے توبہ و استغفار اور تسبیح و ذکر الہی کرنے والا۔ خلوت میں اپنے گناہوں کو یاد کر کے اللہ کی بارگاہ میں گڑ گڑانے والا اور ہر مجلس میں استغفار کرنے والا۔ حفیظ، اپنے گناہوں کو یاد کر کے ان سے توبہ کرنے والا، یا اللہ کے حقوق اور اس کی نعمتوں کو یاد رکھنے والا یا اللہ کے اموار و نوای کو یاد رکھنے والا (فتح القدیر)

(۳) مُنِيبٌ، اللہ کی طرف رجوع کرنے والا اور اس کا اطاعت گزار دل۔ یا بمعنی سَلِيمٌ، شرک و معصیت کی نجاستوں سے پاک دل۔

(۴) اس سے مراد رب تعالیٰ کا دیدار ہے جو اہل جنت کو نصیب ہوگا، جیسا کہ ﴿لَا يَذَنُّونَ أَحْسَنُوا الْحُسْنَىٰ وَزَيَدُوا﴾ (یونس: ۳۶) کی تفسیر میں گزرا۔

(۵) ﴿فَقَبُولُنِي الْبَلَاءُ﴾ (شہروں میں چلے پھرے) کا ایک مطلب یہ بیان کیا گیا ہے کہ وہ ان اہل مکہ سے زیادہ تجارت و کاروبار کے لیے مختلف شہروں میں پھرتے تھے۔ لیکن ہمارا عذاب آیا تو انہیں کہیں پناہ اور راہ فرار نہیں ملی۔

ہے۔؟ (۳۶)

اس میں ہر صاحب دل کے لیے عبرت ہے اور اس کے لیے جو دل^(۱) سے متوجہ ہو کر کان لگائے^(۲) اور وہ حاضر ہو۔^(۳) (۳۷)

یقیناً ہم نے آسمانوں اور زمین اور جو کچھ اس کے درمیان ہے سب کو (صرف) چھ دن میں پیدا کر دیا اور ہمیں نکلانے چھو اتک نہیں۔ (۳۸)

پس یہ جو کچھ کہتے ہیں آپ اس پر صبر کریں اور اپنے رب کی تسبیح تعریف کے ساتھ بیان کریں سورج نکلنے سے پہلے بھی اور سورج غروب ہونے سے پہلے بھی۔^(۴) (۳۹)
اور رات کے کسی وقت بھی تسبیح کریں^(۵) اور نماز کے بعد بھی۔^(۶) (۴۰)

إِن فِي ذَلِكَ لَذِكْرٌ لِّمَن كَانَ لَهُ قَلْبٌ أَوْ أَلْقَى السَّمْعَ وَهُوَ شَهِيدٌ ﴿۳۶﴾

وَلَقَدْ خَلَقْنَا السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ وَابَيْنَهُمَا فِي سِتَّةِ أَيَّامٍ وَمَا مَسْنَاهُمْ لُغُوبٌ ﴿۳۷﴾

فَأَصْبَحُوا عَلَى مَا يَقُولُونَ وَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ قَبْلَ طُلُوعِ الشَّمْسِ وَقَبْلَ الْغُرُوبِ ﴿۳۸﴾

وَمِنَ اللَّيْلِ فَسَبِّحْهُ وَإِدْبَارَ النُّجُومِ ﴿۳۹﴾

(۱) یعنی دل بیدار، جو غور و فکر کر کے حقائق کا ادراک کر لے۔

(۲) یعنی توجہ سے وہ وحی الہی سنے جس میں گزشتہ امتوں کے واقعات بیان کیے گئے ہیں۔

(۳) یعنی قلب اور دماغ کے لحاظ سے حاضر ہو۔ اس لیے کہ جو بات کو ہی نہ سمجھے، وہ موجود ہوتے ہوئے بھی ایسے ہے جیسے نہیں ہے۔

(۴) یعنی صبح و شام اللہ کی تسبیح بیان کرو یا عصر اور فجر کی نماز پڑھنے کی تاکید ہے۔

(۵) ”مِنَ مَبْعُوضِ“ کے لیے ہے۔ یعنی رات کے کچھ حصے میں بھی اللہ کی تسبیح کریں یا رات کی نماز (تہجد) پڑھیں۔ جیسے دوسرے مقام پر فرمایا ﴿وَمِنَ اللَّيْلِ فَسَبِّحْهُ نَافِلَةً لَّكَ﴾ (سودہ بنی اسرائیل۔ ۷۹) ”رات کو اٹھ کر نماز تہجد پڑھیں جو آپ کے لیے مزید ثواب کا باعث ہے“ بعض کہتے ہیں کہ معراج سے قبل مسلمانوں کے لیے صرف فجر اور عصر کی نماز اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے تہجد کی نماز بھی فرض تھی۔ معراج کے موقع پر پانچ نمازیں فرض کر دی گئیں۔ (ابن کثیر)

(۶) یعنی اللہ کی تسبیح کریں۔ بعض نے اس سے وہ تسبیحات مراد لی ہیں، جن کے پڑھنے کی تاکید نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرض نمازوں کے بعد فرمائی ہے۔ مثلاً ۳۳ مرتبہ سُبْحَانَ اللَّهِ - ۳۳ مرتبہ الْحَمْدُ لِلَّهِ اور ۳۴ مرتبہ اللَّهُ أَكْبَرُ وغیرہ (البخاری) کتاب الأذان، باب الذکر بعد الصلوٰۃ - کتاب الدعوات، باب الدعاء بعد الصلوٰۃ - مسلم، کتاب المساجد باب استحباب الذکر بعد الصلوٰۃ و بیان صفہ) مگر یہ تسبیحات اس سورت کے نزول کے

وَأَسْمِعْ يَوْمَ يُنَادِ الْمُنَادُ مِنْ مَّكَانٍ قَرِيبٍ ﴿٥٠﴾

يَوْمَ يَسْمَعُونَ الصَّيْحَةَ بِالْحَقِّ ذَلِكَ يَوْمُ الْخُرُوجِ ﴿٥١﴾

إِنَّا نَحْنُ نُحْيِي وَنُمِيتُ وَإِلَيْنَا الْمَصِيرُ ﴿٥٢﴾

يَوْمَ تَشَقُّقُ الْأَرْضُ عَنْهُمْ سِرَاعًا ذَلِكَ حَشْرٌ عَلَيْنَا يَسِيرٌ ﴿٥٣﴾

اور سن رکھیں^(۱) کہ جس دن ایک پکارنے^(۲) والا قریب ہی کی جگہ سے پکارے گا۔^(۳)
جس روز اس تندو تیز چیخ کو یقین کے ساتھ سن لیں گے، یہ دن ہو گا نکلنے کا۔^(۴)
ہم ہی جلاتے ہیں اور ہم ہی مارتے ہیں^(۵) اور ہماری ہی طرف لوٹ پھر کر آنا ہے۔^(۶)
جس دن زمین پھٹ جائے گی اور یہ دوڑتے ہوئے^(۷) (نکل پڑیں گے) یہ جمع کر لینا ہم پر بہت ہی آسان ہے۔^(۸)

بہت عرصہ بعد بتائی گئی تھیں۔ بعض نے کہا ہے کہ اُدبار الجود سے مراد مغرب کے بعد دو رکتیں ہیں۔

(۱) یعنی قیامت کے جو احوال وحی کے ذریعے سے بیان کیے جا رہے، انہیں توجہ سے سنیں۔

(۲) یہ پکارنے والا اسرائیل فرشتہ ہو گا یا جبرائیل اور یہ ندا وہ ہو گی جس سے لوگ میدانِ محشر میں جمع ہو جائیں گے۔
یعنی نفعِ ثانیہ۔

(۳) اس سے بعض نے صحرہ بیت المقدس مراد لیا ہے، کہتے ہیں یہ آسمان کے قریب ترین جگہ ہے اور بعض کے نزدیک اس کا مطلب یہ ہے کہ ہر شخص یہ آواز اس طرح سنے گا، جیسے اس کے قریب سے ہی آواز آرہی ہے۔ (فتح القدیر) اور یہی درست معلوم ہوتا ہے۔

(۴) یعنی یہ چیخ یعنی نفعِ قیامت یقیناً ہو گا جس میں یہ دنیا میں شک کرتے تھے۔ اور یہی دن قبروں سے زندہ ہو کر نکلنے کا ہو گا۔

(۵) یعنی دنیا میں موت سے ہمکنار کرنا اور آخرت میں زندہ کر دینا، یہ ہمارا ہی کام ہے، اس میں کوئی ہمارا شریک نہیں ہے۔

(۶) وہاں ہم ہر شخص کو اس کے عملوں کے مطابق جزا دیں گے۔

(۷) یعنی اس آواز دینے والے کی طرف دوڑیں گے۔ جس نے آواز دی ہو گی۔ مُسْرِعِينَ إِلَى الْمُنَادِي الَّذِي نَادَاهُمْ (فتح القدیر) نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، جب زمین پھٹے گی تو سب سے پہلے زندہ ہو کر نکلنے والا میں ہوں گا اَنَا أَوَّلُ مَنْ تَشَقُّقُ عَنْهُ الْأَرْضُ (صحیح مسلم، کتاب الفضائل، باب تفضیل نبینا صلی اللہ علیہ وسلم علی جمیع الخلائق)

یہ جو کچھ کہہ رہے ہیں ہم بخوبی جانتے ہیں اور آپ ان پر جبر کرنے والے نہیں،^(۱) تو آپ قرآن کے ذریعہ انہیں سمجھاتے رہیں جو میرے وعید (ڈراوے کے وعدوں) سے ڈرتے ہیں۔^(۲) (۳۵)

سورہ ذاریات مکی ہے اور اس میں ساٹھ آیتیں اور تین رکوع ہیں۔

شروع کرتا ہوں اللہ تعالیٰ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے۔

- قسم ہے بکھیرنے والیوں کی اڑا کر۔^(۱)
 پھر اٹھانے والیاں بوجھ کو۔^(۲)
 پھر چلنے والیاں نرمی سے۔^(۳)
 پھر کام کو تقسیم کرنے والیاں۔^(۴)

نَحْنُ أَعْلَمُ بِمَا يَقُولُونَ وَمَا أَنْتَ عَلَيْهِمْ بِجَبَّارٍ فَذَكَرَ بِالْقُرْآنِ مَنْ يَخَافُ وَعِيدَ ۝



بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ ۝

- وَالذَّرِيَّاتِ ذُرًّا ۝
 فَالْجَبَلِ وَقَوْمًا ۝
 فَالْجِبَالِ يُمْرًا ۝
 فَالْفَقْعِ مَمْرًا ۝

(۱) یعنی آپ ﷺ اس بات کے مکلف نہیں ہیں کہ ان کو ایمان لانے پر مجبور کریں۔ بلکہ آپ ﷺ کا کام صرف تبلیغ و دعوت ہے، وہ کرتے رہیں۔

(۲) یعنی آپ ﷺ کی دعوت و تذکیر سے وہی نصیحت حاصل کرے گا جو اللہ سے اور اس کی وعیدوں سے ڈرتا اور اس کے وعدوں پر یقین رکھتا ہو گا۔ اسی لیے حضرت قتادہ یہ دعا فرمایا کرتے تھے «اللَّهُمَّ اجْعَلْنَا مِمَّنْ يَخَافُ وَعِيدَكَ، وَيَرْجُو مَوْعُودَكَ، يَا بَارَّ يَارَحِيمُ» اے اللہ ہمیں ان لوگوں میں سے کر جو تیری وعیدوں سے ڈرتے اور تیرے وعدوں کی امید رکھتے ہیں۔ اے احسان کرنے والے رحم فرمانے والے۔“

(۳) اس سے مراد ہوائیں ہیں جو مٹی کو اڑا کر بکھیر دیتی ہیں۔

(۴) وَفَوْ، ہر وہ بوجھ جسے کوئی جاندار لے کر چلے، حادثات سے مراد وہ ہوائیں ہیں جو بادلوں کو اٹھائے ہوئے ہیں یا پھر وہ بادل ہیں جو پانی کا بوجھ اٹھائے ہوئے ہیں جیسے چوپائے، حمل کا بوجھ اٹھاتے ہیں۔

(۵) جَارِيَات، پانی میں چلنے والی کشتیاں، يُمْسِرْنَ آسانی سے۔

(۶) مُفَسِّمَات، اس سے مراد وہ فرشتے ہیں جو کاموں کو تقسیم کر لیتے ہیں۔ کوئی رحمت کا فرشتہ ہے تو کوئی عذاب کا، کوئی پانی کا ہے تو کوئی سختی (یعنی قحط سالی وغیرہ) کا، کوئی ہواؤں کا فرشتہ ہے تو کوئی موت اور حوادث کا۔ بعض نے ان سب سے صرف ہوائیں مراد لی ہیں اور ان سب کو ہواؤں کی صفت بنایا ہے، جیسے فاضل مترجم نے بھی اسی

إِنَّمَا تُوعَدُونَ لَصَادِقٌ ۝

وَالَّذِينَ الَّذِينَ لَا يَرْجُونَ ۝

وَالسَّمَاءَ ذَاتِ الْحُبُوبِ ۝

إِنَّمَا لَكُمْ فِي قَوْلِهِ خُبْرٌ ۝

يُؤْتِكُمْ عَنْهُ مِنْ آيَاتِهِ ۝

ثُمَّ لَآتِيَنَّهُمْ نَبَأٌ ۝

الَّذِينَ هُمْ عَنْ صَلَاتِهِمْ سَاهُونَ ۝

يَتَذَكَّرُونَ إِنَّمَا يَوْمُ الدِّينِ ۝

يَوْمَ هُمْ مَحْضُومٌ ۝

یقین مانو کہ تم سے جو وعدے کیے جاتے ہیں (سب) سچے ہیں۔ (۵)

اور بیشک انصاف ہونے والا ہے۔ (۶)

قسم ہے راہوں والے آسمان کی۔ (۷)

یقیناً تم مختلف بات میں پڑے ہوئے ہو۔ (۸)

اس سے وہی باز رکھا جاتا ہے جو پھیر دیا گیا ہو۔ (۹)

بے سند باتیں کرنے والے غارت کر دیئے گئے۔ (۱۰)

جو غفلت میں ہیں اور بھولے ہوئے ہیں۔ (۱۱)

پوچھتے ہیں کہ یوم جزا کب ہو گا؟ (۱۲)

ہاں یہ وہ دن ہے کہ یہ آگ پر تپائے جائیں گے۔ (۱۳)

کے مطابق ترجمہ کیا ہے۔ لیکن ہم نے امام ابن کثیر اور امام شوکانی کی تفسیر کے مطابق تشریح کی ہے۔ قسم سے مقصد مقسم علیہ کی سچائی کو بیان کرنا ہوتا ہے یا بعض دفعہ صرف تاکید مقصود ہوتی ہے اور بعض دفعہ مقسم علیہ کو دلیل کے طور پر پیش کرنا مقصود ہوتا ہے۔ یہاں قسم کی یہی تیسری قسم ہے۔ آگے جواب قسم یہ بیان کیا گیا ہے کہ تم سے جو وعدے کیے جاتے ہیں یقیناً وہ سچے ہیں اور قیامت برپا ہو کر رہے گی جس میں انصاف کیا جائے گا۔ یہ ہواؤں کا چلنا، بادلوں کا پانی کو اٹھانا، سمندروں میں کشتیوں کا چلنا اور فرشتوں کا مختلف امور کو سرانجام دینا، قیامت کے وقوع پر دلیل ہے، کیونکہ جو ذات یہ سارے کام کرتی ہے جو بظاہر نہایت مشکل اور اسباب عادیہ کے خلاف ہیں، وہی ذات قیامت والے دن تمام انسانوں کو دوبارہ زندہ بھی کر سکتی ہے۔

(۱) دوسرا ترجمہ، حسن و جمال اور زینت و رونق والا کیا گیا ہے، چاند، سورج، کواکب و سیارات، روشن ستارے، اس کی بلندی اور وسعت، یہ سب چیزیں آسمان کی رونق و زینت اور خوب صورتی کا باعث ہیں۔

(۲) یعنی اے اہل کفر! تمہارا کسی بات میں آپس میں اتفاق نہیں ہے۔ ہمارے پیغمبر کو تم میں سے کوئی جاوگر، کوئی شاعر، کوئی کاہن اور کوئی کذاب کہتا ہے۔ اسی طرح کوئی قیامت کی بالکل نفی کرتا ہے، کوئی شک کا اظہار، علاوہ ازیں ایک طرف اللہ کے خالق اور رازق ہونے کا اعتراف کرتے ہو، دوسری طرف دوسروں کو بھی معبود بنا رکھا ہے۔

(۳) یعنی نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانے سے، یا حق سے یعنی بعث و توحید سے یا مطلب ہے مذکورہ اختلاف سے وہ شخص پھیر دیا گیا جسے اللہ نے اپنی توفیق سے پھیر دیا، پہلے مفہوم میں ذم ہے۔ دوسرے میں مدح۔

(۴) یَفْتَنُونَ کے معنی ہیں یُحَرِّقُونَ وَ یُعَذِّبُونَ، جس طرح سونے کو آگ میں ڈال کر جانچا کر کھا جاتا ہے، اسی طرح یہ

ذُوقُوا مَنَاقِبَ هَذَا الدِّينِ لَكُمْ بِهِ تَسْتَعْمِلُونَ ﴿۱۳﴾

إِنَّ الْمُتَّقِينَ فِي جَنَّاتٍ وَعُيُونٍ ﴿۱۴﴾

اِغْزِينَ مَا آتَاهُمْ رَبُّهُمْ إِنَّهُمْ كَانُوا قَبْلَ ذَلِكَ مُخِيبِينَ ﴿۱۵﴾

كَانُوا قَبْلَ ذَلِكَ مِنَ الْبَاطِلِ مَا يَهْتَبِعُونَ ﴿۱۶﴾

وَيَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اسْتَعِذُّوا بِاللَّهِ

وَفِي أَمْوَالِهِمْ حَقٌّ لِّلسَّائِلِ وَالْمَحْرُومِ ﴿۱۷﴾

وَفِي الْأَرْضِ آيَاتٌ لِلْمُتَوَقِّينَ ﴿۱۸﴾

اپنی فتنہ پروازی کا مزہ چکھو،^(۱) یہی ہے جس کی تم جلدی
مچا رہے تھے۔ (۱۳)

بیشک تقویٰ والے لوگ بہشتوں اور چشموں میں ہوں
گے۔ (۱۴)

ان کے رب نے جو کچھ انہیں عطا فرمایا ہے اسے لے
رہے ہوں گے وہ تو اس سے پہلے ہی نیکو کار تھے۔ (۱۵)

وہ رات کو بہت کم سویا کرتے تھے۔ (۱۶)

اور وقت سحر استغفار کیا کرتے تھے۔ (۱۷)

اور ان کے مال میں مانگنے والوں کا اور سوال سے بچنے
والوں کا حق تھا۔ (۱۸)

اور یقین والوں کے لیے تو زمین میں بہت سی نشانیاں

آگ میں ڈالے جائیں گے۔

(۱) فِتْنَةٌ، بمعنی عذاب یا آگ میں جلنا۔

(۲) مُهْجَعٌ کے معنی ہیں رات کو سونا۔ مَا يَهْتَبِعُونَ میں ما تاکید کے لیے ہے۔ وہ رات کو کم سوتے تھے، مطلب ہے ساری رات سو کر غفلت اور عیش و عشرت میں نہیں گزار دیتے تھے۔ بلکہ رات کا کچھ حصہ اللہ کی یاد میں اور اس کی بارگاہ میں گزر گڑاتے ہوئے گزارتے تھے۔ جیسا کہ احادیث میں بھی قیام اللیل کی تاکید ہے۔ مثلاً ایک حدیث میں فرمایا ”لوگو! لوگوں کو کھانا کھاؤ، صلہ رحمی کرو، سلام پھیلاؤ اور رات کو اٹھ کر نماز پڑھو، جب کہ لوگ سوئے ہوئے ہوں، تم سلامتی کے ساتھ جنت میں داخل ہو جاؤ گے۔“ (مسند احمد ۵/۴۵۱)

(۳) وقت سحر، قبولیت دعا کے بہترین اوقات میں سے ہے۔ حدیث میں آتا ہے کہ ”جب رات کا آخری تہائی حصہ باقی رہ جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ آسمان دنیا پر نزول فرماتا ہے اور ندا دیتا ہے کہ کوئی توبہ کرنے والا ہے کہ میں اس کی توبہ قبول کروں؟ کوئی بخشش مانگنے والا ہے کہ میں اسے بخش دوں، کوئی سائل ہے کہ میں اس کے سوال کو پورا کر دوں۔ یہاں تک کہ فجر طلوع ہو جاتی ہے۔ (صحیح مسلم، کتاب صلوٰۃ المسافرین، باب الترغیب فی الدعاء والذکر فی آخر اللیل والإجابة فیہ)

(۴) محروم سے مراد وہ ضرورت مند ہے جو سوال سے اجتناب کرتا ہے۔ چنانچہ مستحق ہونے کے باوجود لوگ اسے نہیں دیتے۔ یا وہ شخص ہے جس کا سب کچھ آفت ارضی و ساوی میں تباہ ہو جائے۔

ہیں۔ (۲۰)

اور خود تمہاری ذات میں بھی، تو کیا تم دیکھتے نہیں ہو۔ (۲۱)

اور تمہاری روزی اور جو تم سے وعدہ کیا جاتا ہے سب آسمان میں ہے۔^(۱) (۲۲)

آسمان و زمین کے پروردگار کی قسم! کہ یہ^(۲) بالکل برحق ہے ایسا ہی جیسے کہ تم باتیں کرتے ہو۔ (۲۳)

کیا تجھے ابراہیم (علیہ السلام) کے معزز مہمانوں کی خبر بھی پہنچی ہے؟^(۳) (۲۴)

وہ جب ان کے ہاں آئے تو سلام کیا، ابراہیم نے جواب سلام دیا (اور کہا یہ تو) اجنبی لوگ ہیں۔^(۴) (۲۵)

پھر (چپ چاپ جلدی جلدی) اپنے گھر والوں کی طرف گئے اور ایک فربہ بچھڑے (کا گوشت) لائے۔ (۲۶)

اور اسے ان کے پاس رکھا اور کہا آپ کھاتے کیوں نہیں؟^(۵) (۲۷)

پھر تو دل ہی دل میں ان سے خوفزدہ ہو گئے^(۶) انہوں نے کہا

وَفِي أَنْفُسِكُمْ أَفَلَا تُبْصِرُونَ ﴿۲۱﴾

وَفِي السَّمَاءِ رِزْقُكُمْ وَأَنَا مُعَدُّونَ ﴿۲۲﴾

قَوِّمِ السَّمَاءَ وَالْأَرْضَ إِنَّكَ لَمُسْوِيٌّ ﴿۲۳﴾ مَّا أَكُنْتُمْ بِخَافِقُونَ ﴿۲۴﴾

هَلْ أَتَاكَ حَدِيثُ ضَيْفِ إِبْرَاهِيمَ الْمُكْرَمِينَ ﴿۲۵﴾

إِذْ دَخَلُوا عَلَيْهِ فَقَالُوا سَلَامًا قَالَ سَلَامٌ قَوْمٌ مُنْكَرُونَ ﴿۲۶﴾

قَرَأَ عَلَىٰ أَهْلِهَا فَلَمَّا بَلَغَ مِنْ سَمِينٍ ﴿۲۷﴾

فَكَرِهَ إِلَيْهِمْ قَالَ لَا تَأْكُلُونَ ﴿۲۸﴾

فَأَوْحَسَ مِنْهُمْ خِيفَةً قَالُوا لَا تَمْنُنْ بِهِ وَعُدُّهُ عَلَيْكُمْ

(۱) یعنی بارش بھی آسمان سے ہوتی ہے جس سے تمہارا رزق پیدا ہوتا ہے اور جنت دوزخ ثواب و عتاب بھی آسمانوں میں ہے جن کا وعدہ کیا جاتا ہے۔

(۲) اِنَّہُ میں ضمیر کا مرجع (یہ) وہ امور و آیات ہیں جو مذکور ہوئیں۔

(۳) ہَلْ اتفقہام کے لیے ہے جس میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ نتیجہ ہے کہ اس قصے کا تجھے علم نہیں، بلکہ ہم تجھے وحی کے ذریعے سے مطلع کر رہے ہیں۔

(۴) یہ اپنے جی میں کہا، ان سے خطاب کر کے نہیں کہا۔

(۵) یعنی سامنے رکھنے کے باوجود انہوں نے کھانے کی طرف ہاتھ ہی نہیں بڑھایا تو پوچھا۔

(۶) ڈر اس لیے محسوس کیا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام سمجھے، یہ کھانا نہیں کھا رہے ہیں تو اس کا مطلب یہ ہے کہ یہ آنے والے کسی خیر کی نیت سے نہیں بلکہ شرکی نیت سے آئے ہیں۔

آپ خوف نہ کیجئے۔^(۱) اور انہوں نے اس (حضرت ابراہیم) کو ایک علم والے لڑکے کی بشارت دی۔ (۲۸)

پس ان کی بیوی آگے بڑھی اور حیرت^(۲) میں آکر اپنے منہ پر ہاتھ مار کر کہا کہ میں تو بڑھیا ہوں اور ساتھ ہی بانجھ۔ (۲۹)

انہوں نے کہا ہاں تیرے پروردگار نے اسی طرح فرمایا ہے، بیشک وہ حکیم و علیم ہے۔^(۳) (۳۰)

فَأَقْبَلَتِ امْرَأَتُهُ فِي صَرَءَ فَصَلَّتْ وَجْهَهَا وَقَالَتْ عَجُوزٌ عَقِيمٌ ۝

قَالُوا كَذَلِكَ قَالَ رَبُّكَ إِنَّهُ هُوَ الْحَكِيمُ الْعَلِيمُ ۝

(۱) حضرت ابراہیم علیہ السلام کے چہرے پر خوف کے آثار دیکھ کر فرشتوں نے کہا۔

(۲) صَرَءَ کے دوسرے معنی ہیں چیخ و پکار، یعنی چیختے ہوئے کہا۔

(۳) یعنی جس طرح ہم نے تجھے کہا ہے، یہ ہم نے اپنی طرف سے نہیں کہا ہے، بلکہ تیرے رب نے اسی طرح کہا ہے جس کی ہم تجھے اطلاع دے رہے ہیں، اس لیے اس پر تعجب کی ضرورت ہے نہ شک کرنے کی، اس لیے کہ اللہ جو چاہتا ہے وہ لامحالہ ہو کر رہتا ہے۔

قَالَ فَمَا خَطْبُكُمْ أَيُّهَا الْمُرْسَلُونَ ﴿۵۱﴾

(حضرت ابراہیم علیہ السلام) نے کہا کہ اللہ کے بھیجے ہوئے (فرشتو!) تمہارا کیا مقصد ہے؟ ﴿۵۱﴾

انہوں نے جواب دیا کہ ہم گناہ گار قوم کی طرف بھیجے گئے ہیں۔ ﴿۵۲﴾

تاکہ ہم ان پر مٹی کے کنکر برسائیں۔ ﴿۵۳﴾

جو تیرے رب کی طرف سے نشان زدہ ہیں، ان حد سے گزر جانے والوں کے لیے۔ ﴿۵۴﴾

پس جتنے ایمان والے وہاں تھے ہم نے انہیں نکال لیا۔ ﴿۵۵﴾

اور ہم نے وہاں مسلمانوں کا صرف ایک ہی گھر پایا۔ ﴿۵۶﴾

قَالُوا إِنَّا أَنْسَلْنَا إِلَيْكَ الْقَوْمَ الْغَافِينَ ﴿۵۲﴾

لَنْ نَسِلَ عَلَيْكُمْ حَدًّا مِنْ بَطْنٍ ﴿۵۳﴾

مُسَوَّمَةٌ عَنْدَ رَبِّكَ لِلْمُؤْمِنِينَ ﴿۵۴﴾

فَأَخْرَجْنَا مَنْ كَانَ فِيهَا مِنَ الْمُؤْمِنِينَ ﴿۵۵﴾

فَمَا وَجَدْنَا فِيهَا غَيْرَ بَيْتٍ مِنَ الْمُسْلِمِينَ ﴿۵۶﴾

(۱) خَطْبُ شَان، قصہ۔ یعنی اس بشارت کے علاوہ تمہارا اور کیا کام اور مقصد ہے جس کے لیے تمہیں بھیجا گیا ہے۔

(۲) اس سے مراد قوم لوط ہے جن کا سب سے بڑا جرم لواطت تھا۔

(۳) برسائیں کا مطلب ہے، ان کنکریوں سے انہیں رجم کر دیں۔ یہ کنکریاں خالص پتھر کی تھیں نہ آسمانی اولے تھے، بلکہ مٹی کی بنی ہوئی تھیں۔

(۴) مُسَوَّمَةٌ (نامزد یا نشان زدہ) ان کی مخصوص علامت تھی جن سے انہیں پہچان لیا جاتا تھا، یا وہ عذاب کے لیے مخصوص تھیں، بعض کہتے ہیں کہ جس کنکری سے جس کی موت واقع ہوئی تھی، اس پر اس کا نام لکھا ہوتا تھا مُسَرِّفِينَ، جو شرک و ضلالت میں بہت بڑھے ہوئے اور فحش و فجور میں حد سے تجاوز کرنے والے ہیں۔

(۵) یعنی عذاب آنے سے قبل ہم نے ان کو وہاں سے نکل جانے کا حکم دے دیا تھا تاکہ وہ عذاب سے محفوظ رہیں۔

(۶) اور یہ اللہ کے پیغمبر حضرت لوط علیہ السلام کا گھر تھا، جس میں ان کی دو بیٹیاں اور کچھ ان پر ایمان لانے والے تھے۔ کہتے ہیں یہ کل تیرہ آدمی تھے۔ ان میں حضرت لوط علیہ السلام کی بیوی شامل نہیں تھی۔ بلکہ وہ اپنی قوم کے ساتھ عذاب سے ہلاک ہونے والوں میں سے تھی۔ (الیر الثغایر) اسلام کے معنی ہیں، اطاعت و انقیاد۔ اللہ کے حکموں پر سر اطاعت ختم کر دینے والا مسلم ہے، اس اعتبار سے ہر مومن، مسلمان ہے۔ اسی لیے پہلے ان کے لیے مومن کا لفظ استعمال کیا، اور پھر ان ہی کے لیے مسلم کا لفظ بولا گیا ہے۔ اس سے استدلال کیا گیا ہے کہ ان کے مصداق میں کوئی فرق نہیں ہے، جیسا کہ بعض لوگ مومن اور مسلم کے درمیان کرتے ہیں۔ قرآن نے جو کہیں مومن اور کہیں مسلم کا لفظ استعمال کیا ہے تو وہ ان معانی کے اعتبار سے ہے جو عربی لغت کی رو سے ان کے درمیان ہے۔ اس لیے لغوی استعمال کے مقابلے میں حقیقت شرعیہ کا اعتبار زیادہ ضروری ہے اور حقیقت شرعیہ کے اعتبار سے ان کے درمیان صرف وہی فرق ہے جو حدیث

اور وہاں ہم نے ان کے لیے جو دردناک عذاب کا ڈر رکھتے ہیں ایک (کامل) علامت چھوڑی۔^(۱) (۳۷)

موسیٰ (علیہ السلام کے قصے) میں (بھی ہماری طرف سے تنبیہ ہے) کہ ہم نے اسے فرعون کی طرف کھلی دلیل دے کر بھیجا۔ (۳۸)

پس اس نے اپنے بل بوتے پر منہ موڑا^(۲) اور کہنے لگایہ جادوگر ہے یا دیوانہ ہے۔ (۳۹)

بالآخر ہم نے اسے اور اس کے لشکروں کو اپنے عذاب میں پکڑ کر دریا میں ڈال دیا وہ تھامی ملامت کے قابل۔^(۳) (۴۰)

اسی طرح عادیوں میں^(۴) بھی (ہماری طرف سے تنبیہ ہے) جب کہ ہم نے ان پر خیر و برکت سے^(۵) خالی

وَتَرَكْنَا فِيهَا آيَةً لِلَّذِينَ يَخَافُونَ الْعَذَابَ الْكَلِيمَ ﴿٣٧﴾

وَقَالَ مُوسَىٰ إِذْ أَرْسَلْنَاهُ إِلَىٰ فِرْعَوْنَ سُلْطٰنٍ مُّبِينٍ ﴿٣٨﴾

فَقَوْلًا يَرْفَعُهُ وَقَالَ لَهُمْ اوجِبُونِ ﴿٣٩﴾

فَلَمَّا لَمْ يَنْصُرُوهُ قَوْمًا مِّنْهُمْ فِي الْكِبَرِ وَهُوَ مُلِيمٌ ﴿٤٠﴾

وَقِي عَادٌ إِذَا رَأَيْنَا عَلَيْهِنَّ الرِّيحَ الْعَقِيمَ ﴿٤١﴾

جبرائیل علیہ السلام سے ثابت ہے۔ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا کہ اسلام کیا ہے؟ تو آپ نے فرمایا، لا اِلهَ اِلاَّ اللہ کی شہادت، اقامت صلوٰۃ، ایتائے زکوٰۃ، حج اور صیام رمضان۔ اور جب ایمان کی بابت پوچھا گیا تو فرمایا ”اللہ پر ایمان لانا“ اس کے ملائکہ، کتابوں، رسولوں اور تقدیر (خیر و شر کے من جانب اللہ ہونے) پر ایمان رکھنا، یعنی دل سے ان چیزوں پر یقین رکھنا ایمان اور احکام و فرائض کی ادائیگی اسلام ہے۔ اس لحاظ سے ہر مومن، مسلمان اور ہر مسلمان مومن ہے (فتح القدیر) اور جو مومن اور مسلم کے درمیان فرق کرتے ہیں وہ کہتے ہیں کہ یہ ٹھیک ہے کہ یہاں قرآن نے ایک ہی گروہ کے لیے مومن اور مسلم کے الفاظ استعمال کیے ہیں لیکن ان کے درمیان جو فرق ہے اس کی رو سے ہر مومن، مسلم بھی ہے، تاہم ہر مسلم کا مومن ہونا ضروری نہیں (ابن کثیر) بہر حال یہ ایک علمی بحث ہے۔ فریقین کے پاس اپنے اپنے موقف پر استدلال کے لیے دلائل موجود ہیں۔

(۱) یہ آیت یا کامل علامت وہ آثار عذاب ہیں جو ان ہلاک شدہ بہتوں میں ایک عرصے تک باقی رہے۔ اور یہ علامت بھی انہی کے لیے ہیں جو عذاب الہی سے ڈرنے والے ہیں، کیونکہ وعظ و نصیحت کا اثر بھی وہی قبول کرتے اور آیات میں غور و فکر بھی کرتے ہیں۔

(۲) جانب اوقوٰی کو رکن کہتے ہیں۔ یہاں مراد اس کی اپنی قوت اور لشکر ہے۔

(۳) یعنی اس کے کام ہی ایسے تھے کہ جن پر وہ ملامت ہی کا مستحق تھا۔

(۴) اَنّٰی: تَرَكْنَا فِیْہِ قِصَّةَ عَادٍ آيَةً عَادَ کے قصے میں بھی ہم نے نشانی چھوڑی۔

(۵) الرِّيحَ الْعَقِيمَ (بأنجھ ہوا) جس میں خیر و برکت نہیں تھی، وہ ہوا درختوں کو ٹھرا اور کرنے والی تھی نہ بارش کی

آندھی بھیجی۔ (۴۱)

وہ جس جس چیز پر گرتی تھی اسے بوسیدہ ہڈی کی طرح (چوراچورا) کر دیتی تھی۔^(۱) (۴۲)

اور ثمود (کے قصے) میں بھی (عبرت) ہے جب ان سے کہا گیا کہ تم کچھ دنوں تک فائدہ اٹھاؤ۔^(۲) (۴۳)

لیکن انہوں نے اپنے رب کے حکم سے سرتابی کی جس پر انہیں ان کے دیکھتے دیکھتے (تیز و تند) کڑا کے^(۳) نے ہلاک کر دیا۔ (۴۴)

پس نہ تو وہ کھڑے ہو سکے^(۴) اور نہ بدلہ لے سکے۔^(۵) (۴۵)

اور نوح (علیہ السلام) کی قوم کا بھی اس سے پہلے (یہی) حال ہو چکا تھا) وہ بھی بڑے نافرمان لوگ تھے۔^(۶) (۴۶)

آسمان کو ہم نے (اپنے) ہاتھوں سے بنایا ہے^(۷) اور یقیناً ہم کشادگی کرنے والے ہیں۔^(۸) (۴۷)

مَا تَدْعِينَ مَنِي ۚ إِنَّمَا جَعَلْتُهُ كَالزَّيْتُونِ ۝

وَفِي سُوْدٍ اِذْ قِيلَ لَمَّا تَتَمَتَّعُوا حَتَّىٰ جِئِنَا ۝

فَعَتَوْا عَنْ اَمْرِ رَبِّهِمْ فَاَخَذْنَا مِمَّا الصُّرُفَةَ ۚ وَهُمْ يَنْظُرُوْنَ ۝

فَمَا اسْتَطَاعُوا مِنْ قِيَامٍ وَمَا كَانُوا مُتَعِمِّينَ ۝

وَقَوْمُ نُوحٍ ۚ مِنْ قَبْلُ ۚ اِنَّهُمْ كَانُوا قَوْمًا فَسِقِينَ ۝

وَالسَّمَاءَ بَنَيْنَا بِاَيْمِنٍ ۚ وَارْتَاكُمُ السُّعُوْنَ ۝

پیامبر! بلکہ صرف ہلاکت اور عذاب کی ہوا تھی۔

(۱) یہ اس ہوا کی تاثیر تھی جو قوم عاد پر بطور عذاب بھیجی گئی تھی۔ یہ تند و تیز ہوا، سات راتیں اور آٹھ دن مسلسل چلتی رہی (الحاقہ)

(۲) یعنی جب انہوں نے اپنے ہی طلب کردہ معجزے او نمٹی کو قتل کر دیا، تو ان کو کہہ دیا گیا کہ اب تین دن اور تم دنیا کے مزے لوٹ لو، تین دن کے بعد تم ہلاک کر دیئے جاؤ گے یہ اسی طرف اشارہ ہے۔ بعض نے اسے حضرت صالح علیہ السلام کی ابتدائے نبوت کا قول قرار دیا ہے۔ الفاظ اس مفہوم کے بھی متحمل ہیں بلکہ سیاق سے یہی معنی زیادہ قریب ہیں۔ (۳) یہ صاعقہ (کڑا کا) آسمانی چیخ تھی اور اس کے ساتھ نیچے سے زَجْفَةُ (زلزلہ) تھا جیسا کہ سورۃ اعراف ۷۸ میں ہے۔ (۴) چہ جائیکہ وہ بھاگ سکیں۔

(۵) یعنی اللہ کے عذاب سے اپنے آپ کو نہیں بچا سکے۔

(۶) قوم نوح، عاد، فرعون اور ثمود وغیرہ سے بہت پہلے گزری ہے۔ اس نے بھی اطاعت الہی کے بجائے اس کی بغاوت کا راستہ اختیار کیا تھا۔ بالآخر اسے طوفان میں ڈبو دیا گیا۔

(۷) السَّمَاءَ منصوب ہے۔ بَنَيْنَا محذوف کی وجہ سے۔ بَنَيْنَا السَّمَاءَ بَنَيْنَاہَا

(۸) یعنی آسمان پہلے ہی بہت وسیع ہے لیکن ہم اس کو اس سے بھی زیادہ وسیع کرنے کی طاقت رکھتے ہیں۔ یا آسمان سے

وَالْأَرْضُ قَرَشْنَهَا فَتَنَعَمَ السَّيِّدُونَ ﴿۵﴾

وَمِنْ كُلِّ مَنًى حَلَقْنَا رَجُلَيْنِ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُونَ ﴿۶﴾

فَعَبْرًا وَإِلَى اللَّهِ الْمَوَاقِبُ ﴿۷﴾

وَلَا تَجْعَلُوا مَعَ اللَّهِ إِلَهًا آخَرَ إِنَّ لَكُمْ عِزًّا بِرَبِّكُمْ ﴿۸﴾

كَذَلِكَ مَا أَتَى الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ مِنْ رَسُولٍ إِلَّا

قَالُوا سَاحِرٌ أَوْ مُجُنُّونٌ ﴿۹﴾

أَتَوَاصِيهِمْ بِلَا مَعْرِفَةٍ كَذَلِكَ هُمْ كَاذِبُونَ ﴿۱۰﴾

اور زمین کو ہم نے فرش بنا دیا ہے۔^(۱) پس ہم بہت ہی

اچھے بچھانے والے ہیں۔ (۳۸)

اور ہر چیز کو ہم نے جوڑا جوڑا پیدا کیا^(۲) ہے تاکہ تم

نصیحت حاصل کرو۔^(۳) (۳۹)

پس تم اللہ کی طرف دوڑ بھاگ (یعنی رجوع) کرو،^(۴) یقیناً

میں تمہیں اس کی طرف سے صاف صاف تنبیہ کرنے

والا ہوں۔ (۵۰)

اور اللہ کے ساتھ کسی اور کو معبود نہ ٹھہراؤ۔ بیشک میں

تمہیں اس کی طرف سے کھلا ڈرانے والا ہوں۔^(۵) (۵۱)

اسی طرح جو لوگ ان سے پہلے گزرے ہیں ان کے پاس

جو بھی رسول آیا انہوں نے کہہ دیا کہ یا تو یہ جادوگر ہے یا

دیوانہ ہے۔ (۵۲)

کیا یہ اس بات کی ایک دوسرے کو وصیت کرتے گئے

بارش برسا کر روزی کشادہ کرنے کی طاقت رکھتے ہیں یا منوسیع کو وسع سے قرار دیا جائے (طاقت و قدرت رکھنے والے) تو مطلب ہو گا کہ ہمارے اندر اس جیسے اور آسمان بنانے کی بھی طاقت و قدرت موجود ہے۔ ہم آسمان و زمین بنا کر تھک نہیں گئے ہیں بلکہ ہماری قدرت و طاقت کی کوئی انتہا ہی نہیں ہے۔

(۱) یعنی فرش کی طرح اسے بچھا دیا ہے۔

(۲) یعنی ہر چیز کو جوڑا جوڑا، نر اور مادہ یا اس کی مقابل اور ضد کو بھی پیدا کیا ہے۔ جیسے روشنی اور اندھیرا، خشکی اور تری، چاند اور سورج، میٹھا اور کڑوا، رات اور دن، خیر اور شر، زندگی اور موت، ایمان اور کفر، شقاوت اور سعادت، جنت اور دوزخ، جن و انس وغیرہ، حتیٰ کہ حیوانات (جاندار) کے مقابل، جمادات (بے جان) اس لیے ضروری ہے کہ دنیا کا بھی جوڑا ہو یعنی آخرت، دنیا کے بالمقابل دوسری زندگی۔

(۳) یہ جان لو کہ ان سب کا پیدا کرنے والا صرف ایک اللہ ہے، اس کا کوئی شریک نہیں ہے۔

(۴) یعنی کفر و معصیت سے توبہ کر کے فوراً بارگاہ الہی میں جھک جاؤ، اس میں تاخیر مت کرو۔

(۵) یعنی میں تمہیں کھول کھول کر ڈرا رہا ہوں اور تمہاری خیر خواہی کر رہا ہوں کہ صرف ایک اللہ کی طرف رجوع کرو، اسی پر اعتماد اور بھروسہ کرو اور صرف اسی ایک کی عبادت کرو، اس کے ساتھ دوسرے معبودوں کو شریک مت کرو۔ ایسا کرو گے تو یاد رکھنا، جنت کی نعمتوں سے ہمیشہ کے لیے محروم ہو جاؤ گے۔

- ہیں۔^(۱) (۵۳)
- (نہیں) بلکہ یہ سب کے سب سرکش ہیں۔^(۲) تو آپ ان سے منہ پھیر لیں آپ پر کوئی ملامت نہیں۔ (۵۴)
- اور نصیحت کرتے رہیں یقیناً یہ نصیحت ایمان والوں کو نفع دے گی۔^(۳) (۵۵)
- میں نے جنات اور انسانوں کو محض اسی لیے پیدا کیا ہے کہ وہ صرف میری عبادت کریں۔^(۴) (۵۶)
- نہ میں ان سے روزی چاہتا ہوں نہ میری یہ چاہت ہے کہ یہ مجھے کھلائیں۔^(۵) (۵۷)
- اللہ تعالیٰ تو خود ہی سب کا روزی رسال تو انہی والا اور زور آور ہے۔ (۵۸)
- پس جن لوگوں نے ظلم کیا ہے انہیں بھی ان کے
- قَوْلَ عَنْهُمْ فَأَنْتَ بِأَعْلَمُ ۝
- وَذَكَرَ أَنَّ الدَّارِیْنَ تَنْفَعُ الْمُؤْمِنِينَ ۝
- وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنْسَ إِلَّا لِعِبَادَتِي ۝
- مَا أَرِيدُ مِنْهُمْ مِنْ رِزْقٍ وَمَا أَرِيدُ أَنْ يُعْطُوا مِنِّي ۝
- إِنَّ اللَّهَ هُوَ الرَّزَّاقُ ذُو الْقُوَّةِ الْمَتِينُ ۝
- قَالَ لِلَّذِينَ ظَلَمُوا ذُوقُوا بِمِثْلِ ذُوقُوا أَصْحَابِهِمْ

- (۱) یعنی ہر بعد میں آنے والی قوم نے اس طرح رسولوں کی تکذیب کی اور انہیں جادوگر اور دیوانہ قرار دیا، جیسے پچھلی قومیں بعد میں آنے والی قوموں کے لیے وصیت کر کے جاتی رہی ہیں۔ کیے بعد دیگرے ہر قوم نے یہی تکذیب کا راستہ اختیار کیا۔
- (۲) یعنی ایک دوسرے کو وصیت تو نہیں کی بلکہ ہر قوم ہی اپنی اپنی جگہ سرکش ہے، اس لیے ان سب کے دل بھی متشابہ ہیں اور ان کے طور اطوار بھی ملتے جلتے۔ اس لیے متاخرین نے بھی وہی کچھ کہا اور کیا جو متقدمین نے کہا اور کیا۔
- (۳) اس لیے کہ نصیحت سے فائدہ انہیں کو پہنچتا ہے۔ یا مطلب ہے کہ آپ نصیحت کرتے رہیں، اس نصیحت سے وہ لوگ یقیناً فائدہ اٹھائیں گے جن کی بابت اللہ کے علم میں ہے کہ وہ ایمان لائیں گے۔
- (۴) اس میں اللہ تعالیٰ کے اس ارادہ شرعیہ حکمیہ کا اظہار ہے جو اس کو محبوب و مطلوب ہے کہ تمام انس و جن صرف ایک اللہ کی عبادت کریں اور اطاعت بھی اسی ایک کی کریں۔ اگر اس کا تعلق ارادہ تکوینی سے ہوتا، پھر تو کوئی انس و جن اللہ کی عبادت و اطاعت سے انحراف کی طاقت ہی نہ رکھتا۔ یعنی اس میں انسانوں اور جنوں کو اس مقصد زندگی کی یاد دہانی کرائی گئی ہے، جسے اگر انہوں نے فراموش کیے رکھا تو آخرت میں سخت باز پرس ہوگی اور وہ اس امتحان میں ناکام قرار پائیں گے جس میں اللہ نے ان کو ارادہ و اختیار کی آزادی دے کر ڈالا ہے۔
- (۵) یعنی میری عبادت و اطاعت سے میرا مقصد یہ نہیں ہے کہ یہ مجھے کما کر کھلائیں، جیسا کہ دوسرے آقاؤں کا مقصد ہوتا ہے، بلکہ رزق کے سارے خزانے تو خود میرے ہی پاس ہیں میری عبادت و اطاعت سے تو خود ان ہی کو فائدہ ہوگا کہ ان کی آخرت سنور جائے گی نہ کہ مجھے کوئی فائدہ ہوگا۔

فَلَا يَسْتَعْجِلُونَ ﴿۵۱﴾

ساتھیوں کے حصہ کے مثل حصہ ملے گا،^(۱) لہذا وہ مجھ سے جلدی طلب نہ کریں۔^(۲) (۵۹)

پس خرابی ہے منکروں کو ان کے اس دن کی جس کا وعدہ دیئے جاتے ہیں۔ (۶۰)

سورہ طور کی ہے اور اس میں انچاس آیتیں ہیں اور دو رکوع ہیں۔



بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

شروع کرتا ہوں اللہ تعالیٰ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے۔

قسم ہے طور کی۔^(۱)
اور لکھی ہوئی کتاب کی۔^(۲)
جو جھلی کے کھلے ہوئے ورق میں ہے۔^(۳)
اور آباد گھر کی۔^(۴)

وَالظُّورِ ﴿۱﴾
وَكِتَابٍ مُّسْتَوٍ ﴿۲﴾
فِي رَقٍّ مُّنْشُورٍ ﴿۳﴾
وَالْبَيْتِ الْمَعْمُورِ ﴿۴﴾

(۱) ذَنُوبُ کے معنی بھرے ڈول کے ہیں۔ کنویں سے ڈول میں پانی نکال کر تقسیم کیا جاتا ہے اس اعتبار سے یہاں ڈول کو حصے کے معنی میں استعمال کیا گیا ہے۔ مطلب ہے کہ ظالموں کو عذاب سے حصہ پہنچے گا، جس طرح اس سے پہلے کفر و شرک کا ارتکاب کرنے والوں کو ان کے عذاب کا حصہ ملا تھا۔

(۲) لیکن یہ حصہ عذاب انہیں کب پہنچے گا، یہ اللہ کی مشیت پر موقوف ہے، اس لیے طلب عذاب میں جلدی نہ کریں۔
(۳) طُورُ، وہ پہاڑ ہے جس پر حضرت موسیٰ علیہ السلام اللہ سے ہم کلام ہوئے۔ اسے طور سینا بھی کہا جاتا ہے۔ اللہ نے اس کے اسی شرف کی بنا پر اس کی قسم کھائی ہے۔

(۴) مُسْتَوٍ کے معنی ہیں۔ مکتوب، لکھی ہوئی چیز۔ اس کا مصداق مختلف بیان کیے گئے ہیں۔ قرآن مجید، لوح محفوظ، تمام کتب منزلہ یا وہ انسانی اعمال نامے جو فرشتے لکھتے ہیں۔

(۵) یہ متعلق ہے مُسْتَوٍ کے۔ رَقٍّ، وہ باریک چیز جس پر لکھا جاتا تھا۔ مُنْشُورٌ بمعنی مُسْتَوٍ، پھیلا یا کھلا ہوا۔

(۶) یہ بیت معمور، ساتویں آسمان پر وہ عبادت خانہ ہے جس میں فرشتے عبادت کرتے ہیں۔ یہ عبادت خانہ فرشتوں سے اس طرح بھرا ہوتا ہے کہ روزانہ اس میں ستر ہزار فرشتے عبادت کے لیے آتے ہیں جن کی پھر دوبارہ قیامت تک باری نہیں آتی۔ جیسا کہ احادیث معراج میں بیان کیا گیا ہے۔ بعض بیت معمور سے مراد خانہ کعبہ لیتے ہیں، جو عبادت کے لیے آنے والے انسانوں سے ہر وقت بھرا رہتا ہے۔ معمور کے معنی ہی آباد اور بھرے ہوئے کے ہیں۔

اور اونچی چھت کی۔^(۱) (۵)
 اور بھڑکائے ہوئے سمندر کی۔^(۲) (۶)
 بیشک آپ کے رب کا عذاب ہو کر رہنے والا ہے۔ (۷)
 اسے کوئی روکنے والا نہیں۔^(۳) (۸)
 جس دن آسمان تھر تھرانے لگے گا۔^(۴) (۹)
 اور پہاڑ چلنے پھرنے لگیں گے۔ (۱۰)
 اس دن جھٹلانے والوں کی (پوری) خرابی ہے۔ (۱۱)
 جو اپنی بیہودہ گوئی میں اچھل کود کر رہے ہیں۔^(۵) (۱۲)
 جس دن وہ دھکے دے^(۶) دے کر آتش جہنم کی طرف

وَالسَّعِفُ الْمُرْفُوعُ ۝
 وَالْبَحْرُ الْمَسْجُورُ ۝
 إِنَّ عَذَابَ رَبِّكَ لَوَاقِعٌ ۝
 نَّالَهُ مِنْ دَانِعٍ ۝
 يَوْمَ تَمُورُ السَّمَاءُ مَوْرًا ۝
 فَتَبِيدُ الْجِبَالُ سَيَرًا ۝
 قَوْلِي يَوْمَئِذٍ لِّلْمَلَكِئِدِينَ ۝
 الَّذِينَ هُمْ فِي خَوْضٍ يَلْعَبُونَ ۝
 يَوْمَ يَدْعُونَ إِلَىٰ تَارِيحِهِمْ دَعَا ۝

(۱) اس سے مراد آسمان ہے جو زمین کے لیے بمنزلہ چھت کے ہے۔ قرآن نے دوسرے مقام پر اسے ”محفوظ چھت“ کہا ہے۔ ﴿وَجَعَلْنَا السَّمَاءَ سَقْفًا مَّحْفُوظًا ۖ وَهُمْ عَنْ آيَاتِهِ مُتَعَمِّدُونَ﴾ (سورة الأنبياء ۳۲) بعض نے اس سے عرش مراد لیا ہے جو تمام مخلوقات کے لیے چھت ہے۔

(۲) مجبور کے معنی ہیں، بھڑکے ہوئے۔ بعض کہتے ہیں، اس سے وہ پانی مراد ہے جو زیر عرش ہے جس سے قیامت والے دن بارش نازل ہوگی، اس سے مراد جسم زندہ ہو جائیں گے۔ بعض کہتے ہیں اس سے مراد سمندر ہیں، ان میں قیامت والے دن آگ بھڑک اٹھے گی۔ جیسے فرمایا ﴿وَلَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ ۚ الْحَكِيمُ﴾ (التکویر ۱) ”اور جب سمندر بھڑک اڑیے جائیں گے۔“ امام شوکانی نے اسی مفہوم کو اولیٰ قرار دیا ہے اور بعض نے مسجور کے معنی مملوء (بھرے ہوئے) کے لیے ہیں، یعنی فی الحال سمندروں میں آگ تو نہیں ہے، البتہ وہ پانی سے بھرے ہوئے ہیں، امام طبری نے اس قول کو اختیار کیا ہے۔ اس کے اور بھی کئی معنی بیان کیے گئے ہیں (دیکھئے تفسیر ابن کثیر)

(۳) یہ مذکورہ قسموں کا جواب ہے۔ یعنی یہ تمام چیزیں، جو اللہ تعالیٰ کی عظیم قدرت کی مظہر ہیں اس بات کی دلیل ہیں کہ اللہ کا وہ عذاب بھی یقیناً واقع ہو کر رہے گا جس کا اس نے وعدہ کیا ہے، اسے کوئی ٹالنے پر قادر نہیں ہو گا۔
 (۴) مور کے معنی ہیں حرکت و اضطراب۔ قیامت والے دن آسمان کے نظم میں جو اختلال اور کواکب و سیارگان کی ٹوٹ پھوٹ کی وجہ سے جو اضطراب واقع ہو گا، اس کو ان الفاظ سے تعبیر کیا گیا ہے، اور یہ مذکورہ عذاب کے لیے طرف ہے۔ یعنی یہ عذاب اس روز واقع ہو گا جب آسمان تھر تھرائے گا اور پہاڑ اپنی جگہ چھوڑ کر روٹی کے گالوں اور ریت کے ذروں کی طرح اڑ جائیں گے۔

(۵) یعنی اپنے کفر و باطل میں مصروف اور حق کی تکذیب و استہزاء میں لگے ہوئے ہیں۔
 (۶) الدَّعْوُ کے معنی ہیں نہایت سختی کے ساتھ دھکیلنا۔

لائے جائیں گے۔ (۱۳)

یہی وہ آتش دوزخ ہے جسے تم جھوٹ بتلاتے تھے۔ (۱۴)^(۱)

(اب بتاؤ) کیا یہ جادو ہے؟ (۲) یا تم دیکھتے ہی نہیں ہو۔ (۱۵)^(۳)

جاؤ دوزخ میں اب تمہارا صبر کرنا اور نہ کرنا تمہارے لیے یکساں ہے۔ تمہیں فقط تمہارے کیے کا بدلہ دیا جائے گا۔ (۱۶)

یقیناً پرہیزگار لوگ جنتوں میں اور نعتوں میں ہیں۔ (۱۷)^(۴) جو انہیں ان کے رب نے دے رکھی ہیں اس پر خوش خوش ہیں، (۱۸)^(۵) اور ان کے پروردگار نے انہیں جہنم کے عذاب سے بھی بچا لیا ہے۔ (۱۸)

تم مزے سے کھاتے پیتے رہو ان اعمال کے بدلے جو تم کرتے تھے۔ (۱۹)^(۶)

برابر بچھے ہوئے شاندار تختے پر تکیے لگائے ہوئے۔ (۲۰)^(۷)

هَذِهِ النَّارُ الَّتِي كُنتُمْ بِهَا تُكَذِّبُونَ ﴿۱۳﴾

اَفَسِحْرُ هَذَا اَمْ اَنْتُمْ لَا تَعْقِلُونَ ﴿۱۴﴾

اِصْلَوْهَا فَاَصْبِرُوا اَوْ لَا تَصْبِرُوا سَوَاءٌ عَلَيْنَا اِذَا تَجَازَوْنَ مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ ﴿۱۵﴾

اِنَّ الْمُتَّقِينَ فِي جَنَّتٍ ذَوْنِ عِلْمٍ ﴿۱۶﴾

فَلْيَهْنِئْ لَهُمْ فِيهَا نِسْوَةٌ لَّهُمْ وَفِيهَا رِجَالٌ لَهُمْ رِجَالٌ لَّهُمْ فِيهَا كُرْسِيُّ كُلٌّ وَتَجْتَمِعُ لَهُمْ فِيهَا النِّسَاءُ كُلُّ يَوْمٍ تَلْبَسُ نِسْوَةٌ لَّهُمْ فِيهَا جَنَّتٌ كُلٌّ لِّهِنَّ فِيهَا حُلَاهُ لَّهُمْ فِيهَا خُضْرٌ كُلٌّ لَّهُمْ فِيهَا زُجْجَةٌ لَّهُمْ فِيهَا خُضْرٌ كُلٌّ لَّهُمْ فِيهَا خُضْرٌ ﴿۱۷﴾

كُلُّوا وَاشْرَبُوا مِنْ ثَمَرِهَا اِذَا كُنْتُمْ فِيهَا تَعْمَلُونَ ﴿۱۸﴾

مُنْكَسِرِينَ عَلَى سُرُرٍ مَّصْفُوفَةٍ وَزَوَّجْنَاهُمْ بِمِثْلِ مَا كُنتُمْ يَفْعَلُونَ ﴿۱۹﴾

(۱) یہ جہنم پر مقرر فرشتے (زبانیہ) انہیں کہیں گے۔

(۲) جس طرح تم دنیا میں پیغمبروں کو جادوگر کہا کرتے تھے، بتلاؤ! کیا یہ بھی کوئی جادو کا کرتب ہے؟

(۳) یا جس طرح تم دنیا میں حق کے دیکھنے سے اندھے تھے، یہ عذاب بھی تمہیں نظر نہیں آ رہا ہے؟ یہ تفریق و توخیج کے لیے انہیں کہا جائے گا، ورنہ ہر چیز ان کے مشاہدے میں آچکی ہوگی۔

(۴) اہل کفر و اہل شقاوت کے بعد اہل ایمان و اہل سعادت کا تذکرہ کیا جا رہا ہے۔

(۵) یعنی جنت کے گھر، لباس، کھانے، سواریاں، حسین و جمیل بیویاں (حور عین) اور دیگر نعمتیں ان سب پر وہ خوش ہوں گے، کیونکہ یہ نعمتیں دنیا کی نعمتوں سے بدرجہا بڑھ کر ہوں گی اور مَا لَا عَيْنٌ رَأَتْ وَلَا أُذُنٌ سَمِعَتْ وَلَا خَطَرَ عَلَى قَلْبِ بَشَرٍ۔ کا مصداق۔

(۶) دوسرے مقام پر فرمایا ﴿كُلُوا وَاشْرَبُوا مِنْ ثَمَرِهَا اِذَا كُنْتُمْ فِيهَا تَعْمَلُونَ﴾۔ اس سے معلوم ہوا کہ اللہ کی رحمت حاصل کرنے کے لیے ایمان کے ساتھ اعمالِ صالحہ بہت ضروری ہیں۔

(۷) مَصْفُوفَةٍ، ایک دوسرے کے ساتھ طے ہوئے۔ گویا وہ ایک صف ہیں۔ یا بعض نے اس کا مفہوم بیان کیا ہے کہ

ہم نے ان کے نکاح بڑی بڑی آنکھوں والی (حوروں) سے کر دیئے ہیں۔ (۲۰)

اور جو لوگ ایمان لائے اور ان کی اولاد نے بھی ایمان میں ان کی پیروی کی ہم ان کی اولاد کو ان تک پہنچا دیں گے اور ان کے عمل سے ہم کچھ کم نہ کریں گے،^(۱) ہر شخص اپنے اپنے اعمال کا گروی ہے۔^(۲) (۲۱)

وَالَّذِينَ آمَنُوا وَاتَّبَعَتْهُمْ ذُرِّيَّتُهُمْ بِإِيمَانٍ أَلْحَقْنَا بِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ وَمَا أَلَتْنَاهُمْ مِنْ عَمَلِهِمْ مِنْ شَيْءٍ ۚ كُلُّ امْرِئٍ بِمَا كَسَبَ رَهِينٌ ﴿۲۱﴾

کے چہرے ایک ایک دوسرے کے سامنے ہوں گے، جیسے میدان جنگ میں فوجیں ایک دوسرے کے سامنے ہوتی ہیں۔ اس مفہوم کو قرآن میں دوسری جگہ ان الفاظ میں بیان کیا گیا ہے ﴿عَلَى سُرُرٍ مُّتَقَابِلِينَ﴾۔ (الصافات، ۴۳) ”ایک دوسرے کے سامنے تختوں پر فروکش ہوں گے۔“

(۱) یعنی جن کے باپ اپنے اخلاص و تقویٰ اور عمل و کردار کی بنیاد پر جنت کے اعلیٰ درجوں پر فائز ہوں گے، اللہ تعالیٰ ان کی ایماندار اولاد کے بھی درجے بلند کر کے، ان کو ان کے باپوں کے ساتھ ملا دے گا۔ یہ نہیں کرے گا کہ ان کے باپوں کے درجے کم کر کے ان کی اولاد والے کمتر درجوں میں انہیں لے آئے۔ یعنی اہل ایمان پر دو گونہ احسان فرمائے گا۔ ایک تو باپ بیٹوں کو آپس میں ملا دے گا تاکہ ان کی آنکھیں ٹھنڈی ہوں، بشرطیکہ دونوں ایماندار ہوں۔ دوسرا، یہ کہ کم تر درجے والوں کو اٹھا کر اونچے درجوں پر فائز فرما دے گا۔ ورنہ دونوں کے ملاپ کا یہ طریقہ بھی ہو سکتا ہے کہ اے کلاس والوں کو بی کلاس دے دے، یہ بات چونکہ اس کے فضل و احسان سے فروتر ہوگی، اس لیے وہ ایسا نہیں کرے گا بلکہ بی کلاس والوں کو اے کلاس عطا فرمائے گا۔ یہ تو اللہ کا وہ احسان ہے جو اولاد پر، آبا کے عملوں کی برکت سے ہو گا اور حدیث میں آتا ہے کہ اولاد کی دعا و استغفار سے آبا کے درجات میں بھی اضافہ ہوتا ہے ایک شخص کے جب جنت میں درجے بلند ہوتے ہیں تو وہ اللہ سے اس کا سبب پوچھتا ہے، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے تیری اولاد کی تیرے لیے دعائے مغفرت کرنے کی وجہ سے۔ (مسند احمد، ۲/۵۰۹) اس کی تائید اس حدیث سے بھی ہوتی ہے جس میں آتا ہے کہ جب انسان مرجاتا ہے تو اس کے عمل کا سلسلہ منقطع ہو جاتا ہے۔ البتہ تین چیزوں کا ثواب، موت کے بعد بھی جاری رہتا ہے ایک صدقہ جاریہ۔ دوسرا، وہ علم جس سے لوگ فیض یاب ہوتے رہیں اور تیسری، نیک اولاد جو اس کے لیے دعا کرتی ہو۔“ (مسلم، کتاب الوصیۃ، باب ما یلحق الإنسان من الثواب بعد وفاته)

(۲) رَهِينٌ، بمعنی مَرْهُونٌ (گروی شدہ چیز) ہر شخص اپنے عمل کا گروی ہو گا۔ یہ عام ہے، مومن اور کافر دونوں کو شامل ہے اور مطلب ہے کہ جو جیسا (اچھایا برا) عمل کرے گا، اس کے مطابق (اچھی یا بری) جزا پائے گا۔ یا اس سے مراد صرف کافر ہیں کہ وہ اپنے اعمال میں گرفتار ہوں گے، جیسے دوسرے مقام پر فرمایا ﴿كُلُّ نَفْسٍ بِمَا كَسَبَتْ رَهِينَةٌ﴾ * إِلَّا الْأَنْصَابَ الْيَتَامَى ﴿الممدثر، ۳۸-۳۹﴾ ”ہر شخص اپنے اعمال میں گرفتار ہو گا۔ سوائے اصحاب الیمین (اہل ایمان) کے۔“

وَأَمَدَدْنَاهُمْ بِغَاكِهِ وَاسْمِ غَيْرِهِمْ ۝ (۲۱)

يَتَنَادَوْنَ فِيهَا كَاَسَآلَاغُوهَا وَلَا تَأْتِيهِمْ ۝ (۲۲)

وَيَطُوفُ عَلَيْهِمْ غِلْمَانٌ لَّهُمْ كَاَلَهُمْ لُؤْلُؤُا مَكَتُونُونَ ۝ (۲۳)

وَأَقْبَلَ بَعْضُهُمْ عَلَى بَعْضٍ يَتَسَاءَلُونَ ۝ (۲۴)

قَالُوا إِنَّا كُنَّا قَبْلُ فِي أَهْلِنَا مُتْفِئِينَ ۝ (۲۵)

فَمَنَّ اللَّهُ عَلَيْنَا وَوَقَدْنَا عَدَابَ النَّارِ ۝ (۲۶)

ہم ان کے لیے میوے اور مرغوب گوشت کی ریل پیل کر دیں گے۔ (۲۱)

(خوش طبعی کے ساتھ) ایک دوسرے سے جام (شراب) کی چھینا جھپٹی کریں گے (۲۲) جس شراب کے سرور میں تو بیسودہ گونگی ہوگی نہ گناہ۔ (۲۳)

اور ان کے ارد گرد ان کے نو عمر غلام چل پھر رہے ہوں گے گویا کہ وہ موتی تھے جو ڈھکے رکھے تھے۔ (۲۴)

اور آپس میں ایک دوسرے کی طرف متوجہ ہو کر سوال کریں گے۔ (۲۵)

کہیں گے کہ اس سے پہلے ہم اپنے گھر والوں کے درمیان بہت ڈرا کرتے تھے۔ (۲۶)

پس اللہ تعالیٰ نے ہم پر بڑا احسان کیا اور ہمیں تیز و تند گرم ہواؤں کے عذاب سے بچالیا۔ (۲۷)

(۱) أَمَدَدْنَاهُمْ بِمَعْنَى زِدْنَاهُمْ، یعنی خوب دیں گے۔

(۲) يَتَنَادَوْنَ، يَتَعَاطَوْنَ وَيَتَسَاءَلُونَ ایک دوسرے سے لیں گے۔ یا پھر وہ معنی ہیں جو فاضل مترجم نے کیے ہیں۔ کاس، اس پیالے اور جام کو کہتے ہیں جو شراب یا کسی اور مشروب سے بھرا ہوا ہو۔ خالی برتن کو کاس نہیں کہتے۔ (فتح القدیر)

(۳) اس شراب میں دنیا کی شراب کی تاثیر نہیں ہوگی، اسے پی کر نہ کوئی بے گناہ ہوگا کہ لغو گونگی کرے نہ اتنا مدہوش اور مست ہو گا کہ گناہ کا ارتکاب کرے۔

(۴) یعنی جنتیوں کی خدمت کے لیے انہیں نو عمر خادم بھی دیئے جائیں گے جو ان کی خدمت کے لیے پھر رہے ہوں گے اور حسن و جمال اور صفائی و رعنائی میں وہ ایسے ہوں گے جیسے موتی، بنے ڈھک کر رکھا گیا ہو، تاکہ ہاتھ لگنے سے اس کی چمک دمک ماند پڑے۔

(۵) ایک دوسرے سے دنیا کے حالات پوچھیں گے کہ دنیا میں وہ کن حالات میں زندگی گزارتے اور ایمان و عمل کے تقاضے کس طرح پورے کرتے رہے؟

(۶) یعنی اللہ کے عذاب سے۔ اس لیے اس عذاب سے بچنے کا اہتمام بھی کرتے رہے، اس لیے کہ انسان کو جس چیز کا ڈر ہوتا ہے، اس سے بچنے کے لیے وہ تنگ و دو بھی کرتا ہے۔

(۷) سَمُومٌ، لو، جھلس ڈالنے والی گرم ہوا کو کہتے ہیں، جہنم کے ناموں میں سے ایک نام بھی ہے۔

کیا یہ کہتے ہیں کہ اس نبی نے (قرآن) خود گھڑ لیا ہے،
واقعہ یہ ہے کہ وہ ایمان نہیں لاتے۔^(۴) (۳۳)

(۷) یعنی قرآن گھڑنے کے الزام پر ان کو آمادہ کرنے والا بھی ان کا کفر ہی ہے۔

فَلْيَا أَكْثَرَ صِدِّيقٍ مِّمَّنْ لَمْ يَلِدْ إِنْ كَانُوا أُصْدِقِينَ ﴿٣٥﴾

أَمْ خُلِدُوا مِنْ عَيْنِ مَنْ أَمَرَهُ النَّارُ لِقُونَ ﴿٣٦﴾

أَمْ خَلَقُوا السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ بَلْ لَا يَتَذَكَّرُونَ ﴿٣٧﴾

أَمْ عِنْدَهُمْ خَزَائِنُ رَبِّكَ أَمْ هُمُ الْمُخْتَبِرُونَ ﴿٣٨﴾

أَمْ لَهُمْ سُلُسُلٌ مِّنْ عِوْنٍ فِيهِ قَلْبَاتٌ فَتِلْكَاتٌ مِّنْ مَّعْمُورٍ مُّطَّلَنٍ
فِيهِمْ ﴿٣٩﴾

أَمْ لَهُ الْبَنَاتُ وَلَكِنَّ الْبَنُونَ ﴿٤٠﴾

اچھا اگر یہ سچے ہیں تو بھلا اس جیسی ایک (بی) بات یہ
(بھی) تولے آئیں۔^(۱) (۳۳)

کیا یہ بغیر کسی (پیدا کرنے والے) کے خود بخود پیدا ہو گئے
ہیں؟^(۲) یا یہ خود پیدا کرنے والے ہیں؟^(۳) (۳۵)

کیا انہوں نے ہی آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا ہے؟ بلکہ یہ
یقین نہ کرنے والے لوگ ہیں۔^(۴) (۳۶)

یا کیا ان کے پاس تیرے رب کے خزانے ہیں؟^(۵) یا
یا (ان خزانوں کے) یہ داروغہ ہیں۔^(۶) (۳۷)

یا کیا ان کے پاس کوئی سیڑھی ہے جس پر چڑھ کر سنتے
ہیں؟^(۷) (اگر ایسا ہے) تو ان کا سننے والا کوئی روشن دلیل
پیش کرے۔ (۳۸)

کیا اللہ کی تو سب لڑکیاں ہیں اور تمہارے ہاں لڑکے

(۱) یعنی اگر یہ اپنے اس دعوے میں سچے ہیں کہ یہ قرآن محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کا اپنا گھڑا ہوا ہے تو پھر یہ بھی اس جیسی
کتاب بنا کر پیش کر دیں جو نظم، عجاز و بلاغت، حسن بیان، ندرت اسلوب، تعین حقائق اور حل مسائل میں اس کا
مقابلہ کر سکے۔

(۲) یعنی اگر واقعی ایسا ہے تو پھر کسی کو یہ حق نہیں ہے کہ انہیں کسی بات کا حکم دے یا کسی بات سے منع کرے۔ لیکن
جب ایسا نہیں ہے بلکہ انہیں ایک پیدا کرنے والے نے پیدا کیا ہے، تو ظاہر ہے اس کا انہیں پیدا کرنے کا ایک خاص
مقصد ہے، وہ انہیں پیدا کر کے یوں ہی کس طرح چھوڑ دے گا؟

(۳) یعنی یہ خود بھی اپنے خالق نہیں ہیں، بلکہ یہ اللہ کے خالق ہونے کا اعتراف کرتے ہیں۔

(۴) بلکہ اللہ کے وعدوں اور وعیدوں کے بارے میں شک میں مبتلا ہیں۔

(۵) کہ یہ جس کو چاہیں روزی دیں اور جس کو چاہیں نہ دیں یا جس کو چاہیں نبوت سے نوازیں۔

(۶) مُصْنِطٌ یا مُسْنِطٌ، مَسْطَرٌ سے ہے، لکھنے والا؛ جو محافظ و نگران ہو، وہ چونکہ ساری تفصیلات لکھتا ہے، اس لیے یہ
محافظ اور نگران کے معنی میں بھی استعمال ہوتا ہے۔ یعنی کیا اللہ کے خزانوں یا اس کی رحمتوں پر ان کا تسلط ہے کہ جس کو
چاہیں دیں یا نہ دیں۔

(۷) یعنی کیا یہ ان کا دعویٰ ہے کہ سیڑھی کے ذریعے سے یہ بھی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی طرح آسمانوں پر جا کر ملائکہ کی
باتیں یا ان کی طرف جو وحی کی جاتی ہے، وہ سن آئے ہیں۔

ہیں؟ (۳۹)

کیا تو ان سے کوئی اجرت طلب کرتا ہے کہ یہ اس کے
تاوان سے بوجھل ہو رہے ہیں۔^(۱) (۴۰)

کیا انکے پاس علم غیب ہے جسے یہ لکھ لیتے ہیں؟^(۲) (۴۱)
کیا یہ لوگ کوئی فریب کرنا چاہتے ہیں؟^(۳) تو یقین کر لیں
کہ فریب خوردہ کافر ہی ہیں۔^(۴) (۴۲)

کیا اللہ کے سوا ان کا کوئی معبود ہے؟ (ہرگز نہیں) اللہ
تعالیٰ ان کے شرک سے پاک ہے۔ (۴۳)

اگر یہ لوگ آسمان کے کسی ٹکڑے کو گرتا ہوا دیکھ لیں
تب بھی کہہ دیں کہ یہ بت بادل ہے۔^(۵) (۴۴)

تو انہیں چھوڑ دے یہاں تک کہ انہیں اس دن سے سابقہ
پڑے جس میں یہ بے ہوش کر دیئے جائیں گے۔ (۴۵)

جس دن انہیں ان کا مکر کچھ کام نہ دے گا اور نہ وہ مدد
کیے جائیں گے۔ (۴۶)

پیشک ظالموں کے لیے اسکے علاوہ اور عذاب بھی ہیں^(۶)
لیکن ان لوگوں میں سے اکثر بے علم ہیں۔^(۷) (۴۷)

أَمْ تَسْأَلُهُمْ أَجْرًا فَهُمْ مِنْ مَغْرَمٍ مُثْقَلُونَ ﴿۳۹﴾

أَمْ عِنْدَهُمُ الْعَذَابُ فَمَا يَكْتُوبُونَ ﴿۴۰﴾

أَمْ يُرِيدُونَ كَيْدًا فَالَّذِينَ كَفَرُوا هُمْ إِلَيْكَ يَكِيدُونَ ﴿۴۱﴾

أَمْ لَهُمْ آلِهَةٌ غَيْرُ اللَّهِ يَسْبُحْنَ اللَّهَ عَنَّا يَكْفُرُونَ ﴿۴۲﴾

وَإِنْ يَرَوْا كِسْفًا مِنَ السَّمَاءِ سَاقِطًا يَقُولُوا سَحَابٌ مَرْكُومٌ ﴿۴۳﴾

فَذَرْهُمْ حَتَّى يُلَاقُوا يَوْمَهُمُ الَّذِي فِيهِ يُصْعَقُونَ ﴿۴۴﴾

يَوْمَ لَا يُغْنِي عَنْهُمْ كَيْدُهُمْ شَيْئًا وَلَا هُمْ يُنصَرُونَ ﴿۴۵﴾

وَلَإِنْ يَلْقَئِزْكَ عَذَابًا دُونَ ذَلِكَ وَلَكِنْ أَكْثَرُهُمْ
لَا يَعْلَمُونَ ﴿۴۶﴾

(۱) یعنی اس کی ادائیگی ان کے لیے مشکل ہو۔

(۲) کہ ضرور ان سے پہلے محمد صلی اللہ علیہ وسلم مرجائیں گے اور ان کو موت اس کے بعد آئے گی۔

(۳) یعنی ہمارے پیغمبر کے ساتھ جس سے اس کی ہلاکت واقع ہو جائے۔

(۴) یعنی کید و مکر ان ہی پر الٹ پڑے گا اور سارا نقصان انہی کو ہو گا۔ جیسے فرمایا: ﴿وَلَا يَجْنِي الْمُكَذِّبُ التَّيْبَتِ إِلَّا يَأْهُلِهِ﴾
(فاطر: ۳۳) چنانچہ بدر میں یہ کافر مارے گئے اور بھی بہت سی جگہوں پر ذلت و رسوائی سے دوچار ہوئے۔

(۵) مطلب ہے کہ اپنے کفر و عناد سے پھر بھی باز نہ آئیں گے، بلکہ ڈھٹائی کا مظاہرہ کرتے ہوئے کہیں گے کہ یہ عذاب
نہیں، بلکہ ایک پر ایک بادل چڑھا آ رہا ہے، جیسا کہ بعض موقعوں پر ایسا ہوتا ہے۔

(۶) یعنی نیا میں، جیسے دوسرے مقام پر فرمایا ﴿وَلَكِنْ يَفْتَكِرُ مِنَ الْعَذَابِ الَّذِي دُونَ الْعَذَابِ الْأَكْبَرِ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُونَ﴾
(آلہم السجدہ: ۲۱)

(۷) اس بات سے کہ دنیا کے یہ عذاب اور مصائب اس لیے ہیں تاکہ انسان اللہ کی طرف رجوع کریں۔ یہ نکتہ چونکہ

تو اپنے رب کے حکم کے انتظار میں صبر سے کام لے، بیشک تو ہماری آنکھوں کے سامنے ہے۔ صبح کو جب تو اٹھے^(۱) اپنے رب کی پاکی اور حمد بیان کر۔ (۳۸) اور رات کو بھی اس کی تسبیح پڑھ^(۲) اور ستاروں کے ڈوبتے وقت بھی۔^(۳) (۳۹)

سورہ نجم کی ہے اور اس میں باٹھ آیتیں اور تین رکوع ہیں۔

شروع کرتا ہوں اللہ تعالیٰ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے۔

وَاصْبِرْ لِحُكْمِ رَبِّكَ فَإِنَّكَ بِأَعْيُنِنَا وَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ حِينَ تَقُومُ ﴿۳۸﴾

وَمِنَ اللَّيْلِ فَسَبِّحْهُ وَإِدْبَارَ النُّجُومِ ﴿۳۹﴾



بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

نہیں سمجھتے اس لیے گناہوں سے تاب نہیں ہوتے بلکہ بعض دفعہ پہلے سے بھی زیادہ گناہ کرنے لگ جاتے ہیں۔ جس طرح ایک حدیث میں فرمایا کہ ”منافق جب بیمار ہو کر صحت مند ہو جاتا ہے تو اس کی مثال اونٹ کی سی ہے۔ وہ نہیں جانتا کہ اسے کیوں رسیوں سے باندھا گیا۔ اور کیوں کھلا چھوڑ دیا گیا؟“ (ابوداؤد، کتاب الجنائز، نمبر ۳۰۸۹)

(۱) اس کھڑے ہونے سے کون سا کھڑا ہونا مراد ہے؟ بعض کہتے ہیں جب نماز کے لیے کھڑے ہوں۔ جیسا کہ آغاز نماز میں سُبْحَانَكَ اللَّهُمَّ وَبِحَمْدِكَ وَتَبَارَكَ اسْمُكَ . . . پڑھی جاتی ہے۔ بعض کہتے ہیں، جب نیند سے بیدار ہو کر کھڑے ہوں۔ اس وقت بھی اللہ کی تسبیح و تحمید مسنون ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ جب کسی مجلس سے کھڑے ہوں۔ جیسے حدیث میں آتا ہے۔ جو شخص کسی مجلس سے اٹھتے وقت یہ دعا پڑھ لے گا تو یہ اس کی مجلس کے گناہوں کا کفارہ ہو جائے گا۔ سُبْحَانَكَ اللَّهُمَّ وَبِحَمْدِكَ أَشْهَدُ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا أَنْتَ أَسْتَغْفِرُكَ وَأَتُوبُ إِلَيْكَ. (سنن الترمذی، أبواب الدعوات، باب ما یقول إذا قام من مجلسه)

(۲) اس سے مراد قیام اللیل۔ یعنی نماز تہجد ہے، جو عمر بھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا معمول رہا۔

(۳) اُنَّی: وَفَتْ إِذْبَارَهَا مِنْ آخِرِ اللَّيْلِ اس سے مراد فجر کی دو سنتیں ہیں، نوافل میں سب سے زیادہ اس کی نبی ﷺ حفاظت فرماتے تھے۔ اور ایک روایت میں آپ ﷺ نے فرمایا ”فجر کی دو سنتیں دنیا و ما فیما سے بہتر ہے“ (صحیح بخاری، کتاب التہجد، باب تعاهد رکعتی الفجر ومن سماهما تطوعاً و صحیح مسلم، کتاب الصلوٰۃ، باب استحباب رکعتی الفجر)

☆ یہ پہلی سورت ہے جسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کفار کے مجمع عام میں تلاوت کیا، تلاوت کے بعد آپ ﷺ نے اور آپ ﷺ کے پیچھے جتنے لوگ تھے، سب نے سجدہ کیا، سوائے امیہ بن خلف کے، اس نے اپنی مٹھی میں

قَسَمُ هَـ سِتَارِے کی جب وہ گرے۔ ^(۱)	وَالْقَوْمُ إِذْ أَهْوَىٰ ①
کہ تمہارے ساتھی نے نہ راہ گم کی ہے نہ وہ ٹیڑھی راہ پر ہے۔ ^(۲)	مَاضِلٌ صَاحِبُكُمْ وَمَا غَوَىٰ ②
اور نہ وہ اپنی خواہش سے کوئی بات کہتے ہیں۔ ^(۳)	وَيَنْتَظِنُ عَنِ الْهَوَىٰ ③
وہ تو صرف وحی ہے جو اتاری جاتی ہے۔ ^(۴)	إِنْ هُوَ إِلَّا وَحْيٌ يُوحَىٰ ④
اسے پوری طاقت والے فرشتے نے سکھایا ہے۔ ^(۵)	عَلَّمَهُ شَدِيدُ الْقُوَىٰ ⑤
جو زور آور ہے ^(۶) پھر وہ سیدھا کھڑا ہو گیا۔ ^(۷)	ذُو مِرَّةٍ فَاسْتَوَىٰ ⑥

مٹی لے کر اس پر سجدہ کیا۔ چنانچہ یہ کفر کی حالت میں ہی مارا گیا (صحیح بخاری، تفسیر سورہ نجم) بعض طریق میں اس شخص کا نام عقبہ بن ربیعہ بتلایا گیا ہے (تفسیر ابن کثیر) وَاللَّهُ أَعْلَمُ۔ حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے اس سورت کی تلاوت آپ ﷺ کے سامنے کی، آپ ﷺ نے اس میں سجدہ نہیں کیا (صحیح بخاری، باب مذکور) اس کا مطلب یہ ہوا کہ سجدہ کرنا مستحب ہے، فرض نہیں۔ اگر کبھی چھوڑ بھی دیا جائے تو جائز ہے۔

(۱) بعض مفسرین نے ستارے سے ثریا ستارہ اور بعض نے زہرہ ستارہ مراد لیا ہے اور بعض نے جنس نجوم، ہَوَیٰ، اوپر سے نیچے کرنا، یعنی جب رات کے اختتام پر فجر کے وقت وہ گرتا ہے، یا شیاطین کو مارنے کے لیے گرتا ہے یا بقول بعض قیامت والے دن گریں گے۔

(۲) یہ جواب قسم ہے۔ صَاحِبُكُمْ (تمہارا ساتھی) کہہ کر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت کو واضح کر دیا گیا ہے کہ نبوت سے پہلے چالیس سال اس نے تمہارے ساتھ اور تمہارے درمیان گزارے ہیں، اس کے شب و روز کے تمام معمولات تمہارے سامنے ہیں، اس کا اخلاق و کردار تمہارا جانا پہچانا ہے۔ راست بازی اور امانت داری کے سوا تم نے اس کے کردار میں کبھی کچھ اور بھی دیکھا؟ اب چالیس سال کے بعد جو وہ نبوت کا دعویٰ کر رہا ہے تو ذرا سوچو، وہ کس طرح جھوٹ ہو سکتا ہے؟ چنانچہ واقعہ یہ ہے کہ وہ نہ گمراہ ہوا ہے نہ بہکا ہے۔ ضلالت، راہ حق سے وہ انحراف ہے جو جہالت اور لاعلمی سے ہو اور غواہیت، وہ کبھی ہے جو جانتے بوجھتے حق کو چھوڑ کر اختیار کی جائے۔ اللہ تعالیٰ نے دونوں قسم کی گمراہیوں سے اپنے پیغمبر کی تنزیہ بیان فرمائی۔

(۳) یعنی وہ گمراہ یا ہمک کس طرح سکتا ہے، وہ تو وحی الہی کے بغیر لب کشائی ہی نہیں کرتا۔ حتیٰ کہ مزاح اور خوش طبعی کے موقعوں پر بھی آپ ﷺ کی زبان مبارک سے حق کے سوا کچھ نہ نکلتا تھا (سنن الترمذی، ابواب البر، باب ماجاء فی المزاح) اسی طرح حالت غضب میں، آپ ﷺ کو اپنے جذبات پر اتنا کنٹرول تھا کہ آپ ﷺ کی زبان سے کوئی بات خلاف واقعہ نہ نکلتی (ابوداؤد، کتاب العلم، باب فی کتاب العلم)

(۴) اس سے مراد جبرائیل علیہ السلام فرشتہ ہے جو قوی اعضا کا مالک اور نہایت زور آور ہے، پیغمبر پر وحی لانے اور اسے

اور وہ بلند آسمان کے کناروں پر تھا۔ ^(۷)	وَهُوَ بِالْأُفُقِ الْأَعْلَى ۝
پھر نزدیک ہوا اور اتر آیا۔ ^(۸)	ثُمَّ دَنَا فَتَدَلَّى ۝
پس وہ دو کمانوں کے بقدر فاصلہ رہ گیا بلکہ اس سے بھی کم۔ ^(۹)	فَكَانَ قَابَ قَوْسَيْنِ أَوْ أَدْنَى ۝
پس اس نے اللہ کے بندے کو وحی پہنچائی ^(۱۰) جو بھی پہنچائی۔ ^(۱۱)	فَأَوْحَىٰ إِلَىٰ عَبْدِهِ مَا أَوْحَىٰ ۝
دل نے جھوٹ نہیں کہا جسے (پیغمبر نے) دیکھا۔ ^(۱۲)	مَا كَذَبَ الْفُؤَادُ مَا رَأَىٰ ۝
کیا تم جھگڑا کرتے ہو اس پر جو (پیغمبر) دیکھتے ہیں۔ ^(۱۳)	أَفَتُمَارُونَهُ عَلَىٰ مَا يَرَىٰ ۝
اسے تو ایک مرتبہ اور بھی دیکھا تھا۔ ^(۱۴)	وَلَقَدْ رَآهُ نَزْلَةً أُخْرَىٰ ۝
سدرۃ المنتہی کے پاس۔ ^(۱۵)	عِنْدَ سِدْرَةِ الْمُنْتَهَىٰ ۝
اسی کے پاس جنت الماویٰ ہے۔ ^(۱۶)	عِنْدَ مَا جِئْتُمُ الْمَآوَىٰ ۝

سکھلانے والا یہی فرشتہ ہے۔

(۱) یعنی جبرائیل علیہ السلام یعنی وحی سکھلانے کے بعد آسمان کے کناروں پر جا کھڑے ہوئے۔

(۲) یعنی پھر زمین پر اترے اور آہستہ آہستہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب ہوئے۔

(۳) بعض نے ترجمہ کیا ہے، 'دو ہاتھوں کے بقدر' یہ نبی ﷺ اور جبرائیل علیہ السلام کی باہمی قربت کا بیان ہے۔ اللہ تعالیٰ اور نبی ﷺ کی قربت کا اظہار نہیں ہے، جیسا کہ بعض لوگ باور کراتے ہیں۔ آیات کے سیاق سے صاف واضح ہے کہ اس میں صرف جبرائیل علیہ السلام اور پیغمبر کا بیان ہے۔ اسی قربت کے موقع پر نبی ﷺ نے جبرائیل علیہ السلام کو انکی اصل شکل میں دیکھا اور یہ بعثت کے ابتدائی ادوار کا واقعہ ہے جس کا ذکر ان آیات میں کیا گیا۔ دوسری مرتبہ اصل شکل میں معراج کی رات دیکھا۔

(۴) یعنی جبرائیل علیہ السلام، اللہ کے بندے حضرت محمد ﷺ کے لیے جو وحی یا پیغام لے کر آئے تھے، وہ انہوں نے آپ ﷺ تک پہنچایا۔

(۵) یعنی نبی ﷺ نے جبرائیل علیہ السلام کو اصل شکل میں دیکھا کہ ان کے چہ سو پر ہیں۔ ایک پر مشرق و مغرب کے درمیان فاصلہ جتنا تھا، اس کو آپ ﷺ کے دل نے جھٹلایا نہیں، بلکہ اللہ کی اس عظیم قدرت کو تسلیم کیا۔

(۶) یہ ایلیۃ المعراج کو جب اصل شکل میں جبرائیل علیہ السلام کو دیکھا، اس کا بیان ہے۔ یہ سدرۃ المنتہی، ایک ہیری کا درخت ہے جو چھپے یا ساتویں آسمان پر ہے اور یہ آخری حد ہے، اس سے اوپر کوئی فرشتہ نہیں جاسکتا۔ فرشتے اللہ کے احکام بھی میس سے وصول کرتے ہیں۔

(۷) اسے جنت الماویٰ، اس لیے کہتے ہیں کہ حضرت آدم علیہ السلام کا ماویٰ و مسکن یہی تھا، بعض کہتے ہیں کہ رو حیں

جب کہ سدرہ کو چھپائے لیتی تھی وہ چیز جو اس پر چھاری تھی۔^(۱) (۱۶)
 نہ تو نگاہ ہمکنی نہ حد سے بڑھی۔^(۲) (۱۷)
 یقیناً اس نے اپنے رب کی بڑی بڑی نشانیوں میں سے بعض نشانیاں دیکھ لیں۔^(۳) (۱۸)
 کیا تم نے لات اور عزریٰ کو دیکھا۔ (۱۹)
 اور منات تیسرے پچھلے کو۔^(۴) (۲۰)

إِذْ يَنْتَشِي السِّدْرَةُ مَا يَنْتَشِي ۝

مَا زَاغَ الْبَصَرُ وَمَا طَغَى ۝

لَقَدْ رَأَى مِنْ آيَاتِ رَبِّهِ الْكُبْرَى ۝

أَفَرَأَيْتُمُ اللَّاتَ وَالْعُزَّىٰ ۝

وَمَنْوَةَ الْعَالَمِ الْأُولَىٰ ۝

یہاں آکر جمع ہوتی ہیں۔ (فتح القدر)

(۱) سدرۃ المنتہیٰ کی اس کیفیت کا بیان ہے جب شب معراج میں آپ ﷺ نے اس کا مشاہدہ کیا، سونے کے پروانے اس کے گرد منڈلا رہے تھے، فرشتوں کا عکس اس پر پڑ رہا تھا، اور رب کی تجلیات کا مظہر بھی وہی تھا۔ (ابن کثیر وغیرہ) اسی مقام پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو تین چیزوں سے نوازا گیا۔ پانچ وقت کی نمازیں، سورۃ بقرہ کی آخری آیات اور اس مسلمان کی مغفرت کا وعدہ جو شرک کی آلودگیوں سے پاک ہو گا (صحیح مسلم، کتاب الإیمان، باب ذکر سدرۃ المنتہیٰ)

(۲) یعنی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی نگاہیں دائیں بائیں ہوئیں اور نہ اس حد سے بلند اور متجاوز ہوئیں جو آپ ﷺ کے لیے مقرر کردی گئی تھی۔ (ایسر التفاسیر)

(۳) جن میں یہ جبرائیل علیہ السلام اور سدرۃ المنتہیٰ کا دیکھنا اور دیگر مظاہر قدرت کا مشاہدہ ہے جس کی کچھ تفصیل احادیث معراج میں بیان کی گئی ہے۔

(۴) یہ مشرکین کی توبخ کے لیے کہا جا رہا ہے کہ اللہ کی یہ تو شان ہے جو مذکور ہوئی کہ جبرائیل علیہ السلام جیسے عظیم فرشتوں کا وہ خالق ہے، محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جیسے اس کے رسول ہیں، جنہیں اس نے آسمانوں پر بلا کر بڑی بڑی نشانیوں کا مشاہدہ بھی کروایا اور وحی بھی ان پر نازل فرماتا ہے۔ کیا تم جن معبودوں کی عبادت کرتے ہو، ان کے اندر بھی یہ یا اس قسم کی خوبیاں ہیں؟ اس ضمن میں عرب کے تین مشہور بتوں کے نام بطور مثال لیے۔ لَات، بعض کے نزدیک یہ لفظ اللہ سے ماخوذ ہے، بعض کے نزدیک لَات پِلَیْث سے ہے، جس کے معنی موڑنے کے ہیں، پجاری اپنی گردنیں اس کی طرف موڑتے اور اس کا طواف کرتے تھے۔ اس لیے یہ نام پڑ گیا۔ بعض کہتے ہیں کہ لات میں تاشدد ہے۔ لَتْ پِلَیْث سے اسم فاعل (ستو گھولنے والا) یہ ایک نیک آدمی تھا، حاجیوں کو ستو گھول گھول کر پلایا کرتا تھا، جب یہ مر گیا تو لوگوں نے اس کی قبر کو عبادت گاہ بنالیا، پھر اس کے مجستے اور بت بن گئے۔ یہ طائف میں بنو حنیف کا سب سے بڑا بت تھا۔ عَزَّىٰ کہتے ہیں یہ اللہ کے صفاتی نام عَزِیْز سے ماخوذ ہے، اور یہ اَعَزُّ کی تانیث ہے بمعنی عَزِیْزۃ بعض کہتے ہیں

اَلَمْ يَذْكُرُوْهُ اَلْاَنْثٰى ۝۱۱

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا سَمِعْتُمُوْهَا اَنْتُمْ وَاٰبَاؤُكُمْ مَّا اَنْزَلَ

اَللّٰهُ بِهَا مِنْ سُلْطٰنٍ اِنْ يَّكْفُرُوْنَ اِلَّا الْفُلْجُ وَمَا يَكُوْنُ
اَلْاَنْفُسُ وَلَقَدْ جَاءَهُمْ مِنْ رَبِّهِمْ الْهُدٰى ۝۱۲

کیا تمہارے لیے لڑکے اور اللہ کے لیے لڑکیاں
ہیں؟ (۱۱)

یہ تو اب بڑی بے انصافی کی تقسیم ہے۔ (۱۲)

در اصل یہ صرف نام ہیں جو تم نے اور تمہارے باپ
دادوں نے ان کے رکھ لیے ہیں اللہ نے ان کی کوئی دلیل
نہیں اتاری۔ یہ لوگ تو صرف اٹکل کے اور اپنی نفسانی
خواہشوں کے پیچھے پڑے ہوئے ہیں اور یقیناً ان کے رب
کی طرف سے ان کے پاس ہدایت آچکی ہے۔ (۱۳)

کہ یہ غطفان میں ایک درخت تھا جس کی عبادت کی جاتی تھی، بعض کہتے ہیں کہ شیطانی (بھوتی) تھی جو بعض درختوں
میں ظاہر ہوتی تھی۔ بعض کہتے ہیں کہ یہ سنگ ایضاً تھا جس کو پوجتے تھے۔ یہ قریش اور بنو کنانہ کا خاص معبود تھا۔ مَنُوْةُ
مَنْیٰ یعنی سے ہے جس کے معنی صَبَّ (بھانے) کے ہیں۔ اس کا تقرب حاصل کرنے کے لیے لوگ کثرت سے اس
کے پاس جانور ذبح کرتے اور ان کا خون بہاتے تھے۔ یہ مکہ اور مدینہ کے درمیان ایک بت تھا (فتح القدیر) یہ قدید کے
بالمقابل مثل جگہ میں تھا، بنو خزاعہ کا یہ خاص بت تھا۔ زمانہ جاہلیت میں اس اور خزرج میں سے احرام باندھتے تھے اور
اس بت کا طواف بھی کرتے تھے (ایسر التفاسیر وابن کثیر) ان کے علاوہ مختلف اطراف میں اور بھی بہت سے بت اور بت
خانے پھیلے ہوئے تھے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فتح مکہ کے بعد اور دیگر مواقع پر ان بتوں اور دیگر تمام بتوں کا خاتمہ فرما
دیا۔ ان پر جو قبے اور عمارتیں بنی ہوئی تھیں، وہ مسمار کروادیں، ان درختوں کو کٹوا دیا، جن کی تعظیم کی جاتی تھی اور وہ
تمام آثار و مظاہر مٹا ڈالے گئے جو بت پرستی کی یادگار تھے، اس کام کے لیے آپ ﷺ نے حضرت خالد، حضرت علی،
حضرت عمرو بن عاص اور حضرت جریر بن عبد اللہ الجبلی وغیرہم رضوان اللہ علیہم اجمعین کو، جہاں جہاں یہ بت تھے، بھیجا
اور انہوں نے جا کر ان سب کو ڈھا کر سرزمین عرب سے شرک کا نام مٹا دیا۔ (ابن کثیر) قرون اولیٰ کے بت بعد ایک مرتبہ
پھر عرب میں شرک کے یہ مظاہر عام ہو گئے تھے، جس کے لیے اللہ تعالیٰ نے مجدد الدعوة شیخ محمد بن عبد الوہاب کو توفیق
دی، انہوں نے درعیہ کے حاکم کو اپنے ساتھ ملا کر قوت کے ذریعے سے ان مظاہر شرک کا خاتمہ فرمایا اور اسی دعوت کی
تجدید ایک مرتبہ پھر سلطان عبدالعزیز والی نجد و حجاز (موجودہ سعودی حکمرانوں کے والد اور اس مملکت کے بانی) نے کی اور
تمام پختہ قبروں اور قبوں کو ڈھا کر سنت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کا احیا فرمایا اور یوں الحمد للہ اب پورے سعودی عرب میں
اسلامی احکام کے مطابق نہ کوئی پختہ قبر ہے اور نہ کوئی مزار

(۱) مشرکین مکہ فرشتوں کو اللہ کی بیٹیاں قرار دیتے تھے، یہ اس کی تردید ہے، جیسا کہ متعدد جگہ یہ مضمون گزر چکا ہے۔

(۲) ضَبْرٰى، حق و صواب سے ہٹی ہوئی۔

أَمَّا الْإِنْسَانُ مَا نَفَعَى ﴿٢٣﴾

فَلِلَّهِ الْآخِرَةُ وَالْأُولَى ﴿٢٤﴾

وَلَمْ يَنْسَلِكْ فِي السَّمَوَاتِ لِأَتَعْنِي سَمَاعَهُمْ شَيْئًا إِلَّا مِنْ بَعْدِ أَنْ يَأْذَنَ اللَّهُ لِمَنْ يَشَاءُ وَيَرْضَى ﴿٢٥﴾

إِنَّ الَّذِينَ يُؤْمِنُونَ بِالْآخِرَةِ لَيُسَمُّونَ الْمَلَائِكَةَ

تَمِيمَةً الْأَنْبِيَاءِ ﴿٢٦﴾

وَالَهُمْ بِهِ مِنْ عِلْمٍ إِنَّ يَتَكَبَّرُونَ إِلَّا الظَّنُّ وَإِنَّ الظَّنَّ

لَا يَنْفَعِي مِنَ الْحَقِّ شَيْئًا ﴿٢٧﴾

فَأَعْرِضْ عَنْ مَنْ تَوَلَّى عَنْ وَكْرِنَا وَلَمْ يُرِدْ إِلَّا الْحَيَاةَ

الدُّنْيَا ﴿٢٨﴾

ذَلِكَ مَبْلَغُهُمْ مِنَ الْعِلْمِ إِنَّ رَبَّكَ هُوَ أَعْلَمُ بِمَنْ

ضَلَّ عَنْ سَبِيلِهِ وَهُوَ أَعْلَمُ بِمَنِ اهْتَدَى ﴿٢٩﴾

وَلِلَّهِ مَسَافِي السَّمَوَاتِ وَمَسَافِي الْأَرْضِ لِيُخَبِّرَ الَّذِينَ

أَسَاءُوا بِمَا عَمِلُوا وَيَخَبِّرَ الَّذِينَ أَحْسَنُوا بِالْحَقِّنِ ﴿٣٠﴾

کیا ہر شخص جو آرزو کرے اسے میسر ہے؟ ﴿۲۳﴾

اللہ ہی کے ہاتھ ہے یہ جہان اور وہ جہان۔ ﴿۲۴﴾

اور بہت سے فرشتے آسمانوں میں ہیں جن کی سفارش کچھ بھی نفع نہیں دے سکتی مگر یہ اور بات ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنی خوشی اور اپنی چاہت سے جس کے لیے چاہے اجازت دے دے۔ ﴿۲۵﴾

بیشک جو لوگ آخرت پر ایمان نہیں رکھتے وہ فرشتوں کا زائد نام مقرر کرتے ہیں۔ ﴿۲۶﴾

حالانکہ انہیں اس کا کوئی علم نہیں وہ صرف اپنے گمان کے پیچھے پڑے ہوئے ہیں اور بیشک وہم (و گمان) حق کے مقابلے میں کچھ کام نہیں دیتا۔ ﴿۲۷﴾

تو آپ اس سے منہ موڑ لیں جو ہماری یاد سے منہ موڑے اور جن کا ارادہ بجز زندگانی دنیا کے اور کچھ نہ ہو۔ ﴿۲۸﴾

یہی ان کے علم کی انتہا ہے۔ آپ کا رب اس سے خوب واقف ہے جو اس کی راہ سے بھٹک گیا ہے اور وہی خوب واقف ہے اس سے بھی جو راہ یافتہ ہے۔ ﴿۲۹﴾

اور اللہ ہی کا ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے تاکہ اللہ تعالیٰ برے عمل کرنے والوں کو ان کے اعمال کا بدلہ دے اور نیک کام کرنے والوں کو اچھا بدلہ

(۱) یعنی یہ جو چاہتے ہیں کہ ان کے یہ معبود انہیں فائدہ پہنچائیں اور ان کی سفارش کریں یہ ممکن ہی نہیں ہے۔

(۲) یعنی وہی ہو گا جو وہ چاہے گا کیونکہ تمام اختیارات اسی کے پاس ہیں۔

(۳) یعنی فرشتے، جو اللہ کی مقرب ترین مخلوق ہے، ان کو بھی شفاعت کا حق صرف انہی لوگوں کے لیے ملے گا جن کے لیے اللہ پسند کرے گا، جب یہ بات ہے تو پھر یہ پتھر کی مورتیاں کس طرح کسی کی سفارش کر سکیں گی؟ جن سے تم آس لگائے بیٹھے ہو، نیز اللہ تعالیٰ مشرکوں کے حق میں کسی کو سفارش کرنے کا حق بھی کب دے گا، جب کہ شرک اس کے نزدیک ناقابل معافی ہے؟

عنایت فرمائے۔^(۱) (۳۱)

ان لوگوں کو جو بڑے گناہوں سے بچتے ہیں اور بے حیائی سے بھی^(۲) سوائے کسی چھوٹے سے گناہ کے۔^(۳) بیشک تیرا رب بہت کشادہ مغفرت والا ہے، وہ تمہیں بخوبی جانتا ہے جبکہ اس نے تمہیں زمین سے پیدا کیا اور جبکہ تم اپنی

الَّذِينَ يَجْتَنِبُونَ كَبِيرَ الذُّلْمِ وَالْفَوَاحِشِ إِلَّا اللَّمَمَ إِنَّ رَبَّكَ
وَاسِعُ الْمَغْفِرَةِ هُوَ أَعْلَمُ بِكُمْ إِذْ أَنْشَأَكُمْ مِنَ الْأَرْضِ وَإِذْ أَنْتُمْ لِحَيَاتِهِ
فِي بُطُونٍ أُمَّهَاتِكُمْ قَالُوا تِلْكَ أَفْسُكُمُ هُوَ أَعْلَمُ بِمِمَّنْ اتَّبَعِي ۖ

(۱) یعنی ہدایت اور گمراہی اسی کے ہاتھ میں ہے، وہ جس کو چاہتا ہے ہدایت سے نوازتا ہے اور جسے چاہتا ہے، گمراہی کے گڑھے میں ڈال دیتا ہے، تاکہ نیکو کار کو اس کی نیکیوں کا صلہ اور بدکار کو اس کی برائیوں کا بدلہ دے ﴿وَلَهُ مِثَاقُ السُّعُوتِ وَمِثَاقِي الْأَنْفُسِ﴾ یہ جملہ مقررہ ہے اور لَبِخَزِي كَاتِلِقْ غَزَشْتِ لَغْتَكُو سَہ۔ (فتح القدیر)

(۲) كَبِيرٌ، كَبِيرَةٌ کی جمع ہے۔ کبیرہ گناہ کی تعریف میں اختلاف ہے۔ زیادہ اہل علم کے نزدیک ہر وہ گناہ کبیرہ ہے جس پر جنم کی وعید ہے، یا جس کے مرتکب کی سخت مذمت قرآن و حدیث میں مذکور ہے اور اہل علم یہ بھی کہتے ہیں کہ چھوٹے گناہ پر اصرار و دوام بھی اسے کبیرہ گناہ بنا دیتا ہے۔ علاوہ ازیں اس کے معنی اور ماہیت کی تحقیق میں اختلاف کی طرح، اس کی تعداد میں بھی بہت اختلاف ہے۔ بعض علما نے انہیں کتابوں میں جمع بھی کیا ہے۔ جیسے کتاب الکبائر للذہبی اور الزوہر وغیرہ۔ فَوَاحِشُ، فَاحِشَةٌ کی جمع ہے، بے حیائی پر مبنی کام، جیسے زنا، لواطت وغیرہ۔ بعض کہتے ہیں، جن گناہوں میں حد ہے، وہ سب فواحش میں داخل ہیں۔ آج کل بے حیائی کے مظاہر چونکہ بہت عام ہو گئے ہیں، اس لیے بے حیائی کو ”تمذیب“ سمجھ لیا گیا ہے، حتیٰ کہ اب مسلمانوں نے بھی اس ”تمذیب بے حیائی“ کو اپنا لیا ہے۔ چنانچہ گھروں میں ٹی وی، وی سی آر وغیرہ عام ہیں، عورتوں نے نہ صرف پردے کو خیر باد کہہ دیا ہے، بلکہ بن سنور کر اور حسن و جمال کا مجسم اشتہار بن کر باہر نکلنے کو اپنا شعار اور وطیرہ بنا لیا ہے۔ مخلوط تعلیم، مخلوط ادارے، مخلوط مجلسیں اور دیگر بہت سے موقعوں پر مرد و زن کا بے باکانہ اختلاط اور بے محابا گفتگو روز افزوں ہے، دراصل حالیکہ یہ سب ”فواحش“ میں داخل ہیں۔ جن کی بابت یہاں بتلایا جا رہا ہے کہ جن لوگوں کی مغفرت ہونی ہے، وہ کبائر و فواحش سے اجتناب کرنے والے ہوں گے نہ کہ ان میں مبتلا۔

(۳) لَمَمٌ کے لغوی معنی ہیں، کم اور چھوٹا ہونا، اسی سے اس کے یہ استعمالات ہیں اَلْمَمُ بِالْمَكَانِ (مکان میں تھوڑی دیر ٹھہرا) اَلْمَمُ بِالطَّعَامِ (تھوڑا سا کھانا)، اسی طرح کسی چیز کو محض چھو لینا، یا اس کے قریب ہونا، یا کسی کام کو ایک مرتبہ یا دو مرتبہ کرنا، اس پر دوام و استمرار نہ کرنا، یا محض دل میں خیال کا گزرنے، یہ سب صورتیں لَمَمٌ کہلاتی ہیں، (فتح القدیر) اس کے اس مفہوم اور استعمال کی رو سے اس کے معنی صغیرہ گناہ کیے جاتے ہیں۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ کسی بڑے گناہ کے مبادیات کا ارتکاب، لیکن بڑے گناہ سے اجتناب کرنا، یا کسی گناہ کا ایک دو مرتبہ کرنا پھر ہمیشہ کے لیے اسے چھوڑ دینا، یا کسی گناہ کا محض دل میں خیال کرنا لیکن عملاً اس کے قریب نہ جانا، یہ سارے صغیرہ گناہ ہوں گے، جو اللہ تعالیٰ کبائر سے اجتناب کی برکت سے معاف فرمادے گا۔

ماؤں کے پیٹ میں بچے تھے ^(۱) پس تم اپنی پاکیزگی آپ بیان نہ کرو، ^(۲) وہی پرہیزگاروں کو خوب جانتا ہے۔ (۳۲) کیا آپ نے اسے دیکھا جس نے منہ موڑ لیا۔ (۳۳) اور بہت کم دیا اور ہاتھ روک لیا۔ (۳۴) ^(۳) کیا اسے علم غیب ہے کہ وہ (سب کچھ) دیکھ رہا ہے؟ ^(۴) (۳۵)

کیا اسے اس چیز کی خبر نہیں دی گئی جو موسیٰ (علیہ السلام) کے۔ (۳۶)

اور وفادار ابراہیم (علیہ السلام) کے صحیفوں میں تھا۔ (۳۷) کہ کوئی شخص کسی دوسرے کا بوجھ نہ اٹھائے گا۔ (۳۸) اور یہ کہ ہر انسان کے لیے صرف وہی ہے جس کی کوشش خود اس نے کی۔ ^(۵) (۳۹)

اور یہ کہ بیشک اس کی کوشش عنقریب دیکھی

أَفَرَأَيْتَ اللَّذِي تَتَّبِعُ ۝

وَأَخْبَىٰ قَلِيلًا ۝ وَالَّذِي ۝

أَعْنَدْنَا لَهُ عِلْمَ الْغَيْبِ فَهُوَ بَرَىٰ ۝

أَمْ لَمْ يُنَبِّأْ بِمَا فِي صُفِّ مُوسَىٰ ۝

وَأَنبَاهِهِمَ اللَّذِي تَتَّبِعُ ۝

أَلَا سِرُّكَ وَانْفِرَ ۝ وَزَادَ لُحُورَىٰ ۝

وَأَنْ لَّيْسَ لِلْإِنْسَانِ إِلَّا مَا سَأَىٰ ۝

وَأَنَّ سَعْيَهُ سَوْفَ يَرَىٰ ۝

(۱) اَجْنَةُ، جَبَنِ کی جمع ہے جو پیٹ کے بچے کو کہا جاتا ہے، اس لیے کہ یہ لوگوں کی نظروں سے مستور ہوتا ہے۔

(۲) یعنی جب اس سے تمہاری کوئی کیفیت اور حرکت مخفی نہیں، حتیٰ کہ جب تمہاں کے پیٹ میں تھے، جہاں تمہیں کوئی دیکھنے پر قادر نہیں تھا، وہاں بھی تمہارے تمام احوال سے وہ واقف تھا، تو پھر اپنی پاکیزگی بیان کرنے کی اور اپنے منہ میاں مٹھونے کی کیا ضرورت ہے؟ مطلب یہ ہے کہ ایسا نہ کرو۔ تاکہ ریاکاری سے تم بچو۔

(۳) یعنی تھوڑا سادے کر ہاتھ روک لیا۔ یا تھوڑی سی اطاعت کی اور پیچھے ہٹ گیا اَنُذِّیٰ کے اصل معنی ہیں کہ زمین کھودتے کھودتے سخت پتھر آجائے اور کھدائی ممکن نہ رہے۔ بالآخر وہ کھدائی چھوڑ دے تو کہتے ہیں اَنُذِّیٰ یہیں سے اس کا استعمال اس شخص کے لیے کیا جانے لگا جو کسی کو کچھ دے لیکن پورا نہ دے، کوئی کام شروع کرے لیکن اسے پایہ تکمیل تک نہ پہنچائے۔

(۴) یعنی کیا وہ دیکھ رہا ہے کہ اس نے فی سبیل اللہ خرچ کیا تو اس کا مال ختم ہو جائے گا؟ نہیں، غیب کا یہ علم اس کے پاس نہیں ہے بلکہ وہ خرچ کرنے سے گریز محض بخل، دنیا کی محبت اور آخرت پر عدم یقین کی وجہ سے کر رہا ہے اور اطاعت الہی سے انحراف کی وجوہات بھی یہی ہیں۔

(۵) یعنی جس طرح کوئی کسی دوسرے کے گناہ کا ذمے دار نہیں ہو گا، اسی طرح اسے آخرت میں اجر بھی انہی چیزوں کا ملے گا، جن میں اس کی اپنی محنت ہو گی۔ (اس جزا کا تعلق آخرت سے ہے، دنیا سے نہیں۔ جیسا کہ بعض سوشلسٹ قسم

جائے گی۔^(۱) (۳۰)

پھر اسے پورا پورا بدلہ دیا جائے گا۔ (۳۱)
اور یہ کہ آپ کے رب ہی کی طرف پہنچنا ہے۔ (۳۲)
اور یہ کہ وہی ہنساتا ہے اور وہی رلاتا ہے۔ (۳۳)
اور یہ کہ وہی مارتا ہے اور جلاتا ہے۔ (۳۴)
اور یہ کہ اسی نے جوڑا یعنی نروماہ پیدا کیا ہے۔ (۳۵)
نطفہ سے جبکہ وہ ٹپکایا جاتا ہے۔ (۳۶)
اور یہ کہ اسی کے ذمہ دوبارہ پیدا کرنا ہے۔ (۳۷)
اور یہ کہ وہی مالدار بناتا ہے اور سرمایہ دیتا ہے۔ (۳۸)^(۲)

نَحْمِزُهُ الْجَزَاءُ الْآدَنِي ۝
وَأَنَّ إِلَىٰ رَبِّكَ الْمُنْتَهَىٰ ۝
وَأَنَّهُ هُوَ أَضَلُّ وَأَكْبَىٰ ۝
وَأَنَّهُ هُوَ أَمَاتٌ وَأَحْيَا ۝
وَأَنَّهُ خَلَقَ الرُّوحَيْنِ الذَّكَرَ وَالْأُنثَىٰ ۝
مِنْ نُّطْفَةٍ إِذَا تُمْنَىٰ ۝
وَأَنَّ عَلَيْهِ النُّشْأَةَ الْآخِرَىٰ ۝
وَأَنَّهُ هُوَ أَغْنَىٰ وَأَقْنَىٰ ۝

کے اہل علم اس کا یہ مفہوم باور کرا کے غیر حاضر زمینداری اور کرایہ داری کو ناجائز قرار دیتے ہیں) البتہ اس آیت سے ان علما کا استدلال صحیح ہے جو کہتے ہیں کہ قرآن خوانی کا ثواب میت کو نہیں پہنچتا۔ اس لیے کہ یہ مردہ کا عمل ہے نہ اس کی محنت۔ اسی لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی امت کو مردوں کے لیے قرآن خوانی کی ترغیب دی نہ کسی نص یا اشارۃ النص سے اس کی طرف رہنمائی فرمائی۔ اسی طرح صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے بھی یہ عمل منقول نہیں۔ اگر یہ عمل عمل خیر ہو تا تو صحابہ رضی اللہ عنہم اسے ضرور اختیار کرتے۔ اور عبادات و قربات کے لیے نص کا ہونا ضروری ہے، اس میں رائے اور قیاس نہیں چل سکتا۔ البتہ دعا اور صدقہ و خیرات کا ثواب مردوں کو پہنچتا ہے، اس پر تمام علما کا اتفاق ہے، کیونکہ یہ شارع کی طرف سے منصوص ہے۔ اور وہ جو حدیث ہے کہ مرنے کے بعد تین چیزوں کا سلسلہ جاری رہتا ہے، تو وہ بھی دراصل انسان کے اپنے عمل ہیں جو کسی نہ کسی انداز سے اس کی موت کے بعد بھی جاری رہتے ہیں۔ اولاد کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے خود انسان کی اپنی کمائی قرار دیا ہے۔ (سنن النسائی، کتاب السبوع، باب الحث علی الکسب) صدقہ جاریہ، وقف کی طرح انسان کے اپنے آثار عمل ہیں۔ ﴿وَتَنْتَبُؤُا مَا قَدَّمُوا وَآثَارَهُمْ﴾ (یس ۱۲۳) اسی طرح وہ علم جس کی اس نے لوگوں میں نشر و اشاعت کی اور لوگوں نے اس کی اقتدا کی، تو یہ اس کی سعی اور اس کا عمل ہے اور بمصادق حدیث نبوی «مَنْ دَعَا إِلَىٰ هُدًى، كَانَ لَهُ مِنَ الْأَجْرِ مِثْلُ أُجُورِ مَنْ تَبِعَهُ، مَنْ غَيْرِ أَنْ يَنْقُصَ مِنْ أُجُورِهِمْ شَيْئًا». (سنن أبی داود کتاب السنۃ، باب لزوم السنۃ) اقتدا کرنے والوں کا اجر بھی اسے پہنچتا رہے گا۔ اس لیے یہ حدیث، آیت کے منافی نہیں ہے۔ (ابن کثیر)

(۱) یعنی دنیا میں اس نے اچھایا برا جو بھی کیا، چھپ کر کیا یا علانیہ کیا، قیامت والے دن سانسے آجائے گا اور اس پر اسے پوری جزا دی جائے گی۔

(۲) یعنی کسی کو اتنی تو نگری دیتا ہے کہ وہ کسی کا محتاج نہیں ہوتا اور اس کی تمام حاجتیں پوری ہو جاتی ہیں اور کسی کو اتنا

اور یہ کہ وہی شعریٰ (ستارے) کا رب ہے۔^(۱) (۴۹)
 اور یہ کہ اسی نے عا و اول کو ہلاک کیا ہے۔^(۲) (۵۰)
 اور ثمود کو بھی (جن میں سے) ایک کو بھی باقی نہ رکھا۔ (۵۱)
 اور اس سے پہلے قوم نوح کو، یقیناً وہ بڑے ظالم اور
 سرکش تھے۔ (۵۲)
 اور مؤتلفہ (شر یا الٹی ہوئی بستیوں کو) اسی نے
 الٹ دیا۔^(۳) (۵۳)
 پھر اس پر چھا دیا جو چھایا۔^(۴) (۵۴)
 پس اے انسان تو اپنے رب کی کس کس نعمت کے بارے
 میں جھگڑے گا؟^(۵) (۵۵)
 یہ (نبی) ڈرانے والے ہیں پہلے ڈرانے والوں میں
 سے۔ (۵۶)
 آنے والی گھڑی قریب آگئی ہے۔ (۵۷)
 اللہ کے سوا اس کا (وقت معین پر کھول) دکھانے والا اور
 کوئی نہیں۔ (۵۸)
 پس کیا تم اس بات سے تعجب کرتے ہو؟^(۶) (۵۹)

وَأَنَّهُ هُوَ رَبُّ الشَّعَرَى ۝
 وَأَنَّهُ أَهْلَكَ عَادًا الْأُولَى ۝
 وَثَمُودَ أَفْئَا بَنِي ۝
 وَقَوْمَ نُوحٍ مِّن قَبْلُ إِنَّهُمْ كَانُوا هُمْ أَظْلَمَ وَأَطْغَى ۝
 وَالْمُؤْتَفِكَةَ أَهْوَى ۝
 فَغَشَّاهَا مَا عَشَى ۝
 فَيَأْتِي آلَهِ إِلَهِ رَبِّكَ تَتَمَارَى ۝
 هَذَا نَذِيرٌ مِّنَ النَّذِيرِ الْأُولَى ۝
 أَنزَلْنَا إِلَافَةً ۝
 لِّئَلَّيْ لَهَا مِّن دُونِ اللَّهِ كَاشِفَةٌ ۝
 أَفَعِمْ هَذَا الْعِبَادِيَّتِ نَعْبُودُونَ ۝

سرمایہ دے دیتا ہے کہ اس کے پاس ضرورت سے زائد بیج رہتا ہے اور وہ اس کو جمع کر کے رکھتا ہے۔

(۱) رب تو وہ ہر چیز کا ہے، یہاں اس ستارے کا نام اس لیے لیا ہے کہ بعض عرب قبائل اس کو پوجا کرتے تھے۔

(۲) قوم عاد کو اولیٰ اس لیے کہا کہ یہ ثمود سے پہلے ہوئی، یا اس لیے کہ قوم نوح کے بعد سب سے پہلے یہ قوم ہلاک کی گئی۔ بعض کہتے ہیں، عاد نامی دو قومیں گزری ہیں، یہ پہلی ہے جسے بادِ تند سے ہلاک کیا گیا جب کہ دوسری زمانے کی گردشوں کے ساتھ مختلف ناموں سے چلتی اور بکھرتی ہوئی موجود رہی۔

(۳) اس سے مراد حضرت لوط علیہ السلام کی بستیاں ہیں، جن کو ان پر الٹ دیا گیا۔

(۴) یعنی اس کے بعد ان پر پتھروں کی بارش ہوئی۔

(۵) یا شک کرے گا اور ان کو جھٹلائے گا، جب کہ وہ اتنی عام اور واضح ہیں کہ ان کا انکار ممکن ہے نہ ان کا انخابی۔

(۶) بات سے مراد قرآن کریم ہے، یعنی اس سے تم تعجب کرتے اور اس کا استہزا کرتے ہو، حالانکہ اس میں نہ تعجب والی

وَصَحَلُونَ وَلَا يَتَّبِعُونَ ۝

وَأَنْتُمْ سَامِدُونَ ۝

فَاعْبُدُوا لِلَّهِ وَاعْبُدُوا ۝

اور نہس رہے ہو؟ روتے نہیں؟ (۶۰)

(بلکہ) تم کھیل رہے ہو۔ (۶۱)

اب اللہ کے سامنے سجدے کرو اور (اسی کی) عبادت

کرو۔ (۶۲) (۱)



سورہ قمر کی ہے اور اس میں پچپن آیتیں اور
تین رکوع ہیں۔



شروع کرتا ہوں اللہ تعالیٰ کے نام سے جو بڑا مہربان
نہایت رحم والا ہے۔

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

قیامت قریب آگئی (۲) اور چاند پھٹ گیا۔ (۳) (۱)

إِقْرَأْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِي خَلَقَ ۝

کوئی بات ہے نہ استہزا و تکذیب والی۔

(۱) یہ مشرکین اور مکذبین کی توبیخ کے لیے حکم دیا۔ یعنی جب ان کا معاملہ یہ ہے کہ وہ قرآن کو ماننے کے بجائے، اس کا استہزا و استخفاف کرتے ہیں اور ہمارے پیغمبر کے وعظ و نصیحت کا کوئی اثر ان پر نہیں ہو رہا ہے، تو اے مسلمانو! تم اللہ کی بارگاہ میں جھک کر اور اس کی عبادت و اطاعت کا مظاہرہ کر کے قرآن کی تعظیم و توقیر کا اہتمام کرو۔ چنانچہ اس حکم کی تعمیل میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اور صحابہ نے سجدہ کیا، حتیٰ کہ اس وقت مجلس میں موجود کفار نے بھی سجدہ کیا۔ جیسا کہ احادیث میں ہے۔

☆ یہ بھی ان سورتوں میں سے ہے جنہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز عید میں پڑھا کرتے تھے۔ کَمَا مَرَّ۔

(۲) ایک توبہ اعتبار اس زمانے کے جو گزر گیا، کیونکہ جو باقی ہے، وہ تھوڑا ہے۔ دوسرے ہر آنے والی چیز قریب ہی ہے۔ چنانچہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اپنی بابت فرمایا کہ میرا وجود قیامت سے متصل ہے، یعنی میرے اور قیامت کے درمیان کوئی نبی نہیں آئے گا۔

(۳) یہ وہ معجزہ ہے جو اہل مکہ کے مطالبے پر دکھایا گیا، چاند کے دو ٹکڑے ہو گئے حتیٰ کہ لوگوں نے حرا پہاڑ کو اس کے درمیان دیکھا۔ یعنی اس کا ایک ٹکڑا پہاڑ کے اس طرف اور ایک ٹکڑا اس طرف ہو گیا۔ (صحیح بخاری، کتاب مناقب الانصار، باب انشقاق القمر و تفسیر سورة اقترعت الساعة - و صحیح مسلم کتاب صفۃ القيامة، باب انشقاق القمر) جمہور سلف و خلف کا یہی مسلک ہے (فتح القدیر) امام ابن کثیر لکھتے ہیں ”علا کے درمیان یہ بات متفق علیہ ہے کہ انشقاق قمر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں ہوا اور یہ آپ ﷺ کے واضح معجزات میں سے ہے، صحیح سند سے ثابت احادیث متواترہ اس پر دلالت کرتی ہیں۔“

وَلَنْ يَرَوُا إِلَهَهُمْ يُعْرَضُونَ لِصُورِهِمْ ۖ يَتَذَكَّرُ ۝۱

وَكَذَّبُوا وَابْتَعُوا أَهْوَاءَهُمْ وَكُنْ أَمْرًا مُتَّبِعًا ۝۲

وَلَقَدْ جَاءَهُمْ مِنَ الْآيَاتِ مَا فِيهِ مُزْمِرٌ ۝۳

حِكْمَةٌ بَالِغَةٌ ۖ فَمَا تُغْنِ التُّذُرُ ۝۴

فَتَوَلَّوْا عَنْهُمْ مُرِيدَ الدَّاعِ إِلَىٰ مَعَىٰ مُكْرٍ ۝۵

خُشِعْنَا أَبْصَارُكُمْ تَتَفَرَّقُونَ مِنَ الْأَجْدَاثِ كَمَا تَقُولُونَ ۖ مُدْمِنِينَ ۝۶

یہ اگر کوئی معجزہ دیکھتے ہیں تو منہ پھیر لیتے ہیں اور کہہ دیتے ہیں کہ یہ پہلے سے چلا آتا ہوا جادو ہے۔^(۱)

انہوں نے جھٹلایا اور اپنی خواہشوں کی پیروی کی اور ہر کام ٹھہرے ہوئے وقت پر مقرر ہے۔^(۲)

یقیناً ان کے پاس وہ خبریں آچکی ہیں^(۳) جن میں ڈانٹ ڈپٹ (کی نصیحت) ہے۔^(۴)

اور کامل عقل کی بات ہے^(۵) لیکن ان ڈراؤنی باتوں نے بھی کچھ فائدہ نہ دیا۔^(۶)

پس (اے نبی) تم ان سے اعراض کرو جس دن ایک پکارنے والا ناگوار چیز کی طرف پکارے گا۔^(۷)

یہ جھکی آنکھوں قبروں سے اس طرح نکل کھڑے ہوں

(۱) یعنی قریش نے ایمان لانے کے بجائے اسے جادو قرار دے کر اپنے اعراض کی روش برقرار رکھی۔

(۲) یہ کفار کہہ کی تکذیب اور اتباع اہوا کی تردید و بطلان کے لیے فرمایا کہ ہر کام کی ایک غایت اور انتہا ہے، وہ کام اچھا ہو یا برا۔ یعنی بلاخراس کا نتیجہ نکلے گا، اچھے کام کا نتیجہ اچھا اور برے کام کا برا۔ اس نتیجے کا ظہور دنیا میں بھی ہو سکتا ہے اگر اللہ کی مشیت مقتضی ہو، ورنہ آخرت میں تو یقینی ہے۔

(۳) یعنی گزشتہ امتوں کی ہلاکت کی، جب انہوں نے تکذیب کی۔

(۴) یعنی ان میں عبرت و نصیحت کے پہلو ہیں، کوئی ان سے سبق حاصل کر کے شرک و معصیت سے بچنا چاہے تو بچ سکتا ہے۔ مُزْدَجَر اصل میں مُزْتَجَر ہے ذُخْر سے مصدر میسی۔

(۵) یعنی ایسی بات جو تباہی سے پھیر دینے والی ہے یا یہ قرآن حکمت بالغہ ہے جس میں کوئی نقص یا خلل نہیں ہے۔ یا اللہ تعالیٰ جس کو ہدایت دے اور اس کو گمراہ کرے، اس میں بڑی حکمت ہے جس کو وہی جانتا ہے۔

(۶) یعنی جس کے لیے اللہ نے شقاوت لکھ دی ہے اور اس کے دل پر مر لگا دی ہے، اس کو پیغمبروں کا ڈراؤ کیا فائدہ پہنچا سکتا ہے؟ اس کے لیے تو ﴿سَوَاءٌ عَلَيْهِمْ أُنذِرْتَهُمْ أَمْ لَمْ تُنذِرْهُمْ﴾ والی بات ہے۔ تقریباً اسی مفہوم کی یہ آیت ہے۔

﴿قُلْ فَلِلَّهِ الْخَلْقُ كُلُّهُ أَلْبَلَاءُ ۖ فَلَوْ شَاءَ لَهَدَاكُمْ أَجْمَعِينَ﴾ (الانعام: ۱۳۹)

(۷) یوم سے پہلے اذکر مخدوف ہے، یعنی اس دن کو یاد کرو۔ نُكْرُ، نہایت ہولناک اور دہشت ناک مراد میدان محشر اور موقف حساب کے اہوال اور آزمائشیں ہیں۔

گے کہ گویا وہ پھیلا ہوا مڈی دل ہے۔^(۷)
 پکارنے والے کی طرف دوڑتے ہوں گے^(۸) اور کافر
 کہیں گے یہ دن تو بہت سخت ہے۔ (۸)
 ان سے پہلے قوم نوح نے بھی ہمارے بندے کو جھٹلایا تھا
 اور دیوانہ بننا کر جھڑک دیا گیا تھا۔^(۹)
 پس اس نے اپنے رب سے دعا کی کہ میں بے بس ہوں تو
 میری مدد کر۔ (۱۰)
 پس ہم نے آسمان کے دروازوں کو زور کے مینہ سے
 کھول دیا۔^(۱۱)
 اور زمین سے چشموں کو جاری کر دیا پس اس کام کے لئے
 جو مقدر کیا گیا تھا (دونوں) پانی جمع ہو گئے۔^(۱۲)
 اور ہم نے اسے تختوں اور کیلوں والی (کشتی) پر سوار کر
 لیا۔^(۱۳)
 جو ہماری آنکھوں کے سامنے چل رہی تھی۔ بدلہ اس کی
 طرف سے جس کافر کیا گیا تھا۔ (۱۴)

مُهْطِعِينَ إِلَى النَّارِ يَقُولُ الْكَافِرُونَ هَذَا يَوْمُ عَرُسٍ ۖ

كَذَّبَتْ قَبْلَهُمْ قَوْمُ نُوحٍ فَكَذَّبُوا عَبْدَنَا وَقَالُوا
 مَجْنُونٌ وَازْدُجِرَ ۖ

فَدَعَا رَبِّي أَنِّي مَغْلُوبٌ فَانْتَصِرَ ۖ

فَفَتَحْنَا أَبْوَابَ السَّمَاءِ بِمَاءٍ مُنْهَمِرٍ ۖ

وَجَعَلْنَا الْأَرْضَ عَيْوُنًا فَالتَقَى الْمَاءُ عَلَى أَمْرٍ قَدْ دَرَّ ۖ

وَصَلَّاهُ عَلَى ذَاتِ الْأَوَامِرِ وَدُجِرَ ۖ

فَتَجَرَّ بِأَعْيُنِنَا زَكَرِيَّا إِذْ كَانَ كَافِرًا ۖ

(۱) یعنی قبروں سے نکل کر وہ اس طرح پھیلیں گے اور موقف حساب کی طرف اس طرح نہایت تیزی سے جائیں گے،
 گویا مڈی دل ہے جو آنا فنا فضاے بسط میں پھیل جاتا ہے۔

(۲) مُهْطِعِينَ، مُسْرِعِينَ، دوڑیں گے، پیچھے نہیں رہیں گے۔

(۳) وَازْدُجِرَ وَازْتَجَرَ ہے، یعنی قوم نوح نے نوح علیہ السلام کی تکذیب ہی نہیں کی، بلکہ انہیں جھڑکا اور ڈرایا دھمکایا
 بھی۔ جیسے دوسرے مقام پر فرمایا ﴿لَئِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّونَ الْكَافِرِينَ لَتَكُونُنَّ مِنَ الْمَرْجُومِينَ﴾ (الشعراء: ۱۱۱) ”اے نوح! اگر تو باز
 نہ آیا تو تجھے سنگسار کر دیا جائے گا۔“

(۴) مُنْهَمِرٌ، بمعنی کثیر یا زوردار ہَمَرٌ، صَبٌّ (بننے) کے معنی میں آتا ہے۔ کہتے ہیں کہ چالیس دن تک مسلسل خوب
 زور سے پانی برساتا رہا۔

(۵) یعنی آسمان اور زمین کے پانی نے مل کر وہ کام پورا کر دیا جو قضا و قدر میں لکھ دیا گیا تھا یعنی طوفان بن کر سب کو غرق کر دیا۔

(۶) دُسْرَ دِسَار کی جمع، وہ رسیاں، جن سے کشتی کے تختے باندھے گئے، یا وہ کیلیں اور میخیں جن سے کشتی کو جوڑا گیا۔

وَلَقَدْ تَرَكْنَاهَا آيَةً فَهَلْ مِنْ مُدَكِّرٍ ⑩

اور بیشک ہم نے اس واقعہ کو نشانی بنا کر^(۱) باقی رکھا پس کوئی ہے نصیحت حاصل کرنے والا۔^(۲) (۱۵)

فَكَيْفَ كَانَ عَذَابِي وَنُذِرِ ⑪

بتاؤ میرا عذاب اور میری ڈرانے والی باتیں کیسی رہیں؟ (۱۶)

وَلَقَدْ نَزَّلْنَا الْقُرْآنَ لِلَّذِينَ هُمْ مِنْ مُدَكِّرٍ ⑫

اور بیشک ہم نے قرآن کو سمجھنے کے لیے آسان کر دیا ہے^(۳) پس کیا کوئی نصیحت حاصل کرنے والا ہے؟ (۱۷)

كَذَّبَتْ عَادٌ فَكَيْفَ كَانَ عَذَابِي وَنُذِرِ ⑬

قوم عاد نے بھی جھٹلایا پس کیسا ہوا میرا عذاب اور میری ڈرانے والی باتیں۔ (۱۸)

إِنَّا أَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ نوحًا مُبْتَلًى ⑭

ہم نے ان پر تیز و تند مسلسل چلنے والی ہوا، ایک پیغمبر منحوس دن میں بھیج دی۔^(۴) (۱۹)

(۱) تَرَكْنَاهَا میں ضمیر کا مرجع سَفِينَةٌ ہے۔ يَافِعِلَةٌ۔ یعنی تَرَكْنَاهَا هَذِهِ الْفِعْلَةُ الَّتِي فَعَلْنَاهَا بِهِمْ عِبْرَةً وَمَوْعِظَةً (فتح القدير)

(۲) مُدَكِّرٌ اصل میں مُذَكِّرٌ ہے۔ تاکو دال سے بدل دیا گیا اور ذال معممہ کو دال بنا کر، دال کا دال میں ادغام کر دیا گیا۔ معنی ہیں عبرت پکڑنے اور نصیحت حاصل کرنے والا۔ (فتح القدير)

(۳) یعنی اس کے مطالب و معانی کو سمجھنا، اس سے عبرت و نصیحت حاصل کرنا اور اسے زبانی یاد کرنا ہم نے آسان کر دیا ہے۔ چنانچہ یہ واقعہ ہے کہ قرآن کریم اعجاز و بلاغت کے اعتبار سے نہایت اونچے درجے کی کتاب ہونے کے باوجود، کوئی شخص تھوڑی سی توجہ دے تو وہ عربی گرامر اور معانی و بلاغت کی کتابیں پڑھے بغیر بھی اسے آسانی سے سمجھ لیتا ہے، اسی طرح یہ دنیا کی واحد کتاب ہے، جو لفظ بہ لفظ یاد کر لی جاتی ہے ورنہ چھوٹی سی چھوٹی کتاب کو بھی اس طرح یاد کر لینا اور اسے یاد رکھنا نہایت مشکل ہے۔ اور انسان اگر اپنے قلب و ذہن کے در پیچہ و وارکھ کر اسے عبرت کی آنکھوں سے پڑھے، نصیحت کے کانوں سے سنے اور سمجھنے والے دل سے اس پر غور کرے تو دنیا و آخرت کی سعادت کے دروازے اس کے لیے کھل جاتے ہیں اور یہ اس کے قلب و دماغ کی گہرائیوں میں اتر کر کفر و معصیت کی تمام آلودگیوں کو صاف کر دیتی ہے۔

(۴) کہتے ہیں یہ بدھ کی شام تھی، جب اس تند، بخ اور شاں شاں کرتی ہوئی ہوا کا آغاز ہوا، پھر مسلسل ۷ راتیں اور ۸ دن چلتی رہی۔ یہ ہوا گھروں اور قلعوں میں بند انسانوں کو بھی وہاں سے اٹھاتی اور اس طرح زور سے انہیں زمین پر پٹختی کہ ان کے سران کے دھڑوں سے الگ ہو جاتے۔ یہ دن ان کے لیے عذاب کے اعتبار سے منحوس ثابت ہوا۔ اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ بدھ کے دن میں یا کسی اور دن میں نحوست ہے، جیسا کہ بعض لوگ سمجھتے ہیں۔ مُسْتَمِرٌّ کا مطلب یہ عذاب اس وقت تک جاری رہا جب تک سب ہلاک نہیں ہو گئے۔

تَذَرُ النَّاسَ كَمَا لَهُمْ أَجَازُ نَحْلٍ مُنْقَعِرٍ ①

جو لوگوں کو اٹھا اٹھا کر دے پختی تھی، گویا کہ وہ جڑ سے کٹے ہوئے کھجور کے تنے ہیں۔^(۱) (۲۰)

فَلَيْفَ كَانَ عَذَابِي وَنُذْرٍ ②

پس کیسی رہی میری سزا اور میرا ڈرانا؟ (۲۱)

وَلَعَدَّ يَسَّرْنَا الْقُرْآنَ لِلَّذِينَ هُمْ مِنْ مُذَكِّرٍ ③

یقیناً ہم نے قرآن کو نصیحت کے لیے آسان کر دیا ہے، پس کیا ہے کوئی نصیحت حاصل کرنے والا؟ (۲۲)

كَذَّبَتْ ثَمُودُ بِالنُّذُرِ ④

قوم ثمود نے ڈرانے والوں کو جھٹلایا۔ (۲۳)

فَقَالُوا أَبْتَرَأْتُمْ إِلَهُاتِكُمْ إِنَّ إِلَهُنَا لَلْغَىٰ صَالِحٌ ⑤

اور کہنے لگے کیا ہمیں میں سے ایک شخص کی ہم فرمانبرداری کرنے لگیں؟ تب تو ہم یقیناً غلطی اور دیوانگی میں پڑے ہوئے ہوں گے۔^(۲) (۲۴)

إِلَهُنَّ الذِّكْرُ عَلَيْهِمْ مِنْ بَيْنَاتٍ لَنْ هُوَ كَذَّابٌ ⑥

کیا ہمارے سب کے درمیان صرف اسی پر وحی اتاری گئی؟ نہیں بلکہ وہ جھوٹا شیخی خور ہے۔^(۳) (۲۵)

سَيَعْلَمُونَ عَذَابِ الْكَذَّابِ الْكَاشِرِ ⑦

اب سب جان لیں گے کل کو کہ کون جھوٹا اور شیخی خور تھا؟^(۴) (۲۶)

إِنَّمَا تُرِيدُوا النَّارَ فَزِدْنَاهُمْ فَأَذِقْنَاهُمْ وَأَصْطَفَيْنَا ⑧

بیشک ہم ان کی آزمائش کے لیے اونٹنی بھیجیں گے۔^(۵)

(۱) یہ درازی قد کے ساتھ ان کی بے بسی اور لاچارگی کا بھی اظہار ہے کہ عذاب الہی کے سامنے وہ کچھ نہ کر سکے دراصل حالیکہ انہیں اپنی قوت و طاقت پر بڑا گھمنڈ تھا۔ اَعْجَازُ، عَجَزَ کی جمع ہے، جو کسی چیز کے پچھلے حصے کو کہتے ہیں۔ مُنْقَعِرٌ، اپنی جڑ سے اکھڑ جانے اور کٹ جانے والا۔ یعنی کھجور کے ان تنوں کی طرح، جو اپنی جڑ سے اکھڑا اور کٹ چکے ہوں، ان کے لاشے زمین پر پڑے ہوئے تھے۔

(۲) یعنی ایک بشر کو رسول مان لینا، ان کے نزدیک گمراہی اور دیوانگی تھی۔ سَعِيرٌ، سَعِيرٌ کی جمع ہے، آگ کی لپٹ۔ یہاں اس کو دیوانگی یا شدت و عذاب کے مفہوم میں استعمال کیا گیا ہے۔

(۳) اَشِيرٌ، بمعنی مُتَكَبِّرٌ، یا کذب میں حد سے تجاوز کرنے والا، یعنی اس نے جھوٹ بھی بولا ہے تو بہت بڑا۔ کہ مجھ پر وحی آتی ہے۔ بھلا ہم میں سے صرف اسی ایک پر وحی آتی تھی؟ یا اس ذریعے سے ہم پر اپنی بڑائی جتنا اس کا مقصود ہے۔

(۴) یہ خود پیغمبر پر الزام تراشی کرنے والے۔ یا حضرت صالح علیہ السلام؟ جن کو اللہ نے وحی و رسالت سے نوازا۔ عَذَا، یعنی کل سے مراد قیامت کا دن ہے یا دنیا میں ان کے لیے عذاب کا مقررہ دن۔

(۵) کہ یہ ایمان لاتے ہیں یا نہیں؟ یہ وہی اونٹنی ہے جو اللہ نے خود ان کے کہنے پر پتھر کی ایک چٹان سے ظاہر فرمائی تھی۔

پس (اے صالح) تو ان کا منتظر رہ اور صبر کر۔^(۱) (۲۷)
 ہاں انہیں خبر کر دے کہ پانی ان میں تقسیم شدہ ہے،^(۲) ہر
 ایک اپنی باری پر حاضر ہو گا۔^(۳) (۲۸)
 انہوں نے اپنے ساتھی کو آواز دی^(۴) جس نے (اونٹنی
 پر) وار کیا^(۵) اور (اس کی) کوچیں کاٹ دیں۔ (۲۹)
 پس کیوں کر ہوا میرا عذاب اور میرا ڈرانا۔^(۶) (۳۰)
 ہم نے ان پر ایک چیخ بھیجی پس ایسے ہو گئے جیسے باڑ
 بنانے والے کی روندی ہوئی گھاس۔^(۷) (۳۱)
 اور ہم نے نصیحت کے لیے قرآن کو آسان کر دیا ہے پس
 کیا ہے کوئی جو نصیحت قبول کرے۔ (۳۲)
 قوم لوط نے بھی ڈرانے والوں کی تکذیب کی۔ (۳۳)
 بیشک ہم نے ان پر پتھر برسائے والی ہوا بھیجی^(۸) سوائے

وَنَبِّئُهُمُ أَنَّ الْمَاءَ مَنَسَّ بَيْنَهُمْ كُلَّ شَرْبٍ مُّخْتَصِرٌ ۝

فَنَادَا وَاصِلُهُمْ مَّتَاعًا لَّيْ قَعَقَرَ ۝

كَيْفَ كَانَ عَذَابِي وَنُذْرٌ ۝

إِنَّا أَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ صَيْحَةً وَاحِدَةً فَكَانُوا

كَهَشِيمٍ الْمُخْتَطِرِ ۝

وَلَقَدْ يَتْرَأُ الْقُرْآنَ لِلَّذِينَ هُمْ مِنْ مُّذَكِّرٍ ۝

كَذَّبَتْ قَوْمُ لُوطٍ بِالنُّذْرِ ۝

إِنَّا أَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ حَاصِبًا إِلَّا لُوطًا نَّجَّيْنَاهُ بِمَنْعِهِ ۝

(۱) یعنی دیکھ کہ یہ اپنے وعدے کے مطابق ایمان کا راستہ اپناتے ہیں یا نہیں؟ اور ان کی ایذاؤں پر صبر کر۔

(۲) یعنی ایک دن اونٹنی کے پانی پینے کے لیے اور ایک دن قوم کے پانی پینے کے لیے۔

(۳) مطلب ہے ہر ایک کا حصہ اس کے ساتھ ہی خاص ہے جو اپنی اپنی باری پر حاضر ہو کر وصول کرے دوسرا اس روز نہ آئے شُرَب، حصہ آب۔

(۴) یعنی جس کو انہوں نے اونٹنی کو قتل کرنے کے لیے آمادہ کیا تھا، جس کا نام قدار بن سالف بتلایا جاتا ہے، اس کو پکارا کہ وہ اپنا کام کرے۔

(۵) یا تلوار یا اونٹنی کو پکڑا اور اس کی ٹانگیں کاٹ دیں اور پھر اسے ذبح کر دیا۔ بعض نے فَتَعَاطَى کے معنی فَجَسَسَ کیے ہیں، پس اس نے جسارت کی۔

(۶) حَظِيرَةٌ، بمعنی مَحْظُورَةٌ، باڑ جو خشک جھاڑیوں اور لکڑیوں سے جانوروں کی حفاظت کے لیے بنائی جاتی ہے۔ مُخْتَطِرٌ اسم فاعل ہے صَاحِبِ الْحَظِيرَةِ۔ هَشِيمٌ خشک گھاس یا کٹی ہوئی خشک کھیتی یعنی جس طرح ایک باڑ بنانے والے کی خشک لکڑیاں اور جھاڑیاں مسلسل روندے جانے کی وجہ سے چورا چورا ہو جاتی ہیں وہ بھی اس باڑ کی مانند ہمارے عذاب سے چورا ہو گئے۔

(۷) یعنی ایسی ہوا بھیجی جو ان کو کنکریاں مارتی تھی۔ یعنی ان کی ہتھیلیوں کو ان پر ٹاندا دیا گیا، اس طرح کہ ان کا اوپر والا حصہ نیچے اور نیچے والا حصہ اوپر، اس کے بعد ان پر کھنگر پتھروں کی بارش ہوئی جیسا کہ سورہ ہود وغیرہ میں تفصیل گزری۔

لوط (علیہ السلام) کے گھروالوں کے، انہیں ہم نے سحر کے وقت نجات دے دی۔^(۱) (۳۴)

اپنے احسان سے^(۲) ہر ہر شکر گزار کو ہم اسی طرح بدلہ دیتے ہیں۔ (۳۵)

یقیناً (لوط علیہ السلام) نے انہیں ہماری پکڑ سے ڈرایا^(۳) تھا لیکن انہوں نے ڈرانے والوں کے بارے میں (شک و شبہ اور) جھگڑا کیا۔^(۴) (۳۶)

اور ان (لوط علیہ السلام) کو ان کے مہمانوں کے بارے میں پھسلایا^(۵) پس ہم نے ان کی آنکھیں اندھی کر دیں،^(۶) (اور کہہ دیا) میرا عذاب اور میرا ڈرانا چکھو۔ (۳۷)

اور یقینی بات ہے کہ انہیں صبح سویرے ہی ایک جگہ

رَقَبَهُ مِّنْ عِنْدِنَا كَذَلِكَ نَجْزِي مَنْ شَكَرَ ﴿۳۴﴾

وَلَقَدْ آتَيْنَاهُمْ بَشْرًا فَمَكَرُوا فَأَمَّا زَوْا بِالْثَّغْرِ ﴿۳۵﴾

وَلَقَدْ آتَيْنَاهُمْ بَشْرًا فَمَكَرُوا فَأَمَّا زَوْا بِالْثَّغْرِ ﴿۳۵﴾

وَلَقَدْ مَتَّعْنَاهُمْ بَشْرًا فَمَكَرُوا فَأَمَّا زَوْا بِالْثَّغْرِ ﴿۳۶﴾

(۱) آل لوط سے مراد خود حضرت لوط علیہ السلام اور ان پر ایمان لانے والے لوگ ہیں، جن میں حضرت لوط علیہ السلام کی بیوی شامل نہیں، کیونکہ وہ مومنہ نہیں تھی، البتہ حضرت لوط علیہ السلام کی دو بیٹیاں ان کے ساتھ تھیں، جن کو نجات دی گئی۔ سحر سے مراد رات کا آخری حصہ ہے۔

(۲) یعنی ان کو عذاب سے بچانا، یہ ہماری رحمت اور احسان تھا جو ان پر ہوا۔

(۳) یعنی عذاب آنے سے پہلے، ہماری سخت گرفت سے ڈرایا تھا۔

(۴) لیکن انہوں نے اس کی پروا نہیں کی بلکہ شک کیا اور ڈرانے والوں سے جھگڑتے رہے۔

(۵) یا بھلایا یا مانگا لوط علیہ السلام سے ان کے مہمانوں کو۔ مطلب یہ ہے کہ جب لوط علیہ السلام کی قوم کو معلوم ہوا کہ چند خور و نو جوان لوط علیہ السلام کے ہاں آئے ہیں (جو دراصل فرشتے تھے اور ان کو عذاب دینے کے لیے ہی آئے تھے) تو انہوں نے حضرت لوط علیہ السلام سے مطالبہ کیا کہ ان مہمانوں کو ہمارے سپرد کر دیں تاکہ ہم اپنے بگڑے ہوئے ذوق کی ان سے تسکین کریں۔

(۶) کہتے ہیں کہ یہ فرشتے جبرائیل میکائیل اور اسرافیل علیہم السلام تھے۔ جب انہوں نے بد فعلی کی نیت سے فرشتوں (مہمانوں) کو لینے پر زیادہ اصرار کیا تو جبرائیل علیہ السلام نے اپنے پر کا ایک حصہ انہیں مارا، جس سے ان کی آنکھوں کے ڈھیلے ہی باہر نکل آئے، بعض کہتے ہیں، صرف آنکھوں کی بصارت زائل ہوئی، بہر حال عذاب عام سے پہلے یہ عذاب خاص ان لوگوں کو پہنچا جو حضرت لوط علیہ السلام کے پاس بد نیتی سے آئے تھے۔ اور آنکھوں سے یا بینائی سے محروم ہو کر گھر پہنچے۔ اور پھر صبح اس عذاب عام میں تباہ ہو گئے جو پوری قوم کے لیے آیا۔ (تفسیر ابن کثیر)

فَذُوقُوا عَذَابِي وَنَذِيرِ ۝

وَلَقَدْ يَمَنُّنَا الْعُرَّانُ لِلَّذِي كَفَّ عَنْهُمْ مِنْ مِّنْكَ ۝

وَلَقَدْ جَاءَ آلَ فِرْعَوْنَ النُّذُرُ ۝

لَّكَؤُوبًا لَّيْسَ تَالِخُهَا فَأَخَذْنَاهُمْ أَخَذَ عَزِيزٌ مُّقْتَدِرٌ ۝

الْقَارِعَةُ حَذِيرٌ مِّنْ أُولَئِكَ أَمْ لَكُمْ بَرَاءَةٌ فِي الزُّبُرِ ۝

أَمْ يَتْلُونَ عَنْ جَنِينٍ مُّنتَهَرٍ ۝

پکڑنے والے مقررہ عذاب نے غارت کر دیا۔^(۱) (۳۸)
پس میرے عذاب اور میرے ڈراوے کا مزہ چکھو۔ (۳۹)
اور یقیناً ہم نے قرآن کو پسند و وعظ کے لیے آسان کر دیا
ہے۔^(۲) پس کیا کوئی ہے نصیحت پکڑنے والا۔ (۴۰)
اور فرعونوں کے پاس بھی ڈرانے والے آئے۔^(۳) (۴۱)
انہوں نے ہماری تمام نشانیاں جھٹلائیں پس ہم نے انہیں
بڑے غالب قوی پکڑنے والے کی طرح پکڑ لیا۔^(۴) (۴۲)
(اے قریشیو!) کیا تمہارے کافران کافروں سے کچھ بہتر
ہیں؟^(۵) یا تمہارے لیے اگلی کتابوں میں چھٹکارا لکھا ہوا
ہے؟^(۶) (۴۳)
یا یہ کہتے ہیں کہ ہم غلبہ پانے والی جماعت ہیں۔^(۷) (۴۴)

- (۱) یعنی صبح ان کے پاس عذاب مستقر آگیا۔ مستقر کے معنی ان پر نازل ہونے والا جو انہیں ہلاک کیے بغیر نہ چھوڑے۔
- (۲) تیسیر قرآن کا اس سورت میں بار بار ذکر کرنے سے مقصود یہ ہے کہ یہ قرآن اور اس کے فہم و حفظ کو آسان کر دینا، اللہ کا احسان عظیم ہے، اس کے شکر سے انسان کو کبھی غافل نہیں ہونا چاہیے۔
- (۳) نَذُرٌ، نَذِيرٌ (ڈرانے والا) کی جمع ہے یا بمعنی اِنذَارٍ مصدر ہے۔ (فتح القدیر)
- (۴) وہ نشانیاں جن کے ذریعے سے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرعون اور فرعونوں کو ڈرایا۔ یہ نو نشانیاں تھیں جن کا ذکر پہلے گزر چکا ہے۔
- (۵) یعنی ان کو ہلاک کر دیا، کیونکہ وہ عذاب ایسے غالب کی گرفت تھی جو انتقام لینے پر قادر ہے، اس کی گرفت کے بعد کوئی بچ نہیں سکتا۔
- (۶) یہ استفہام انکار یعنی نفی کے لیے ہے۔ یعنی اے اہل عرب! تمہارے کافر گزشتہ کافروں سے بہتر نہیں ہیں، جب وہ اپنے کفر کی وجہ سے ہلاک کر دیئے گئے، تو تم جب کہ تم ان سے بدتر ہو، عذاب سے سلامتی کی امید کیوں رکھتے ہو؟
- (۷) ذُبُرٌ سے مراد گزشتہ انبیاء پر نازل شدہ کتابیں ہیں۔ یعنی کیا تمہاری بابت کتب منزلہ میں صراحت کر دی گئی ہے کہ یہ قریش یا عرب جو مرضی کرتے رہیں، ان پر غالب نہیں آئے گا۔
- (۸) تعداد کی کثرت اور وسائل قوت کی وجہ سے، کسی اور کا ہم پر غالب آنے کا امکان نہیں۔ یا مطلب ہے کہ ہمارا معاملہ مجتمع ہے، ہم دشمن سے انتقام لینے پر قادر ہیں۔

عنقریب یہ جماعت شکست دی جائے گی اور پیٹھ دے کر بھاگے گی۔^(۱) (۳۵)

بلکہ قیامت کی گھڑی ان کے وعدے کے وقت ہے اور قیامت بڑی سخت اور کڑوی چیز ہے۔^(۲) (۳۶)

بیشک گناہ گار گمراہی میں اور عذاب میں ہیں۔ (۳۷) جس دن وہ اپنے منہ کے بل آگ میں گھسیٹے جائیں گے (اور ان سے کہا جائے گا) دوزخ کی آگ لگنے کے مزے چکھو۔^(۳) (۳۸)

بیشک ہم نے ہر چیز کو ایک (مقررہ) اندازے پر پیدا کیا ہے۔^(۴) (۳۹)

اور ہمارا حکم صرف ایک دفعہ (کا ایک کلمہ) ہی ہوتا ہے جیسے آنکھ کا جھپکنا۔ (۵۰)

سَيَهْمُ الْجَمْعُ وَيُوَلُّونَ الدُّبُرَ ۝

بَلِ السَّاعَةُ مَوْعِدُهُمُ وَالسَّاعَةُ أَذًى وَأَمْرٌ ۝

إِنَّ الْمَغْرِبِينَ فِي صَلَٰتِهِمْ وَسُعُرٍ ۝

يَوْمَ يُصْحَفُونَ فِي النَّارِ تَالِئًا لَّيَالِي الْوُجُوهِمْ ذُقُوا مِمَّا نَسَقُوا ۝

إِذَا كُلُّ شَيْءٍ خَلَقْنَاهُ بِقَدَرٍ ۝

وَمَا أَمْرُنَا إِلَّا وَاحِدَةٌ كَلَمْحٍ بِالْبَصَرِ ۝

(۱) اللہ نے ان کے زعم باطل کی تردید فرمائی، جماعت سے مراد کفار مکہ ہیں۔ چنانچہ بدر میں انہیں شکست ہوئی اور یہ پیٹھ دے کر بھاگے، رؤسائے شرک اور اساطین کفر ہلاک کر دیئے گئے۔ جنگ بدر کے موقع پر جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نہایت الحاح و زاری سے اپنے خیمے میں مصروف دعائے توحہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا (حَسْبُكَ يَا رَسُولَ اللَّهِ! أَلَحَحْتَ عَلَيَّ رَبِّكَ)۔ ”بس کیجئے! اللہ کے رسول! آپ ﷺ نے رب کے سامنے بہت الحاح و زاری کر لی۔“۔ چنانچہ آپ ﷺ خیمے سے باہر تشریف لائے تو آپ ﷺ کی زبان مبارک پر یہی آیت تھی۔ (البخاری، تفسیر سورۃ اقصیٰ الساعۃ)

(۲) أَذًى دَہاء سے ہے، سخت رسوا کرنے والا، اَمْرٌ مَرَاة سے ہے، نہایت کڑوا۔ یعنی دنیا میں جو یہ قتل کیے گئے، قیدی بنائے گئے وغیرہ، یہ ان کی آخری سزا نہیں ہے بلکہ اس سے بھی زیادہ سخت سزائیں ان کو قیامت والے دن دی جائیں گی جس کا ان سے وعدہ کیا جاتا ہے۔

(۳) سَقَرٌ بھی جہنم کا نام ہے یعنی اس کی حرارت اور شدت عذاب کا مزہ چکھو۔

(۴) اُثْمہ سنت نے اس آیت اور اس جیسی دیگر آیات سے استدلال کرتے ہوئے تقدیر الہی کا اثبات کیا ہے جس کا مطلب ہے کہ اللہ تعالیٰ کو مخلوقات کے پیدا کرنے سے پہلے ہی سب کا علم تھا اور اس نے سب کی تقدیر لکھ دی ہے اور فرقہ قدریہ کی تردید کی ہے جس کا ظہور عہد صحابہ کے آخر میں ہوا۔ (ابن کثیر)

وَلَقَدْ أَهْلَكْنَا أَشْيَاءَ عَمَلُوا فَعَلًا مِنْ مِّثْلِكُمْ ۝۱

وَكُلُّ شَيْءٍ نَعْلَمُ فِي الزُّبُرِ ۝۲

وَكُلُّ صَغِيرٍ وَكَبِيرٍ مُسْتَطَرٌّ ۝۳

إِنَّ الْمُتَّقِينَ فِي جَنَّاتٍ وَنَهَرٍ ۝۴

فِي مَقْعَدٍ صِدْقٍ عِنْدَ مِلْكٍ مُنْتَدِرٍ ۝۵

اور ہم نے تم جیسے بہتیروں کو ہلاک کر دیا ہے،^(۱) پس کوئی ہے نصیحت لینے والا۔ (۵۱)

جو کچھ انہوں نے (اعمال) کیے ہیں سب نامہ اعمال میں لکھے ہوئے ہیں۔^(۲) (۵۲)

(اسی طرح) ہر چھوٹی بڑی بات بھی لکھی ہوئی ہے۔^(۳) (۵۳) یقیناً ہمارا ڈر رکھنے والے جنتوں اور نہروں میں ہو گئے۔^(۴) (۵۴)

راستی اور عزت کی بیٹھک میں^(۵) قدرت والے بادشاہ کے پاس۔^(۶) (۵۵)

سورہ رمن مدنی ہے اور اس میں اٹھتر آیتیں اور تین رکوع ہیں۔

شروع کرتا ہوں اللہ تعالیٰ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے۔



بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

(۱) یعنی گزشتہ امتوں کے کافروں کو، جو کفر میں تمہارے ہی جیسے تھے۔ أَشْيَاءَ عَمَلُوا فَعَلًا آئی: أَشْيَاءَ هُكْمُ وَنُظَرُ آئْتُمْ (فتح القدیر)

(۲) یا دوسرے معنی ہیں، لوح محفوظ میں درج ہیں۔

(۳) یعنی مخلوق کے تمام اعمال، اقوال و افعال لکھے ہوئے ہیں، چھوٹے ہوں یا بڑے، حقیر ہوں یا جلیل، اشتیاق کے ذکر کے بعد اب سعد کا ذکر کیا جا رہا ہے۔

(۴) یعنی مختلف اور متنوع باغات میں ہوں گے۔ نَهَرٌ، بطور جنس کے ہے جو جنت کی تمام نہروں کو شامل ہے۔

(۵) مَقْعَدٍ صِدْقٍ، عزت کی بیٹھک یا مجلس حق، جس میں گناہ کی بات ہو گی نہ لغویات کا ارتکاب۔ مراد جنت ہے۔

(۶) مِلْكٍ مُنْتَدِرٍ، قدرت والا بادشاہ یعنی وہ ہر طرح کی قدرت سے بہرہ ور ہے جو چاہے کر سکتا ہے، کوئی اسے عاجز نہیں کر سکتا۔ عِنْدَ (پاس) یہ کنایہ ہے اس شرف منزلت اور عزت و احترام سے، جو اہل ایمان کو اللہ کے ہاں حاصل ہو گا۔

☆ اس کو بعض حضرات نے مدنی قرار دیا ہے، تاہم صحیح یہی ہے کہ یہ کئی ہے (فتح القدیر) اس کی تائید اس حدیث سے بھی ہوئی ہے، جس میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کیا بات ہے کہ تم خاموش رہتے ہو، تم سے تو اچھے جن ہیں کہ جب جن والی رات کو میں نے یہ سورت ان پر پڑھی تو میں جب بھی ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَكَلَّمُوا﴾ پڑھتا، تو وہ اس کے

الرَّحْمَنُ ① عَمَّ الْقُرْآنُ ②

خَلَقَ الْإِنْسَانَ ③

عَلَّمَهُ الْبَيَانَ ④

الْشَّمْسُ وَالْقَمَرُ يُسَبِّحَانِ ⑤

وَالنَّجْمُ وَالشَّجَرُ يَسْجُدَانِ ⑥

وَالسَّمَاءَ رَفَعَهَا وَوَضَعَ الْمِيزَانَ ⑦

أَلَّا تَطْغَوْا فِي الْمِيزَانِ ⑧

رحمن نے۔ (۱) قرآن سکھایا۔ (۲)

اسی نے انسان کو پیدا کیا۔ (۳)

اور اسے بولنا سکھایا۔ (۴)

آفتاب اور ماہتاب (مقررہ) حساب سے ہیں۔ (۵)

اور ستارے اور درخت دونوں سجدہ کرتے ہیں۔ (۶)

اسی نے آسمان کو بلند کیا اور اسی نے ترازو رکھی۔ (۷)

تاکہ تم تولنے میں تجاوز نہ کرو۔ (۸)

جواب میں کہتے۔ (لَا بَشِيءَ مِنْ نِعَمِكَ رَبَّنَا! نُكْذِبُ فَلَكَ الْحَمْدُ)۔ (ترمذی، تفسیر سورة الرحمن، ذکرہ الالبانی فی صحیح الترمذی)

(۱) کہتے ہیں کہ یہ اہل مکہ کے جواب میں ہے جو کہتے تھے کہ یہ قرآن محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو کوئی انسان سکھاتا ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ ان کے اس قول کے جواب میں ہے کہ رحمن کیا ہے؟ قرآن سکھانے کا مطلب ہے، اسے آسان کرو، یا اللہ نے اپنے پیغمبر کو سکھایا اور پیغمبر نے امت کو سکھایا۔ اس سورت میں اللہ نے اپنی بہت سی نعمتیں گنوائی ہیں۔ چونکہ تعلیم قرآن ان میں قدر و منزلت اور اہمیت و افادیت کے لحاظ سے سب سے نمایاں ہے، اس لیے پہلے اسی نعمت کا ذکر فرمایا ہے۔ (فتح القدیر)

(۲) یعنی یہ بندہ وغیرہ جانوروں سے ترقی کرتے کرتے انسان نہیں بن گئے ہیں۔ جیسا کہ ڈارون کا فلسفہ ارتقا ہے۔ بلکہ انسان کو اسی شکل و صورت میں اللہ نے پیدا فرمایا ہے جو جانوروں سے الگ ایک مستقل مخلوق ہے۔ انسان کا لفظ بطور جنس کے ہے۔

(۳) اس بیان سے مراد ہر شخص کی اپنی مادری بولی ہے جو بغیر سیکھے از خود ہر شخص بول لیتا اور اس میں اپنے مافی الضمیر کا اظہار کر لیتا ہے، حتیٰ کہ وہ چھوٹا بچہ بھی بولتا ہے، جس کو کسی بات کا علم اور شعور نہیں ہوتا۔ یہ اس تعلیم الہی کا نتیجہ ہے جس کا ذکر اس آیت میں ہے۔

(۴) یعنی اللہ کے ٹھہرائے ہوئے حساب سے اپنی اپنی منزلوں پر رواں دواں رہتے ہیں، ان سے تجاوز نہیں کرتے۔

(۵) جیسے دوسرے مقام پر فرمایا — ﴿أَلَمْ تَرَ أَنَّ اللَّهَ يَسْجُدُ لَهُ مَنْ فِي السَّمَوَاتِ وَمَنْ فِي الْأَرْضِ وَالشَّمْسُ وَالْقَمَرُ وَالنُّجُومُ وَالْجِبَالُ وَالشَّجَرُ وَالْدَّابُّ﴾ الآية (الحج۔ ۱۸)

(۶) یعنی زمین میں انصاف رکھا، جس کا اس نے لوگوں کو حکم دیا، جیسے فرمایا ﴿لَقَدْ أَرْسَلْنَا نُوحًا بِالْأَيِّتِ وَأَتَيْنَاهُ مَعَهُمُ

الْكِتَابَ وَالْمِيزَانَ لِيَقُومَ النَّاسُ بِالْقِسْطِ﴾ (الحديد۔ ۲۵)

(۷) یعنی انصاف سے تجاوز نہ کرو۔

انصاف کے ساتھ وزن کو ٹھیک رکھو اور تول میں کم نہ دو۔ (۹)
اور اسی نے مخلوق کے لیے زمین بچھا دی۔ (۱۰)
جس میں میوے ہیں اور خوشے والے کھجور کے درخت
ہیں۔ (۱۱)

اور بھس والا اناج ہے (۱۲) اور خوشبودار پھول ہیں۔ (۱۳)
پس (اے انسانو اور جنو!) تم اپنے پروردگار کی کس کس
نعمت کو جھٹلاؤ گے؟ (۱۳)

اس نے انسان کو بجنے والی مٹی سے پیدا کیا جو ٹھیکری کی
طرح تھی۔ (۱۴)

اور جنات کو آگ کے شعلے سے پیدا کیا۔ (۱۵)
پس تم اپنے رب کی کس کس نعمت کو جھٹلاؤ گے؟ (۱۶)
وہ رب ہے دونوں مشرقوں اور دونوں مغربوں کا۔ (۱۷)

وَأَقِيمُوا الزَّوْزَىٰ بِالْقِسْطِ وَلَا تُحِبُّوا الْبَيْزَانَ
وَالْأَرْضَ وَضَعَهَا لِلْأَنَامِ ۚ
فِيهَا فَاكِهَةٌ وَالنَّخْلُ ذَاتُ الْأَكْمَامِ ۚ

وَالْحَبُّ ذُو الْعَصْفِ وَالزَّيْتُونُ ۚ
يَأْتِي الْآدَمُ رِيكْمًا تُكْدِلِينَ ۚ

خَلَقَ الْإِنْسَانَ مِنْ صَلْصَالٍ كَالْعَفْصَارِ ۚ

وَخَلَقَ الْجَانَّ مِنْ مَّلَاحٍ مِنْ نَارٍ ۚ

يَأْتِي الْآدَمُ رِيكْمًا تُكْدِلِينَ ۚ

رَبُّ الشَّرْقَيْنِ وَرَبُّ الْمَغْرِبَيْنِ ۚ

(۱) اَنَامًا، کَم کی جمع ہے، وِعَاءُ النَّعْمِ، کھجور پر چڑھا ہوا غلاف۔

(۲) حَبٌّ سے مراد ہر وہ خوراک ہے جو انسان اور جانور کھاتے ہیں۔ خشک ہو کر اس کا پودا بھس بن جاتا ہے جو جانوروں کے کام آتا ہے۔

(۳) یہ انسانوں اور جنوں دونوں سے خطاب ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنی نعمتیں گنوا کر ان سے پوچھ رہا ہے۔ یہ تکرار اس شخص کی طرح ہے جو کسی پر مسلسل احسان کرے لیکن وہ اس کے احسان کا منکر ہو، جیسے کہ، میں نے تیرا فلاں کام کیا، کیا تو انکار کرتا ہے؟ فلاں چیز تجھے دی، کیا تجھے یاد نہیں؟ تجھ پر فلاں احسان کیا، کیا تجھے ہمارا ذرا خیال نہیں؟ (فتح القدیر)

(۴) صَلْصَالٍ خشک مٹی، جس میں آواز ہو۔ فَخَّازٌ آگ میں پکی ہوئی مٹی، جسے ٹھیکری کہتے ہیں۔ اس انسان سے مراد حضرت آدم علیہ السلام ہیں، جن کا پہلے مٹی سے بتلایا گیا اور پھر اس میں اللہ نے روح پھونکی۔ پھر حضرت آدم علیہ السلام کی باتیں پہلی سے حوا کو پیدا فرمایا، اور پھر ان دونوں سے نسل انسانی چلی۔

(۵) اس سے مراد سب سے پہلا جن ہے جو ابوالجن ہے، یا جن بطور جنس کے ہے۔ جیسا کہ ترجمہ جنس کے اعتبار سے ہی کیا گیا ہے۔ مَارِجِ آگ سے بلند ہونے والے شعلے کو کہتے ہیں۔

(۶) یعنی تمہاری یہ پیدائش بھی اور پھر تم سے مزید نسلوں کی تخلیق و افزائش، یہ اللہ کی نعمتوں میں سے ہے۔ کیا تم اس نعمت کا انکار کرو گے؟

(۷) ایک گرمی کا مشرق اور ایک سردی کا مشرق، اسی طرح مغرب ہے۔ اس لیے دونوں کو تنہیہ ذکر کیا ہے، موسموں کے

تو (اے جنو اور انسانو!) تم اپنے رب کی کس کس نعمت کو جھٹلاؤ گے؟ (۱۸)

فَمَا أَتَى اللَّهُ رَبَّكُمَا فَكَذَّبْتُمَا ۝۱۸

اس نے دو دریا جاری کر دیے جو ایک دوسرے سے مل جاتے ہیں۔ (۱۹)

مَرَجَ الْبَحْرَيْنِ يَلْتَمِسَانِ ۝۱۹

ان دونوں میں ایک آڑ ہے کہ اس سے بڑھ نہیں سکتے۔^(۱) (۲۰)

بَيْنَهُمَا بَرْزَخٌ لَا يَبْغِيَانِ ۝۲۰

پس اپنے پروردگار کی کون کون سی نعمت کو جھٹلاؤ گے؟ (۲۱)

فَمَا أَتَى اللَّهُ رَبَّكُمَا فَكَذَّبْتُمَا ۝۲۱

ان دونوں میں سے موتی اور مونگے برآمد ہوتے ہیں۔^(۲) (۲۲)

يَخْرُجُ مِنْهُمَا اللُّؤْلُؤُ وَالْمَرْجَانُ ۝۲۲

اعتبار سے مشرق و مغرب کا مختلف ہونا اس میں بھی انس و جن کی بہت سی مصلحتیں ہیں، اس لیے اسے بھی نعمت قرار دیا گیا ہے۔

(۱) مَرَجَ بمعنی اُزسل جاری کر دیئے۔ اس کی تفصیل سورۃ الفرقان، آیت ۵۳ میں گزر چکی ہے۔ جس کا خلاصہ یہ ہے کہ دو دریاؤں سے مراد بعض کے نزدیک ان کے الگ الگ وجود ہیں، جیسے ٹھٹھے پانی کے دریا ہیں، جن سے کھیتیاں سیراب ہوتی ہیں اور انسان ان کا پانی اپنی دیگر ضروریات میں بھی استعمال کرتا ہے۔ دوسری قسم سمندروں کا پانی ہے جو کھارا ہے، جس کے کچھ اور فوائد ہیں۔ یہ دونوں آپس میں نہیں ملتے۔ بعض نے اس کا مفہوم یہ بیان کیا ہے کہ کھارے سمندروں میں ہی ٹھٹھے پانی کی لہریں چلتی ہیں اور یہ دونوں لہریں آپس میں نہیں ملتیں، بلکہ ایک دوسرے سے جدا اور ممتاز ہی رہتی ہیں۔ اس کی ایک صورت تو یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کھارے سمندروں میں ہی کئی مقامات پر ٹھٹھے پانی کی لہریں بھی جاری کی ہوئی ہیں اور وہ کھارے پانی سے الگ ہی رہتی ہیں۔ دوسری صورت یہ بھی ہے کہ اوپر کھارا پانی ہو اور اس کی تہ میں نیچے چشمہ آب شیریں۔ جیسا کہ واقعاً بعض مقامات پر ایسا ہے۔ تیسری صورت یہ ہے کہ جن مقامات پر ٹھٹھے پانی کے دریا کا پانی سمندر میں جا کر گرتا ہے، وہاں کئی لوگوں کا مشاہدہ ہے کہ دونوں پانی میلوں دور تک اس طرح ساتھ ساتھ چلتے ہیں کہ ایک طرف میٹھا دریا کی پانی اور دوسری طرف وسیع و عریض سمندر کا کھارا پانی، ان کے درمیان اگرچہ کوئی آڑ نہیں۔ لیکن یہ باہم نہیں ملتے۔ دونوں کے درمیان یہ وہ برزخ (آڑ) ہے جو اللہ نے رکھ دی ہے، دونوں اس سے تجاوز نہیں کرتے۔

(۲) مَرْجَانٌ سے چھوٹے موتی یا پھر مونگے مراد ہیں۔ کہتے ہیں کہ آسمان سے بارش ہوتی ہے تو سیپیاں اپنے مونہ کھول

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَكُمْ أَنْزِلْنِي

وَلَهُ الْجَوَارِ الْمُنشَكَّةُ فِي الْبَحْرِ كَالْأَعْلَامِ ﴿۳﴾

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَكُمْ أَنْزِلْنِي

كُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ ﴿۴﴾

وَيَذَرِي مِنْ بَيْنِ يَدَيْكَ ذُؤَالًا عِظًا ﴿۵﴾

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَكُمْ أَنْزِلْنِي

پھر تم اپنے رب کی کس کس نعمت کو جھٹلاؤ گے؟ (۲۳)

اور اللہ ہی کی (ملکیت میں) ہیں وہ جہاز جو سمندروں میں
پہاڑ کی طرح بلند (چل پھر رہے) ہیں۔ (۲۴)پس (اے انسانو اور جنو!) تم اپنے رب کی کس کس نعمت
کو جھٹلاؤ گے؟ (۲۵)

زمین پر جو ہیں سب فنا ہونے والے ہیں۔ (۲۶)

صرف تیرے رب کی ذات جو عظمت اور عزت والی ہے
باقی رہ جائے گی۔ (۲۷)

پھر تم اپنے رب کی کس کس نعمت کو جھٹلاؤ گے؟ (۲۸)

دیتی ہیں، جو قطروان کے اندر پڑ جاتا ہے، وہ موتی بن جاتا ہے۔ مشہور یہی ہے کہ موتی وغیرہ میٹھے پانی کے دریاؤں سے نہیں، بلکہ صرف آب شور یعنی سمندروں سے ہی نکلتے ہیں۔ لیکن قرآن نے تشبیہ کی ضمیر استعمال کی ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ دونوں سے ہی موتی نکلتے ہیں۔ چونکہ موتی کثرت کے ساتھ سمندروں سے ہی نکلتے ہیں، اس لیے اس کی شہرت ہو گئی ہے۔ تاہم شیریں دریاؤں سے اس کی نفی ممکن نہیں بلکہ موجودہ دور کے تجربات سے ثابت ہوا ہے کہ میٹھے دریا میں بھی موتی ہوتے ہیں۔ البتہ ان کے مسلسل جاری رہنے کی وجہ سے ان سے موتی نکالنا مشکل امر ہے۔ بعض نے کہا ہے کہ مراد مجموعہ ہے، ان میں سے کسی ایک سے بھی موتی نکل جائیں تو ان پر تشبیہ کا اطلاق صحیح ہے۔ بعض نے کہا کہ شیریں دریا بھی عام طور پر سمندر میں ہی گرتے ہیں اور وہیں سے موتی نکالے جاتے ہیں، اس لیے گو منبع دریاۓ شور ہی ہوئے، لیکن دوسرے دریاؤں کا حصہ بھی اس میں شامل ہے لیکن موجودہ دور کے تجربات کے بعد ان تاویلات اور تکلفات کی ضرورت نہیں۔ وَاللَّهُ أَعْلَمُ۔

(۱) یہ جو اہر اور موتی زیب و زینت اور حسن و جمال کا مظہر ہیں اور اہل شوق و اہل ثروت انہیں اپنے ذوق جمال کی تسکین اور حسن و رعنائی میں اضافے ہی کے لیے استعمال کرتے ہیں، اس لیے ان کا نعمت ہونا بھی واضح ہے۔

(۲) الْجَوَارِ، جَارِيَّةٌ (چلنے والی) کی جمع اور محذوف موصوف (السُّفُنُ) کی صفت ہے۔ مُنْشَكَّةٌ کے معنی مرفوعات ہیں، یعنی بلند کی ہوئیں، مراد بادبان ہیں، جو بادبانی کشتیوں میں جھنڈوں کی طرح اونچے اور بلند بنائے جاتے ہیں۔ بعض نے اس کے معنی مصنوعات کے کیے ہیں یعنی اللہ کی بنائی ہوئی جو سمندر میں چلتی ہیں۔

(۳) ان کے ذریعے سے بھی نقل و حمل کی جو آسانیاں ہیں، محتاج وضاحت نہیں، اس لیے یہ بھی اللہ کی عظیم نعمت ہے۔

(۴) فَنَاءٌ دُنْیَا کے بعد، جزا و سزا یعنی عدل کا اہتمام ہو گا، لہذا یہ بھی ایک نعمت عظمیٰ ہے جس پر شکر الہی واجب ہے۔

سب آسمان و زمین والے اسی سے مانگتے ہیں۔^(۱) ہر روز وہ ایک شان میں ہے۔^(۲) (۲۹)

پھر تم اپنے رب کی کس کس نعمت کو جھٹلاؤ گے؟^(۳) (۳۰)
(جنوں اور انسانوں کے گروہو!) عنقریب ہم تمہاری طرف پوری طرح متوجہ ہو جائیں گے۔^(۴) (۳۱)

پھر تم اپنے رب کی کس کس نعمت کو جھٹلاؤ گے؟^(۵) (۳۲)
اے گروہ جنات و انسان! اگر تم میں آسمانوں اور زمین کے کناروں سے باہر نکل جانے کی طاقت ہے تو نکل بھاگو!^(۶)
بغیر غلبہ اور طاقت کے تم نہیں نکل سکتے۔^(۷) (۳۳)

پھر اپنے رب کی کس کس نعمت کو جھٹلاؤ گے؟^(۸) (۳۴)
تم پر آگ کے شعلے اور دھواں چھوڑا جائے گا^(۹) پھر تم

يَسْأَلُهُ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ كُلُّ يَوْمٍ هُوَ فِي شَاۡنٍ ۝

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقْرَبُوْا مَا لَمْ يَكُنْ لَكُمْ بِنِیَّ

سَعۡرٌ لَّكُمۡ اٰیٰةُ الْفَتَنِ ۝

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقْرَبُوْا مَا لَمْ يَكُنْ لَكُمْ بِنِیَّ

يَعۡسَکَرُ الْحِیۡنِ وَالْاَرْضِ اِنْ اَسۡتَطَعۡتُمْ اَنْ تَنۡفُذُوْا مِنْ اَقۡطَارِ

السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ فَاَنۡفُذُوْا وَلَا تَتَّبِعُوْا اَوۡلَیَّ السِّلٰطِیۡنِ ۝

فَبِاٰیۡ الٰہِ رَبِّکُمۡ تَلۡذِیۡنَ ۝

یُرِیۡسَلُ عَلَیۡکُمۡ شَوَاطِیۡنٌ مِّنۡ لَّدُنۡہٗ وَاُنۡحَاسُ فَاَلا تَتَذٰکِرُوۡنَ ۝

(۱) یعنی سب اس کے محتاج اور اس کے در کے سوالی ہیں۔

(۲) ہر روز کا مطلب، ہر وقت۔ شان کے معنی امر یا معاملہ، یعنی ہر وقت وہ کسی نہ کسی کام میں مصروف ہے، کسی کو بیمار کر رہا ہے، کسی کو شفا یاب، کسی کو تو مگر بنا رہا ہے تو کسی تو مگر کو فقیر۔ کسی کو گدا سے شاہ اور شاہ سے گدا، کسی کو بلند یوں پر فائز کر رہا ہے، کسی کو پستی میں گرا رہا ہے، کسی کو ہست سے نیست اور نیست کو ہست کر رہا ہے وغیرہ۔ الغرض کائنات میں یہ سارے تصرف اسی کے امر و مشیت سے ہو رہے ہیں اور شب و روز کا کوئی لمحہ ایسا نہیں جو اس کی کارگزاری سے خالی ہو۔ هُوَ الْحَيُّ الْقَيُّوْمُ، لَا تَاْخُذُهٗ سِنَةٌ وَّلَا نَوْمٌ۔

(۳) اور اتنی بڑی ہستی کا ہر وقت بندوں کے امور و معاملات کی تدبیر میں لگے رہنا، کتنی بڑی نعمت ہے۔

(۴) اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ اللہ کو فراغت نہیں ہے بلکہ یہ محاورہ بولا گیا ہے جس کا مقصد وعید و تہدید ہے۔ تَقَالٰنِ (جن و انس کو) اس لیے کہا گیا ہے کہ انکو تکالیف شرعیہ کلابند کیا گیا ہے، اس پابندی یا بوجھ سے دوسری مخلوق مستثنیٰ ہے۔

(۵) یہ تہدید بھی نعمت ہے کہ اس سے بدکار، بد یوں کے ارتکاب سے باز آجائے اور محسن زیادہ نیکیاں کمائے۔

(۶) یعنی اللہ کی تقدیر اور قضا سے تم بھاگ کر کہیں جاسکتے ہو تو چلے جاؤ، لیکن یہ طاقت کس میں ہے؟ اور بھاگ کر آخر کہاں جائے گا؟ کون سی جگہ ایسی ہے جو اللہ کے اختیارات سے باہر ہو۔ یہ بھی تہدید ہے جو مذکورہ تہدید کی طرح نعمت ہے۔ بعض نے کہا ہے کہ یہ میدان محشر میں کہا جائے گا، جب کہ فرشتے ہر طرف سے لوگوں کو گھیر رکھے ہونگے۔ دونوں ہی مفہوم اپنی اپنی جگہ صحیح ہیں۔

(۷) مطلب یہ ہے کہ اگر تم قیامت والے دن کہیں بھاگ کر گئے بھی، تو فرشتے آگ کے شعلے اور دھواں تم پر چھوڑ کر

مقابلہ نہ کر سکو گے۔^(۱) (۳۵)

پھر اپنے رب کی نعمتوں میں سے کس کس نعمت کو جھٹلاؤ گے؟ (۳۶)

پس جب کہ آسمان پھٹ کر سرخ ہو جائے جیسے کہ سرخ چمڑہ۔^(۲) (۳۷)

پس تم اپنے رب کی کس کس نعمت کو جھٹلاؤ گے؟ (۳۸)
اس دن کسی انسان اور کسی جن سے اس کے گناہوں کی پریشانی نہ کی جائے گی۔^(۳) (۳۹)

پس تم اپنے رب کی کس کس نعمت کو جھٹلاؤ گے؟ (۴۰)
گناہ گار صرف حلیہ سے ہی پہچان لیے جائیں گے^(۴) اور

ان کی پیشانیوں کے بال اور قدم پکڑ لیے جائیں گے۔^(۵) (۴۱)

پس تم اپنے رب کی کس کس نعمت کو جھٹلاؤ گے؟ (۴۲)
یہ ہے وہ جہنم جسے مجرم جھوٹا جانتے تھے۔ (۴۳)

يَأَيُّ الْاَهِلِ الْاَوَّلٰى لَكُمْ تَكْذِبُ ۝

فَاِذَا انشَقَّتِ السَّمَاءُ فَكَانَتْ وَرْدَةً كَالدِّهَانِ ۝

يَأَيُّ الْاَهِلِ الْاَوَّلٰى لَكُمْ تَكْذِبُ ۝

فَيَوْمَئِذٍ لَا يُعْمِلُ عَنْ دِينِهٖ اِنْسٌ وَلَا جَانٌ ۝

يَأَيُّ الْاَهِلِ الْاَوَّلٰى لَكُمْ تَكْذِبُ ۝

يَعْرِفُ الْمَجْرُمُوْنَ بِسِيْمَتِهِمْ فَيُوْجَدُ بِالتَّوَابِغِ

وَالْاَقْدَامِ ۝

يَأَيُّ الْاَهِلِ الْاَوَّلٰى لَكُمْ تَكْذِبُ ۝

هٰذَا جَهَنَّمُ الَّتِي يُكَذِّبُ بِهَا الْمَجْرُمُوْنَ ۝

یا پگھلا ہوا تانبہ ہمارے سروں پر ڈال کر تمہیں واپس لے آئیں گے۔ نوحاس کے دوسرے معنی پگھلے ہوئے تانبے کے کئے گئے ہیں۔

(۱) یعنی اللہ کے عذاب کو ٹالنے کی تم قدرت نہیں رکھو گے۔

(۲) قیامت والے دن آسمان پھٹ پڑے گا، فرشتے زمین پر اتر آئیں گے، اس دن یہ نار جہنم کی شدت حرارت سے پگھل کر سرخ نری کے چمڑے کی طرح ہو جائے گا۔ دھان، سرخ چمڑہ۔

(۳) یعنی جس وقت وہ قبروں سے باہر نکلیں گے۔ ورنہ بعد میں موقف حساب میں ان سے باز پرس کی جائے گی۔ بعض نے اس کا مطلب یہ بیان کیا ہے کہ گناہوں کی بابت نہیں پوچھا جائے گا، کیونکہ ان کا تو پورا ریکارڈ فرشتوں کے پاس بھی ہو گا اور اللہ کے علم میں بھی۔ البتہ پوچھا جائے گا کہ تم نے یہ کیوں کیے؟ یا یہ مطلب ہے، ان سے نہیں پوچھا جائے گا بلکہ انسانی اعضا خود بول کر ہر بات بتلائیں گے۔

(۴) یعنی جس طرح اہل ایمان کی علامت ہو گی کہ ان کے اعضائے وضو چمکتے ہوں گے۔ اسی طرح گناہ گاروں کے چہرے سیاہ، آنکھیں نیلگوں اور وہ دہشت زدہ ہوں گے۔

(۵) فرشتے ان کی پیشانیاں اور ان کے قدموں کے ساتھ ملا کر پکڑیں گے اور جہنم میں ڈال دیں گے، یا کبھی پیشانیوں سے اور کبھی قدموں سے انہیں پکڑیں گے۔

اس کے اور کھولتے ہوئے گرم پانی کے درمیان چکر کھائیں گے۔^(۱) (۴۴)

پس تم اپنے رب کی کس کس نعمت کو بھٹلاؤ گے؟ (۴۵)
اور اس شخص کے لیے جو اپنے رب کے سامنے کھڑا ہونے سے ڈرا دو جنتیں ہیں۔^(۲) (۴۶)

پس تم اپنے رب کی کس کس نعمت کو بھٹلاؤ گے؟ (۴۷)
(دونوں جنتیں) بہت سی ٹہنیوں اور شاخوں والی ہیں۔^(۳) (۴۸)

پس تم اپنے رب کی کس کس نعمت کو بھٹلاؤ گے؟ (۴۹)
ان دونوں (جنتوں) میں دو بتے ہوئے چشمے ہیں۔^(۴) (۵۰)
پس تم اپنے رب کی کس کس نعمت کو بھٹلاؤ گے؟ (۵۱)
ان دونوں جنتوں میں ہر قسم کے میوؤں کی دو قسمیں ہوں گی۔^(۵) (۵۲)

پھر تم اپنے رب کی کس کس نعمت کو بھٹلاؤ گے؟ (۵۳)
جنتی ایسے فرشوں پر تکیہ لگائے ہوئے ہوں گے جن کے

يَعْمَلُونَ فِيهَا وَيَبْنَوْنَ حَيْثُ مَا يَأْتِيهِمْ ۝

يَأْتِيهِمُ الْآلَاءُ رِيكًا مَّا تَلَذُّونَ ۝

وَلَمْ يَكُنْ عَنَاءٌ مَّقْدَرًا لَهُمْ يَتَنَبَّهْنَ ۝

يَأْتِيهِمُ الْآلَاءُ رِيكًا مَّا تَلَذُّونَ ۝

ذَوَاتًا أَفْنَانٍ ۝

يَأْتِيهِمُ الْآلَاءُ رِيكًا مَّا تَلَذُّونَ ۝

فِيهَا عَيْنٌ مُّجْوِيْنٌ ۝

يَأْتِيهِمُ الْآلَاءُ رِيكًا مَّا تَلَذُّونَ ۝

فِيهَا مِنْ كُلِّ ثَمَرٍ أَكْثَرُ زَوْجَيْنِ ۝

يَأْتِيهِمُ الْآلَاءُ رِيكًا مَّا تَلَذُّونَ ۝

مُجْبِيْنٍ عَلَى رُءُوسِهِمْ يَبْتَغِيهِمُ اللَّهُ يَسْتَجِيبُ لِمَا يَسْتَبِشِرُونَ ۝

(۱) یعنی کبھی انہی جہیم کا عذاب دیا جائے گا اور کبھی ماء حَمِيمٌ پینے کا عذاب۔ آہ، گرم۔ یعنی سخت کھولتا ہوا گرم پانی، جو ان کی انتروں کو کاٹ دے گا۔ اَعَاذَنَا اللہ مِنْهَا۔

(۲) جیسے حدیث میں آتا ہے۔ ”دو باغ چاندی کے ہیں، جن میں برتن اور جو کچھ ان میں ہے، سب چاندی کے ہوں گے۔ دو باغ سونے کے ہیں اور ان کے برتن اور جو کچھ ان میں ہے، سب سونے کے ہی ہوں گے۔“ (صحیح بخاری، تفسیر سورة الرحمن) بعض آثار میں ہے کہ سونے کے باغ خواص مومنین مُقَرَّبِينَ اور چاندی کے باغ عام مومنین أَصْحَابُ الْيَمِينِ کے لیے ہوں گے۔ (ابن کثیر)

(۳) یہ اشارہ ہے اس طرف کہ اس میں سایہ گنجان اور گہرا ہوگا، نیز پھلوں کی کثرت ہوگی، کیونکہ کہتے ہیں ہر شاخ اور ٹہنی پھلوں سے لدی ہوگی۔ (ابن کثیر)

(۴) ایک کانام تَسْنِيْمٌ اور دوسرے کا سَلْسَبِيلٌ ہے۔

(۵) یعنی ذائقے اور لذت کے اعتبار سے ہر پھل دو قسم کا ہوگا، یہ مزید فضل خاص کی ایک صورت ہے۔ بعض نے کہا کہ

الْجَنَّتَيْنِ دَانِ ۝

استر دیز ریشم کے ہوں گے،^(۱) اور ان دونوں جنتوں کے میوے بالکل قریب ہوں گے۔^(۲) (۵۴)

يَأْتِي آلَهُ بُكْمًا مُّغْتَذِبِينَ ۝

پس تم اپنے رب کی کس کس نعمت کو جھٹلاؤ گے؟ (۵۵)
وہاں (شرعی) نیچی نگاہ والی حوریں ہیں^(۳) جنہیں ان سے پہلے کسی جن وانس نے ہاتھ نہیں لگایا۔^(۴) (۵۶)

يَأْتِي آلَهُ بُكْمًا مُّغْتَذِبِينَ ۝

پس اپنے پالنے والے کی کس کس نعمت کو جھٹلاؤ گے؟ (۵۷)

كَأَنَّهُنَّ الْيَاقُوتُ وَاللَّجَيْنِ ۝

وہ حوریں مثل یاقوت اور مونگے کے ہوں گی۔^(۵) (۵۸)
پس تم اپنے پروردگار کی کس کس نعمت کو جھٹلاؤ گے؟ (۵۹)

يَأْتِي آلَهُ بُكْمًا مُّغْتَذِبِينَ ۝

ایک قسم خشک میوے کی اور دوسری تازہ میوے کی ہوگی۔

(۱) ابری یعنی اوپر کا کپڑا ہمیشہ استر سے بہتر اور خوب صورت ہوتا ہے، یہاں صرف استر کا بیان ہے، جس کا مطلب یہ ہے کہ اوپر (ابری) کا کپڑا اس سے کہیں زیادہ عمدہ ہوگا۔

(۲) اتنے قریب ہوں گے کہ بیٹھے بیٹھے بلکہ لیٹے لیٹے بھی توڑ سکیں گے۔ ﴿فُتُوْهُنَّ أَزْيَةً﴾ (الحاقة: ۲۳)

(۳) جن کی نگاہیں اپنے خاوندوں کے علاوہ کسی پر نہیں پڑیں گی اور ان کو اپنے خاوند ہی سب سے زیادہ حسین اور اچھے معلوم ہوں گے۔

(۴) یعنی باکرہ اور نئی نویلی ہوں گی۔ اس سے قبل وہ کسی کے نکاح میں نہیں رہی ہوں گی۔ یہ آیت اور اس سے ماقبل کی بعض آیات سے صاف طور پر معلوم ہوتا ہے کہ جو جن مومن ہوں گے، وہ بھی مومن انسانوں کی طرح جنت میں جائیں گے اور ان کے لیے بھی وہی کچھ ہوگا جو دیگر اہل ایمان کے لیے ہوگا۔

(۵) یعنی صفائی میں یا قوت اور سفیدی و سرخی میں موتی یا مونگے کی طرح ہوں گی۔ جس طرح صحیح احادیث میں بھی ان کے حسن و جمال کو ان الفاظ میں بیان فرمایا گیا ہے: يَبْرُؤُ مُنْعُ شَوْقِهِنَّ مِنْ وَرَاءِ الْعُظْمِ وَاللَّحْمِ (صحیح بخاری، کتاب بدء الخلق، باب ما جاء في صفة الجنة - صحیح مسلم، کتاب الجنة وصفة نعيمها، باب أول زمرة تدخل الجنة.....) ”ان کے حسن و جمال کی وجہ سے ان کی پنڈلی کا گودا گوشت اور ہڈی کے باہر سے نظر آئے گا۔“ ایک دوسری روایت میں فرمایا کہ ”جنتیوں کی بیویاں اتنی حسین و جمیل ہوں گی کہ اگر ان میں سے ایک عورت اہل ارض کی طرف جھانک لے تو آسمان و زمین کے درمیان کا سارا حصہ چمک اٹھے اور خوشبو سے بھر جائے، اور اس کے سر کا دوپٹہ اتنا قیمتی ہوگا کہ وہ دنیا و مافیہا سے بہتر ہے۔“ (صحیح بخاری، کتاب الجہاد باب الحور العین)

هَلْ جَزَاءُ الْإِحْسَانِ إِلَّا الْإِحْسَانُ ۝

يَمَّا آتَى الْآلَهُ رَبُّكُمْ أَنْكَذِبِينَ ۝

وَمِنْ دُونِهِمَا جَنَّتِينَ ۝

يَمَّا آتَى الْآلَهُ رَبُّكُمْ أَنْكَذِبِينَ ۝

مُدْمَعَتَيْنِ ۝

يَمَّا آتَى الْآلَهُ رَبُّكُمْ أَنْكَذِبِينَ ۝

فِيهِمَا عَيْنَيْنِ تَفْضُلَتَيْنِ ۝

يَمَّا آتَى الْآلَهُ رَبُّكُمْ أَنْكَذِبِينَ ۝

فِيهِمَا فَكْرُهُمْ وَأَعْلَىٰ ذُرِّيَّتَيْنِ ۝

يَمَّا آتَى الْآلَهُ رَبُّكُمْ أَنْكَذِبِينَ ۝

فِيهِمَا خَيْرَاتٌ حَسَنَاتٌ ۝

يَمَّا آتَى الْآلَهُ رَبُّكُمْ أَنْكَذِبِينَ ۝

حُورٌ مُّقْصُودَاتٌ فِي الْغِيَارِ ۝

احسان کا بدلہ احسان کے سوا کیا ہے۔ (۶۰)

پس اپنے رب کی کس کس نعمت کو جھٹلاؤ گے؟ (۶۱)

اور ان کے سوا دو جنتیں اور ہیں۔ (۶۲)

پس تم اپنے پرورش کرنے والے کی کس کس نعمت کو

جھٹلاؤ گے؟ (۶۳)

جو دونوں گہری سبز سیاہی مائل ہیں۔ (۶۴)

بتاؤ اب اپنے پروردگار کی کس کس نعمت کو جھٹلاؤ

گے؟ (۶۵)

ان میں دو (جوش سے) اٹھنے والے چشمے ہیں۔ (۶۶)

پھر تم اپنے رب کی کون کون سی نعمت کو جھٹلاؤ گے؟ (۶۷)

ان دونوں میں میوے اور کھجور اور انار ہوں گے۔ (۶۸)

کیا اب بھی رب کی کسی نعمت کی تکذیب تم کرو گے؟ (۶۹)

ان میں نیک سیرت خوبصورت عورتیں ہیں۔ (۷۰)

پس تم اپنے رب کی کس کس نعمت کو جھٹلاؤ گے؟ (۷۱)

(گوری رنگت کی) حوریں جنتی خیموں میں رہنے والیاں

ہیں۔ (۷۲)

(۱) پہلے احسان سے مراد نیکی اور اطاعت الہی اور دوسرے احسان سے اس کا صلہ، یعنی جنت اور اس کی نعمتیں ہیں۔

(۲) دُونِهِمَا سے یہ استدلال بھی کیا گیا ہے کہ یہ دو باغ شان اور فضیلت میں پچھلے دو باغوں سے، جن کا ذکر آیت ۳۶ میں گزرا، کم تر ہوں گے۔

(۳) کثرت سیرابی اور سبزے کی فراوانی کی وجہ سے وہ مائل بہ سیاہی ہوں گے۔

(۴) یہ صفت تَجْرِیَاتٍ سے ہلکی ہے اَلْجَزْيُ أَفْوَىٰ مِنَ النَّضْحِ (ابن کثیر)

(۵) جب کہ پہلی دو جنتوں (باغوں) کی صفت میں بتلایا گیا ہے کہ ہر پھل دو قسم کا ہو گا۔ ظاہر ہے اس میں شرف و فضل کی جو زیادتی ہے، وہ دوسری بات میں نہیں ہے۔

(۶) خَيْرَاتٌ سے مراد اخلاق و کردار کی خوبیاں ہیں اور حَسَنَاتٌ کا مطلب ہے حسن و جمال میں یکتا۔

(۷) حدیث میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ”جنت میں موتیوں کے خیمے ہوں گے، ان کا عرض ساٹھ میل ہو گا، اس

پس (اے انسانو اور جنو!) تم اپنے رب کی کس کس نعمت کو جھٹلاؤ گے؟ (۷۳)

انکو ہاتھ نہیں لگایا کسی انسان یا جن نے اس سے قبل۔ (۷۴)
پس اپنے پروردگار کی کون کون سی نعمت کے ساتھ تم تکذیب کرتے ہو؟ (۷۵)

سبز مسندوں اور عمدہ فرشوں پر تکیہ لگائے ہوئے ہوں گے۔^(۱) (۷۶)

پس (اے جنو اور انسانو!) تم اپنے رب کی کس کس نعمت کو جھٹلاؤ گے؟^(۲) (۷۷)

يٰۤاَيُّهَا الْاَدَمُ رَبِّكُمْا تَكْذِبُن ۝۱۵

لَمُطِطْنُهُمْ اِنْشِ قُلُوبَهُمْ وَلِجَبَان ۝۱۶

يٰۤاَيُّهَا الْاَدَمُ رَبِّكُمْا تَكْذِبُن ۝۱۷

مُتَكَبِّرِيْنَ عَلَى رَفْرَفٍ خُفْرَةٍ وَعَبْرِيْ حَسْبَان ۝۱۸

يٰۤاَيُّهَا الْاَدَمُ رَبِّكُمْا تَكْذِبُن ۝۱۹

کے ہر کوئے میں جنتی کے اہل ہوں گے، جس کو دوسرے کوئے والے نہیں دیکھ سکیں گے۔ مومن اس میں گھوسے گا۔
(صحیح بخاری، تفسیر سورة الرحمن و کتاب بدء الخلق، باب ماجاء فی صفة الجنة، صحیح مسلم، کتاب الجنة، باب فی صفة خيام الجنة)

(۱) رَفْرَفٍ، مسند، عالیچہ یا اس قسم کا عمدہ فرش، عَبْرِيْ، ہر نفیس اور اعلیٰ چیز کو کہا جاتا ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے لیے یہ لفظ استعمال فرمایا، فَلَمْ اَرَ عَبْرِيًّا يَفْرِيْ فَرِيَه (البخاری، کتاب المناقب، باب فضل عمر۔ و صحیح مسلم، فضائل الصحابة، باب من فضائل عمر رضی اللہ عنہ) ”میں نے کوئی عبقری ایسا نہیں دیکھا جو عمر کی طرح کام کرتا ہو۔“ مطلب یہ ہے کہ جنتی ایسے تختوں پر فروکش ہوں گے جس پر سبز رنگ کی مسندیں، عالیچے اور اعلیٰ قسم کے خوب صورت منقش فرش بچھے ہوں گے۔

(۲) یہ آیت اس سورت میں ۳۱ مرتبہ آئی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس سورت میں اپنی اقسام و انواع کی نعمتوں کا ذکر فرمایا ہے اور ہر نعمت یا چند نعمتوں کے ذکر کے بعد یہ استفسار فرمایا ہے، حتیٰ کہ میدان محشر کی ہولناکیوں اور جہنم کے عذاب کے بعد بھی یہ استفسار فرمایا ہے، جس کا مطلب یہ ہے کہ امور آخرت کی یاد دہانی بھی نعمت عظیمہ ہے تاکہ بچنے والے اس سے بچنے کی سعی کر لیں۔ دوسری بات یہ معلوم ہوئی کہ جن بھی انسانوں کی طرح اللہ کی ایک مخلوق ہے بلکہ انسانوں کے بعد یہ دوسری مخلوق ہے جسے عقل و شعور سے نوازا گیا ہے اور اس کے بدلے میں ان سے صرف اس امر کا تقاضا کیا گیا ہے کہ وہ صرف ایک اللہ کی عبادت کریں۔ اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرائیں۔ مخلوقات میں یہی دو ہیں جو شرعی احکام و فرائض کے مکلف ہیں، اسی لیے انہیں ارادہ و اختیار کی آزادی دی گئی ہے تاکہ ان کی آزمائش ہو سکے، تیسرے، نعمتوں کے بیان سے یہ بھی ثابت ہوا کہ اللہ کی نعمتوں سے فائدہ اٹھانا جائز و مستحب ہے۔ یہ زہد و تقویٰ کے خلاف ہے اور نہ تعلق مع اللہ میں مانع، جیسا کہ بعض اہل

تَبَارَكَ اسْمُ رَبِّكَ ذِي الْجَلَالِ وَالْإِكْرَامِ ۝

تیرے پروردگار کا نام بابرکت ہے ^(۱) جو عزت و جلال والا ہے۔ (۷۸)

سورۃ واقعہ کی ہے اور اس میں چھانوے آیتیں اور تین رکوع ہیں۔



بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ۝

شروع کرتا ہوں اللہ تعالیٰ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے۔

جب قیامت قائم ہو جائے گی۔ ^(۲)

جس کے واقع ہونے میں کوئی جھوٹ نہیں۔ ^(۳)

وہ پست کرنے والی اور بلند کرنے والی ہوگی۔ ^(۴)

إِذَا وَقَعَتِ الْوَاقِعَةُ ۝

لَيْسَ يَؤُوقِعُهَا كَاذِبَةٌ ۝

خَافِضَةٌ رَّافِعَةٌ ۝

تصوف باور کراتے ہیں۔ چوتھے بار باریہ سوال کہ تم اللہ کی کون کون سی نعمتوں کی تکذیب کرو گے؟ یہ تو بیخ اور تردید کے طور پر ہے، جس کا مقصد اس اللہ کی نافرمانی سے روکنا ہے، جس نے یہ ساری نعمتیں پیدا اور میا فرمائیں۔ اسی لیے نبی ﷺ نے اس کے جواب میں یہ پڑھنا پسند فرمایا ہے۔ لَا يَشِينِي مِنْ نَعِيمِكَ رَبَّنَا نَكَذَّبْتَ فَلَكَ الْاَحْمَدُ 'اے ہمارے رب ہم تیری کسی بھی نعمت کی تکذیب نہیں کرتے، پس تمام تعریفیں تیرے ہی لیے ہیں' (سنن الترمذی والصحیحۃ للالبانی) لیکن اندرون صلاۃ اس جواب کا پڑھنا مشروع نہیں۔

(۱) تَبَارَكَ، برکت سے ہے جس کے معنی دوام و ثبات کے ہیں۔ مطلب ہے اس کا نام ہمیشہ رہنے والا ہے، یا اس کے پاس ہمیشہ خیر کے خزانے ہیں۔ بعض نے اس کے معنی بلندی اور علو شان کے کیے ہیں اور جب اس کا نام اتنا بابرکت یعنی خیر اور بلندی کا حامل ہے تو اس کی ذات کتنی برکت اور عظمت و رفعت والی ہوگی۔

☆ اس سورت کے بارے میں مشہور ہے کہ یہ سُورَةُ الْغِنَى (تو نگر کی سورت) ہے اور جو شخص اس کو ہر رات پڑھے گا اسے کبھی فاقہ نہیں آئے گا۔ لیکن واقعہ یہ ہے کہ اس سورت کی فضیلت میں کوئی مستند روایت نہیں ہے۔ ہر رات پڑھنے والی اور بچوں کو سکھانے والی روایتیں بھی ضعیف بلکہ موضوع ہیں۔ (دیکھئے الأحادیث الضعیفہ، للالبانی حدیث نمبر ۲۹۰۹ ج ۱/۳۰۵)

(۲) واقعہ بھی قیامت کے ناموں میں سے ہے، کیونکہ یہ لامحالہ واقع ہونے والا ہے، اس لیے اس کا یہ نام بھی ہے۔

(۳) پستی اور بلندی سے مطلب ذلت اور عزت ہے۔ یعنی اللہ کے اطاعت گزار بندوں کو یہ بلند اور نافرمانوں کو پست کرے

جبکہ زمین زلزلہ کے ساتھ ہلا دی جائے گی۔ (۴)
 اور پہاڑ بالکل ریزہ ریزہ کر دیے جائیں گے۔ (۵)^(۱)
 پھر وہ مثل پر آگندہ غبار کے ہو جائیں گے۔ (۶)
 اور تم تین جماعتوں میں ہو جاؤ گے۔ (۷)^(۲)
 پس داہنے ہاتھ والے کیسے اچھے ہیں داہنے ہاتھ
 والے۔ (۸)^(۳)
 اور بائیں ہاتھ والے کیا حال ہے بائیں ہاتھ
 والوں کا۔ (۹)^(۴)
 اور جو آگے والے ہیں وہ تو آگے والے ہی ہیں۔ (۱۰)^(۵)
 وہ بالکل نزدیکی حاصل کیے ہوئے ہیں۔ (۱۱)
 نعمتوں والی جنتوں میں ہیں۔ (۱۲)
 (بہت بڑا) گروہ تو اسگلی لوگوں میں سے ہو گا۔ (۱۳)
 اور تھوڑے سے پچھلے لوگوں میں سے۔ (۱۴)^(۶)

إِذَا زُلْزِلَتِ الْأَرْضُ زِلْجًا ۚ
 وَانْشَقَّتِ الْجِبَالُ بَسًّا ۚ
 فَكَانَتْ هَبًا رَمِيمًا ۚ
 وَكُنْتُمْ أَزْوَاجًا ثَلَاثَةً ۚ
 فَأَصْحَابُ الْمَيْمَنَةِ لَا أَصْحَابُ الْمَشْأَمَةِ ۚ
 وَأَصْحَابُ الْمَشْأَمَةِ لَا أَصْحَابُ الْمَشْأَمَةِ ۚ
 وَالطُّبْقُوتُونَ فِي الْطُّبْقُوتِ ۚ
 أُولَئِكَ الْمُقَرَّبُونَ ۚ
 فِي جَنَّاتِ النَّعِيمِ ۚ
 ثُلَّةٌ مِّنَ الْأَوَّلِينَ ۚ
 وَقَلِيلٌ مِّنَ الْآخِرِينَ ۚ

گی، چاہے دنیا میں معاملہ اس کے برعکس ہو۔ اہل ایمان وہاں معزز و مکرم ہوں گے اور اہل کفر و عصیان ذلیل و خوار۔

(۱) زَجَا کے معنی حرکت و اضطراب (زلزلہ) اور بس کے معنی ریزہ ریزہ ہو جانے کے ہیں۔

(۲) أَزْوَاجًا: أَصْنَافًا کے معنی میں ہے۔

(۳) اس سے عام مومنین مراد ہیں جن کو ان کے اعمال نامے دائیں ہاتھوں میں دیئے جائیں گے جو ان کی خوش بختی کی علامت ہوگی۔

(۴) اس سے مراد کافر ہیں جن کو ان کے اعمال نامے بائیں ہاتھوں میں پکڑائے جائیں گے۔

(۵) ان سے مراد خواص مومنین ہیں، یہ تیسری قسم ہے جو ایمان قبول کرنے میں سبقت کرنے اور نیکی کے کاموں میں بڑھ چڑھ کر حصہ لینے والے ہیں، اللہ تعالیٰ ان کو قرب خاص سے نوازے گا، یہ ترکیب ایسے ہی ہے، جیسے کہتے ہیں، تو تو ہے اور زید زید، اس میں گویا زید کی اہمیت اور فضیلت کا بیان ہے۔

(۶) ثُلَّةٌ اس بڑے گروہ کو کہا جاتا ہے جس کا گنتا ناممکن ہو۔ کہا جاتا ہے کہ اولین سے مراد حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر نبی صلی اللہ علیہ وسلم تک کی امت کے لوگ ہیں اور آخرین سے امت محمدیہ کے افراد۔ مطلب یہ ہے کہ پچھلی امتوں میں سابقین کا ایک بڑا گروہ ہے، کیونکہ ان کا زمانہ بہت لمبا ہے جس میں ہزاروں انبیاء کے سابقین شامل ہیں ان کے مقابلے میں امت محمدیہ کا زمانہ (قیامت تک) تھوڑا ہے، اس لیے ان میں سابقین بھی بہ نسبت گزشتہ امتوں کے

یہ لوگ سونے کے تاروں سے بنے ہوئے تختوں پر- (۱۵)
 ایک دوسرے کے سامنے تکیہ لگائے بیٹھے ہوں گے- (۱۶)^(۱)
 ان کے پاس ایسے لڑکے جو ہمیشہ (لڑکے ہی) رہیں گے
 آمدورفت کریں گے- (۱۷)
 آنخورے اور جگ لے کر اور ایسا جام لے کر جو بہتی
 ہوئی شراب سے پر ہو- (۱۸)
 جس سے نہ سر میں درد ہو نہ عقل میں فتور آئے- (۱۹)^(۲)
 اور ایسے میوے لیے ہوئے جو ان کی پسند کے
 ہوں- (۲۰)
 اور پرندوں کے گوشت جو انہیں مرغوب ہوں- (۲۱)
 اور بڑی بڑی آنکھوں والی حوریں- (۲۲)

عَلَى سُرُرٍ مَّوْضُونَةٍ ۝^(۱)
 مُتَّكِئِينَ عَلَيْهَا مُتَقَرَّبِينَ ۝^(۲)
 يَطُوفُ عَلَيْهِمْ وِلْدَانٌ مُّغْلَدُونَ ۝^(۳)
 بَاقٍ وَأَبْقَىٰ وَكَأَنَّ مِنْ مَّعِينٍ ۝^(۴)
 لَا يَصْدَعُونَ عَنْهَا وَلَا يَذْفُونَ ۝^(۵)
 وَكَأَنَّ مِمَّا يَخْتَارُونَ ۝^(۶)
 وَلَحْمِ طَيْرٍ مِّمَّا يَشْتَهُونَ ۝^(۷)
 وَحُورٍ عِينٍ ۝^(۸)

تھوڑے ہوں گے- اور ایک حدیث میں آتا ہے جس میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ ”مجھے امید ہے کہ تم جنتیوں کا نصف ہو گے۔“ (صحیح مسلم، نمبر ۲۰۰) تو یہ آیت کے مذکورہ مفہوم کے مخالف نہیں۔ کیونکہ امت محمدیہ کے سابقین اور عام مومنین ملا کر باقی تمام امتوں سے جنت میں جانے والوں کا نصف ہو جائیں گے، اس لیے محض سابقین کی کثرت (سابقہ امتوں میں) سے حدیث میں بیان کردہ تعداد کی نفی نہیں ہوگی۔ مگر یہ قول محل نظر ہے اور بعض نے اولین و آخرین سے اسی امت محمدیہ کے افراد مراد لیے ہیں۔ یعنی اس کے پہلے لوگوں میں سابقین کی تعداد زیادہ اور پچھلے لوگوں میں تھوڑی ہوگی۔ امام ابن کثیر نے اسی دوسرے قول کو ترجیح دی ہے۔ اور یہی زیادہ درست معلوم ہوتا ہے۔ یہ جملہ معترضہ ہے، فِی جَنَّتِ النَّعِيمِ اور عَلٰی سُرُرٍ مَّوْضُونَةٍ کے درمیان۔

(۱) مَوْضُونَةٍ بنے ہوئے، جڑے ہوئے۔ یعنی مذکورہ جنتی سونے کے تاروں سے بنے اور سونے جواہر سے جڑے ہوئے تختوں پر ایک دوسرے کے سامنے تکیوں پر بیٹھے ہوں گے یعنی رودر رو ہوں گے نہ کہ پشت پہ پشت۔
 (۲) یعنی وہ بڑے نہیں ہوں گے کہ بوڑھے ہو جائیں نہ ان کے خدو خال اور قد و قامت میں کوئی تغیر واقع ہوگا، بلکہ ایک ہی عمر اور ایک ہی حالت پر رہیں گے، جیسے نو عمر لڑکے ہوتے ہیں۔

(۳) صَدَاعُ ایسے سر درد کو کہتے ہیں جو شراب کے نشے اور خمار کی وجہ سے ہو اور إِنْزَافُ کے معنی، وہ فتور عقل جو مدہوشی کی بنیاد پر ہو۔ دنیا کی شراب کے نتیجے میں یہ دونوں چیزیں ہوتی ہیں، آخرت کی شراب میں سرور اور لذت تو یقیناً ہوگی لیکن یہ خرابیاں نہیں ہوں گی۔ مَعِينٌ چشمہ جاری جو خشک نہ ہو۔

جو چھپے ہوئے موتیوں کی طرح ہیں۔^(۱) (۲۳)
یہ صلہ ہے ان کے اعمال کا۔ (۲۴)
نہ وہاں بکواس سنیں گے اور نہ گناہ کی بات۔ (۲۵)
صرف سلام ہی سلام کی آواز ہوگی۔^(۲) (۲۶)
اور داہنے ہاتھ والے کیا ہی اچھے ہیں داہنے ہاتھ
والے۔^(۳) (۲۷)
وہ بغیر کانٹوں کی بیروں۔ (۲۸)
اور تہ بہ تہ کیلوں۔ (۲۹)
اور لمبے لمبے سایوں۔^(۴) (۳۰)
اور بستے ہوئے پانیوں۔ (۳۱)
اور بکثرت پھلوں میں۔ (۳۲)
جو نہ ختم ہوں نہ روک لیے جائیں۔^(۵) (۳۳)

كَأَمْثَالِ الْوُثْقِ الْمَكْنُونِ ۝
جَزَاءُ مَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ۝
لَا يَسْمَعُونَ فِيهَا لَغْوًا وَلَا تَأْتِيهَا ۝
إِلَّا قِيلًا سَلَامًا سَلَامًا ۝
وَأَصْحَابُ الْيَمِينِ ۝ لَا أَصْحَابُ الْيَمِينِ ۝
فِي سِدْرٍ مَّخْضُودٍ ۝
وَطَلْحٍ مُنْقُودٍ ۝
وَقَطْرِ مَسْكُودٍ ۝
وَأَمْوٍ مَسْكُودٍ ۝
وَقَالِكُمْ كَيْدٌ ۝
لَا مَقْطُوعَةٍ وَلَا مَمْنُوعَةٍ ۝

(۱) مَكْنُونُ، جسے چھپا کر رکھا گیا، اس کو کسی کے ہاتھ لگے ہوں نہ گرد و غبار اسے پہنچا ہو۔ ایسی چیز بالکل صاف ستھری اور اصلی حالت میں رہتی ہے۔

(۲) یعنی دنیا میں تو باہم لڑائی جھگڑے ہی ہوتے ہیں، حتیٰ کہ بسن بھائی بھی اس سے محفوظ نہیں، اس اختلاف و نزاع سے دلوں میں کدورتیں اور بغض و عناد پیدا ہوتا ہے جو ایک دوسرے کے خلاف بدزبانی، سب و شتم، غیبت اور چغل خوری وغیرہ پر انسان کو آمادہ کرتا ہے۔ جنت ان تمام اخلاقی گندگیوں اور بے ہودگیوں سے نہ صرف پاک ہوگی، بلکہ وہاں سلام ہی سلام کی آوازیں سننے میں آئیں گی، فرشتوں کی طرف سے بھی اور آپس میں اہل جنت کی طرف سے بھی۔ جس کا مطلب ہے کہ وہاں سلام و تحیہ تو ہو گا لیکن دل اور زبان کی وہ خرابیاں نہیں ہوں گی جو دنیا میں عام ہیں حتیٰ کہ بڑے بڑے دین دار بھی ان سے محفوظ نہیں۔

(۳) اب تک سابقین (مُقَرَّبِينَ) کا ذکر تھا، أَصْحَابُ الْيَمِينِ سے اب عام مومنین کا ذکر ہو رہا ہے۔
(۴) جیسے ایک حدیث میں ہے کہ ”جنت کے ایک درخت کے سائے تلے ایک گھوڑ سوار سو سال تک چلتا رہے گا“ تب بھی وہ سایہ ختم نہیں ہوگا۔“ (صحیح بخاری، تفسیر سورة الواقعة، ’مسلم‘، کتاب الجنة، ’باب إن فی الجنة شجرة.....‘)
(۵) یعنی یہ پھل موسمی نہیں ہوں گے کہ موسم گزر گیا تو یہ پھل بھی آئندہ فصل تک ناپید ہو جائیں، یہ پھل اس طرح فصل گل و لالہ کے پابند بھی نہیں ہوں گے، بلکہ ہر وقت دستیاب رہیں گے۔

اور اونچے اونچے فرشوں میں ہوں گے۔ ^(۱) (۳۴)	وَفُوشٍ مَّرْفُوعَةٍ ۝
ہم نے ان (کی بیویوں کو) خاص طور پر بنایا ہے۔ (۳۵)	إِنَّا أَنشَأْنَاهُنَّ إِنثَاءً ۝
اور ہم نے انہیں کنواریاں بنا دیا ہے۔ ^(۲) (۳۶)	فَجَعَلْنَهُنَّ أَجْحَارًا ۝
محبت والیاں اور ہم عمر ہیں۔ ^(۳) (۳۷)	عُرُوبًا أَوْ يُنَاثًا ۝
دائیں ہاتھ والوں کے لیے ہیں۔ (۳۸)	لَا أَغْضِبُ أَلَمِيْنٌ ۝
جم غفیر ہے اگلوں میں سے۔ ^(۴) (۳۹)	ثَلَاثَةٌ مِنَ الْأَوَّلِينَ ۝
اور بہت بڑی جماعت ہے پچھلوں میں سے۔ ^(۵) (۴۰)	وَتِلْكَ مِنَ الْآخِرِينَ ۝
اور بائیں ہاتھ والے کیا ہیں بائیں ہاتھ والے۔ ^(۶) (۴۱)	وَأَغْضِبُ الْيَمَانَةَ مَا أَغْضِبُ الْيَمَانَةَ ۝
گرم ہوا اور گرم پانی میں (ہوں گے) (۴۲)	فِي مَقْعَدٍ وَحِدِيْمٍ ۝

(۱) بعض نے فرشوں سے بیویوں اور مرفوعہ سے بلند مرتبہ کا مفہوم مراد لیا ہے۔

(۲) أَنشَأْنَاهُنَّ کا مرجع اگرچہ قریب میں نہیں ہے لیکن سیاق کلام اس پر دلالت کرتا ہے کہ اس سے مراد اہل جنت کو ملنے والی بیویاں اور حور عین ہیں۔ حوریں، ولادت کے عام طریقے سے پیدا شدہ نہیں ہوں گی، بلکہ اللہ تعالیٰ خاص طور پر انہیں جنت میں اپنی قدرت خاص سے بنائے گا، اور جو دنیاوی عورتیں ہوں گی، تو وہ بھی حوروں کے علاوہ اہل جنت کو بیویوں کے طور پر ملیں گی، ان میں بوڑھی، کالی، بد شکل، جس طرح کی بھی ہوں گی، سب کو اللہ تعالیٰ جنت میں جوانی اور حسن و جمال سے نواز دے گا، نہ کوئی بوڑھی، بوڑھی رہے گی، نہ کوئی بد شکل، بد شکل بلکہ سب باکرہ (کنواری) کی حیثیت میں ہوں گی۔

(۳) عُرُوبٌ، عُرُوبَةُ کی جمع ہے۔ ایسی عورت جو اپنے حسن و جمال اور دیگر محاسن کی وجہ سے خاوند کو نہایت محبوب ہو۔ أَثَرَاتُ تَزْوِجِ کی جمع ہے۔ ہم عمر، یعنی سب عورتیں جو اہل جنت کو ملیں گی، ایک ہی عمر کی ہوں گی، جیسا کہ حدیث میں بیان کیا گیا ہے کہ سب جنتی ۳۳ سال کی عمر کے ہوں گے، (سنن ترمذی، باب ما جاء فی سنن أهل الجنة) یا مطلب ہے کہ خاوندوں کی ہم عمر ہوں گی۔ مطلب دونوں صورتوں میں ایک ہی ہے۔

(۴) یعنی آدم علیہ السلام سے لے کر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تک کے لوگوں میں سے یا خود امت محمدیہ کے اگلوں میں سے۔

(۵) یعنی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی امت میں سے یا آپ کی امت کے پچھلوں میں سے۔

(۶) اس سے مراد اہل جہنم ہیں، جن کو ان کے اعمال ناے بائیں ہاتھ میں پکڑائے جائیں گے، جو ان کی مقدر شدہ شقاوت کی علامت ہوگی۔

وَقُلْ قَنْ يَحْمُومٌ ﴿۳۳﴾

اور سیاہ دھوئیں کے سائے میں۔ (۳۳)

لَا بَارِدٌ وَلَا دَافِقٌ ﴿۳۴﴾

جو نہ ٹھنڈا ہے نہ فرحت بخش۔ (۳۴)

إِنَّمَا كَانُوا اقْبَلَ ذَلِكَ مُتَوَفِينَ ﴿۳۵﴾

بیشک یہ لوگ اس سے پہلے بہت نازوں میں پلے ہوئے تھے۔ (۳۵)

وَكَاؤُوا يَصْرُونَ عَلَى الْجَنَّةِ الْعَظِيمِ ﴿۳۶﴾

اور بڑے بڑے گناہوں پر اصرار کرتے تھے۔ (۳۶)
اور کہتے تھے کہ کیا جب ہم مرجائیں گے اور مٹی اور
بڑی ہو جائیں گے تو کیا ہم پھر دوبارہ اٹھا کھڑے کیے
جائیں گے۔ (۳۷)

وَكَاؤُوا يَقُولُونَ هَآءِ أَيْدَانُنَا وَكُنَّا ثَرِيًّا وَعِظَامُنَا إِذَا الْكَبْعُ مَوْثُؤُونَ ﴿۳۷﴾

أَوَاثُنَا الْوَدَّوُونَ ﴿۳۸﴾

اور کیا ہمارے اگلے باپ دادا بھی؟ (۳۸)

قُلْ إِنَّ الْوَدَّيْنِ وَالْأَرْضَيْنِ ﴿۳۹﴾

آپ کہہ دیجئے کہ یقیناً سب اگلے اور پچھلے۔ (۳۹)

لَسَجُوعُونَ ۖ إِلَىٰ مِيقَاتِ يُعْمَرُ مَعْلُومٌ ﴿۴۰﴾

ضرور جمع کئے جائیں گے ایک مقرر دن کے وقت۔ (۴۰)

تُرَاكُمُ أَيُّهَا الصَّالِحُونَ الْمُنْذِرُونَ ﴿۴۱﴾

پھر تم اے گمراہ ہو جھٹلانے والو! (۴۱)

لَا كُنُونَ مِنْ شَجَرٍ مِّنْ رَّقُومٍ ﴿۴۲﴾

البتہ کھانے والے ہو تھوہر کا درخت۔ (۴۲)

(۱) سَمُومٌ: آگ کی حرارت یا گرم ہوا جو مسام بدن میں گھس جائے۔ حَمِيمٌ، کھولتا ہوا پانی، يَحْمُومٌ، حَمَمَةٌ سے ہے، بمعنی سیاہ، اور احم بہت زیادہ سیاہ چیز ہو تو کہا جاتا ہے، يَحْمُومٌ۔ کے معنی سخت کالا دھواں مطلب یہ ہے کہ جہنم کے عذاب سے تنگ آکر وہ ایک سائے کی طرف دوڑیں گے، لیکن جب وہاں پہنچیں گے تو معلوم ہو گا کہ یہ سایہ نہیں ہے، جہنم ہی کی آگ کا سخت سیاہ دھواں ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ یہ حَم سے ہے جو اس چربی کو کہتے ہیں جو آگ میں جل جل کر سیاہ ہو گئی ہو۔ بعض کہتے ہیں، یہ حَمَم سے ہے، جو کونکے کے معنی میں ہے۔ اسی لیے امام ضحاک فرماتے ہیں۔ آگ بھی سیاہ ہے، اہل نار بھی سیاہ روہوں گے اور جہنم میں جو کچھ بھی ہو گا، سیاہ ہی ہو گا۔ اَللّٰهُمَّ اَجِرْنَا مِنَ النَّارِ۔

(۲) یعنی سایہ ٹھنڈا ہوتا ہے، لیکن یہ جس کو سایہ سمجھ رہے ہوں گے، وہ سایہ ہی نہیں ہو گا، جو ٹھنڈا ہو، وہ تو جہنم کا دھواں ہو گا، وَلَا كَرْنِمٌ جس میں کوئی حسن منظر یا خیر نہیں۔ یا حلاوت نہیں۔

(۳) یعنی دنیا میں آخرت سے غافل ہو کر عیش و عشرت کی زندگی میں ڈوبے ہوئے تھے۔

(۴) اس سے معلوم ہوا کہ عقیدہ آخرت کا انکار ہی کفر و شرک اور معاصی میں ڈوبے رہنے کا بنیادی سبب ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جب آخرت کا تصور، اس کے ماننے والوں کے ذہنوں میں دھندلا جاتا ہے، تو ان میں بھی فسق و فجور عام ہو جاتا ہے۔ جیسے آج کل عام مسلمانوں کا حال ہے۔

اور اسی سے پیٹ بھرنے والے ہو۔ ^(۱) (۵۳)	فَمَا لَكُمْ وَلِئِمَّا لَمْ يَأْتِكُمْ ۝
پھر اس پر گرم کھولتا پانی پینے والے ہو۔ (۵۴)	فَشَرِبُونَ عَلَيْهِ مِنَ الْحَمِيمِ ۝
پھر پینے والے بھی پیاسے اونٹوں کی طرح۔ ^(۲) (۵۵)	فَتَشْرَبُونَ شُرْبَ الْهَيْحَرِ ۝
قیامت کے دن ان کی مسمانی یہ ہے۔ ^(۳) (۵۶)	هَذَا نَزْلُ لَهُمْ يَوْمَ الدِّينِ ۝
ہم ہی نے تم سب کو پیدا کیا ہے پھر تم کیوں باور نہیں کرتے؟ ^(۴) (۵۷)	عَنْ خَلْقِكُمْ فَلَوْلَا نَصْوُهُمْ ۝
اچھا پھر یہ تو بتلاؤ کہ جو منی تم ٹپکاتے ہو۔ (۵۸)	أَفَرَأَيْتُمْ مَا كُمُّونَ ۝
کیا اس کا (انسان) تم بناتے ہو یا پیدا کرنے والے ہم ہی ہیں؟ ^(۵) (۵۹)	مَا أَنْتُمْ خَالِقُونَ إِنَّمَا كُنَّ الْخَلْقُوتُ ۝
ہم ہی نے تم میں موت کو متعین کر دیا ہے ^(۶) اور ہم اس سے ہارے ہوئے نہیں ہیں۔ ^(۷) (۶۰)	عَنْ قَدَرٍ نَّأْتِكُمُ الْمَوْتَ وَمَا عَنْكُمْ بِمُسْوِقِينَ ۝

(۱) یعنی اس کریمہ المنظر اور نہایت بد ذائقہ اور تلخ درخت کا کھانا تمہیں اگرچہ سخت ناگوار ہو گا، لیکن بھوک کی شدت سے تمہیں اسی سے اپنا پیٹ بھرنا ہو گا۔

(۲) هَيْحَرٌ، اُنہیں کی جمع ہے، ان پیاسے اونٹوں کو کہا جاتا ہے جو ایک خاص بیماری کی وجہ سے پانی پر پانی پیئے جاتے ہیں لیکن ان کی پیاس نہیں بجھتی۔ مطلب یہ ہے کہ زقوم کھانے کے بعد پانی بھی اس طرح نہیں پیو گے جس طرح عام معمول ہوتا ہے، بلکہ ایک تو بطور عذاب کے تمہیں پینے کے لیے کھولتا ہوا پانی ملے گا۔ دوسرا تم اسے پیاسے اونٹوں کی طرح پیئے جاؤ گے لیکن تمہاری پیاس دور نہیں ہو گی۔

(۳) یہ بطور استہزا اور تنکیم کے فرمایا، ورنہ مسمانی تو وہ ہوتی ہے جو مسمان کی عزت کے لیے تیار کی جاتی ہے۔ یہ ایسے ہی ہے جیسے بعض مقام پر فرمایا ﴿فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ أَلِيمٍ﴾ (آل عمران ۳۱) ”ان کو دردناک عذاب کی خوش خبری سنا دیجئے۔“

(۴) یعنی تم جانتے ہو کہ تمہیں پیدا کرنے والا اللہ ہی ہے، پھر تم اس کو مانتے کیوں نہیں ہو؟ یا دوبارہ زندہ کرنے پر یقین کیوں نہیں کرتے؟

(۵) یعنی تمہارے بیویوں سے مباشرت کرنے کے نتیجے میں تمہارے جو قطرات منی عورتوں کے رحموں میں جاتے ہیں، ان سے انسانی شکل و صورت بنانے والے ہم ہیں یا تم؟

(۶) یعنی ہر شخص کی موت کا وقت مقرر کر دیا ہے، جس سے کوئی تجاوز نہیں کر سکتا۔ چنانچہ کوئی بچپن میں، کوئی جوانی میں اور کوئی بڑھاپے میں فوت ہوتا ہے۔

(۷) یا مغلوب اور عاجز نہیں ہیں، بلکہ قادر ہیں۔

کہ تمہاری جگہ تم جیسے اور پیدا کر دیں اور تمہیں نئے سرے سے اس عالم میں پیدا کریں جس سے تم (بالکل) بے خبر ہو۔^(۱) (۶۱)

تمہیں یقینی طور پر پہلی دفعہ کی پیدائش معلوم ہی ہے پھر کیوں عبرت حاصل نہیں کرتے؟^(۲) (۶۲)

اچھا پھر یہ بھی بتلاؤ کہ تم جو کچھ بولتے ہو۔^(۳) (۶۳)

اسے تم ہی اگاتے ہو یا ہم اگاتے والے ہیں۔^(۴) (۶۴)

اگر ہم چاہیں تو اسے ریزہ ریزہ کر ڈالیں اور تم حیرت کے ساتھ باتیں بناتے ہی رہ جاؤ۔^(۵) (۶۵)

کہ ہم پر تو تاوان ہی پڑ گیا۔^(۶) (۶۶)

عَلَىٰ أَنْ يُبَدِّلَ أَمْنًا لَّكُمْ وَنُفُسَكُمْ فِي مَا لَا تَعْلَمُونَ ۝

وَلَقَدْ عَلِمْتُمُ النَّشْأَةَ الْأُولَىٰ فَكُلُّوْا لِمَا كُتِبَ عَلَيْكُمُ

أَقْرَبَ يَوْمَ تَأْتِي سَاعَ الْوَعْدِ ۝

وَأَنْتُمْ تَرْجُونَ أَلَمْ يَعْنِ الزَّيْرُوعُونَ ۝

لَوْ نَشَاءُ لَجَعَلْنَاهُ حُطَامًا فَظَلَمْتُمْ تَفْكَهُنَّ ۝

إِنَّا لَمَعْرِضُونَ ۝

(۱) یعنی تمہاری صورتیں مسخ کر کے تمہیں بندر اور خنزیر بنادیں اور تمہاری جگہ تمہاری شکل و صورت کی کوئی اور مخلوق پیدا کر دیں۔

(۲) یعنی کیوں یہ نہیں سمجھتے کہ جس طرح اس نے تمہیں پہلی مرتبہ پیدا کیا (جس کا تمہیں علم ہے) وہ دوبارہ بھی پیدا کر سکتا ہے۔

(۳) یعنی زمین میں تم جو بیج بولتے ہو، اس سے ایک درخت زمین کے اوپر نمودار ہو جاتا ہے۔ غلے کے ایک بے جان دانے کو چھاڑ کر اور زمین کے سینے کو چیر کر اس طرح درخت اگلنے والا کون ہے؟ یہ بھی منی کے قطرے سے انسان بنا دینے کی طرح ہماری ہی قدرت کا شاہکار ہے یا تمہارے کسی ہنر یا چھو منتر کا نتیجہ ہے؟

(۴) یعنی کھیتی کو سرسبز و شاداب کرنے کے بعد، جب وہ پکنے کے قریب ہو جائے تو ہم اگر چاہیں تو اسے خشک کر کے ریزہ ریزہ کر دیں اور تم حیرت سے منہ ہی تکتے رہ جاؤ۔ تَفْكَهُنَّ اضداد میں سے ہے اس کے معنی نعت و خوش حالی بھی ہیں اور حزن و یاس بھی۔ یہاں دوسرے معنی مراد ہیں، اس کے مختلف معانی کیے گئے ہیں، تَنْوَعُونَ كَلَامَكُمْ، تَنْدَمُونَ، تَحْزَنُونَ، تَعَجِبُونَ، تَلَاوَمُونَ اور تَفْجَعُونَ وغیرہ۔ ظَلَمْتُمْ، اصل میں ظَلَمْتُمْ، بمعنی صِرْتُمْ اور تَفْكَهُنَّ تَنْفَكَّهُنَّ ہے۔

(۵) یعنی ہم نے پہلے زمین پر بل چلا کر اسے ٹھیک کیا پھر بیج ڈالا، پھر اسے پانی دیتے رہے، لیکن جب فصل کے پکنے کا وقت آیا تو وہ خشک ہو گئی، اور ہمیں کچھ بھی نہ ملا یعنی یہ سارا خرچ اور محنت، ایک تاوان ہی ہوا جو ہمیں برداشت کرنا پڑا۔ تاوان کا مطلب یہی ہوتا ہے کہ انسان کو اس کے مال یا محنت کا معاوضہ نہ ملے، بلکہ وہ یوں ہی ضائع ہو جائے یا زبردستی اس سے کچھ وصول کر لیا جائے اور اس کے بدلے میں اسے کچھ نہ دیا جائے۔

بلکہ ہم بالکل محروم ہی رہ گئے۔ (۶۷)
 اچھا یہ بتاؤ کہ جس پانی کو تم پیتے ہو۔ (۶۸)
 اسے بادلوں سے بھی تم ہی اتارتے ہو یا ہم
 برساتے ہیں؟ (۶۹)
 اگر ہماری فضا ہو تو ہم اسے کڑوا زہر کر دیں پھر تم ہماری
 شکر گزاری کیوں نہیں کرتے؟^(۱) (۷۰)
 اچھا ذرا یہ بھی بتاؤ کہ جو آگ تم سلگاتے ہو۔ (۷۱)
 اس کے درخت کو تم نے پیدا کیا ہے یا ہم اس کے پیدا
 کرنے والے ہیں؟^(۲) (۷۲)
 ہم نے اسے سبب نصیحت^(۳) اور مسافروں کے فائدے
 کی چیز بنایا ہے۔^(۴) (۷۳)
 پس اپنے بہت بڑے رب کے نام کی تسبیح کیا کرو۔ (۷۴)

بَلْ عَنْ مَحْرُومُونَ ﴿۶۷﴾
 أَقْوَمُ يَمْشِي الْمَاءَ الَّذِي تَشْرَبُونَ ﴿۶۸﴾
 ءَأَنْتُمْ أَنْزَلْتُمُوهُ مِنَ الْمُزْنِ أَمْ عَنْ الْمُنْزِلُونَ ﴿۶۹﴾
 لَوْ نَشَاءُ جَعَلْنَاهُ أَجَاجًا فَلَوْلَا تَشْكُرُونَ ﴿۷۰﴾
 أَقَرَّ يَمْشِي النَّارَ الَّتِي تَوْرُونَ ﴿۷۱﴾
 ءَأَنْتُمْ أَنْشَأْتُمْ شَجَرَهَا أَمْ عَنْ الْمُنْشِئِينَ ﴿۷۲﴾
 عَنْ جَعَلْنَاهَا تَذْكِرَةً وَمَتَاعًا لِلْمُعْوِنِينَ ﴿۷۳﴾
 فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ الْعَظِيمِ ﴿۷۴﴾

(۱) یعنی اس احسان پر ہماری اطاعت کر کے ہمارا عملی شکر ادا کیوں نہیں کرتے؟

(۲) کہتے ہیں عرب میں دو درخت ہیں، مرغ اور عفار، ان دونوں سے مٹھنیاں لے کر، ان کو آپس میں رگزا جائے تو اس سے آگ کے شرارے نکلتے ہیں۔

(۳) کہ اس کے اثرات اور فوائد حیرت انگیز ہیں اور دنیا کی بے شمار چیزوں کی تیاری کے لیے اسے ریڑھ کی ہڈی کی حیثیت حاصل ہے۔ جو ہماری قدرت عظیمہ کی نشانی ہے، پھر ہم نے جس طرح دنیا میں یہ آگ پیدا کی ہے، ہم آخرت میں بھی پیدا کرنے پر قادر ہیں۔ جو اس سے ۶۹ درجہ حرارت میں زیادہ ہوگی۔ (کَمَا فِي الْحَدِيثِ)

(۴) مُفْقَوِيْن، مُفْقَوِي کی جمع ہے، قَوَاء یعنی خالی صحرا میں داخل ہونے والا، مراد مسافر ہے۔ یعنی مسافر صحراؤں اور جنگلوں میں ان درختوں سے فائدہ اٹھاتے ہیں، اس سے روشنی گرمی اور ایندھن حاصل کرتے ہیں۔ بعض نے مُفْقَوِي سے وہ فقرا مراد لیے ہیں جو بھوک کی وجہ سے خالی پیٹ ہوں۔ بعض نے اس کے معنی مُسْتَفْتِعِينَ (فائدہ اٹھانے والے) کیے ہیں۔ اس میں امیر، غریب، مقیم اور مسافر سب آجاتے ہیں اور سب ہی آگ سے فائدہ اٹھاتے ہیں، اسی لیے حدیث میں جن تین چیزوں کو عام رکھنے کا اور ان سے کسی کو نہ روکنے کا حکم دیا گیا ہے، ان میں پانی اور گھاس کے علاوہ آگ بھی ہے، (ابوداؤد، کتاب البیوع، باب فی منع الماء، وسنن ابن ماجہ، کتاب الرھون، باب المسلمون شرکاء فی ثلاث، امام ابن کثیر نے اس مفہوم کو زیادہ پسند کیا ہے۔

پس میں قسم کھاتا ہوں ستاروں کے گرنے کی۔^(۱) (۷۵)
 اور اگر تمہیں علم ہو تو یہ بہت بڑی قسم ہے۔ (۷۶)
 کہ بیشک یہ قرآن بہت بڑی عزت والا ہے۔^(۲) (۷۷)
 جو ایک محفوظ کتاب میں درج ہے۔^(۳) (۷۸)
 جسے صرف پاک لوگ ہی چھو سکتے ہیں۔^(۴) (۷۹)
 یہ رب العالمین کی طرف سے اتر ا ہوا ہے۔ (۸۰)
 پس کیا تم ایسی بات کو سرسری (اور معمولی) سمجھ رہے
 ہو؟^(۵) (۸۱)
 اور اپنے حصے میں یہی لیتے ہو کہ جھڑپاتے پھرو۔ (۸۲)
 پس جبکہ روح نر خرے تک پہنچ جائے۔ (۸۳)

فَلَا أَقْسِمُ بِمَوْقِعِ النَّجْمِ ۖ^(۱)
 وَإِنَّهُ لَقَسَمٌ لِّوَعْلَمُونَ عَظِيمٌ ۖ^(۲)
 إِنَّهُ لَقُرْآنٌ كَرِيمٌ ۖ^(۳)
 فِي كِتَابٍ مَّكْنُونٍ ۖ^(۴)
 لَا يَسْمَعُ إِلَّا الْبَاطِلُونَ ۖ^(۵)
 تَنْزِيلٌ مِّن رَّبِّ الْعَالَمِينَ ۖ^(۶)
 أَفَأَمَّا الْغَالِيُونَ ۖ^(۷)
 الَّذِينَ كَفَرُوا بِالْعِلْمِ وَلَظَمُوا عِلْمَهُمْ ۖ^(۸)
 وَمَنَعْلَمُونَ بِذِكْرِهِ الْكَاتِبِينَ ۖ^(۹)
 فَلَوْلَا إِذَا بَلَغَتِ الْحُلُقُومَ ۖ^(۱۰)

(۱) فَلَا أَقْسِمُ میں لا زائد ہے جو تاکید کے لیے ہے۔ یا یہ زائد نہیں ہے۔ بلکہ ما قبل کی کسی چیز کی نفی کے لیے ہے۔ یعنی یہ قرآن کمانت یا شاعری نہیں ہے بلکہ میں ستاروں کے گرنے کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ یہ قرآن عزت والا ہے..... مَوَاقِعُ النَّجْمِ سے مراد ستاروں کے طلوع و غروب کی جگہیں اور ان کی منزلیں اور مدار ہیں۔ بعض نے ترجمہ کیا ہے ”قسم کھاتا ہوں آیتوں کے اترنے کی پیغیروں کے دلوں میں (موضع القرآن) یعنی نجوم‘ قرآن کی آیات اور مواقع‘ قلوب انبیا۔ بعض نے اس کا مطلب قرآن کا آہستہ آہستہ بتدریج اترنا اور بعض نے قیامت والے دن ستاروں کا جھڑپا مراد لیا ہے۔ (ابن کثیر)

(۲) یہ جواب قسم ہے۔

(۳) یعنی لوح محفوظ ہیں۔

(۴) لَا يَسْمَعُ میں ضمیر کا مرجع لوح محفوظ ہے اور پاک لوگوں سے مراد فرشتے، بعض نے اس کا مرجع‘ قرآن کریم کو بنایا ہے یعنی اس قرآن کو فرشتے ہی چھوتے ہیں، یعنی آسمانوں پر فرشتوں کے علاوہ کسی کی بھی رسائی اس قرآن تک نہیں ہوتی۔ مطلب مشرکین کی تردید ہے جو کہتے تھے کہ قرآن شیاطین لے کر اترتے ہیں۔ اللہ نے فرمایا یہ کیوں کر ممکن ہے۔ یہ قرآن تو شیطانی اثرات سے بالکل محفوظ ہے۔

(۵) حدیث سے مراد قرآن کریم ہے مُذَاهَنَةٌ وہ نرمی جو کفر و نفاق کے مقابلے میں اختیار کی جائے دراصل حاکمہ ان کے مقابلے میں سخت تر رویے کی ضرورت ہے۔ یعنی اس قرآن کو اپنانے کے معاملے میں تمام کافروں کو خوش کرنے کے لیے نرمی اور اعراض کا راستہ اختیار کر رہے ہو۔ حالانکہ یہ قرآن جو مذکورہ صفات کا حامل ہے، اس لائق ہے کہ اسے نہایت خوشی سے اپنایا جائے۔

اور تم اس وقت آنکھوں سے دیکھتے رہو۔^(۱) (۸۴)
 ہم اس شخص سے بہ نسبت تمہارے بہت زیادہ قریب
 ہوتے ہیں^(۲) لیکن تم نہیں دیکھ سکتے۔^(۳) (۸۵)
 پس اگر تم کسی کے زیر فرمان نہیں۔ (۸۶)
 اور اس قول میں سچے ہو تو (ذرا) اس روح کو تو
 لوٹاؤ۔^(۴) (۸۷)
 پس جو کوئی بارگاہ الہی سے قریب کیا ہوا ہوگا۔^(۵) (۸۸)
 اسے تو راحت ہے اور غذائیں ہیں اور آرام والی
 جنت ہے۔ (۸۹)
 اور جو شخص داہنے (ہاتھ) والوں میں سے ہے۔^(۶) (۹۰)
 تو بھی سلامتی ہے تیرے لیے کہ تو داہنے والوں میں سے
 ہے۔ (۹۱)

وَأَنْتُمْ ضَلُّوا سَبِيلَكُمْ ۖ
 وَمَنْ أَقْرَبُ إِلَيْهِ مِنْكُمْ وَلَكِنْ لَا تُبْصِرُونَ ۖ
 فَلَوْلَا إِنْ كُنْتُمْ غَيْرَ مَدِينِينَ ۖ
 تُرْجَوْنَهَا أَنْ كُنْتُمْ مُضِلًّا ۖ
 فَأَتَاكَ إِنْ كَانَ مِنَ الْمُقَرَّبِينَ ۖ
 فَسَوْءٌ وَرِيحَانٌ وَجَبَتْ نَعِيمٌ ۖ
 وَأَتَاكَ إِنْ كَانَ مِنَ الْمُضِلِّينَ ۖ
 فَسَلُوكَ مِنَ الْمُضِلِّينَ ۖ

- (۱) یعنی روح نکلتے ہوئے دیکھتے ہو لیکن اسے ٹال سکنے کی یا اسے کوئی فائدہ پہنچانے کی قدرت نہیں رکھتے۔
 (۲) یعنی مرنے والے کے ہم، تم سے بھی زیادہ قریب ہوتے ہیں۔ اپنے علم، قدرت اور رؤیت کے اعتبار سے۔ یا ہم سے مراد اللہ کے کارندے یعنی موت کے فرشتے ہیں جو اس کی روح قبض کرتے ہیں۔
 (۳) یعنی اپنی جہالت کی وجہ سے تمہیں اس بات کا ادراک نہیں کہ اللہ تو تمہاری شہ رگ سے بھی زیادہ قریب ہے یا روح قبض کرنے والے فرشتوں کو تم دیکھ نہیں سکتے۔
 (۴) دَاۤئِدِیْنُ کے معنی ہیں ماتحت ہونا، دوسرے معنی ہیں بدلہ دینا۔ یعنی اگر تم اس بات میں سچے ہو کہ کوئی تمہارا آقا اور مالک نہیں جس کے تم زیر فرمان اور ماتحت ہو یا کوئی جزا سزا کا دن نہیں آئے گا، تو اس قبض کی ہوئی روح کو اپنی جگہ پر واپس لوٹا کر دکھاؤ اور اگر تم ایسا نہیں کر سکتے تو اس کا صاف مطلب یہ ہے کہ تمہارا گمان باطل ہے۔ یقیناً تمہارا ایک آقا ہے اور یقیناً ایک دن آئے گا جس میں وہ آقا ہر ایک کو اس کے عمل کی جزا دے گا۔
 (۵) سورت کے آغاز میں اعمال کے لحاظ سے انسانوں کی جو تین قسمیں بیان کی گئی تھیں، ان کا پھر ذکر کیا جا رہا ہے۔ یہ ان کی پہلی قسم ہے جنہیں مقربین کے علاوہ سابقین بھی کہا جاتا ہے۔ کیونکہ وہ نیکی کے ہر کام میں آگے آگے ہوتے ہیں اور قبول ایمان میں بھی وہ دوسروں سے سبقت کرتے ہیں اور اپنی اسی خوبی کی وجہ سے وہ مقربین بارگاہ الہی قرار پاتے ہیں۔
 (۶) یہ دوسری قسم ہے، عام مومنین۔ یہ بھی جہنم سے بچ کر جنت میں جائیں گے، تاہم درجات میں سابقین سے کم تر ہوں گے۔ موت کے وقت فرشتے ان کو بھی سلامتی کی خوش خبری دیتے ہیں۔

وَأَقَالَن كَانَ مِنَ الْمُكَذِّبِينَ الضَّالِّينَ ﴿٩٢﴾

فَنُزِّلَ مِنَ الْجَنَّةِ ﴿٩٣﴾

وَنُصْلِيَةً جُجْنِيَّةً ﴿٩٤﴾

إِنَّ هَذَا لَهُوَ حَقُّ الْيَقِينِ ﴿٩٥﴾

فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ الْعَظِيمِ ﴿٩٦﴾

لیکن اگر کوئی جھٹلانے والوں گمراہوں میں سے ہے۔ (۹۲)

تو کھولتے ہوئے گرم پانی کی مہمانی ہے۔ (۹۳)

اور دروزخ میں جانا ہے۔ (۹۴)

یہ خبر سراسر حق اور قطعاً یقینی ہے۔ (۹۵)

پس تو اپنے عظیم الشان پروردگار کی تسبیح کر۔ (۹۶)

سورہ حدید مدنی ہے اور اس میں انتیس آیتیں اور چار رکوع ہیں۔



بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

شروع کرتا ہوں اللہ تعالیٰ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے۔

آسمانوں اور زمین میں جو ہے (سب) اللہ کی تسبیح کر رہے ہیں، (۹۳) وہ زبردست باحکمت ہے۔ (۹۴)

آسمانوں اور زمین کی بادشاہت اسی کی ہے، (۹۵) وہی زندگی دیتا ہے اور موت بھی اور وہ ہر چیز پر قادر ہے۔ (۹۶) وہی پہلے ہے اور وہی پیچھے، وہی ظاہر ہے اور وہی مخفی، (۹۷) اور وہ ہر چیز کو بخوبی جاننے والا ہے۔ (۹۸)

سَبِّحْ لِلَّهِ مَا فِي السَّمُوتِ وَالْأَرْضِ ۚ وَهُوَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ﴿٩٢﴾

لَهُ الْمُلْكُ السَّمُوتِ وَالْأَرْضِ يُحْيِي وَيُمِيتُ ۚ وَهُوَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ﴿٩٣﴾

هُوَ الْكَافِلُ ۚ وَالْأَلْوَنُ الظَّاهِرُ وَالْبَاطِنُ ۚ وَهُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ ﴿٩٤﴾

(۱) یہ تیسری قسم ہے جنہیں آغاز سورت میں أَصْحَابُ الْمَشْأَمَةِ کہا گیا تھا، بائیں ہاتھ والے یا حاملین نحوست۔ یہ اپنے کفر و نفاق کی سزا یا اس کی نحوست عذاب جنم کی صورت میں بھگتیں گے۔

(۲) حدیث میں آتا ہے کہ دو کلمے اللہ کو بہت محبوب ہیں، زبان پر ہلکے اور وزن میں بھاری۔ سُبْحَانَ اللَّهِ وَبِحَمْدِهِ سُبْحَانَ اللَّهِ الْعَظِيمِ (صحیح بخاری) ”آخری حدیث“ و صحیح مسلم کتاب الذکر باب فضل التهليل والنسبح والنداء

(۳) یہ تسبیح زبان حال سے نہیں، بلکہ زبان مقال سے ہے اسی لیے فرمایا گیا ہے، ﴿وَلَكِنْ لَا تَقْهَمُونَ تَسْبِيحَهُ﴾ (بنی اسرائیل ۳۴) ”تم انکی تسبیح نہیں سمجھ سکتے۔“ حضرت داود علیہ السلام کے بارے میں آتا ہے کہ انکے ساتھ پہاڑ بھی تسبیح کرتے تھے۔ (الأنبياء ۷۹) اگر یہ تسبیح حال یا تسبیح دلالت ہوتی تو حضرت داود علیہ السلام کے ساتھ اسکو خاص کرنے کی ضرورت ہی نہ ہوتی۔

(۴) اس لیے وہ ان میں جس طرح چاہتا ہے تصرف فرماتا ہے، اس کے سوا ان میں کسی کا حکم اور تصرف نہیں چلتا۔ یا مطلب ہے کہ بارش، نباتات اور روزیوں کے سارے خزانے اسی کی ملک میں ہیں۔

(۵) وہی اول ہے یعنی اس سے پہلے کچھ نہ تھا، وہی آخر ہے، اس کے بعد کوئی چیز نہیں ہوگی، وہی ظاہر ہے یعنی وہ سب پر غالب ہے، اس پر کوئی غالب نہیں۔ وہی باطن ہے، یعنی باطن کی ساری باتوں کو صرف وہی جانتا ہے یا لوگوں کی نظروں

وہی ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو چھ دن میں پیدا کیا پھر عرش پر مستوی^(۱) ہو گیا۔ وہ (خوب) جانتا ہے اس چیز کو جو زمین میں جائے^(۲) اور جو اس سے نکلے^(۳) اور جو آسمان سے نیچے آئے^(۴) اور جو کچھ چڑھ کر اس میں جائے^(۵) اور جہاں کہیں تم ہو وہ تمہارے ساتھ ہے^(۶) اور جو تم کر رہے

هُوَ الَّذِي خَلَقَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ فِي سِتَّةِ أَيَّامٍ ثُمَّ اسْتَوَىٰ عَلَى الْعَرْشِ يَعْلَمُ مَا يَكُونُ فِي الْأَرْضِ وَمَا يَحْضُرُ مِنْهَا وَمَا يَنْزِلُ مِنَ السَّمَاءِ وَمَا يَعْرُجُ فِيهَا وَهُوَ مَعَكُمْ أَيْنَ مَا كُنْتُمْ وَاللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرٌ ﴿۷﴾

اور عقلوں سے مخفی ہے۔ (فتح القدیر) نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی صاحبزادی فاطمہ رضی اللہ عنہا کو یہ دعا پڑھنے کی تاکید فرمائی تھی۔ «اللَّهُمَّ! رَبَّ السَّمَوَاتِ السَّبْعِ وَرَبَّ الْعَرْشِ الْعَظِيمِ، رَبَّنَا وَرَبَّ كُلِّ شَيْءٍ، مَنَزِلَ الثَّوْرَةِ وَالْإِنْجِيلِ وَالْفُرْقَانِ، فَارْقِ الْحَبَّ وَالنَّوَى، أَعُوذُ بِكَ مِنْ شَرِّ كُلِّ شَيْءٍ أَنْتَ آخِذٌ بِنَاصِيَتِهِ، اللَّهُمَّ أَنْتَ الْأَوَّلُ فَلَيْسَ قَبْلَكَ شَيْءٌ، وَأَنْتَ الْآخِرُ فَلَيْسَ بَعْدَكَ شَيْءٌ، وَأَنْتَ الظَّاهِرُ فَلَيْسَ فَوْقَكَ شَيْءٌ، وَأَنْتَ الْبَاطِنُ فَلَيْسَ دُونَكَ شَيْءٌ، اقْضِ عَنَّا الدَّيْنَ وَأَغْنِنَا مِنَ الْفَقْرِ» (صحیح مسلم) کتاب الذکر والدعاء باب ما یقول عند النوم وأخذ المضجع اس دعائیں جو ادائیگی قرض کے لیے مسنون ہے، اول و آخر اور ظاہر و باطن کی تفسیر بیان فرمادی گئی ہے۔ (۱) اسی مفہوم کی آیات سورہ اعراف، ۵۴، سورہ یونس، ۳، اور المائدہ، ۴ وغیرہا من الآیات میں گزر چکی ہیں۔ ان کے حواشی ملاحظہ فرمالیے جائیں۔

(۲) یعنی زمین میں بارش کے جو قطرے اور غلہ جات و میوہ جات کے جو بیج داخل ہوتے ہیں، انکی کیت و کیفیت کو وہ جانتا ہے۔ (۳) جو درخت، چاہے وہ پھلوں کے ہوں یا غلوں کے یا زینت و آرائش اور خوشبو والے پھولوں کے ہوئے ہوں، یہ جتنے بھی اور جیسے بھی باہر نکلتے ہیں، سب اللہ کے علم میں ہیں۔ جیسے دوسرے مقام پر فرمایا ﴿وَعِنْدَنَا مَفَازٌ غَيْبٌ لَّا يَعْلَمُهَا إِلَّا الْقُدْرُوعُ يَعْلَمُ مَا فِي الْبُرِّ وَالْبَحْرِ مَا كَشَفْنَا مِنْ وَقْفِهِ إِلَّا صَعْقَةً وَكَذَلِكَ ظَلَمَتِ الْأَرْضُ وَالْأَكْثَرُ وَلَا يَأْتِيهِ إِلَّا فِي كَنْهٍ عَيْنٍ﴾ (سورہ الانعام، ۵۹) ”اور اللہ تعالیٰ ہی کے پاس ہیں تمام مخفی اشیا کے خزانے، ان کو کوئی نہیں جانتا، بجز اللہ کے، اور وہ تمام چیزوں کو جانتا ہے جو کچھ خشکی میں اور جو کچھ دریاؤں میں ہیں۔ کوئی پتا نہیں گرتا مگر وہ اس کو بھی جانتا ہے، اور کوئی دانہ کوئی زمین کے تاریک حصوں میں نہیں پڑتا اور نہ کوئی تر اور نہ کوئی خشک چیز گرتی ہے، مگر یہ سب کتاب مبین میں ہیں۔“

(۴) بارش، اولے، برف، تقدیر اور وہ احکام، جو فرشتے لے کر اترتے ہیں۔ (۵) فرشتے انسانوں کے جو عمل لے کر چڑھتے ہیں جس طرح حدیث میں آتا ہے کہ ”اللہ کی طرف رات کے عمل دن سے پہلے اور دن کے عمل رات سے پہلے چڑھتے ہیں۔“ (صحیح مسلم، کتاب ایمان، باب إن الله لا ينام)

(۶) یعنی تم خشکی میں ہو یا تری میں، رات ہو یا دن، گھروں میں ہو یا صحراؤں میں، ہر جگہ ہر وقت وہ اپنے علم و بصیر کے لحاظ سے تمہارے ساتھ ہے یعنی تمہارے ایک ایک عمل کو دیکھتا ہے، تمہاری ایک ایک بات کو جانتا اور سنتا ہے۔ یہی مضمون سورہ ہود، ۳، سورہ رعد، ۱۰ اور دیگر آیات میں بھی بیان کیا گیا ہے۔

ہو اللہ دیکھ رہا ہے۔ (۴)

آسمانوں کی اور زمین کی بادشاہی اسی کی ہے۔ اور تمام کام اسی کی طرف لوٹائے جاتے ہیں۔ (۵)

وہی رات کو دن میں لے جاتا ہے اور وہی دن کو رات میں داخل کر دیتا ہے (۱) اور سینوں کے بھیدوں کا وہ پورا عالم ہے۔ (۶) اللہ پر اور اس کے رسول پر ایمان لے آؤ اور اس مال میں سے خرچ کرو جس میں اللہ نے تمہیں (دوسروں کا) جانشین بنایا (۲) ہے پس تم میں سے جو ایمان لائیں اور خیرات کریں انہیں بہت بڑا ثواب ملے گا۔ (۷)

تم اللہ پر ایمان کیوں نہیں لاتے؟ حالانکہ خود رسول تمہیں اپنے رب پر ایمان لانے کی دعوت دے رہا ہے اور اگر تم مومن ہو تو وہ تو تم سے مضبوط عہد و پیمان بھی لے چکا ہے۔ (۸) (۳)

وہ (اللہ) ہی ہے جو اپنے بندے پر واضح آیتیں اتارتا ہے

لَهُ نَكَبَاتُ الْمَغَارِبِ وَالْأَرْضِ وَاللَّهُ يَرْجِعُ الْأُمُورَ ۝

يُولِيهِ الْكَيْلَ فِي الْفَيْلِ وَيُولِيهِ التَّهَارُ فِي الْيَلِ وَهُوَ عَلِيمٌ بِذَاتِ الصُّدُورِ ۝

أَمْ أَمَّا يَالَهُ الْفُتُورِ ۚ وَأَنْفِقُوا مِمَّا جَعَلَكُمْ مُتَسَخِّلِينَ فِيهِ ۚ فَالَّذِينَ آمَنُوا مِنْكُمْ وَأَنْفَقُوا لَهُمْ أَجْرٌ كَبِيرٌ ۝

وَمَا لَكُمْ لَا تُؤْمِنُونَ يَا آلَهُ وَالرَّسُولَ يَدْعُوكُمْ لِتُؤْمِنُوا بِرَبِّكُمْ وَقَدْ أَخَذَ مِيثَاقَكُمْ إِنْ كُنْتُمْ مُؤْمِنِينَ ۝

هُوَ الَّذِي يُنَزِّلُ عَلَى عَبْدٍ آيَاتٍ يَبَيِّنَاتٍ لِيُخْرِجَكُمْ مِنَ الظُّلُمَاتِ

(۱) یعنی تمام چیزوں کا مالک وہی ہے، وہ جس طرح چاہتا ہے، ان میں تصرف فرماتا ہے، اس کے حکم و تصرف سے کبھی رات لمبی، دن چھوٹا اور کبھی اس کے برعکس دن لمبا اور رات چھوٹی ہو جاتی ہے اور کبھی دونوں برابر۔ اسی طرح کبھی سردی، کبھی گرمی، کبھی بہار اور کبھی خزاں۔ موسموں کا تغیر و تبدل بھی اسی کے حکم و مشیت سے ہوتا ہے۔

(۲) یعنی یہ مال اس سے پہلے کسی دوسرے کے پاس تھا۔ اس میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ تمہارے پاس بھی یہ مال نہیں رہے گا، دوسرے اسکے وارث بنیں گے، اگر تم نے اسے اللہ کی راہ میں خرچ نہ کیا تو بعد میں اسکے وارث بننے والے اسے اللہ کی راہ میں خرچ کر کے تم سے زیادہ سعادت حاصل کر سکتے ہیں اور اگر وہ اسے نافرمانی میں خرچ کریں گے تو تم بھی معاونت کے جرم میں ماخوذ ہو سکتے ہو۔ (ابن کثیر) حدیث میں آتا ہے کہ ”انسان کہتا ہے، میرا مال، میرا مال، حالانکہ تیرا مال، ایک تو وہ ہے جو تو نے کہا پی کے فخر کیا، دوسرا وہ ہے جسے پن کر لیا سیدہ کر دیا اور تیسرا وہ ہے جو اللہ کی راہ میں خرچ کر کے آخرت کے لیے ذخیرہ کر لیا۔ اسکے علاوہ جو کچھ ہے، وہ سب دوسرے لوگوں کے حصے میں آئے گا۔ (صحیح مسلم، کتاب الزہد و مسند أحمد ۴/۳۳۲)

(۳) ابن کثیر نے اخذ کا فاعل الرسول کو بنایا ہے اور مراد وہ بیعت لی ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کرام سے لیتے تھے کہ خوشی اور ناخوشی ہر حالت میں سماع و طاعت کرنی ہے اور امام ابن جریر کے نزدیک اس کا فاعل اللہ ہے اور مراد وہ عہد ہے جو اللہ تعالیٰ نے تمام انسانوں سے اس وقت لیا تھا جب انہیں آدم علیہ السلام کی پشت سے نکالا تھا جو عہد الست کہلاتا ہے، جس کا ذکر سورۃ الأعراف ۱۷۲ میں ہے۔

تاکہ وہ تمہیں اندھیروں سے نور کی طرف لے جائے۔ یقیناً اللہ تعالیٰ تم پر نرمی کرنے والا رحم کرنے والا ہے۔ (۹) تمہیں کیا ہو گیا ہے جو تم اللہ کی راہ میں خرچ نہیں کرتے؟ دراصل آسمانوں اور زمینوں کی میراث کا مالک (تمہا) اللہ ہی ہے۔ تم میں سے جن لوگوں نے فتح سے پہلے نبی سبیل اللہ دیا ہے اور قتال کیا ہے وہ (دوسروں کے) برابر نہیں، ^(۱) بلکہ ان سے بہت بڑے درجے کے ہیں جنہوں نے فتح کے بعد خیراتیں دیں اور جہاد کیے۔ ^(۲) ہاں بھلائی کا وعدہ تو اللہ تعالیٰ کا ان سب سے ہے جو کچھ تم کر رہے ہو اس سے اللہ خبردار ہے۔ (۱۰)

کون ہے جو اللہ تعالیٰ کو اچھی طرح قرض دے پھر اللہ تعالیٰ اسے اس کے لیے بدھاتا چلا جائے اور اس کے لیے

الْظُّلُمَاتِ إِلَى النُّورِ وَإِنَّ اللَّهَ بِكُمْ لَعَوْدٌ حَتِيمٌ ①

وَمَا لَكُمْ أَلَّا تُنْفِقُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَلِلَّهِ مِيرَاثُ السَّمَوَاتِ
وَالْأَرْضِ لَا يَسْتَوِي مِنْكُمْ مَنْ أَنْفَقَ مِنْ قَبْلِ الْفَتْحِ وَقَاتِلٌ
أُولَٰئِكَ أَعْظَمُ دَرَجَةً مِنَ الَّذِينَ أَنْفَقُوا مِنْ بَعْدُ وَقَاتِلُوا
وَكُلًّا وَعَدَ اللَّهُ الْحُسْنَىٰ وَاللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِيرٌ ②

مَنْ ذَا الَّذِي يُقْرِضُ اللَّهَ قَرْضًا حَسَنًا فَيُضِعَّهُ لَهُ وَلََّ
أَجْرٌ كَرِيمٌ ③

(۱) فتح سے مراد اکثر مفسرین کے نزدیک فتح مکہ ہے۔ بعض نے صلح حدیبیہ کو فتح مبین کا مصداق سمجھ کر اسے مراد لیا ہے۔ بہر حال صلح حدیبیہ یا فتح مکہ سے قبل مسلمان تعداد اور قوت کے لحاظ سے بھی کم تر تھے اور مسلمانوں کی مالی حالت بھی بہت کمزور تھی۔ ان حالات میں اللہ کی راہ میں خرچ کرنا اور جہاد میں حصہ لینا، دونوں کام نہایت مشکل اور بڑے دل گردے کا کام تھا جب کہ فتح مکہ کے بعد یہ صورت حال بدل گئی۔ مسلمان قوت و تعداد میں بھی بڑھتے چلے گئے اور ان کی مالی حالت بھی پہلے سے کہیں زیادہ بہتر ہو گئی۔ اس میں اللہ تعالیٰ نے دونوں ادوار کے مسلمانوں کی بابت فرمایا کہ یہ اجر میں برابر نہیں ہو سکتے۔

(۲) کیونکہ پہلوں کا اتفاق اور جہاد، دونوں کام نہایت کٹھن حالات میں ہوئے۔ اس سے معلوم ہوا کہ اہل فضل و عزم کو دیگر لوگوں کے مقابلے میں مقدم رکھنا چاہیے۔ اسی لیے اہل سنت کے نزدیک شرف و فضل میں حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ سب سے مقدم ہیں، کیوں کہ مومن اول بھی وہی ہیں اور منفق اول اور مجاہد اول بھی وہی۔ اسی لیے رسول اللہ ﷺ نے حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو اپنی زندگی اور موجودگی میں نماز کے لیے آگے کیا، اور اسی بنیاد پر مومنوں (صحابہ کرام) نے انہیں استحقاق خلافت میں مقدم رکھا۔ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمْ وَرَضُوا عَنْهُ۔

(۳) اس میں وضاحت فرمادی کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے درمیان شرف و فضل میں تفاوت تو ضرور ہے لیکن تفاوت درجات کا مطلب یہ نہیں کہ بعد میں مسلمان ہونے والے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ایمان و اخلاق کے اعتبار سے بالکل ہی گئے گزرے تھے، جیسا کہ بعض حضرات، حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ، ان کے والد حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ، اور دیگر بعض ایسے ہی جلیل القدر صحابہ کے بارے میں ہرزہ سرائی یا انہیں ملقاء کہہ کر انکی تنقیص و ابانت کرتے ہیں۔ نبی ﷺ نے تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے بارے میں

پسندیدہ اجر ثابت ہو جائے (۱۱)

(قیامت کے) دن تو دیکھے گا کہ مومن مردوں اور عورتوں کا نور انکے آگے آگے اور انکے دائیں دوڑ رہا ہو گا (۱۲) آج تمہیں ان جنتوں کی خوشخبری ہے جنکے نیچے نہریں جاری ہیں جن میں ہمیشہ کی رہائش ہے۔ یہ ہے بڑی کامیابی۔ (۱۳)

اس دن منافق مرد و عورت ایمان والوں سے کہیں گے کہ ہمارا انتظار تو کرو کہ ہم بھی تمہارے نور سے کچھ روشنی حاصل کر لیں۔ (۱۴) جواب دیا جائے گا کہ تم اپنے پیچھے لوٹ جاؤ (۱۵) اور روشنی تلاش کرو۔ پھر ان کے اور ان کے درمیان (۱۶) ایک دیوار حائل کر دی جائے گی جس میں دروازہ بھی ہو گا۔ اس کے اندرونی حصہ میں تو

يَوْمَ تَرَى الْمُؤْمِنِينَ وَالْمُؤْمِنَاتِ يَسْعَىٰ نُورُهُمْ بَيْنَ أَيْدِيهِمْ
وَبِأَيْمَانِهِمْ يَبْتَغِ الْوَعْدَ الْمَوْعُودَ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهِمُ الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ
فِيهَا ذَلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيمُ ﴿۱۳﴾

يَوْمَ يَقُولُ الْمُنَافِقُونَ وَالْمُنَافِقَاتُ لِلَّذِينَ آمَنُوا انظُرُونَا
نَقْتَسِبْ مِنْ نُورِكُمْ قِيلَ انْجَعُوا وَاذْكُرْ مَا تَمْسُكُونَ ﴿۱۴﴾
فَضَرَبَ بَيْنَهُمْ يَمُورًا بَابٌ بَاطِنُهُ فِيهِ الرَّحْمَةُ وَظَاهَرُهُ
مِنْ فِيهِ الْعَذَابُ ﴿۱۵﴾

فرمایا ہے کہ لَا تَسْئَلُوا أَصْحَابِي ”میرے صحابہ پر سب و شتم نہ کرو“ قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے کہ اگر تم میں سے کوئی شخص احد پہاڑ جتنا سونا بھی اللہ کی راہ میں خرچ کر دے تو وہ میرے صحابی کے خرچ کیے ہوئے ایک مد بلکہ نصف مد کے بھی برابر نہیں۔“ (صحیح بخاری و صحیح مسلم، کتاب فضائل الصحابة)

(۱) اللہ کو قرض حسن دینے کا مطلب ہے، اللہ کی راہ میں صدقہ و خیرات کرنا۔ یہ مال، جو انسان اللہ کی راہ میں خرچ کرتا ہے، اللہ ہی کا دیا ہوا ہے، اس کے باوجود اسے قرض قرار دینا، یہ اللہ کا فضل و احسان ہے کہ وہ اس اتفاق پر اسی طرح اجر دے گا جس طرح قرض کی ادائیگی ضروری ہوتی ہے۔

(۲) یہ عرصہ محشر میں پل صراط میں ہو گا، یہ نور ان کے ایمان اور عمل صالح کا صلہ ہو گا، جس کی روشنی میں وہ جنت کا راستہ آسانی سے طے کر لیں گے۔ امام ابن کثیر اور امام ابن جریر وغیرہ نے بیان کیا ہے کہ ان کے دائیں ہاتھوں میں ان کے اعمال نامے ہوں گے۔

(۳) یہ وہ فرشتے کہیں گے جو ان کے استقبال اور پیشوائی کے لیے وہاں ہوں گے۔

(۴) یہ منافقین کچھ فاصلے تک اہل ایمان کے ساتھ ان کی روشنی میں چلیں گے، پھر اللہ تعالیٰ منافقین پر اندھیرا مسلط فرماوے گا، اس وقت وہ اہل ایمان سے یہ کہیں گے۔

(۵) اس کا مطلب یہ ہے کہ دنیا میں جا کر اسی طرح ایمان اور عمل صالح کی پونجی لے کر آؤ، جس طرح ہم لائے ہیں۔ یا استہزاکے طور پر اہل ایمان کہیں گے کہ پیچھے جہاں سے ہم یہ نور لائے تھے وہیں جا کر اسے تلاش کرو۔

(۶) یعنی مومنین اور منافقین کے درمیان۔

رحمت ^(۱) ہوگی اور باہر کی طرف عذاب ہو گا۔ ^(۲) (۱۳)

یہ چلا کر ان سے کہیں گے کہ کیا ہم تمہارے ساتھ نہ تھے ^(۳)

وہ کہیں گے کہ ہاں تھے تو سہی لیکن تم نے اپنے آپکو فتنہ میں

پھنسا رکھا ^(۴) تھا اور انتظار میں ہی رہے ^(۵) اور شک و شبہ کرتے

رہے ^(۶) اور تمہیں تمہاری فضول تمناؤں نے دھوکے میں ہی

رکھا ^(۷) یہاں تک کہ اللہ کا حکم آپہنچا ^(۸) اور تمہیں اللہ کے

بارے میں دھوکہ دینے والے نے دھوکے میں ہی رکھا۔ ^(۹) (۱۴)

الغرض، آج تم سے نہ فدیہ (اور نہ بدلہ) قبول کیا جائے

گا اور نہ کافروں سے تم (سب) کا ٹھکانا دوزخ ہے۔ وہی

تمہاری رفیق ہے ^(۱۰) اور وہ برا ٹھکانا ہے۔ (۱۵)

کیا اب تک ایمان والوں کے لیے وقت نہیں آیا کہ انکے

دل ذکر الہی سے اور جو حق اتر چکا ہے اس سے نرم ہو

يُنَادُوهُمْ أَمْ يَكُنْ مَعَكُمْ قَالُوا بَلَىٰ وَلَكَيْلُمْ فَتَنُهُمْ أَنْفُسُهُمْ
وَتَرَبَّصُّوهُمُ وَارْتَبَتْهُمْ أُمُورُهُمْ حَتَّىٰ جَاءَ أَمْرُ اللَّهِ
وَعَزَّوْهُمُ بِاللَّهِ الْعَزَّوَزِ ۝۲۷

قَالُوا مَرَلَيْسَ خُذْ مِنْكُمْ فِدْيَةً وَلَكُمْ مِنَ الَّذِينَ كَفَرُوا مَأْوَاهُ
النَّارُ هِيَ مَوْلَاهُمْ وَبَشِّرِ الْمُبْصِرِينَ ۝۲۸

أَلَمْ يَأْنِ لِلَّذِينَ آمَنُوا أَنْ تَخْشَعَ قُلُوبُهُمْ لِذِكْرِ اللَّهِ وَمَا نَزَلَ
مِنَ الْحَقِّ وَلَا يَتَّبِعُوا كَالَّذِينَ أَوتُوا الْكِتَابَ مِنْ قَبْلُ فَطَالَ

(۱) اس سے مراد جنت ہے جس میں اہل ایمان داخل ہو چکے ہوں گے۔

(۲) یہ وہ حصہ ہے جس میں جہنم ہوگی۔

(۳) یعنی دیوار حائل ہونے پر منافقین مسلمانوں سے کہیں گے کہ دنیا میں ہم تمہارے ساتھ نمازیں نہیں پڑھتے تھے،
اور جہاد وغیرہ میں حصہ نہیں لیتے تھے؟

(۴) کہ تم نے اپنے دلوں میں کفر اور نفاق چھپا رکھا تھا۔

(۵) کہ شاید مسلمان کسی گردش کا شکار ہو جائیں۔

(۶) دین کے معاملے میں اسی لیے قرآن کو ماننا نہ دلائل و معجزات کو۔

(۷) جس میں تمہیں شیطان نے مبتلا کیے رکھا۔

(۸) یعنی تمہیں موت آگئی، یا مسلمان بالآخر غالب رہے اور تمہاری آرزوؤں پر پانی پھر گیا۔

(۹) یعنی اللہ کے حکم اور اس کے قانون اعمال (مملت دینے) کی وجہ سے تمہیں شیطان نے دھوکے میں ڈالے رکھا۔

(۱۰) مولیٰ اسے کہتے ہیں جو کسی کے کاموں کا مولیٰ یعنی ذمہ دار بنے۔ گویا اب جہنم ہی اس بات کی ذمہ دار ہے کہ انہیں سخت
سے سخت تر عذاب کا مزا چکھائے۔ بعض کہتے ہیں کہ ہمیشہ ساتھ رہنے والے کو بھی مولیٰ کہہ لیتے ہیں، یعنی اب جہنم کی آگ ہی
ان کی ہمیشہ کی ساتھی اور رفیق ہوگی۔ بعض کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ جہنم کو بھی عقل و شعور عطا فرمائے گا پس وہ کافروں کے خلاف
غیظ و غضب کا اظہار کرے گی۔ یعنی ان کی والی بنے گی اور انہیں عذاب الیم سے دوچار کرے گی۔

عَلَيْهِمُ الرِّمْدُ فَقَسَتْ قُلُوبُهُمْ وَكَثُرَتْ مِنْهُمْ ضِلَعُونَ ﴿۱۱﴾

إِنَّمَا اللَّهُ فِي الْأَرْضِ بَعْدَ مَوْتِهَا قَدْ بَيَّنَّا الْكُفْرَ الْآثِيَّ
لَكُمْ لَتَمُوتُنَّ ﴿۱۲﴾

إِنَّ الْمُصَدِّقِينَ وَالْمُصَدِّقَاتِ وَأَقْرَضُوا اللَّهَ قَرْضًا حَسَنًا لِيُضَاعَفَ
لَهُمْ وَلَهُمْ أَجْرٌ كَرِيمٌ ﴿۱۳﴾

وَالَّذِينَ آمَنُوا بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ أُولَٰئِكَ هُمُ الصَّادِقُونَ ﴿۱۴﴾
وَالشَّهَادَةُ عِنْدَ رَبِّكَ لَهُمْ أَجْرُهُمْ وَنُورُهُمْ وَالَّذِينَ كَفَرُوا

جائیں^(۱) اور انکی طرح نہ ہو جائیں جنہیں ان سے پہلے کتاب دی گئی تھی^(۲) پھر جب ان پر ایک زمانہ دراز گزر گیا تو انکے دل سخت ہو گئے^(۳) اور ان میں بہت سے فاسق ہیں۔^(۴) یقین مانو کہ اللہ ہی زمین کو اس کی موت کے بعد زندہ کر دیتا ہے۔ ہم نے تو تمہارے لیے اپنی آیتیں بیان کر دیں تاکہ تم سمجھو۔ (۱۷)

بیشک صدقہ دینے والے مرد اور صدقہ دینے والی عورتیں اور جو اللہ کو خلوص کے ساتھ قرض دے رہے ہیں۔ انکے لیے یہ بڑھایا جائے گا^(۵) اور ان کے لیے پسندیدہ اجر و ثواب ہے۔^(۶) (۱۸)

اللہ اور اس کے رسول پر جو ایمان رکھتے ہیں وہی لوگ اپنے رب کے نزدیک صدیق^(۷) اور شہید ہیں ان کے

(۱) خطاب اہل ایمان کو ہے۔ اور مطلب ان کو اللہ کی یاد کی طرف مزید متوجہ اور قرآن کریم سے کسب ہدایت کی تلقین کرنا ہے۔ خشوع کے معنی ہیں، دلوں کا نرم ہو کر اللہ کی طرف جھک جانا، حق سے مراد قرآن کریم ہے۔

(۲) جیسے یہود و نصاریٰ ہیں۔ یعنی تم ان کی طرح نہ ہو جانا۔

(۳) چنانچہ انہوں نے اللہ کی کتاب میں تحریف اور تبدیلی کر دی، اس کے عوض دنیا کا شرنِ قلیل حاصل کرنے کو انہوں نے شعار بنالیا، اس کے احکام کو پس پشت ڈال دیا، اللہ کے دین میں لوگوں کی تقلید اختیار کر لی اور ان کو اپنا رب بنالیا، مسلمانوں کو متنبہ کیا جا رہا ہے کہ تم یہ کام مت کرو ورنہ تمہارے دل بھی سخت ہو جائیں گے اور پھر یہی کام جو ان پر لعنت الہی کا سبب بنے، تمہیں اچھے لگیں گے۔

(۴) یعنی ان کے دل فاسد اور اعمال باطل ہیں۔ دوسرے مقام پر اللہ نے فرمایا ﴿فِيمَا تَنْفَضُّهُمْ مِنْهَا قَتَلْتُمْ لَعْنُهُمْ وَجَعَلْنَا قُلُوبَهُمْ قَاسِيَةً يُحَرِّفُونَ الْكَلِمَ عَنْ مَوَاضِعِهِ وَنَسُوا حَظًّا مِمَّا ذُكِّرُوا بِهِ﴾ ﴿المائدة: ۱۳﴾

(۵) یعنی ایک کے بدلے میں کم از کم دس گنا اور اس سے زیادہ سات سو گنا بلکہ اس سے بھی زیادہ تک۔ یہ زیادتی اخلاص نیت، حاجت و ضرورت اور مکان و زمان کی بنیاد پر ہو سکتی ہے۔ جیسے پہلے گزرا کہ جن لوگوں نے فتح مکہ سے قبل خرچ کیا، وہ اجر و ثواب میں ان سے زیادہ ہوں گے، جنہوں نے اس کے بعد خرچ کیا۔

(۶) یعنی جنت اور اسکی نعمتیں، بلکہ کبھی زوال اور فنا نہیں۔ آیت میں مُصَدِّقِينَ اصل میں مُتَصَدِّقِينَ ہے۔ تاکہ صادم مدغم کر دیا گیا۔

(۷) بعض مفسرین نے یہاں وقف کیا ہے۔ اور آگے وَالشَّهَدَاءُ کو الگ جملہ قرار دیا ہے صدیقیت کمال ایمان اور کمال صدق و

وَكَذَبُوا بآيَاتِنَا وَلِئِكَ أَصْعَبُ الْمُنِجِينَ ①

إِعْلَمُوا أَنَّهَا الْحَيَاةُ الدُّنْيَا الْحَبْلُ وَالْمَوْتُ نَبِيَّةٌ وَنَعَاظِرُنَا كُنْزٌ
وَنَحْنُ كَارِثِي الْأَمْوَالِ وَالْأَوْلَادُ كَمَثَلِ عَيْتٍ أَحْبَبَ الْفُلُكُ
نَبَاتُهُ ثُمَّ يَحْرِجُ فَقَدْ رَأَى مُصْغَرًا ثُمَّ كُنْ حَطَامًا فِي الْأَرْضِ
عَذَابٌ شَدِيدٌ لِمَنْ غَفِرَ اللَّهُ مِنْهُ وَرِضْوَانٌ وَمَا الْحَيَاةُ
الدُّنْيَا إِلَّا لِمَتَاعٍ الْغُرُورِ ②

لیے ان کا اجر اور ان کا نور ہے، اور جو لوگ کفر کرتے
ہیں اور ہماری آیتوں کو جھٹلاتے ہیں وہ جہنمی ہیں۔ (۱۹)
خوب جان رکھو کہ دنیا کی زندگی صرف کھیل تماشا زینت
اور آپس میں فخر (وغور) اور مال و اولاد میں ایک کا
دوسرے سے اپنے آپ کو زیادہ بتلانا ہے، جیسے بارش اور
اس کی پیداوار کسانوں^(۱) کو اچھی معلوم ہوتی ہے پھر
جب وہ خشک ہو جاتی ہے تو زرد رنگ میں اس کو تم دیکھتے
ہو پھر وہ بالکل چورا چورا ہو جاتی ہے^(۲) اور آخرت میں
تخت عذاب^(۳) اور اللہ کی مغفرت اور رضامندی
ہے^(۴) اور دنیا کی زندگی بجز دھوکے کے سامان کے اور

صفا کا نام ہے۔ حدیث میں آتا ہے کہ ”آدمی ہمیشہ بچ بولتا ہے اور بچ ہی کی تلاش اور کوشش میں رہتا ہے۔ حتیٰ کہ اللہ کے ہاں اسے
صدیق لکھ دیا جاتا ہے (متفق علیہ۔ مشکوٰۃ، کتاب الآداب، باب حفظ اللسان) ایک اور حدیث میں صدیقین کا وہ مقام
بیان کیا گیا ہے جو جنت میں انہیں حاصل ہو گا۔ فرمایا ”جنتی“ اپنے سے اوپر کے بالا خانے والوں کو اس طرح دیکھیں گے، جیسے
چمکتے ہوئے مشرقی یا مغربی ستارے کو تم آسمان کے کنارے پر دیکھتے ہو، یعنی انکے درمیان درجات کا تافرق ہو گا۔ صحابہ نے پوچھا، یہ
انبیاء کے درجات ہوں گے جن کو دوسرے حاصل نہیں کر سکیں گے؟ آپ ﷺ نے فرمایا ”ہاں“ قسم ہے اس ذات کی جس کے
ہاتھ میں میری جان ہے یہ وہ لوگ ہیں جو اللہ پر ایمان لائے اور پیغمبروں کی تصدیق کی۔ (صحیح بخاری، کتاب بدء الخلق،
باب ما جاء في صفة الجنة وأهلها مخلوقة) یعنی ایمان اور تصدیق کا حق ادا کیا۔ (فتح الباری)

(۱) کُفَّار، کسانوں کو کہا گیا ہے، اس لیے کہ اس کے لغوی معنی ہیں چھپانے والے۔ کافروں کے دلوں میں اللہ کا اور
آخرت کا انکار چھپا ہوتا ہے، اس لیے انہیں کافر کہا جاتا ہے۔ اور کاشت کاروں کے لیے یہ لفظ اس لیے بولا گیا ہے کہ وہ
بھی زمین میں بچ بولتے یعنی انہیں چھپا دیتے ہیں۔

(۲) میاں دنیا کی زندگی کو سرعت زوال میں بھیتی سے تشبیہ دی گئی ہے کہ جس طرح بھیتی جب شاداب ہوتی ہے تو بڑی
بھلی لگتی ہے، کاشت کار اسے دیکھ کر بڑے خوش ہوتے ہیں۔ لیکن وہ بہت ہی جلد خشک اور زرد ہو کر چورا چورا ہو
جاتی ہے۔ اسی طرح دنیا کی زیب و زینت، مال اور اولاد اور دیگر چیزیں انسان کا دل بھاتی ہیں۔ لیکن یہ زندگی چند روزہ ہی
ہے، اس کو بھی ثبات و قرار نہیں۔

(۳) یعنی اہل کفر و عصیان کے لیے، جو دنیا کے کھیل کود میں ہی مصروف رہے اور اسی کو انہوں نے حاصل زندگی سمجھا۔

(۴) یعنی اہل ایمان و طاعت کے لیے، جنہوں نے دنیا کو ہی سب کچھ نہیں سمجھا، بلکہ اسے عارضی، فانی اور دارالامتحان

کچھ بھی تو نہیں۔^(۱) (۲۰)

(آؤ) دوڑو اپنے رب کی مغفرت کی طرف^(۲) اور اس جنت کی طرف جس کی وسعت آسمان و زمین کی وسعت کے برابر ہے^(۳) یہ ان کے لیے بنائی گئی ہے جو اللہ پر اور اس کے رسولوں پر ایمان رکھتے ہیں۔ یہ اللہ کا فضل ہے جسے چاہے دے^(۴) اور اللہ بڑے فضل والا ہے۔^(۵) (۲۱) نہ کوئی مصیبت دنیا میں آتی ہے^(۶) نہ (خاص) تمہاری جانوں میں،^(۷) گمراہی سے پہلے کہ ہم اس کو پیدا کریں وہ ایک خاص کتاب میں لکھی ہوئی ہے،^(۸) یہ (کام) اللہ تعالیٰ پر (بالکل) آسان ہے۔ (۲۲) تاکہ تم اپنے سے فوت شدہ کسی چیز پر رنجیدہ نہ ہو جایا کرو

سَابِقُوا إِلَىٰ مَغْفِرَةٍ مِّن رَّبِّكُمْ وَجَنَّةٍ عَرْضُهَا عَرْضُ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ أُعِدَّتْ لِلَّذِينَ آمَنُوا بِاللَّهِ وَرُسُلِهِ ذَٰلِكَ فَضْلُ اللَّهِ يُؤْتِيهِ مَن يَشَاءُ وَاللَّهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيمِ ﴿۲۰﴾

مَا أَصَابَ مِمَّنْ فَضِيلَةٍ فِي الْأَرْضِ وَلَا فِي السَّمَاءِ إِلَّا فِي كِتَابٍ مِّن قَبْلِ أَن نَّبْرَأَهَا إِنَّ ذَٰلِكَ عَلَى اللَّهِ يَسِيرٌ ﴿۲۱﴾

لِكَيْلَا تَأْسَوْا عَلَىٰ مَا فَاتَكُمْ وَلَا تَفْرَحُوا بِمَا آتَاكُمْ وَاللَّهُ لَا يُحِبُّ مَن كَانَ

سمجھتے ہوئے اللہ کی ہدایات کے مطابق اس میں زندگی گزاری۔

(۱) لیکن اس کے لیے جو اس کے دھوکے میں مبتلا رہا اور آخرت کے لیے کچھ نہیں کیا۔ لیکن جس نے اس حیات دنیا کو طلب آخرت کے لیے استعمال کیا تو اس کے لیے یہی دنیا، اس سے بہتر زندگی حاصل کرنے کا ذریعہ ثابت ہوگی۔

(۲) یعنی اعمال صالحہ اور توبہ النصوح کی طرف کیونکہ یہی چیزیں مغفرت رب کا ذریعہ ہیں۔

(۳) اور جس کا عرض اتنا ہو، اس کا طول کتنا ہو گا؟ کیونکہ طول، عرض سے زیادہ ہی ہوتا ہے۔

(۴) ظاہر ہے اس کی چاہت اسی کے لیے ہوتی ہے جو کفر و معصیت سے توبہ کر کے ایمان و عمل صالح کی زندگی اختیار کر لیتا ہے، اسی لیے وہ ایسے لوگوں کو ایمان اور اعمال صالحہ کی توفیق سے بھی نواز دیتا ہے۔

(۵) وہ جس پر چاہتا ہے، اپنا فضل فرماتا ہے، جس کو وہ کچھ دے، کوئی روک نہیں سکتا اور جس سے روک لے، اسے کوئی دے نہیں سکتا، تمام خیر اسی کے ہاتھ میں ہے، وہی کریم مطلق اور جواد حقیقی ہے جس کے ہاں بخل کا تصور نہیں۔

(۶) مثلاً قحط، سیلاب اور دیگر آفات ارضی و سماوی۔

(۷) مثلاً بیماریاں، تعب و تکان اور تنگ دستی وغیرہ۔

(۸) یعنی اللہ نے اپنے علم کے مطابق تمام مخلوقات کی پیدائش سے پہلے ہی سب باتیں لکھ دیں ہیں۔ جیسے حدیث میں ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: قَدَّرَ اللَّهُ الْمَقَادِيرَ قَبْلَ أَنْ يَخْلُقَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ بِخَمْسِينَ أَلْفَ سَنَةٍ (صحیح مسلم، کتاب القدر، باب حجاج آدم و موسیٰ علیہما السلام) ”اللہ تعالیٰ نے آسمان و زمین کی تخلیق سے پچاس ہزار سال قبل ہی ساری تقدیریں لکھ دی تھیں۔“

مُحْتَالٌ فَخُورٌ ﴿۳۰﴾

لَا الَّذِينَ يَخُفُّونَ وِيَا أَيُّهَا النَّاسُ بِالْبَيْتِ وَمَنْ يَتَوَلَّى فَإِنَّ
اللَّهَ هُوَ الْغَنِيُّ الْحَمِيدُ ﴿۳۱﴾

اور نہ عطا کردہ چیز پر اترا جاؤ،^(۱) اور اترانے والے شنی
خوروں کو اللہ پسند نہیں فرماتا۔ (۲۳)
جو (خود بھی) بخل کریں اور دوسروں کو (بھی) بخل کی تعلیم
دیں۔ سنو! جو بھی منہ پھیرے^(۲) اللہ بے نیاز اور سزاوار
حمد و ثناء ہے۔ (۲۴)

یقیناً ہم نے اپنے پیغمبروں کو کھلی دلیلیں دے کر بھیجا اور ان
کے ساتھ کتاب اور میزان (ترازو) نازل فرمایا^(۳) تاکہ لوگ
عدل پر قائم رہیں۔ اور ہم نے لوہے کو اتارا^(۴) جس میں
سخت ہیبت و قوت ہے^(۵) اور لوگوں کے لیے اور بھی (ہست
سے) فائدے ہیں^(۶) اور اس لیے بھی کہ اللہ جان لے
کہ اس کی اور اس کے رسولوں کی مدد دے دیکھے کون کرتا

لَقَدْ أَرْسَلْنَا نُوحًا بِالْأَيِّتِ وَأَنْزَلْنَا مَعَهُ الْكِتَابَ
وَالْمِيزَانَ لِيَقُومَ النَّاسُ بِالْقِسْطِ وَأَنْزَلْنَا الْحَدِيدَ
فِيهِ بَأْسٌ شَدِيدٌ وَمَنَافِعُ لِلنَّاسِ وَلِيَعْلَمَ اللَّهُ مَنْ
يُتَّقُوهُ وَرَسُولَهُ يُخَبِّرُكَ أَنَّ اللَّهَ يُزَيِّنُ ﴿۳۲﴾

(۱) یہاں جس حزن اور فرح سے رو کا گیا ہے، وہ وہ غم اور خوشی ہے جو انسان کو ناجائز کاموں تک پہنچا دیتی ہے، ورنہ
تکلیف پر رنجیدہ اور راحت پر خوش ہونا، یہ ایک فطری عمل ہے۔ لیکن مومن تکلیف پر صبر کرتا ہے کہ اللہ کی مشیت
اور تقدیر ہے۔ جزع فروغ کرنے سے اس میں تبدیلی نہیں آسکتی۔ اور راحت پر، اترا تا نہیں ہے، اللہ کا شکر ادا کرتا ہے۔
کہ یہ صرف اس کی اپنی سعی کا نتیجہ نہیں ہے بلکہ اللہ کا فضل و کرم اور اس کا احسان ہے۔
(۲) یعنی اتفاق فی سبیل اللہ سے، کیونکہ اصل بخل یہی ہے۔

(۳) میزان سے مراد انصاف ہے اور مطلب ہے کہ ہم نے لوگوں کو انصاف کرنے کا حکم دیا ہے۔ بعض نے اس کا ترجمہ
ترازو کیا ہے، ترازو کے اتارنے کا مطلب ہے، ہم نے ترازو کی طرف لوگوں کی رہنمائی کی کہ اس کے ذریعے سے لوگوں
کو قول کر پورا پورا حق دو۔

(۴) یہاں بھی اتارا پیدا کرنے اور اس کی صنعت سکھانے کے معنی میں ہے۔ لوہے سے بے شمار چیزیں بنتی ہیں، یہ سب
اللہ کے اس الہام و ارشاد کا نتیجہ ہے جو اس نے انسان کو کیا ہے۔

(۵) یعنی لوہے سے جنگی ہتھیار بنتے ہیں۔ جیسے تلوار، نیزہ، بندوق اور اب ایٹم، توپیں، جنگی جہاز، آبدوزیں، گنیں،
راکٹ اور ٹینک وغیرہ بے شمار چیزیں۔ جن سے دشمن پر وار بھی کیا جاتا ہے اور اپنا دفاع بھی۔

(۶) یعنی جنگی ہتھیاروں کے علاوہ لوہے سے اور بھی بہت سی چیزیں بنتی ہیں، جو گھروں میں اور مختلف صنعتوں میں کام
میں آتی ہیں، جیسے چھریاں، چاقو، قینچی، ہتھوڑا، سوئی، زراعت، نجارت، (بڑھئی) اور عمارت وغیرہ کا سامان اور چھوٹی
بڑی بے شمار مشینیں اور ساز و سامان۔

ہے،^(۱) بیشک اللہ قوت والا اور زبردست ہے۔ (۲۵)^(۲)
 بیشک ہم نے نوح اور ابراہیم (علیہما السلام) کو پیغمبر بنا کر
 بھیجا اور ہم نے ان دونوں کی اولاد میں پیغمبری اور کتاب
 جاری رکھی تو ان میں سے کچھ تو راہ یافتہ ہوئے اور ان
 میں سے اکثر بہت نافرمان رہے۔ (۲۶)

ان کے بعد پھر بھی ہم اپنے رسولوں کو پے در پے بھیجتے رہے
 اور ان کے بعد عیسیٰ بن مریم (علیہ السلام) کو بھیجا اور انہیں
 انجیل عطا فرمائی اور ان کے ماننے والوں کے دلوں میں
 شفقت اور رحم پیدا کر دیا^(۳) ہاں رہبانیت (ترک دنیا) تو ان
 لوگوں نے از خود ایجاد کر لی تھی^(۴) ہم نے ان پر اسے واجب

وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا نُوحًا وَإِبْرَاهِيمَ وَجَعَلْنَا فِي ذُرِّيَّتِهِمَا النُّبُوَّةَ
 وَالْكِتَابَ فَمِنْهُمْ مُتَقِدٌ وَكَثِيرٌ مِنْهُمْ فَاسِقُونَ ﴿۲۵﴾

ثُمَّ قَفَّيْنَا عَلَىٰ آثَارِهِم بِرُسُلِنَا وَقَفَّيْنَا عِيسَى ابْنَ مَرْيَمَ وَاتَيْنَاهُ
 الْإِنْجِيلَ وَجَعَلْنَا فِي قُلُوبِ الَّذِينَ اتَّبَعُوهُ رَافِقَةً وَرَحْمَةً
 وَرَهْبَانِيَّةً ابْتَدَعُوهَا مَا كَتَبْنَاهَا عَلَيْهِمْ إِلَّا ابْتِغَاءَ مَرْضَاوَانِ
 اَللّٰهُ قَبْلَ مَا دَعَوْهَا حَقٌّ رِّعَازُهَا ۖ فَاتَيْنَا الَّذِينَ اٰمَنُوا مِنْهُمْ

(۱) یہ لِقَوْمٍ پر عطف ہے۔ یعنی رسولوں کو اس لیے بھی بھیجا ہے تاکہ وہ جان لے کہ کون اس کے رسولوں پر اللہ کو
 دیکھے بغیر، ایمان لاتا اور ان کی مدد کرتا ہے۔

(۲) اس کو اس بات کی حاجت نہیں ہے کہ لوگ اس کے دین کی اور اس کے رسولوں کی مدد کریں، بلکہ وہ چاہے تو اس
 کے بغیر ہی ان کو غالب فرمادے۔ لوگوں کو تو ان کی مدد کرنے کا حکم ان کی اپنی ہی بھلائی کے لیے دیا گیا ہے، تاکہ اس طرح
 وہ اپنے اللہ کو راضی کر کے اس کی مغفرت و رحمت کے مستحق بن جائیں۔

(۳) رَافِقَةً کے معنی نرمی اور رحمت کے معنی شفقت کے ہیں۔ پیروکاروں سے مراد حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے
 حواری ہیں۔ یعنی ان کے دلوں میں ایک دوسرے کے لیے پیار اور محبت کے جذبات پیدا کر دیئے۔ جیسے صحابہ کرام (رضی اللہ عنہم)
 ایک دوسرے کے لیے رحیم و شفیق تھے۔ رُحَمَاءَ بَيْنَهُمْ۔ یہود، آپس میں اس طرح ایک دوسرے کے ہمدرد اور غم
 خوار نہیں، جیسے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے پیروکار تھے۔

(۴) رَهْبَانِيَّةٌ رَهْبٌ (خوف) سے ہے یا رَهْبَانٌ (درویش) کی طرف منسوب ہے اس صورت میں رے پر پیش رہے گا، یا اسے
 رہنہ کی طرف منسوب مانا جائے تو اس صورت میں رے پر زبر ہوگا۔ رہبانیت کا مفہوم ترک دنیا ہے یعنی دنیا اور علاق دنیا
 سے منقطع ہو کر کسی جنگل، صحرا میں جا کر اللہ کی عبادت کرنا۔ اس کا پس منظر یہ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بعد ایسے
 بادشاہ ہوئے جنہوں نے تورات اور انجیل میں تبدیلی کر دی، جسے ایک جماعت نے قبول نہیں کیا۔ انہوں نے بادشاہوں کے ڈر
 سے پہاڑوں اور غاروں میں پناہ حاصل کر لی۔ یہ اس کا آغاز تھا، جسکی بنیاد اضطراب پر تھی۔ لیکن انکے بعد آنے والے بہت سے
 لوگوں نے اپنے بزرگوں کی اندھی تقلید میں اس شہرہ رسی کو عبادت کا ایک طریقہ بنا لیا اور اپنے آپ کو گر جاؤں اور معبودوں
 میں محبوس کر لیا اور اسکے لیے علاق دنیا سے اعتطاع کو ضروری قرار دے لیا۔ اسی کو اللہ نے ابتداء (خود گھڑنے) سے تعبیر فرمایا ہے۔

أَجْرَهُمْ وَكَثِيرٌ مِنْهُمْ فَاسِقُونَ ﴿۳۸﴾

نہ کیا^(۱) تھا سوائے اللہ کی رضا جوئی کے۔^(۲) سوا انہوں نے اس کی پوری رعایت نہ کی،^(۳) پھر بھی ہم نے ان میں سے جو ایمان لائے تھے انہیں ان کا اجر دیا^(۴) اور ان میں زیادہ تر لوگ نافرمان ہیں۔ (۲۷)

اے وہ لوگو جو ایمان لائے ہو! اللہ سے ڈرتے رہا کرو اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ اللہ تمہیں اپنی رحمت کا دواہرا حصہ دے گا^(۵) اور تمہیں نور بخشوں یہ وغیرہ لکھو وَاللَّهُ عَفْوٌ ذَرِيعٌ ﴿۳۹﴾

اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔ (۲۸)

یہ اس لیے کہ اہل کتاب^(۶) جان لیں کہ اللہ کے فضل کے کسی حصے پر بھی انہیں اختیار نہیں اور یہ کہ (سارا) فضل اللہ ہی کے ہاتھ ہے وہ جسے چاہے دے، اور اللہ ہے ہی بڑے فضل والا۔ (۲۹)

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَالْمُوتَ ايُسْئِلْهُ يُؤْتِكُمْ أَجْرَكُمْ مِنْ فَتْرَتِهِ وَيَعْمَلْ لَكُمْ نُورًا تَمْشُونَ بِهِ وَيَغْفِرْ لَكُمْ وَاللَّهُ غَفُورٌ رَحِيمٌ ﴿۳۹﴾

لَيْتَا يَعْلَمَ أَهْلُ الْكِتَابِ أَلَا يَقْدِرُونَ عَلَى شَيْءٍ مِنْ فَضْلِ اللَّهِ وَأَنَّ الْفَضْلَ بِيَدِ اللَّهِ يُؤْتِيهِ مَنْ يَشَاءُ وَاللَّهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيمِ ﴿۴۰﴾

(۱) یہ بچھلی بات ہی کی تائید ہے کہ یہ رہبانیت ان کی اپنی ایجاد تھی، اللہ نے اس کا حکم نہیں دیا تھا۔

(۲) یعنی ہم نے تو ان پر صرف اپنی رضا جوئی فرض کی تھی۔ دوسرا ترجمہ اس کا ہے کہ انہوں نے یہ کام اللہ کی رضا تلاش کرنے کے لیے کیا تھا۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے وضاحت فرمادی کہ اللہ کی رضا، دین میں اپنی طرف سے بدعات ایجاد کرنے سے حاصل نہیں ہو سکتی، چاہے وہ کتنی ہی خوش نما ہو۔ اللہ کی رضا تو اس کی اطاعت سے ہی حاصل ہوگی۔

(۳) یعنی گو انہوں نے مقصد اللہ کی رضا جوئی بتلایا، لیکن اس کی انہوں نے پوری رعایت نہیں کی، ورنہ وہ ابتداء (بدعت ایجاد کرنے) کے بجائے اتباع کا راستہ اختیار کرتے۔

(۴) یہ وہ لوگ ہیں جو دین عیسوی پر قائم رہے تھے۔

(۵) یہ دو گنا اجر اہل ایمان کو ملے گا جو نبی ﷺ سے قبل پہلے کسی رسول پر ایمان رکھتے تھے پھر نبی ﷺ پر بھی ایمان لے آئے جیسا کہ حدیث میں بیان کیا گیا ہے۔ (صحیح البخاری، کتاب العلم، باب تعلیم الرجل أمته وأهله وصحیح مسلم، کتاب الإیمان، باب وجوب الإیمان برسالة نبینا) ایک دوسری تفسیر کے مطابق جب اہل کتاب نے اس بات پر فخر کا اظہار کیا کہ انہیں دو گنا اجر ملے گا، تو اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کے حق میں یہ آیت نازل فرمائی۔ (تفصیل کے لیے دیکھئے، تفسیر ابن کثیر)

(۶) لَيْتَا میں لازماً نہ ہے اور معنی میں لَيْتَا أَهْلُ الْكِتَابِ أَنَّهُمْ لَا يَقْدِرُونَ عَلَى أَنْ يَتَأَلَّوا شَيْئًا مِنْ فَضْلِ اللَّهِ (فتح القدیر)

سورۃ مجادلہ مدنی ہے اور اس میں بائیس آیتیں اور تین رکوع ہیں۔



شروع کرتا ہوں اللہ تعالیٰ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے۔

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

یقیناً اللہ تعالیٰ نے اس عورت کی بات سنی جو تجھ سے اپنے شوہر کے بارے میں تکرار کر رہی تھی اور اللہ کے آگے شکایت کر رہی تھی، اللہ تعالیٰ تم دونوں کے سوال و جواب سن رہا تھا،^(۱) بیشک اللہ تعالیٰ سننے دیکھنے والا ہے۔ (۱)

قَدْ سَمِعَ اللَّهُ قَوْلَ الَّتِي تُجَادِلُكَ فِي زَوْجِهَا وَتَشْتَكِي إِلَى اللَّهِ وَاللَّهُ يَسْمَعُ مَا دُرُّكُمْ إِنَّ اللَّهَ يَمِيعُ بَصِيرٌ ۝۱

تم میں سے جو لوگ اپنی بیویوں سے ظہار کرتے ہیں (یعنی انہیں ماں کہہ بیٹھتے ہیں) وہ دراصل ان کی مائیں نہیں بن جاتیں، ان کی مائیں تو وہی ہیں جن کے بطن سے وہ پیدا ہوئے،^(۲) یقیناً یہ لوگ ایک نامعقول اور جھوٹی بات کہتے

الَّذِينَ يُظَاهِرُونَ مِنكُم مِّن نِّسَائِهِمْ مَاتَمَنَ أَنَّهُمْ إِن لَّمْ يَكُن لَّهُمْ إِلَّا آبَاءُ وَلَدَهُمْ وَآلَهُمْ لَيَفْجُرُونَ مَنكُم مِّنَ الْقَوْلِ وَاذْأَوْ إِنَّ اللَّهَ لَعَفُوفٌ ۝۲

(۱) یہ اشارہ ہے حضرت خولہ بنت مالک بن ثعلبہ رضی اللہ عنہا کے واقعہ کی طرف، جن کے خاوند حضرت اوس بن صامت رضی اللہ عنہ نے ان سے ظہار کر لیا تھا، ظہار کا مطلب ہے، بیوی کو یہ کہہ دینا اَنْتِ عَلَيَّ كَظَهَرْتُ اُمِّي (تو مجھ پر میری ماں کی پیٹھ کی طرح ہے) زمانہ جاہلیت میں ظہار کو طلاق سمجھا جاتا تھا۔ حضرت خولہ رضی اللہ عنہا سخت پریشان ہوئیں اس وقت تک اس کی بابت کوئی حکم نازل نہیں ہوا تھا۔ اس لیے وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئیں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی کچھ توقف فرمایا اور وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے بحث و تکرار کرتی رہیں۔ جس پر یہ آیات نازل ہوئیں، جن میں مسئلہ ظہار اور اس کا حکم و کفارہ بیان فرما دیا گیا۔ (ابوداؤد، کتاب الطلاق، باب فی الظہار حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ اللہ تعالیٰ کس طرح لوگوں کی باتیں سننے والا ہے کہ یہ عورت گھر کے ایک کونے میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے مجادلہ کرتی اور اپنے خاوند کی شکایت کرتی رہی، مگر میں اس کی باتیں نہیں سنتی تھی۔ لیکن اللہ نے آسمانوں پر سے اس کی بات سن لی، (سنن ابن ماجہ، المقدمة، باب فیما أنکرت الجہمیة - صحیح بخاری میں بھی تعلقاً اس کا مختصر ذکر ہے۔ کتاب التوحید، باب قول اللہ تعالیٰ وکان اللہ سمیعاً بصیراً)

(۲) یہ ظہار کا حکم بیان فرمایا کہ تمہارے کہہ دینے سے تمہاری بیوی تمہاری ماں نہیں بن جائے گی۔ اگر ماں کے بجائے کوئی شخص اپنی بیٹی یا بن وغیرہ کی پیٹھ کی طرح اپنی بیوی کو کہہ دے تو یہ ظہار ہے یا نہیں؟ امام مالک اور امام ابو حنیفہ رحمہما اللہ اسے

ہیں۔ بیشک اللہ تعالیٰ معاف کرنے والا اور بخشنے والا ہے۔^(۱) (۲)
جو لوگ اپنی بیویوں سے ظہار کریں پھر اپنی کسی ہوئی بات
سے رجوع کر لیں^(۲) تو ان کے ذمہ آپس میں ایک
دوسرے کو ہاتھ لگانے سے پہلے^(۳) ایک غلام آزاد کرنا
ہے، اس کے ذریعہ تم نصیحت کیے جاتے ہو۔ اور اللہ
تعالیٰ تمہارے تمام اعمال سے باخبر ہے۔ (۳)

ہاں جو شخص نہ پائے اس کے ذمہ دو مہینوں کے لگاتار
روزے ہیں اس سے پہلے کہ ایک دوسرے کو ہاتھ لگائیں
اور جس شخص کو یہ طاقت بھی نہ ہو اس پر ساٹھ مسکینوں کا
کھانا کھانا ہے۔ یہ اس لیے کہ تم اللہ کی اور اس کے رسول
کی حکم برداری کرو، یہ اللہ تعالیٰ کی مقرر کردہ حدیں ہیں اور

وَالَّذِينَ يَظَاهِرُونَ مِنْ بَيْنِهِمْ ثُمَّ يَعُودُونَ لِمَا قَالُوا
فَتَحْرِيرُ رَقَبَةٍ مِنْ قَبْلِ أَنْ يَتَمَاسَّا ذَلِكَ وَتَوْعَدُونَ بِهِ وَاللَّهُ
بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِيرٌ ﴿۲﴾

فَمَنْ كَفَرَ بَعْدَ مَا عَاهَدَ مِنْ مَّتَابَعِينَ مِنْ قَبْلِ أَنْ يَتَمَاسَّا
فَمَنْ كَفَرَ بَعْدَ مَا عَاهَدَ مِنْ مَّتَابَعِينَ مِنْ قَبْلِ أَنْ يَتَمَاسَّا
وَرَسُولُهُ ذَلِكَ حُدُودُ اللَّهِ وَلِلَّهِ عَذَابُ الْعَبْرِ ﴿۳﴾

بھی ظہار قرار دیتے ہیں، جب کہ دوسرے علماء سے ظہار تسلیم نہیں کرتے۔ (پہلا قول ہی صحیح معلوم ہوتا ہے) اسی طرح اس
میں بھی اختلاف ہے کہ پیٹھ کی جگہ اگر کوئی یہ کہے کہ تو میری ماں کی طرح ہے، پیٹھ کا نام نہ لے۔ تو علما کہتے ہیں کہ اگر ظہار کی
نیت سے وہ مذکورہ الفاظ کہے گا تو ظہار ہو گا، بصورت دیگر نہیں۔ امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ اگر ایسے عضو کے ساتھ
تشبیہ دے گا جس کا دیکھنا جائز ہے تو یہ ظہار نہیں ہو گا، امام شافعی رحمہ اللہ بھی کہتے ہیں کہ ظہار صرف پیٹھ کی طرح کہنے سے ہی
ہو گا۔ (فتح القدیر)

(۱) اسی لیے اس نے کفارے کو اس قول منکر اور جھوٹ کی معافی کا ذریعہ بنا دیا۔

(۲) اب اس حکم کی تفصیل بیان کی جا رہی ہے۔ رجوع کا مطلب ہے، بیوی سے ہم بستری کرنا چاہیں۔

(۳) یعنی ہم بستری سے پہلے وہ کفارہ ادا کریں۔ ۱- ایک غلام آزاد کرنا۔ ۲- اس کی طاقت نہ ہو تو پے در پے بلاناغہ دو مہینے
کے روزے۔ اگر درمیان میں بغیر عذر شرعی کے روزہ چھوڑ دیا تو نئے سرے سے پورے دو مہینے کے روزے رکھنے پڑیں
گے۔ عذر شرعی سے مراد بیماری یا سفر ہے۔ امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ بیماری وغیرہ کی وجہ سے بھی روزہ چھوڑے
گا تو نئے سرے سے روزے رکھنے ہوں گے۔ ۳- اگر پے در پے دو مہینے کے روزے رکھنے کی طاقت نہ ہو تو ساٹھ
مساکین کو کھانا کھلائے۔ بعض کہتے ہیں کہ ہر مسکین کو دو مد (نصف صاع یعنی سوا کلو) اور بعض کہتے ہیں ایک مد کافی ہے۔
لیکن قرآن کے الفاظ سے معلوم ہوتا ہے کہ کھانا اس طرح کھلایا جائے کہ وہ شکم سیر ہو جائیں یا اتنی ہی مقدار میں ان کو
کھانا دیا جائے۔ ایک مرتبہ ہی سب کو کھانا بھی ضروری نہیں بلکہ متعدد اقساط میں یہ تعداد پوری کی جا سکتی ہے۔ (فتح
القدیر) تاہم یہ ضروری ہے جب تک یہ تعداد پوری نہ ہو جائے، اس وقت تک بیوی سے ہم بستری جائز نہیں۔

کفار ہی کے لیے دردناک عذاب ہے۔ (۴)
 بیشک جو لوگ اللہ اور اس کے رسول کی مخالفت کرتے ہیں
 وہ ذلیل کیے جائیں گے جیسے ان سے پہلے کے لوگ ذلیل
 کیے گئے تھے، (۲) اور بیشک ہم واضح آیتیں اتار چکے ہیں اور
 کافروں کے لیے تو ذلت والاعذاب ہے۔ (۵)

جس دن اللہ تعالیٰ ان سب کو اٹھائے گا پھر انہیں ان کے
 کیے ہوئے عمل سے آگاہ کرے گا، جسے اللہ نے شمار رکھا
 ہے اور جسے یہ بھول گئے تھے، (۳) اور اللہ تعالیٰ ہر چیز
 سے واقف ہے۔ (۶)

کیا تو نے نہیں دیکھا کہ اللہ آسمانوں کی اور زمین کی ہر چیز
 سے واقف ہے۔ تین آدمیوں کی سرگوشی نہیں ہوتی مگر
 اللہ ان کا چوتھا ہوتا ہے اور نہ پانچ کی مگر ان کا چھٹا ہوتا
 ہے اور نہ اس سے کم کی اور نہ زیادہ کی مگر وہ ساتھ ہی
 ہوتا ہے (۵) جہاں بھی وہ ہوں، (۶) پھر قیامت کے دن

إِنَّ الَّذِينَ يُعَادُونَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ لَيُؤْتُوا لِكُلِّ أَكْثَمَ الَّذِينَ مِنْ
 قَبْلِهِمْ وَقَدْ أَنْزَلْنَا آيَاتِنَا يَتَذَكَّرُ لَكُمْ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُونَ ۝

يَوْمَ يُبْعَثُهُمُ اللَّهُ جَمِيعًا فَعَلَيْتُمْ بِمَا عَمِلْتُمْ أَخْصَاةَ اللَّهِ
 وَرَسُولُهُ وَاللَّهُ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ شَهِيدٌ ۝

أَلَمْ تَرَ أَنَّ اللَّهَ يَنْزِلُ فِي السَّمَوَاتِ وَمِنَ الْأَرْضِ مَا يَكُونُ مِنْ
 نَجْوَى ثَلَاثَةٍ إِلَّا هُمْ يُعْلِمُونَ وَلَا تَحْصِي الْأَمْوَالُ لِلْعَالَمِينَ وَلَا تَحْصِي
 مِنَ ذَلِكَ وَلَا أَكْثَرُ الْأَمْوَالُ لَهُمْ إِنْ مَا كَانُوا أَفْهَمِيَنَّهُمْ بِمَا عَمِلُوا
 يَوْمَ الْقِيَامَةِ إِنَّ اللَّهَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ ۝

(۱) کُتِبُوا، ماضی مجمل کا صیغہ ہے، مستقبل میں ہونے والے واقعے کو ماضی سے تعبیر کر کے واضح کر دیا کہ اس کا وقوع
 اور تحقق اسی طرح یقینی ہے جیسے کہ وہ ہو چکا ہے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ یہ مشرکین مکہ بدر والے دن ذلیل کیے گئے، کچھ
 مارے گئے، کچھ قیدی ہو گئے اور مسلمان ان پر غالب رہے۔ مسلمانوں کا غلبہ بھی ان کے حق میں نہایت ذلت تھا۔

(۲) اس سے مراد گزشتہ امتیں ہیں جو اسی مخالفت کی وجہ سے ہلاک ہوئیں۔

(۳) یہ ذہنوں میں پیدا ہونے والے اشکال کا جواب ہے کہ گناہوں کی اتنی کثرت اور ان کا اتنا تنوع ہے کہ ان کا احصا
 بظاہر ناممکن ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا تمہارے لیے یقیناً ناممکن ہے بلکہ تمہیں تو خود اپنے کیے ہوئے سارے کام بھی یاد
 نہیں ہوں گے لیکن اللہ کے لیے یہ کوئی مشکل نہیں، اس نے ایک ایک کا عمل محفوظ کیا ہوا ہے۔

(۴) اس پر کوئی چیز مخفی نہیں۔ آگے اس کی مزید تاکید ہے کہ وہ ہر چیز کو جانتا ہے۔

(۵) یعنی مذکورہ تعداد کا خصوصی طور پر ذکر اس لیے نہیں ہے کہ وہ اس سے کم یا اس سے زیادہ تعداد کے درمیان ہونے
 والی گفتگو سے بے خبر رہتا ہے بلکہ یہ تعداد بطور مثال ہے، مقصد یہ بتلانا ہے کہ تعداد تھوڑی ہو یا زیادہ۔ وہ ہر ایک کے
 ساتھ ہے اور ہر ظاہر اور پوشیدہ بات کو جانتا ہے۔

(۶) خلوت میں ہوں یا جلوت میں، شہروں میں ہوں یا جنگل صحراؤں میں، آبادیوں میں ہوں یا بے آباد پہاڑوں بیابانوں

انہیں ان کے اعمال سے آگاہ کرے گا^(۱) بیشک اللہ تعالیٰ ہر چیز سے واقف ہے۔ (۷)

کیا تو نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا؟ جنہیں کانا پھوسی سے روک دیا گیا تھا وہ پھر بھی اس روکے ہوئے کام کو دوبارہ کرتے ہیں^(۲) اور آپس میں گناہ کی اور ظلم و زیادتی کی اور نافرمانی پیغمبر کی سرگوشیاں کرتے ہیں^(۳) اور جب تیرے پاس آتے ہیں تو تجھے ان لفظوں میں سلام کرتے ہیں جن لفظوں میں اللہ تعالیٰ نے نہیں کہا^(۴) اور اپنے دل میں کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ہمیں اس پر جو ہم کہتے ہیں سزا کیوں نہیں دیتا^(۵) ان کے لیے جہنم کافی (سزا) ہے

الَّذِينَ يَدْعُونَ إِلَى الْكُفْرِ مِنَ الْيَهُودِ وَالنَّصَارَىٰ وَمِمَّنْ يَدْعُونَ إِلَى الْكُفْرِ مِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ ۚ إِنَّ اللَّهَ عَلِيمٌ بِذُنُوبِهِمْ ۚ
وَيَسْتَعِزُّونَ بِاللَّهِ وَالْعَزَّوَانِ وَمَعْصِيَتِ الرَّسُولِ ۚ وَإِذَا جَاءَهُمْ حُكْمٌ مِنَ اللَّهِ بِمَا كَانُوا يَكْفُرُونَ ۖ فَقَالُوا لَوْلَا وَعْدُ اللَّهِ إِذَا قَالَ لَكُمْ يَسِّرْ لَكُمْ يَسْرٌ ۖ وَلَئِنْ قَالَ لَكُمْ عَسَافٌ لَّتُصِلُوهُنَّ ۚ فَأَيُّ الْفَرِيقَيْنِ سَاءُ الْمَصِيرِ ۝

اور غاروں میں، جہاں بھی وہ ہوں، اس سے چھپے نہیں رہ سکتے۔

(۱) یعنی اس کے مطابق ہر ایک کو جزا دے گا۔ نیک کو اس کی نیکیوں کی جزا اور بد کو اس کی بدیوں کی سزا۔

(۲) اس سے مدینے کے یہودی اور منافقین مراد ہیں۔ جب مسلمان ان کے پاس سے گزرتے تو یہ باہم سر جوڑ کر اس طرح سرگوشیاں اور کانا پھوسی کرتے کہ مسلمان یہ سمجھتے کہ شاید ان کے خلاف یہ کوئی سازش کر رہے ہیں، یا مسلمانوں کے کسی لشکر پر دشمن نے حملہ کر کے انہیں نقصان پہنچایا ہے، جس کی خبر ان کے پاس پہنچ گئی ہے۔ مسلمان ان چیزوں سے خوف زدہ ہو جاتے۔ چنانچہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس طرح سرگوشیاں کرنے سے منع فرمادیا۔ لیکن کچھ ہی عرصے کے بعد انہوں نے پھر یہ مذموم سلسلہ شروع کر دیا۔ آیت میں ان کے اسی کردار کو بیان کیا جا رہا ہے۔

(۳) یعنی ان کی سرگوشیاں نیکی اور تقویٰ کی باتوں میں نہیں ہوتیں، بلکہ گناہ، زیادتی اور معصیت رسول ﷺ پر مبنی ہوتی ہیں مثلاً کسی کی غیبت، الزام تراشی، بے ہودہ گوئی، ایک دوسرے کو رسول ﷺ کی نافرمانی پر اکسانا وغیرہ۔

(۴) یعنی اللہ نے تو سلام کا طریقہ یہ بتلایا کہ تَمَّ السَّلَامُ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَةُ اللَّهِ، 'کو لیکن یہ یہودی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوتے تو اس کے بجائے کہتے السَّامُ عَلَيْكُمْ يَا عَلَيْنِكَ (تم پر موت وارد ہو) اس لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے جواب میں صرف یہ فرمایا کرتے تھے۔ وَعَلَيْكُمْ يَا وَعَلَيْنِكَ (اور تم پر ہی ہو) اور مسلمانوں کو بھی آپ ﷺ نے تاکید فرمائی کہ جب کوئی اہل کتاب تمہیں سلام کرے تو تم جواب میں «عَلَيْنِكَ» کہا کرو یعنی عَلَيْنِكَ مَا قُلْتُ (تو نے جو کہا ہے، وہ تجھ پر ہی وارد ہو) (صحیح بخاری و مسلم، کتاب الأدب، باب لم یکن النبی صلی اللہ علیہ وسلم فاحشاً ولا متفحشاً)۔

(۵) یعنی وہ آپس میں یا اپنے دلوں میں کہتے کہ اگر یہ سچا نبی ہو تا تو اللہ تعالیٰ یقیناً ہماری اس قبیح حرکت پر ہماری گرفت

جس میں یہ جائیں گے،^(۱) سو وہ برا ٹھکانا ہے۔ (۸)
 اے ایمان والو! تم جب سرگوشی کرو تو یہ سرگوشیاں گناہ اور
 ظلم (زیادتی) اور نافرمانی پیغمبر کی نہ ہوں،^(۲) بلکہ نیکی اور
 پرہیزگاری کی باتوں پر سرگوشی کرو^(۳) اور اس اللہ سے
 ڈرتے رہو جس کے پاس تم سب جمع کیے جاؤ گے۔ (۹)
 (بری) سرگوشیاں، پس شیطانی کام ہے جس سے ایمان
 داروں کو رنج پہنچے۔^(۴) گو اللہ تعالیٰ کی اجازت کے بغیر وہ
 انہیں کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتا۔ اور ایمان والوں کو
 چاہیے کہ اللہ ہی پر بھروسہ رکھیں۔^(۵) (۱۰)
 اے مسلمانو! جب تم سے کہا جائے کہ مجلسوں میں ذرا

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا تَنَاجَيْتُمْ فَلَا تَنَاجُوا إِلَّا لِذِكْرِ
 وَالْعُدْوَانِ وَمَعِصِيَةِ الرَّسُولِ وَتَنَاجُوا بِالْإِذْنِ وَالْقَوَىٰ
 وَأَتِقُوا اللَّهَ الَّذِي إِلَيْهِ تُحْشَرُونَ ①

إِنَّمَا النَّجْوَىٰ مِنَ الشَّيْطَانِ لِيَحْزُنَ الَّذِينَ آمَنُوا وَلَيْسَ
 بِضَرْبِهِمْ شَيْءٌ إِلَّا بِإِذْنِ اللَّهِ وَعَلَى اللَّهِ قَلْبُكَ كُلِّ
 الْمُؤْمِنُونَ ②

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا قِيلَ لَكُمْ تَسْتَأْذِنُوا فَاذْهَبُوا إِلَى الْمَجَالِسِ

ضرور فرماتا۔

- (۱) اللہ نے فرمایا کہ اگر اللہ نے اپنی مشیت اور حکمت بالغہ کے تحت دنیا میں ان کو فوری گرفت نہیں فرمائی تو کیا وہ آخرت میں
 جہنم کے عذاب سے بھی بچ جائیں گے؟ نہیں یقیناً نہیں۔ جہنم ان کی مختصر ہے جس میں وہ داخل ہوں گے۔
 (۲) جس طرح یہود اور منافقین کا شیوہ ہے۔ یہ گویا اہل ایمان کو تربیت اور کردار سازی کے لیے کہا جا رہا ہے۔ کہ اگر تم
 اپنے دعوائے ایمان میں سچے ہو تو تمہاری سرگوشیاں یہود اور اہل نفاق کی طرح اثم و عدوان پر نہیں ہونی چاہئیں۔
 (۳) یعنی جس میں خیر ہی خیر ہو اور جو اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت پر مبنی ہو۔ کیونکہ یہی نیکی اور تقویٰ ہے۔
 (۴) یعنی اثم و عدوان اور معصیت رسول ﷺ پر مبنی سرگوشیاں یہ شیطانی کام ہیں، کیونکہ شیطان ہی ان پر آمادہ کرتا
 ہے، تاکہ وہ اس کے ذریعے سے مومنوں کو غم و حزن میں مبتلا کرے۔
 (۵) لیکن یہ سرگوشیاں اور شیطانی حرکتیں، مومنوں کو کچھ نقصان نہیں پہنچا سکتیں، البتہ کہ اللہ کی مشیت ہو اس لیے تم
 اپنے دشمنوں کی ان اچھی حرکتوں سے پریشان نہ ہو کرو۔ بلکہ اللہ پر بھروسہ رکھو، اس لیے کہ تمام معاملات کا اختیار اسی
 کے ہاتھ میں ہے اور وہی ہر چیز پر قادر ہے، نہ کہ یہود اور منافقین، جو تمہیں تباہ و برباد کرنا چاہتے ہیں۔ سرگوشی کے سلسلے
 میں ہی مسلمانوں کو ایک اخلاقی ہدایت یہ دی گئی ہے کہ جب تم تین آدمی اکٹھے ہو، تو اپنے میں سے ایک کو چھوڑ کر دو
 آدمی آپس میں سرگوشی نہ کریں، کیونکہ یہ طریقہ اس ایک آدمی کو غم میں ڈال دے گا۔ (صحیح بخاری، کتاب
 الاستئذان، باب إذا كانوا أكثر من ثلاثة فلا بأس بالمسارعة والمناجاة۔ و صحیح مسلم کتاب السلام،
 باب تحريم مناجاة الاثنتين دون الثالث بغیر رضا، البتہ اس کی رضامندی اور اجازت سے ایسا کرنا جائز ہے۔
 کیونکہ اس صورت میں دو آدمیوں کا سرگوشی کرنا، کسی کے لیے تشویش کا باعث نہیں ہو گا۔

فَأَسْمُوا يَفْسَحَ اللَّهُ لَكُمْ وَإِذَا قِيلَ اسْكُتُوا فَأَسْكُتُوا يَرْبَعٍ
اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا مِنْكُمْ وَالَّذِينَ أُوتُوا الْعِلْمَ دَرَجَاتٍ
وَاللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِيرٌ ۝

کشاہکی پیدا کرو تو تم جگہ کشاہہ کر دو (۱) اللہ تمہیں کشاہگی
دے گا، (۲) اور جب کہا جائے کہ اٹھ کھڑے ہو جاؤ تو تم
اٹھ کھڑے ہو جاؤ (۳) اللہ تعالیٰ تم میں سے ان لوگوں کے
جو ایمان لائے ہیں اور جو علم دیئے گئے ہیں درجے
بلند کر دے گا، (۴) اور اللہ تعالیٰ (ہر اس کام سے) جو تم
کر رہے ہو (خوب) خبردار ہے۔ (۱۱)

اے مسلمانو! جب تم رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے
سرگوشی کرنا چاہو تو اپنی سرگوشی سے پہلے کچھ صدقہ
دے دیا کرو (۵) یہ تمہارے حق میں بہتر اور پاکیزہ تر

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا نَادَاكُمُ الرَّسُولُ فَجَبِّدُوا لَهُنَّ يَدَيَّ
تَحْتَكُمْ صَدَقَ ذَلِكَ حَيْثُ لَكُمْ وَأَطَعُوا فَإِنْ لَمْ تَجِدُوا فَإِنَّ اللَّهَ
عَفُورٌ رَحِيمٌ ۝

(۱) اس میں مسلمانوں کو مجلس کے آداب بتلائے جا رہے ہیں۔ مجلس کا لفظ عام ہے، جو ہر اس مجلس کو شامل ہے، جس
میں مسلمان خیر اور اجر کے حصول کے لیے جمع ہوں، وعظ و نصیحت کی مجلس ہو یا جمعہ کی مجلس ہو۔ (تفسیر القرطبی) ”کھل
کر بیٹھو“ کا مطلب ہے کہ مجلس کا دائرہ وسیع رکھو تاکہ بعد میں آنے والوں کے لیے بیٹھنے کی جگہ رہے۔ دائرہ تنگ مت
رکھو کہ بعد میں آنے والے کو کھڑا رہنا پڑے یا کسی بیٹھے ہوئے کو اٹھا کر اس کی جگہ وہ بیٹھے کہ یہ دونوں باتیں ناشائستہ
ہیں۔ چنانچہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی فرمایا ”کوئی شخص، کسی دوسرے شخص کو اس کی جگہ سے اٹھا کر خود نہ بیٹھے،
اس لیے مجلس کے دائرے کو فراخ اور وسیع کر لو۔ (صحیح بخاری، کتاب الجمعة، باب لا یقیم الرجل اُخاه
یوم الجمعة ویقعہ فی مکانہ۔ صحیح مسلم، کتاب السلام، باب تحریم إقامة الإنسان من موضعه
المباح الذی سبق إلیہ)

(۲) یعنی اس کے صلے میں اللہ تعالیٰ تمہیں جنت میں وسعت و فراخی عطا فرمائے گا یا جہاں بھی تم وسعت و فراخی کے
طالب ہو گے، مثلاً مکان میں، رزق میں، قبر میں۔ ہر جگہ تمہیں فراخی عطا فرمائے گا۔

(۳) یعنی جہاد کے لیے، نماز کے لیے یا کسی بھی عمل خیر کے لیے۔ یا مطلب ہے کہ جب مجلس سے اٹھ کر جانے کو کہا
جائے، تو فوراً چلے جاؤ۔ مسلمانوں کو یہ حکم اس لیے دیا گیا کہ صحابہ کرام (رضی اللہ عنہم) نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس سے اٹھ کر
جانا پسند نہیں کرتے تھے لیکن اس طرح بعض دفعہ ان لوگوں کو تکلیف ہوتی تھی جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے خلوت میں
کوئی گفتگو کرنا چاہتے تھے۔

(۴) یعنی اہل ایمان کے درجے، غیر اہل ایمان پر اور اہل علم کے درجے اہل ایمان پر بلند فرمائے گا۔ جس کا مطلب یہ ہوا
کہ ایمان کے ساتھ علوم دین سے واقفیت مزید رُفَع درجات کا باعث ہے۔

(۵) ہر مسلمان نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے مناجات اور خلوت میں گفتگو کرنے کی خواہش رکھتا تھا، جس سے نبی صلی اللہ

ہے،^(۱) ہاں اگر نہ پاؤ تو بیشک اللہ تعالیٰ بخشے والا مہربان ہے۔ (۱۲)
 کیا تم اپنی سرگوشی سے پہلے صدقہ نکالنے سے ڈر گئے؟
 پس جب تم نے یہ نہ کیا اور اللہ تعالیٰ نے بھی تمہیں
 معاف فرمادیا^(۲) تو اب (بخوبی) نمازوں کو قائم رکھو
 زکوٰۃ دیتے رہا کرو اور اللہ تعالیٰ کی اور اس کے رسول کی
 تابعداری کرتے رہو۔^(۳) تم جو کچھ کرتے ہو اس (سب)
 سے اللہ (خوب) خبردار ہے۔ (۱۳)

کیا تو نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا؟ جنہوں نے اس قوم
 سے دوستی کی جن پر اللہ غضبناک ہو چکا ہے،^(۴) نہ یہ
 (منافق) تمہارے ہی ہیں نہ ان کے ہیں^(۵) باوجود علم کے
 پھر بھی جھوٹ پر قسمیں کھا رہے ہیں۔^(۶) (۱۴)

وَأَشْفَقْتُمْ أَنَّ تُغَيَّرَ مَوَاقِنَ يَدَي نَجْوَاكُمْ صَدَقْتُمْ قَدْ أَذَكُم
 تَعْلَمُوا وَأَتَابَ اللَّهُ عَلَيْكُمْ فَأَقِيمُوا الصَّلَاةَ وَآتُوا الزَّكَاةَ
 وَأَطِيعُوا اللَّهَ وَرَسُولَهُ وَاللَّهُ خَبِيرٌ بِمَا تَعْمَلُونَ ﴿١٥﴾

أَلَمْ تَرَ إِلَى الَّذِينَ تَوَلَّوْا قَوْمًا غَضِبَ اللَّهُ عَلَيْهِمْ مَا هُمْ مِنْكُمْ وَلَا
 مِنْكُمْ وَيَحْلِفُونَ عَلَى الْكَذِبِ وَهُمْ يَعْلَمُونَ ﴿١٦﴾

علیہ وسلم کو خاصی تکلیف ہوتی۔ بعض کہتے ہیں کہ منافقین یوں ہی بلا وجہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے مناجات میں
 مصروف رہتے تھے، جس سے مسلمان تکلیف محسوس کرتے تھے، اس لیے اللہ نے یہ حکم نازل فرمادیا، تاکہ آپ ﷺ
 سے گفتگو کرنے کے رجحان عام کی حوصلہ شکنی ہو۔

(۱) بہتر اس لیے کہ صدقہ سے تمہارے ہی دوسرے غریب مسلمان بھائیوں کو فائدہ ہو گا اور پاکیزہ تر اس لیے کہ یہ
 ایک عمل صالح اور اطاعت الہی ہے جس سے نفوس انسانی کی تطہیر ہوتی ہے۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ یہ امر بطور
 استحباب کے تھا، وجوب کے لیے نہیں۔

(۲) یہ امر گواہ استحباب تھا، پھر بھی مسلمانوں کے لیے شاق تھا، اس لیے اللہ تعالیٰ نے جلد ہی اسے منسوخ فرمادیا۔
 (۳) یعنی فراغ و احکام کی پابندی، اس صدقہ کا بدل بن جائے گی، جسے اللہ نے تمہاری تکلیف کے لیے معاف فرمادیا ہے۔
 (۴) جن پر اللہ کا غضب نازل ہوا، وہ قرآن کریم کی صراحت کے مطابق یہود ہیں۔ اور ان سے دوستی کرنے والے
 منافقین ہیں۔ یہ آیات اس وقت نازل ہوئیں، جب مدینے میں منافقین کا بھی زور تھا اور یہودیوں کی سازشیں بھی عروج
 پر تھیں۔ ابھی یہود کو جلا وطن نہیں کیا گیا تھا۔

(۵) یعنی یہ منافقین مسلمان ہیں اور نہ دین کے لحاظ سے یہودی ہی ہیں۔ پھر یہ کیوں یہودیوں سے دوستی کرتے ہیں؟
 صرف اس لیے کہ ان کے اور یہود کے درمیان نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور اسلام کی عداوت قدر مشترک ہے۔
 (۶) یعنی قسمیں کھا کر مسلمانوں کو باور کراتے ہیں کہ ہم بھی تمہاری طرح مسلمان ہیں یا یہودیوں سے انکے رابطے نہیں ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے سخت عذاب تیار کر رکھا ہے،^(۱) تحقیق جو کچھ یہ کر رہے ہیں برا کر رہے ہیں۔ (۱۵)
ان لوگوں نے تو اپنی قسموں کو ڈھال بنا رکھا ہے^(۲) اور لوگوں کو اللہ کی راہ سے روکتے ہیں^(۳) ان کے لیے رسوا کرنے والا عذاب ہے۔ (۱۶)

ان کے مال اور ان کی اولاد اللہ کے ہاں کچھ کام نہ آئیں گی۔ یہ تو جہنمی ہیں ہمیشہ ہی اس میں رہیں گے۔ (۱۷)
جس دن اللہ تعالیٰ ان سب کو اٹھا کھڑا کرے گا تو یہ جس طرح تمہارے سامنے قسمیں کھاتے ہیں (اللہ تعالیٰ) کے سامنے بھی قسمیں کھانے لگیں گے^(۴) اور سمجھیں گے کہ وہ بھی کسی (دلیل) پر ہیں،^(۵) یقیناً مانو کہ بیشک وہی جھوٹے ہیں۔ (۱۸)
ان پر شیطان نے غلبہ حاصل کر لیا ہے،^(۶) اور انہیں اللہ کا ذکر بھلا دیا ہے^(۷) یہ شیطانی لشکر ہے۔ کوئی شک نہیں

اَعَدَّ اللّٰهُ لَهُمْ عَذَابًا شَدِيدًا اَلَمْ تَرَ مَا كَانُوا يَفْعَلُوْنَ ۝

اِنْتُمْ وَاٰتِيَاكُمْ جُمُعَةً فَصَدَّقُوا عَنْ سِدْرِ اللّٰهِ فَالَهُمْ عَذَابٌ مُّهِينٌ ۝

لَنْ تُغْنِيَ عَنْهُمْ اَمْوَالُهُمْ وَلَا اَوْلَادُهُمْ مِنَ اللّٰهِ شَيْئًا اُولٰٓئِكَ اَصْحَابُ النَّارِ هُمْ فِيهَا خَالِدُوْنَ ۝

يَوْمَ يَرٰهُمْ اللّٰهُ جَمِيعًا فَيُعَذِّبُهُمْ لِهٰٓءَاذِهِمْ يَفْعَلُوْنَ لَهٗ كَمَا يُعَذِّبُوْنَ لَكُمْ وَيَسْتَبِشِرُوْنَ اَنْهُمْ عَلَىٰ شَيْءٍ اَلَا اِنَّهُمْ هُمُ الْكَذِبُوْنَ ۝

اِسْتَحْذَرُوْا عَلَيْهِمُ الشَّيْطٰنَ فَاَنْتُمْ ذٰكِرُوْا اللّٰهَ اُولٰٓئِكَ حِزْبٌ

(۱) یعنی یہودیوں سے دوستانہ تعلق رکھنے اور جھوٹی قسمیں کھانے کی وجہ سے۔

(۲) اٰیْمَانٌ، یَمِیْنٌ کی جمع ہے۔ بمعنی قسم۔ یعنی جس طرح ڈھال سے دشمن کے وار کو روک کر اپنا بچاؤ کر لیا جاتا ہے۔ اسی طرح انہوں نے اپنی قسموں کو مسلمانوں کی تلواروں سے بچنے کے لیے ڈھال بنا رکھا ہے۔

(۳) یعنی جھوٹی قسمیں کھا کر یہ اپنے کو مسلمان ظاہر کرتے ہیں، جس کی وجہ سے بہت سے لوگوں کو ان کے بارے میں حقیقت و واقعہ کا علم نہیں ہوتا اور وہ ان کے غرے میں آکر قبول اسلام سے محروم رہتے ہیں۔ اور یوں یہ لوگوں کو اللہ کے راستے سے روکنے کا جرم بھی کرتے ہیں۔

(۴) یعنی ان کی بد بختی اور سنگ دلی کی انتہا ہے کہ قیامت والے دن، جہاں کوئی چیز مخفی نہیں رہے گی، وہاں بھی اللہ کے سامنے جھوٹی قسمیں کھانے کی شوخ چٹمانہ جسارت کریں گے۔

(۵) یعنی جس طرح دنیا میں وہ وقتی طور پر جھوٹی قسمیں کھا کر کچھ فائدے اٹھا لیتے تھے، وہاں بھی سمجھیں گے کہ یہ جھوٹی قسمیں ان کے لیے مفید رہیں گی۔

(۶) اَسْتَحْذَرُوْا کے معنی ہیں گھبرایا، احاطہ کر لیا، جمع کر لیا، اسی لیے اس کا ترجمہ غلبہ حاصل کر لیا، کیا جاتا ہے کہ غلبہ میں یہ سارے مفہوم آجاتے ہیں۔

(۷) یعنی اس نے جن چیزوں کے کرنے کا حکم دیا ہے، ان سے شیطان نے ان کو غافل کر دیا ہے اور جن چیزوں سے اس

الشَّيْطَانِ الْكَارِهُنَّ جَزَبَ الشَّيْطَانُ هُمُ الْغَيُورُونَ ⑤

إِنَّ الَّذِينَ يُعَادُونَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ أُولَٰئِكَ فِي الْأَذَلِّينَ ⑥

كَتَبَ اللَّهُ لَأَعْلَيْنَ أَنَا وَرُسُلِي إِنَّ اللَّهَ قَوِيٌّ عَزِيزٌ ⑦

لَا تَجِدُ قَوْمًا يُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ يُوَادُّونَ مَنْ حَادَّ اللَّهَ
وَرَسُولَهُ وَلَوْ كَانُوا آبَاءَهُمْ أَوْ أَبْنَاءَهُمْ أَوْ إِخْوَانَهُمْ أَوْ عَشِيرَتَهُمْ
أُولَٰئِكَ كَتَبَ فِي قُلُوبِهِمُ الْإِيمَانَ وَأَيَّدَ لَهُمُ رُوحَهُمْ وَقَبَّلَ فِيهِمْ

کہ شیطانی لشکر ہی خسارے والا ہے۔^(۱)

بیشک اللہ تعالیٰ کی اور اس کے رسول کی جو لوگ
مخالفت کرتے ہیں^(۲) وہی لوگ سب سے زیادہ ذلیلوں
میں ہیں۔^(۳) (۲۰)

اللہ تعالیٰ لکھ چکا ہے^(۴) کہ بیشک میں اور میرے
پیغمبر غالب رہیں گے۔ یقیناً اللہ تعالیٰ زور آور اور
غالب ہے۔^(۵) (۲۱)

اللہ تعالیٰ پر اور قیامت کے دن پر ایمان رکھنے والوں کو
آپ اللہ اور اس کے رسول کی مخالفت کرنے والوں
سے محبت رکھتے ہوئے ہرگز نہ پائیں گے^(۶) گو وہ ان کے
باپ یا ان کے بیٹے یا ان کے بھائی یا ان کے کنبہ (قبیلے)

نے منع کیا ہے، ان کا وہ ان سے ارتکاب کرتا ہے، انہیں خوب صورت دکھلا کر، یا مغالطوں میں ڈال کر یا تمناؤں اور
آرزوؤں میں مبتلا کر کے۔

(۱) یعنی مکمل خسارہ انہی کے حصے میں آئے گا۔ گویا دوسرے ان کی بہ نسبت خسارے میں ہی نہیں ہیں۔ اس لیے کہ
انہوں نے جنت کا سودا گمراہی لے کر کر لیا، اللہ پر جھوٹ بولا اور دنیا و آخرت میں جھوٹی قسمیں کھاتے رہے۔

(۲) مُحَادَّةٌ ایسی شدید مخالفت، عناد اور جھگڑے کو کہتے ہیں کہ فریقین کا باہم ملنا نہایت مشکل ہو گیا وہ دونوں دو کناروں
(حد) پر ہیں جو ایک دوسرے کے مخالف ہیں۔ اسی سے یہ ممانعت کے مفہوم میں بھی استعمال ہوتا ہے۔ اور اسی لیے
دربان اور پسرے دار کو بھی حد ادا کیا جاتا ہے۔ (فتح القدیر)

(۳) یعنی جس طرح گزشتہ امتوں میں سے اللہ اور رسول ﷺ کے مخالفوں کو ذلیل اور تباہ کیا گیا، ان کا شمار بھی انہیں
اہل ذلت میں ہو گا اور ان کے حصے میں بھی دنیا و آخرت کی ذلت و رسوائی کے سوا کچھ نہیں آئے گا۔

(۴) یعنی تقدیر اور لوح محفوظ میں، جس میں کوئی تبدیلی نہیں ہو سکتی۔ یہ مضمون سورہ مؤمن، ۵۱، ۵۲ میں بھی بیان کیا گیا ہے۔
(۵) جب یہ بات لکھنے والا، سب پر غالب اور نہایت زور آور رہے، تو پھر اور کون ہے جو اس فیصلے میں تبدیلی کر سکے؟
مطلب یہ ہوا کہ یہ فیصلہ قدر محکم اور امر مبرم ہے۔

(۶) اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے وضاحت فرمائی کہ جو ایمان باللہ اور ایمان بالآخرت میں کامل ہوتے ہیں، وہ اللہ اور رسول
ﷺ کے دشمنوں سے محبت اور تعلق خاطر نہیں رکھتے۔ گویا ایمان اور اللہ رسول ﷺ کے دشمنوں کی محبت و نصرت ایک دل میں
جمع نہیں ہو سکتے۔ یہ مضمون قرآن مجید میں اور بھی کئی مقامات پر بیان کیا گیا ہے، مثلاً آل عمران ۲۸۔ سورہ توبہ ۲۴ وغیرہ۔

جَذِبَتْ مَجْرَىٰ مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَلِدِينَ فِيهَا أُولَٰئِكَ رِجَالُ اللَّهِ عَنِي
وَرَضُوا عَنْهُ أُولَٰئِكَ جِزْبُ اللَّهِ أَلَا إِنَّ جِزْبَ اللَّهِ هُمُ
الْبَاطِلُونَ ﴿۳۷﴾

کے (عزیز) ہی کیوں نہ ہوں۔^(۱) یہی لوگ ہیں جن کے دلوں میں اللہ تعالیٰ نے ایمان کو لکھ دیا^(۲) ہے اور جن کی تائید اپنی روح سے کی^(۳) ہے اور جنہیں ان جنتوں میں داخل کرے گا جن کے نیچے نہریں بہہ رہی ہیں جہاں یہ ہمیشہ رہیں گے، اللہ ان سے راضی ہے اور یہ اللہ سے خوش ہیں^(۴) یہ خدائی لشکر ہے، آگاہ رہو بیشک اللہ کے

(۱) اس لیے کہ ان کا ایمان ان کو ان کی محبت سے روکتا ہے اور ایمان کی رعایت، ابوت، نبوت، اخوت اور خاندان و برادری کی محبت و رعایت سے زیادہ اہم اور ضروری ہے۔ چنانچہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عملاً ایسا کر کے دکھایا۔ ایک مسلمان صحابی نے اپنے باپ، اپنے بیٹے، اپنے بھائی اور اپنے چچا، ماموں اور دیگر رشتے داروں کو قتل کرنے سے گریز نہیں کیا، اگر وہ کفر کی حمایت میں کافروں کے ساتھ لڑنے والوں میں شامل ہوتے۔ سیر و تواریخ کی کتابوں میں یہ مثالیں درج ہیں۔ اسی ضمن میں جنگ بدر کا واقعہ بھی قابل ذکر ہے، جب اسیران بدر کے بارے میں مشورہ ہوا کہ ان کو فدیہ لے کر چھوڑ دیا جائے یا قتل کر دیا جائے۔ تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے مشورہ دیا تھا کہ ان کافر قیدیوں میں سے ہر قیدی کو اس کے رشتے دار کے سپرد کر دیا جائے جسے وہ خود اپنے ہاتھوں سے قتل کرے۔ اور اللہ تعالیٰ کو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا یہی مشورہ پسند آیا تھا۔ (تفصیل کے لیے دیکھئے سورہ انفال، ۶۷ کا حاشیہ)

(۲) یعنی راح اور مضبوط کر دیا ہے۔

(۳) روح سے مراد اپنی نصرت خاص، یا نور ایمان ہے جو انہیں ان کی مذکورہ خوبی کی وجہ سے حاصل ہوا۔

(۴) یعنی جب یہ اولین مسلمان، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ایمان کی بنیاد پر اپنے عزیز و اقارب سے ناراض ہو گئے، حتیٰ کہ انہیں اپنے ہاتھوں سے قتل تک کرنے میں تامل نہیں کیا تو اس کے بدلے میں اللہ نے ان کو اپنی رضامندی سے نواز دیا۔ اور ان پر اس طرح اپنے انعامات کی بارش فرمائی کہ وہ بھی اللہ سے راضی ہو گئے۔ اس لیے آیت میں بیان کردہ اعزاز۔ رضی اللہ عنہم و رضوا عنہ۔ اگرچہ خاص صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے بارے میں نازل نہیں ہوا ہے، تاہم وہ اس کا مصداق اولین اور مصداق اتم ہیں۔ اسی لیے اس کے لغوی مفہوم کو سامنے رکھتے ہوئے مذکورہ صفات سے متصف ہر مسلمان رضی اللہ عنہ کا مستحق بن سکتا ہے، جیسے لغوی معنی کے لحاظ سے ہر مسلمان شخص پر علیہ الصلوٰۃ والسلام کا (دعا) جملے کے طور پر) اطلاق کیا جا سکتا ہے۔ لیکن اہل سنت نے ان کے مفہوم لغوی سے ہٹ کر، ان کو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور انبیاء علیہم السلام کے علاوہ کسی اور کے لیے بولنا، لکھنا جائز قرار نہیں دیا ہے۔ یہ گویا شعار ہیں۔ رضی اللہ عنہم، صحابہ کے لیے اور علیہم الصلوٰۃ والسلام انبیاء کرام کے لیے۔ یہ ایسے ہی ہے، جیسے رحمۃ اللہ علیہ (اللہ کی رحمت اس پر ہو) یا اللہ اس پر رحم فرمائے) کا اطلاق لغوی مفہوم کی رو سے زندہ اور مردہ دونوں پر ہو سکتا ہے۔ کیونکہ یہ ایک دعائیہ کلمہ ہے جس کے

گروہ والے ہی کامیاب لوگ ہیں۔^(۱) (۲۲)

سورہ حشر مدنی ہے اور اس میں چوبیس آیتیں اور
تین رکوع ہیں۔

سُورَةُ الْحَشْرِ

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

شروع کرتا ہوں اللہ تعالیٰ کے نام سے جو بڑا مہربان
نہایت رحم والا ہے۔

آسمانوں اور زمین کی ہر چیز اللہ تعالیٰ کی پاکی بیان کرتی
ہے، اور وہ غالب با حکمت ہے۔ (۱)

وہی ہے جس نے اہل کتاب میں سے کافروں کو ان
کے گھروں سے پہلے حشر کے وقت نکالا،^(۲) تمہارا گمان

سَبَّحَ لِلَّهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ وَهُوَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ①

هُوَ الَّذِي اَخْرَجَ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ مِنْ دِيَارِهِمْ
لِاَوَّلِ الْحَشْرِ مَا ظَنَنْتُمْ اَنْ يَخْرُجُوْا وَظَنُّوا اَنْهُمْ لَا تُغَارِبُهُمْ فَخَصَّوْهُمْ

ضرورت مند زندہ اور مردہ دونوں ہی ہیں۔ لیکن ان کا استعمال مردوں کے لیے خاص ہو چکا ہے۔ اس لیے اسے زندہ کے
لیے استعمال نہیں کیا جاتا۔

(۱) یعنی یہی گروہ مومنین فلاح سے ہمکنار ہو گا، دوسرے ان کی بہ نسبت ایسے ہی ہوں گے، جیسے وہ فلاح سے بالکل
محروم ہیں، جیسا کہ واقعی وہ آخرت میں محروم ہوں گے۔

☆۔ یہ سورت یہود کے ایک قبیلے بنو نضیر کے بارے میں نازل ہوئی ہے، اس لیے اسے سورۃ النضیر بھی کہتے ہیں۔
(صحیح بخاری تفسیر سورۃ الحشر)

(۲) مدینے کے اطراف میں یہودیوں کے تین قبیلے آباد تھے، بنو نضیر، بنو قریظہ اور بنو قینقاع۔ ہجرت مدینہ کے بعد نبی صلی
اللہ علیہ وسلم نے ان سے معاہدہ بھی کیا لیکن یہ لوگ درپردہ سازشیں کرتے رہے اور کفار مکہ سے بھی مسلمانوں کے
خلاف رابطہ رکھا، حتیٰ کہ ایک موقع پر جب کہ آپ ﷺ ان کے پاس گئے ہوئے تھے، بنو نضیر نے رسول اللہ صلی اللہ
علیہ وسلم پر اوپر سے ایک بھاری پتھر پھینک کر آپ ﷺ کو مار ڈالنے کی سازش تیار کی، جس سے وحی کے ذریعے سے
آپ ﷺ کو بروقت اطلاع کر دی گئی، اور آپ ﷺ وہاں سے واپس تشریف لے آئے۔ ان کی اس عمد شکنی کی وجہ
سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان پر لشکر کشی کی، یہ چند دن اپنے قلعوں میں محصور رہے، بالآخر انہوں نے جان
بخشی کی صورت میں جلا وطنی پر آمادگی کا اظہار کیا، جسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قبول فرمایا۔ اسے اول حشر (پہلی
بار اجتماع) سے اس لیے تعبیر کیا کہ یہ ان کی پہلی جلا وطنی تھی، جو مدینے سے ہوئی، یہاں سے یہ خیبر میں جا کر مقیم ہو گئے،
وہاں سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے دور میں انہیں دوبارہ جلا وطن کیا اور شام کی طرف دھکیل دیا، جہاں کہتے ہیں کہ تمام
انسانوں کا آخری حشر ہو گا۔

وَمِنَ اللَّهِ فَأَنذَرُكُمْ اللَّهُ مِنْ حَيْثُ لَمْ يَحْتَسِبُوا وَقَدْ كَانَ فِي
قُلُوبِهِمُ الرُّعْبُ يُجْرِبُونَ يَوْمَ تَقُومُ يَأْتِيهِمْ ذِكْرُ اللَّهِ الْمُنِيرِ
فَأَعْتَبُوا يَا أُولِيَ الْأَبْصَارِ ①

(بھی) نہ تھا کہ وہ نکلیں گے اور وہ خود (بھی) سمجھ رہے
تھے کہ ان کے (سنگین) قلعے انہیں اللہ (کے عذاب) سے
بچالیں گے ^(۱) پس ان پر اللہ (کا عذاب) ایسی جگہ سے
آپڑا کہ انہیں گمان بھی نہ تھا ^(۲) اور ان کے دلوں میں
اللہ نے رعب ڈال دیا ^(۳) وہ اپنے گھروں کو اپنے ہی
ہاتھوں اجاڑ رہے تھے ^(۴) اور مسلمانوں کے ہاتھوں (برباد
کروا رہے تھے) ^(۵) پس اے آنکھوں والو! عبرت
حاصل کرو۔ ^(۶) (۲)

اور اگر اللہ تعالیٰ نے ان پر جلا وطنی کو مقدر نہ کر دیا ہوتا

وَلَوْلَا أَن كَتَبَ اللَّهُ عَلَيْهِمُ الْجَلَءَ لَعَذَّبَهُمُ فِي الدُّنْيَا

(۱) اس لیے کہ انہوں نے نہایت مضبوط قلعے تعمیر کر رکھے تھے جس پر انہیں گھمنڈ تھا اور مسلمان بھی سمجھتے تھے کہ اتنی
آسانی سے یہ قلعے فتح نہیں ہو سکیں گے۔

(۲) اور وہ یہی تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا محاصرہ کر لیا تھا جو ان کے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا۔

(۳) اس رعب کی وجہ سے ہی انہوں نے جلا وطنی پر آمادگی کا اظہار کیا، ورنہ عبد اللہ بن ابی (رئیس المنافقین) اور دیگر لوگوں
نے انہیں پیغامات بھیجے تھے کہ تم مسلمانوں کے سامنے جھکنا نہیں، ہم تمہارے ساتھ ہیں۔ علاوہ ازیں اللہ تعالیٰ نے نبی کریم
ﷺ کو یہ خصوصی وصف عطا فرمایا تھا کہ دشمن ایک مہینے کی مسافت پر آپ ﷺ سے مرعوب ہو جاتا تھا۔ اس لیے سخت
دہشت اور گھبراہٹ ان پر طاری ہو گئی۔ اور تمام تر اسباب و وسائل کے باوجود انہوں نے ہتھیار ڈال دیئے اور صرف یہ شرط
مسلمانوں سے منوائی کہ جتنا سامان وہ لا کر لے جاسکتے ہیں انہیں لے جانے کی اجازت ہو چنانچہ اس اجازت کی وجہ سے انہوں
نے اپنے گھروں کے دروازے اور شہر تک اکھیر ڈالے تاکہ انہیں اپنے ساتھ لے جائیں۔

(۴) یعنی جب انہیں یقین ہو گیا کہ اب جلا وطنی ناگزیر ہے تو انہوں نے دوران محاصرہ اندر سے اپنے گھروں کو برباد کرنا شروع
کر دیا تاکہ وہ مسلمانوں کے بھی کام نہ رہیں۔ یا یہ مطلب ہے کہ سامان لے جانے کی اجازت سے پورا فائدہ اٹھانے کے لیے
وہ اپنے اپنے اونٹوں پر جتنا سامان لا کر لے جاسکتے تھے، اپنے گھرا دیڑا دیڑا کروہ سامان انہوں نے اونٹوں پر رکھ لیا۔

(۵) باہر سے مسلمان ان کے گھروں کو برباد کرتے رہے تاکہ ان پر گرفت آسان ہو جائے یا یہ مطلب ہے کہ ان کے
ادھیڑے ہوئے گھروں سے بقیہ سامان نکالنے اور حاصل کرنے کے لیے مسلمانوں کو مزید تخریب سے کام لینا پڑا۔

(۶) کہ کس طرح اللہ نے ان کے دلوں میں مسلمانوں کا رعب ڈالا۔ دراصل حاکمہ وہ ایک نہایت طاقتور اور با وسائل
قبیلہ تھا، لیکن جب اللہ تعالیٰ کی طرف سے مہلت عمل ختم ہو گئی اور اللہ نے اپنے مؤاخذے کے شکنجے میں کئے کا فیصلہ کر
لیا تو پھر ان کی اپنی طاقت اور وسائل ان کے کام آئے نہ دیگر اعوان و انصار ان کی کچھ مدد کر سکے۔

وَلَهُمْ فِي الْآخِرَةِ عَذَابٌ ثَابِتٌ ⑤

ذَٰلِكَ بِأَنَّهُمْ شَاكَرُوا اللَّهَ وَرَسُولَهُ وَمَنْ يُشَاكِرِ اللَّهَ فَإِنَّ اللَّهَ
سَدِيدٌ بِالْعِقَابِ ⑥

مَا تَطْعَمُونَ مِنْ لَبَنَةٍ أَوْ مَزْجُومٍ هَآؤُلَاءِ عَلَىٰ أَصُولِهِمْ اجْبَادُونَ اللَّهَ
وَلِيُخْزِيَ الْفَاسِقِينَ ⑦

وَأَقَاءَ اللَّهُ عَلَىٰ رَسُولِهِ مِنْهُمْ مِمَّا أَوْحَيْنَا إِلَيْهِمْ مِنْ خَبِيرٍ
وَلَا رِكَابَ وَلَكِنَّ اللَّهَ يُسْطَرُّرُّسِلُهُ عَلَىٰ مَنْ يَشَاءُ وَاللَّهُ عَلَىٰ
كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ⑧

تو یقیناً انہیں دنیا ہی میں عذاب دیتا،^(۱) اور آخرت میں
(تو) ان کے لیے آگ کا عذاب ہے ہی۔ (۳)

یہ اس لیے کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کی اور اس کے رسول
کی مخالفت کی اور جو بھی اللہ کی مخالفت کرے گا تو اللہ
تعالیٰ بھی سخت عذاب کرنے والا ہے۔ (۴)

تم نے کھجوروں کے جو درخت کاٹ ڈالے یا جنہیں تم
نے ان کی جڑوں پر باقی رہنے دیا۔ یہ سب اللہ تعالیٰ کے
فرمان سے تھا اور اس لیے بھی کہ فاسقوں کو اللہ تعالیٰ
رسوا کرے۔ (۵)^(۲)

اور ان کا جو مال اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کے ہاتھ لگایا
ہے جس پر نہ تو تم نے اپنے گھوڑے دوڑائے ہیں اور نہ
اونٹ بلکہ اللہ تعالیٰ اپنے رسول کو جس پر چاہے غالب کر
دیتا ہے،^(۳) اور اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے۔ (۶)

(۱) یعنی اللہ کی تقدیر میں پہلے سے ہی اس طرح ان کی جلاوطنی لکھی ہوئی نہ ہوتی تو ان کو دنیا میں ہی سخت عذاب سے دوچار کر
دیا جاتا؛ جیسا کہ بعد میں ان کے بھائی یسود کے ایک دوسرے قبیلے (بنو قریظہ) کو ایسے ہی عذاب میں مبتلا کیا گیا کہ ان کے جوان
مردوں کو قتل کر دیا گیا، دوسروں کو قیدی بنالیا گیا اور ان کا مال مسلمانوں کے لیے غنیمت بنا دیا گیا۔

(۲) لَبَنَةُ، کھجور کی ایک قسم ہے، جیسے عجوہ، برنی وغیرہ کھجوروں کی قسمیں ہیں۔ یا عام کھجور کا درخت مراد ہے۔ دوران
محاصرہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے مسلمانوں نے بنو نضیر کے کھجوروں کے درختوں کو آگ لگا دی، کچھ کاٹ ڈالے
اور کچھ چھوڑ دیئے۔ جس سے مقصود دشمن کی آڑ کو ختم کرنا۔ اور یہ واضح کرنا تھا کہ اب مسلمان تم پر غالب ہیں، وہ
تمہارے اموال و جائیداد میں جس طرح چاہیں، تصرف کرنے پر قادر ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے بھی مسلمانوں کی اس حکمت عملی
کی تصویب فرمائی اور اسے یسود کی رسوائی کا ذریعہ قرار دیا۔

(۳) بنو نضیر کا یہ علاقہ، جو مسلمانوں کے قبضے میں آیا، مدینے سے تین چار میل کے فاصلے پر تھا، یعنی مسلمانوں کو اس کے
لیے لمبا سفر کرنے کی ضرورت پیش نہیں آئی۔ یعنی اس میں مسلمانوں کو اونٹ اور گھوڑے دوڑانے نہیں پڑے۔ اسی
طرح لڑنے کی بھی نوبت نہیں آئی اور صلح کے ذریعے سے یہ علاقہ فتح ہو گیا، یعنی اللہ نے اپنے رسول ﷺ کو بغیر لڑے
ان پر غالب فرما دیا۔ اس لیے یہاں سے حاصل ہونے والے مال کو فنیہ قرار دیا گیا، جس کا حکم غنیمت سے مختلف ہے۔
گویا وہ مال فنیہ ہے، جو دشمن بغیر لڑے چھوڑ کر بھاگ جائے یا صلح کے ذریعے سے حاصل ہو۔ اور جو مال باقاعدہ لڑائی

بستیوں والوں کا جو (مال) اللہ تعالیٰ تمہارے لئے بھڑے بغیر اپنے رسول کے ہاتھ لگائے وہ اللہ کا ہے اور رسول کا اور قربت والوں کا اور یتیموں مسکینوں کا اور مسافروں کا ہے تاکہ تمہارے دولت مندوں کے ہاتھ میں ہی یہ مال گردش کرتا رہ جائے اور تمہیں جو کچھ رسول دے لے لو، اور جس سے روکے رک جاؤ اور اللہ تعالیٰ سے ڈرتے

رہا کرو، یقیناً اللہ تعالیٰ سخت عذاب والا ہے۔ (۷)

(فیء کا مال) ان مہاجر مسکینوں کے لیے ہے جو اپنے گھروں سے اور اپنے مالوں سے نکال دیئے گئے ہیں وہ اللہ کے فضل اور اس کی رضامندی کے طلب گار ہیں اور اللہ تعالیٰ کی اور اس کے رسول کی مدد کرتے ہیں یہی راست باز لوگ ہیں۔^(۱) (۸)

اور (ان کے لیے) جنہوں نے اس گھر میں (یعنی مدینہ) اور ایمان میں ان سے پہلے جگہ بنالی ہے^(۲) اور اپنی طرف ہجرت کر کے آنے والوں سے محبت کرتے ہیں اور مہاجرین کو جو کچھ دے دیا جائے اس سے وہ اپنے دلوں میں کوئی تنگی نہیں رکھتے^(۳) بلکہ خود اپنے اوپر انہیں

مَا آتَاكَ اللَّهُ عَلَى رَسُولِهِ مِنْ أَهْلِ الْقُرْآنِ فَلِلَّهِ وَلِلرَّسُولِ وَلِلَّذِينَ آمَنُوا مِنَ الْقُرْآنِ وَالْيَتَامَىٰ وَالسَّكِينِ وَأُولَئِكَ يَتْلُونَ ذُوْلَهُ بَيْنَ الْأُغْبِيَاءِ وَاتَّقُوا اللَّهَ إِنَّهُ شَدِيدُ الْعِقَابِ ۝

لِلْفُقَرَاءِ الْمُهَاجِرِينَ الَّذِينَ أُخْرِجُوا مِنْ دِيَارِهِمْ وَأَمْوَالِهِمْ يَبْتَغُونَ قَضَاءً مِنَ اللَّهِ وَرِضْوَانًا وَيَنْصُرُونَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ أُولَئِكَ هُمُ الصَّادِقُونَ ۝

وَالَّذِينَ تَبَوَّءُوا الدَّارَ وَالْإِيمَانَ مِنْ قَبْلِهِمْ يُخْرِجُونَ مِنْ هَاجَرٍ إِلَيْهِمْ وَلَا يَمْنَعُونَ فِي صُدُورِهِمْ حَاجَةً مِمَّا أُوتُوا وَيُؤْثِرُونَ عَلَىٰ أَنْفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ وَمَنْ يُوقِ شَعْرَةً نَفْسِهِ فَأُولَئِكَ هُمُ الصَّالِحُونَ ۝

اور غلبہ حاصل کرنے کے بعد ملے، وہ غنیمت ہے۔

(۱) اس میں مال فیء کا ایک صحیح ترین مصرف بیان کیا گیا ہے۔ اور ساتھ ہی مہاجرین کی فضیلت، ان کے اخلاص اور ان کی راست بازی کی وضاحت ہے، جس کے بعد ان کے ایمان میں شک کرنا گویا قرآن کا انکار ہے۔

(۲) ان سے انصار مدینہ مراد ہیں، جو مہاجرین کے مدینہ آنے سے قبل مدینے میں آباد تھے اور مہاجرین کے ہجرت کر کے آنے سے قبل، ایمان بھی ان کے دلوں میں قرار پکڑ چکا تھا۔ یہ مطلب نہیں ہے کہ مہاجرین کے ایمان لانے سے پہلے یہ انصار ایمان لا چکے تھے، کیونکہ ان کی اکثریت مہاجرین کے ایمان لانے کے بعد ایمان لائی ہے۔ یعنی مِنْ قَبْلِهِمْ کا مطلب مِنْ قَبْلِ هِجْرَتِهِمْ ہے۔ اور دَاوْر سے دَاوْر الْهِجْرَةِ یعنی مدینہ مراد ہے۔

(۳) یعنی مہاجرین کو اللہ کا رسول ﷺ جو کچھ دے، اس پر حسد اور انقباض محسوس نہیں کرتے، جیسے مال فیء کا اولین مستحق بھی ان کو قرار دیا گیا۔ لیکن انصار نے برا نہیں منایا۔

ترجیح دیتے ہیں گو خود کو کتنی ہی سخت حاجت ہو^(۱) (بات یہ ہے) کہ جو بھی اپنے نفس کے بخل سے بچایا گیا وہی کامیاب (اور بامراد) ہے۔^(۲) (۹)

اور (ان کے لیے) جو ان کے بعد آئیں جو کہیں گے کہ اے ہمارے پروردگار ہمیں بخش دے اور ہمارے ان بھائیوں کو بھی جو ہم سے پہلے ایمان لائے ہیں اور ایمان داروں کی طرف سے ہمارے دل میں کینہ (اور دشمنی) نہ ڈال،^(۳) اے ہمارے رب بیشک تو شفقت و مہربانی کرنے

وَالَّذِينَ جَاءُوا مِنْ بَعْدِهِمْ يَقُولُونَ رَبَّنَا أَخْرِ لَنَا مِنْ دِينِهِمْ
الَّذِينَ سَبَقُونَا بِالْإِيمَانِ وَلَا تَجْعَلْ فِي قُلُوبِنَا غِلًا لِلَّذِينَ
آمَنُوا رَبَّنَا إِنَّكَ رَؤُوفٌ رَحِيمٌ ۝

(۱) یعنی اپنے مقابلے میں مہاجرین کی ضرورت کو ترجیح دیتے ہیں۔ خود بھوکا رہتے ہیں لیکن مہاجرین کو کھلاتے ہیں۔ جیسے حدیث میں ایک واقعہ آتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک مسلمان آیا، لیکن آپ ﷺ کے گھر میں کچھ نہ تھا، چنانچہ ایک انصاری اسے اپنے گھر لے گیا، گھر جا کر بیوی کو بتلایا تو بیوی نے کہا کہ گھر میں تو صرف بچوں کی خوراک ہے۔ انہوں نے باہم مشورہ کیا کہ بچوں کو تو آج بھوکا سلا دیں اور ہم خود بھی ایسے ہی کچھ کھائے بغیر سو جائیں گے۔ البتہ مسلمان کو کھلاتے وقت چراغ بجھا دینا تاکہ اسے ہماری بابت علم نہ ہو کہ ہم اس کے ساتھ کھانا نہیں کھا رہے ہیں۔ صبح جب وہ صحابی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ ﷺ نے ان سے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے تم دونوں میاں بیوی کی شان میں یہ آیت نازل فرمائی ہے: ﴿وَيُؤْتُونَ عَلَىٰ أَفْئِدَتِهِمْ﴾ (الآیۃ صحیح بخاری، تفسیر سورة الحشر) ان کے ایثار کی یہ بھی ایک نہایت عجیب مثال ہے کہ ایک انصاری کے پاس دو بیویاں تھیں تو اس نے ایک بیوی کو اس لیے طلاق دینے کی پیشکش کی کہ عدت گزرنے کے بعد اس سے اس کا دوسرا مہاجر بھائی نکاح کر لے۔ (صحیح البخاری، کتاب النکاح)

(۲) حدیث میں ہے ”شیخ سے بچو“ اس حرص نفس نے ہی پہلے لوگوں کو ہلاک کیا، اسی نے انہیں خون ریزی پر آمادہ کیا اور انہوں نے محارم کو حلال کر لیا۔“ (صحیح مسلم، کتاب البر، باب تحریم الظلم)

(۳) یہ مال فیء کے مستحقین کی تیسری قسم ہے، یعنی صحابہ رضی اللہ عنہم کے بعد آنے والے اور صحابہ کے نقش قدم پر چلنے والے۔ اس میں تابعین اور تبع تابعین اور قیامت تک ہونے والے اہل ایمان و تقویٰ آگئے۔ لیکن شرط یہی ہے کہ وہ انصار و مہاجرین کو مومن ماننے اور ان کے حق میں دعائے مغفرت کرنے والے ہوں نہ کہ ان کے ایمان میں شک کرنے اور ان پر سب و شتم کرنے اور ان کے خلاف اپنے دلوں میں بغض و عناد رکھنے والے۔ امام مالک رحمہ اللہ نے اس آیت سے استنباط کرتے ہوئے یہی بات ارشاد فرمائی ہے إِنَّ الرَّافِضِيَّ الَّذِي يَسُبُّ الصَّحَابَةَ، لَيْسَ لَهُ فِي مَالِ الْفَيْءِ نَصِيبٌ لِعَدَمِ اتِّصَافِهِ بِمَا مَدَحَ اللَّهُ بِهِ هَؤُلَاءِ فِي قَوْلِهِمْ رَافِضِيٌّ كَرَامَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمْ پر سب و شتم کرتے ہیں

والا ہے۔ (۱۰)

کیا تو نے منافقوں کو نہ دیکھا؟ کہ اپنے اہل کتاب کافر بھائیوں سے کہتے ہیں اگر تم جلا وطن کیے گئے تو ضرور بالضرور ہم بھی تمہارے ساتھ نکل کھڑے ہوں گے اور تمہارے بارے میں ہم کبھی بھی کسی کی بات نہ مانیں گے اور اگر تم سے جنگ کی جائے گی تو بخدا ہم تمہاری مدد کریں^(۱) گے، لیکن اللہ تعالیٰ گواہی دیتا ہے کہ یہ قطعاً جھوٹے ہیں۔ (۲)

اگر وہ جلا وطن کیے گئے تو یہ ان کے ساتھ نہ جائیں گے اور اگر ان سے جنگ کی گئی تو یہ ان کی مدد (بھی) نہ کریں^(۳) گے اور اگر (بالفرض) مدد پر آجھی گئے^(۴) تو پیٹھ پھیر کر (بھاگ کھڑے) ہوں^(۵) گے پھر مدد نہ کیے جائیں گے۔ (۶)

أَلَمْ تَرَ إِلَى الَّذِينَ نَافَقُوا يَقُولُونَ لِإِخْوَانِهِمُ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ لَیْنُ الْخُرُوجِمْ كُنْزُجْنَ مَعَكُمْ وَلَا نُبِطِغْ فَنُكَلِّمُوا أَحَدًا أَبَدًا وَإِنْ قُوتِلْتُمْ لَنَنْصُرَنَّكُمْ وَاللَّهُ يَشْهَدُ إِنَّهُمْ لَكَاذِبُونَ ۝

لَیْنُ الْخُرُوجِمْ لَیْزُجُونَ مَعَكُمْ وَلَیْنُ قُوتِلُوا لَنَنْصُرَنَّكُمْ وَلَیْنُ قُوتِلْتُمْ لَنَنْصُرَنَّكُمْ ۝

مال فی ۷ سے حصہ نہیں ملے گا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی مدد کی ہے اور رافضی ان کی مذمت کرتے ہیں۔ (ابن کثیر) اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں۔ «أُمِرْتُمْ بِالْإِسْتِغْفَارِ لِأَصْحَابِ مُحَمَّدٍ ﷺ فَسَبَّيْتُمُوهُمْ! سَمِعْتُ نَبِيَّكُمْ يَقُولُ: «لَا تَذْهَبْ هَذِهِ الْأُمَّةُ حَتَّى يَلْعَنَ آخِرُهَا أَوَّلَهَا»۔ (رواہ البغوی) ”تم لوگوں کو اصحاب محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے استغفار کا حکم دیا گیا۔ مگر تم نے ان پر لعن طعن کی۔ میں نے تمہارے نبی کو فرماتے ہوئے سنا کہ یہ امت اس وقت تک ختم نہیں ہوگی جب تک کہ اس کے آخرین اولین پر لعنت نہ کریں۔“ (حوالہ مذکور)

(۱) جیسے پہلے گزر چکا ہے کہ منافقین نے بنو نضیر کو یہ پیغام بھیجا تھا۔

(۲) چنانچہ ان کا جھوٹ واضح ہو کر سامنے آ گیا کہ بنو نضیر جلا وطن کر دیئے گئے، لیکن یہ ان کی مدد کو پہنچے نہ ان کی حمایت میں مدینہ چھوڑنے پر آمادہ ہوئے۔

(۳) یہ منافقین کے گزشتہ جھوٹے وعدوں ہی کی مزید تفصیل ہے، چنانچہ ایسا ہی ہوا، بنو نضیر، جلا وطن اور بنو قریظہ قتل اور اسیر کیے گئے، لیکن منافقین کسی کی مدد کو نہیں پہنچے۔

(۴) یہ بطور فرض، بات کی جا رہی ہے، ورنہ جس چیز کی نفی اللہ تعالیٰ فرمادے، اس کا وجود کیوں کر ممکن ہے، مطلب ہے کہ اگر یہودی مدد کرنے کا ارادہ کریں۔

(۵) یعنی شکست کھا کر۔

(۶) مراد یہودی ہیں، یعنی جب ان کے مددگار منافقین ہی شکست کھا کر بھاگ کھڑے ہوں گے تو یہودی کس طرح منصور و

(مسلمانو! یقین مانو) کہ تمہاری ہیبت ان کے دلوں^(۱) میں بہ نسبت اللہ کی ہیبت کے بہت زیادہ ہے، یہ اس لیے کہ یہ بے سمجھ لوگ ہیں۔^(۲) (۱۳)

یہ سب مل کر بھی تم سے لڑ نہیں سکتے ہاں یہ اور بات ہے کہ قلعہ بند مقامات میں ہوں یا دیواروں کی آڑ میں ہوں،^(۳) ان کی لڑائی تو ان میں آپس میں ہی بہت سخت ہے^(۴) گو آپ انہیں متحد سمجھ رہے ہیں لیکن ان کے دل دراصل ایک دوسرے سے جدا ہیں۔^(۵) اس لیے کہ یہ بے عقل لوگ ہیں۔^(۶) (۱۴)

ان لوگوں کی طرح جو ان سے کچھ ہی پہلے گزرے ہیں جنہوں نے اپنے کام کا وبال کچھ لیا^(۷) اور جن کے لیے

لَا تُمْسِكُوا زُرِّيَّةً فِي صُدُورِهِمْ مِنَ اللّٰهِ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَوْمٌ لَا يَفْقَهُوْنَ ۝۱۳

لَا يَفْقَهُوْنَ نَكْمَ جَيْمِئِمْ اِلَّا فِي قَوْمٍ مُّخَضَّنَةٍ اَوْ مِنْ وَّرَآءِ جُدُوبٍ اَسْمَعُ بَيْنَهُمْ سَبِيْدٌ يَّحْسِبُهُمْ جَيْمِئًا وَقُلُوْبُهُمْ شَقِيْ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَوْمٌ لَا يَعْقِلُوْنَ ۝۱۴

كَمَثَلِ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ قَرَّبُوا زُرِّيَّةً اَوْ اَمْرًا وَّلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۝۱۵

کامیاب ہوں گے؟ بعض نے اس سے مراد منافقین لیے ہیں کہ وہ مدد نہیں کیے جائیں گے، بلکہ اللہ ان کو ذلیل کرے گا اور ان کا نفاق ان کے لیے نافع نہیں ہو گا۔

(۱) یہود کے یا منافقین کے یا سب کے ہی دلوں میں۔

(۲) یعنی تمہارا یہ خوف ان کے دلوں میں ان کی ناسمجھی کی وجہ سے ہے، ورنہ اگر یہ سمجھدار ہوتے تو سمجھ جاتے کہ مسلمانوں کا غلبہ و تسلط اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے، اس لیے ڈرنا اللہ تعالیٰ سے چاہیے نہ کہ مسلمانوں سے۔

(۳) یعنی یہ منافقین اور یہودی مل کر بھی کھلے میدان میں تم سے لڑنے کا حوصلہ نہیں رکھتے۔ البتہ قلعوں میں محصور ہو کر یا دیواروں کے پیچھے چھپ کر تم پر وار کر سکتے ہیں، جس سے یہ واضح ہے کہ یہ نہایت بزدل ہیں اور تمہاری ہیبت سے لرزاں و ترسا ہیں۔

(۴) یعنی آپس میں یہ ایک دوسرے کے سخت خلاف ہیں۔ اس لیے ان میں باہم تو تکار اور تھکا فٹ سختی عام ہے۔

(۵) یہ منافقین کا آپس میں دلوں کا حال ہے۔ یا یہود اور منافقین کا، یا مشرکین اور اہل کتاب کا۔ مطلب یہ ہے کہ حق کے مقابلے میں یہ ایک نظر آتے ہیں۔ لیکن ان کے دل ایک نہیں ہیں۔ وہ ایک دوسرے سے مختلف ہیں اور ایک دوسرے کے خلاف بغض و عناد سے بھرے ہوئے۔

(۶) یعنی یہ اختلاف اور تشدد ان کی بے عقلی کی وجہ سے ہے، اگر ان کے پاس سمجھنے والی عقل ہوتی تو یہ حق کو پہچان لیتے اور اسے اپنالیتے۔

(۷) اس سے بعض نے مشرکین مکہ مراد لیے ہیں، جنہیں غزوہ بنی نضیر سے کچھ عرصہ قبل جنگ بدر میں عبرت ناک

المناک عذاب (تیار) ہے۔^(۱) (۱۵)

شیطان کی طرح کہ اس نے انسان سے کہا کفر کر، جب وہ کفر کر چکا تو کہنے لگا میں تو تجھ سے بری ہوں،^(۲) میں تو اللہ رب العالمین سے ڈرتا ہوں۔^(۳) (۱۶)

پس دونوں کا انجام یہ ہوا کہ آتش (دوزخ) میں ہمیشہ کے لیے گئے اور ظالموں کی یہی سزا ہے۔^(۴) (۱۷)

اے ایمان والو! اللہ سے ڈرتے رہو^(۵) اور ہر شخص دیکھ (بھال) لے کہ کل (قیامت) کے واسطے اس نے (اعمال کا) کیا (ذخیرہ) بھیجا ہے۔^(۶) اور (ہر وقت) اللہ سے ڈرتے رہو۔ اللہ تمہارے سب اعمال سے باخبر ہے۔^(۷) (۱۸)

اور تم ان لوگوں کی طرح مت ہو جانا جنہوں نے اللہ

كَمَثَلِ الشَّيْطَانِ اِذْ قَالَ لِلْاِنْسَانِ اَلْمُرُّ فَلَمَّا كَفَرَ قَالَ اِنِّى بَرِّىْ مِنْكَ لَئِنِّىْ اَخَافُ اللّٰهَ رَبَّ الْمَلٰٓئِكَةِ ۝

فَكَانَ عَاقِبَتُهُمَا اَنَّهُمَا فِى النَّارِ خَالِدَيْنِ فِيْهَا وَذٰلِكَ جَزَاُ الظّٰلِمِيْنَ ۝

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَلَنْتَقَرُّ نَفْسٌ مَّا قَدَّمَتْ لِغَدٍ وَّاتَّقُوا اللّٰهَ اِنَّ اللّٰهَ خَبِيْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ۝

وَلَا يَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ سَوَّ اللّٰهُ فَاَنسَهُمْ اَنْفُسَهُمْ اُولٰٓئِكَ

ٹکست ہوئی تھی۔ یعنی یہ بھی مغلوبیت اور زلت میں مشرکین ہی کی طرح ہیں جن کا زمانہ قریب ہی ہے۔ بعض نے یہود کے دوسرے قبیلے بنو نضیر سے قبل جلا وطن کیا جا چکا تھا جو زمان و مکان دونوں لحاظ سے ان کے قریب تھے۔ (ابن کثیر)

(۱) یعنی یہ وبال جو انہوں نے چکھا، یہ تو دنیا کی سزا ہے، آخرت کی سزا اس کے علاوہ ہے جو نہایت دردناک ہوگی۔

(۲) یہ یہود اور منافقین کی ایک اور مثال بیان فرمائی کہ منافقین نے یہودیوں کو اسی طرح بے یار و مددگار چھوڑ دیا، جس طرح شیطان انسان کے ساتھ معاملہ کرتا ہے، پہلے وہ انسان کو گمراہ کرتا ہے اور جب انسان شیطان کے پیچھے لگ کر کفر کا ارتکاب کر لیتا ہے تو شیطان اس سے براءت کا اظہار کر دیتا ہے۔

(۳) شیطان اپنے اس قول میں سچا نہیں ہے، مقصد صرف اس کفر سے علیحدگی اور براءت ہے جو انسان شیطان کے گمراہ کرنے سے کرتا ہے۔

(۴) یعنی خلود فی النار، جہنم کی دائمی سزا۔

(۵) اہل ایمان کو خطاب کر کے انہیں وعظ کیا جا رہا ہے۔ اللہ سے ڈرنے کا مطلب ہے، اس نے جن چیزوں کے کرنے کا حکم دیا ہے، انہیں بجالاؤ۔ جن سے روکا ہے، ان سے رک جاؤ، آیت میں یہ بطور تاکید دو مرتبہ فرمایا کیونکہ یہ تقویٰ (اللہ کا خوف) ہی انسان کو نیکی کرنے پر اور برائی سے اجتناب پر آمادہ کرتا ہے۔

(۶) اسے کل سے تعبیر کر کے اس طرف بھی اشارہ فرما دیا کہ اس کا وقوع زیادہ دور نہیں، قریب ہی ہے۔

(۷) چنانچہ وہ ہر ایک کو اس کے عمل کی جزا دے گا، نیک کو نیکی کی جزا اور بد کو بدی کی جزا۔

مُفْرِقَتَيْنِ ۝۱۹

(کے احکام) کو بھلا دیا تو اللہ نے بھی انہیں اپنی جانوں سے غافل کر دیا،^(۱) اور ایسے ہی لوگ نافرمان (فاسق) ہوتے ہیں۔ (۱۹)

اہل نار اور اہل جنت (باہم) برابر نہیں۔^(۲) جو اہل جنت ہیں وہی کامیاب ہیں (اور جو اہل نار ہیں وہ ناکام ہیں)^(۳) (۲۰)

اگر ہم اس قرآن کو کسی پہاڑ پر اتارتے^(۴) تو تو دیکھنا کہ خوف الہی سے وہ پست ہو کر ٹکڑے ٹکڑے ہو جاتا^(۵)

لَا يَسْتَوِي أَصْحَابُ النَّارِ وَأَصْحَابُ الْجَنَّةِ أَصْحَابُ الْجَنَّةِ هُمُ الْفَائِزُونَ ۝۲۰

لَوْ أَنْزَلْنَاهُ لَهَذَا الْقُرْآنِ عَلَى جَبَلٍ لَرَأَيْنَهُ خَاشِعًا مُتَصَفِّيًا مَائِنًا خَشِيعَةً ۝۲۱

(۱) یعنی اللہ نے بطور جزا انہیں ایسا کر دیا کہ وہ ایسے عملوں سے غافل ہو گئے جن میں ان کا فائدہ تھا اور جن کے ذریعے سے وہ اپنے نفسوں کو عذاب الہی سے بچا سکتے تھے۔ یوں انسان خدا فراموشی سے خود فراموشی تک پہنچ جاتا ہے۔ اس کی عقل، اس کی صحیح رہنمائی نہیں کرتی، آنکھیں اس کو حق کا راستہ نہیں دکھاتیں اور اس کے کان حق کے سننے سے سرے ہو جاتے ہیں۔ نتیجتاً اس سے ایسے کام سرزد ہوتے ہیں جس میں اس کی اپنی تباہی و بربادی ہوتی ہے۔

(۲) جنہوں نے اللہ کو بھول کر یہ بات بھی بھلائے رکھی کہ اس طرح وہ خود اپنے ہی نفسوں پر ظلم کر رہے ہیں اور ایک دن آئے گا کہ اس کے نتیجے میں ان کے یہ جسم، جن کے لیے دنیا میں وہ بڑے بڑے پاؤں بیٹھتے تھے، جہنم کی آگ کا ایندھن بنیں گے۔ اور ان کے مقابلے میں دوسرے وہ لوگ تھے، جنہوں نے اللہ کو یاد رکھا، اس کے احکام کے مطابق زندگی گزاری۔ ایک وقت آئے گا کہ اللہ تعالیٰ انہیں اس کی بہترین جزا عطا فرمائے گا اور اپنی جنت میں انہیں داخل فرمائے گا، جہاں ان کے آرام و راحت کے لیے ہر طرح کی نعمتیں اور سہولتیں ہوں گی۔ یہ دونوں فریق یعنی جنتی اور جہنمی برابر نہیں ہوں گے۔ بھلا یہ برابر ہو بھی کس طرح سکتے ہیں۔ ایک نے اپنے انجام کو یاد رکھا اور اس کے لیے تیاری کرنا رہا۔ دوسرا اپنے انجام سے غافل رہا اس لیے اس کے لیے تیاری میں بھی مجرمانہ غفلت برتی۔

(۳) جس طرح امتحان کی تیاری کرنے والا کامیاب اور دوسرا ناکام ہوتا ہے۔ اسی طرح اہل ایمان و تقویٰ جنت کے حصول میں کامیاب ہو جائیں گے، کیونکہ اس کے لیے وہ دنیا میں نیک عمل کر کے تیاری کرتے رہے گویا دنیا دار العمل اور دارالامتحان ہے۔ جس نے اس حقیقت کو سمجھ لیا اور اس نے انجام سے بے خبر ہو کر زندگی نہیں گزاری، وہ کامیاب ہو گا اور جو دنیا کی حقیقت کو سمجھنے سے قاصر اور انجام سے غافل، فسق و فجور میں مبتلا رہا، وہ خاسر و ناکام ہو گا۔ اَللّٰهُمَّ اجْعَلْنَا مِنَ الْفَائِزِينَ

(۴) اور پہاڑ میں قم وادراک کی وہ صلاحیت پیدا کر دیتے جو ہم نے انسان کے اندر رکھی ہے۔

(۵) یعنی قرآن کریم میں ہم نے بلاغت و فصاحت، قوت و استدلال اور وعظ و تذکیر کے ایسے پہلو بیان کیے ہیں کہ انہیں سن کر

لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَّقُونَ ﴿۲۱﴾

هُوَ اللَّهُ الَّذِي لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ عِلْمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ

هُوَ الرَّحْمَنُ الرَّحِيمُ ﴿۲۲﴾

هُوَ اللَّهُ الَّذِي لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ الْمَلِكُ الْقُدُّوسُ السَّلَامُ

الْمُؤْمِنُ الْمُهِيمُنُ الْعَزِيزُ الْجَبَّارُ الْمُتَكَبِّرُ ذُكِرَ اللَّهُ

عَمَّا يُشْرِكُونَ ﴿۲۳﴾

هُوَ اللَّهُ الْخَالِقُ الْبَارِئُ الْمُصَوِّرُ لَهُ الْأَسْمَاءُ الْحُسْنَىٰ

يُسَبِّحُ لَهُ مَا فِي السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ ۚ وَهُوَ الْعَزِيزُ

الْحَكِيمُ ﴿۲۴﴾

ہم ان مثالوں کو لوگوں کے سامنے بیان کرتے ہیں تاکہ وہ غور و فکر کریں۔ (۲۱)

وہی اللہ ہے جس کے سوا کوئی معبود نہیں، چھپے (۲) کھلے کا جاننے والا مہربان اور رحم کرنے والا۔ (۲۲)

وہی اللہ ہے جس کے سوا کوئی معبود نہیں، بادشاہ، نہایت پاک، سب عیبوں سے صاف، امن دینے والا، نگہبان، غالب زور آور، اور بڑائی والا، پاک ہے اللہ ان چیزوں سے جنہیں یہ اس کا شریک بناتے ہیں۔ (۲۳)

وہی اللہ ہے پیدا کرنے والا وجود بخشے والا، (۳) صورت بنانے والا، اسی کے لیے (نہایت) اچھے نام ہیں، (۴) ہر چیز خواہ وہ آسمانوں میں ہو خواہ زمین میں ہو اس کی پاکی بیان کرتی ہے، (۵) اور وہی غالب حکمت والا ہے۔ (۲۴)

پہاڑ بھی، باوجود اتنی تختی اور وسعت و بلندی کے، خوف الہی سے ریزہ ریزہ ہو جاتا۔ یہ انسان کو سمجھایا اور ڈرایا جا رہا ہے کہ تجھے عقل و فہم کی صلاحیتیں دی گئی ہیں۔ لیکن اگر قرآن سن کر تیرا دل کوئی اثر قبول نہیں کرتا تو تیرا انجام اچھا نہیں ہوگا۔

(۱) تاکہ قرآن کے مواعظ سے وہ نصیحت حاصل کریں اور زواجر کو سن کر نافرمانیوں سے اجتناب کریں۔ بعض کہتے ہیں کہ اس آیت میں نبی ﷺ سے خطاب ہے کہ ہم نے آپ ﷺ پر یہ قرآن مجید نازل کیا جو ایسی عظمت شان کا حامل ہے کہ اگر ہم اسے کسی پہاڑ پر نازل کرتے تو وہ ریزہ ریزہ ہو جاتا، لیکن یہ آپ ﷺ پر ہمارا احسان ہے کہ ہم نے آپ ﷺ کو اتنا قوی اور مضبوط کر دیا کہ آپ ﷺ نے اس چیز کو برداشت کر لیا جس کو برداشت کرنے کی طاقت پہاڑوں میں بھی نہیں ہے۔ (فتح القدیر) اس کے بعد اللہ تعالیٰ اپنی صفات بیان فرما رہا ہے جس سے مقصود توحید کا اثبات اور شرک کی تردید ہے۔

(۲) غیب، مخلوقات کے اعتبار سے ہے، ورنہ اللہ کے لیے تو کوئی چیز غیب نہیں۔ مطلب یہ ہے کہ وہ کائنات کی ہر چیز کو جانتا ہے چاہے وہ ہمارے سامنے ہو یا ہم سے غائب ہو۔ حتیٰ کہ وہ تاریکیوں میں چلنے والی چوٹی کو بھی جانتا ہے۔

(۳) کہتے ہیں کہ خلق کا مطلب ہے اپنے ارادہ و مشیت کے مطابق اندازہ کرنا اور برا کے معنی ہیں اسے پیدا کرنا، گھڑنا، وجود میں لانا۔

(۴) اسمائے حسنیٰ کی بحث سورہ اعراف، ۱۸۰ میں گزر چکی ہے۔

(۵) زبان حال سے بھی اور زبان مقال سے بھی، جیسا کہ پہلے بیان ہوا۔

(۶) جس چیز کا بھی فیصلہ کرتا ہے، وہ حکمت سے خالی نہیں ہوتا۔

سورہ متحنہ مدنی ہے اور اس میں تیرہ آیتیں اور
دو رکوع ہیں۔



بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ۝

شروع کرتا ہوں اللہ تعالیٰ کے نام سے جو بڑا مہربان
نہایت رحم والا ہے۔

اے وہ لوگو جو ایمان لائے ہو! میرے اور (خود) اپنے
دشمنوں کو اپنا دوست نہ بناؤ^(۱) تم تو دوستی سے ان کی طرف
پیغام بھیجتے ہو اور وہ اس حق کے ساتھ جو تمہارے پاس
آچکا ہے کفر کرتے ہیں، پیغمبر کو اور خود تمہیں بھی محض اس
وجہ سے جلاوطن کرتے ہیں کہ تم اپنے رب پر ایمان رکھتے
ہو،^(۳) اگر تم میری راہ میں جہاد کے لئے اور میری

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَّخِذُوا عَدُوَّكُمْ أَوْلِيَاءَ تُلْقُونَ
إِلَيْهِم بِالْمُؤَدَّةِ وَقَدْ كَفَرُوا بِمَا جَاءَكُمْ مِنَ الْحَقِّ يُخَوِّجُونَ الرِّسُولَ
وَلَا يَكْرَهُنَّ تُوْمِنُوا بِاللَّهِ رِبْكَهُمْ لَنْ تُنْفَرُ مِنْهُمْ خَوْفًا زَلِيلًا
أَتَبْقَاةً مَرْضًى يُفَرِّقُونَ بَيْنَهُم بِالْمُؤَدَّةِ وَأَنَا أَعْلَمُ بِمَا أَخْفَيْتُمْ وَمَا
أَعْلَنْتُمْ وَمَنْ يَفْعَلْهُ مِنْكُمْ فَقَدْ ضَلَّ سَوَاءَ السَّبِيلِ ①

(۱) کفار مکہ اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان حدیبیہ میں جو معاہدہ ہوا تھا، اہل مکہ نے اس کی خلاف ورزی کی۔ اس
لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی مسلمانوں کو خفیہ طور پر لڑائی کی تیاری کا حکم دے دیا۔ حضرت حاطب بن ابی
بلتعہؓ ایک مہاجر بدری صحابی تھے، جن کی قریش کے ساتھ کوئی رشتہ داری نہیں تھی، لیکن ان کے بیوی بچے کے
میں ہی تھے۔ انہوں نے سوچا کہ میں قریش مکہ کو آپ ﷺ کی تیاری کی اطلاع کر دوں تاکہ اس احسان کے بدلے وہ
میرے بال بچوں کا خیال رکھیں۔ چنانچہ انہوں نے ایک عورت کے ذریعے سے یہ پیغام تحریری طور پر اہل مکہ کی طرف
روانہ کر دیا، جس کی اطلاع بذریعہ وحی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو کر دی گئی چنانچہ آپ ﷺ نے حضرت علیؓ، حضرت
مقداد اور حضرت زبیر رضی اللہ عنہم کو فرمایا کہ جاؤ روضہ خاخ پر ایک عورت ہوگی جو مکہ جا رہی ہوگی، اس کے پاس ایک
رقعہ ہے، وہ لے آؤ، چنانچہ وہ حضرات گئے اور اس سے یہ رقعہ لے آئے جو اس نے سر کے بالوں میں چھپا رکھا تھا۔ آپ
ﷺ نے حضرت حاطبؓ سے پوچھا۔ یہ تم نے کیا کیا؟ انہوں نے فرمایا کہ میں نے یہ کام کفر و ارتداد کی بنا پر نہیں کیا
بلکہ اس کی وجہ صرف یہ ہے کہ دیگر ماجریں کے رشتے دار مکے میں موجود ہیں جو ان کے بال بچوں کی حفاظت کرتے
ہیں۔ میرا وہاں کوئی رشتہ دار نہیں ہے تو میں نے یہ سوچا کہ میں اہل مکہ کو کچھ اطلاع کر دوں تاکہ وہ میرے احسان مند
رہیں اور میرے بچوں کی حفاظت کریں۔ آپ ﷺ نے ان کی سچائی کی وجہ سے انہیں کچھ نہیں کہا۔ تاہم اللہ نے تنبیہ
کے طور پر یہ آیات نازل فرمادیں، تاکہ آئندہ کوئی مومن کسی کافر کے ساتھ اس طرح کا تعلق مودت قائم نہ کرے۔

(صحیح بخاری، تفسیر سورۃ المتحنہ، 'وصحیح مسلم'، کتاب فضائل الصحابة)

(۲) مطلب ہے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خبریں ان تک پہنچا کر ان سے دوستانہ تعلق قائم کرنا چاہتے ہو؟

(۳) جب ان کا تمہارے ساتھ اور حق کے ساتھ یہ معاملہ ہے تو تمہارے لیے کیا یہ مناسب ہے کہ تم ان سے محبت اور

رضامندی کی طلب میں نکلتے ہو (تو ان سے دوستیاں نہ کرو) ^(۱) تم ان کے پاس محبت کا پیغام پوشیدہ پوشیدہ بھیجتے ہو اور مجھے خوب معلوم ہے جو تم نے چھپایا اور وہ بھی جو تم نے ظاہر کیا، تم میں سے جو بھی اس کام کو کرے گا وہ یقیناً راہ راست سے ہٹ جائے گا۔ ^(۲) (۱)

اگر وہ تم پر کہیں قابو پالیں تو وہ تمہارے (کھلے) دشمن ہو جائیں اور برائی کے ساتھ تم پر دست درازی اور زبان درازی کرنے لگیں اور (دل سے) چاہنے لگیں کہ تم بھی کفر کرنے لگ جاؤ۔ ^(۳) (۲)

تمہاری قرابتیں، رشتہ داراں، اور اولاد تمہیں قیامت کے دن کام نہ آئیں گی، ^(۴) اللہ تعالیٰ تمہارے درمیان فیصلہ کر دے گا ^(۵) اور جو کچھ تم کر رہے ہو اسے اللہ خوب دیکھ رہا ہے۔ (۳)

(مسلمانو!) تمہارے لیے حضرت ابراہیم میں اور ان کے

إِنْ يَتَفَقَّهُوا يَكُونُوا أَعْدَاءُ وَيَسْطَوْا إِلَيْكُمْ أَيْدِيَهُمْ
وَلَيَسْئَلَنَكُمْ بِالشُّؤْرِ وَيَوَدُّوا أَنْ يُنَكِّلُ بَيْنَكُمْ ⑤

لَنْ يَنْفَعَكُمْ أَرْحَامُهُمْ وَلَا أَوْلَادُهُمْ يَوْمَ الْقِيَمَةِ يَنْفَصِلُ بَيْنَكُمْ
وَاللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرٌ ⑥

فَكَانَتْ لَكُمْ أَمْوَالٌ حَسَنَةٌ فِي الْبُيُوتِ وَالَّذِينَ مَعَهُ إِذْ قَالُوا

ہمدردی کا رویہ اختیار کرو؟

(۱) یہ جواب شرط جو محذوف ہے، کا ترجمہ ہے۔

(۲) یعنی میرے اور اپنے دشمنوں سے محبت کا تعلق جوڑنا اور انہیں خفیہ نامہ و پیام بھیجنا، یہ گمراہی کا راستہ ہے، جو کسی مسلمان کے شایان شان نہیں۔

(۳) یعنی تمہارے خلاف ان کے دلوں میں تو اس طرح بغض و عناد ہے اور تم ہو کہ ان کے ساتھ محبت کی پیشکشیں بڑھا رہے ہو؟

(۴) یعنی جس اولاد کے لیے تم کفار کے ساتھ محبت کا اظہار کر رہے ہو، یہ تمہارے کچھ کام نہیں آئے گی، پھر اس کی وجہ سے تم کافروں سے دوستی کر کے کیوں اللہ کو ناراض کرتے ہو۔ قیامت والے دن جو چیز کام آئے گی وہ تو اللہ اور رسول ﷺ کی اطاعت ہے، اس کا اہتمام کرو۔

(۵) دوسرے معنی ہیں تمہارے درمیان جدائی ڈال دے گا یعنی اہل طاعت کو جنت میں اور اہل معصیت کو جہنم میں داخل کرے گا۔ بعض کہتے ہیں آپس میں جدائی کا مطلب ہے کہ ایک دوسرے سے بھاگیں گے۔ جیسے فرمایا ﴿يَوْمَ يُفَرِّدُ الْمَرْءُ مِنْ آخِيهِ﴾ (سورہ عس، ۳۴) یعنی شدت ہول سے بھائی، بھائی سے بھاگے گا۔

لَعَنَهُمُ اللَّهُ إِنَّا بَرَأْنَا مِنْكُمْ وَفَمَا تَعْبُدُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ لَعَنَّا
 بِكُمْ وَبَدَأْنَا بَيْنَكُمْ الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَاءَ الْبَدَاحِي تَوْبَتُنَا
 بِاللَّهِ وَحْدَهُ إِلَّا قَوْلَ إِبْرَاهِيمَ لِأَبْنَيْهِ لَا اسْتَعْفِرَنَّ لَكَ وَمَا
 أَمَّاكَ لَكَ مِنَ اللَّهِ مِنْ شَيْءٍ نَبَا عَيْنِكَ تَوَكَّلْنَا وَإِلَيْكَ
 أَتَيْنَا وَإِلَيْكَ الْمَصِيرُ ۝

ساتھیوں میں بہترین نمونہ ہے، جبکہ ان سب نے اپنی قوم
 سے بر ملا کہہ دیا کہ ہم تم سے اور جن جن کی تم اللہ کے سوا
 عبادت کرتے ہو ان سب سے بالکل بیزار ہیں۔ (۲) ہم
 تمہارے (عقائد کے) منکر ہیں جب تک تم اللہ کی
 وحدانیت پر ایمان نہ لاؤ ہم میں تم میں ہمیشہ کے لیے بغض و
 عداوت ظاہر ہو گئی (۳) لیکن ابراہیم کی اتنی بات تو اپنے باپ
 سے ہوئی تھی (۴) کہ میں تمہارے لیے استغفار ضرور کروں
 گا اور تمہارے لیے مجھے اللہ کے سامنے کسی چیز کا اختیار کچھ
 بھی نہیں۔ اے ہمارے پروردگار تجھی پر ہم نے بھروسہ کیا
 ہے (۵) اور تیری ہی طرف رجوع کرتے ہیں اور تیری ہی

(۱) کفار سے عدم موالات کے مسئلے کی توضیح کے لیے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی مثال دی جا رہی ہے اُسوۃ کے معنی
 ہوتے ہیں، ایسا نمونہ جس کی اقتدا کی جائے۔

(۲) یعنی شرک کی وجہ سے ہمارا اور تمہارا کوئی تعلق نہیں، اللہ کے پرستاروں کا بھلا غیر اللہ کے پجاریوں سے کیا تعلق؟

(۳) یعنی یہ علیحدگی اور بیزاری اس وقت تک رہے گی جب تک تم کفر و شرک چھوڑ کر توحید کو نہیں اپنالو گے۔ ہاں
 جب تم ایک اللہ کو ماننے والے بن جاؤ گے تو پھر یہ عداوت موالات میں اور یہ بغض محبت میں بدل جائے گا۔

(۴) یہ ایک اشتنا ہے جو فی ابراہیم میں مقدر محذوف مضاف سے ہے۔ یعنی قَدْ كَانَتْ لَكُمْ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ فِي
 مَقَالَتِ إِبْرَاهِيمَ إِلَّا قَوْلَهُ لِأَبْنَيْهِ يَا أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ سے اشتنا ہے، اس لیے کہ قول بھی منجملہ اسوہ ہے۔ گویا کہا جا رہا ہے۔
 (قَدْ كَانَتْ لَكُمْ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ فِي إِبْرَاهِيمَ فِي جَمِيعِ أَقْوَالِهِ وَأَفْعَالِهِ إِلَّا قَوْلَهُ لِأَبْنَيْهِ) (فتح القدیر) مطلب یہ ہے
 کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی پوری زندگی ایک قابل تقلید نمونہ ہے، البتہ ان کا اپنے باپ کے لیے مغفرت کی دعا کرنا
 ایک ایسا عمل ہے جس میں ان کی پیروی نہیں کرنی چاہیے، کیونکہ ان کا یہ فعل اس وقت کا ہے جب ان کو اپنے باپ کی
 بابت علم نہیں تھا، چنانچہ جب ان پر یہ واضح ہو گیا کہ ان کا باپ اللہ کا دشمن ہے تو انہوں نے اپنے باپ سے بھی انظار
 براءت کر دیا، جیسا کہ سورۃ براءت ۱۱۳ میں ہے۔ (سورۃ براءت سورۃ توبہ کو کہا جاتا ہے)

(۵) توکل کا مطلب ہے۔ امکانی حد تک ظاہری اسباب و وسائل اختیار کرنے کے بعد معاملہ اللہ کے سپرد کر دیا جائے۔ یہ
 مطلب نہیں کہ ظاہری وسائل اختیار کیے بغیر ہی اللہ پر اعتماد اور توکل کا انظار کیا جائے، اس سے ہمیں منع کیا گیا
 ہے، اس لیے توکل کا یہ مفہوم بھی غلط ہو گا۔ نبی ﷺ کی خدمت میں ایک شخص حاضر ہوا اور اونٹ کو باہر کھڑا کر کے اندر

طرف لوٹنا ہے۔ (۳)

اے ہمارے رب! تو ہمیں کافروں کی آزمائش میں نہ ڈال^(۱) اور اے ہمارے پالنے والے ہماری خطاؤں کو بخش دے، بیشک تو ہی غالب، حکمت والا ہے۔ (۵)

یقیناً تمہارے لیے ان میں^(۲) اچھا نمونہ (اور عمدہ پیروی ہے خاص کر) ہر اس شخص کے لیے جو اللہ کی اور قیامت کے دن کی ملاقات کی امید رکھتا ہو،^(۳) اور اگر کوئی روگردانی کرے^(۴) تو اللہ تعالیٰ بالکل بے نیاز ہے اور سزاوار حمد و ثنا ہے۔ (۶)

کیا عجب کہ غفریب ہی اللہ تعالیٰ تم میں اور تمہارے دشمنوں میں محبت پیدا کر دے۔^(۵) اللہ کو سب قدر تیں ہیں اور اللہ (بڑا) غفور رحیم ہے۔ (۷)

جن لوگوں نے تم سے دین کے بارے میں لڑائی نہیں

رَبَّنَا لَا تَجْعَلْنَا فِتْنَةً لِلَّذِينَ كَفَرُوا وَاعْزِزْ لَنَا رَبَّنَا إِنَّكَ أَنْتَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ۝

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيهِمْ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِّمَن كَانَ يَرْجُوا اللَّهَ وَالْيَوْمَ
الْآخِرَ وَهُمْ يُؤْمِنُونَ إِنَّ اللَّهَ هُوَ الْغَفِيُّ السَّيِّدُ ۝

عَسَى اللَّهُ أَنْ يَجْعَلَ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَ الَّذِينَ هَادَيْتُمْ مِنْهُمْ مَوَدَّةً
وَاللَّهُ قَدِيرٌ وَاللَّهُ غَفُورٌ رَحِيمٌ ۝

لَا يَنْهَكُمُ اللَّهُ عَنِ الَّذِينَ كَفَرُوا بِمَا كُنْتُمْ فِي الدِّينِ

اُگیا، آپ ﷺ نے پوچھا تو کہا میں اونٹ اللہ کے سپرد کر آیا ہوں، آپ ﷺ نے فرمایا۔ یہ توکل نہیں ہے۔ «أَعْقِلْ وَتَوَكَّلْ» پہلے اسے کسی چیز سے باندھ، پھر اللہ پر بھروسہ کر۔ (ترمذی) انابت کا مطلب ہے، اللہ کی طرف رجوع کرنا۔

(۱) یعنی کافروں کو ہم پر غلبہ و تسلط عطا نہ فرما، اس طرح وہ سمجھیں گے کہ وہ حق پر ہیں، اور یوں ہم ان کے لیے فتنے کا باعث بن جائیں گے یا یہ مطلب ہے کہ ان کے ہاتھوں یا اپنی طرف سے ہمیں کسی سزا سے دوچار نہ کرنا، اس طرح بھی ہمارا وجود ان کے لیے فتنہ بن جائے گا، وہ کہیں گے کہ اگر یہ حق پر ہوتے تو ان کو یہ تکلیف کیوں پہنچتی؟

(۲) یعنی ابراہیم علیہ السلام کے اور ان کے ساتھی اہل ایمان میں۔ یہ تکرار تاکید کے لیے ہے۔

(۳) کیونکہ ایسے ہی لوگ اللہ سے اور عذاب آخرت سے ڈرتے ہیں، یہی لوگ حالات و واقعات سے عبرت پکڑتے اور نصیحت حاصل کرتے ہیں۔

(۴) یعنی حضرت ابراہیم علیہ السلام کے اسوے کو اپنانے سے گریز کرے۔

(۵) یعنی ان کو مسلمان کر کے تمہارا بھائی اور ساتھی بنا دے، جس سے تمہارے مابین عداوت، دوستی اور محبت میں تبدیل ہو جائے گی۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا، فتح مکہ کے بعد لوگ فوج در فوج مسلمان ہونا شروع ہو گئے اور ان کے مسلمان ہوتے ہی نفرتیں، محبت میں تبدیل ہو گئیں، جو مسلمانوں کے خون کے پیاسے تھے، وہ دست و بازو بن گئے۔

وَأَمْ يَحْزَنُونَ مِنْ دِيَارِهِمْ أَنْ تَنْبَغَهُمْ وَ تَقْبَلُوا
إِلَيْهِمْ إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِينَ ۝

لڑی (۱) اور تمہیں جلا وطن نہیں کیا (۲) ان کے ساتھ سلوک و احسان کرنے اور منصفانہ بھلے برتاؤ کرنے سے اللہ تعالیٰ تمہیں نہیں روکتا، (۳) بلکہ اللہ تعالیٰ تو انصاف کرنے والوں سے محبت کرتا ہے۔ (۴) (۸)

اللہ تعالیٰ تمہیں صرف ان لوگوں کی محبت سے روکتا ہے جنہوں نے تم سے دین کے بارے میں لڑائیاں لڑیں اور تمہیں دیں نکالے دیئے اور دیں نکالا دینے والوں کی مدد کی جو لوگ ایسے کفار سے محبت کریں (۵) وہ (قطعاً) ظالم ہیں۔ (۶) (۹)

إِنَّمَا يَنْهَى اللَّهُ عَنِ الَّذِينَ قَاتَلُوكُمْ فِي الدِّينِ وَأَخْرَجُوا مِنْ دِيَارِهِمْ وَظَاهَرُوا عَلَىٰ إِخْرَاجِكُمْ أَنْ تَوَلَّوْهُمْ وَمَنْ يَتَوَلَّهُمْ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الظَّالِمُونَ ۝

(۱) یہ ان کافروں کے بارے میں ہدایات دی جا رہی ہیں جو مسلمانوں سے محض دین اسلام کی وجہ سے بغض و عداوت نہیں رکھتے اور اس بنیاد پر مسلمانوں سے نہیں لڑتے، یہ پہلی شرط ہے۔

(۲) یعنی تمہارے ساتھ ایسا رویہ بھی اختیار نہیں کیا کہ تم ہجرت پر مجبور ہو جاؤ۔ یہ دوسری شرط ہے۔ ایک تیسری شرط یہ ہے جو اگلی آیت سے واضح ہوتی ہے، کہ وہ مسلمانوں کے خلاف دوسرے کافروں کو کسی قسم کی مدد بھی نہ پہنچائیں۔ مشورے اور رائے سے اور نہ ہتھیاروں وغیرہ کے ذریعے سے۔

(۳) یعنی ایسے کافروں سے احسان اور انصاف کا معاملہ کرنا ممنوع نہیں ہے۔ جیسے حضرت اسماء بنت ابی بکر صدیق رضی اللہ عنہا نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنی مشرک ماں کی بابت صلہ رحمی یعنی حسن سلوک کرنے کا پوچھا، آپ ﷺ نے فرمایا: صَلِّیْ اُنْکَ (صحیح مسلم، کتاب الزکوٰۃ، باب فضل النفقة والصدقة علی الأقربین.... بخاری، کتاب الأدب، باب صلة الوالد المشرك، ”اپنی ماں کے ساتھ صلہ رحمی کرو۔“)

(۴) اس میں انصاف کرنے کی ترغیب ہے حتیٰ کہ کافروں کے ساتھ بھی۔ حدیث میں انصاف کرنے والوں کی فضیلت یوں بیان ہوئی ہے «إِنَّ الْمُقْسِطِينَ عِنْدَ اللَّهِ، عَلَىٰ مَنَابِرٍ مِّنْ نُورٍ، عَنْ يَمِينِ الرَّحْمَنِ عَزَّ وَجَلَّ - وَكَلَّمْنَا يَدَيْهِ يَمِينٌ - الَّذِينَ يَعْدِلُونَ فِي حُكْمِهِمْ وَأَهْلِيهِمْ، وَمَا وَلَّوْا» (صحیح مسلم، کتاب الإمارة، باب فضيلة الإمام العادل، ”انصاف کرنے والے نور کے منبروں پر ہوں گے جو رخصت کے دائیں جانب ہوں گے اور رخصت کے دونوں ہاتھ دائیں ہیں، جو اپنے فیصلوں میں، اپنے اہل میں اور اپنی رعایا میں انصاف کا اہتمام کرتے ہیں“)

(۵) یعنی ارشاد الہی اور امر ربانی سے اعراض کرتے ہوئے۔

(۶) کیوں کہ انہوں نے ایسے لوگوں سے محبت کی ہے جو محبت کے اہل نہیں تھے، اور یوں انہوں نے اپنے نفسوں پر ظلم کیا کہ انہیں اللہ کے عذاب کے لیے پیش کر دیا۔ دوسرے مقام پر فرمایا۔ ﴿لَا تَتَّبِعُوا الْيَهُودَ وَالنَّصَارَىٰ أَوْلِيَاءَ بَعْضُهُمْ أَوْلِيَاءُ بَعْضٍ وَمَنْ يَتَوَلَّهُمْ مِنْكُمْ فَإِنَّهُ مِنْهُمْ إِنَّ اللَّهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظَّالِمِينَ﴾ (المائدة: ۵۱)

اے ایمان والو! جب تمہارے پاس مومن عورتیں ہجرت کر کے آئیں تو تم ان کا امتحان لو۔^(۱) دراصل ان کے ایمان کو بخوبی جاننے والا تو اللہ ہی ہے لیکن اگر وہ تمہیں ایمان والیاں معلوم ہوں^(۲) تو اب تم انہیں کافروں کی طرف واپس نہ کرو، یہ ان کے لیے حلال نہیں اور نہ وہ ان کے لیے حلال ہیں،^(۳) اور جو خرچ ان کافروں کا ہوا ہو وہ انہیں ادا کرو،^(۴) ان عورتوں کو ان کے مہر دے کر ان سے نکاح کر لینے میں تم پر کوئی گناہ نہیں^(۵)

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا جَاءَكُمُ الْمُؤْمِنَاتُ مِهْرًا فَقَامَتْهُنَّ
أَلَّهُنَّ أَعْلَمُ بِإِيمَانِهِنَّ فَإِنْ عَلِمْتُمُوهُنَّ مُؤْمِنَاتٍ فَلَا تَحْسَبُوهُنَّ
إِلَى الْكُفَّارِ لَمْ يَكُنَّ جُنَّ لَهُمْ وَلَا لَمْ يَكُونُوا لَهُنَّ وَأَتَوْهُنَّ مَا
أَنْفَقُوا وَلِجَنَّتِهِنَّ عَلَيْكُمْ أَنْ تَنْكِحُوهُنَّ إِذَا آتَيْتُمُوهُنَّ أَجُورَهُنَّ
وَلَا تُمْسِكُوا بِعَصَمِ الْكَافِرِ وَمَا أَنْفَقْتُمْ وَلَيْسَ لَكُمْ
أَنْفَقُوا ذَلِكُمْ مِلْكُ اللَّهِ يَمْسِكُ بَيْنَكُمْ وَاللَّهُ عَلَيْهِمْ حَكِيمٌ ۝

(۱) معاہدہ حدیبیہ میں ایک شق یہ تھی کہ مکے سے کوئی مسلمانوں کے پاس چلا جائے گا تو اس کو واپس کرنا پڑے گا۔ لیکن اس میں مرد و عورت کی صراحت نہیں تھی۔ بظاہر ”کوئی“ (أَحَدٌ) میں دونوں ہی شامل تھے۔ چنانچہ بعد میں بعض عورتیں مکے سے ہجرت کر کے مسلمانوں کے پاس چلی گئیں تو کفار نے ان کی واپسی کا مطالبہ کیا، جس پر اللہ نے اس آیت میں مسلمانوں کی رہنمائی فرمائی اور یہ حکم دیا۔ امتحان لینے کا مطلب ہے اس امر کی تحقیق کرو کہ ہجرت کر کے آنے والی عورت جو ایمان کا اظہار کر رہی ہے، اپنے کافر خاوند سے ناراض ہو کر یا کسی مسلمان کے عشق میں یا کسی اور غرض سے تو نہیں آئی ہے اور صرف یہاں پناہ لینے کی خاطر ایمان کا دعویٰ کر رہی ہے۔

(۲) یعنی تم اپنی تحقیق سے اس نتیجے پر پہنچو اور تمہیں گمان غالب حاصل ہو جائے کہ یہ واقعی مومنہ ہیں۔

(۳) یہ انہیں ان کے کافر خاوندوں کے پاس واپس نہ کرنے کی علت ہے کہ اب کوئی مومن عورت کسی کافر کے لیے حلال نہیں۔ جیسا کہ ابتدائے اسلام میں یہ جائز تھا، چنانچہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادی حضرت زینب رضی اللہ عنہا کا نکاح ابو العاص ابن ربیع کے ساتھ ہوا تھا، جب کہ وہ مسلمان نہیں تھے۔ لیکن اس آیت نے آئندہ کے لیے ایسا کرنے سے منع کر دیا، اسی لیے یہاں فرمایا گیا کہ وہ ایک دوسرے کے لیے حلال نہیں، اس لیے انہیں کافروں کے پاس مت لوٹاؤ۔ ہاں اگر شوہر بھی مسلمان ہو جائے تو پھر ان کا نکاح برقرار رہ سکتا ہے۔ چاہے خاوند عورت کے بعد ہجرت کر کے آئے۔

(۴) یعنی ان کے کافر خاوندوں نے ان کو جو مہر ادا کیا ہے، وہ تم انہیں ادا کرو۔

(۵) یہ مسلمانوں کو کہا جا رہا ہے کہ یہ عورتیں جو ایمان کی خاطر اپنے کافر خاوندوں کو چھوڑ کر تمہارے پاس آگئی ہیں، تم ان سے نکاح کر سکتے ہو، بشرطیکہ ان کا حق مہر تم ادا کرو۔ تاہم یہ نکاح مسنون طریقے سے ہی ہو گا۔ یعنی ایک تو انقضائے عدت (استبراء رحم) کے بعد ہو گا۔ دوسرے اس میں ولی کی اجازت اور دو عادل گواہوں کی موجودگی بھی ضروری ہے۔ البتہ عورت مدخل بہا نہیں ہے تو پھر بلا عدت فوری نکاح جائز ہے۔

اور کافر عورتوں کی ناموس اپنے قبضہ میں نہ رکھو^(۱) اور جو کچھ تم نے خرچ کیا ہو، مانگ لو اور جو کچھ ان کافروں نے خرچ کیا ہو^(۲) وہ بھی مانگ لیں یہ اللہ کا فیصلہ ہے جو تمہارے درمیان کر رہا ہے،^(۳) اللہ تعالیٰ بڑے علم (اور) حکمت والا ہے۔ (۱۰)

اور اگر تمہاری کوئی بیوی تمہارے ہاتھ سے نکل جائے اور کافروں کے پاس چلی جائے پھر تمہیں اس کے بدلے کا وقت مل جائے^(۵) تو جن کی بیویاں چلی گئی ہیں انہیں ان کے اخراجات کے برابر ادا کر دو، اور اس اللہ تعالیٰ

وَلَنْ قَاتِلَكُمْ شَيْءٌ مِّنْ اَزْوَاجِكُمْ اِلَى الْكُفْرِ فَعَاثِمَةُ كَانُوا
الَّذِينَ ذَهَبَتْ اَزْوَاجُهُمْ وَمَثَلُ مَا اتَّفَقُوا عَلَيْهِ وَاللَّهُ الَّذِي
اَنْتُمْ بِهٖ مُّؤْمِنُونَ ۝

(۱) عِصْمٌ عِصْمَةُ کی جمع ہے، یہاں اس سے مراد عصمت عقد نکاح ہے۔ مطلب یہ ہے کہ اگر خاوند مسلمان ہو جائے اور بیوی بدستور کافر اور مشرک رہے تو ایسی مشرک عورت کو اپنے نکاح میں رکھنا جائز نہیں ہے۔ اسے فوراً طلاق دے کر اپنے سے علیحدہ کر دیا جائے۔ چنانچہ اس حکم کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنی دو مشرک بیویوں کو اور حضرت طلحہ ابن عبید اللہ رضی اللہ عنہ نے اپنی بیوی کو طلاق دے دی۔ (ابن کثیر) البتہ اگر بیوی کتابیہ (یسودی یا عیسائی) ہو تو اسے طلاق دینا ضروری نہیں ہے۔ کیونکہ ان سے نکاح جائز ہے، اس لیے اگر وہ پہلے سے ہی بیوی کی حیثیت سے تمہارے پاس موجود ہے تو قبول اسلام کے بعد اسے علیحدہ کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔

(۲) یعنی ان عورتوں پر جو کفر پر برقرار رہنے کی وجہ سے کافروں کے پاس چلی گئی ہیں۔

(۳) یعنی ان عورتوں پر جو مسلمان ہو کر ہجرت کر کے مدینے آگئی ہیں۔

(۴) یعنی یہ حکم مذکور کہ دونوں ایک دوسرے کو حق مہر ادا کریں بلکہ مانگ کر لیں، اللہ کا حکم ہے۔ امام قرطبی فرماتے ہیں کہ یہ حکم اس دور کے ساتھ ہی خاص تھا۔ اس پر مسلمانوں کا اجماع ہے۔ (فتح القدیر) اس کی وجہ وہ معاہدہ ہے جو اس وقت فریقین کے درمیان تھا۔ اس قسم کے معاہدے کی صورت میں آئندہ بھی اس پر عمل کرنا ضروری ہو گا۔ بصورت دیگر نہیں۔

(۵) فَعَاثِمَةُ (پس تم سزا یاد دل لو) کا ایک مفہوم تو یہ ہے کہ مسلمان ہو کر آنے والی عورتوں کے حق مہر، جو تمہیں ان کے کافر شوہروں کو ادا کرنے تھے، وہ تم ان مسلمانوں کو دے دو، جن کی عورتیں کافر ہونے کی وجہ سے کافروں کے پاس چلی گئی ہیں۔ اور انہوں نے مسلمانوں کو مہر ادا نہیں کیا۔ (یعنی یہ بھی سزا کی ایک صورت ہے) دو سرا مفہوم یہ ہے کہ تم کافروں سے جہاد کرو اور جو مال غنیمت حاصل ہو، اس میں تقسیم سے پہلے ان مسلمانوں کو، جن کی بیویاں دارا لکفر چلی گئی ہیں، ان کے خرچ کے بقدر ادا کر دو۔ گویا مال غنیمت سے مسلمانوں کے نقصان کا جبر (ازالہ) یہ بھی سزا ہے (ایسر التفسیر و ابن کثیر) اگر مال غنیمت سے بھی ازالہ کی صورت نہ ہو تو بیت المال سے تعاون کیا جائے۔ (ایسر التفسیر)

سے ڈرتے رہو جس پر تم ایمان رکھتے ہو۔ (۱۱)

اے پیغمبر! جب مسلمان عورتیں آپ سے ان باتوں پر بیعت کرنے آئیں کہ وہ اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ کریں گی، چوری نہ کریں گی، زنا کاری نہ کریں گی، اپنی اولاد کو نہ مار ڈالیں گی اور کوئی ایسا بہتان نہ باندھیں گی جو خود اپنے ہاتھوں پیروں کے سامنے گھڑ لیں اور کسی نیک کام میں تیری بے حکمی نہ کریں گی تو آپ ان سے بیعت کر لیا کریں،^(۱) اور ان کے لیے اللہ سے مغفرت طلب کریں بیشک اللہ تعالیٰ بخشے اور معاف کرنے والا ہے۔ (۱۲)

اے مسلمانو! تم اس قوم سے دوستی نہ رکھو جن پر اللہ کا غضب نازل ہو چکا ہے^(۲) جو آخرت سے اس طرح مایوس

يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ إِذَا جَاءَكَ الْمُؤْمِنَاتُ يُبَايِعْنَكَ عَلَى أَنْ لَا يُشْرِكْنَ بِاللَّهِ شَيْئًا وَلَا يَسْرِقْنَ وَلَا يَزْنِينَ وَلَا يَقْتُلْنَ أَوْلَادَهُنَّ وَلَا يَأْتِينَ بِمُحْتَلٍّ يَقْتُلُ بِهِ بَيْنَ آيِدَيْنِهِمْ وَأَرْجُلِهِمْ وَلَا يَعْصِيَنَّ فِي مَعْرُوفٍ مَبَايِعُهُنَّ وَاسْتَعْصِمْنَ لَهُنَّ اللَّهُ إِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَحِيمٌ ﴿۱۱﴾

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَوَلَّوْا قَوْمًا غَضِبَ اللَّهُ عَلَيْهِمْ قَدْ يَسْؤُوا مِنَ الْآخِرَةِ كَمَا يَسُوءُ الْكَافِرِينَ أُصْغِبَ

(۱) یہ بیعت اس وقت لیتے جب عورتیں ہجرت کر کے آئیں، جیسا کہ صحیح بخاری تفسیر سورہ ممتحنہ میں ہے۔ علاوہ ازیں فتح مکہ والے دن بھی آپ ﷺ نے قریش کی عورتوں سے بیعت لی۔ بیعت لیتے وقت آپ ﷺ صرف زبان سے عمد لیتے۔ کسی عورت کے ہاتھ کو آپ ﷺ نہیں چھوتے تھے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں ”اللہ کی قسم بیعت میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ نے کبھی کسی عورت کے ہاتھ کو نہیں چھوا۔ بیعت کرتے وقت آپ ﷺ صرف یہ فرماتے کہ میں نے ان باتوں پر تجھ سے بیعت لے لی۔“ (صحیح البخاری، تفسیر سورہ الممتحنہ) بیعت میں آپ ﷺ یہ عمد بھی عورتوں سے لیتے تھے کہ وہ نوحہ نہیں کریں گی، گربان چاک نہیں کریں گی، سر کے بال نہیں نوچیں گی اور جاہلیت کی طرح بین نہیں کریں گی۔ (صحیح بخاری و صحیح مسلم وغیرہما) اس بیعت میں نماز، روزہ، حج اور زکوٰۃ وغیرہ کا ذکر نہیں ہے، اس لیے کہ یہ ارکان دین اور شعار اسلام ہونے کے اعتبار سے محتاج وضاحت نہیں۔ آپ ﷺ نے بطور خاص ان چیزوں کی بیعت لی جن کا عام ارتکاب عورتوں سے ہوتا تھا، تاکہ وہ ارکان دین کی پابندی کے ساتھ ان چیزوں سے بھی اجتناب کریں۔ اس سے یہ بات معلوم ہوئی کہ علما و دعاۃ اور واعظین حضرات اپنا زور خطابت ارکان دین کے بیان کرنے میں ہی صرف نہ کریں جو پہلے ہی واضح ہیں، بلکہ ان خرابیوں اور رسموں کی بھی پر زور انداز میں تردید کیا کریں جو معاشرے میں عام ہیں اور نماز روزے کے پابند حضرات بھی ان سے اجتناب نہیں کرتے۔

(۲) اس سے بعض نے یہود، بعض نے منافقین اور بعض نے تمام کافر مراد لیے ہیں۔ یہ آخری قول ہی زیادہ صحیح ہے، کیونکہ اس میں یہود و منافقین بھی آجاتے ہیں، علاوہ ازیں سارے کفار ہی غضب الہی کے مستحق ہیں، اس لیے مطلب یہ ہو گا کہ کسی بھی کافر سے دوستانہ تعلق مت رکھو، جیسا کہ یہ مضمون قرآن میں کئی جگہ بیان کیا گیا ہے۔

الْقُبُورِ ۳۲

ہو چکے ہیں جیسے کہ مردہ اہل قبر سے کافرنا امید ہیں۔^(۱) (۱۳)

سورہ صف مدنی ہے اور اس میں چودہ آیتیں اور دو رکوع ہیں۔



بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

شروع کرتا ہوں اللہ تعالیٰ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے۔

زمین و آسمان کی ہر چیز اللہ تعالیٰ کی پاکی بیان کرتی ہے اور وہی غالب حکمت والا ہے۔ (۱)

سَبِّحْ لِلّٰهِ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ وَهُوَ الْعَزِیْزُ الْحَكِیْمُ ①

اے ایمان والو! تم وہ بات کیوں کہتے ہو جو کرتے نہیں۔ (۲)

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَمْ تَقُوْا لَہُمْ مَّا لَا تَفْعَلُوْنَ ②

تم جو کرتے نہیں اس کا کہنا اللہ تعالیٰ کو سخت ناپسند ہے۔ (۳)

کَبُرَ مَعْتَبًا عِنْدَ اللّٰهِ اَنْ تَقُوْا لَہُمْ اَلَا تَفْعَلُوْنَ ③

بیشک اللہ تعالیٰ ان لوگوں سے محبت کرتا ہے جو اس کی

اِنَّ اللّٰهَ یُحِبُّ الَّذِیْنَ یُعٰدِلُوْنَ فِیْ سَبِیْلِہٖ صٰغًا کَاكُھُمْ

(۱) آخرت سے مایوس ہونے کا مطلب، قیامت کے برپا ہونے سے انکار ہے۔ اصحاب القبور (قبروں میں مدفون لوگوں) سے مایوس ہونے کا مطلب بھی یہی ہے کہ وہ آخرت میں دوبارہ نہیں اٹھائے جائیں گے۔ ایک دوسرے معنی اس کے یہ کیے گئے ہیں کہ قبروں میں مدفون کافر، ہر قسم کی خیر سے مایوس ہو گئے۔ کیونکہ مر کر انہوں نے اپنے کفر کا انجام دیکھ لیا، اب وہ خیر کی کیا توقع کر سکتے ہیں؟ (ابن جریر طبری)

☆ اس کی شان نزول میں آتا ہے کہ کچھ صحابہ رضی اللہ عنہم آپس میں بیٹھے کہہ رہے تھے کہ اللہ کو جو سب سے زیادہ پسندیدہ عمل ہیں، وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھنے چاہئیں تاکہ ان پر عمل کیا جاسکے، لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جا کر پوچھنے کی جرأت کوئی نہیں کر رہا تھا۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ سورت نازل فرمادی (مسند أحمد ۵/۳۵۲ و سنن الترمذی تفسیر سورة الصف)

(۲) یہاں ندا اگرچہ عام ہے لیکن اصل خطاب ان مومنوں سے ہے جو کہہ رہے تھے کہ ہمیں اَحَبُّ الْأَعْمَالِ کا علم ہو جائے تو ہم انہیں کریں، لیکن جب انہیں بعض پسندیدہ عمل بتلائے گئے تو ست ہو گئے۔ اس لیے ایسے لوگوں کو توبیخ کی جا رہی ہے کہ خیر کی جو باتیں کہتے ہو، کرتے کیوں نہیں ہو، جو بات منہ سے نکالتے ہو، اسے پورا کیوں نہیں کرتے؟ جو زبان سے کہتے ہو، اس کی پاسداری کیوں نہیں کرتے؟

(۳) یہ اسی کی مزید تاکید ہے کہ اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں پر سخت ناراض ہوتا ہے۔

بُنَيَّانُ مَرُصُوصٌ ⑤

وَاذْ قَالَ مُوسَى لِقَوْمِهِ يُقَوْمُوا لِقَوْلِي وَتَذَكَّرُوا لِقَوْلِي وَقَدْ تَقَرُّمُونَ لِقَوْلِي
رَسُولُ اللَّهِ إِلَيْكُمْ فَلَمَّا أَرَا غَوَا أَرَا غَاةً اللَّهُ فَلَوَّيْهُمْ وَاللَّهُ لَكَافٍ
الْقَوْمَ الْفَاسِقِينَ ⑥

وَاذْ قَالَ عِيسَى ابْنُ مَرْيَمَ بَنِي إِسْرَءِيلَ لِقَوْلِي رَسُولُ اللَّهِ إِلَيْكُمْ
مُصَدِّقًا لِمَا بَيْنَ يَدَيَّ مِنَ التَّوْرَةِ وَمُبَشِّرًا بِرَسُولٍ يَأْتِي
مِنْ بَعْدِي اسْمُهُ أَحْمَدُ فَلَمَّا جَاءَهُمْ بِالْبَيِّنَاتِ قَالُوا

راہ میں صف بستہ جماد کرتے ہیں گویا وہ سیسہ پلائی ہوئی
عمارت ہیں۔^(۱) (۳)

اور (یاد کرو) جبکہ موسیٰ نے اپنی قوم سے کہا اے میری قوم
کے لوگو! تم مجھے کیوں ستا رہے ہو حالانکہ تمہیں (بخوبی)
معلوم ہے کہ میں تمہاری جانب اللہ کا رسول ہوں^(۲) پس جب
وہ لوگ ٹیڑھے ہی رہے تو اللہ نے انکے دلوں کو (اور) ٹیڑھا کر
دیا،^(۳) اور اللہ تعالیٰ نافرمان قوم کو ہدایت نہیں دیتا۔ (۵)

اور جب مریم کے بیٹے عیسیٰ نے کہا اے (میری قوم) بنی
اسرائیل! میں تم سب کی طرف اللہ کا رسول ہوں مجھ سے
پہلے کی کتاب تورات کی میں تصدیق کرنے والا ہوں^(۴) اور
اپنے بعد آنے والے ایک رسول کی میں تمہیں خوشخبری

(۱) یہ جماد کا ایک انتہائی نیک عمل بتلایا گیا جو اللہ کو بہت محبوب ہے۔

(۲) یہ جانتے ہوئے بھی کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اللہ کے سچے رسول ہیں، بنی اسرائیل انہیں اپنی زبان سے ایذا پہنچاتے
تھے، حتیٰ کہ بعض جسمانی عیوب ان کی طرف منسوب کرتے تھے، حالانکہ وہ بیماری ان کے اندر نہیں تھی۔

(۳) یعنی علم کے باوجود حق سے اعراض کیا اور حق کے مقابلے میں باطل کو خیر کے مقابلے میں شر کو اور ایمان کے مقابلے
میں کفر کو اختیار کیا، تو اللہ تعالیٰ نے اس کی سزا کے طور پر ان کے دلوں کو مستقل طور پر ہدایت سے پھیر دیا۔ کیونکہ یہی
سنت اللہ چلی آرہی ہے۔ کفر و ضلالت پر دوام و استمرار ہی دلوں پر مہر لگنے کا باعث ہوتا ہے، پھر فسق، کفر اور ظلم اس کی
طبیعت اور عادت بن جاتی ہے، جس کو کوئی بدلنے پر قادر نہیں ہے۔ اسی لیے آگے فرمایا، اللہ تعالیٰ نافرمانوں کو ہدایت
نہیں دیتا۔ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے ایسے لوگوں کو اپنی سنت کے مطابق گمراہ کیا ہوتا ہے، اب کون اسے ہدایت دے سکتا
ہے جسے اس طریقے سے اللہ نے گمراہ کیا ہو؟

(۴) حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا قصہ اس لیے بیان فرمایا کہ بنی اسرائیل نے جس طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام کی نافرمانی
کی، اسی طرح انہوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا بھی انکار کیا، اس میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دی جا رہی ہے کہ
یہ یہود آپ ﷺ ہی کے ساتھ اس طرح نہیں کر رہے ہیں، بلکہ ان کی تو ساری تاریخ ہی انبیاء علیہم السلام کی تکذیب
سے بھری پڑی ہے۔ تورات کی تصدیق کا مطلب یہ ہے کہ میں جو دعوت دے رہا ہوں، وہ وہی ہے جو تورات کی بھی
دعوت ہے۔ جو اس بات کی دلیل ہے کہ جو پیغمبر مجھ سے پہلے تورات لے کر آئے اور اب میں انجیل لے کر آیا ہوں، ہم
دونوں کا اصل ماخذ ایک ہی ہے۔ اس لیے جس طرح تم موسیٰ و ہارون اور داود و سلیمان علیہم السلام پر ایمان لائے، مجھ پر

هَذَا صِرَاطٌ مُبِينٌ ①

سنائے والا ہوں جن کا نام احمد ہے۔^(۱) پھر جب وہ انکے پاس کھلی دلیلیں لائے تو یہ کہنے لگے، یہ تو کھلا جادو ہے۔^(۲)

اس شخص سے زیادہ ظالم اور کون ہو گا جو اللہ پر جھوٹ (افترا) باندھے^(۳) حالانکہ وہ اسلام کی طرف بلایا جاتا ہے^(۴) اور اللہ ایسے ظالموں کو ہدایت نہیں کرتا۔^(۵) وہ چاہتے ہیں کہ اللہ کے نور کو اپنے منہ سے بجھادیں^(۶) اور اللہ اپنے نور کو کمال تک پہنچانے والا ہے^(۷) لہٰذا کافر برا مانیں۔ (۸)

وہی ہے جس نے اپنے رسول کو ہدایت اور سجادین دے کر بھیجا تاکہ اسے اور تمام مذاہب پر غالب کر دے^(۸)

وَمَنْ أَظْلَمُ مِمَّنْ افْتَرَىٰ عَلَى اللَّهِ الْكَذِبَ وَهُوَ يُدْعَىٰ إِلَىٰ
الْإِسْلَامِ وَاللَّهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظَّالِمِينَ ②

يُرِيدُونَ لِيُطْفِئُوا نُورَ الْبَيِّنَاتِ وَاللَّهُ مُمِيتُ
نُورِهِ ③ وَلَوْ كَرِهَ الْكَافِرُونَ ④

هُوَ الَّذِي أَرْسَلَ رَسُولَهُ بِالْهُدَىٰ وَدِينِ الْحَقِّ لِيُظَاهِرَهُ عَلَى الْبَيِّنَاتِ
كُلِّهَا وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُونَ ⑤

بھی ایمان لاؤ، اس لیے کہ میں تورات کی تصدیق کر رہا ہوں نہ کہ اس کی تردید و تکذیب۔

(۱) یہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اپنے بعد آنے والے آخری پیغمبر حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کی خوش خبری سنائی۔ چنانچہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اَنَا دَعْوَةُ أَبِي إِبْرَاهِيمَ وَبَشَارَةُ عِيسَى (اُبسر العفاسیر) ”میں اپنے باپ ابراہیم علیہ السلام کی دعا اور عیسیٰ علیہ السلام کی بشارت کا مصداق ہوں۔“ احمد، یہ فاعل سے اگر مبالغے کا معنی ہو تو معنی ہوں گے، دوسرے تمام لوگوں سے اللہ کی زیادہ حمد کرنے والا۔ اور اگر یہ مفعول سے ہو تو معنی ہوں گے کہ آپ ﷺ کی خوبیوں اور کمالات کی وجہ سے جتنی تعریف آپ ﷺ کی کی گئی، اتنی کسی کی بھی نہیں کی گئی۔ (فتح القدر)

(۲) یعنی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے پیش کردہ معجزات کو جادو سے تعبیر کیا، جس طرح گزشتہ قومیں بھی اپنے پیغمبروں کو اسی طرح کستی رہی ہیں۔ بعض نے اس سے مراد نبی صلی اللہ علیہ وسلم لیے ہیں اور قَالُوا کا فاعل کفار مکہ کو بنایا ہے۔

(۳) یعنی اللہ کی اولاد قرار دے، یا جو جانور اس نے حرام قرار نہیں دیئے، ان کو حرام باور کرائے۔

(۴) جو تمام دینوں میں اشرف اور اعلیٰ ہے، اس لیے جو شخص ایسا ہو، اس کو کب یہ زیب دیتا ہے کہ وہ کسی پر بھی افترا گھڑے، چہ جائیکہ اللہ پر افترا باندھے؟

(۵) نور سے مراد قرآن، یا اسلام یا محمد صلی اللہ علیہ وسلم یا دلائل و براہین ہیں۔ ”منہ سے بجھادیں“ کا مطلب، وہ طعن و تشنیع کی باتیں ہیں جو ان کے مومنوں سے نکلتی تھیں۔

(۶) یعنی اس کو آفاق میں پھیلانے والا اور دوسرے تمام دینوں پر غالب کرنے والا ہے۔ دلائل کے لحاظ سے، یا مادی غلبے کے لحاظ سے یا دونوں لحاظ سے۔

(۷) یہ گزشتہ بات ہی کی تائید ہے، اس کی اہمیت کے پیش نظر اسے پھر دہرایا گیا ہے۔

اگرچہ مشرکین ناخوش ہوں۔^(۱) (۹)

اے ایمان والو! کیا میں تمہیں وہ تجارت بتلا دوں^(۲) جو تمہیں دردناک عذاب سے بچالے؟ (۱۰)

اللہ تعالیٰ پر اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ اور اللہ کی راہ میں اپنے مال اور اپنی جانوں سے جہاد کرو۔ یہ تمہارے لیے بہتر ہے اگر تم میں علم ہو۔ (۱۱)

اللہ تعالیٰ تمہارے گناہ معاف فرما دے گا اور تمہیں ان جنتوں میں پہنچائے گا جن کے نیچے نہریں جاری ہوں گی اور صاف ستھرے گھروں میں جو جنت عدن میں ہوں گے، یہ بہت بڑی کامیابی ہے۔ (۱۲)

اور تمہیں ایک دوسری (نعت) بھی دے گا جسے تم چاہتے ہو وہ اللہ کی مدد اور جلد فتح یابی ہے، ^(۳) ایمان والوں کو خوشخبری دے دو۔ ^(۴) (۱۳)

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا هَلْ أَذِلُّكُمْ عَلَى تَعَارُفِ تَخْيِيمِكُمْ مِنْ عَذَابِ إِلَهٍ ۝١٠

تُؤْمِنُونَ بِاللّٰهِ وَرُسُلِهِ وَتُجَاهِدُونَ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ بِأَمْوَالِكُمْ
وَأَنْفُسِكُمْ ذَٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ إِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُونَ ۝

يَعْرِفُكُمْ ذُنُوبَكُمْ وَيُدْخِلُكُمْ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ
وَمَسْكِنٍ طَيِّبَةٍ فِي جَنَّاتٍ عَدْنٍ ذَلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيمُ ﴿١٢﴾

وَأُخْرَىٰ تُحِبُّونَهَا نَصْرٌ مِّنَ اللَّهِ وَفَتْحٌ قَرِيبٌ وَبَشِيرٌ لِّلْمُؤْمِنِينَ ﴿١٣﴾

(۱) تاہم یہ لامحالہ ہو کر رہے گا۔

(۲) اس عمل (یعنی ایمان اور جہاد) کو تجارت سے تعبیر کیا، اس لیے کہ اس میں بھی انہیں تجارت کی طرح ہی نفع ہوگا، اور وہ نفع کیا ہے؟ جنت میں داخلہ اور جہنم سے نجات۔ اس سے بڑا نفع اور کیا ہوگا، اور وہ نفع کیا ہے؟ اس بات کو دوسرے مقام پر اس طرح بیان فرمایا: ﴿إِنَّ اللَّهَ اشْتَرَىٰ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ أَنفُسَهُمْ وَأَمْوَالَهُمْ بِأَنَّهُمْ ابْتَغَىٰ

(۳) یعنی جب تم اس کی راہ میں لڑو گے اور اس کے دین کی مدد کرو گے، تو وہ بھی تمہیں فتح و نصرت سے نوازے گا۔ ﴿إِنَّ مَصْرُوعًا لِلَّهِ يُصْرَعُ﴾ (سورۃ محمد: ۷) ﴿وَلَيَصْرَعَنَّ اللَّهُ مَن يَصْرَعُ﴾ (سورۃ محمد: ۷) ﴿وَلَيَصْرَعَنَّ اللَّهُ مَن يَصْرَعُ﴾ (سورۃ محمد: ۷) (الحج: ۳۰) آخرت کی نعمتوں کے مقابلے میں اسے فتح قریب، قرار دیا۔ اور اس سے مراد فتح مکہ ہے اور بعض نے فارس و روم کی عظیم الشان سلطنتوں پر مسلمانوں کے غلبے کو اس کا مصداق قرار دیا ہے۔ جو خلافت راشدہ میں مسلمانوں کو حاصل ہوا۔

(۴) جنت کی بھی 'مرنے کے بعد' اور فتح و نصرت کی بھی 'دنیا میں' بشرطیکہ اہل ایمان ایمان کے تقاضے پورے کرتے رہیں۔ ﴿وَأَنْتُمْ أَكْثَرُونَ إِنَّ كُنْتُمْ مُؤْمِنِينَ﴾ (آل عمران ۱۴۹) آگے اللہ تعالیٰ مومنوں کو اپنے دس کی نصرت کی مزید ترغیب دے رہا ہے۔

اے ایمان والو! تم اللہ تعالیٰ کے مددگار بن جاؤ۔^(۱) جس طرح حضرت مریم کے بیٹے حضرت عیسیٰ نے حواریوں سے فرمایا کہ کون ہے جو اللہ کی راہ میں میرا مددگار بنے؟ حواریوں نے کہا، ہم اللہ کی راہ میں مددگار ہیں،^(۲) پس بنی اسرائیل میں سے ایک جماعت تو ایمان لائی اور ایک جماعت نے کفر کیا^(۳) تو ہم نے مومنوں کی انکے دشمنوں کے مقابلہ میں مدد کی پس وہ غالب آگئے۔^(۴) (۱۳)

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُونُوا أَنْصَارَ اللَّهِ كَمَا قَالَ عِيسَى ابْنُ مَرْيَمَ لِحَوَارِيِّينَ مَنْ أَنْصَارِي إِلَى اللَّهِ قَالَ الْحَوَارِيُّونَ عَنْ أَنْصَارِ اللَّهِ فَأَمْنَتْ ظِلَامُهُ مِنَ بَنِي إِسْرَءِيلَ وَكَفَرَتْ ظِلَامُهُ فَأَيَّدْنَا الَّذِينَ آمَنُوا عَلَى عَدُوِّهِمْ فَأَصْبَحُوا ظَاهِرِينَ ﴿١٣﴾

(۱) تمام حالتوں میں، اپنے اقوال و افعال کے ذریعے سے بھی اور جان و مال کے ذریعے سے بھی۔ جب بھی، جس وقت بھی اور جس حالت میں بھی تمہیں اللہ اور اس کا رسول اپنے دین کے لیے پکارے تم فوراً ان کی پکار پر لبیک کہو، جس طرح حواریین نے عیسیٰ علیہ السلام کی پکار پر لبیک کہا۔

(۲) یعنی ہم آپ ﷺ کے اس دین کی دعوت و تبلیغ میں مددگار ہیں جس کی نشرو اشاعت کا حکم اللہ نے آپ ﷺ کو دیا ہے۔ اسی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایام حج میں فرماتے ”کون ہے جو مجھے پناہ دے تاکہ میں لوگوں تک اللہ کا پیغام پہنچا سکوں، اس لیے کہ قریش مجھے فریضہ رسالت ادا نہیں کرنے دیتے۔“ حتیٰ کہ آپ ﷺ کی اس پکار پر مدینے کے اوس اور خزرج نے لبیک کہا، آپ ﷺ کے ہاتھ پر انہوں نے بیعت کی اور آپ ﷺ کی مدد کا وعدہ کیا۔ نیز آپ ﷺ کو یہ پیشکش کی کہ اگر آپ ﷺ ہجرت کر کے مدینہ آجائیں تو آپ ﷺ کی حفاظت کی ذمہ داری ہم قبول کرتے ہیں۔ چنانچہ جب آپ ﷺ ہجرت کر کے مدینہ تشریف لے گئے تو وعدے کے مطابق انہوں نے آپ ﷺ کی اور آپ ﷺ کے تمام ساتھیوں کی پوری مدد کی۔ حتیٰ کہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ نے ان کا نام ہی ”انصار“ رکھ دیا اور اب یہ ان کا علم بن گیا۔ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمْ وَأَوْصَاَهُمْ (ابن کثیر)

(۳) یہ یہود تھے جنہوں نے نبوت عیسیٰ علیہ السلام ہی کا انکار نہیں کیا بلکہ ان پر اور ان کی ماں پر بہتان تراشی کی۔ بعض کہتے ہیں کہ یہ اختلاف و تفرق اس وقت ہوا، جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو آسمان پر اٹھایا گیا۔ ایک نے کہا کہ عیسیٰ علیہ السلام کی شکل میں اللہ تعالیٰ نے ہی زمین پر ظہور فرمایا تھا، اب وہ پھر آسمان پر چلا گیا ہے، یہ فرقہ یعقوبیہ کہلاتا ہے۔ نسطوریہ فرقے نے کہا کہ وہ ابن اللہ تھے، باپ نے بیٹے کو آسمان پر بلا لیا ہے۔ تیسرے فرقے نے کہا وہ اللہ کے بندے اور اس کے رسول تھے، یہی فرقہ صحیح تھا۔

(۴) یعنی نبی ﷺ کو مبعوث فرما کر ہم نے اسی آخری جماعت کی، دوسرے باطل گروہوں کے مقابلے میں مدد کی۔ چنانچہ یہ صحیح عقیدے کی حامل جماعت نبی ﷺ پر بھی ایمان لے آئی اور یوں ہم نے ان کو دلائل کے لحاظ سے بھی سب کافروں پر غلبہ عطا فرمایا اور قوت و سلطنت کے اعتبار سے بھی۔ اس غلبے کا آخری ظہور اس وقت پھر ہوگا، جب قیامت کے قریب حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا دوبارہ نزول ہوگا، جیسا کہ اس نزول اور غلبے کی صراحت احادیث صحیحہ میں تو اتر کے ساتھ منقول ہے۔

سورۃ جمعہ مدنی ہے اور اس میں گیارہ آیتیں اور
دور کو ع ہیں۔



بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

يُسَبِّحُ لَهُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ الْمَلِكِ الْقَدُّوسِ

الْعَزِيزِ الْحَكِيمِ ①

هُوَ الَّذِي بَعَثَ فِي الْاُمَمِ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ يَتْلُو عَلَيْهِمْ اٰیٰتِهِ وَيُزَكِّيهِمْ
وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَلَوْلَا الَّذِيْنَ قَبْلُ لَفِی ضَلٰلٍ مُّبِیْنٍ ②

وَالَّذِیْنَ مِنْهُمْ لَا یَلْعَنُوْا اِیْمًا هُوَ الْعَزِيزُ الْحَلِیْمُ ③

شروع کرتا ہوں اللہ تعالیٰ کے نام سے جو بڑا مہربان
نہایت رحم والا ہے۔

(ساری چیزیں) جو آسمانوں اور زمین میں ہیں اللہ تعالیٰ کی
پاکी بیان کرتی ہیں (جو) بادشاہ نہایت پاک (ہے) غالب و
با حکمت ہے۔ (۱)

وہی ہے جس نے ناخواندہ لوگوں (۱) میں ان ہی میں سے
ایک رسول بھیجا جو انہیں اس کی آیتیں پڑھ کر سنا رہا ہے
اور ان کو پاک کرتا ہے اور انہیں کتاب و حکمت سکھاتا
ہے۔ یقیناً یہ اس سے پہلے کھلی گمراہی میں تھے۔ (۲)

اور دوسروں کے لیے بھی انہی میں سے جو اب تک ان
سے نہیں (۳) ملے۔ اور وہی غالب با حکمت ہے۔ (۳)

☆ نبی صلی اللہ علیہ وسلم جمعہ کی نماز میں سورۃ جمعہ اور منافقون پڑھا کرتے تھے (صحیح مسلم، کتاب الجمعة،
باب ما یقرأ فی صلوة الجمعة) تاہم ان کا جمعہ کی رات کو عشا کی نماز میں پڑھنا صحیح روایت سے ثابت نہیں۔ البتہ ایک
ضعیف روایت میں آیا آتا ہے۔ (السان المیزان لابن حجر ترجمۃ سعید بن سما لثین حرب)

(۱) اُمَمِیْنَ سے مراد عرب ہیں جن کی اکثریت ان پڑھ تھی۔ ان کے خصوصی ذکر کا یہ مطلب نہیں کہ آپ ﷺ کی رسالت
دوسروں کے لیے نہیں تھی، لیکن چونکہ اولین مخاطب وہ تھے، اس لیے اللہ کا ان پر یہ زیادہ احسان تھا۔

(۲) یہ اُمَمِیْنَ پر عطف ہے یعنی بَعَثَ فِیْ اٰخَرِیْنَ مِنْهُمْ اٰخَرِیْنَ سے فارس اور دیگر غیر عرب لوگ ہیں جو قیامت تک
آپ ﷺ پر ایمان لانے والے ہوں گے۔ بعض کہتے ہیں کہ عرب و عجم کے وہ تمام لوگ ہیں جو عہد صحابہ (رضی اللہ عنہم) کے بعد
قیامت تک ہوں گے چنانچہ اس میں فارس، روم، بربڑ، سوڈان، ترک، مغول، کرد، چینی اور اہل ہند وغیرہ سب آجاتے
ہیں۔ یعنی آپ ﷺ کی نبوت سب کے لیے ہے چنانچہ یہ سب ہی آپ ﷺ پر ایمان لائے۔ اور اسلام لانے کے بعد یہ
بھی مِنْهُمْ کا مصداق یعنی اولین اسلام لانے والے اُمَمِیْنَ میں سے ہو گئے کیونکہ تمام مسلمان امت واحدہ ہیں۔ اسی ضمیر کی
وجہ سے بعض کہتے ہیں کہ آخرین سے مراد بعد میں ہونے والے عرب ہیں کیونکہ مِنْهُمْ کی ضمیر کا مرجع اُمَمِیْنَ ہیں۔ (فتح القدیر)

ذَلِكَ فَضْلُ اللَّهِ يُؤْتِيهِ مَنْ يَشَاءُ اللَّهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيمِ ۝

مَثَلُ الَّذِينَ حَبَلُوا الْقَوْلَ لَكُمْ تَقَبُّلُوهَا كَمَثَلِ الْجِبَالِ الَّتِي
أَسْفَارًا يَمْشِي مَثَلُ الْقَوْمِ الَّذِينَ كَذَبُوا آيَاتِ اللَّهِ وَاللَّهُ لَا يَهْدِي
الْقَوْمَ الظَّالِمِينَ ۝

قُلْ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ هَادُوا إِنْ زَعَمْتُمْ أَنتُمْ آبَاءُ اللَّهِ مِنْ دُونِ
الَّذِينَ فَتَنَّاوُا الْمَوْتَ إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ ۝

یہ اللہ کا فضل ہے ^(۱) جسے چاہے اپنا فضل دے اور اللہ تعالیٰ بہت بڑے فضل کا مالک ہے۔ (۳)

جن لوگوں کو تورات پر عمل کرنے کا حکم دیا گیا پھر انہوں نے اس پر عمل نہیں کیا ان کی مثال اس گدھے کی سی ہے جو بہت سی کتابیں لادے ہو۔ ^(۲) اللہ کی باتوں کو جھٹلانے والوں کی بڑی بڑی مثال ہے اور اللہ (ایسے) ظالم قوم کو ہدایت نہیں دیتا۔ (۵)

کہہ دیجئے کہ اے یہودیو! اگر تمہارا دعویٰ ہے کہ تم اللہ کے دوست ہو دوسرے لوگوں کے سوا ^(۳) تو تم موت کی تمنا کرو ^(۴) اگر تم سچے ہو۔ ^(۵) (۶)

(۱) یہ اشارہ نبوت محمدی (عَلَى صَاحِبِهَا الصَّلَاةُ وَالْطَّحِيَّةُ) کی طرف بھی ہو سکتا ہے اور اس پر ایمان لانے والوں کی طرف بھی۔

(۲) أَسْفَارًا، سَفَر کی جمع ہے۔ معنی ہیں بڑی کتاب۔ کتاب جب پڑھی جاتی ہے تو انسان اس کے معنوں میں سفر کرتا ہے۔ اس لیے کتاب کو بھی سفر کہا جاتا ہے (فتح القدیر) یہ بے عمل یہودیوں کی مثال بیان کی گئی ہے کہ جس طرح گدھے کو معلوم نہیں ہوتا کہ اس کی کمر پر جو کتابیں لدی ہوئی ہیں، ان میں کیا لکھا ہوا ہے؟ یا اس پر کتابیں لدی ہوئی ہیں یا کوڑا کرکٹ۔ اسی طرح یہ یہودی ہیں یہ تورات کو تو اٹھائے پھرتے ہیں، اس کو پڑھنے اور یاد کرنے کے وعدے بھی کرتے ہیں، لیکن اسے سمجھتے ہیں نہ اس کے مقتضایہ عمل کرتے ہیں، بلکہ اس میں تاویل و تحریف اور تغیر و تبدل سے کام لیتے ہیں۔ اس لیے یہ حقیقت میں گدھے سے بھی بدتر ہیں، کیونکہ گدھا تو پیدائشی طور پر فہم و شعور سے ہی عاری ہوتا ہے، جب کہ ان کے اندر فہم و شعور ہے لیکن یہ اسے صحیح طریقے سے استعمال نہیں کرتے۔ اسی لیے آگے فرمایا کہ ان کی بڑی بری مثال ہے۔ اور دوسرے مقام پر فرمایا، ﴿أُولَٰئِكَ كَالْأَعْمَىٰ﴾ (الأعراف: ۷۹) ”یہ چوپائے کی طرح ہیں بلکہ ان سے بھی زیادہ گمراہ۔“ یہی مثال مسلمانوں کی اور بالخصوص علما کی ہے جو قرآن پڑھتے ہیں، اسے یاد کرتے ہیں اور اس کے معانی و مطالب کو سمجھتے ہیں، لیکن اس کے مقتضایہ عمل نہیں کرتے۔

(۳) جیسے وہ کہا کرتے تھے کہ ”ہم اللہ کے بیٹے اور اس کے چہیتے ہیں۔“ (المائدہ: ۱۸) اور دعویٰ کرتے تھے کہ ”جنت میں صرف وہی جائے گا جو یہودی یا نصرانی ہو گا۔“ (البقرہ: ۱۱۱)

(۴) تاکہ تمہیں وہ اعزاز و اکرام حاصل ہو جو تمہارے زعم کے مطابق تمہارے لیے ہونا چاہیے۔

(۵) اس لیے کہ جس کو یہ علم ہو کہ بعد اس کے لیے جنت ہے، وہ تو ہاں جلد بچنے کا خواہش مند ہوتا ہے۔ حافظ ابن



اور تجھ پر سے تیرا بوجھ ہم نے اتار دیا۔ (۲) ^(۱)	وَوَضَعْنَا عَنْكَ وِزْرَكَ ۝
جس نے تیری پیٹھ توڑ دی تھی۔ (۳)	الَّذِي أَنْقَضَ ظَهْرَكَ ۝
اور ہم نے تیرا اڈ کر بلند کر دیا۔ (۴) ^(۲)	وَرَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ ۝
پس یقیناً مشکل کے ساتھ آسانی ہے۔ (۵)	فَإِنَّ مَعَ الْعُسْرِ يُسْرًا ۝
بیشک مشکل کے ساتھ آسانی ہے۔ (۶) ^(۳)	إِنَّ مَعَ الْعُسْرِ يُسْرًا ۝

ان میں پہلا ہے۔ اس کا مطلب ہے سینے کا منور اور فراخ ہو جانا، تاکہ حق واضح بھی ہو جائے اور دل میں سائبھی جائے۔ اسی مفہوم میں قرآن کریم کی یہ آیت ہے ﴿فَمَنْ يُرِ اللَّهَ أَنْ يُهَيِّئَ كَيْفَ يَشْرُكَ صَدْرَهُ لِلْإِسْلَامِ﴾ (سورۃ الأنعام: ۱۲۵) جس کو اللہ تعالیٰ ہدایت سے نوازنے کا ارادہ کرے، اس کا سینہ اسلام کے لیے کھول دیتا ہے۔ یعنی وہ اسلام کو دین حق کے طور پر پہچان بھی لیتا ہے اور اسے قبول بھی کر لیتا ہے۔ اس شرح صدر میں وہ شق صدر بھی آجاتا ہے جو معتبر روایات کی رو سے دو مرتبہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا کیا گیا۔ ایک مرتبہ بچپن میں، جب کہ آپ ﷺ عمر کے چوتھے سال میں تھے۔ حضرت جبرائیل علیہ السلام آئے اور انہوں نے آپ ﷺ کا دل حیرا اور اس سے وہ حصہ شیطانی نکال دیا جو ہر انسان کے اندر ہے، پھر اسے دھو کر بند کر دیا، (صحیح مسلم، کتاب الإیمان، باب الإسرائاء) دوسری مرتبہ معراج کے موقع پر۔ اس موقع پر آپ ﷺ کا سینہ مبارک چاک کر کے دل نکالا گیا، اسے آب زمزم سے دھو کر اپنی جگہ رکھ دیا گیا اور اسے ایمان و حکمت سے بھر دیا گیا۔ (صحیحین، أبواب المعراج و کتاب الصلوۃ)

(۱) یہ بوجھ نبوت سے قبل چالیس سالہ دور زندگی سے متعلق ہے۔ اس دور میں اگرچہ اللہ نے آپ ﷺ کو گناہوں سے محفوظ رکھا، کسی بت کے سامنے آپ ﷺ سجدہ ریز نہیں ہوئے، کبھی شراب نوشی نہیں کی اور بھی دیگر برائیوں سے دامن کش رہے، تاہم معروف معنوں میں اللہ کی عبادت و اطاعت کا نہ آپ ﷺ کو علم تھا نہ آپ ﷺ نے کی۔ اس لیے آپ ﷺ کے دل و دماغ پر اس چالیس سالہ عدم عبادت و عدم اطاعت کا بوجھ تھا، جو حقیقت میں تو نہیں تھا، لیکن آپ ﷺ کے احساس و شعور نے اسے بوجھ بنا رکھا تھا۔ اللہ نے اسے اتار دینے کا اعلان فرما کر آپ ﷺ پر احسان فرمایا۔ یہ گویا وہی مفہوم ہے جو ﴿لَيَقُولَنَّ اللَّهُ تَعَالَى مِنْ دُونِكَ مَا تَأْكُلُ﴾ (سورۃ الفتح) کا ہے۔ بعض کہتے ہیں، یہ نبوت کا بوجھ تھا جسے اللہ نے ہلکا کر دیا، یعنی اس راہ کی مشکلات برداشت کرنے کا حوصلہ اور تبلیغ و دعوت میں آسانیاں پیدا فرمادیں۔

(۲) یعنی جہاں اللہ کا نام آتا ہے وہیں آپ ﷺ کا نام بھی آتا ہے۔ مثلاً اذان، نماز اور دیگر بہت سے مقامات پر، گزشتہ کتابوں میں آپ ﷺ کا تذکرہ اور صفات کی تفصیل ہے، فرشتوں میں آپ ﷺ کا ذکر خیر ہے، آپ ﷺ کی اطاعت کو اللہ نے اپنی اطاعت قرار دیا اور اپنی اطاعت کے ساتھ ساتھ آپ ﷺ کی اطاعت کا بھی حکم دیا، وغیرہ۔

(۳) یہ آپ ﷺ کے لیے اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے لیے خوشخبری ہے کہ تم اسلام کی راہ میں جو تکلیفیں برداشت کر رہے ہو تو گھبرانے کی ضرورت نہیں ہے۔ اس کے بعد ہی اللہ تمہیں فراغت و آسانی سے نوازے گا۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا جسے

فَإِذَا قَرَعْتَ فَانْصَبْ ①
وَالِ رَيْكَ فَارْغَبْ ②

پس جب تو فارغ ہو تو عبادت میں محنت کر۔ (۷)
اور اپنے پروردگار ہی کی طرف دل لگا۔ (۸)

سورہ تین کی ہے اور اس میں آٹھ آیتیں ہیں۔

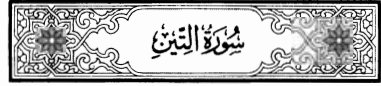
شروع کرتا ہوں اللہ تعالیٰ کے نام سے جو بڑا مہربان
نہایت رحم والا ہے۔

قسم ہے انجیر کی اور زیتون کی۔ (۱)

اور طور سینین کی۔ (۲)

اور اس امن والے شہر کی۔ (۳)

یقیناً ہم نے انسان کو بہترین صورت میں پیدا کیا۔ (۴)



بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ ③

وَالَّتَيْنِ وَالزَّيْتُونِ ①

وَالطُّورِ سِينِينَ ②

وَهَذَا الْبَلَدِ الْأَمِينِ ③

لَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنْسَانَ فِي أَحْسَنِ تَقْوِيمٍ ④

ساری دنیا جانتی ہے۔

(۱) یعنی نماز سے یا تبلیغ سے یا جہاد سے، تو دعا میں محنت کر یا اتنی عبادت کر کہ تو تھک جائے۔

(۲) یعنی اسی سے جنت کی امید رکھ، اسی سے اپنی حاجتیں طلب کر اور تمام معاملات میں اسی پر اعتماد اور بھروسہ رکھ۔

(۳) یہ وہی کوہ طور ہے جہاں اللہ تعالیٰ حضرت موسیٰ علیہ السلام سے ہم کلام ہوا تھا۔

(۴) اس سے مراد مکہ مکرمہ ہے، جس میں قال کی اجازت نہیں ہے۔ علاوہ ازیں جو اس میں داخل ہو جائے، اسے بھی امن حاصل ہو جاتا ہے۔ بعض مفسرین کہتے ہیں کہ یہ دراصل تین مقامات کی قسم ہے، جن میں سے ہر ایک جگہ میں جلیل القدر، صاحب شریعت پیغمبر مبعوث ہوا۔ انجیر اور زیتون سے مراد وہ علاقہ ہے جہاں اس کی پیدوار ہے اور وہ ہے بیت المقدس، جہاں حضرت عیسیٰ علیہ السلام پیغمبر بن کر آئے۔ طور سینا یا سینین پر حضرت موسیٰ علیہ السلام کو نبوت عطا کی گئی اور شہر مکہ میں سید المرسل حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت ہوئی۔ (ابن کثیر)

(۵) یہ جواب قسم ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ہر مخلوق کو اس طرح پیدا کیا ہے کہ اس کا منہ نیچے کو جھکا ہوا ہے صرف انسان کو دراز قامت، سیدھا بنایا ہے جو اپنے ہاتھوں سے کھانا پیتا ہے۔ پھر اس کے اعضا کو نہایت تناسب کے ساتھ بنایا، ان میں جانوروں کی طرح بے ڈھنگ پن نہیں ہے۔ ہر اہم عضو دو دو بنائے اور ان میں نہایت مناسب فاصلہ رکھا، پھر اس میں عقل و تدبیر، فہم و حکمت اور سمع و بصر کی قوتیں ودیعت کیں، جو دراصل یہ انسان اللہ کی قدرت کا مظہر اور اس کا پر تو ہے۔ بعض علما نے اس حدیث کو بھی اسی معنی و مفہوم پر محمول کیا ہے، جس میں ہے کہ إِنَّ اللَّهَ خَلَقَ آدَمَ عَلَى صُورَتِهِ (مسلم، کتاب البر والصلة والآداب) ”اللہ تعالیٰ نے آدم کو اپنی صورت پر پیدا فرمایا“ انسان کی پیدائش میں ان تمام چیزوں کا اہتمام ہی احسن تقویم ہے، جس کا ذکر اللہ نے تین قسموں کے بعد فرمایا۔ (فتح القدیر)

ثُمَّ رَدَدْنَاهُ أَسْفَلَ سَافِلِينَ ۝

إِلَّا الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ فَلَهُمْ أَجْرٌ غَيْرُ مَمْنُونٍ ۝

فَمَا يَكْبُدُكَ بَعْدُ يَا دِينَ ۝

أَلَيْسَ اللَّهُ بِأَحْكَمَ الْعَالَمِينَ ۝

پھر اسے نیچوں سے نیچا کر دیا۔^(۱)

لیکن جو لوگ ایمان لائے اور (پھر) نیک عمل کیے تو ان کے لیے ایسا اجر ہے جو کبھی ختم نہ ہو گا۔^(۲)

پس تجھے اب روز جزا کے جھٹلانے پر کون سی چیز آمادہ کرتی ہے۔^(۳)

کیا اللہ تعالیٰ (سب) حاکموں کا حاکم نہیں ہے۔^(۴)

سورہ علق کی ہے اور اس میں انیس آیتیں ہیں۔

شروع کرتا ہوں اللہ تعالیٰ کے نام سے جو بڑا مہربان
نہایت رحم والا ہے۔

پڑھ اپنے رب کے نام سے جس نے پیدا کیا۔^(۵)



بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ ۝

إِقْرَأْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِي خَلَقَ ۝

(۱) یہ اشارہ ہے انسان کے ارذل عمر (بہت زیادہ عمر) کی طرف۔ جس میں جوانی اور قوت کے بعد بڑھاپا اور ضعف آجاتا ہے اور انسان کی عقل اور ذہن بچنے کی طرح ہو جاتا ہے۔ بعض نے اس سے کردار کا وہ سفلہ پن لیا ہے جس میں مبتلا ہو کر انسان انتہائی پست اور سانپ بچھو سے بھی زیادہ گیا گزرا ہو جاتا ہے اور بعض نے اس سے ذلت و رسوائی کا وہ عذاب مراد لیا ہے جو جہنم میں کافروں کے لیے ہے۔ گویا انسان اللہ اور رسول ﷺ کی اطاعت سے انحراف کر کے اپنے کو احسن تقویم کے بلند رتبہ و اعزاز سے گرا کر جہنم کے اسفل سافلین میں ڈال لیتا ہے۔

(۲) آیت ما قبل کے پہلے مفہوم کے اعتبار سے یہ جملہ مبینہ ہے، مومنوں کی کیفیت بیان کر رہا ہے اور دوسرے تیسرے مفہوم کے اعتبار سے، ما قبل کی تاکید ہے کہ اس انجام سے اس نے مومنوں کا اشتیاق کر دیا۔ (فتح القدیر)

(۳) یہ انسان سے خطاب ہے، 'زجر و توبیخ کے لیے۔ کہ اللہ نے تجھے بہترین صورت میں پیدا کیا اور وہ تجھے اس کے برعکس قعر ذلت میں بھی گرانے کی قدرت رکھتا ہے۔ اس کا مطلب ہے کہ اس کے لیے دوبارہ پیدا کرنا کوئی مشکل نہیں۔ اس کے بعد بھی توفیق اور جزا کا انکار کرتا ہے؟

(۴) جو کسی پر ظلم نہیں کرتا اور اس کے عدل ہی کا یہ تقاضا ہے کہ وہ قیامت برپا کرے اور ان کی دادرسی کرے جن پر دنیا میں ظلم ہوا۔ پہلے گزر چکا ہے کہ ایک ضعیف حدیث میں اس کا یہ جواب دینا مقول ہے۔ بَلَىٰ، وَأَنَا عَلَىٰ ذَٰلِكَ مِنَ الشَّاهِدِينَ (السرمدی)

(۵) یہ سب سے پہلی وحی ہے جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر اس وقت آئی جب آپ ﷺ غار حرا میں مصروف عبادت تھے۔ فرشتے نے آکر کہا، پڑھ، آپ ﷺ نے فرمایا، میں تو پڑھا ہوا ہی نہیں ہوں، فرشتے نے آپ ﷺ کو پکڑ کر زور سے

جس نے انسان کو خون کے لو تھڑے سے پیدا کیا۔^(۱)
 تو پڑھتا رہ تیرا رب بڑے کرم والا ہے۔^(۲)
 جس نے قلم کے ذریعے (علم) سکھایا۔^(۳)
 جس نے انسان کو وہ سکھایا جسے وہ نہیں جانتا تھا۔^(۴)
 سچ مچ انسان تو آپے سے باہر ہو جاتا ہے۔^(۵)
 اس لیے کہ وہ اپنے آپ کو بے پروا (یا تو نگر) سمجھتا ہے۔^(۷)

خَلَقَ الْإِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ ۖ
 إِفْرَأْ وَرَبُّكَ الْأَكْرَمُ ۖ
 الَّذِي عَلَّمَ بِالْقَلَمِ ۖ
 عَلَّمَ الْإِنْسَانَ مَا لَمْ يَعْلَمْ ۖ
 كَلَّا إِنَّ الْإِنْسَانَ لِكَفْلٍ ۖ
 إِنْ رَأَاهُ اسْتَعْصَمَ ۖ

إِنِّ إِلَىٰ رَبِّكَ الرُّجْعَىٰ ۖ
 أَرَأَيْتَ الَّذِي يُبْذَىٰ ۖ
 عَبْدًا إِذَا صَلَّىٰ ۖ
 أَرَأَيْتَ إِنْ كَانَ عَلَىٰ الْهُدَىٰ ۖ

یقیناً لو ٹھٹھا تیرے رب کی طرف ہے۔^(۸)
 (بھلا) اسے بھی تو نے دیکھا جو بندے کو روکتا ہے۔^(۹)
 جبکہ وہ بندہ نماز ادا کرتا ہے۔^(۱۰)
 بھلا بتلا تو اگر وہ ہدایت پر ہو۔^(۱۱)

بھینچا، اور کما پڑھ، آپ ﷺ نے پھر وہی جواب دیا۔ اس طرح تین مرتبہ اس نے آپ ﷺ کو بھینچا۔ (تفصیل کے لیے دیکھئے صحیح بخاری، بدء الوحي، مسلم، الایمان، باب بدء الوحي) آفرأ جو تیری طرف وحی کی جاتی ہے وہ پڑھ۔ خَلَقَ جس نے تمام مخلوق کو پیدا کیا۔

(۱) مخلوقات میں سے بطور خاص انسان کی پیدائش کا ذکر فرمایا جس سے اس کا شرف واضح ہے۔

(۲) یہ بطور تاکید فرمایا اور اس میں بڑے مبلغ انداز سے اس اعتذار کا بھی ازالہ فرمادیا، جو آپ ﷺ نے پیش کیا کہ میں تو قاری ہی نہیں۔ اللہ نے فرمایا، اللہ بہت کرم والا ہے پڑھ، یعنی انسانوں کی کوتاہیوں سے درگزر کرنا اس کا وصف خاص ہے۔

(۳) قَلَمُ کے معنی ہیں قطع کرنا، تراشنا، قلم بھی پہلے زمانے میں تراش کر ہی بنائے جاتے تھے، اس لیے آلہ کتابت کو قلم سے تعبیر کیا۔ کچھ علم تو انسان کے ذہن میں ہوتا ہے، کچھ کا اظہار زبان کے ذریعے سے ہوتا ہے اور کچھ انسان قلم سے کاغذ پر لکھ لیتا ہے۔ ذہن و حافظہ میں جو ہوتا ہے، وہ انسان کے ساتھ ہی چلا جاتا ہے۔ زبان سے جس کا اظہار کرتا ہے، وہ بھی محفوظ نہیں رہتا۔ البتہ قلم سے لکھا ہوا، اگر وہ کسی وجہ سے ضائع نہ ہو تو ہمیشہ محفوظ رہتا ہے، اسی قلم کی بدولت تمام علوم، پچھلے لوگوں کی تاریخیں اور اسلاف کا علمی ذخیرہ محفوظ ہے۔ حتیٰ کہ آسمانی کتابوں کی حفاظت کا بھی ذریعہ ہے۔ اس سے قلم کی اہمیت محتاج وضاحت نہیں رہتی۔ اسی لیے اللہ نے سب سے پہلے قلم کو پیدا کیا اور اس کو تمام مخلوقات کی تقدیر لکھنے کا حکم دیا۔

(۴) مفسرین کہتے ہیں کہ روکنے والے سے مراد ابو جہل ہے جو اسلام کا شدید دشمن تھا۔ عَبْدًا سے مراد نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔

(۵) یعنی جس کو یہ نماز پڑھنے سے روک رہا ہے، وہ ہدایت پر ہو۔

أَوْ أَمَرَ بِالْتَّقْوَىٰ ۝

أَرَيْتَ إِنْ كَذَّبَ وَتَوَلَّىٰ ۝

أَلَمْ يَعْلَم بِأَنَّ اللَّهَ يَرَىٰ ۝

كَلَّا لَئِنْ لَّمْ يَنْتَهِ لَنَسْفَعًا بِالنَّاصِيَةِ ۝

نَاصِيَةٍ كَاذِبَةٍ خَاطِئَةٍ ۝

فَلْيَذْخُرْ نَافِيَةً ۝

سَنَذَرُ الرَّبَّانِيَةَ ۝

یا پرہیزگاری کا حکم دیتا ہو۔^(۱)

بھلا دیکھو تو اگر یہ جھٹلاتا ہو اور منہ پھیرتا ہو تو۔^(۲)

کیا اس نے نہیں جانتا کہ اللہ تعالیٰ اسے خوب دیکھ رہا

ہے۔^(۳)

یقیناً اگر یہ باز نہ رہا تو ہم اس کی پیشانی کے بال پکڑ کر

گھسیٹیں گے۔^(۴)

ایسی پیشانی جو جھوٹی خطا کار ہے۔^(۵)

یہ اپنی مجلس والوں کو بلا لے۔^(۶)

ہم بھی (دوزخ کے) پیادوں کو بلا لیں گے۔^(۷)

(۱) یعنی اخلاص، توحید اور عمل صالح کی تعلیم، جس سے جہنم کی آگ سے انسان بچ سکتا ہے۔ تو کیا یہ چیزیں (نماز پڑھنا

اور تقویٰ کی تعلیم دینا) ایسی ہیں کہ ان کی مخالفت کی جائے اور اس پر اس کو دھمکیاں دیں جائیں؟

(۲) یعنی یہ ابو جہل اللہ کے پیغمبر کو جھٹلاتا ہو اور ایمان سے اعراض کرتا ہو اَزَّآیَتٍ بمعنی اُخْبَرْنِیْ (مجھے بتلاؤ) ہے۔

(۳) مطلب یہ ہے کہ یہ شخص جو مذکورہ حرکتیں کر رہا ہے کیا نہیں جانتا کہ اللہ تعالیٰ سب کچھ دیکھ رہا ہے، وہ اس کی اس کو جزا

دے گا۔ یعنی یہ اَلَمْ تَعْلَمْ مذکورہ شرطوں ﴿إِنْ كَانَ عَلَى الْهُدَىٰ﴾ * اَوْ اَمَرَ بِالْتَّقْوَىٰ ﴿﴾ اِنْ كَذَّبَ وَتَوَلَّىٰ ﴿﴾ کی جزا ہے۔

(۴) یعنی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت اور دشمنی سے اور آپ ﷺ کو نماز پڑھنے سے جو روکتا ہے، اس سے باز نہ

آیا لَنَسْفَعَنَّ کے معنی ہیں لَتَأْخُذَنَّ تو ہم اسے اس کی پیشانی سے پکڑ کر گھسیٹیں گے۔ حدیث میں آتا ہے ابو جہل نے

کہا تھا کہ اگر محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کعبے کے پاس نماز پڑھنے سے باز نہ آیا تو میں اس کی گردن پر پاؤں رکھ دوں گا۔ (یعنی

اسے روندوں گا اور یوں ذلیل کروں گا) نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ بات پہنچی تو آپ ﷺ نے فرمایا۔ اگر وہ ایسا کرتا تو

فرشتے اسے پکڑ لیتے۔“ (صحیح البخاری، تفسیر سورة العلق)

(۵) پیشانی کی یہ صفات بطور مجاز ہیں، جھوٹی ہے اپنی بات میں، خطا کار ہے اپنے فعل میں۔

(۶) حدیث میں آتا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم خانہ کعبہ کے پاس نماز پڑھ رہے تھے۔ ابو جہل گزرا تو کہا اے محمد! (صلی

اللہ علیہ وسلم) میں نے تجھے نماز پڑھنے سے منع نہیں کیا تھا؟ اور آپ ﷺ سے سخت دھمکی آمیز باتیں کیں، آپ ﷺ

نے کڑا جواب دیا تو کہنے لگا اے محمد! (صلی اللہ علیہ وسلم) تو مجھے کس چیز سے ڈراتا ہے؟ اللہ کی قسم، اس وادی میں سب

سے زیادہ میرے حمایتی اور مجلس والے ہیں، جس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں،

اگر وہ اپنے حمایتیوں کو بلاتا تو اسی وقت ملائکہ عذاب اسے پکڑ لیتے۔ (ترمذی، تفسیر سورة اقرأ مسند احمد ۱/۳۲۹ و تفسیر

ابن جریر) اور صحیح مسلم کے الفاظ ہیں کہ اس نے آگے بڑھ کر آپ ﷺ کی گردن پر پیر رکھنے کا ارادہ کیا کہ ایک دم

كَلَّا لَا تَطِعْهُ وَاسْجُدْ وَاقْتَرِبْ ﴿١٩﴾

خبردار! اس کا کہنا ہرگز نہ ماننا اور سجدہ کر اور قریب ہو جا۔ (۱۹)

سورہ قدر کی ہے اور اس میں پانچ آیتیں ہیں۔

سُورَةُ الْقَدَرِ

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

شروع کرتا ہوں اللہ تعالیٰ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے۔

یقیناً ہم نے اسے شب قدر میں نازل فرمایا۔ (۱)
تو کیا سمجھا کہ شب قدر کیا ہے؟ (۲)

إِنَّا أَنْزَلْنَاهُ فِي لَيْلَةِ الْقَدْرِ ﴿١﴾

وَمَا أَزِدُّكَ مَالِيْلَةَ الْقَدْرِ ﴿٢﴾

اے پاؤں پیچھے ہٹا اور اپنے ہاتھوں سے اپنا بچاؤ کرنے لگا، اس سے کہا گیا، کیا بات ہے؟ اس نے کہا کہ ”میرے اور محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے درمیان آگ کی خندق، ہولناک منظر اور بہت سارے پر ہیں۔“ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، اگر یہ میرے قریب ہوتا تو فرشتے اس کی بوٹی بوٹی نوچ لیتے۔“ (کتاب صفۃ القیامۃ، باب إن الإنسان لیطعی، الزبائنیۃ، داروئے اور پولیس۔ یعنی طاقتور لشکر، جس کا کوئی مقابلہ نہیں کر سکتا۔

☆ اس سورت کے کلی اور مدنی ہونے میں اختلاف ہے۔ اس کی وجہ تسمیہ میں بھی اختلاف ہے۔ قَدَر کے معنی قدر و منزلت بھی ہیں، اس لیے اسے شب قدر کہتے ہیں، اس کے معنی اندازہ اور فیصلہ کرنا بھی ہیں، اس میں سال بھر کے لیے فیصلے کیے جاتے ہیں، اسی لیے اسے لَيْلَةُ الْحُكْم بھی کہتے ہیں، اس کے معنی تنگی کے بھی ہیں۔ اس رات اتنی کثرت سے زمین پر فرشتے اترتے ہیں کہ زمین تنگ ہو جاتی ہے۔ شب قدر یعنی تنگی کی رات، یا اس لیے یہ نام رکھا گیا کہ اس رات جو عبادت کی جاتی ہے، اللہ کے ہاں اس کی بڑی قدر ہے اور اس پر بڑا ثواب ہے۔ اس کی تعین میں بھی شدید اختلاف ہے۔ (فتح القدیر) تاہم احادیث و آثار سے واضح ہے کہ یہ رمضان کے آخری عشرے کی طاق راتوں میں سے کوئی ایک رات ہوتی ہے۔ اس کو مبمم رکھنے میں یہی حکمت ہے کہ لوگ پانچوں ہی طاق راتوں میں اس کی فضیلت حاصل کرنے کے شوق میں، اللہ کی خوب عبادت کریں۔

(۱) یعنی اتارنے کا آغاز کیا، یا لوح محفوظ سے اس بیت العزت میں، جو آسمان دنیا پر ہے، ایک ہی مرتبہ اتار دیا، اور وہاں سے حسب وقائع نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر اتارنا رہا تا آنکہ ۲۳ سال میں پورا ہو گیا۔ اور لیلۃ القدر رمضان میں ہی ہوتی ہے، جیسا کہ قرآن کی آیت ﴿شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِي أُنْزِلَ فِيهِ الْقُرْآنُ﴾ (البقرہ: ۱۸۵) سے واضح ہے۔

(۲) اس استفہام سے اس رات کی عظمت و اہمیت واضح ہے، گویا کہ مخلوق اس کی تہ تک پوری طرح نہیں پہنچ سکتی، یہ صرف ایک اللہ ہی ہے جو اس کو جانتا ہے۔

لَيْسَ الْقَدْرُ بِمِثْلِ مَنْ أَلْفَ شَهْرٍ ①

تَكْرُلُ الْمَلَائِكَةُ وَالرُّوحُ فِيهَا بِأَذْنِ رَبِّهِمْ مِنْ كُلِّ أَمْرٍ ②

سَلَامٌ شَهِ حَتَّى مَطْلَعِ الْفَجْرِ ③

شب قدر ایک ہزار مہینوں سے بہتر ہے۔^(۱)
اس (میں ہر کام) کے سرانجام دینے کو اپنے رب کے حکم
سے فرشتے اور روح (جبرائیل) اترتے ہیں۔^(۲)
یہ رات سراسر سلامتی کی ہوتی ہے^(۳) اور فجر کے طلوع
ہونے تک (رہتی ہے)۔^(۵)

سورہ بینہ مدنی ہے اور اس میں آٹھ آیتیں ہیں۔

شروع کرتا ہوں اللہ تعالیٰ کے نام سے جو بڑا مہربان
نہایت رحم والا ہے۔
اہل کتاب کے کافر^(۳) اور مشرک لوگ^(۵) جب تک کہ



بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ ④

لَمْ يَكُنِ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ الْمُتَّقِينَ ⑤

(۱) یعنی اس ایک رات کی عبادت ہزار مہینوں کی عبادت سے بہتر ہے اور ہزار مہینے ۸۳ سال ۴ مہینے بنتے ہیں۔ یہ امت محمدیہ پر
اللہ کا کتنا احسان عظیم ہے کہ مختصر عمر میں زیادہ سے زیادہ ثواب حاصل کرنے کے لیے کیسی سہولت عطا فرمادی۔
(۲) روح سے مراد حضرت جبرائیل علیہ السلام ہیں، یعنی فرشتے حضرت جبرائیل علیہ السلام سمیت، اس رات میں زمین
پر اترتے ہیں، ان کاموں کو سرانجام دینے کے لیے جن کا فیصلہ اس سال میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔
(۳) یعنی اس میں شر نہیں۔ یا اس معنی میں سلامتی والی ہے کہ مومن اس رات کو شیطان کے شر سے محفوظ رہتے ہیں۔
یا فرشتے اہل ایمان کو سلام عرض کرتے ہیں، یا فرشتے ہی آپس میں ایک دوسرے کو سلام کرتے ہیں۔ شب قدر کے لیے
نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بطور خاص یہ دعا بتلائی ہے «اللَّهُمَّ! إِنَّكَ عَفُوٌّ تُحِبُّ الْعَفْوَ فَاعْفُ عَنِّي» (ترمذی أبواب
الدعوات، ابن ماجہ، کتاب الدعاء، باب الدعاء بالعفو والعافية)

☆ اس کا دوسرا نام سورہ لَمْ يَكُنْ بھی ہے۔ حدیث میں ہے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابی بن کعب رضی اللہ
عنه سے فرمایا، اللہ نے مجھے حکم دیا ہے کہ میں سورہ ﴿لَمْ يَكُنِ الَّذِينَ كَفَرُوا﴾ تجھے پڑھ کر سناؤں۔ حضرت ابی بن کعب نے
پوچھا، کیا اللہ نے آپ کے سامنے میرا نام لیا ہے؟ آپ نے فرمایا، ”ہاں“ جس پر (مارے خوشی کے) حضرت ابی بن کعب کی
آنکھوں میں آنسو آگئے۔ (صحیح البخاری، تفسیر سورہ لَمْ يَكُنْ)

(۴) اس سے مراد یہود و نصاریٰ ہیں۔

(۵) مشرک سے مراد عرب و عجم کے وہ لوگ ہیں جو بتوں اور آگ کے پجاری تھے۔ مُتَّفَكِينَ باز آنے والے، بَيِّنَةُ
(دلیل) سے مراد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ یعنی یہود و نصاریٰ اور عرب و عجم کے مشرکین اپنے کفر و شرک سے باز
آنے والے نہیں ہیں یہاں تک کہ ان کے پاس محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) قرآن لے کر آجائیں اور وہ ان کی ضلالت و
جہالت بیان کریں اور انہیں ایمان کی دعوت دیں۔

حَتَّى تَأْتِيَهُمُ الْبَيِّنَةُ ①

رَسُولٌ مِّنَ اللَّهِ يَتْلُو صُحُفًا مُّطَهَّرَةً ②

فِيهَا كُتِبَ قِيمَةٌ ③

وَمَن تَرَىٰ مِنَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ الْأَمِينَ بَعْدَ مَا جَاءَهُمُ

الْبَيِّنَةُ ④

وَمَا أُمِرُوا إِلَّا لِيَعْبُدُوا اللَّهَ مُخْلِصِينَ لَهُ الدِّينَ ۚ لَاحِقَةٌ

وَقِيَمُوا الصَّلَاةَ وَيُؤْتُوا الزَّكَاةَ ۚ وَذَٰلِكَ دِينُ الْقِيمَةِ ⑤

إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ وَالْمُشْرِكِينَ فِي تَارِجَتِهِ

ان کے پاس ظاہر دلیل نہ آجائے باز رہنے والے نہ تھے
(وہ دلیل یہ تھی کہ) (۱)

اللہ تعالیٰ کا ایک رسول (۱) جو پاک صحیفے پڑھے۔ (۲)

جن میں صحیح اور درست احکام ہوں۔ (۳)

اہل کتاب اپنے پاس ظاہر دلیل آجانے کے بعد ہی

(اختلاف میں پڑ کر) متفرق ہو گئے۔ (۴)

انہیں اس کے سوا کوئی حکم نہیں دیا گیا (۵) کہ صرف اللہ

کی عبادت کریں اسی کے لیے دین کو خالص رکھیں۔

ابراہیم حنیف (۶) کے دین پر اور نماز کو قائم رکھیں اور

زکوٰۃ دیتے رہیں یہی ہے دین سیدھی ملت کا۔ (۷)

بیشک جو لوگ اہل کتاب میں سے کافر ہوئے اور مشرکین

(۱) یعنی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم۔

(۲) یعنی قرآن مجید جو لوح محفوظ میں پاک صحیفوں میں درج ہے۔

(۳) یہاں کُتِبَ سے مراد احکام دینیہ اور قِیمَةُ، معتدل اور سیدھے۔

(۴) یعنی اہل کتاب، حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی آمد سے قبل مجتمع تھے، یہاں تک کہ آپ ﷺ کی بعثت ہو

گئی، اس کے بعد یہ متفرق ہو گئے، ان میں سے کچھ مومن ہو گئے، لیکن اکثریت ایمان سے محروم ہی رہی۔ نبی صلی اللہ

علیہ وسلم کی بعثت و رسالت کو دلیل سے تعبیر کرنے میں یہی نکتہ ہے کہ آپ ﷺ کی صداقت واضح تھی جس میں مجال

انکار نہیں تھی۔ لیکن ان لوگوں نے آپ ﷺ کی تکذیب محض حسد اور عناد کی وجہ سے کی۔ یہی وجہ ہے کہ یہاں

تفرق کار کتاب کرنے والوں میں صرف اہل کتاب کا نام لیا ہے، حالانکہ دوسروں نے بھی اس کار کتاب کیا تھا، کیوں

کہ یہ بہر حال علم والے تھے اور آپ ﷺ کی آمد اور صفات کا تذکرہ ان کی کتابوں میں موجود تھا۔

(۵) یعنی ان کی کتابوں میں انہیں حکم تو یہ دیا گیا تھا کہ.....

(۶) حَنِيفٌ کے معنی ہیں، مائل ہونا، کسی ایک طرف یکسو ہونا۔ حُنَفَاءُ، جمع ہے۔ یعنی شرک سے توحید کی طرف اور تمام

ادیان سے منقطع ہو کر صرف دین اسلام کی طرف مائل اور یکسو ہوتے ہوئے۔ جیسے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کیا۔

(۷) الْقِيمَةُ محذوف موصوف کی صفت ہے۔ دِينَ الْمِلَّةِ الْقِيمَةِ أَي: الْمُسْتَقِيمَةِ يَا الْأَعْمَى الْمُسْتَقِيمَةُ

الْمُعْتَدِلَةُ، یہی اس ملت یا امت کا دین ہے جو سیدھی اور معتدل ہے۔ اکثر ائمہ نے اس آیت سے اس بات پر

استدلال کیا ہے کہ اعمال، ایمان میں داخل ہیں۔ (ابن کثیر)

خَلِيدِينَ فِيهَا أُولَئِكَ لَهُمْ شَرٌّ لِّلْبَرِيَّةِ ۝

إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ أُولَئِكَ هُم خَيْرُ الْبَرِيَّةِ ۝

جَزَاءُ هُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ جَنَّاتُ عَدْنٍ يَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ

فِيهَا أَبَدًا بِإِذْنِ اللَّهِ عَزَّ وَجَلَّ ذَلِكَ لِمَنْ حَشِيَ رَبَّهُ ۝

سب دوزخ کی آگ میں (جائیں گے) جہاں وہ ہمیشہ (ہمیشہ) رہیں گے۔ یہ لوگ بدترین خلائق ہیں۔^(۱) (۶)

بیشک جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل کیے یہ لوگ بہترین خلائق ہیں۔^(۲) (۷)

ان کا بدلہ ان کے رب کے پاس بھیجی والی جنتیں ہیں جنکے نیچے نہریں بہہ رہی ہیں جن میں وہ ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے۔ اللہ تعالیٰ ان سے راضی ہوا^(۳) اور یہ اس سے راضی ہوئے۔^(۴) یہ ہے اس کے لیے جو اپنے پروردگار سے ڈرے۔^(۵) (۸)

سورہ زلزال مدنی ہے اور اس میں آٹھ آیتیں ہیں۔

شروع کرتا ہوں اللہ تعالیٰ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے۔



بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ ۝

(۱) یہ اللہ کے رسولوں اور اس کی کتابوں کا انکار کرنے والوں کا انجام ہے۔ نیز انہیں تمام مخلوقات میں بدترین قرار دیا گیا۔
(۲) یعنی جو دل کے ساتھ ایمان لائے اور جنہوں نے اعضا کے ساتھ عمل کیے، وہ تمام مخلوقات سے بہتر اور افضل ہیں۔
جو اہل علم اس بات کے قائل ہیں کہ مومن بندے ملائکہ سے شرف و فضل میں بہترین ہیں۔ ان کی ایک دلیل یہ آیت بھی ہے۔ الْبَرِيَّةُ 'برآ' (خلق) سے ہے۔ اسی سے اللہ کی صفت البارئ ہے۔ اس لیے بَرِيَّةٌ 'اصل میں بَرِيَّةٌ ہے، ہمزہ کو یا سے بدل کر یا کیا میں ادغام کر دیا گیا۔

(۳) ان کے ایمان و طاعت اور اعمال صالحہ کے سبب۔ اور اللہ کی رضامندی سب سے بڑی چیز ہے۔ ﴿وَيَرْضَوْنَ مِنَ اللَّهِ﴾ (التوبہ: ۷۴)

(۴) اس لیے کہ اللہ نے انہیں ایسی نعمتوں سے نوازا، جن میں ان کی روح اور بدن دونوں کی سعادتیں ہیں۔
(۵) یعنی یہ جزا اور رضامندی ان لوگوں کے لیے ہے جو دنیا میں اللہ سے ڈرتے رہے اور اس ڈر کی وجہ سے اللہ کی نافرمانی کے ارتکاب سے بچتے رہے۔ اگر کسی وقت بہ تقاضائے بشریت نافرمانی ہو گئی تو فوراً توبہ کر لی اور آئندہ کے لیے اپنی اصلاح کر لی، حتیٰ کہ ان کی موت اسی طاعت پر ہوئی نہ کہ معصیت پر۔ اس کا مطلب ہے کہ اللہ سے ڈرنے والا معصیت پر اصرار اور دوام نہیں کر سکتا اور جو ایسا کرتا ہے، حقیقت میں اس کا دل اللہ کے خوف سے خالی ہے۔

☆ اس کے مدنی اور مکی ہونے میں اختلاف ہے، اس کی فضیلت میں متعدد روایات منقول ہیں لیکن ان میں سے کوئی روایت صحیح نہیں ہے۔

جب زمین پوری طرح جھنجھوڑ دی جائے گی۔ (۱)
 اور اپنے بوجھ باہر نکال پھینکے گی۔ (۲)
 انسان کہنے لگے گا کہ اسے کیا ہو گیا؟ (۳)
 اس دن زمین اپنی سب خبریں بیان کر دے گی۔ (۴)
 اس لیے کہ تیرے رب نے اسے حکم دیا ہو گا۔ (۵)
 اس روز لوگ مختلف جماعتیں ہو کر (واپس) لوٹیں (۶)
 گے تاکہ انہیں ان کے اعمال دکھادیے جائیں۔ (۷)
 پس جس نے ذرہ برابر نیکی کی ہو گی وہ اسے دیکھ

إِذَا زُلْزِلَتِ الْأَرْضُ زِلْزَالَهَا ①
 وَأُخْرِجَتِ الْأَرْضُ أَثْقَالَهَا ②
 وَقَالَ الْإِنْسَانُ مَا لَهَا ③
 يَوْمَئِذٍ تُخْبِتُ أَعْيَارَهَا ④
 يَا أَيُّهَا رَبِّكَ أَخْبِرْنَاهَا ⑤
 يَوْمَئِذٍ بِصَدْرِ النَّاسِ أَشْتَاتًا لَّا يُبْرُوا أَعْمَالَهُمْ ⑥
 فَمَنْ يَعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَرَهُ ⑦

(۱) اس کا مطلب ہے سخت بھونچال سے ساری زمین لرز اٹھے گی اور ہر چیز ٹوٹ پھوٹ جائے گی، یہ اس وقت ہو گا جب پہلا نغمہ پھونکا جائے گا۔

(۲) یعنی زمین میں جتنے انسان دفن ہیں، وہ زمین کا بوجھ ہیں، جنہیں زمین قیامت والے دن باہر نکال پھینکے گی۔ یعنی اللہ کے حکم سے سب زندہ ہو کر باہر نکل آئیں گے۔ یہ دوسرے نغمے میں ہو گا، اسی طرح زمین کے خزانے بھی باہر نکل آئیں گے۔

(۳) یعنی دہشت زدہ ہو کر کہے گا کہ اسے کیا ہو گیا ہے، یہ کیوں اس طرح ہل رہی ہے اور اپنے خزانے اگل رہی ہے۔

(۴) یہ جواب شرط ہے۔ حدیث میں ہے، نبی ﷺ نے یہ آیت تلاوت فرمائی اور پوچھا، جانتے ہو، زمین کی خبریں کیا ہیں؟ صحابہ اللہ علیہ السلام نے عرض کیا، اللہ اور اس کے رسول بہتر جانتے ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا، اس کی خبریں یہ ہیں کہ جس بندے یا بندی نے زمین کی پشت پر جو کچھ کیا ہو گا، اس کی گواہی دے گی۔ کہے گی فلاں فلاں شخص نے فلاں فلاں عمل، فلاں فلاں دن میں

کیا تھا۔ (ترمذی، أبواب صفة القيامة و تفسیر سورة اذا زلزلت۔ مسند احمد ۴/۳۷۳)

(۵) یعنی زمین کو یہ قوت گویائی اللہ عطا فرمائے گا، اس لیے اس میں تعجب والی بات نہیں ہے، جس طرح انسانی اعضا میں اللہ تعالیٰ یہ قوت پیدا فرمادے گا، زمین کو بھی اللہ تعالیٰ متکلم بنا دے گا اور وہ اللہ کے حکم سے بولے گی۔

(۶) يَصْدُرُ، يَزْجَعُ (لوٹیں گے) یہ ورود کو ضد ہے۔ یعنی قبروں سے نکل کر موقف حساب کی طرف، یا حساب کے بعد جنت اور دوزخ کی طرف لوٹیں گے۔ أَشْتَاتًا، متفرق، یعنی ٹولیاں ٹولیاں۔ بعض بے خوف ہوں گے، بعض خوف زدہ، بعض کے رنگ سفید ہوں گے جیسے جنتیوں کے ہوں گے اور بعض کے رنگ سیاہ، جو ان کے جہنمی ہونے کی علامت ہو گی۔ بعض کا رخ دائیں جانب ہو گا تو بعض کا بائیں جانب۔ یا یہ مختلف گروہ ادیان و مذاہب اور اعمال و افعال کی بنیاد پر ہوں گے۔

(۷) یہ متعلق ہے يَصْدُرُ کے یا اس کا تعلق اَوْحَى لَهَا سے ہے۔ یعنی زمین اپنی خبریں اس لیے بیان کرے گی تاکہ انسانوں کو ان کے اعمال دکھا دیے جائیں۔

وَمَنْ يَعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَرَهُ ۝

لے گا۔^(۱) (۷)

اور جس نے ذرہ برابر برائی کی ہو گی وہ اسے دیکھ لے گا۔^(۲) (۸)

سورۃ عادیات مکی ہے اور اس میں گیارہ آیتیں ہیں۔

شروع کرتا ہوں اللہ تعالیٰ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے۔

ہانپتے ہوئے دوڑنے والے گھوڑوں کی قسم! ^(۱)

پھر ناپ مار کر آگ جھاڑنے والوں کی قسم! ^(۲)

پھر صبح کے وقت دھاوا بولنے والوں کی قسم ^(۵) (۳)



بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

وَالْعَدِيَّاتِ ضَبْحًا ۝

فَالْمُرَيَّاتِ قَدْحًا ۝

فَالْمُغِيرَاتِ صُبْحًا ۝

(۱) پس وہ اس سے خوش ہو گا۔

(۲) وہ اس پر سخت پشیمان اور مضطرب ہو گا۔ ذَرَّةٌ بعض کے نزدیک چوٹی سے بھی چھوٹی چیز ہے۔ بعض اہل لغت کہتے ہیں، انسان زمین پر ہاتھ مارتا ہے، اس سے اس کے ہاتھ پر جو مٹی لگ جاتی ہے، وہ ذرہ ہے۔ بعض کے نزدیک سوراخ سے آنے والی سورج کی شعاعوں میں گرد و غبار کے جو ذرات سے نظر آتے ہیں، وہ ذرہ ہے۔ لیکن امام شوکانی نے پہلے معنی کو اولیٰ کہا ہے۔ امام مقاتل کہتے ہیں کہ یہ سورت ان دو آدمیوں کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔ جن میں سے ایک شخص، سائل کو تھوڑا سا صدقہ دینے میں تامل کرتا اور دوسرا شخص چھوٹا گناہ کرنے میں کوئی خوف محسوس نہ کرتا تھا۔ (فتح القدیر)

(۳) عَادِيَّاتٌ، عَادِيَّةٌ کی جمع ہے۔ یہ عَدُوٌّ سے ہے جیسے غَزَوٌ ہے۔ غَزَايَاتٌ کی طرح اس کے واؤ کو بھی یا سے بدل دیا گیا ہے۔ تیز رو گھوڑے۔ ضَبْحٌ کے معنی بعض کے نزدیک ہانپنا اور بعض کے نزدیک ہنسانا ہے۔ مراد وہ گھوڑے ہیں جو ہانپتے یا ہنساتے ہوئے جہاد میں تیزی سے دشمن کی طرف دوڑتے ہیں۔

(۴) مُرَيَّاتٌ، اِنْزَاءٌ سے ہے۔ آگ نکالنے والے۔ قَدْحٌ کے معنی ہیں۔ صَدَقٌ چلنے میں گھٹنوں یا ایزبوں کا ٹکرائنا، یا ناپ مارنا۔ اسی سے قَدْحٌ بِالزَّيْنَادِ ہے۔ چھماق سے آگ نکالنا۔ یعنی ان گھوڑوں کی قسم جن کی ٹاپوں کی رگڑ سے پتھروں سے آگ نکلتی ہے، جیسے چھماق سے نکلتی ہے۔

(۵) مُغِيرَاتٌ، أَعَارَ يُغِيرُ سے ہے، شب خون مارنے یا دھاوا بولنے والے۔ صُبْحًا صبح کے وقت، عرب میں عام طور پر حملہ اسی وقت کیا جاتا تھا، شب خون تو وہ مارتے ہیں جو فوجی گھوڑوں پر سوار ہوتے ہیں، لیکن اس کی نسبت گھوڑوں کی

فَأَثَرُنَ بِهِ نَقْعًا ۝	پس اس وقت گردوغبار اڑاتے ہیں۔ ^(۱)
فَوَسَّطَنَ بِهِ جَمْعًا ۝	پھر اسی کے ساتھ فوجوں کے درمیان گھس جاتے ہیں۔ ^(۲)
إِنَّ الْإِنْسَانَ لِرَبِّهِ لَكَنُودٌ ۝	یقیناً انسان اپنے رب کا بدانا شکر ہے۔ ^(۳)
وَأَنَّهُ عَلَىٰ ذَٰلِكَ لَئِيمٌ ۝	اور یقیناً وہ خود بھی اس پر گواہ ہے۔ ^(۴)
وَأَنَّهُ لَيُبْتِغِي الْغَيْرَ لَشَدِيدٌ ۝	یہ مال کی محبت میں بھی بڑا سخت ہے۔ ^(۵)
أَفَلَا يَعْلَمُ إِذَا بُعْثِرَ مَا فِي الْقُبُورِ ۝	کیا اسے وہ وقت معلوم نہیں جب قبروں میں جو (کچھ) ہے نکال لیا جائے گا۔ ^(۶)
وَحُصِّلَ مَا فِي الصُّدُورِ ۝	اور سینوں کی پوشیدہ باتیں ظاہر کر دی جائیں گی۔ ^(۷)
إِنَّ رَبَّهُم بِهِمْ يَوْمَئِذٍ لَّخَبِيرٌ ۝	بیشک ان کا رب اس دن ان کے حال سے پورا باخبر ہو گا۔ ^(۸)

طرف اس لیے کی ہے کہ دھاوا بولنے میں فوجیوں کے یہ بہت زیادہ کام آتے ہیں۔

(۱) أَثَارٌ، اڑانا، نفع، گردوغبار۔ یعنی یہ گھوڑے جس وقت تیزی سے دوڑتے یا دھاوا بولتے ہیں تو اس جگہ پر گردوغبار چھا جاتا ہے۔

(۲) فَوَسَّطَنَ، درمیان میں گھس جاتے ہیں۔ اس وقت، یا حالت گردوغبار میں۔ جَمْعًا دشمن کے لشکر۔ مطلب ہے کہ اس وقت، یا جب کہ فضا گردوغبار سے اٹی ہوئی ہے، یہ گھوڑے دشمن کے لشکروں میں گھس جاتے ہیں اور گھسان کی جنگ کرتے ہیں۔

(۳) یہ جواب قسم ہے۔ انسان سے مراد کافر، یعنی بعض افراد ہیں۔ كَنُودٌ بمعنی كَفُورٌ، ناشکرا۔

(۴) یعنی انسان خود بھی اپنی ناشکری کی گواہی دیتا ہے۔ بعض لَشَّيْمٌ کا فاعل اللہ کو قرار دیتے ہیں۔ لیکن امام شوکانی نے پہلے مفہوم کو رائج قرار دیا ہے، کیوں کہ مابعد کی آیات میں ضمیر کا مرجع انسان ہی ہے۔ اس لیے یہاں بھی انسان ہی ہونا زیادہ صحیح ہے۔

(۵) خَبِيرٌ سے مراد مال ہے، جیسے ﴿إِن تَرَوْا كَيْفَ لَا تُؤْمِنُوا﴾ (البقرة، ۱۸۰) میں ہے معنی واضح ہیں۔ ایک دوسرا مفہوم یہ ہے کہ نہایت حریص اور بخیل ہے جو مال کی شدید محبت کا لازمی نتیجہ ہے۔

(۶) بُعْثِرَ، بُثِّرَ وَبُثِثَ یعنی قبروں کے مردوں کو زندہ کر کے اٹھا کھڑا کر دیا جائے گا۔

(۷) حُصِّلَ، مُبَيَّنَّ، یعنی سینوں کی باتوں کو ظاہر اور کھول دیا جائے گا۔

(۸) یعنی جو رب ان کو قبروں سے نکال لے گا، ان کے سینوں کے رازوں کو ظاہر کر دے گا، اس کے متعلق ہر شخص

سورہ قارعہ کی ہے اور اس میں گیارہ آیتیں ہیں۔



بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

الْقَارِعَةُ ①

مَا الْقَارِعَةُ ②

وَمَا أَدْرَاكَ مَا الْقَارِعَةُ ③

يَوْمَ يَكُونُ النَّاسُ كَالْفَرَاشِ الْمَبْثُوثِ ④

وَتَكُونُ الْجِبَالُ كَالْعِهْنِ الْمَنْفُوشِ ⑤

فَأَمَّا مَنْ ثَقُلَتْ مَوَازِينُهُ ⑥

شروع کرتا ہوں اللہ تعالیٰ کے نام سے جو بڑا مہربان
نہایت رحم والا ہے۔

کھڑکھڑا دینے والی۔ (۱)

کیا (۱) ہے وہ کھڑکھڑا دینے والی۔ (۲)

تجھے کیا معلوم کہ وہ کھڑکھڑا دینے والی کیا ہے۔ (۳)

جس دن انسان بکھرے ہوئے پروانوں کی طرح ہو جائیں
گے۔ (۴) (۲)

اور پہاڑ دھنے ہوئے رنگین اون کی طرح ہو جائیں
گے۔ (۵) (۳)

پھر جس کے پلڑے بھاری ہوں گے۔ (۶) (۴)

جان سکتا ہے کہ وہ کتنا باخبر ہے؟ اور اس سے کوئی چیز مخفی نہیں رہ سکتی۔ چنانچہ پھر وہ ہر ایک کو اس کے عملوں کے مطابق
اچھی یا بری جزا دے گا۔ یہ گویا ان اشخاص کو تنبیہ ہے جو رب کی نعمتیں تو استعمال کرتے ہیں، لیکن اس کا شکر ادا کرنے
کے بجائے اس کی ناشکری کرتے ہیں۔ اسی طرح مال کی محبت میں گرفتار ہو کر مال کے وہ حقوق ادا نہیں کرتے جو اللہ نے
اس میں دوسرے لوگوں کے رکھے ہیں۔

(۱) یہ بھی قیامت کے ناموں میں سے ایک نام ہے۔ جیسے اس سے قبل اس کے متعدد نام گزر چکے ہیں، مثلاً، 'الْخَافَةُ'
'الطَّافَةُ'، 'الصَّافَةُ'، 'الْغَاشِيَةُ'، 'السَّاعَةُ'، 'الْوَاقِعَةُ' وغیرہ۔ 'الْقَارِعَةُ' اسے اس لیے کہتے ہیں کہ یہ اپنی ہولناکیوں
سے دلوں کو بیدار اور اللہ کے دشمنوں کو عذاب سے خبردار کر دے گی، جیسے دروازہ کھٹکھٹانے والا کرتا ہے۔

(۲) 'فَرَّاشٌ' پھیر اور شمع کے گرد منڈلانے والے پرندے وغیرہ۔ 'مَبْثُوثٌ' منتشر اور بکھرے ہوئے۔ یعنی قیامت والے
دن انسان بھی پروانوں کی طرح پرانگندہ اور بکھرے ہوئے ہوں گے۔

(۳) 'عِهْنٌ' اس اون کو کہتے ہیں جو مختلف رنگوں کے ساتھ رنگی ہوئی ہو، 'مَنْفُوشٌ' دھنی ہوئی۔ یہ پہاڑوں کی وہ کیفیت بیان
کی گئی ہے جو قیامت والے دن اکنی ہوگی۔ قرآن کریم میں پہاڑوں کی یہ کیفیت مختلف انداز میں بیان کی گئی ہے، جسکی تفصیل
پہلے گزر چکی ہے۔ اب آگے ان دو فریقوں کا جمالی ذکر کیا جا رہا ہے جو قیامت والے دن اعمال کے اعتبار سے ہوں گے۔

(۴) 'مَوَازِينٌ' میزآن کی جمع ہے۔ ترازو، جس میں صحائف اعمال تولے جائیں گے۔ جیسا کہ اس کا ذکر سورہ اعراف۔ آیت ۸

وہ تو دل پسند آرام کی زندگی میں ہو گا۔^(۷)
 اور جس کے پلڑے ملے ہوں گے۔^(۸)
 اس کا ٹھکانا ہویہ ہے۔^(۹)
 تجھے کیا معلوم کہ وہ کیا ہے۔^(۱۰)
 وہ تند و تیز آگ (ہے)۔^(۱۱)

فَهُوَ فِي عِيشَةٍ رَاضِيَةٍ ۝
 وَأَمَّا مَنْ خَفَّتْ مَوَازِينُهُ ۝
 فَأُمُّهُ هَاوِيَةٌ ۝
 وَمَا أَدْرَاكَ مَا هِيَ ۝
 نَارُ حَامِيَةٍ ۝

سورہ نکاش کی ہے اور اس میں آٹھ آیتیں ہیں۔

شروع کرتا ہوں اللہ تعالیٰ کے نام سے جو بڑا مہربان
 نہایت رحم والا ہے۔



بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

سورہ کھف (۱۰۵) اور سورہ انبیاء (۴۷) میں بھی گزرا ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ یہاں یہ میزان نہیں، موزون کی جمع ہے یعنی ایسے اعمال جن کی اللہ کے ہاں کوئی اہمیت اور خاص وزن ہو گا۔ (فتح القدیر) لیکن پہلا مفہوم ہی رائج اور صحیح ہے۔ مطلب یہ ہے کہ جن کی نیکیاں زیادہ ہوں گی اور وزن اعمال کے وقت ان کی نیکیوں والا پلڑا بھاری ہو جائے گا۔
 (۱) یعنی ایسی زندگی، جس کو وہ صاحب زندگی پسند کرے گا۔

(۲) یعنی جس کی برائیاں نیکیوں پر غالب ہوں گی، اور برائیوں کا پلڑا بھاری اور نیکیوں کا ہلکا ہو گا۔
 (۳) ہاویۃً جنم کا نام ہے، اس کو ہاویہ اس لیے کہتے ہیں کہ جنمی اس کی گہرائی میں گرے گا۔ اور اس کو اُمّ (ماں) سے اس لیے تعبیر کیا کہ جس طرح انسان کے لیے ماں، جائے پناہ ہوتی ہے اسی طرح جنمیوں کا ٹھکانا جنم ہو گا۔ بعض کہتے ہیں کہ ام کے معنی دماغ کے ہیں۔ جنمی، جنم میں سر کے بل ڈالے جائیں گے۔ (ابن کثیر)
 (۴) یہ استغمام اس کی ہولناکی اور شدت عذاب کو بیان کرنے کے لیے ہے کہ وہ انسان کے وہم و تصور سے بالا ہے، انسانی علوم اس کا احاطہ نہیں کر سکتے اور اس کی کنہ نہیں جان سکتے۔

(۵) جس طرح حدیث میں ہے کہ انسان دنیا میں جو آگ جلاتا ہے، یہ جنم کی آگ کا سترواں حصہ ہے، جنم کی آگ دنیا کی آگ سے ۶۹ درجہ زیادہ ہے۔ (صحیح بخاری، کتاب بدء الخلق، باب صفۃ النار وأنها مخلوقہ۔ مسلم، کتاب الجنۃ، باب فی شدۃ حوران جہنم) ایک اور حدیث میں ہے کہ ”آگ نے اپنے رب سے شکایت کی کہ میرا ایک حصہ دوسرے حصے کو کھائے جا رہا ہے، اللہ تعالیٰ نے اسے دوسرائے لینے کی اجازت فرمادی۔ ایک سانس گرمی میں اور ایک سانس سردی میں پس جو سخت سردی ہوتی ہے یہ اس کا ٹھنڈا سانس ہے، اور نہایت سخت گرمی جو پڑتی ہے، وہ جنم کا گرم سانس ہے۔“ (بخاری، کتاب و باب مذکور) ایک اور حدیث میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ”جب گرمی زیادہ سخت ہو تو نماز ٹھنڈی کر کے پڑھو، اس لیے کہ گرمی کی شدت جنم کے جوش کی وجہ سے ہے۔ (حوالہ

یادتی کی چاہت نے تمہیں غافل کر دیا۔ ^(۱)	أَلْهَكُمُ التَّكَاثُرُ ۝۱
یہاں تک کہ تم قبرستان جا پہنچے۔ ^(۲)	حَتَّىٰ ذُرُّهُمُ الْمَقَابِرَ ۝۲
ہرگز نہیں تم غقریب معلوم کر لو گے۔ ^(۳)	كَلَّا سَوْفَ تَعْلَمُونَ ۝۳
ہرگز نہیں پھر تمہیں جلد علم ہو جائے گا۔ ^(۴)	ثُمَّ كَلَّا سَوْفَ تَعْلَمُونَ ۝۴
ہرگز نہیں اگر تم یقینی طور پر جان لو۔ ^(۵)	كَلَّا لَوْ تَعْلَمُونَ عِلْمَ الْيَقِينِ ۝۵
تو بیشک تم جہنم دیکھ لو گے۔ ^(۶)	لَتَرَوُنَّ الْجَحِيمَ ۝۶
اور تم اسے یقین کی آنکھ سے دیکھ لو گے۔ ^(۷)	ثُمَّ لَتَرَوُنَّهَا عَيْنَ الْيَقِينِ ۝۷
پھر اس دن تم سے ضرور بالضرور نعمتوں کا سوال ہو گا۔ ^(۸)	ثُمَّ لَتَسْتَلْنَ يَوْمَئِذٍ عَنِ النَّعِيمِ ۝۸

مذکور، مسلم، کتاب المساجد

(۱) اَلْهَىٰ اِلْهَىٰ کے معنی ہیں، غافل کر دینا۔ تَكَاثُرٌ، زیادتی کی خواہش۔ یہ عام ہے، مال، اولاد، اعوان و انصار اور خاندان و قبیلہ وغیرہ سب کو شامل ہے۔ ہر وہ چیز جس کی کثرت انسان کو محبوب ہو اور کثرت کے حصول کی کوشش و خواہش اسے اللہ کے احکام اور آخرت سے غافل کر دے۔ یہاں اللہ تعالیٰ انسان کی اسی کمزوری کو بیان کر رہا ہے جس میں انسانوں کی اکثریت ہر دور میں مبتلا رہی ہے۔

(۲) اس کا مطلب ہے کہ حصول کثرت کے لیے محنت کرتے کرتے، تمہیں موت آگئی، اور تم قبروں میں جا پہنچے۔

(۳) یعنی تم جس تکاثر و تفاخر میں ہو، یہ صحیح نہیں۔

(۴) اس کا انجام غقریب تم جان لو گے، یہ بطور تاکید دو مرتبہ فرمایا۔

(۵) اس کا جواب محذوف ہے۔ مطلب ہے کہ اگر تم اس غفلت کا انجام اس طرح یقینی طور پر جان لو، جس طرح دنیا کی کسی دیکھی بھالی چیز کا تمہیں یقین ہوتا ہے تو تم یقیناً اس تکاثر و تفاخر میں مبتلا نہ ہو۔

(۶) یہ قسم محذوف کا جواب ہے یعنی اللہ کی قسم تم جہنم ضرور دیکھو گے یعنی اس کی سزا بھگتو گے۔

(۷) پہلا دیکھنا دور سے ہو گا، یہ دیکھنا قریب سے ہو گا، اسی لیے اسے عَيْنُ الْيَقِينِ (جس کا یقین مشاہدہ عینی سے حاصل ہو) کہا گیا۔

(۸) یہ سوال ان نعمتوں کے بارے میں ہو گا جو اللہ نے دنیا میں عطا کی ہوں گی۔ جیسے آنکھ، کان، دل، دماغ، امن و صحت، مال و دولت اور اولاد وغیرہ۔ بعض کہتے ہیں، یہ سوال صرف کافروں سے ہو گا۔ بعض کہتے ہیں، ہر ایک سے ہی ہو گا کیوں کہ محض سوال مستلزم عذاب نہیں۔ جنہوں نے ان نعمتوں کا استعمال اللہ کی ہدایات کے مطابق کیا ہو گا، وہ سوال کے باوجود عذاب سے محفوظ رہیں گے، اور جنہوں نے کفران نعمت کا ارتکاب کیا ہو گا، وہ دھریے جائیں گے۔

سورہ عصر کی ہے اور اس میں تین آیتیں ہیں۔

شروع کرتا ہوں اللہ تعالیٰ کے نام سے جو بڑا مہربان
نہایت رحم والا ہے۔

زمانے کی قسم۔^(۱)

بیشک (بالیقین) انسان سرتا سر نقصان میں ہے۔^(۲)
سوائے ان لوگوں کے جو ایمان لائے اور نیک عمل^(۳)
کیے اور (جنہوں نے) آپس میں حق کی وصیت کی^(۴) اور
ایک دوسرے کو صبر کی نصیحت کی۔^(۵)



بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

وَالْعَصْرِ ۝۱

اِنَّ الْاِنْسَانَ لِرَبِّهِۦٓ اَكْفَر ۝۲

اِلَّا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَكَوْا۟اٰیٰتِ الْحَقِّ ۝۳

وَكَوْا۟اٰیٰتِ الصَّبْرِ ۝۴

(۱) زمانے سے مراد، شب و روز کی یہ گردش اور ان کا ادل بدل کر آنا ہے۔ رات آتی ہے تو اندھیرا چھا جاتا ہے اور دن طلوع ہوتا ہے تو ہر چیز روشن ہو جاتی ہے۔ علاوہ ازیں کبھی رات لمبی، دن چھوٹا اور کبھی دن لمبا، رات چھوٹی ہو جاتی ہے۔ یہی مرور ایام، زمانہ ہے جو اللہ تعالیٰ کی قدرت اور کاریگری پر دلالت کرتا ہے۔ اسی لیے رب نے اس کی قسم کھائی ہے۔ یہ پہلے بتلایا جا چکا ہے کہ اللہ تعالیٰ تو اپنی مخلوق میں سے جس کی چاہے قسم کھا سکتا ہے لیکن انسانوں کے لیے اللہ کی قسم کے علاوہ کسی چیز کی قسم کھانا جائز نہیں ہے۔

(۲) یہ جواب قسم ہے۔ انسان کا خسارہ اور ہلاکت واضح ہے کہ جب تک وہ زندہ رہتا ہے، اس کے شب و روز سخت محنت کرتے ہوئے گزرتے ہیں پھر جب موت سے ہم کنار ہوتا ہے تو موت کے بعد بھی آرام و راحت نصیب نہیں ہوتی، بلکہ وہ جہنم کا بندھن بنتا ہے۔

(۳) ہاں اس خسارے سے وہ لوگ محفوظ ہیں جو ایمان اور عمل صالح کے جامع ہیں، کیونکہ ان کی زندگی چاہے جیسی بھی گزری ہو، موت کے بعد وہ بہر حال ابدی نعمتوں اور جنت کی پر آسائش زندگی سے بہرہ ور ہوں گے۔ آگے اہل ایمان کی مزید صفات کا تذکرہ ہے۔

(۴) یعنی اللہ کی شریعت کی پابندی اور محرمات و معاصی سے اجتناب کی تلقین۔

(۵) یعنی مصائب و آلام پر صبر، احکام و فرائض شریعت پر عمل کرنے میں صبر، معاصی سے اجتناب پر صبر، لذات و خواہشات کی قربانی پر صبر، صبر بھی اگرچہ تو اوصیٰ بالحق میں شامل ہے، تاہم اسے خصوصیت سے الگ ذکر کیا گیا، جس سے اس کا شرف و فضل اور خصال حق میں اس کا ممتاز ہونا واضح ہے۔

سورہ حمزہ کی ہے اور اس میں نو آیتیں ہیں۔

شروع کرتا ہوں اللہ تعالیٰ کے نام سے جو بڑا مہربان
نہایت رحم والا ہے۔

بڑی خرابی ہے ہر ایسے شخص کی جو عیب ٹٹولنے والا
غیبت کرنے والا ہو۔^(۱)

جو مال کو جمع کرتا جائے اور گنتا جائے۔^(۲)

وہ سمجھتا ہے کہ اس کا مال اس کے پاس سدا رہے
گا۔^(۳)

ہرگز نہیں^(۴) یہ تو ضرور توڑ پھوڑ دینے والی آگ میں
پھینک دیا جائے گا۔^(۵)

اور تجھے کیا معلوم کہ ایسی آگ کیا ہوگی؟^(۶)

وہ اللہ تعالیٰ کی سلگائی ہوئی آگ ہوگی۔^(۷)

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

وَيْلٌ لِّمَنْ هُمَزَةٌ لُّمَزَةٌ ①

بِالَّذِي جَمَعَ مَالًا وَعَدَّدَهُ ②

يَحْسَبُ أَنَّ مَالَهُ أَخْلَدَهُ ③

كَلَّا لَيُبَدِّلَنَّهُ فِي الْخُطْبَةِ ④

وَمَا أَذْرَكَ مَا الْخُطْبَةُ ⑤

نَاظِلُهُ الْوُقْدَةُ ⑥

(۱) هُمَزَةٌ اور لُمَزَةٌ، بعض کے نزدیک ہم معنی ہیں۔ بعض اس میں کچھ فرق کرتے ہیں۔ هُمَزَةٌ وہ شخص ہے جو درود رو
برائی کرے اور لُمَزَةٌ وہ جو بیٹھ پیچھے غیبت کرے۔ بعض اس کے برعکس معنی کرتے ہیں۔ بعض کہتے ہیں هُمَزٌ آنکھوں
اور ہاتھوں کے اشارے سے برائی کرنا ہے اور لُمَزٌ زبان سے۔

(۲) اس سے مراد یہی ہے کہ جمع کرنا اور گن گن کر رکھنا یعنی سنت سنت کر رکھنا اور اسے اللہ کی راہ میں خرچ نہ کرنا۔
ورنہ مطلق مال جمع کر کے رکھنا مذموم نہیں ہے۔ یہ مذموم اسی وقت ہے جب زکوٰۃ و صدقات اور انفاق فی سبیل اللہ کا
اہتمام نہ ہو۔

(۳) أَخْلَدَهُ کا زیادہ صحیح ترجمہ یہ ہے کہ ”اسے ہمیشہ زندہ رکھے گا“ یعنی یہ مال جسے وہ جمع کر کے رکھتا ہے، اس کی عمر
میں اضافہ کر دے گا اور اسے مرنے نہیں دے گا۔

(۴) یعنی معاملہ ایسا نہیں ہے جیسا اس کا زعم اور گمان ہے۔

(۵) ایسا بخیل شخص حملہ میں پھینک دیا جائے گا۔ یہ بھی جہنم کا ایک نام ہے، توڑ پھوڑ دینے والی۔

(۶) یہ استفہام اس کی ہولناکی کے بیان کے لیے ہے، یعنی وہ اتنی ہولناک آگ ہوگی کہ تمہاری عقلیں اس کا ادراک
نہیں کر سکتیں اور تمہارا فہم و شعور اس کی تمہ تک نہیں پہنچ سکتا۔

الَّتِي تَكْلُمُ عَلَى الْآفِئَةِ ۝
إِنَّمَا عَلَيْهِمْ مُّوَصَّدَةٌ ۝
فِي عَمَدٍ مُمَدَّدَةٍ ۝

جو دلوں پر چڑھتی چلی جائے گی۔^(۱) (۷)
وہ ان پر ہر طرف سے بند کی ہوئی ہوگی۔^(۲) (۸)
بڑے بڑے ستونوں میں۔^(۳) (۹)

سورہ فیل کی ہے اور اس میں پانچ آیات ہیں۔

شروع کرتا ہوں اللہ تعالیٰ کے نام سے جو بڑا مہربان
نہایت رحم والا ہے۔
کیا تو نے نہ دیکھا کہ تیرے رب نے ہاتھی والوں کے
ساتھ کیا کیا؟^(۳) (۱)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ۝

الَمْ تَرَ كَيْفَ فَعَلَ رَبُّكَ بِأَصْحَابِ الْفِيلِ ۝

(۱) یعنی اس کی حرارت دلوں تک پہنچ جائے گی۔ ویسے تو دنیا کی آگ کے اندر بھی یہ خاصیت ہے کہ وہ ہر چیز کو جلا ڈالتی ہے لیکن دنیا میں یہ آگ دل تک پہنچ نہیں پاتی کہ انسان کی موت اس سے قبل ہی واقع ہو جاتی ہے۔ جہنم میں ایسا نہیں ہوگا، وہ آگ دلوں تک بھی پہنچ جائے گی، لیکن موت نہیں آئے گی، بلکہ آرزو کے باوجود بھی موت نہیں آئے گی۔
(۲) مُّوَصَّدَةٌ بند، یعنی جہنم کے دروازے اور راستے بند کر دیئے جائیں گے، تاکہ کوئی باہر نہ نکل سکے، اور انہیں لوہے کی میخوں کے ساتھ باندھ دیا جائے گا، جو لمبے لمبے ستونوں کی طرح ہوں گی، بعض کے نزدیک عَمَد سے مراد بیڑیاں یا طوق ہیں اور بعض کے نزدیک ستون ہیں جن میں انہیں عذاب دیا جائے گا۔ (فتح القدیر)
(۳) جو یمن سے خانہ کعبہ کی تخریب کے لیے آئے تھے اَلَمْ تَرَ کے معنی ہیں اَلَمْ تَعْلَمَ کیا تجھے معلوم نہیں؟ استفہام تقریر کے لیے ہے، یعنی تو جانتا ہے یا وہ سب لوگ جانتے ہیں جو تیرے ہم عصر ہیں۔ یہ اس لیے فرمایا کہ عرب میں یہ واقعہ گزرے ابھی زیادہ عرصہ نہیں ہوا تھا۔ مشہور ترین قول کے مطابق یہ واقعہ اس سال پیش آیا جس سال نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت ہوئی تھی۔ اس لیے عربوں میں اس کی خبریں مشہور اور متواتر تھیں۔ یہ واقعہ مختصراً حسب ذیل ہے۔
واقعہ اصحاب الفیل:

جشہ کے بادشاہ کی طرف سے یمن میں ابرہۃ الاشرم گور نہ تھا، اس نے صنعاء میں ایک بہت بڑا گرجا (عبادت گھر) تعمیر کیا اور کوشش کی کہ لوگ خانہ کعبہ کے بجائے عبادت اور حج و عمرہ کے لیے ادھر آیا کریں۔ یہ بات اہل مکہ اور دیگر قبائل عرب کے لیے سخت ناگوار تھی۔ چنانچہ ان میں سے ایک شخص نے ابرہہ کے بنائے ہوئے عبادت خانے کو غلاظت سے پلید کر دیا، جس کی اطلاع اس کو کر دی گئی کہ کسی نے اس طرح اس گرجا کو ناپاک کر دیا ہے، جس پر اس نے خانہ کعبہ کو ڈھانے کا عزم کر لیا اور ایک لشکر جبرائے کر کے پر حملہ آور ہوا، کچھ ہاتھی بھی اس کے ساتھ تھے۔ جب یہ لشکر وادی محسر کے پاس پہنچا تو اللہ تعالیٰ نے پرندوں کے غول بھیج دیئے جن کی چونچوں اور پنجوں میں کنکریاں تھیں جو چنے یا مسور

أَلَمْ يَجْعَلْ كَيْدَهُمْ فِي تَضْلِيلٍ ۝
وَأَرْسَلَ عَلَيْهِمْ طَيْرًا أَبَابِيلَ ۝
تَرْمِيهِمْ بِحِجَارَةٍ مِّن سِجِّيلٍ ۝
فَجَعَلْنَاهُمْ كَعَصْفٍ مَّأْكُولٍ ۝

سُورَةُ قُرْشِشٍ

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

إِنَّا نَبِئُكَ قُرْشِشَ ۝

الْيَوْمِ رَحْلَةً الشِّتَاءِ وَالصَّيْفِ ۝

کیا ان کے مکر کو بے کار نہیں کر دیا؟ (۱)
اور ان پر پرندوں کے جھنڈ کے جھنڈ بھیج دیئے۔ (۲)
جو انہیں مٹی اور پتھر کی کنکریاں مار رہے تھے۔ (۳)
پس انہیں کھائے ہوئے بھوس کی طرح کر دیا۔ (۴)
(۵)

سورہ قریش کی ہے اور اس میں چار آیتیں ہیں۔

شروع کرتا ہوں اللہ تعالیٰ کے نام سے جو بڑا مہربان
نمائت رحم والا ہے۔

قریش کے مانوس کرنے کے لیے (۱)
(یعنی) انہیں جاڑے اور گرمی کے سفر سے مانوس کرنے
کے لیے۔ (۲) (اس کے شکریہ میں)۔ (۳)

کے برابر تھیں، جس فوجی کے بھی یہ کنکری لگتی وہ پکھل جاتا اور اس کا گوشت جھڑ جاتا اور بالآخر مر جاتا۔ خود ابراہہ کا بھی
صنعا پہنچتے پہنچتے یہی انجام ہوا۔ اس طرح اللہ نے اپنے گھر کی حفاظت فرمائی۔ مکہ کے قریب پہنچ کر ابراہہ کے لشکر نے نبی
صلی اللہ علیہ وسلم کے دادا کے، جو مکہ کے سردار تھے، اونٹوں پر قبضہ کر لیا، جس پر عبدالمطلب نے آکر ابراہہ سے کہا کہ
تو میرے اونٹ واپس کر دے جو تیرے لشکریوں نے پکڑے ہیں۔ باقی رہا خانہ کعبہ کا مسئلہ، جس کو ڈھانے کے لیے تو آیا
ہے تو وہ تیرا معاملہ اللہ کے ساتھ ہے، وہ اللہ کا گھر ہے، وہی اس کا محافظ ہے، تو جانے اور بیت اللہ کا مالک اللہ جانے۔
(ایسر القاسم)

(۱) یعنی وہ جو خانہ کعبہ کو ڈھانے کا ارادہ لے کر آیا تھا، اس میں اس کو ناکام کر دیا۔ استفہام تقریری ہے۔

(۲) ابابیل، پرندے کا نام نہیں ہے، بلکہ اس کے معنی ہیں غول در غول۔

(۳) سِجِّیل مٹی کو آگ میں پکا کر اس سے بنائے ہوئے کنکر۔ ان چھوٹے چھوٹے پتھروں یا کنکروں نے توپ کے گولوں
اور بندوق کی گولیوں سے زیادہ ملک کام کیا۔

(۴) یعنی ان کے اجزائے جسم اس طرح بکھر گئے جیسے کھائی ہوئی بھوسی ہوتی ہے۔

☆ اسے سورہ ایلاف بھی کہتے ہیں، اس کا تعلق بھی گزشتہ سورت سے ہے۔

(۵) اِنْلَاف کے معنی ہیں، مانوس اور عادی بنانا، یعنی اس کام سے کلفت اور نفرت کا دور ہو جانا۔ قریش کی گزران کا
ذریعہ تجارت تھی۔ سال میں دو مرتبہ ان کا تجارتی قافلہ باہر جاتا اور وہاں سے اشیائے تجارت لاتا۔ سردیوں میں یمن، جو
گرم علاقہ تھا اور گرمیوں میں شام کی طرف جو ٹھنڈا تھا۔ خانہ کعبہ کے خدمت گزار ہونے کی وجہ سے تمام اہل عرب ان

فَلْيَعْبُدُوا رَبَّ هَذَا الْبَيْتِ ۖ

الَّذِي أَطْعَمَهُم مِّنْ جُوعٍ وَآمَنَهُم مِّنْ خَوْفٍ ۖ

پس انہیں چاہیے کہ اسی گھر کے رب کی عبادت کرتے رہیں۔ (۳)

جس نے انہیں بھوک میں کھانا دیا^(۱) اور ڈر (اور خوف) میں امن (وامان) دیا۔ (۳)

سورہ ماعون کی ہے اور اس میں سات آیتیں ہیں۔

شروع کرتا ہوں اللہ تعالیٰ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے۔

کیا تو نے (اسے بھی) دیکھا جو (روز) جزا کو جھٹلاتا ہے؟^(۲)

یہی وہ ہے جو یتیم کو دھکے دیتا ہے۔ (۲)



بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

اِنَّهٗ يَئِذْنِ يَكْتُمُ بِالْذِّنِّ ۝۱

فَذٰلِكَ الَّذِیْ یُدْخِلُ النَّفْسَ ۝۲

کی عزت کرتے تھے، اس لیے ان کے قافلے بلا روک ٹوک سفر کرتے، اللہ تعالیٰ اس سورت میں قریش کو بتلا رہا ہے کہ تم جو گری، سردی میں دو سفر کرتے ہو تو ہمارے اس احسان کی وجہ سے کہ ہم نے تمہیں مکہ میں امن عطا کیا ہے اور اہل عرب میں معزز بنایا ہوا ہے۔ اگر یہ چیز نہ ہوتی تو تمہارا سفر ممکن نہ ہوتا۔ اور اصحاب الفیل کو بھی ہم نے اسی لیے تباہ کیا ہے کہ تمہاری عزت بھی برقرار رہے اور تمہارے سفروں کا سلسلہ بھی، جس کے تم خوگر ہو، قائم رہے، اگر ابرہہ اپنے مذموم مقصد میں کامیاب ہو جاتا تو تمہاری عزت و سیادت بھی ختم ہو جاتی اور سلسلہ سفر بھی منقطع ہو جاتا۔ اس لیے تمہیں چاہیے کہ صرف اسی بیت اللہ کے رب کی عبادت کرو۔

(۱) مذکورہ تجارت اور سفر کے ذریعے سے۔

(۲) عرب میں قتل و غارت گری عام تھی لیکن قریش مکہ کو حرم مکہ کی وجہ سے جو احترام حاصل تھا، اس کی وجہ سے وہ خوف و خطر سے محفوظ تھے۔

☆ اس سورت کو سُورَةُ الذِّنِّ، سُورَةُ اَزَايَات اور سُورَةُ النَّفْسِ بھی کہتے ہیں۔ (فتح القدیر)

(۳) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب ہے اور استغفار سے مقصد اظہارِ تعجب ہے۔ روایت معرفت کے مفہوم میں ہے اور دین سے مراد آخرت کا حساب اور جزا ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ کلام میں حذف ہے۔ اصل عبارت ہے ”کیا تو نے

اس شخص کو پہچانا جو روز جزا کو جھٹلاتا ہے؟ آیا وہ اپنی اس بات میں صحیح ہے یا غلط؟

(۴) اس لیے کہ ایک تو بخیل ہے۔ دوسرا، قیامت کا منکر ہے، بھلا ایسا شخص یتیم کے ساتھ کیوں کر حسن سلوک کر سکتا ہے؟ یتیم کے ساتھ تو یہی شخص اچھا برتاؤ کرے گا جس کے دل میں مال کے بجائے انسانی قدروں اور اخلاقی ضابطوں کی

اور مسکین کو کھلانے کی ترغیب نہیں دیتا۔^(۱) (۳)
ان نمازیوں کے لیے افسوس (اور ویل نامی جہنم کی جگہ)
ہے۔ (۴)

جو اپنی نماز سے غافل ہیں۔^(۲) (۵)
جو ریا کاری کرتے ہیں۔^(۳) (۶)
اور برتنے کی چیز روکتے ہیں۔^(۴) (۷)

سورہ کوثر کی ہے اور اس میں تین آیتیں ہیں۔

شروع کرتا ہوں اللہ تعالیٰ کے نام سے جو بڑا مہربان
نمائت رحم والا ہے۔
یقیناً ہم نے تجھے (حوض) کوثر (اور بہت کچھ) دیا

وَلَا يَخْضَعُ عَلَى طَعَامِ الْيَتَامَى ۝
قَوْلٍ لِلْمُضْلِينَ ۝

الَّذِينَ هُمْ عَنْ صَلَاتِهِمْ سَاهُونَ ۝
الَّذِينَ هُمْ يُؤْخَذُونَ ۝
وَيَسْتَعِزُّونَ الْمُنَافِقِينَ ۝



بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ ۝

إِنَّا أَنْعَمْنَا عَلَى الْكَوْثَرِ ۝

اہمیت و محبت ہوگی۔ دوسرے اسے اس امر کا یقین ہو کہ اس کے بدلے میں مجھے قیامت والے دن اچھی جزا ملے گی۔
(۱) یہ کام بھی وہی کرے گا جس میں مذکورہ خوبیاں ہوں گی ورنہ یہ یتیم کی طرح مسکین کو بھی دھکا ہی دے گا۔
(۲) اس سے وہ لوگ مراد ہیں جو نماز یا تو پڑھتے ہی نہیں۔ یا پہلے پڑھتے رہے ہیں، پھر ست ہو گئے یا نماز کو اس کے اپنے
مسنوں وقت میں نہیں پڑھتے، جب جی چاہتا ہے پڑھ لیتے ہیں یا تاخیر سے پڑھنے کو معمول بنا لیتے ہیں یا خشوع خضوع کے
ساتھ نہیں پڑھتے۔ یہ سارے ہی مفہوم اس میں آجاتے ہیں، اس لیے نماز کی مذکورہ ساری ہی کوتاہیوں سے بچنا چاہیے۔
یہاں اس مقام پر ذکر کرنے سے یہ بھی واضح ہے کہ نماز میں ان کوتاہیوں کے مرتکب وہی لوگ ہوتے ہیں جو آخرت کی
جزا اور حساب کتاب پر یقین نہیں رکھتے۔ اسی لیے منافقین کی ایک صفت یہ بھی بیان کی گئی ہے۔ ﴿وَإِذَا قَامُوا إِلَى الصَّلَاةِ
قَامُوا كَسَالَى يُزَآءُونَ النَّاسَ وَلَا يَذْكُرُونَ اللَّهَ إِلَّا قَلِيلًا﴾ (النساء: ۱۱۳)

(۳) یعنی ایسے لوگوں کا شیوہ یہ ہوتا ہے کہ لوگوں کے ساتھ ہوئے تو نماز پڑھ لی، بصورت دیگر نماز پڑھنے کی ضرورت
ہی نہیں سمجھتے، یعنی صرف نمود و نمائش اور ریا کاری کے لیے نماز پڑھتے ہیں۔

(۴) مَعْنَى: شَيْءٌ قَلِيلٌ کہتے ہیں۔ بعض اس سے مراد ذکوۃ لیتے ہیں، کیوں کہ وہ بھی اصل مال کے مقابلے میں بالکل
تھوڑی سی ہی ہوتی ہے، (ڈھائی فی صد) اور بعض اس سے گھروں میں برتنے والی چیزیں مراد لیتے ہیں جو پڑوسی ایک
دوسرے سے عاریتاً مانگ لیتے ہیں۔ مطلب یہ ہوا کہ گھر یلو استعمال کی چیزیں عاریتاً دے دینا اور اس میں کبیدگی محسوس نہ
کرنا اچھی صفت ہے اور اس کے برعکس بخل اور کنجوسی برتنا، یہ منکرین قیامت ہی کا شیوہ ہے۔

☆ اس کا دوسرا نام سُورَةُ النَّحْرِ بھی ہے۔

ہے۔^(۱)

پس تو اپنے رب کے لیے نماز پڑھ اور قربانی کر۔^(۲)
یقیناً تیرا دشمن ہی لاوارث اور بے نام و نشان
ہے۔^(۳)

سورہ کافرون کی ہے اور اس میں چھ آیات ہیں۔



بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

شروع کرتا ہوں اللہ تعالیٰ کے نام سے جو بڑا مہربان
نہایت رحم والا ہے۔

(۱) کَوْفَرٌ، کثرت سے ہے۔ اس کے متعدد معنی بیان کیے گئے ہیں۔ ابن کثیرؒ نے ”خیر کثیر“ کے مفہوم کو ترجیح دی ہے کیوں کہ اس میں ایسا عموم ہے کہ جس میں دوسرے معانی بھی آجاتے ہیں۔ مثلاً صحیح احادیث میں بتلایا گیا ہے کہ اس سے ایک نسر مراد ہے جو جنت میں آپ ﷺ کو عطا کی جائے گی۔ اسی طرح بعض احادیث میں اس کا مصداق حوض بتلایا گیا ہے، جس سے اہل ایمان جنت میں جانے سے قبل نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے دست مبارک سے پانی پیئیں گے۔ اس حوض میں بھی پانی اسی جنت والی نسر سے آرہا ہو گا۔ اسی طرح دنیا کی فتوحات اور آپ ﷺ کا رفع و دوام ذکر اور آخرت کا اجر و ثواب، سب ہی چیزیں ”خیر کثیر“ میں آجاتی ہیں۔ (ابن کثیر)

(۲) یعنی نماز بھی صرف ایک اللہ کے لیے اور قربانی بھی صرف ایک اللہ کے نام پر۔ مشرکین کی طرح ان میں دو سروں کو شریک نہ کر۔ نَحْرُ کے اصل معنی ہیں اونٹ کے حلقوم میں نیزہ یا چھری مار کر اسے ذبح کرنا۔ دوسرے جانوروں کو زمین پر لٹا کر ان کے گلوں پر چھری پھیری جاتی ہے اسے ذبح کرنا کہتے ہیں۔ لیکن یہاں نحر سے مراد مطلق قربانی ہے، علاوہ ازیں اس میں بطور صدقہ و خیرات جانور قربان کرنا، حج کے موقع پر منیٰ میں اور عید الاضحیٰ کے موقع پر قربانی کرنا، سب شامل ہیں۔

(۳) اَبْنَتْ، ایسے شخص کو کہتے ہیں جو مقطوع النسل یا مقطوع الذکر ہو، یعنی اس کی ذات پر ہی اس کی نسل کا خاتمہ ہو جائے یا کوئی اس کا نام لیوانہ رہے۔ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی اولاد نہ نہ زندہ نہ رہی تو بعض کفار نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اتر کر کہا، جس پر اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو تسلی دی کہ اتر تو نہیں، تیرے دشمن ہی ہوں گے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کی نسل کو بھی باقی رکھا گو اس کا سلسلہ لڑکی کی طرف سے ہی ہے۔ اسی طرح آپ ﷺ کی امت بھی آپ ﷺ کی اولاد معنوی ہی ہے، جس کی کثرت پر آپ ﷺ قیامت والے دن فخر کریں گے، علاوہ ازیں آپ ﷺ کا ذکر پوری دنیا میں نہایت عزت و احترام سے کیا جاتا ہے، جبکہ آپ ﷺ سے بغض و عناد رکھنے والے صرف صفحات تاریخ پر ہی موجود رہ گئے ہیں لیکن کسی دل میں ان کا احترام نہیں اور کسی زبان پر ان کا ذکر خیر نہیں۔

☆ صحیح احادیث سے ثابت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم طواف کی دو رکعتوں اور فجر اور مغرب کی سنتوں میں

آپ کہہ دیجئے کہ اے کافرو! (۱)
 نہ میں عبادت کرتا ہوں اس کی جس کی تم عبادت کرتے
 ہو۔ (۲)
 نہ تم عبادت کرنے والے ہو اس کی جس کی میں عبادت
 کرتا ہوں۔ (۳)
 اور نہ میں عبادت کروں گا جسکی تم عبادت کرتے ہو۔ (۴)
 اور نہ تم اس کی عبادت کرنے والے ہو جس کی میں
 عبادت کر رہا ہوں۔ (۵)
 تمہارے لیے تمہارا دین ہے اور میرے لیے میرا دین
 ہے۔ (۶)

قُلْ يَا أَيُّهَا الْكَافِرُونَ ①
 لَا أَعْبُدُ مَا تَعْبُدُونَ ②
 وَلَا أَنْتُمْ عِبُدُونَ مَا أَعْبُدُ ③
 وَلَا أَتَاغَايِدُ مَا تَعْبُدُونَ ④
 وَلَا أَنْتُمْ عِبُدُونَ مَا أَعْبُدُ ⑤
 لَكُمْ دِينُكُمْ وَلِيَ دِينِ ⑥

﴿قُلْ يَا أَيُّهَا الْكَافِرُونَ﴾ اور سورۃ اخلاص پڑھتے تھے۔ اسی طرح آپ ﷺ نے بعض صحابہ رضی اللہ عنہم کو فرمایا کہ رات کو سوتے وقت، یہ سورت پڑھ کر سوؤ گے تو شرک سے بری قرار پاؤ گے۔ (مسند أحمد، ۵/ ۳۵۶ - ترمذی، نمبر ۳۴۰۳ - ابوداؤد، نمبر ۵۰۵۵، مجمع الزوائد، ۱۰/ ۱۲۱) بعض روایات میں خود آپ ﷺ کا عمل بھی یہ بتلایا گیا ہے۔ (ابن کثیر)

(۱) الْكَافِرُونَ میں الف لام جنس کے لیے ہے۔ لیکن یہاں بطور خاص صرف ان کافروں سے خطاب ہے جن کی بابت اللہ کو علم تھا کہ ان کا خاتمہ کفر و شرک پر ہو گا۔ کیوں کہ اس سورت کے نزول کے بعد کئی مشرک مسلمان ہوئے اور انہوں نے اللہ کی عبادت کی۔ (فتح القدیر)

(۲) بعض نے پہلی آیت کو حال کے اور دوسری کو استقبال کے مفہوم میں لیا ہے، لیکن امام شوکانی نے کہا ہے کہ ان محکمات کی ضرورت نہیں ہے۔ تاکید کے لیے تکرار، عربی زبان کا عام اسلوب ہے، جسے قرآن کریم میں کئی جگہ اختیار کیا گیا ہے۔ جیسے سورۃ الرحمن، سورۃ سرسلات میں ہے۔ اسی طرح یہاں بھی تاکید کے لیے یہ جملہ دہرایا گیا ہے۔ مقصد یہ ہے کہ یہ کبھی ممکن نہیں کہ میں توحید کا راستہ چھوڑ کر شرک کا راستہ اختیار کر لوں، جیسا کہ تم چاہتے ہو۔ اور اگر اللہ نے تمہاری قسمت میں ہدایت نہیں لکھی ہے، تو تم بھی اس توحید اور عبادت الہی سے محروم ہی رہو گے۔ یہ بات اس وقت فرمائی گئی، جب کفار نے یہ تجویز پیش کی کہ ایک سال ہم آپ ﷺ کے معبود کی اور ایک سال آپ ﷺ ہمارے معبودوں کی عبادت کریں۔

(۳) یعنی اگر تم اپنے دین پر راضی ہو اور اسے چھوڑنے کے لیے تیار نہیں ہو، تو میں اپنے دین پر راضی ہوں، میں اسے کیوں چھوڑوں؟ ﴿لَنَا آخِمْزَانَا وَلَكُمْ آخِمْزَانَا﴾ (القصص، ۵۵)

سورہ نصر مدنی ہے اور اس میں تین آیتیں ہیں۔

شروع کرتا ہوں اللہ تعالیٰ کے نام سے جو بڑا مہربان
نہایت رحم والا ہے۔

جب اللہ کی مدد اور فتح آجائے۔ (۱)

اور تو لوگوں کو اللہ کے دین میں جوق در جوق آتا دیکھ
لے۔ (۲)

تو اپنے رب کی تسبیح کرنے لگ حمد کے ساتھ اور اس سے
مغفرت کی دعا مانگ، بیشک وہ بڑا ہی توبہ قبول کرنے والا
ہے۔ (۳)

سورہ تبت کمی ہے اور اس میں پانچ آیتیں ہیں۔

شروع کرتا ہوں اللہ تعالیٰ کے نام سے جو بڑا مہربان
نہایت رحم والا ہے۔

سُورَةُ النَّصْرِ

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

إِذَا جَاءَ نَصْرُ اللَّهِ وَالْفَتْحُ ۝

وَرَأَيْتَ النَّاسَ يَدْخُلُونَ فِي دِينِ اللَّهِ أَفْوَاجًا ۝

فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ وَاسْتَغْفِرْ لَهُ إِنَّهُ كَانَ تَوَّابًا ۝

سُورَةُ التَّبَتِ

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

☆ نزول کے اعتبار سے یہ آخری سورت ہے۔ (صحیح مسلم، کتاب التفسیر) جس وقت یہ سورت نازل ہوئی تو بعض صحابہ رضی اللہ عنہم سمجھ گئے کہ اب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا آخری وقت آگیا ہے، اسی لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو تسبیح و تحمید اور استغفار کا حکم دیا گیا ہے جیسے حضرت ابن عباس اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما کا واقعہ صحیح بخاری میں ہے (تفسیر سورۃ النصر) (۱) اللہ کی مدد کا مطلب، اسلام اور مسلمانوں کا کفر اور کافروں پر غلبہ ہے، اور فتح سے مراد فتح مکہ ہے، جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا مولد و مسکن تھا، لیکن کافروں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو وہاں سے ہجرت کرنے پر مجبور کر دیا تھا، چنانچہ جب ۸ ہجری میں یہ مکہ فتح ہو گیا تو لوگ فوج در فوج اسلام میں داخل ہونے شروع ہو گئے، جب کہ اس سے قبل ایک ایک دو دو فرد مسلمان ہوتے تھے۔ فتح مکہ سے لوگوں پر یہ بات بالکل واضح ہو گئی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے سچے پیغمبر ہیں اور دین اسلام دین حق ہے، جس کے بغیر اب نجات اخروی ممکن نہیں، اللہ تعالیٰ نے فرمایا جب ایسا ہو تو۔

(۲) یعنی یہ سمجھ لے کہ تبلیغ رسالت اور احقاق حق کا فرض، جو تیرے ذمے تھا، پورا ہو گیا اور اب تیرا دنیا سے کوچ کرنے کا مرحلہ قریب آگیا ہے، اس لیے حمد و تسبیح الہی اور استغفار کا خوب اہتمام کر۔ اس سے معلوم ہوا کہ زندگی کے آخری ایام میں ان چیزوں کا اہتمام کثرت سے کرنا چاہیئے۔

☆ اسے سورۃ الْمَسَدِ بھی کہتے ہیں۔ اس کی شان نزول میں آتا ہے کہ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم ہوا کہ اپنے

ابولہب کے دونوں ہاتھ ٹوٹ گئے اور وہ (خود) ہلاک ہو گیا۔^(۱)
 نہ تو اس کا مال اس کے کام آیا اور نہ اس کی کمائی۔^(۲)
 وہ غنقریب بھڑکنے والی آگ میں جا گئے گا۔^(۳)
 اور اس کی بیوی بھی (جا گئی) جو لکڑیاں ڈھونڈنے والی ہے۔^(۴)

تَبَّتْ يَدَا ابْنِ لَهَبٍ وَتَبَّ ①
 مَا أَغْنَىٰ عَنْهُ مَالُهُ وَمَا كَسَبَ ②
 سَيَصْلَىٰ نَارًا ذَاتَ لَهَبٍ ③
 وَامْرَأَتُهُ حَمَّالَةَ الْحَطَبِ ④

رشتہ داروں کو انذار و تبلیغ کریں تو آپ ﷺ نے صفا پہاڑی پر چڑھ کر یَا صَبَاحَا! کی آواز لگائی۔ اس طرح کی آواز خطرے کی علامت سمجھی جاتی ہے، چنانچہ اس آواز پر لوگ اکٹھے ہو گئے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ذُرَا بَنَاتَا، اگر میں تمہیں خبر دوں کہ اس پہاڑ کی پشت پر ایک گھڑ سوار لشکر ہے جو تم پر حملہ آور ہوا چاہتا ہے، تو تم میری تصدیق کرو گے؟ انہوں نے کہا، کیوں نہیں۔ ہم نے کبھی آپ ﷺ کو جھوٹا نہیں پایا۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ پھر میں تمہیں ایک بڑے عذاب سے ڈرانے آیا ہوں۔ (اگر تم کفر و شرک میں مبتلا رہے) یہ سن کر ابولہب نے کہا تَبَّتَا لَكَ! تیرے لیے ہلاکت ہو، کیا تو نے ہمیں اس لیے جمع کیا تھا؟ جس پر اللہ تعالیٰ نے یہ سورۃ نازل فرمادی۔ (صحیح بخاری، تفسیر سورۃ تبت) ابولہب کا اصل نام عبدالعزیٰ تھا، اپنے حسن و جمال اور چہرے کی سرفخی کی وجہ سے اسے ابولہب (شعلہ فروزاں) کہا جاتا تھا۔ علاوہ ازیں اپنے انجام کے اعتبار سے بھی اسے جہنم کی آگ کا ایندھن بننا تھا۔ یہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا حقیقی چچا تھا، لیکن آپ ﷺ کا شدید دشمن تھا اور اس کی بیوی ام جمیل بنت حرب بھی دشمنی میں اپنے خاوند سے کم نہ تھی۔

(۱) يَدَا، يَدَا (ہاتھ) کا تشبیہ ہے، مراد اس سے اس کا نفس ہے، جز بول کر کل مراد لیا گیا ہے یعنی ہلاک و برباد ہو جائے۔ یہ بدعا ان الفاظ کے جواب میں ہے جو اس نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق غصے اور عداوت میں بولے تھے۔ وَتَبَّ (اور وہ ہلاک ہو گیا) یہ خبر ہے یعنی بدعا کے ساتھ ہی اللہ نے اس کی ہلاکت اور بربادی کی خبر بھی دے دی۔ چنانچہ جنگ بدر کے چند روز بعد یہ عذیبہ بیماری میں مبتلا ہوا، جس میں طاعون کی طرح گلٹی سی نکلتی ہے، اسی میں اس کی موت واقع ہو گئی۔ تین دن تک اس کی لاش یوں ہی پڑی رہی، حتیٰ کہ سخت بدبودار ہو گئی۔ بالآخر اس کے لڑکوں نے بیماری کے پھیلنے اور عار کے خوف سے، اس کے جسم پر دور سے ہی پتھر اور مٹی ڈال کر اسے دفنایا۔ (ایسر اتفاہیر)

(۲) کمائی میں اس کی ریسمانہ حیثیت اور جاہ و منصب اور اس کی اولاد بھی شامل ہے۔ یعنی جب اللہ کی گرفت آئی تو کوئی چیز اس کے کام نہ آئی۔

(۳) یعنی جہنم میں یہ اپنے خاوند کی آگ پر لکڑیاں لالا کر ڈالے گی، تاکہ آگ مزید بھڑکے۔ یہ اللہ کی طرف سے ہو گا، یعنی جس طرح یہ دنیا میں اپنے خاوند کی، اس کے کفر و عناد میں، مددگار تھی، آخرت میں بھی عذاب میں اس کی مددگار ہو گی۔ (ابن کثیر) بعض کہتے ہیں کہ وہ کانٹے دار جھاڑیاں ڈھو ڈھو کر لاتی اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے راستے میں لاکر بچھا

فِي حَبِيبٍ مَّا حَبِلَ مِنْ مَسَدٍ ⑤

اسکی گردن میں پوست کھجور کی بٹی ہوئی رسی ہوگی۔ (۵)

سورۃ اخلاص کی ہے اور اس میں چار آیتیں ہیں۔

شروع کرتا ہوں اللہ تعالیٰ کے نام سے جو بڑا مہربان
نمائت رحم والا ہے۔

آپ کہہ دیجئے کہ وہ اللہ تعالیٰ ایک (ہی) ہے۔ (۱)

اللہ تعالیٰ بے نیاز ہے۔ (۲)

نہ اس سے کوئی پیدا ہوا نہ وہ کسی سے پیدا ہوا۔ (۳)

اور نہ کوئی اس کا ہمسر ہے۔ (۴)



بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ⑥

قُلْ هُوَ اللّٰهُ أَحَدٌ ①

اللّٰهُ الصَّمَدُ ②

لَمْ يَلِدْ وَلَمْ يُولَدْ ③

لَمْ يَكُنْ لَهُ كُفُوًا أَحَدٌ ④

دیتی تھی۔ اور بعض کہتے ہیں کہ یہ اس کی چغل خوری کی عادت کی طرف اشارہ ہے۔ چغل خوری کے لیے یہ عربی محاورہ ہے۔ یہ کفار قریش کے پاس جا کر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی غیبت کرتی اور انہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی عداوت پر اسکا تی تھی۔ (فتح الباری)

(۱) حَبِيبٌ گردن۔ مَسَدٌ مضبوط بٹی ہوئی رسی۔ وہ مونج کی یا کھجور کی پوست کی ہوا آہنی تاروں کی۔ جیسا کہ مختلف لوگوں نے اس کا ترجمہ کیا ہے۔ بعض نے کہا ہے کہ یہ وہ دنیا میں ڈالے رکھتی تھی جسے بیان کیا گیا ہے۔ لیکن زیادہ صحیح بات یہ معلوم ہوتی ہے کہ جنم میں اس کے گلے میں جو طوق ہو گا وہ آہنی تاروں سے بٹا ہوا ہو گا۔ مَسَدٌ سے تشبیہ اس کی شدت اور مضبوطی کو واضح کرنے کے لیے دی گئی ہے۔

☆۔ یہ مختصری سورت بڑی فضیلت کی حامل ہے، اسے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ثلث (ایک تہائی ۱/۳) قرآن قرار دیا ہے اور اسے رات کو پڑھنے کی ترغیب دی ہے۔ (البخاری، کتاب الصوحد، وفصائل القرآن، باب فضل قل هو اللہ أحد، بعض صحابہ رضی اللہ عنہم ہر رکعت میں دیگر سورتوں کے ساتھ اسے بھی ضرور پڑھتے تھے، جس پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں فرمایا ”تمہاری اس کے ساتھ محبت تمہیں جنت میں داخل کر دے گی“۔ (البخاری، کتاب الصوحد، کتاب الأذان، باب الجمع بین السورتین فی الركعة۔ مسلم، کتاب صلاة المسافرين، اس کا سبب نزول یہ بیان کیا گیا ہے کہ مشرکین نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا کہ اپنے رب کا نسب بیان کرو۔ (مسند أحمد، ۵/۱۳۳-۱۳۴)

(۲) یعنی سب اس کے محتاج ہیں، وہ کسی کا محتاج نہیں۔

(۳) یعنی نہ اس سے کوئی چیز نکلی ہے نہ وہ کسی چیز سے نکلا ہے۔

(۴) اس کی ذات میں، نہ اس کی صفات میں اور نہ اس کے افعال میں۔ ﴿لَيْسَ كَمِثْلِهِ شَيْءٌ﴾ (الشوریٰ، ۱۱) حدیث

سورۃ فلق کی ہے اور اس میں پانچ آیتیں ہیں۔

شروع کرتا ہوں اللہ تعالیٰ کے نام سے جو بڑا مہربان
نہایت رحم والا ہے۔

آپ کہہ دیجئے! کہ میں صبح کے رب کی پناہ میں آتا



بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ ۝۱

قدسی میں ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ”انسان مجھے گالی دیتا ہے یعنی میرے لیے اولاد ثابت کرتا ہے“ حالانکہ میں ایک ہوں بے نیاز ہوں، میں نے کسی کو جتنا ہے نہ کسی سے پیدا ہوا ہوں اور نہ کوئی میرا مہر ہے۔“ (صحیح البخاری) تفسیر سورۃ قل هو اللہ أحد، اس سورت میں ان کا بھی رد ہو گیا جو متعدد خداؤں کے قائل ہیں اور جو اللہ کے لیے اولاد ثابت کرتے ہیں اور جو اس کو دو سروں کا شریک گردانتے ہیں اور ان کا بھی جو سرے سے وجود باری تعالیٰ ہی کے قائل نہیں۔

☆۔ اس کے بعد سورۃ الناس ہے، ان دونوں کی مشترکہ فضیلت متعدد احادیث میں بیان کی گئی ہے۔ مثلاً ایک حدیث میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ”آج کی رات مجھ پر کچھ ایسی آیات نازل ہوئی ہیں، جن کی مثل میں نے کبھی نہیں دیکھی“ یہ فرما کر آپ ﷺ نے یہ دونوں سورتیں پڑھیں۔ (صحیح مسلم، کتاب صلوة المسافرین، باب فضل قراءة المعوذتین، والترمذی، ابو حابس جہنی رحمہ اللہ سے آپ ﷺ نے فرمایا ”اے ابو حابس! کیا میں تمہیں سب سے بہترین تعویذ نہ بتاؤں جس کے ذریعے سے پناہ طلب کرنے والے پناہ مانگتے ہیں، انہوں نے عرض کیا، ہاں، ضرور بتلائیے! آپ ﷺ نے دونوں سورتوں کا ذکر کر کے فرمایا یہ دونوں معوذتان ہیں۔“ (صحیح النسائی، للالبانی، نمبر ۵۰۲۰) نبی صلی اللہ علیہ وسلم انسانوں اور جنوں کی نظر سے پناہ مانگا کرتے تھے، جب یہ دونوں سورتیں نازل ہوئیں تو آپ ﷺ نے ان کے پڑھنے کو معمول بنالیا اور باقی دو سری چیزیں چھوڑ دیں۔ (صحیح الترمذی، للالبانی، نمبر ۲۱۵۰) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں جب آپ ﷺ کو کوئی تکلیف ہوتی تو معوذتین ﴿قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ﴾ اور ﴿قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ الْاِنْسَانِ﴾ پڑھ کر اپنے جسم پر پھونک لیتے، جب آپ ﷺ کی تکلیف زیادہ ہو گئی تو میں یہ سورتیں پڑھ کر آپ ﷺ کے ہاتھوں کو برکت کی امید سے، آپ ﷺ کے جسم پر پھیرتی۔ (بخاری، فضائل القرآن، باب المعوذات، مسلم، کتاب السلام، باب رقیۃ المریض بالمعوذات، جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر جادو کیا گیا، تو جبرائیل علیہ السلام یہی دو سورتیں لے کر حاضر ہوئے اور فرمایا کہ ایک یہودی نے آپ ﷺ پر جادو کیا ہے، اور یہ جادو فلاں کنویں میں ہے، آپ ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو بھیج کر اسے منگوایا، (یہ ایک کنکھی کے دندانوں اور بالوں کے ساتھ ایک تانت کے اندر گیارہ گرین پڑی ہوئی تھیں اور موم کا ایک پتلا تھا جس میں سوئیاں چھوئی ہوئی تھیں) جبرائیل علیہ السلام کے حکم کے مطابق آپ ﷺ ان دونوں سورتوں میں سے ایک ایک آیت پڑھتے جاتے اور گرہ کھلتی

ہوں۔ ^(۱)	مِنْ شَرِّ مَا خَلَقَ ۝
ہر اس چیز کے شر سے جو اس نے پیدا کی ہے۔ ^(۲)	وَمِنْ شَرِّ غَاسِقٍ إِذَا وَقَبَ ۝
اور اندھیری رات کی تاریکی کے شر سے جب اس کا اندھیرا پھیل جائے۔ ^(۳)	وَمِنْ شَرِّ النَّفَّاثَاتِ فِي الْعُقَدِ ۝
اور گرہ (لگا کر ان) میں پھونکنے والیوں کے شر سے (بھی) ^(۴)	وَمِنْ شَرِّ لَیْلِ إِذَا أَحَسَدَ ۝
اور حسد کرنے والے کی برائی سے بھی جب وہ حسد	

جاتی اور سوئی نکلتی جاتی۔ خاتے تک پہنچتے پہنچتے ساری گرہیں بھی کھل گئیں اور سوئیاں بھی نکل گئیں اور آپ ﷺ اس طرح صبح ہو گئے جیسے کوئی شخص جہڑ بندی سے آزاد ہو جائے۔ (صحیح بخاری، مع فتح الباری، کتاب الطب، باب السحر۔ مسلم، کتاب السلام، باب السحر۔ والسنن) آپ ﷺ کا یہ معمول بھی تھا کہ رات کو سوتے وقت سورہ اخلاص اور معوذتین پڑھ کر اپنی ہتھیلیوں پر پھونکتے اور پھر انہیں پورے جسم پر ملتے، پہلے سر، چہرے اور جسم کے اگلے حصے پر ہاتھ پھیرتے، اس کے بعد جہاں تک آپ ﷺ کے ہاتھ پہنچتے۔ تین مرتبہ آپ ﷺ ایسا کرتے۔ (صحیح بخاری، کتاب فضائل القرآن، باب فضل المعوذات)

(۱) فَلَقَ کے راجع معنی صبح کے ہیں۔ صبح کی تخصیص اس لیے کی کہ جس طرح اللہ تعالیٰ رات کا اندھیرا ختم کر کے دن کی روشنی لا سکتا ہے، وہ اللہ اسی طرح خوف اور دہشت کو دور کر کے پناہ مانگنے والے کو امن بھی دے سکتا ہے۔ یا انسان جس طرح رات کو اس بات کا منتظر ہوتا ہے کہ صبح روشنی ہو جائے گی، اسی طرح خوف زدہ آدمی پناہ کے ذریعے سے صبح کا سیابی کے طلوع کا امیدوار ہوتا ہے۔ (فتح القدیر)

(۲) یہ عام ہے، اس میں شیطان اور اس کی ذریت، جنم اور ہر اس چیز سے پناہ ہے جس سے انسان کو نقصان پہنچ سکتا ہے۔ (۳) رات کے اندھیرے میں ہی خطرناک درندے اپنی کچھاروں سے اور موذی جانور اپنے بلوں سے اور اسی طرح جرائم پیشہ افراد اپنے مذموم ارادوں کو عملی جامہ پہنانے کے لیے نکلتے ہیں۔ ان الفاظ کے ذریعے سے ان تمام سے پناہ طلب کی گئی ہے۔ غَاسِقٍ، رات، وَقَبَ داخل ہو جائے، چھا جائے۔

(۴) نَفَّاثَاتُ، مونث کا صیغہ ہے، جو النُّفُوسُ (موصوف محذوف) کی صفت ہے مِنْ شَرِّ النُّفُوسِ النَّفَّاثَاتِ یعنی گرہوں میں پھونکنے والے نفوس کی برائی سے پناہ۔ اس سے مراد جادو کا کالا عمل کرنے والے مرد اور عورت دونوں ہیں۔ یعنی اس میں جادو گروں کی شرارت سے پناہ مانگی گئی ہے۔ جادوگر، پڑھ پڑھ کر پھونک مارتے اور گرہ لگاتے جاتے ہیں۔ عام طور پر جس پر جادو کرتا ہوتا ہے اس کے بال یا کوئی چیز حاصل کر کے اس پر یہ عمل کیا جاتا ہے۔

کرے۔^(۱) (۵)

سورہ ناس مکی ہے اور اس میں چھ آیتیں ہیں۔

شروع کرتا ہوں اللہ تعالیٰ کے نام سے جو بڑا مہربان
نہایت رحم والا ہے۔

آپ کہہ دیجئے! کہ میں لوگوں کے پروردگار کی پناہ میں
آتا ہوں۔^(۲) (۱)

لوگوں کے مالک کی^(۳) (اور)^(۲)

لوگوں کے معبود کی (پناہ میں)^(۳) (۳)

وسوسہ ڈالنے والے پیچھے ہٹ جانے والے کے شر
سے۔^(۴) (۲)

سُورَةُ النَّاسِ

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

قُلْ أَعُوذُ بِرَبِّ النَّاسِ ۝

مَلِكِ النَّاسِ ۝

إِلَهِ النَّاسِ ۝

مِنْ شَرِّ الْوَسْوَاسِ الْخَفِيِّ ۝

(۱) حسد یہ ہے کہ حاسد، محسود سے زوال نعمت کی آرزو کرتا ہے، چنانچہ اس سے بھی پناہ طلب کی گئی ہے۔ کیوں کہ حسد بھی ایک نہایت بری اخلاقی بیماری ہے، جو نیکیوں کو کھا جاتی ہے۔

☆ اس کی فضیلت گزشتہ سورت کے ساتھ بیان ہو چکی ہے۔ ایک اور حدیث ہے جس میں آتا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو نماز میں بچھو ڈس گیا۔ نماز سے فراغت کے بعد آپ ﷺ نے پانی اور نمک منگوا کر اس کے اوپر ملا اور ساتھ ساتھ ﴿قُلْ يَا أَيُّهَا الْكَافِرُونَ، قُلْ هُوَ اللَّهُ أَحَدٌ اور قُلْ أَعُوذُ بِرَبِّ النَّاسِ﴾ پڑھتے رہے۔ (مجمع الزوائد ۵ / ۱۱۱) وقال الهيثمي اسنادہ حسن

(۲) رَبِّ (پروردگار) کا مطلب ہے جو ابتدا سے ہی، جب کہ انسان ابھی ماں کے پیٹ میں ہی ہوتا ہے، اس کی تدبیر و اصلاح کرتا ہے، حتیٰ کہ وہ بالغ عاقل ہو جاتا ہے۔ پھر وہ یہ تدبیر چند مخصوص افراد کے لیے نہیں، بلکہ تمام انسانوں کے لیے کرتا ہے اور تمام انسانوں کے لیے ہی نہیں، بلکہ اپنی تمام مخلوقات کے لیے کرتا ہے، یہاں صرف انسانوں کا ذکر انسان کے اس شرف و فضل کے اظہار کے لیے ہے جو تمام مخلوقات پر اس کو حاصل ہے۔

(۳) جو ذات، تمام انسانوں کی پرورش اور نگہداشت کرنے والی ہے، وہی اس لائق ہے کہ کائنات کی حکمرانی اور بادشاہی بھی اس کے پاس ہو۔

(۴) اور جو تمام کائنات کا پروردگار ہو، پوری کائنات پر اسی کی بادشاہی ہو، وہی ذات اس بات کی مستحق ہے کہ اس کی عبادت کی جائے اور وہی تمام لوگوں کا معبود ہو۔ چنانچہ میں اسی عظیم و برتر ہستی کی پناہ حاصل کرتا ہوں۔

(۵) اَلْوَسْوَاسُ، بعض کے نزدیک اسم فاعل اَلْمُوسِيسُ کے معنی میں ہے اور بعض کے نزدیک یہ ذِي الْوَسْوَاسِ ہے۔

الَّذِي يُوسِّسُ فِي صُدُورِ النَّاسِ ۝

مِنَ الْيَحْيَةِ وَالنَّاسِ ۝

جو لوگوں کے سینوں میں وسوسہ ڈالتا ہے۔ (۵)
(خواہ) وہ جن میں سے ہو یا انسان میں سے۔ (۶) ^(۱)

وسوسہ، مخفی آواز کو کہتے ہیں۔ شیطان بھی نہایت غیر محسوس طریقوں سے انسان کے دل میں بری باتیں ڈال دیتا ہے، اسی کو وسوسہ کہا جاتا ہے۔ 'الْخَنَّاسِ' (کھسک جانے والا یہ شیطان کی صفت ہے۔ جب اللہ کا ذکر کیا جائے تو یہ کھسک جاتا ہے اور اللہ کی یاد سے غفلت برتی جائے تو دل پر چھا جاتا ہے۔

(۱) یہ وسوسہ ڈالنے والوں کی دو قسمیں ہیں۔ شیاطین الجن کو تو اللہ تعالیٰ نے انسانوں کو گمراہ کرنے کی قدرت دی ہے۔ علاوہ ازیں ہر انسان کے ساتھ ایک شیطان اس کا ساتھی ہوتا ہے جو اس کو گمراہ کرتا رہتا ہے۔ چنانچہ حدیث میں آتا ہے کہ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بات فرمائی تو صحابہ رضی اللہ عنہم نے پوچھا کہ یا رسول اللہ! کیا وہ آپ کے ساتھ بھی ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ہاں! میرے ساتھ بھی ہے، لیکن اللہ نے اس پر میری مدد فرمائی ہے، اور وہ میرا مطیع ہو گیا ہے۔ مجھے خیر کے علاوہ کسی بات کا حکم نہیں دیتا۔ (صحیح مسلم، کتاب صفۃ القيامة، باب تحريش الشيطان وبعثه سراياہ لفتنة الناس....) اسی طرح حدیث میں آتا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اعکاف فرماتے کہ آپ ﷺ کی زوجہ مطہرہ حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا آپ ﷺ سے ملنے کے لیے آئیں۔ رات کا وقت تھا، آپ ﷺ انہیں چھوڑنے کے لیے ان کے ساتھ گئے۔ راستے میں دو انصاری صحابی وہاں سے گزرے، تو آپ ﷺ نے انہیں بلا کر فرمایا کہ یہ میری اہلیہ، صفیہ بنت جحش ہیں۔ انہوں نے عرض کیا، یا رسول اللہ ﷺ آپ کی بابت ہمیں کیا بدگمانی ہو سکتی تھی؟ آپ ﷺ نے فرمایا یہ تو ٹھیک ہے، لیکن شیطان انسان کی رگوں میں خون کی طرح دوڑتا ہے۔ مجھے خطرہ محسوس ہوا کہ کہیں وہ تمہارے دلوں میں کچھ شبہ نہ ڈال دے۔ (صحیح بخاری، کتاب الأحکام، والشهادة تکون عند الحاكم فی ولاية القضاء)

دوسرے شیطان، انسانوں میں سے ہوتے ہیں جو ناصح، مشفق کے روپ میں انسانوں کو گمراہی کی ترغیب دیتے ہیں۔ بعض کہتے ہیں کہ شیطان جن کو گمراہ کرتا ہے یہ ان کی دو قسمیں ہیں، یعنی شیطان انسانوں کو بھی گمراہ کرتا ہے اور جنات کو بھی۔ صرف انسانوں کا ذکر تعظیم کے طور پر ہے، ورنہ جنات بھی شیطان کے وسوسوں سے گمراہ ہونے والوں میں شامل ہیں اور بعض کہتے ہیں کہ جنوں پر بھی قرآن میں ”رجال“ کا لفظ بولا گیا ہے۔ (سورۃ الجن، ۶) اس لیے وہ بھی ناس کا مصداق ہیں۔

رموز اوقاف قرآن مجید

ہر زبان کے اہل زبان جب گفتگو کرتے ہیں تو کہیں ٹھہر جاتے ہیں، کہیں نہیں ٹھہرتے۔ کہیں کم ٹھہرتے ہیں، کہیں زیادہ اور اس ٹھہرنے اور نہ ٹھہرنے کو بات کے صحیح بیان کرنے اور اس کا صحیح مطلب سمجھنے میں بہت دخل ہے۔ قرآن مجید کی عبارت بھی گفتگو کے انداز میں واقع ہوئی ہے۔ اسی لئے اہل علم نے اس کے ٹھہرنے نہ ٹھہرنے کی علامتیں مقرر کر دی ہیں، جن کو رموز اوقاف قرآن مجید کہتے ہیں۔ ضروری ہے کہ قرآن مجید کی تلاوت کرنے والے ان رموز کو ملحوظ رکھیں اور وہ یہ ہیں :

○ جہاں بات پوری ہو جاتی ہے، وہاں چھوٹا سادہ لگا دیتے ہیں۔ یہ حقیقت میں گول (ت) جو بصورت (ة) لکھی جاتی ہے۔ اور یہ وقف تام کی علامت ہے یعنی اس پر ٹھہرنا چاہیے، اب (ة) تو نہیں لکھی جاتی۔ چھوٹا سادہ ڈال دیا جاتا ہے۔ اس کو آیت کہتے ہیں۔ دائرہ پر اگر کوئی اور علامت نہ ہو تو رک جائیں ورنہ علامت کے مطابق عمل کریں۔

۵ یہ اس بات کی علامت ہے کہ اس موقع پر غیر کوفین کے نزدیک آیت ہے۔ وقف کریں تو اعادہ کی ضرورت نہیں۔ اس کا حکم بھی وہی ہے جو دائرہ کا ہے۔

م یہ علامت وقف لازم کی ہے۔ اس پر ضرور ٹھہرنا چاہیے۔ اگر نہ ٹھہرا جائے تو احتمال ہے کہ مطلب کچھ کا کچھ ہو جائے۔ اس کی مثال اردو میں یوں سمجھنی چاہیے کہ مثلاً کسی کو یہ کہنا ہو کہ ”اٹھو۔ مت بیٹھو“ جس میں اٹھنے کا امر اور بیٹھنے کی نہی ہے۔ تو اٹھو پر ٹھہرنا لازم ہے، اگر ٹھہرا نہ جائے تو ”اٹھو مت۔ بیٹھو“ ہو جائے گا۔ جس میں اٹھنے کی نہی اور بیٹھنے کے امر کا احتمال ہے۔ اور یہ قائل کے مطلب کے خلاف ہو جائے گا۔

ط وقف مطلق کی علامت ہے۔ اس پر ٹھہرنا چاہیے۔ یہ علامت وہاں ہوتی ہے جہاں مطلب تمام نہیں ہوتا اور بات کہنے والا ابھی کچھ اور کہنا چاہتا ہے۔

ج وقف جائز کی علامت ہے۔ یہاں ٹھہرنا بہتر اور نہ ٹھہرنا جائز ہے۔

- ز علامت وقف مجوز کی ہے۔ یہاں نہ ٹھہرنا بہتر ہے۔
- ص علامت وقف مرض کی ہے۔ یہاں ملا کر پڑنا چاہیئے لیکن اگر کوئی تھک کر ٹھہر جائے تو رخصت ہے۔ معلوم رہے کہ (ص) پر ملا کر پڑھنا (ز) کی نسبت زیادہ ترجیح رکھتا ہے۔
- صلے الوصل اولیٰ کا اختصار ہے۔ یہاں ملا کر پڑھنا بہتر ہے۔
- ق قبل علیہ الوقف کا خلاصہ ہے۔ یہاں ٹھہرنا نہیں چاہیئے۔
- صل قد یوصل کا مخفف ہے۔ یہاں ٹھہرا بھی جاتا ہے اور کبھی نہیں۔ بوقت ضرورت وقف کر سکتے ہیں۔
- قف یہ لفظ قف ہے۔ جس کے معنی ہیں ٹھہر جاؤ۔ اور یہ علامت وہاں استعمال کی جاتی ہے، جہاں پڑھنے والے کے ملا کر پڑھنے کا احتمال ہو۔
- سکتہ سکتہ کی علامت ہے۔ یہاں کسی قدر ٹھہر جانا چاہیئے مگر سانس نہ ٹوٹنے پائے۔
- وقفہ لمبے سکتہ کی علامت ہے۔ یہاں سکتہ کی نسبت زیادہ ٹھہرنا چاہیئے لیکن سانس نہ توڑیں۔ سکتہ اور وقفہ میں یہ فرق ہے کہ سکتہ میں کم ٹھہرنا ہوتا ہے، وقفہ میں زیادہ۔
- لا لا کے معنی نہیں کے ہیں۔ یہ علامت کہیں آیت کے اوپر استعمال کی جاتی ہے اور کہیں عبارت کے اندر۔ عبارت کے اندر ہو تو ہرگز نہیں ٹھہرنا چاہیئے۔ آیت کے اوپر ہو تو اختلاف ہے۔ بعض کے نزدیک ٹھہر جانا چاہیئے بعض کے نزدیک نہیں ٹھہرنا چاہیئے لیکن ٹھہرا جائے یا نہ ٹھہرا جائے اس سے مطلب میں خلل واقع نہیں ہوتا۔
- ک کذلک کا مخفف ہے، اس سے مراد ہے کہ جو رمزاں سے پہلی آیت میں آچکی ہے، اُس کا حکم اس پر بھی ہے۔
- ۔۔ یہ تین نقاط والے دو وقف قریب قریب آتے ہیں۔ ان کو معانقہ کہتے ہیں۔ کبھی اس کو مختصر کر کے (مع) لکھ دیتے ہیں۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ دونوں وقف گویا معانقہ کر رہے ہیں۔ ان کا حکم یہ ہے کہ ان میں سے ایک پر ٹھہرنا چاہیئے دوسرے پر نہیں۔ ہاں وقف کرنے میں رموز کی قوت اور ضعف کو ملحوظ رکھنا چاہیئے۔

قرآن مجید کی سورتوں کی فہرست

نمبر شمار	نام سورت	صفحہ نمبر	شمار پارہ
۱	سورة الفاتحة	۱	۱
۲	سورة البقرة	۷	۱ - ۲ - ۳
۳	سورة آل عمران	۱۲۹	۳ - ۴
۴	سورة النساء	۲۰۱	۴ - ۵ - ۶
۵	سورة المائدة	۲۸۱	۶ - ۷
۶	سورة الأنعام	۳۴۰	۷ - ۸
۷	سورة الأعراف	۴۰۶	۸ - ۹
۸	سورة الأنفال	۴۷۷	۹ - ۱۰
۹	سورة التوبة	۵۰۴	۱۰ - ۱۱
۱۰	سورة يونس	۵۵۹	۱۱
۱۱	سورة هود	۵۹۷	۱۱ - ۱۲
۱۲	سورة يوسف	۶۳۷	۱۲ - ۱۳
۱۳	سورة الرعد	۶۷۶	۱۳
۱۴	سورة إبراهيم	۶۹۴	۱۳
۱۵	سورة الحجر	۷۱۰	۱۳ - ۱۴
۱۶	سورة النحل	۷۲۶	۱۴
۱۷	سورة بني إسرائيل	۷۶۵	۱۵
۱۸	سورة الكهف	۷۹۸	۱۵ - ۱۶
۱۹	سورة مريم	۸۳۲	۱۶
۲۰	سورة طه	۸۵۳	۱۶
۲۱	سورة الأنبياء	۸۸۳	۱۷
۲۲	سورة الحج	۹۱۰	۱۷
۲۳	سورة المؤمنون	۹۳۹	۱۸
۲۴	سورة النور	۹۶۲	۱۸
۲۵	سورة الفرقان	۹۹۳	۱۸ - ۱۹
۲۶	سورة الشعراء	۱۰۱۳	۱۹
۲۷	سورة النمل	۱۰۴۳	۱۹ - ۲۰

نمبر شمار	نام سورت	صفه نمبر	شمار پارہ
۲۸	سورة القصص	۱۰۶۸	۲۰
۲۹	سورة العنكبوت	۱۰۹۹	۲۱ - ۲۰
۳۰	سورة الروم	۱۱۲۳	۲۱
۳۱	سورة لقمان	۱۱۴۲	۲۱
۳۲	سورة السجدة	۱۱۵۵	۲۱
۳۳	سورة الأحزاب	۱۱۶۳	۲۲ - ۲۱
۳۴	سورة سبا	۱۱۹۷	۲۲
۳۵	سورة فاطر	۱۲۱۶	۲۲
۳۶	سورة یس	۱۲۳۲	۲۳ - ۲۲
۳۷	سورة الصافات	۱۲۴۹	۲۳
۳۸	سورة ص	۱۲۷۲	۲۳
۳۹	سورة الزمر	۱۲۹۰	۲۴ - ۲۳
۴۰	سورة المؤمن	۱۳۱۴	۲۴
۴۱	سورة حم السجدة	۱۳۴۱	۲۵ - ۲۴
۴۲	سورة الشوری	۱۳۶۰	۲۵
۴۳	سورة الزخرف	۱۳۷۷	۲۵
۴۴	سورة الدخان	۱۳۹۶	۲۵
۴۵	سورة الجاثیة	۱۴۰۵	۲۵
۴۶	سورة الأحقاف	۱۴۱۵	۲۶
۴۷	سورة محمد	۱۴۲۸	۲۶
۴۸	سورة الفتح	۱۴۴۱	۲۶
۴۹	سورة الحجرات	۱۴۵۵	۲۶
۵۰	سورة ق	۱۴۶۳	۲۶
۵۱	سورة الذاریات	۱۴۷۲	۲۷ - ۲۶
۵۲	سورة الطور	۱۴۸۲	۲۷
۵۳	سورة النجم	۱۴۹۱	۲۷
۵۴	سورة القمر	۱۵۰۰	۲۷
۵۵	سورة الرحمن	۱۵۱۰	۲۷
۵۶	سورة الواقعة	۱۵۲۰	۲۷

نمبر شمار	نام سورت	صفحہ نمبر	شمار پارہ
۵۷	سورة الحديد	۱۵۳۱	۲۷
۵۸	سورة المجادلة	۱۵۴۳	۲۸
۵۹	سورة الحشر	۱۵۵۳	۲۸
۶۰	سورة الممتحنة	۱۵۶۳	۲۸
۶۱	سورة الصف	۱۵۷۱	۲۸
۶۲	سورة الجمعة	۱۵۷۶	۲۸
۶۳	سورة المنافقون	۱۵۸۰	۲۸
۶۴	سورة التغابن	۱۵۸۴	۲۸
۶۵	سورة الطلاق	۱۵۹۰	۲۸
۶۶	سورة التحريم	۱۵۹۷	۲۸
۶۷	سورة الملك	۱۶۰۳	۲۹
۶۸	سورة القلم	۱۶۱۰	۲۹
۶۹	سورة الحاقة	۱۶۱۹	۲۹
۷۰	سورة المعارج	۱۶۲۵	۲۹
۷۱	سورة نوح	۱۶۳۱	۲۹
۷۲	سورة الجن	۱۶۳۷	۲۹
۷۳	سورة المزمل	۱۶۴۴	۲۹
۷۴	سورة المدثر	۱۶۴۹	۲۹
۷۵	سورة القيامة	۱۶۵۶	۲۹
۷۶	سورة الدهر	۱۶۶۱	۲۹
۷۷	سورة المرسلات	۱۶۶۷	۲۹
۷۸	سورة النبأ	۱۶۷۳	۳۰
۷۹	سورة النازعات	۱۶۷۸	۳۰
۸۰	سورة عبس	۱۶۸۴	۳۰
۸۱	سورة التکویر	۱۶۸۸	۳۰
۸۲	سورة الانفطار	۱۶۹۲	۳۰
۸۳	سورة المطففين	۱۶۹۵	۳۰
۸۴	سورة الانشقاق	۱۶۹۹	۳۰
۸۵	سورة البروج	۱۷۰۳	۳۰

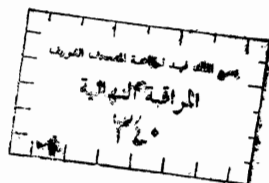
نمبر شمار	نام سورت	صفحہ نمبر	شمار پارہ
۸۶	سورة الطارق	۱۷۰۶	۳۰
۸۷	سورة الأعلى	۱۷۰۹	۳۰
۸۸	سورة الغاشية	۱۷۱۱	۳۰
۸۹	سورة الفجر	۱۷۱۴	۳۰
۹۰	سورة البلد	۱۷۱۸	۳۰
۹۱	سورة الشمس	۱۷۲۱	۳۰
۹۲	سورة الليل	۱۷۲۳	۳۰
۹۳	سورة الضحیٰ	۱۷۲۶	۳۰
۹۴	سورة الشرح	۱۷۲۷	۳۰
۹۵	سورة التین	۱۷۲۹	۳۰
۹۶	سورة العلق	۱۷۳۰	۳۰
۹۷	سورة القدر	۱۷۳۳	۳۰
۹۸	سورة البینة	۱۷۳۴	۳۰
۹۹	سورة الزلزال	۱۷۳۷	۳۰
۱۰۰	سورة العادیات	۱۷۳۸	۳۰
۱۰۱	سورة القارعة	۱۷۴۰	۳۰
۱۰۲	سورة التكاثر	۱۷۴۲	۳۰
۱۰۳	سورة العصر	۱۷۴۳	۳۰
۱۰۴	سورة الهمزة	۱۷۴۴	۳۰
۱۰۵	سورة الفیل	۱۷۴۵	۳۰
۱۰۶	سورة قریش	۱۷۴۶	۳۰
۱۰۷	سورة الماعون	۱۷۴۷	۳۰
۱۰۸	سورة الكوثر	۱۷۴۸	۳۰
۱۰۹	سورة الكافرون	۱۷۵۰	۳۰
۱۱۰	سورة النصر	۱۷۵۱	۳۰
۱۱۱	سورة تبت	۱۷۵۲	۳۰
۱۱۲	سورة الإخلاص	۱۷۵۳	۳۰
۱۱۳	سورة الفلق	۱۷۵۴	۳۰
۱۱۴	سورة الناس	۱۷۵۶	۳۰

وزارت اسلامی امور، اوقاف، دعوت و ارشاد

مملکت سعودی عرب

نگران ”شاہ فہد قرآن کریم پرنٹنگ کمپلیکس مدینہ منورہ“
کے لیے باعث مسرت ہے کہ کمپلیکس یہ قرآن کریم
مع اردو ترجمہ و تفسیر شائع کرے۔

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ لوگوں میں اس کا نفع عام کرے
اور خادم حرمین شریفین شاہ فہد بن عبدالعزیز آل سعود
کو اشاعت قرآن کریم کے سلسلہ میں عظیم
کوششوں پر جزاء عطا فرمائے۔
اللہ ہی توفیق دینے والا ہے۔



حَقُّوا الطَّبْعَ بِحَقِّهِ
لِجَمْعِ الْمَلَائِكَةِ طَلَبَ الْمُصَنَّفَ الشَّيْخَ فِي
ص. ب ٦٢٦٢ - المدينة المنورة



حقوق طبع و تہ حق ناشر محفوظ ہیں
شاہ فہد قرآن شریف پریسنگ کمپلیکس
پوسٹ بکس نمبر ۶۲۶۲ مدینہ منورہ

ح) مجمع الملك فهد لطباعة المصحف الشريف ، ١٤١٧هـ

فهرسة مكتبة الملك فهد الوطنية أثناء النشر

القرآن الكريم وترجمة معانيه إلى اللغة الأردنية / ترجمة مجمع
الملك فهد لطباعة المصحف الشريف - المدينة المنورة .

١٧٧٦ ص ، ٢١×١٤ سم

ردمك ١-١٤-٧٧٠-٩٩٦٠

١- القرآن - ترجمة - اللغة الأردنية ٢- القرآن - تفسير

أ- مجمع الملك فهد لطباعة المصحف الشريف (مترجم)

١٧/١٠٥٦

ديوي ٢٢١،٤٩١٤٣٩

رقم الإيداع : ١٧/١٠٥٦

ردمك : ١-١٤-٧٧٠-٩٩٦٠



قرآن کریم
مع اردو ترجمہ
دفعہ